﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

سیرت سیّدُ الاُمَمِ صلی اللہ علیہ وسلم

ماخذ

قرآنِ مجید، کتبِ احادیث، فقہ وتاریخ

جلد ١

مولوی محمد اصغر ہاشمی

انتساب

اپنے والد مولوی محمد رفیق ہاشمی اور اپنی والدہ (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) کے نام
جنہوں نے مجھے اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری پیغامبر ﷺ پر ایمان لانے کی راہ پر لگایا۔

صفحہ نمبر	فہرست مضامین
	انتساب
۲	پیش لفظ
۲۶	آنی سورتوں کی ترتیب نزول
۸۷	توحید اور انسان کا شرک کی طرف سفر
۹۶	انبیاء کرام کا اولین فریضہ
۱۳۱	قبل از بعثت اہل عرب کی مذہبی حالت
۱۵۴	ملائکہ کی عبادت
۱۵۶	جنوں کی عبادت
۱۵۷	کہانت
۱۶۰	بتوں کے آستانوں پر فال گری
۱۶۱	بدشگونی
۱۶۲	عربوں میں اوہام پرستی
۱۶۴	حرام مہینوں (اشہر حرم) میں ردوبدل
۱۶۶	حج کا طریقہ کار
۱۶۷	دھوپ میں پاپیادہ حج
۱۶۸	کھلے سر اور ننگے پاوں حج
۱۶۸	ننگا ہو کر حج کرنا
۱۷۰	حج مصمت (گونگا حج)
۱۷۰	بھو کا حج
۱۷۰	ناک میں نکیل ڈال کر حج کرنا
۱۷۰	ایک دوسرے سے ہاتھ باندھ کر حج کرنا

دو اشخاص کا ایک ساتھ بندھ کر حج کرنا	۱۷۱
حج کے لئے خالی ہاتھ روانہ ہونا	۱۷۱
حج اور عمرہ ایک ساتھ نہ کرنا	۱۷۱
ہدیٰ کے جانور پر سواری نہ کرنا	۱۷۲
کسب معاش	۱۷۲
گھر میں سامنے سے داخل نہ ہونا	۱۷۳
نذر و نیاز کے جانور	۱۷۴
قربانی	۱۷۴
جانوروں کو دیوتاؤں کے لئے آزاد کرنا	۱۷۵
بحیرہ	۱۷۵
وصیلہ	۱۷۵
سائبہ	۱۷۵
حام	۱۷۵
من مرضی کا حلال و حرام	۱۷۶
اموال میں اللہ اور بتوں کا حصہ	۱۷۷
نماز کی ادائیگی	۱۷۸
تعویذ، گنڈے	۱۷۹
عربوں کا سماجی نظام	۱۸۴
قبائل کے داخلی طبقات	۱۸۴
حلف	۱۸۶
استلحاق	۱۸۸
تاہم رسول اللہ ﷺ کے حکم	۱۸۸

مواخاۃ	۱۸۹
استرقاق (غلامی)	۱۸۹
مکاتبت	۱۹۱
تدبیر	۱۹۱
فدیہ	۱۹۱
مولیٰ (آزاد کردہ غلام)	۱۹۱
مولیٰ القرابت والولادت	۱۹۱
مولیٰ قرابت، مولیٰ ولادت	۱۹۱
مولیٰ الحلف والیمین	۱۹۲
مولیٰ النعمت	۱۹۳
شراب ونشہ آور اشیا	۱۹۵
قمار بازی	۱۹۸
سودی لین دین	۱۹۸
کثرت ازواج	۱۹۹
طلاق در طلاق	۲۰۴
عورتوں پر ایک اور ظلم	۲۰۶
میعاد عدت	۲۰۷
زبردستی کے شوہر	۲۰۸
سوتیلی والدہ سے نکاح	۲۰۸
عورتوں کی گواہی	۲۱۰
عورت کا جانوروں کا دودھ دوھنا	۲۱۰
وراثت کا ایک رواج	۲۱۰

قحبہ گری اور زنا کاری	۲۱۱
صواحبات الرایات (جھنڈیوں والیاں)	۲۱۱
نکاح استبضاع	۲۱۱
نکاح کا ایک اور طریقہ	۲۱۲
نکاح متعہ	۲۱۲
نکاح البدل	۲۱۷
نکاح الشغار	۲۱۸
مختلف تہذیبوں میں عورت کی حیثیت	۲۲۲
سمیری تہذیب میں عورت کی حالت زار	۲۲۲
مصر میں عورت کی حالت زار	۲۲۳
یونان میں عورت کی حیثیت	۲۲۴
رومتہ الکبری میں عورت کی حیثیت	۲۲۵
قدیم ایران میں عورت کی حیثیت	۲۲۷
قدیم ہندوستان میں عورت کی حیثیت	۲۲۸
چین میں عورت کی حیثیت	۲۳۲
جاپان میں عورت کی حیثیت	۲۳۲
برطانیہ اور امریکہ کی عورتیں	۲۳۳
قدیم افغانستان	۲۳۴
غلامی	۲۳۵
لونڈیوں پر احسان	۲۵۰
عورتوں کو ناپاک سمجھنا	۲۵۲
لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا	۲۵۴

ڈاکہ زنی	۲۶۱
چوری اور نقب زنی	۲۶۲
یتامیٰ سے سلوک	۲۶۳
حق تلفی	۲۶۵
دیت و قصاص	۲۶۸
قتل کا انتقام	۲۶۸
سفاکی و بربریت	۲۷۰
مہذب دنیا کی حالت زار	۲۷۴
اسلام میں مقصد جنگ اور طریق جنگ کی تطہیر	۲۷۵
کسی کی موت پر ہتھیاروں کا توڑ دینا	۲۷۶
بے حیائی	۲۷۶
بلوغت کی رسم	۲۷۷
حشرات ارض کا کھانا	۲۷۷
بہترین اوصاف	۲۷۷
زمین کے وسط میں آباد تھے	۲۷۷
آزادی	۲۷۸
بہترین زبان	۲۷۸
حسب و نسب	۲۷۹
مہمان نوازی	۲۷۹
عہد کی پابندی	۲۷۹
تہذیب و تمدن	۲۸۰
قوت حافظہ و ذکاوت	۲۸۰

غیرت وخودداری	۲۸۰
عربوں کی معاشی حالت	۲۸۲
تجارتی منڈیاں اور میلے	۲۹۰
دومتہ الجندل	۲۹۰
مشقر	۲۹۱
صحار (عمان)	۲۹۱
دبا	۲۹۱
شحر	۲۹۱
سوق عدن	۲۹۱
سوق صنعا	۲۹۲
رابیہ (حضرموت)	۲۹۲
عکاظ	۲۹۲
ذوالمجاز	۲۹۳
نطاۃ	۲۹۴
حجر	۲۹۴
عربوں کے سیاسی حالات	۲۹۴
مالیاتی نظام	۲۹۶
قریش کے بعض مذہبی، عدالتی اور سیاسی عہدے	۲۹۶
مذہبی عہدے	۲۹۷
عدالتی عہدے	۲۹۷
سیاسی وجنگی عہدے	۲۹۷
قریش کے رئیس اعظم	۲۹۷

۲۹۸	عرب میں دیگر مذاہب
۲۹۸	یہودی
۳۰۹	نصرانی
۳۱۵	صائبین
۳۲۰	ستارہ پرست
۳۲۱	مجوس
۳۲۲	مذبذبین
۳۲۳	دہریے
۳۳۴	دین ابراہیمی کے متلاشی حضرات
۳۳۵	ورقہ بن نوفل
۳۳۵	عبید اللہ بن جحش
۳۳۶	عثمان بن الحویرث
۳۳۶	زید بن عمرو بن نفیل
۳۳۸	دفن ہونے والی لڑکیوں کو بچانا
۳۳۹	چچا کا ظلم وستم
۳۴۲	ابو قیس صرمتہ بن ابی انس انصاری
۳۴۳	سواد رضی اللہ عنہ بن قارب
۳۴۴	سواد رضی اللہ عنہ بن قارب کا اپنی قوم کو بچانا
۳۴۵	قیس بن ساعدہ الایادی
۳۴۷	النابغہ الجعدی
۳۴۸	امیہ بن ابی صلت ثقفی

رسول اللہ ﷺ کا شجرہ نسب	۳۵۰
عدنان	۳۵۲
معد بن عدنان	۳۵۲
نزار	۳۵۳
مضر	۳۵۳
الیاس	۳۵۳
کنانہ	۳۵۴
نضر	۳۵۴
مالک بن نضر	۳۵۴
فہر بن مالک بن نضر (تقریباً ۳۲۵ ئ)	۳۵۴
غالب بن فہر (تقریباً ۳۵۰ ئ)	۳۵۶
لوی بن غالب (تقریباً ۳۷۵ ئ)	۳۵۶
کعب بن لوی (تقریباً ۴۰۰ئ)	۳۵۶
مرہ (تقریباً ۴۲۵ئ)	۳۵۶
کلاب بن مرہ (تقریباً ۴۵۰ئ)	۳۵۷
قصیٰ بن کلاب (تقریباً ۴۷۵ئ)	۳۵۷
قصیٰ کے کارنامے	۳۵۸
عبد مناف (تقریباً ۵۰۰ئ)	۳۶۳
ہاشم (تقریباً ۵۲۵ئ)	۳۶۴
مطلب	۳۶۸
عبد المطلب (تقریباً ۵۵۰ئ)	۳۶۹
عبد اللہ کی شادی	۳۷۸

ایک کاہنہ کا عبد اللہ سے لگاؤ	۳۷۹
والد کی وفات	۳۷۹
عام الفیل	۳۸۰
ابرہہ کا مکہ مکرمہ پر حملہ	۳۸۰
ولادت رحمت للعالمین	۴۰۰
پیدائش کے سلسلہ میں چند ضعیف روایات	۴۱۰
ایک عورت کا عبد اللہ کو دعوت دینا	۴۱۶
عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو عورتوں کا مر جانا۔	۴۱۸
پیدا ہوتے ہی آسمان کی طرف دیکھنا	۴۱۸
پیدائش کی رات ایوان کسریٰ میں زلزلہ کا آنا اور محل کے چودہ کنگروں کا گر جانا	۴۱۸
مشرق و مغرب کی ساری زمین کا روشن ہونا	۴۱۹
آمنہ کو خواب میں بچے کا نام محمد اور احمد رکھنے کا کہنا	۴۲۰
تاروں کا زمین پر جھک جانا	۴۲۱
حمل کی کوئی علامت کا ظاہر نہ ہونا	۴۲۲
آمنہ کے ہاں کئی لڑکوں کا پیدا ہونا	۴۲۳
فرشتوں کا باہم بشارت دینا	۴۲۳
اس رات جانوروں کا بولنا وغیرہ	۴۲۴
عبد المطلب کا ایک خواب	۴۲۶
محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا کعبہ پر قبضہ	۴۲۸
مختلف انبیاء کا ذکر	۴۲۹
رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پیدا ہوتے ہی ایک نور کا نکلنا	۴۳۰
ایک یہودی کا آپ کی بعثت کی اطلاع دینا	۴۳۱

چاند کا آپ ﷺ سے باتیں کرنا	۴۳۲
گہوارے میں کلام کرنا	۴۳۳
آپ مختون پیدا ہوئے	۴۳۴
دودھ پلانے والیاں	۴۳۵
سعدیہ حلیمہ کی رضاعت	۴۳۷
کچھ ضعیف روایات	۴۴۱
حلیمہ کا گود میں اٹھاتے ہی چھاتیوں میں دودھ بھر آنا	۴۴۱
لاغر ونحیف اونٹنی کا تیز رو ہو جانا	۴۴۲
خشک سالی میں بکریوں کا جنگل سے پیٹ بھر کر آنا	۴۴۲
پہلا کلام لاالہ الا اللہ بولنا	۴۴۲
ضَرْعَ شَاۃٍ	۴۴۴
کم سن ہونے کے باوجود بڑا دکھائی دینا	۴۴۴
قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا	۴۴۵
بادلوں کا سایہ کرنا	۴۴۷
واقعہ شق الصدر	۴۴۸
شق صدر کی ضعیف روایتیں	۴۵۱
حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم	۴۵۷
دو دفعہ شق صدر ہونا اس کی دلیل	۴۵۹
شق صدر کی صحیح کیفیت	۴۶۰
شق صدر کی حقیقت	۴۶۰
شرح صدر کے لئے مناسب موقع ومصلحت	۴۶۵
والدہ کی وفات	۴۶۵

عبد المطلب کی کفالت	۴۶۷
ابو طالب کی کفالت	۴۶۹
چچا سے رشتہ طلب کرنا	۴۷۴
جامع ترمذی میں بحیرا راہب کا قصہ	۴۷۸
شام کی جانب سفر اور بحیرا راہب کی داستان	۴۷۹
جنگ فجار	۴۸۸
حلف الفضول (پاکیزہ لوگوں کا حلف)	۴۹۰
سراپا اقدس	۴۹۳
امین و صادق تاجر	۴۹۴
شام کا ایک سفر اور نسطورا راہب کی داستان	۵۰۰
خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح	۵۰۶
دعوت ولیمہ	۵۱۲
سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں	۵۲۰
تعمیر خانہ کعبہ کی تجدید	۵۲۱
ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر	۵۲۳
قریش کی تعمیر	۵۲۴
تنصیب حجر اسود	۵۲۷
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عادلانہ فیصلہ	۵۲۸
تعمیر قریش کی خاص باتیں	۵۲۹
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش کی تعمیر پر اظہار ناپسندیدگی	۵۳۱

پیش لفظ

الحَمْدُ لِلّٰہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی رَسُولِہِ ،امابعد

خالق کائنات نے آدم علیہ السلام اور اماں حوا کو جنت سے زمین پر اتارا اور اپنی رحمت سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے پیغمبروں کا سلسلہ شروع فرمایا، سب سے پہلے آدم علیہ السلام اور آخر میں تمام دنیا کے انسانوں کے لئے سید الامم ﷺ کو مبعوث فرمایا اور نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، اس طرح پیغمبر آخر الزماں ﷺ پر نازل کردہ قرآن مجید پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے، قیامت تک کے لئے نازل شدہ یہ کتاب اخلاقی ضابطوں اور علم وحکمت کے خزانوں کا سرچشمہ ہے، اس کا اسلوب بے مثل اور موضوعات ہمہ گیر اور بیانات زمانی ومکانی حدود سے بلند تر ہیں، اس کا ایک ایک لفظ حق اور سچ ہے اور شک وشبہ سے بالاتر ہے، یہ جلیل القدر کتاب قیامت تک انسانوں اور جنات کے لئے جامع ترین ضابطہ حیات ہے جو تمام عوالم (موجودہ دنیا، عالم برزخ، عالم حشر، جنت ودوزخ) ہر جگہ کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے اس میں درج ہدایات نہ صرف انسان کی مختصر ارضی زندگی بلکہ آخرت کی ابدی زندگی میں بھی کامیابی کی ضمانت ہیں، جو اس کی پاکیزہ تعلیمات پر عمل پیرا ہو گا وہ دنیاوی اور اخروی زندگی میں ہر خوف وغم سے آزاد ہو گا، جیسے فرمایا

۔۔۔فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۳۸ [1]

ترجمہ: جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہو گا۔

۔۔۔مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۶۲ [2]

ترجمہ: جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔

بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۱۱۲ [3]

ترجمہ: حق یہ ہے کہ جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لیے اس کے رب کے پاس اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لیے کسی خوف اور رنج کا کوئی موقع نہیں۔

اَلْاَخِلَّاۗءُ یَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ ۶۷ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ

[1] البقرۃ ۳۸

[2] البقرۃ ۶۲

[3] البقرۃ ۱۱۲

تَحْزَنُوْنَ ؁۶۸ ⁽¹⁾

ترجمہ: وہ دن جب آئے گا تو متقین کو چھوڑ کر باقی سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، اس روز ان لوگوں سے جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے اور مطیع فرمان بن کر رہے تھے کہا جائے گا کہ اے میرے بندو! آج تمہارے لیے کوئی خوف نہیں اور نہ تمہیں کوئی غم لاحق ہوگا۔

اسی مقدس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے سید کونین ﷺ کی حیات مبارکہ کو اسوہ حسنہ قرار دیا ہے، جیسے فرمایا

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؁۲۱ ⁽²⁾

ترجمہ: درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یومِ آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس آخری ذکر یعنی قرآن مجید اور سیرت سید الانام ﷺ کو قیامت تک محفوظ رکھنے کا ذمہ لیا ہے، جیسے فرمایا

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ؁۹ ⁽³⁾

ترجمہ: رہا یہ ذکر، تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

○ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معلم قرآن سید المرسلین ﷺ کی زندگی کے ہر گوشہ کو بھی محفوظ کر دیا ہے، کوئی بھی شخص جس کے دل میں تقویٰ اور آخرت کی کامیابی کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کا جذبہ ہو وہ قرآن مجید اور سیرت امام المتقین ﷺ کا مطالعہ کر کے بلا خوف وخطر سیدھی راہ پر گامزن ہوسکتا ہے جو اسے رب کی رحمت، فضل وکرم، بخشش اور انعام کی طرف لے جاتی ہے، خاتم الانبیاء ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کی پوری کوشش کرنا ہی ایک مسلمان کی شان ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی آنکھوں سے احمد مجتبیٰ ﷺ کی پاکیزہ زندگی کو دیکھتے تھے مگر پھر بھی ان کے دلوں میں یہ شوق تھا کہ اگر کچھ ان سے اوجھل ہوگیا ہے تو کسی دوسرے سے پوچھ کر اپنے کردار وگفتار اور عمل کو اس کے مطابق ڈھال لیں، اور اس سلسلہ میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی سیرت و کردار کی سب سے بڑی گواہ تھیں، اس لیے بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے مختلف سوالات پوچھنے کے لیے تشریف لاتے تھے،

كَانَتْ عَائِشَةُ أَعْلَمَ النَّاسِ يَسْأَلُهَا الأَكَابِرُ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ابن سعد نے امام زہری کا قول نقل کیا ہے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں سب سے زیادہ عالم تھیں، بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سے پوچھا کرتے تھے۔ ⁽⁴⁾

---

(1) الزخرف ۶۸،۶۷

(2) الاحزاب ۲۱

(3) الحجر ۹

(4) ابن سعد ۲،۲۸۶

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: مَا أَشْكَلَ عَلَيْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ قَطُّ فَسَأَلْنَا عَائِشَةَ إِلاَّ وَجَدْنَا عِنْدَهَا مِنْهُ عِلْمًا

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم صحابہ رضی اللہ عنہم کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کے بارے میں ہم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس سے متعلق کچھ معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔ (۱)

عَنْ عَطَاءٍ، قَالَ: كَانَتْ عَائِشَةُ، أَفْقَهَ النَّاسِ وَأَعْلَمَ النَّاسِ وَأَحْسَنَ النَّاسِ رَأْيًا فِي الْعَامَّةِ

مشہور تابعی عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ فقیہ، سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ اچھی رائے والی تھیں۔ (۲)

عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: لَوْ جُمِعَ عِلْمُ النَّاسِ كُلِّهِمْ، ثُمَّ عِلْمُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكَانَتْ عَائِشَةُ أَوْسَعَهُمْ عِلْمًا

امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے اگر تمام مردوں کا اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کا علم ایک جگہ جمع کیا جاتا تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا علم اب سب سے زیادہ گیرائی اور گہرائی والا ہوتا۔ (۳)

عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ قال: كان أزواج النبی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْفَظْنَ مِنْ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَثِيرًا وَلا مِثْلا لِعَائِشَةَ وَأُمِّ سَلَمَةَ

محمود بن لبید فرماتے ہیں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث زبانی یاد رکھتی تھیں لیکن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے برابر نہیں۔ (۴)

وقال عروة: ما رأيت أحدا أعلم بالقرآن ولا بفريضة، ولا بحرام، ولا بحلال، ولا بفقه، ولا بشعر، ولا بطب، ولا بحديث العرب، ولا نسب من عائشة

آپ کے بھانجے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قرآن، فرائض، حلال و حرام، فقہ، شاعری، طب، عرب کی تاریخ اور علم الانساب کا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بڑھ کر اور کسی کو عالم نہیں دیکھا۔ (۵)

قَالَ قَتَادَةُ:فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْبِئِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ:أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟قُلْتُ: بَلَى، قَالَتْ:فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ

(۱) جامع ترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ بَابُ مِنْ فَضْلِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ۳۸۸۳، شرح الزرقانی علی المواهب ۴/۲۸۹، ابن سعد ۲/۲۸۶

(۲) مستدرک حاکم ۶۷۴۸، شرح الزرقانی علی المواهب ۴/۲۸۹

(۳) مستدرک حاکم ۶۷۳۴

(۴) ابن سعد ۲/۲۸۶

(۵) شرح الزرقانی علی الموهب ۴/۲۸۹

چنانچہ قتادہ سے مروی ہے میں نے عرض کیا اے ام المومنین رضی اللہ عنہا ! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں بتائیے! عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا ہاں پڑھتا ہوں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہی تو تھا۔ (۱)

یعنی پورا قرآن مجید ہی سید عرب وعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی مستند سیرت ہے،

عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَخْبِرِينِي بِخُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ:كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ،

سعد بن ہشام بن عامر سے مروی ہے میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ام المومنین رضی اللہ عنہا! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے بارے میں بتلائیں توانہوں نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہی ہے۔ (۲)

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَتْ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ،

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن ہی ہے۔ (۳)

اور اس پاکیزہ کلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر فرمایا

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ... ﴿٦٧﴾ (۴)

ترجمہ:اے پیغمبر! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اس کی پیغمبری کا حق ادا نہ کیا اللہ تم کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔

كِتَٰبٌ أُنزِلَ إِلَيۡكَ فَلَا يَكُن فِي صَدۡرِكَ حَرَجٞ مِّنۡهُ لِتُنذِرَ بِهِۦ وَذِكۡرَىٰ لِلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿٢﴾ (۵)

ترجمہ: یہ ایک کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے، پس اے نبی! تمہارے دل میں اس سے کوئی جھجک نہ ہو، اس کے اتارنے کی غرض یہ ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے (منکرین کو) ڈراؤ اور ایمان لانے والے لوگوں کو یاد دہانی ہو۔

اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی

---

(۱) صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرين بَابُ جَامِعِ صَلَاةِ اللَّيْلِ، وَمَنْ نَامَ عَنْهُ أَوْ مَرِضَ ۱۷۳۹

(۲) مسنداحمد ۲۵۳۰۲، صحیح مسلم کتاب المسافرین باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه او مرض ۱۷۳۹

(۳) شعب الایمان ۱۳۶۰

(۴) المائدة ۶۷

(۵) الاعراف ۲

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾ [1]

ترجمہ: پس اے نبی! کافروں کی بات ہر گز نہ مانو اور اس قرآن کو لے کر ان کے ساتھ زبردست جہاد کرو۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ [2]

ترجمہ: اور اے نبی! تم اس (علم وحی) کے ذریعے سے ان لوگوں کو نصیحت کرو جو اس کا خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کے سامنے کبھی اس حال میں پیش کیے جائیں گے کہ اس کے سوا وہاں (ایسا ذی اقتدار) نہ ہو گا جو ان کا حامی و مددگار ہو یا ان کی سفارش کرے، شاید کہ (اس نصیحت سے متنبہ ہو کر) وہ خدا ترسی کی روش اختیار کر لیں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ [3]

ترجمہ: چھوڑو ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں دنیا کی زندگی فریب میں مبتلا کیے ہوئے ہے، ہاں مگر یہ قرآن سنا کر نصیحت اور تنبیہ کرتے رہو کہ کہیں کوئی شخص اپنے کیے کرتوتوں کے وبال میں گرفتار نہ ہو جائے اور گرفتار بھی اس حال میں ہو کہ اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و مددگار اور کوئی سفارشی اس کے لیے نہ ہو۔

یعنی جس تبلیغ میں قرآن شامل نہیں وہ تبلیغ ناقص ہو گی، اور بار بار قرآن میں یہی کہا جا رہا ہے کہ اس قرآن کے ذریعے سے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دو اس میں حدیث بھی شامل ہے،

عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِي كَرِبَ الْكِنْدِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا إِنِّي أُوتِيتُ الْكِتَابَ وَمِثْلَهُ مَعَهُ

مقدام بن معدی کرب الکندی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے قرآن کے ساتھ اس کی مثل بھی دیا گیا۔[4] مثل حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔

○ حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ پر ہر دور میں کتابیں لکھی گئی ہیں اور رہتی دنیا تک لکھی جاتی رہیں گی کیونکہ مثال مشہور ہے

مَنْ أَحَبَّ شَيْئاً، أَكْثَرَ مِنْ ذِكْرِهِ

انسان جس چیز سے محبت کرتا ہے بار بار اسی کا تذکرہ کرتا ہے۔

مگر چند سیرت نگاروں کو چھوڑ کر جنہوں نے ضعیف روایات کی کچھ تحقیقات کی ہیں اور عملی زندگی کے کچھ پہلو بھی واضح کئے ہیں مگر اکثر سیرت

[1] الفرقان ۵۲

[2] الانعام ۵۱

[3] الانعام ۷۰

[4] مسند احمد ۱۷۱۷۴، سنن ابوداود كِتَاب السُّنَّةِ بَابٌ فِي لُزُومِ السُّنَّةِ ۴۶۰۴، شرح السنة للبغوی ۱۰۱، معرفة السنن والآثار ۵۳، السنن الکبری للبیہقی ۱۹۴۶۹ ایہ

نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بس رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے چند واقعات ہی ہیں جیسے پیدائش سے قبل ہی یتیمی، پیدائش کے وقت بے شمار مافوق الفطرت واقعات کا پیش آنا، کم عمری میں والدہ کا فوت ہوجانا، دادا عبد المطلب اور پھر چچا ابوطالب کی کفالت، کفر و جہالت کی گھٹا گھپ اندھیروں میں یتیمی و غربت میں بچپن بسر کر کے الصادق والامین کا لقب پانا، قریش کے دوسرے نوجوانوں کی طرح تجارت کا پیشہ اپنانا، ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح، بعثت سے قبل غار حرا میں عبادات میں منہمک ہوجانا، وحی کا نزول، تین سالہ خفیہ دعوت کے بعد کھلم کھلا اعلان نبوت، اس پاکیزہ دعوت کا راستہ روکنے کے لئے ایمان لانے والوں پر مشرکین مکہ کا ظلم وستم، اولین مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت ، شعب بنی ہاشم میں محصور ہونا، رسول اللہ ﷺ اور اصحاب رضی اللہ عنہم کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت، میثاق مدینہ، یہودیوں کی سازشیں، پے در پے غزوات، اس دور کے طاقتور حکمرانوں کو خطوط کے ذریعے دعوت اسلام دینا، خطبہ حج الوداع اور اس دنیا فانی سے رحلت۔

○ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سرور عالم ﷺ کی مکمل سیرت ہے، بلکہ یہ تو زمانی اعتبار سے چند واقعات ہیں یا زمانی اعتبار سے حالات زندگی کا احاطہ ہے، یہ تو چند واقعات ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیش آئے، چند کوششیں ہیں مگر ان واقعات اور کوششوں سے ہم کیا سیکھ سکتے ہیں صرف یہی کہ ظلم وستم کی ان آندھیوں کا رسول اللہ ﷺ نے نہایت پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ اور ہر آزمائش میں صبر وشکر کیا، کیا رسول اللہ ﷺ کی سیرت یہیں مکمل ہوجاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت ومشیت کے تحت وقت کے ساتھ ساتھ مختلف احکام نازل فرمائے جیسے معاشرتی، معاشی، تجارتی، سیاسی، دیوانی اور فوجداری قوانین، غیر مسلموں سے معاہدات ، ان کے حقوق وفرائض، عبادات کے طریقے اور ان کے مسائل، اسی طرح والدین، بیویوں، رشتہ داروں، پڑوسیوں، دوست واحباب کے بارے میں ہر طرح کی ہدایت فرمائیں مگر سیرت کی اکثر کتابیں ان سے خالی ہیں اور ان کو پڑھ کر بڑی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

○ خاتم النبیین ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کا سکہ جمانے ، انہیں شرک سے متنفر کرنے ، دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے، تجارت و کاروبار میں ایمانداری و دیانت داری اختیار کرنے، دین اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے لوگوں کو مالی اور جسمانی جہاد پر ابھارنے، جنت کی نعمتوں اور دوزخ کی ہولناکیوں وغیرہ کا جمعہ وعیدین اور ضرورت کے مختلف اوقات میں خطبات ارشاد فرمایا کرتے تھے جن کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی زندگیاں سنوارا کرتے تھے مگر سیرت کی کتابیں اس سے بھی خالی ہیں کیا یہ خطبات سیرت کا حصہ نہیں؟

○ انسان جب اس رنگ وبو سے بھری دنیا میں آتا ہے تو اپنے ساتھ اپنے مقدر کی خوشیاں اور دکھ درد بھی ساتھ لے کر آتا ہے، اسے جب راحت نصیب ہوتی ہے تو اپنے خالق مالک کا شکر ادا کرتا ہے اور جب کوئی رنج والم پیش آتا ہے تو اپنے مالک کے حضور التجائیں فریادیں کرتا ہے اور جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو غفور ورحیم رب سے معافی کا طلب گار ہوتا ہے، وہ اپنی عبادات میں اپنے رب کی حمد وثنا بیان کرتا ہے اور انواع واقسام کی اس دلفریب رنگوں سے بھری عارضی دنیا میں بھٹک جانے سے بچنے کے لئے ہدایت کی دعا مانگتا ہے، وہ قبر کی وحشت سے پناہ اور آخرت کی بھلائی چاہتا ہے، دنیا کے تمام انسانوں کو یہ سب دعائیں مانگنے کا طریقہ اور سلیقہ رسول اللہ ﷺ نے سمجھایا ہے، مگر سیرت کی کتابیں ان دعاؤں سے خالی ہیں کیا وہ سیرت کا حصہ نہیں؟

○صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے ایمان میں سچے اور یقین میں کامل تھے، وہ اپنے رب کی خوشنودی کے لئے جستجو میں رہتے تھے کہ کون سا ایسا عمل کریں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے مستحق ٹھہریں، وہ دن کو کسب معاش میں مشغول رہتے تو رات کو عبادت میں منہمک ہو جاتے، وہ اپنی پاکیزہ کمائی کو جمع کرنے کے بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے تاکہ آخرت کا زادِ راہ بن جائے مگر وہ فرشتے نہیں انسان تھے، بشری تقاضوں کے تحت چند مردوں وعورتوں سے لغزشیں بھی ہوئیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگوں کے دیوانی اور فوجداری مقدمات بھی آئے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف سے نمٹایا اور حدود بھی لاگو فرمائیں، وحی کی تبلیغ اور اللہ کے احکام پہنچانے میں پیغمبر سے کوئی غلطی یا سہو سرزد نہیں ہو سکتا اس کے علاوہ دیگر معاملات میں پیغمبر کی حیثیت بھی ایک انسان ہی کی ہوتی ہے، اور احادیث میں متعدد مرتبہ بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیاوی معاملات میں میں بھی تمہاری ہی طرح ایک انسان ہوں،

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، وَإِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، وَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوِ مَا أَسْمَعُ، فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا فَلاَ يَأْخُذْ، فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی انسان ہوں اور بعض اوقات جب تم باہمی جھگڑا میرے پاس لاتے ہو تو ممکن ہے کہ تم میں سے بعض اپنے فریق مخالف کے مقابلہ میں اپنا مقدمہ پیش کرنے میں زیادہ چالاکی سے بولنے والا ہو اور اس طرح میں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں جو میں تم سے سنتا ہوں، پس جس شخص کے لیے بھی اس کے بھائی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اسے نہ لے کیونکہ اس طرح میں اسے جہنم کا ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔ [1]

عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِبْرَاهِيمُ: لاَ أَدْرِي زَادَ أَوْ نَقَصَ فَلَمَّا سَلَّمَ قِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَحَدَثَ فِي الصَّلاَةِ شَيْءٌ؟ قَالَ: وَمَا ذَاكَ، قَالُوا: صَلَّيْتَ كَذَا وَكَذَا، فَثَنَى رِجْلَيْهِ، وَاسْتَقْبَلَ القِبْلَةَ، وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ، قَالَ: إِنَّهُ لَوْ حَدَثَ فِي الصَّلاَةِ شَيْءٌ لَنَبَّأْتُكُمْ بِهِ، وَلَكِنْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ، أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ، فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي،

علقمہ سے مروی ہے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی، ابراہیم نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ نماز میں زیادتی ہوئی یا کمی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا نماز میں کوئی نیا حکم آیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا آپ نے اتنی اتنی رکعتیں پڑھی ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پاؤں پھیرے اور قبلہ کی طرف منہ کر لیا اور (سہو کے) دو سجدے کیے اور سلام پھیرا پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اگر نماز میں کوئی نیا حکم نازل

---

[1] صحیح بخاری كِتَابُ الحِيَلِ بَابُ إِذَا غَصَبَ جَارِيَةً فَزَعَمَ أَنَّهَا مَاتَتْ، فَقُضِيَ بِقِيمَةِ الجَارِيَةِ المَيِّتَةِ، ثُمَّ وَجَدَهَا صَاحِبُهَا فَهِيَ لَهُ، وَيَرُدُّ القِيمَةَ وَلاَ تَكُونُ القِيمَةُ ثَمَنًا ۶۹۶۷، الموطأ امام مالک ۱۰۴۰ر۴

ہوا ہوتا تو میں تمہیں پہلے ہی ضرور کہہ دیتا لیکن میں تو تمہارے ہی جیسا آدمی ہوں جس طرح تم بھولتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں اس لیے جب میں بھول جایا کروں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔ (۱)

سیاسی حیثیت سے رسول اللہ ﷺ جماعت اسلامی کے ایک فرد تھے اور ان قوانین کے جن کو رسول اللہ ﷺ نافذ فرماتے تھے خود بھی پوری طرح پابند تھے مثلاً مال غنیمت میں رسول اللہ ﷺ کا بھی اتنا ہی حصہ ہوتا جتنا فوج کے عام سپاہی کا، اس کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ بھی حقوق العباد کے معاملے میں انہی عام قوانین کے پابند تھے جن کے عام مسلمان، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ضرورت پر اپنی ذات کے خلاف مقدمات سنے اور منصفانہ فیصلہ کیا۔ (۲)

مگر سیرت کی کتابیں ان باتوں کے تذکرہ سے خالی ہیں۔

○ عام طور پر سیرت کی کتابوں میں چند وفود کا ذکر کرکے بات ختم کر دی جاتی ہے حالانکہ عرب کے مختلف دور و نزدیک علاقوں سے وفود کا آنا بہت اہمیت رکھتا ہے کیوں کہ یہی چند لوگ جب صادق و امین محمد رسول اللہ ﷺ سے شرف ملاقات حاصل کرتے تو آپ ﷺ کی محبت وسادگی سے متاثر ہوتے، نبی اکرم ﷺ کا اپنے اصحاب سے حسن سلوک دیکھتے، سید عرب و عجم ﷺ کی سخاوت کا مشاہدہ کرتے، رحمت العالمین محمد رسول اللہ ﷺ کی عبادات کو دیکھتے، رسول اللہ ﷺ کی خانگی زندگی کا سنتے، محمد مصطفیٰ ﷺ کی زبان مبارک سے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کو سنتے، آپ ﷺ کی مہمان نوازی اور اخلاق حسنہ کا مشاہدہ کرتے تو محمد رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل میں مطابقت پاتے، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھتے، دن میں ان کے معاملات کا مشاہدہ کرتے تو راتوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہوئے دیکھتے اور واپسی پر نبی کریم ﷺ سے تحائف حاصل کرتے تو دعوت حق کے گرویدہ ہوجاتے پھر واپس اپنے قبیلے میں جاکر انہیں دین اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرتے اور ان کی کوششوں سے سارا قبیلہ دائرہ اسلام میں داخل ہوجاتا، پھر وہ اپنے ہاتھوں سے ان بے بس باطل معبودوں کو توڑ کر جلادیتے جن کی ان کے آباواجداد اور وہ خود پرستش کرتے تھے چنانچہ ان وفود کے آنے کا ہی نتیجہ تھا کہ فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کی جو تعداد دس ہزار سے زائد نہ تھی وہ حجۃ الوداع کے موقع پر نوے ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار تک جا پہنچی اس لئے ہم نے ان وفود کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

○ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی حکمت ومشیت کے تحت حسب ضرورت قرآن نازل فرماتا رہا تھا اور خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ قرآنی تعلیمات کے مطابق اپنے اصحاب کی تعلیم و تربیت فرماتے رہے جن میں غریب، تنگ دست غلام اور لونڈیاں بھی تھیں، جن کا کوئی سہارا نہ تھا مگر جن کے کرداروں میں پاکیزگی، حق کی جستجو اور حق ملنے کے بعد اس پر قائم رہنے کی پامردگی واستقلال تھا، جن کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کی مصاحبت کے لئے چن لیا تھا، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کی محبت ڈال دی اور دل پسند بنادیا اور انہیں کفر وفسق اور نافرمانی سے متنفر کر دیا تھا، جیسے فرمایا

---

(۱) صحيح بخارى كِتَابُ الصَّلَاةِ بَابُ التَّوَجُّهِ نَحْوَ القِبْلَةِ حَيْثُ كَانَ ۴۰۱، صحيح ابن حبان ۲۶۶۲، مسند أبي يعلى ۵۱۴۲

(۲) ابن ہشام ۴۴۴، کامل ابن الاثیر ۱۴۱/۲

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ [۱]

ترجمہ: خوب جان رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسول موجود ہے اگر وہ بہت سے معاملات میں تمہاری بات مان لیا کرے تو تم خود ہی مشکلات میں مبتلا ہو جاؤ مگر اللہ نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے لیے دل پسند بنا دیا اور کفر و فسق اور نافرمانی سے تم کو متنفر کر دیا ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل و احسان سے راست رو ہیں۔

اس تعلیم و تربیت کے نتیجے میں جاہلیت کے اس بدترین معاشرے میں رہنے والے یہ پاکیزہ لوگ قرآنی سانچے میں ہنسی خوشی ڈھلتے چلے گئے اور وہی لوگ جو بے شمار معبودوں کی پرستش میں گم تھے، جو شراب اور جوئے کے رسیا تھے، قتل و غارت جن کا محبوب مشغلہ تھا، لوٹ مار جن کا پیشہ تھا، جو اتنے سنگدل تھے کہ معصوم لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اور جو کسی قانون و ضابطہ میں رہنا پسند نہ کرتے تھے مگر جب اللہ وحدہ لاشریک اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ پر غیر متزلزل ایمان لائے اور آخرت کی جوابدہی کا خوف ان کے دلوں میں رچ بس گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے تابع ہو گئے اور ان کے کرداریوں بن گئے،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ڔ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ۧ۲۹ [۲]

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے، سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں، یہ ہے ان کی صفت توراۃ میں اور انجیل میں، ان کی مثال یوں دی گئی ہے کہ گویا ایک کھیتی ہے جس نے پہلے کونپل نکالی پھر اس کو تقویت دی، پھر وہ گدرائی، پھر اپنے تنے پر کھڑی ہو گئی، کاشت کرنے والوں کو وہ خوش کرتی ہے تا کہ ان کے پھلنے پھولنے پر جلیں، اس گروہ کے لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں اللہ نے ان سے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا ایمان ویقین اتنا پسند آیا کہ رہتی دنیا تک کے لئے ان کے ایمان کو نمونہ بنا کر فرمایا

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَھُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳۷ۭ [۳]

(۱) الحجرات ۷

(۲) الفتح ۲۹

(۳) البقرة ۱۳۷

ترجمہ: پھر اگر وہ اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پر ہیں اور اگر اس سے منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں، لہذا اطمنان رکھو کہ ان کے مقابلے میں اللہ تمہاری حمایت کے لیے کافی ہے، وہ (سب سنتا اور جانتا ہے۔

اپنی معاشی، معاشرتی اور گھریلو زندگی میں اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگیوں میں ہی انہیں اپنی رضامندی کا پروانہ دے دیا، جیسے فرمایا

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٠٠﴾ [1]

ترجمہ: وہ مہاجر وانصار جنہوں نے سب سے پہلے دعوتِ ایمان پر لبیک کہنے میں سبقت کی، نیز وہ جو بعد میں راست بازی کے ساتھ ان کے پیچھے آئے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی عظیم الشان کامیابی ہے۔

جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۔۔۔ ﴿٨﴾ [2]

ترجمہ: ان کی جزا، ان کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٤﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ مِنْكُمْ ۔ ﴿٧٥﴾ [3]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جدوجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں، ان کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور ہجرت کر کے آ گئے اور تمہارے ساتھ مل کر جدوجہد کرنے لگے وہ بھی تم ہی میں شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی اور بخشش کے ساتھ ساتھ ان پاکیزہ نفوس کو اپنی پارٹی قرار دیا، جیسے فرمایا

۔۔۔اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٢٢﴾ [4]

---

[1] التوبة۱۰۰

[2] البينة۸

[3] الانفال۷۵

[4] المجادلة۲۲

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک رُوح عطا کر کے ان کو قوت بخشی ہے، وہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اِن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، وہ اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں، خبردار رہو، اللہ کی پارٹی والے ہی فلاح پانے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا ورحمت کے متعدد اعلانات قرآن حکیم کی آیات کی شکل میں نازل ہو چکے ہیں، ارشاد فرمایا

...رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ... ﴿۱۱۹﴾ [۱]

ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔

...وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾ [۲]

ترجمہ: اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔

...اُولٰٓـئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوۡنَۙ ﴿۷﴾ [۳]

ترجمہ: ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل واحسان سے راست رو ہیں۔

اور سورۂ فتح میں ان کے لیے بخشش اور اجر عظیم کا ذکر فرمایا

...يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ... ﴿۱۰﴾ [۴]

ترجمہ: ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ تھا۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ اطَّلَعَ عَلَيْهِمْ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَقَدْ وَجَبَتْ لَكُمُ الْجَنَّةُ

ایک روایت میں ہے تمہیں کیا معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نے اہل بدر کے انجام پر مطلع ہونے پر ہی یہ فرمایا ہے اے اہل بدر! تم جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی۔ [۵]

أَوْ: فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ

یا یہ فرمایا میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔ [۶]

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كَانَ بَيْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ وَبَيْنَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ كَلَامٌ، فَقَالَ خَالِدٌ لِعَبْدِ الرَّحْمَنِ: تَسْتَطِيلُونَ عَلَيْنَا بِأَيَّامٍ سَبَقْتُمُونَا بِهَا؟ فَبَلَغَنَا أَنَّ ذَلِكَ ذُكر لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: دَعُوا لِي أَصْحَابِي فَوَالَّذِي نَفْسِي

[۱] المائدة۱۱۹

[۲] البقرة۵

[۳] الحجرات۷

[۴] الفتح۱۰

[۵] فتح الباری ۳۹۸۲، ۲۸۶ر۷، مسند احمد ۸۲۷

[۶] صحیح بخاری کتاب المغازی بَابُ فَضْلِ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا ۳۹۸۳، مسند احمد ۶۰۰

بِيَدِهِ، لَوْ أَنْفَقْتُمْ مِثْلَ أُحُدٍأَوْ مِثْلَ الْجِبَالِ ذَهَبًا، مَا بَلَغْتُمْ أَعْمَالَهُمْ

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ میں (بنو جذیمہ کے بارے) اختلاف ہوگیا خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم اسی بات پر اکڑ رہے ہو کہ ہم سے کچھ دن پہلے ایمان لائے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم احد کے یا کسی اور پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر ڈالو تب بھی ان کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے۔ (۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ، ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلاَ نَصِيفَهُ

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا ہے کہ میرے صحابہ پر سب وشتم نہ کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو وہ میرے صحابی کے خرچ کیے ہوئے ایک مد بلکہ نصف مد کے برابر بھی نہیں۔ (۲)

أَكْرِمُوا أَصْحَابِي

ایک روایت میں ہے میرے صحابہ کا احترام کرو۔ (۳)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ،قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهَ اللَّهَ فِي أَصْحَابِي، لاَ تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ

عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرنا اور انکو حدف ملامت (تنقید) نہ بنانا، اس لئے کہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض کی اس نے مجھ سے بغض کیا۔ (۴)

جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر موت پر بیعت رضوان کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت فرمائی تھی،

عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي عُبَيْدٍ، قَالَ: قُلْتُ لِسَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ: عَلَى أَيِّ شَيْءٍ بَايَعْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ

---

(۱) مسند احمد ۱۳۸۱۲

(۲) صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ النبی ﷺ بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا ۳۶۷۳، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ بَابُ تَحْرِيمِ سَبِّ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ ۶۴۸۸،سنن ابوداودکتاب السنة بَابٌ فِي النَّهْيِ عَنْ سَبِّ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۴۶۵۸،السنن الکبری للنسائی ۸۲۵۰،مصنف ابن ابی شیبة ۳۲۴۰۴، مسنداحمد ۱۱۰۷۹،مسندابی یعلی ۱۰۸۷،صحیح ابن حبان ۷۲۵۳، شرح السنة للبغوی ۳۸۵۹،معجم ابن عساکر ۳۶۷

(۳) السنن الکبری للنسائی ۹۱۷۸

(۴) جامع ترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ بَابٌ فِيمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۳۸۶۲،فتح الباری ۱/۶۵

الحُدَيْبِيَةِ؟ قَالَ: عَلَى المَوْتِ

یزید بن ابی عبید رحمۃ اللہ نے بیان کیا میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس چیز پر بیعت کی تھی؟انہوں نے بتلایا موت پر۔ (۱)

عَنْ جَابِرٍ،عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ:لَا يَدْخُلُ النَّارَ أَحَدٌ مِمَّنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج اس درخت تلے بیعت کرنے والوں میں سے ایک بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔ (۲)

عَنْ جَابِرٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَيَدْخُلَنَّ الجَنَّةَ مَنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ إِلاَّ صَاحِبَ الجَمَلِ الأَحْمَرِ.

جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں ہے اس درخت کے نیچے بیعت کرنے والے سب جنتی ہیں سب کو اللہ تعالیٰ نے بخش دیا ہے بجز ایک سرخ اونٹ والے کے (یہ شخص بنو سلمہ کا جد بن قیس تھا جو اونٹنی کے پیچھے چھپ گیا تھا)۔ (۳)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ:أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمْ

اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں،اگر تم کسی کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاجاؤگے۔ (۴)

پہلی تباہ شدہ قوموں کی طرح مشرکین مکہ نے بھی ان کو اپنی ملت پر واپس لانے کے لئے دعوت حق کا مذاق اڑایا، معجزات کا مطالبہ کیا،اس پاکیزہ دعوت کو دبانے اور طاغوت کا بول بالا کرنے کے لئے انسانیت سوز مظالم ڈھائے مگر کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ان میں کوئی بھی شخص چاہے وہ آزاد نوجوان یا بوڑھا تھا یا کمزور عورت تھی، بے بس غلام تھا یا لونڈی اس ظلم وجبر کے سامنے پسپا ہو کر اپنی پرانی ملت پر پلٹ گیا ہو، بلکہ اس کے برعکس ان کا ایمان اللہ وحدہ لاشریک اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ہوتا چلا گیا اور یہ سید الامم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتربیت اور فیض صحبت کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ دین اسلام کے فروغ کے لیے ساری دنیا کے طاغوت کے سامنے جان ومال کے ضائع سے بے خوف ہو کر آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑے ہو گئے، وہ نہ صرف ارفع واعلیٰ اخلاق، حسن معاملات، حسن معاشرت، زہد واتقا اور خوف خدا کے پیکر تھے بلکہ عسکری اور انتظامی صلاحیتوں سے بھی پوری طرح بہرہ ور تھے، انہوں نے اپنی عظمت کردار کے جو نقوش صفحہ تاریخ پر مرتسم کیے انہیں ملت اسلامیہ دینی، علمی، اخلاقی، سیاسی، عسکری ہر شعبہ حیات میں دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں، روشنی کے ان عظیم مناروں نے کبھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کبھی نہیں کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لیے دنیا کے مال ودولت، جاہ ومنصب کے لیے دعا فرمائیں بلکہ حصول جنت

---

(۱) صحیح بخاری کتاب المغازی بَابُ غَزْوَةِ الحُدَيْبِيَةِ ۴۱۶۹

(۲) مسنداحمد۱۴۷۷۸،سنن ابوداودکتاب السنة بَابٌ فِي الْخُلَفَاءِ ۴۶۵۳،جامع ترمذی ابواب المناقب بَابٌ فِي فَضْلِ مَنْ بَايَعَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ۳۸۶۰

(۳) جامع ترمذی ابواب المناقب بَابٌ فِيمَنْ سَبَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۳۸۶۳

(۴) الشریعة للآجری ۱۱۶۶، الجامع الصحیح للسنن والمسانید۱۳۸/۱۷

کے لیے کس قدر کوشاں اور حریص تھے کہ اکثر و بیشتر ان کے سوالات کا محور آخرت ہوتی تھی، صرف چند واقعات پیش ہیں،

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، عَلِّمْنِي عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل فرمائیں جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ (۱)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، قَالَ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل اور جہنم سے دور کر دے۔ (۲)

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ

ابو امامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسا عمل فرمائیں جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ (۳)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ، قَالَ: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ

ابو ایوب آنصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیں جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ (۴)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قُلْتُ: أَنْبِئْنِي عَنْ أَمْرٍ إِذَا أَخَذْتُ بِهِ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی یہی سوال کیا میں نے عرض کی مجھے ایک ایسا کام بتا دیں کہ میں اس کے کرنے سے جنت میں داخل ہو جاؤں۔ (۵)

حَدَّثَنِي مَعْدَانُ بْنُ أَبِي طَلْحَةَ الْيَعْمَرِيُّ، قَالَ: لَقِيتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِي اللهُ بِهِ الْجَنَّةَ؟ أَوْ قَالَ قُلْتُ: بِأَحَبِّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ ،ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ: سَأَلْتُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ لِلَّهِ، فَإِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلَّهِ سَجْدَةً، إِلَّا رَفَعَكَ اللهُ بِهَا دَرَجَةً، وَحَطَّ عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةً

(۱) مسند احمد ۱۸۶۴۷

(۲) جامع ترمذی أَبْوَابُ الْإِيمَانِ بَابُ مَا جَاءَ فِي حُرْمَةِ الصَّلَاةِ ۲۶۱۶،سنن ابن ماجه كِتَابُ الْفِتَنِ بَابُ كَفِّ اللِّسَانِ فِي الْفِتْنَةِ ۳۹۷۳،مسند احمد ۲۲۰۱۶

(۳) مسند احمد ۲۲۲۷۶

(۴) صحیح بخاری كِتَابُ الْأَدَبِ بَابُ فَضْلِ صِلَةِ الرَّحِمِ ۵۹۸۲

(۵) مسند احمد ۷۹۳۲

معدان بن ابی طلحہ یعمری سے مروی ہے میں ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا جو رسول اللہ ﷺ کے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) تھے اور کہا مجھے کوئی ایسا کام بتلاؤ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں لے جائے یا یوں کہا کہ مجھے وہ کام بتلاؤ جو اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پسندیدہ ہو فسکت یہ سن کر ثوبان رضی اللہ عنہ چپ ہو رہے، پھر میں نے ان سے پوچھا تو چپ رہے، پھر تیسری بار پوچھا تو کہا میں نے بھی یہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تو سجدہ بہت کیا کر، اس واسطے کہ ہر ایک سجدہ سے اللہ تعالیٰ تیرا ایک درجہ بلند کرے گا اور تیرا ایک گناہ معاف کرے گا۔ [۱]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف جنت میں ہی داخل نہیں ہونا چاہتے تھے بلکہ اخروی زندگی میں بھی رسول اللہ ﷺ کی رفاقت چاہتے تھے،

رَبِيعَةَ بْنَ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيَّ، يَقُولُ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آتِيهِ بِوَضُوئِهِ وَبِحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي :سَلْنِي، فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ:أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ، قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ، قَالَ:فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں رات کو رسول اللہ ﷺ کے پاس رہا کرتا اور آپ ﷺ کے پاس وضو اور حاجت کا پانی لایا کرتا تھا (ایک بار) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے کچھ مانگو؟ میں نے عرض کیا میں جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کے علاوہ کچھ اور میں نے عرض کیا بس یہی گزارش ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا کثرت سجود سے تو میری مدد کر (یعنی تو سجدہ بہت کیا کر اس لئے کہ یہ عبادت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، پس شاید مجھے تیرے لئے سفارش کرنے اور اپنے ساتھ جنت میں لے جانے کا موقع مل جائے)۔ [۲]

مگر سیرت کی کتابیں روشنی کے ان عظیم میناروں کے ذکر سے خالی ہیں۔

○ قرآن مجید مختلف سورتوں میں موقع کی مناسبت سے کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیل کے ساتھ تباہ شدہ قوموں کی قیام کی جگہیں، ان کی طاقت وسائل، تعمیرات کی بلندیاں، مذہبی عقائد، رسولوں کی طرف سے دعوت حق، اس دعوت کو ماننے والے کمزور و بے بس مسلمانوں کا حال، قوموں کا دعوت ماننے سے کفر اور پھر ایک وقت مقررہ پر انداز تباہی و بربادی کی پوری عبرت انگیز داستان کو بیان کرتا ہے (جیسا کہ ہم اپنی کتاب فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ (عبرت حاصل کرو اے آنکھوں والو) میں تمام تباہ شدہ اقوام کا عبرت ناک حال قرآن مجید کی مدد سے بیان کر چکے ہیں) اسی طرح قرآن مجید مکی دور میں مشرکین مکہ، مجوس وغیرہ کے عقائد، مشرکین کا کلام الٰہی کا انکار، اپنے باطل معبودوں کی حمایت اور اپنی دینوی منفعت کے حصول کے لئے رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ، پھر مدنی دور میں اس دعوت حق کے نتیجے میں مسلمانوں کے

---

[۱] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ بَابُ فَضْلِ السُّجُودِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ۱۰۹۳، سنن نسائی کتاب الافتتاح بَابُ ثَوَابِ مَنْ سَجَدَ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ سَجْدَةً ۱۱۴۰، مسند احمد ۲۲۳۷۷

[۲] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ بَابُ فَضْلِ السُّجُودِ وَالْحَثِّ عَلَيْهِ ۱۰۹۴، سنن ابوداودکتاب التطوع بَابُ وَقْتِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ ۱۳۲۰، سنن نسائی کتاب الافتتاح باب فَضْلُ السُّجُودِ ۱۱۳۹

ساتھ منافقین،اہل کتاب(یہود ونصاریٰ)اور مشرکین وغیرہ کی پوری کشمکش کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کرتا ہے چنانچہ ان چند وجوہات کی بنا پر ہم نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کو قرآن مجید،احادیث نبوی اور تاریخ کی مدد سے لکھنے کی کوشش کی ہے،ہماری کوشش یہ ہے کہ جس ترتیب سے قرآن مجید نازل ہوتا گیا اور رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو ان کی تشریح وتفسیر سمجھاتے اور وہ پاکیزہ نفوس اپنا سر تسلیم خم کرتے چلے گئے اسی ترتیب سے ہم عقائد،توحید باری تعالیٰ،رسالت،آخرت، کفروشرک،زندگی گزارنے کے معاشرتی،معاشی،سیاسی احکام،نظام عفت وعصمت،ہر قسم کی عبادات کے عملی طریقے،دعائیں،حقوق وفرائض،خطبات وغیرہ تحریر کریں اور اس کامل دعوت کو پیش کرنے کے نتیجے میں جو حوصلہ شکن واقعات پیش آئے انہیں بھی تفصیل سے پیش کریں۔

○ قَالَ مُجَاهِدٌ: يَعْنِي الْقُرْآنُ كُلُّهُ مُتَشَابِهٌ مَثَانِي

مجاہد کہتے ہیں سارے کا سارا قرآن باہم ملتا جلتا اور بار بار دہرایا جاتا ہے۔[۱]

وقَالَ قَتَادَةُ: الْآيَةُ تُشْبِهُ الْآيَةَ، وَالْحَرْفُ يُشْبِهُ الْحَرْفَ

اور قتادہ کہتے ہیں آیت آیت سے اور حرف حرف سے ملتا جلتا ہے۔[۲]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: {مَثَانِيَ} قَالَ: الْقُرْآنُ يُشْبِهُ بَعْضُهُ بَعْضًا، ويُرَدُّ بَعْضُهُ عَلَى بَعْضٍ

عبداللہ بن عباس سے روایت ہے ”جس میں بار بار مضامین دہرائے گئے ہیں۔“ کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید کا ایک حصہ دوسرے سے ملتا جلتا اور مشابہت رکھتا ہے۔[۳]

اس لئے قرآن کریم کی تشریح کرتے ہوئے میں نے قرآن کی آیات کے حوالے پیش کیے ہیں تاکہ قرآن مجید کی بات کو قرآن کریم سے سمجھایا جاسکے اور کہیں پر احادیث کی ضرورت تھی تو احادیث پیش کی ہے اس لئے آپ کو کثرت سے حوالہ جات ملیں گے۔

○ خیر الاولین ولاخرین ﷺ کے بعد ان الہامی قوانین میں وقت کے ساتھ ساتھ فقہی مسائل پیدا ہوئے،ائمہ کرام(اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں جنتوں میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے)نے ان پر بڑا کام کیا اور ان کی پرخلوص کاوشوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح علمائے سلف میں بھی اختلافات پیدا ہوئے مگر وہ لوگ دین کے بارے میں بڑے ہی مخلص تھے،ان کا دین صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تھا،جیسے فرمایا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹ [۴]

ترجمہ:اے لوگو جو ایمان لائے ہو!اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے

---

[۱] تفسیر طبری:۲۱/۲۷۹

[۲] تفسیر طبری:۲۱/۲۷۹

[۳] تفسیر طبری:۲۱/۲۷۹،الدر المنثور ۷/۲۲۱

[۴] النساءِ ۵۹

درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہوجائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔

اس لیے اگر ان میں کوئی فقہی اختلاف پیدا ہوتا تھا تو وہ اپنی رائے پر اڑ نہیں جاتے تھے بلکہ جیسے ہی انہیں صحیح مسئلہ کا علم ہوتا تھا برسر عام حق کی طرف رجوع فرمالیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ صحیح حدیث ہی ان کا مذہب ہے، جیسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا

إذا صَحَّ الحدِيث فَهُوَ مذهبي

صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔ (۱)

عَلَيْك بالأثر، وَطَرِيقَة السّلف، وَإِيَّاك وكل محدثة فَإِنَّهَا بِدعَة

ایک مقام پر فرمایا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اور سلف صالحین کے طریقہ کار پر عمل کرنا ضروری ہے اور ہر نئی چیز بدعت ہے۔ (۲)

اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

ليس أحد بعد النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلا ويؤخذ من قوله ويترك؛ إلاالنبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کی بات کو رد و قبول کیا جا سکتا ہے۔ (۳)

وَقَالَ الشَّافِعِيُّ : إذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَاضْرِبُوا بِقَوْلِي الْحَائِطَ

اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا میرے قول کے مقابلے میں اگر حدیث سامنے آجائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ (۴)

إذَا وَجَدْتُمْ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِلَافَ قَوْلِي فَخُذُوا بِالسُّنَّةِ وَدَعُوا قَوْلِي، فَإِنِّي أَقُولُ بِهَا

اور فرمایا اگر تم میرے قول کو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف پاؤ تو میرے قول کو چھوڑ دو یہی میرا منہج ہے۔ (۵)

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا

لَا تُقَلِّدْنِي وَلَا تُقَلِّدْ مَالِكًا وَلَا الثَّوْرِيَّ وَلَا الْأَوْزَاعِيَّ، وَخُذْ مِنْ حَيْثُ أَخَذُوا

تم میری، امام مالک رحمہ اللہ، امام ثوری رحمہ اللہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کی تقلید مت کرو بلکہ وہاں سے (دین کے احکامات) لو جہاں سے انہوں نے لیے ہیں۔ (۶)

---

(۱) أصول الدين عند الإمام أبي حنيفة ،ص: ٦

(۲) السنن والمبتدعات المتعلقة بالأذكار والصلوات ،ص: ٦

(۳) أصل صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم ١/٢٧

(۴) إعلام الموقعين عن رب العالمين ٢/٢٢١

(۵) إعلام الموقعين عن رب العالمين ٢/٢٠٣

(۶) إعلام الموقعين عن رب العالمين ٢/١٣٩

عَنْ الْحَافِظِ ابْنِ عَبْدِ الْبَرِّ وَالْعَارِفِ الشَّعْرَانِيِّ عَنْ كُلٍّ مِنْ الْأَئِمَّةِ الْأَرْبَعَةِ أَنَّهُ قَالَ إذَا صَحَّ الْحَدِيثُ فَهُوَ مَذْهَبِي

حافظ بن عبد البر رحمہ اللہ اور عارف شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں چاروں ائمہ کرام رحمہم اللہ کا یہی کہنا ہے کہ اگر تمہیں صحیح حدیث مل جائے تو اس پر عمل کرو یہی ہمارا مذہب ہے۔ [1]

چنانچہ ہم نے قارئین کی رہنمائی کے لئے چند اہم قوانین پر فقہی مسائل بھی نقل کیے ہیں۔

○ بیشک یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو پر بڑی بڑی ضخیم کتابیں موجود ہیں اور ان کی مدد سے کوئی بھی رسول اکریم ﷺ کی مکمل سیرت کا مطائعہ کرسکتا ہے، میں اس بات سے مکمل اتفاق کرتا ہوں اور میں نے بھی انہی کتابوں سے بھرپور استفادہ کرکے اس کتاب کو مکمل کیا ہے، مگر اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان جو نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرکے اپنی زندگی سنوارنا چاہتا ہو تو وہ آپ ﷺ کی سیرت مبارک کی مختلف پہلو پر اتنی ساری کتابیں نہیں خریدے گا بلکہ ایسی کتاب پسند کرے گا جس میں سید الامم ﷺ کی سیرت اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کے بارے میں مکمل رہنمائی ہو، اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم جس کے دل میں کسی طرح ایمان کی روشنی پڑ گئی ہو اور وہ بے چین ہوکر رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کے پیغام کے بارے میں پڑھنا چاہے گا تو وہ بھی بہت سی کتابوں کی جگہ ایسی کتاب منتخب کرے گا جس میں اس کو مکمل رہنمائی ملے، اس لیے ہم نے کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر پہلو سے اس کتاب کو مکمل کیا جائے ،اس کے ساتھ ہم نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ بغیر کسی گروہ بندی کے حق کو واضح کرنے کے لئے بعض ضعیف روایات کو مختصر تشریح اور حوالہ جات کے ساتھ تحریر کریں تا کہ آپ یقین کامل کے ساتھ ایک کامل انسان کی مکمل سیرت کا مطالعہ کرکے خود کو اس کے مطابق ڈھالیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام واکرام کے حق دار بن جائیں، اس کے علاوہ بعض چند روایات پر مختلف لوگوں کے اعتراضات بھی نقل کیے ہیں جن کا مقصد صرف قارئین کو ان کا نقطہ نظر بتلانا ہے۔ اس کتاب کو لکھنے کا دوسرا بڑا مقصد رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر عمل کرنا بھی ہے جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دوسرے روز فرمایا تھا۔

فَلْيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ مِنْكُمْ الْغَائِبَ

پس تم میں سے جو حاضر ہے وہ میرا یہ پیغام ان لوگوں کو پہنچادے جو غائب ہیں۔ [2]

عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو، يَقُولُ:سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ

اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے میری بات دوسرے لوگوں کو پہنچادو اگرچہ وہ ایک ہی آیت ہو، اور بنی اسرائیل کے واقعات (اگر تم چاہو تو) بیان کرو اس میں کوئی حرج نہیں، اور جس شخص نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالینا چاہیے۔ [3]

[1] البناية شرح الهداية ۱۶۴/۳

[2] ابن ہشام ۴۱۴/۲، الروض الانف ۲۳۷/۷

[3] مسند احمد ۶۴۸۶، صحیح بخاری كِتَابُ أَحَادِيثِ الأَنْبِيَاءِ بَابُ مَا ذُكِرَ عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۳۴۶۱، سنن الدارمی ۵۵۹، صحیح ابن حبان ۶۲۵۶

عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ نَضَّرَ اللَّهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَ، فَرُبَّ مُبَلِّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور جیسا اس نے سنا ہے ویسا ہی پہنچادے، اس لیے کہ بہت سے لوگ جن کو کوئی حدیث پہنچے گی سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں گے۔ (١)

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ

اور صحیح بخاری میں یہ الفاظ ہیں یہاں موجود غائب کو پہنادیں کیونکہ بہت سے لوگ جن تک یہ پیغام پہنچے گا سننے والوں سے زیادہ (پیغام کو) یاد رکھنے والے ثابت ہوں گے۔ (٢)

اس کے علاوہ تیسرا مقصد اپنی آخرت کے لئے ذخیرہ کرنا بھی ہے،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے لیکن تین عمل (جاری رہتے ہیں اور ان کا ثواب ملتا رہتا ہے) ایک صدقہ جاریہ دوسرے وہ علم جس سے لوگ بعد تک فائدہ اٹھاتے رہیں تیسرے نیک اولاد جو اس کے حق میں دعائے خیر کرتی رہے۔ (٣)

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَتْبَعُ المَيِّتَ ثَلاَثَةٌ، فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى مَعَهُ وَاحِدٌ: يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ، فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُه

انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کے ساتھ تین چیزیں چلتی ہیں دو تو واپس آجاتی ہیں صرف ایک کام اس کے ساتھ رہ جاتا ہے، اس کے ساتھ اس کے گھر والے، اس کا مال اور اس کا عمل چلتا ہے، اس کے گھر والے اور مال (جن کی محبت اور فکر میں انسان زندگی بھر ڈوبا رہتا ہے اور ان کی طرف لگاؤ کی وجہ سے آخرت کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں کرتا) تو واپس آجاتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے (اور وہی اس کے ساتھی اور سہارا بنتے ہیں)۔ (٤)

(١) جامع ترمذی أَبْوَابُ الْعِلْمِ بَابُ مَا جَاءَ فِي الحَثِّ عَلَى تَبْلِيغِ السَّمَاعِ ٢٦٥٧،سنن ابن ماجه افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم بَابُ مَنْ بَلَّغَ عِلْمًا ٢٣٢

(٢) صحيح بخاری كِتَابُ الحَجِّ بَابُ الخُطْبَةِ أَيَّامَ مِنًى ١٧٤١

(٣) صحيح مسلم كِتَابُ الْوَصِيَّةِ بَابُ مَا يَلْحَقُ الْإِنْسَانَ مِنَ الثَّوَابِ بَعْدَ وَفَاتِهِ ٤٢٢٣،سنن ابوداودكتاب الْوَصَايَا بَابُ مَا جَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ ٢٨٨٠،سنن نسائی كِتَابُ الْوَصَايَا فَضْلُ الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيِّتِ ٣٦٥١،جامع ترمذی أَبْوَابُ الْأَحْكَامِ بَابٌ فِي الوَقْفِ ١٣٧٦،مسنداحمد ٨٨٤٤

(٤) صحيح بخاری كتاب الرقاق بَابُ سَكَرَاتِ المَوْتِ ٦٥١٤،صحيح مسلم كتاب الزهد الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ، وَجَنَّةُ الْكَافِرِ ٧٤٢٤،جامع ترمذی ابواب الزهدباب ١٤٨٥،ح ٢٣٧٩

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ مجھے بغیر ہر قسم کی گروہ بندیوں اور اپنے نفس اور ابلیس کے شر سے بچا کر صحیح لکھنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

○عام طور پر سیرت کی کتابوں میں حوالہ جات کی جگہ صرف صحیح بخاری، صحیح مسلم یا ابن ہشام، البدایۃ والنہایۃ، طبری وغیرہ لکھ دیا جاتا ہے جس سے کسی بھی پڑھنے والے کو یقین ہی نہیں ہوتا کہ جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ صحیح بھی ہے یا نہیں، چنانچہ ہم نے ممکن حد تک کوشش کی ہے کہ اگر قرآن مجید کا حوالہ ہو تو وہ آیات لکھ دی جائیں، کتب احادیث یا تاریخ یا فقہ کی کتاب کا حوالہ ہو تو اس کا اصل عربی متن اور ساتھ ہی پورا ریفرنس بھی لکھ دیا جائے تا کہ پڑھنے والے کو تسلی وتشفی ہو اور وہ ایک یقین کے ساتھ مطالعہ کر سکے کہ جو وہ پڑھ رہا ہے اس کی ایک حقیقت ہے اور اگر کوئی طالب علم تحقیق کرنا چاہے تو اسے بھی بہت دور نہ جانا پڑے۔

○عام طور پر سیرت کی کتابوں میں اگر کوئی حدیث لکھی جاتی ہے تو پوری حدیث لکھ کر اس کے نیچے اردو ترجمہ لکھ دیا جاتا ہے اس طرح پڑھنے والے کو کچھ سمجھ نہیں آتا کہ عربی کے کس لفظ کا کیا معنی ہیں، اس لیے یہ بھی کوشش کی ہے کہ احادیث نبوی ہو، کوئی تاریخی یا فقہی حوالہ ہو تو عربی کی اس عبارت کو مناسب مختصر جز میں تقسیم کر کے وہاں اردو لکھی جائے تا کہ قاری یہ سمجھ سکے کہ کس عبارت کا کیا معنی ہیں، اور اگر کوئی خطیب خطبہ دینے لگے تو اسے بھی آگے پیچھے نہ دیکھنا پڑے اور اس طرح عربی کا بھی فروغ ہو گا، مگر جب کام مکمل ہو چکا اور کچھ بھائیوں نے اس طرز عمل کو دیکھا تو مشورہ دیا کہ اس طریقہ سے قارئین کو پڑھنے میں الجھن ہو گی اور انہوں نے پوری خلوص نیت سے مشورہ دیا کہ میں یہ طریقہ بدل دوں اور جیسے مذہبی کتابوں میں لکھا جاتا ہے ویسے ہی لکھ دوں، میں نے اس پر غور و تدبر کیا اور اس طریقہ کو دوبارہ بدل کر رائج طریقہ پر کر دیا ہے۔

○میری کوشش تو یہی تھی کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا چاہے مختصر ہی ہو احاطہ کر لوں مگر میری کم علمی اور صحت اڑے آئی اور میں چاہنے کے باوجود بھی بہت سے پہلو پیش نہیں کر سکا، زندگی رہی تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زندگی کے ان گوشوں کو دوسرے ایڈیشن میں شامل کرنے کی کوشش کروں گا۔

○آخر میں ان تمام اصحاب کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کام میں میری مدد و رہنمائی فرمائی، سب سے پہلے میں نائب مدیر جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال کراچی اور خطیب مسجد سلمان فارسی گلستان جوہر کراچی فضیلۃ الشیخ علامہ نور محمد صاحب حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے لکھنے میں برابر حوصلہ افزائی فرماتے رہے اور جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال کراچی کی قابل رشک لائبریری سے استفادہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس کے علاوہ اس کار خیر میں شامل ہونے کے لئے کئی کتابیں تحفتاً پیش کیں، میں جناب حافظ محمد خان فاروقی صاحب حفظہ اللہ فارغ التحصیل جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال کراچی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کے ابتدائی مراحل میں کتب احادیث کے حوالہ جات کو درست کرنے میں معاونت فرمائی، مگر وہ اپنی مصروفیات کے سلسلہ میں لاہور قیام پذیر ہو گے مگر ٹیلی فون پر ان سے رابطہ برقرار رہا، ان کے بعد اسی جامعہ سے فارغ التحصیل جناب حافظ محمد ساجد حفظہ اللہ اور جناب طیب معاذ حفظہ اللہ نے اس ضخیم کتاب کے کتب احادیث، تاریخ اور فقہ میں حوالہ جات کو درست کرنے میں معاونت فرمائی۔ میں جناب عبد الحمید صغیر صاحب اور ان کے بھائی

محمد امین کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے کتاب لکھنے کے وقت سے ہی کمپیوٹر کی ٹیکنیکی معاونت بہم پہنچائی اور کتاب مکمل ہونے پر سرورق اور کتاب کی فارمیٹنگ کا مشکل کام بھی سرانجام دیا۔ جناب انجینئر نوید قمر صاحب حفظہ اللہ پہلی مرتبہ میرے معزز مہمان کے ساتھ میرے غریب خانہ پر تشریف لائے تو انہیں میری دینی مصروفیت کا علم ہوا، اس مختصر وقت میں تو میری ان سے زیادہ بات نہ ہوسکی مگر چند دنوں بعد اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر دوبارہ تشریف لائے اور اس کتاب کے سلسلے میں کافی دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی، اسی دوران وہ کتاب کی بڑی دلچسپی سے ورق گردنی کرتے رہے اور اس کے مضامین کو پسند کیا اور چند دنوں بعد انہوں نے اس کارخیر میں شامل ہونے کے لیے مجھے جناب حافظ عبدالسلام بن محمد کی تفسیر القرآن الکریم کا ایک سیٹ اور قرآن مجید کا ترجمہ تحفتاً عنایت کیا جس کے لیے میں اللہ رب العزت سے ان کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبہ کو قبول فرمائے اور انہیں اس کا بے بہا صلہ عنایت فرمائے، میں روزنامہ جنگ سے وابستہ جناب اشتیاق علی خاں صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کو لکھنے کے لئے مجھے اپنی لائبریری سے استفادہ کرنے کا موقعہ عطا فرمایا میری شدید خواہش تھی کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں، اپنے وسیع علم اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں اور اس میں انداز بیاں کی خامیوں کو درست کریں مگر وہ اپنی مصروفیت کی بنا پر ایسا نہ کرسکے جس کا مجھے افسوس ہے مگر بہت جلد وہ اس دنیا کو خیر باد کہہ کر خالق حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے آمین، میں محترم ظفر احمد منصور صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس کارخیر میں شامل ہونے کے لیے ابوظہبی سے چند کتابیں روانہ فرمائیں، میں دل کی انتہائی گہرائیوں سے اپنی بیٹی ضوبیہ ہاشمی کے لیے جس نے اس کتاب کے سلسلہ میں ہر طرح کے اخراجات برداشت کیے، اور اپنی سب سے چھوٹی بیٹی ڈاکٹر زنیرا ہاشمی کے لئے جس نے اس کتاب کو لکھنے کے دوران پرنٹنگ کے تمام مراحل میں مدد کی، اور اپنی بیٹی ڈاکٹر صوبیہ ہاشمی اور ان کے شوہر جناب شفیق الرحمٰن صاحب کے لیے کہ جب انہیں میری کتاب کے بارے میں علم ہوا تو اس کارخیر میں شامل ہونے کے لیے ائرلینڈ سے ایک پورٹیبل ہارڈ ڈسک بھیجی، اور اپنے بیٹے ڈاکٹر محمد ہاشمی (Cardiologist) نے اس کام کے سلسلہ میں لیپ ٹاپ گفٹ کیا تاکہ میں جلد سے جلد اس کام کو سرانجام دے سکوں اور دوبارہ موجودہ لیپ ٹاپ میری بیٹی ضوبیہ ہاشمی جو دین کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں نے گفٹ کیا ہے، نیز اس کتاب کی طباعت اور اس سے متعلقہ تمام اخراجات میرے بچوں نے برداشت کئے، اور آخر میں میں اپنی شریک حیات خواجہ ناہید منصور جنہوں نے مجھے بے شمار کتب کے مطالعہ اور اس کتاب کو لکھنے کے لئے وقت اور ہر ممکن آرام وسکون بہم پہنچانے کی کوشش کی اور میری بہت سی ذمہ داریوں کو سنبھال کر میری مدد کی، اس کے علاوہ انہوں نے اس صدقہ جاریہ میں شامل ہونے کے لئے مختلف مقامات پر اپنی ذاتی جیب سے خرچہ بھی برداشت کیا، بارگاہ رب العزت سے ان سب کے لیے دعا گو ہوں کہ وہ ان سب کی کوششوں کو قبول فرمائے، ان تمام کو ایمان کے ساتھ زندگی اور صحت کاملہ عطا فرمائے، اپنی حفاظت اور امان میں رکھے، دین کی سمجھ اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، انہیں اپنے دین کی سربلندی کے لیے استعمال کرے اور انہیں دنیا و آخرت میں اپنی رحمت و مغفرت سے نوازے، ان محترم احباب کے علاوہ میں ان تمام علمائے سلف جن کی کتب سے میں نے استفادہ کیا ہے کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبروں کو جنت کا گہوارہ بنادے، ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان تمام موجودہ قابل قدر مصنفین کے لئے بھی جن کی کتابوں اور تحقیق سے میں نے بھرپور استفادہ کیا ہے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایمان والی

زندگی اور صحت کاملہ عطا فرمائے اپنی حفاظت اور امان میں رکھے، ان تمام کو مزید علم سے نوازے، اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے اور ہدایت کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

○ بھائیو! میرا شجرہ تیس واسطوں سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچتا ہے، میرے بزرگ نواب آف بہاول پور محمد بہاول خاں ثالث کے دور میں جلال پور کھاکھاں میں قیام پذیر تھے اور فرمانروائے وقت کی قدر دانی اور عزت افزائی کے سلسلہ میں بہاول پور کی آبادی کے دوران میں بہاول پور میں آ کر سکونت پذیر ہوئے، میرے پردادا مولوی محمد اعظم رحمہ اللہ ہاشمی قریشی جو مولوی صالح محمد ہاشمی قریشی صاحب کی اولاد میں سے تھے اور نواب آف بہاول پور کے دربار کے معزز رکن تھے، اس زمانہ میں قلعہ دیراور کے اندر برج کلکو ہا میں جو عالیشان دار الانشاء قائم تھا آپ اس کے مہتمم تھے، نواب صاحب نے ان کے علم وفضل کی وجہ سے انہیں مولوی کا خطاب عطا فرمایا اور شہزادگان عباسی کا اتالیق مقرر فرمایا تھا، مولوی محمد اعظم رحمہ اللہ صرف عالم و فاضل ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے ریاست بھاول پور کے استحکام کے لیے مختلف مہمات میں حصہ بھی لیا اور بہادری کے کارنامے دکھائے جس کے صلہ میں انہیں مختلف اوقات میں چھ جاگیریں عطا کی گئیں، مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جب ملتان کو فتح کر لیا اور اس کی علمداری ڈیرہ اسماعیل خاں اور لودھراں تک قائم ہوگئی تو ریاست بہاول پور کو بھی اپنی بقا کا خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں اس پر بھی حملہ نہ کر دیا جائے تو اس پرخطر وقت میں میرے یہی بزرگ ایلچی بن کر کئی مرتبہ رنجیت سنگھ کے دربار میں گئے تھے اور کامیاب سفارت کاری کے نتیجے میں وہ ریاست پر حملہ کرنے سے باز رہا بلکہ مظفر گڑھ اور ڈیرہ اسماعیل خاں کا علاقہ بھی ریاست بہاول پور کو پٹے پر دے دیا، چنانچہ نواب اف بہاول پور نے بہترین کارکردگی کے اعتراف میں انہیں مزید ایک جاگیر اور خلعت فاخرہ عطا فرمائی ،انہوں نے فارسی زبان میں جواہر عباسیہ کے نام سے تاریخ ریاست بہاول پور بھی لکھی (جس کی فوٹو کاپی میرے پاس موجود ہے)، اس کے علاوہ بھی متعدد کتابیں تاریخ، تصوف اور دوسرے علوم میں تصنیف کیں۔ میرے دادا مولوی محمد احسن ہاشمی قریشی رحمۃ اللہ نے دین سے لگن و محبت کی وجہ سے کئی مساجد تعمیر کرائیں اور درس و تدریس کا فریضہ سر انجام دیتے رہے، میرے والد مولوی محمد رفیق ہاشمی قریشی رحمۃ اللہ کو بھی مذہبی اور تاریخی کتابوں کے مطائعہ کا بہت شوق تھا، وہ صادق ریڈنگ لائبریری سے کتابیں لے کر آتے اور بڑے شوق سے ان کا مطالعہ کرتے، موقع پا کر میں بھی ان کتابوں کو پڑھتا تھا اس طرح مجھے اپنے والد کی طرف سے کتب بینی کا شوق پیدا ہو گیا جو آج تک قائم ہے۔

1967 میں جب میں کالج میں داخل ہوتو پروفیسر حافظ محمد عبد اللہ رحمۃ اللہ بہاول پوری (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو اپنی بے پناہ رحمت سے بھر دے اور ان کے درجات بلند فرمائے) نے نماز مغرب کے بعد جامع مسجد شکار پوری گیٹ میں درس قرآن کا سلسلہ شروع فرمایا تو میں بھی اس حلقے کا ایک معمولی رکن بن گیا، درس میں ہر ہر آیت پر بحث و مباحثہ ہوتا، ہم بھی اپنی کم عمری اور لاعلمی کی وجہ سے لایعنی سوال کرتے مگر وہ غصے یا چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرنے کے بجائے بڑے تحمل مزاجی اور خوش مزاجی سے جواب عنایت فرماتے بلکہ سوال کے لیے اکساتے، میں دوسرے طالب علموں کی طرح احادیث کا حوالہ نوٹ کر لیتا اور گھر جا کر انہیں خود مطالعہ کرتا، درس قرآن کا یہ سلسلہ کئی بار جاری رہا، اس دوران تفہیم القرآن اور تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ بھی جاری رہا جس سے قرآنی تعلیمات ذہن میں نقش ہوگئیں۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ اسی مسجد میں جب توحید سے بھرپور خطبات جمعہ ارشاد فرماتے اور چھوٹے چھوٹے عام فہم دلائل کے ساتھ توحید و رسالت کو واضع کرتے تو مسجد میں موجود حاضرین کرام کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسی طرح وعظ ارشاد فرماتے رہیں اور وہ آنکھ جھپکے بغیر انہیں دیکھتے

رہیں، میرے شوق کا یہ عالم تھا کہ جب وہ تبلیغی دعوت پر کہیں تشریف لے جاتے تو میں بھی ان کا ہم سفر بن جاتا تھا، اسی طرح جب وہ مختلف موضوع پر مبنی مناظروں کے لیے تشریف لے جاتے تو میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاتا جس سے دین کی کچھ باریکیوں کو سمجھنے میں مدد ملی۔ اس طرح میں ایک دین دار علمی گھرانے سے تعلق تو ضرور رکھتا ہوں مگر میں عالم فاضل، محقق یا ادیب ہونے کا دعوی دار نہیں ہوں، میں تو ایک عاجز انسان ہوں اور اس خوش فہمی میں ہرگز مبتلا نہیں ہوں کہ میری کوشش کسی قسم کے اعتراض اور حرف گیری سے پاک ہو سکتی ہے تاہم میں نے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ جو بات لکھوں وہ بلا سند اور بلا تحقیق نہ ہو، میں اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں اس کا فیصلہ قارئین کرام ہی کر سکتے ہیں۔

جب میں نے کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا تو بہاول پور میں میرے ایک دوست نے کہا ہاشمی! تم نے کتاب لکھنے کا فیصلہ تو کر لیا ہے اور مجھے معلوم ہے تم اپنی طبیعت کے مطابق حق اور سچ ہی لکھو گے مگر لوگ اس کو قبول نہیں کریں گے اور تمہیں پتھر ماریں گے، اور حقیقت بھی یہی ہے تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں جب بھی کسی نے حق و سچ کی آواز بلند کی شیطان اپنے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ اس آواز کو دبانے کے لیے اس پر حملہ آور ہوتا ہے اور اس شخص کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا، مگر جلد ہی جھوٹ و فریب کی یہ آندھی اپنی موت آپ مر جاتی ہے اور حق ہمیشہ ہی سر بلند رہتا ہے، میں ان کی بات سن کر خاموش ہو گیا اور دل میں کچھ پسپائی بھی اختیار کی مگر رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سامنے آ گی،

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ خَطِيبًا، فَكَانَ فِيمَا قَالَ:أَلَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا هَيْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ بِحَقٍّ إِذَا عَلِمَهُ ، قَالَ: فَبَكَى أَبُو سَعِيدٍ، وَقَالَ:قَدْ وَاللَّهِ رَأَيْنَا أَشْيَاءَ فَهِبْنَا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو جو باتیں کہیں اس میں یہ بات بھی تھی آگاہ رہو! کسی شخص کو لوگوں کا خوف حق بات کہنے سے نہ روکے جب وہ حق کو جانتا ہو، یہ حدیث بیان کر کے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا اللہ کی قسم! ہم نے بہت سی باتیں (خلاف شرع) دیکھیں لیکن ہم ڈر اور ہیبت کا شکار ہو گے۔ [1]

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَحْقِرْ أَحَدُكُمْ نَفْسَهُ ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ يَحْقِرُ أَحَدُنَا نَفْسَهُ؟ قَالَ: يَرَى أَمْرًا لِلَّهِ عَلَيْهِ فِيهِ مَقَالٌ، ثُمَّ لَا يَقُولُ فِيهِ ،فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَقُولَ فِي كَذَا وَكَذَا؟ فَيَقُولُ: خَشْيَةُ النَّاسِ،فَيَقُولُ: فَإِيَّايَ كُنْتَ أَحَقَّ أَنْ تَخْشَى

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی خود کو حقیر نہ سمجھے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم میں سے کوئی خود کو کیسے حقیر بنا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص خلاف شرع امر دیکھے اور کچھ نہ کہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا کہ فلاں موقع پر حق بات کہنے سے تمہیں کون سی چیز مانع ہوئی، وہ عرض کرے گا کہ لوگوں کا خوف، تو اللہ

---

[1] سنن ابن ماجه كِتَابُ الْفِتَنِ بَابُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ ۴۰۰۷، جامع ترمذى أَبْوَابُ الْفِتَنِ بَابُ مَا جَاءَ مَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابَهُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۲۱۹۱، شرح السنة للبغوى ۴۰۳۹، المسند الموضوعي الجامع للكتب العشرة ۱۱

تعالی فرمائے گامیں اس بات کا زیادہ مستحق تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔ (۱)

چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید سمجھ کر میں نے لکھنے کا مصمم ارادہ کرلیا اور اللہ کا نام لے کر لکھنا شروع کر دیا۔

بہر صورت قارئین کرام سے میری عاجزانہ استدعا ہے کہ اس کتاب میں انہیں جو تسامحات اور اسقام نظر آئیں وہ ان سے مجھے آگاہ فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں انہیں دور کیا جا سکے، یہ ان کا مجھ پر احسان ہوگا اور وہ عند اللہ ماجور رہوں گے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اے اللہ! اے میرے رب! میری اس حقیر سی کوشش کو قبول فرما، اس سلسلہ میں مجھ سے جو غلطیاں سرزد ہوئی ہوں میں اس کے لیے اللہ مالک یوم الدین کی بارگاہ میں معافی کا طلب گار ہوں، اے میرے رب! دنیا اور آخرت میں ہمارے سفر کو آسان بنا دے، اے میرے رب! ہماری کوتاہیوں، غلطیوں کو معاف فرما دے،

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا (۲)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔

اور میں اپنے رب سے دعا گو ہوں،

اللَّهُمَّ رَحْمَتَكَ أَرْجُو فَلَا تَكِلْنِي إِلَى نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ وَأَصْلِحْ لِي شَأْنِي كُلَّهُ، لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ

اے اللہ! میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں تو مجھے آنکھ جھپکنے کے لیے بھی میری اپنی جان کے حوالے نہ کر اور میرے سارے معاملات درست فرما دے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ (۳)

اور اے اللہ! اے میرے رب! تو ہم گناہگاروں کو اتنا خوش نصیب کر دے کہ سید الامم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حوض کوثر پر پیار کی نگاہوں سے ہمیں خوش آمدید فرمائیں۔ (آمین)

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

مولوی محمد اصغر ہاشمی

www.alburhaan.org

(۱) سنن ابن ماجه كِتَابُ الْفِتَنِ بَابُ الْأَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَ ۴۰۰۸

(۲) البقرة ۲۸۶

(۳) مسند احمد ۲۰۴۳۰، صحيح ابن حبان ۹۷۰، الأدب المفرد بالتعليقات ۷۰۱، السنن الكبرى للنسائی ۱۰۴۱۲، عمل اليوم والليلة للنسائی ۶۵۱، سنن أبو داود أَبْوَابُ النَّوْمِ بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا أَصْبَحَ ۵۰۹۰

قرآنی سورتوں کی ترتیب نزول

رب کریم کی مشیت کے مطابق قرآن مجید مکہ معظّمہ میں رمضان کے مقدس مہینہ سے مختلف حالات واوقات میں گونا گوں احکامات وہدایات لیکر جبریل علیہ السلام کے ذریعہ آیات کی شکل میں اترنا شروع ہوا اور مشہور قول کے مطابق تقریباً تیرہ سال تک یہیں نازل ہوتا رہا،اس دوران کچھ سورتیں مکمل طور پر بھی نازل ہوئیں جیسے سورۂ الفاتحہ،سورۂ انعام وغیرہ مگر زیادہ تر آیات کی شکل میں ہی نازل ہوتا رہا،رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ معظّمہ کے دوران جو سورتیں نازل ہوئیں انہیں مکی سورتیں کہا جاتا ہے،اہل مکہ ان پڑھ تھے اس لئے ان کے ہاں کسی بات کو محفوظ کرنے کا کوئی رواج ہی نہ تھا بس وہ اپنے شعراء کے جاہلانہ وفحش اشعار زبانی یاد رکھتے تھے اور بڑے فخر سے دہراتے تھے اس لئے مکی دور میں قرآن کا جو حصہ نازل ہوا اس کی حقیقی ترتیب نزول کے بارے میں معلوم کرنا تو مشکل ہی ہے البتہ قیام مکہ کے دوران بعثت نبوی کے بعد دعوت دین کے مختلف ادوار بدلتے رہے۔

(۱) جیسے پہلے تین سال تو خفیہ دعوت کا دور رہا کیونکہ تعلیم ودعوت کی ابتدا میں لوگوں کے دل اچھی طرح نہیں کھلتے جس کے سبب سے نہ تو تفصیلات کلام کے لئے ان کے اندر گنجائش ہوتی ہے اور نہ جزئیات احکام کے لئے،اس وجہ سے ابتدا میں لوگوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے وہ چھوٹے چھوٹے پر حکمت فقروں اور جملوں میں دی جاتی ہے،اس سے جب بیج پھوٹتے ہیں تو پھر تفصیلات سے ان کی آبیاری کی جاتی ہے ،اس طرح آہستہ آہستہ دل کی وسعت اور اس کے علم دونوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے،اہل عرب کلام میں ایجاز واختصار کو بھی بہت زیادہ پسند کرتے تھے،اس لئے عرب کے کاہنوں کا کلام ایجاز واختصار کا مجموعہ ہوتا تھا چنانچہ پہلے پہل ان تین سالوں میں عام طور پر چھوٹی چھوٹی سورتوں میں اسی اسلوب کلام میں ان کو دعوت حق دی گئی جس کو وہ پسند کرتے تھے تاکہ یہ کلام ان کو اپیل کر سکے اور امثال کی طرح زبانوں پر چڑھ جائیں،اس کے اصول ہمیشہ ذہنوں کے سامنے رہیں، مگر یہ چھوٹی چھوٹی سورتیں بھی اپنی عظمت، حکمت اور ربط ونظام کے محاسن کے لحاظ سے بڑی سورتوں کے ہمسر ہیں،ان کے اندر بھی ربط وپیوستگی کی تمام نزاکتیں موجود ہیں جو بڑی سورتوں کے اندر ہیں،یہ چھوٹی سورتیں اپنے قامت کے اعتبار سے جتنی چھوٹی ہیں معنی کے اعتبار سے اتنی ہی بڑی ہیں،ان کے چھوٹے سے حجم کے اندر اسرار وحکمت کے بے بہا خزانے بند ہیں اگر وہ کھول دیے جائیں تو دفاتر کے اندر بھی نہ سمائیں،اس دوران آپ ﷺ اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے تقریباً ایک سو تینتیس (۱۳۳) افراد جن میں کچھ غلام اور لونڈیاں بھی تھیں،جاہلیت کے گھٹا گھپ اندھیروں سے نکل کر دین اسلام کی روشن اور سیدھی شاہراہ پر گامزن ہو گئے۔

(۲) پھر اللہ کے حکم سے اعلانیہ دعوت کا دوسرا دور شروع ہوا جو دو سال چار بعثت نبوی اور پانچ بعثت نبوی کے درمیان تقریباً دو سال رہا اس دور میں پہلے پہل تو اہل مکہ نے ظلم وستم کا بازار گرم نہ کیا اور لاپرواہی اختیار کی مگر آخر کار رفتہ رفتہ اس دعوت حق کو روکنے کے لئے مزاحمت اختیار کرتے ہوئے جارحیت پر اتر آئے۔

(۳) پھر تیسرا دور چھ نبوی تا دس نبوی شروع ہوا جس میں کفار مکہ نے اہل ایمان پر اتنے ظلم وزیادتیاں کیں کہ اہل ایمان اپنا وطن چھوڑ کر بے یارومددگار اللہ تعالیٰ کی نصرت پر یقین کامل کرتے ہوئے حبشہ جانے پر مجبور ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی اہل مکہ نے آپ ﷺ اور بنو ہاشم کا معاشی ومعاشرتی مقاطعہ کر دیا گیا،آپ ﷺ بنو ہاشم کے ہمراہ سوائے اپنے چچا ابو لہب کے جو آپ ﷺ کے گھر کے ساتھ والے

گھر میں رہتا تھا شعب بنو ہاشم میں جو بنو ہاشم کی ایک مشترکہ گھاٹی تھی محصور ہو گئے، جہاں اہل ایمان بھوک کی شدت سے چمڑا، گھاس پھونس اور درختوں کے پتے تک کھانے پر مجبور ہو گئے، چھوٹے بچوں کی چیخ وپکار سے کلیجے منہ کو آتے تھے مگر قریش کا دل زرا نہ پسیجا، اس دعوت حق کو روکنے کے لئے ویسے تو قریش کے کئی نامی گرامی لوگ شامل تھے، جیسے حکیم بن ہشام (ابوجہل) عبد العزیٰ (ابولہب) بن عبد المطلب، اسود بن یغوث، حارث بن قیس بن عدی جس کی کنیت ابن غلیطہ تھی، ولید بن مغیرہ، ابی بن خلف، ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن سفیی بن عابد، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید بن عاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابواصدی ہذلی، حکم بن ابی العاص، عدی بن حمرا، ابوسفیان وغیرہ مگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کئی وجوہات کی بنا پر قرآن مجید میں صرف اسی دشمن چچا ابولہب کا نام لیکر ذکر کیا ہے، جس کی تفصیل سورۃ تبت میں بیان کی جائے گی۔

(۴) تین سال تک آپ اسی گھاٹی میں محصور رہے اور جب اس سے باہر آئے تو چچا ابو طالب اور عزیز اہلیہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئیں، ان کی وفات کے بعد کفار کا جور وستم از حد بڑھ گیا، یہ گیارہ بعثت نبوی تا تیرہ بعثت نبوی پر مشتمل تین سالہ چوتھا دور انتہائی اذیت ناک تھا جس میں مشرکین مکہ نے اہل اسلام پر ظلم وزیادتی کو ہر طرح خود پر حلال کرلیا، اس دوران آپ دعوت دین کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے طائف تشریف لے گئے مگر اہل ثقیف اہل مکہ سے کم ثابت نہ ہوئے اور انہوں نے آپ کے جسم مبارک پر پتھر برسا کر لہولہان کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مکہ ایک مشرک کی پناہ میں داخل ہوئے، اس دور میں اہل مکہ آپ کو جلاوطن کرنے، قید کرنے اور قتل تک کر دینے کے مشورے کرتے رہے، چنانچہ جیسے جیسے وقت بدلتا رہا موقع ومحل کی مناسبت سے لوگوں کی حالت وکیفیت کے مطابق اللہ سبحان وتعالیٰ آیات یا سورتیں نازل فرماتا رہا، جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ فلاں فلاں آیات فلاں فلاں معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں، اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس سورۃ کے نزول کے وقت یہ یہ احوال ومسائل درپیش تھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ آیت یا سورۃ کے نزول کے لئے کیا محرکات اور اسباب موجود تھے، جس وقت جو بھی سورۃ نازل کی گئی اس کی غرض وغایت یہ تھی کہ جو معاملات محتاج توضیح وتشریح ہیں ان کی توضیح وتشریح کر دی جائے۔

مگر ایک ہی دور میں کئی سورتیں نازل ہوئی ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کہ کون سی سورت پہلے نازل ہوئی اور کون سی بعد میں معلوم کرنا بڑا ہی دقت طلب مسئلہ ہے، بس کچھ اہم واقعات کے پس منظر میں سورتوں کا پہلے یا بعد نزول کا تعین کیا جاتا ہے جیسے سورۃ الدخان، سورۃ طہ، سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے قبل نازل ہوئی، سورۃ الحاقہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے قبل نازل ہوئی یا سورۃ الشعراء سید الشہد احمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے قبول اسلام کے بعد نازل ہوئی، یا سورۃ الروم ہجرت حبشہ کے دور میں نازل ہوئی اور سورۃ الصافات ہجرت حبشہ کے بعد نازل ہوئی۔ ایسا نہیں ہے کہ مختلف اوقات میں نازل شدہ آیات کا کوئی ربط یا نظم نہ تھا بلکہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مقدس کلام کے نازل کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے ساتھ رکھا جائے، اور وہ اسی جگہ رکھی جاتی، پھر جب وہ سورۃ مکمل ہو جاتی اور کلام کے تمام تقاضے پورے ہو جاتے تو سورۃ تمام کر دی جاتی اور ناممکن تھا کہ وہ اپنے حدود واقتضاء سے زرا بھی کم وبیش ہو، یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ موجودہ ترتیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے، روایت صحیحہ میں ہے کہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے ایک صندوق میں پورا قرآن مجید رکھا تھا،

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس پورا لکھا ہوا قرآن موجود تھا۔

پھر سورتوں کی پہچان کے لئے ان سورتوں کے ابتدائی الفاظ سے سورتوں کے نام رکھے گئے جیسے الحمد، براءۃ، طٰہٰ، یٰسین، الرحمٰن ، والنازعات، تبت۔

بعض سورتوں کے نام ایسے الفاظ پر رکھ دیے گئے ہیں جو ان سورتوں میں نمایاں استعمال ہوئے تھے، مثلاً الزخرف، الشعراء، الحدید، الماعون وغیرہ اہل عرب اس اصول پر اشخاص اور اشیاء کے نام رکھتے تھے۔

بعض سورتوں کے نام ایسے الفاظ سے رکھے گئے ہیں جو سورۃ کے کسی اہم مضمون کا پتہ دیتے ہیں مثلاً سورۂ نور، سورۂ آل عمران، سورۂ النساء، سورۂ ابراہیم، سورۂ یونس۔

بعض سورتوں کے نام ان کے اس مقصد کے لحاظ سے رکھے گئے ہیں جو سورۃ میں روح کی طرح جاری و ساری ہے مثلاً سورۂ فاتحہ کا نام سورۂ صلوٰۃ ہے اسی طرح سورۂ برات اور سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ محمد سورۂ قتال کے نام سے موسوم ہوئیں سورۂ اخلاص اور معوذتین بھی اسی ذیل میں شمار ہیں، گویا ایک شہر بسا کر اس کے گرداگرد شہر پناہ کھینچ دی جاتی تھی پھر جبرئیل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری سورت از سر نو سنا دیتے، سورت مکمل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے کہ فلاں سورۃ کو فلاں سورۃ کے ساتھ رکھا جائے، پھر احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام سال میں ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کا اعادہ کرایا کرتے تھے۔

اس لئے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیوں کہ قرآن آیات کی شکل میں نازل ہوا ہے اس لئے اس میں نظم نہیں تو یہ صحیح بات نہیں ہوگی بلکہ محض قلت تدبر کا نتیجہ ہے، بس ایک نگاہ جستجو کی ہونی چاہیے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو لوگ جستجو کی یہ راہ اختیار کریں گے وہ ہدایت کی راہ پالیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ (۱)

ترجمہ: اور جو لوگ ہدایت رکھتے ہیں ان کو وہ اور بھی ہدایت دیتا ہے اور پرہیز گاری عنایت کرتا ہے۔

پھر اگر کوئی شخص قرآن کی آیات کو غور و فکر سے دیکھے گا تو اسے سب نظم و ربط نظر آئے گا اور پھر اسے قرآن مجید پڑھنے اور سمجھنے میں لطف بھی آئے گا، بسا اوقات پہلی سورۃ کے بعد ضرورت باقی رہ جاتی تو اس وقت دوسری سورۂ مختلف اسلوب کے ساتھ نازل کر دی جاتی تاکہ سورۃ کی یکسانیت سننے والوں کی طبیعت پر بار نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ ابتدائے بعثت کی بہت سی سورتوں میں توحید باری تعالیٰ، اللہ کے مبعوث کئے ہوئے رسول کی تصدیق، حشر نشر اور اس سے ملتے جلتے ہوئے مضامین ملتے ہیں صرف طرز بیاں اور اسلوب کا فرق ہے، اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی مسئلہ فوری توضیح و تشریح کا محتاج ہوتا اس وقت کوئی آیت نازل ہوتی اور جہاں ضرورت ہوتی اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہیں رکھ دیا جاتا، ایسے مواقع پر زمانہ نزول کا لحاظ نہ ہوتا بلکہ نظم کلام کا لحاظ کیا جاتا اور بالعموم اس قسم کی آیات کے بعد تنبیہ بھی کر دی جاتی کہ یہ آیت بطور تشریح نازل ہوئی ہے۔

مشرکین مکہ کے ظلم و جبر اور جاہلانہ ضد کے بعد اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دار کفر سے ہجرت کا حکم فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آبائی وطن اور بیت اللہ سے بادل نخواستہ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے، ہجرت کے بعد جو آیات یا مکمل سورتیں خواہ وہ

(۱) محمد ۱۷

مدینہ منورہ یا اس کے کسی اور شہر میں حتی کہ مکہ یا عرفہ میں بھی نازل ہوئیں انہیں مدنی سورتیں کہا جاتا ہے، مکی سورتوں کے برعکس مدنی سورتوں کے بارے میں مرکزی مضمون کے علاوہ بہترین شہادتیں مل جاتی ہیں بلکہ آیات تک کی شہادتیں بھی مل جاتی ہیں کہ کون سی آیت کب اور کس موقعہ پر نازل ہوئی تھی، بعض مفسرین کے نزدیک ان کی اپنی تحقیق کے مطابق کچھ مکی سورتوں میں اختلاف ہے کہ یہ مکی سورۃ ہے یا مدنی، مگر قابل قدر مفسرین مکی اور مدنی سورتوں کے مرکزی مضامین، انداز بیان اور واقعاتی یا تاریخی شہادتوں کو دیکھ کر با آسانی اس کی پہچان کر لیتے ہیں اور ان حالات و واقعات کو جس میں خاص امور کو مدنظر رکھ کر کلام کیا گیا تھا مکی و مدنی سورتوں کے شان نزول ترتیب دیتے ہیں۔

قَالَ قَتَادَةُ:فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ أَنْبِئِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،قَالَتْ: أَلَسْتَ تَقْرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلْتُ: بَلَى،قَالَتْ: فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ

قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کیا اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں بتائیے! عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کیا ہاں پڑھتا ہوں، عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن ہی تو تھا۔[۱]

عَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: أَتَيْتُ عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَخْبِرِينِي بِخُلُقِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

سعد بن ہشام بن عامر سے مروی ہے میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے بارے میں بتلائیں، توانہوں نے فرمایا آپ کا خلق قرآن ہی ہے۔[۲]

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ، عَنْ ذَلِكَ، فَقَالَتْ: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق کے بارے میں دریافت کیا توانہوں نے فرمایا آپ کا خلق قرآن ہی ہے۔[۳]

یعنی پورا قرآن ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے بھرا پڑا ہے اس لئے ہمارے خیال کے مطابق قرآن مجید کی رہنمائی کے بغیر سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہی نہیں جاسکتی، کیونکہ قرآن مجید ہی قدم قدم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کے ہر شعبہ میں واضح احکامات وہدایات دے کر مکمل رہنمائی کرتا چلا آرہا تھا، جس کے عقیدہ میں اللہ سبحانہ تعالیٰ کی معرفت، رسولوں کا مقام وفرائض، قیامت اور حشر نشر، جنت ودوزخ، ہر طرح کی عبادات، نشست وبرخاست اور رہن سہن کے طریقوں کے طریقے، نکاح وطلاق کے احکامات، معاشرتی ومعاشی زندگی گزارنے کے اصول، مختلف اقسام کے حقوق وفرائض، دیوانی وفوجداری وعائلی قوانین اور جنگی معاملات وغیرہ۔ اس لئے ہم اپنی اس سیرت کی کتاب میں قرآن مجید کی نازل کردہ سورتوں کی مختصر تشریح تحریر کریں گے تاکہ سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر سے بہتر انداز سے سمجھ سکیں، صحیح ترتیب نزول تو اللہ سبحان وتعالیٰ ہی جانتا ہے مگر قابل قدر محققین، مفسرین وسیرت نگاروں نے اس سمت میں گراں قدر کوشش کی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ پہلے ان کی قابل قدر تحقیقات کا بغور جائزہ لیا جائے کہ قرآن کی ممکن حد تک ایک سو چودہ سورتوں کی صحیح ترتیب نزول

---

[۱] صحیح مسلم كتاب صلاة المسافرين بَابُ جَامِعِ صَلَاةِ اللَّيْلِ، وَمَنْ نَامَ عَنْهُ أَوْ مَرِضَ۱۷۳۹

[۲] مسنداحمد۲۵۳۰۲،صحیح مسلم كتاب المسافرين باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه او مرض۱۷۳۹

[۳] شعب الایمان۱۳۶۰

کیا تھی، اور پھر ان کی تحقیق سے استفادہ حاصل کیا جائے۔

ان محققین کرام کی کچھ کاوشیں حاضر خدمت ہیں۔

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کے نزول کی یہ ترتیب بیان کی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ:كَانَتْ إِذَا أنزلت فاتحة الكتاب بِمَكَّةَ كُتِبَتْ بِمَكَّةَ ثُمَّ يَزِيدُ اللَّهُ فِيهَا مَا شَاءَ وَكَانَ أَوَّلَ مَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ ثُمَّ ن ثُمَّ يا أيها المزمل ثم يا أيها الْمُدَّثِّرُ ثُمَّ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ثُمَّ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ثُمَّ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ثُمَّ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ثُمَّ وَالْفَجْرِ ثُمَّ وَالضُّحَى ثُمَّ أَلَمْ نَشْرَحْ ثُمَّ وَالْعَصْرِ ثُمَّ وَالْعَادِيَّاتِ ثُمَّ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ ثُمَّ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ ثُمَّ أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ ثُمَّ قُلْ يا أيها الْكَافِرُونَ ثُمَّ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ ثُمَّ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ثُمَّ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ثُمَّ وَالنَّجْمِ ثُمَّ عَبَسَ ثُمَّ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ثُمَّ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ثُمَّ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ثُمَّ والتين ثُمَّ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ثُمَّ الْقَارِعَةُ ثُمَّ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ وَيْلٌ لِكُلِّ هُمَزَةٍ ثُمَّ وَالْمُرْسَلَاتِ ثُمَّ ق ثُمَّ لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ثُمَّ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ثُمَّ اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ثُمَّ ص ثُمَّ الْأَعْرَافُ ثُمَّ قُلْ أُوحِيَ ثُمَّ يس ثُمَّ الْفُرْقَانُ ثُمَّ الْمَلَائِكَةُ ثم كهيعص ثم طه ثُمَّ الْوَاقِعَةُ ثُمَّ طسم الشُّعَرَاءِ ثُمَّ طس ثُمَّ الْقَصَصُ ثُمَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ ثُمَّ يُونُسَ ثُمَّ هُودٌ ثُمَّ يُوسُفَ ثُمَّ الحجر ثم الأنعام ثم الصافات ثم لقمان ثم سبأ ثم الزمر ثم حم الْمُؤْمِنِ ثُمَّ حم السَّجْدَةِ ثُمَّ حم عسق ثُمَّ حم الزُّخْرُفِ ثُمَّ الدُّخَانِ ثُمَّ الْجَاثِيَةِ ثُمَّ الْأَحْقَافِ ثُمَّ الذَّارِيَاتُ ثُمَّ الْغَاشِيَةُ ثُمَّ الْكَهْفُ ثُمَّ النَّحْلُ ثُمَّ إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا ثُمَّ سُورَةُ إِبْرَاهِيمَ ثُمَّ الأنبياء ثم المؤمنين ثُمَّ تَنْزِيلُ السَّجْدَةِ ثُمَّ الطُّورُ ثُمَّ تَبَارَكَ الْمُلْكِ ثُمَّ الْحَاقَّةُ ثُمَّ سَأَلَ ثُمَّ عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ثُمَّ النَّازِعَاتُ ثُمَّ إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ثُمَّ إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ ثم الروم ثم الْعَنْكَبُوتُ ثُمَّ وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ فَهَذَا مَا أُنْزَلَ الله بمكة.

ثم أُنْزِلَ بِالْمَدِينَةِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ ثُمَّ الْأَنْفَالِ ثُمَّ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ الْأَحْزَابِ ثُمَّ الْمُمْتَحَنَةِ ثُمَّ النِّسَاءِ ثُمَّ إِذَا زُلْزِلَتِ ثُمَّ الْحَدِيدِ ثُمَّ الْقِتَالِ ثُمَّ الرَّعْدِ ثُمَّ الرَّحْمَنِ ثُمَّ الْإِنْسَانِ ثُمَّ الطَّلَاقِ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ ثُمَّ الْحَشْرِ ثُمَّ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ ثُمَّ النُّورِ ثُمَّ الْحَجِّ ثُمَّ الْمُنَافِقُونَ ثُمَّ الْمُجَادَلَةِ ثُمَّ الْحُجُرَاتِ ثُمَّ التَّحْرِيمِ ثُمَّ الْجُمْعَةِ ثُمَّ التَّغَابُنِ ثُمَّ الصَّفِّ ثُمَّ الْفَتْحِ ثُمَّ الْمَائِدَةِ ثُمَّ بَرَاءَةٍ ...[1]

علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر الشیحی الوالحسن نے قرآن مجید کے نزول کی یہ ترتیب بیان کی ہے۔

فأما ترتيب نزوله على رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فأول ما نزل من القرآن بمكة اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. ثم ن وَالْقَلَمِ ثم يا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ. ثم المدثر. ثم تَبَّتْ يدا أَبِي لَهَبٍ. ثم إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. ثم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى. ثم وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى ثم وَالْفَجْرِ. ثم وَالضُّحى. ثم أَلَمْ نَشْرَحْ ثم وَالْعَصْرِ ثم وَالْعادِياتِ ثم إِنَّا أَعْطَيْناكَ الْكَوْثَرَ ثم أَلْهاكُمُ التَّكاثُرُ ثم أَرَأَيْتَ الَّذِي ثم قُلْ يا أَيُّهَا الْكافِرُونَ. ثم الْفِيلِ. ثم قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ. ثم وَالنَّجْمِ. ثم عَبَسَ. ثم سورة القدر. ثم سورة البروج. ثم التين. ثم لِإِيلافِ قُرَيْشٍ . ثم الْقارِعَةُ. ثم القيامة. ثم الهمزة. ثم المرسلات. ثم ق. ثم سورة البلد.

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن ۴۲تا۸۴/۱

ثم الطَّارِقِ ثم اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ثم ص. ثم الأعراف. ثم الجن. ثم يس. ثم الفرقان. ثم فاطر . ثم مريم. ثم طه. الواقعة. ثم الشعراء ثم النمل ثم القصص. ثم سورة بني إسرائيل. ثم يونس. ثم هود ثم يوسف. ثم الحجر. ثم الأنعام. ثم والصافات. ثم لقمان. ثم سبأ. ثم الزمر .ثم المؤمن. ثم السجدة. ثم حم عسق. ثم الزخرف. ثم الدخان. ثم الجاثية. ثم الأحقاف. ثم الذاريات. ثم الغاشية. ثم الكهف. ثم النحل. ثم نوح. ثم إبراهيم. ثم الأنبياء. ثم قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ. ثم تنزيل السجدة ثم الطور ثم الملك. ثم الحاقة. ثم سَأَلَ سائِلٌ. ثم عَمَّ يَتَساءَلُونَ ثم النازعات. ثم إِذَا السَّماءُ انْفَطَرَتْ ثم إِذَا السَّماءُ انْشَقَّتْ. ثم الروم. ثم العنكبوت، واختلفوا في آخر ما نزل بمكة فقال ابن عباس العنكبوت وقال الضحاك وعطاء المؤمنين، وقال مجاهد: ويل للمطففين، فهذا ترتيب ما نزل من القرآن بمكة فذلك ثلاث وثمانون سورة على ما استقرت عليه روايات الثقات.

وأمّا ما نزل بالمدينة فإحدى وثلاثون سورة، فأول ما نزل بها سورة البقرة. ثم الأنفال. ثم آل عمران. ثم الأحزاب. ثم الممتحنة. ثم النساء. ثم إذا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ. ثم الحديد. ثم سورة محمد صلّى الله عليه وسلّم. ثم الرعد. ثم سورة الرحمن. ثم هَلْ أَتى عَلَى الْإِنْسانِ. ثم الطلاق. ثم لَمْ يَكُنِ ثم الحشر. ثم الفلق. ثم الناس. ثم إذا جاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ثم النور. ثم الحج. ثم إذا جاءَكَ الْمُنافِقُونَ ثم المجادلة. ثم الحجرات. ثم التحريم. ثم الصف. ثم الجمعة. ثم التغابن. ثم الفتح .ثم التوبة. ثم المائدة. ومنهم من يقدم المائدة على التوبة فهذا ترتيب ما نزل من القرآن بالمدينة واختلفوا في الشورى فقيل نزلت بمكة وقيل نزلت بالمدينة، وسنذكر ذلك في مواضعه إن شاء الله تعالى۔[1]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی سورتوں کی ترتیب نزول یوں بیان کی ہے۔

قَالَا: أَنْزَلَ اللهُ مِنَ الْقُرْآنِ بِمَكَّةَ: اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. . .، وَن وَالْقَلَمِ. . .، وَالْمُزَّمِّلَ، وَالْمُدَّثِّرَ، وَتَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. .، وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى، وَالْفَجْرِ , وَالضُّحَى , وَالِانْشِرَاحَ: أَلَمْ نَشْرَحْ، وَالْعَصْرِ، وَالْعَادِيَاتِ، وَالْكَوْثَرَ، وَأَلْهَاكُمُ، وَأَرَأَيتَ، وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَأَصْحَابِ الْفِيلِ، وَالْفَلَقَ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، وَالنَّجْمِ، وَعَبَسَ وَتَوَلَّى، وَإِنَّا أَنْزَلْنَاهُ، وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا، وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ، وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ، وَلِإِيلَافِ قُرَيْشٍ، وَالْقَارِعَةَ، وَلَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَالْهُمَزَةَ، وَالْمُرْسَلَاتِ، وَق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ، وَلَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ، وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ، وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ، وَص وَالْقُرْآنِ، وَالْجِنَّ، وَيس، وَالْفُرْقَانَ، وَالْمَلَائِكَةَ، وَطه، وَالْوَاقِعَةَ، وَطسم، وَطس، وَطسم، وَبَنِي إِسْرَائِيلَ، وَالتَّاسِعَةَ، وَهُودَ، وَيُوسُفَ، وَأَصْحَابَ الْحِجْرِ، وَالْأَنْعَامَ , وَالصَّافَّاتِ، وَلُقْمَانَ، وَسَبَأً، وَالزُّمَرَ، وَحم الْمُؤْمِنِ، وَحم الدُّخَانِ، وَحم السَّجْدَةِ، وَحم عسق، وَحم الزُّخْرُفِ، وَالْجَاثِيَةَ، وَالْأَحْقَافَ، وَالذَّارِيَاتِ، وَالْغَاشِيَةَ، وَأَصْحَابَ الْكَهْفِ، وَالنَّحْلَ، وَنُوحَ، وَإِبْرَاهِيمَ، وَالْأَنْبِيَاءَ، وَالْمُؤْمِنُونَ، وَالم السَّجْدَةَ، وَالطُّورِ، وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ. .، وَالْحَاقَّةَ، وَسَأَلَ سَائِلٌ. .، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ. .، وَالنَّازِعَاتِ، وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ. .، وَإِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ.، وَالرُّومَ، وَالْعَنْكَبُوتَ.

[1] تفسيرالخازن۔لباب التأويل في معاني التنزيل،١٠٩/١

وَمَا نَزَلَ بِالْمَدِينَةِ: وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ. .، وَالْبَقَرَةُ، وَآلُ عِمْرَانَ، وَالْأَنْفَالُ، وَالْأَحْزَابُ، وَالْمَائِدَةُ، وَالْمُمْتَحَنَةُ، وَالنِّسَاءُ، وَإِذَا زُلْزِلَتْ. .، وَالْحَدِيدُ، وَمُحَمَّدٌ , وَالرَّعْدُ، وَالرَّحْمَنُ، وَهَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ. .، وَالطَّلَاقُ، وَلَمْ يَكُنِ، وَالْحَشْرُ، وَإِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ. .، وَالنُّورُ، وَالْحَجُّ، وَالْمُنَافِقُونَ، وَالْمُجَادَلَةُ، وَالْحُجُرَاتُ، وَيَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ. .، وَالصَّفُّ، وَالْجُمُعَةُ، وَالتَّغَابُنُ، وَالْفَتْحُ، وَبَرَاءَةٌ" قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَالتَّاسِعَةُ يُرِيدُ سُورَةَ يُونُسَ قُلْتُ: وَقَدْ سَقَطَ مِنْ هَذِهِ الرِّوَايَةِ ذِكْرُ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ، وَالْأَعْرَافِ، وَكهيعص فِيمَا نَزَلَ بِمَكَّةَ۔[1]

ابراہیم بن اسماعیل بیاری المتوفی ۱۴۱۴ ہجری قرآن کی ترتیب نزول کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

وكان أول ما أنزل من القرآن: اقرأ باسم ربك ثم ن، ثم يا أيها المزمل، ثم يا أيها المدثر، ثم تبت يدا أبى لهب، ثم إذا الشمس كورت، ثم سبح اسم ربك الأعلى، ثم والليل إذا يغشى، ثم والفجر، ثم والضحى، ثم ألم نشرح، ثم والعصر، ثم والعاديات، ثم إنا أعطيناك، ثم ألهاكم التكاثر، ثم أرأيت الذى يكذب، ثم قل يا أيها الكافرون، ثم ألم تر كيف فعل ربك، ثم قل أعوذ برب الفلق، ثم قل أعوذ برب الناس، ثم قل هو الله أحد، ثم والنجم، ثم عبس، ثم إنا أنزلناه فى ليلة القدر، ثم والشمس وضحاها، ثم والسماء ذات البروج، ثم والتين، ثم لإيلاف قريش، ثم القارعة، ثم لا أقسم بيوم القيامة، ثم ويل لكل همزة، ثم والمرسلات، ثم ق، ثم لا أقسم بهذا البلد، ثم والسماء والطارق، ثم اقتربت الساعة، ثم ص، ثم الأعراف، ثم قل أوحى، ثم يس، ثم الفرقان، ثم الملائكة، ثم كهيعص، ثم طه، ثم الواقعة، ثم طسم الشعراء، ثم طس، ثم القصص، ثم بنى إسرائيل، ثم يونس، ثم هود، ثم يوسف، ثم الحجر، ثم الأنعام، ثم الصافات، ثم لقمان، ثم سبأ، ثم الزمر، ثم حم، ثم حم السجدة، ثم حمعسق، ثم حم الزخرف، ثم الدخان، ثم الحاثية، ثم الأحقاف، ثم الذاريات، ثم الكهف، ثم النحل، ثم إنا أرسلنا نوحا، ثم سورة إبراهيم، ثم الأنبياء، ثم المؤمنون، ثم تنزيل السجدة، ثم الطور، ثم تبارك الملك، ثم الحاقة، ثم عم يتساءلون، ثم النازعات، ثم إذا السماء انفطرت، ثم إذا السماء انشقت، ثم الروم، ثم العنكبوت، ثم ويل للمطففين.

ثم أنزل بالمدينة سورة البقرة، ثم الأنفال، ثم آل عمران، ثم الأحزاب، ثم الممتحنة، ثم النساء، ثم إذا زلزلت، ثم الحديد، ثم القتال، ثم الرعد، ثم الرحمن، ثم الإنسان، ثم الطلاق، ثم لم يكن، ثم الحشر، ثم إذا جاء نصر الله، ثم النور، ثم الحج، ثم المنافقون، ثم المجادلة، ثم الحجرات، ثم التحريم، ثم الجمعة، ثم التغابن، ثم الصف، ثم الفتح، ثم المائدة، ثم براءة.[2]

شیخ محمد رضا رحمہ اللہ نے سورتوں کی ترتیب نزول یوں بیان فرمائی ہے۔

صاحب فضیلت شیخ محمد رضا (سابق مدیر جامعہ فواد قاہرہ) کی تحقیق کے مطابق قرآنی سورتوں کی ترتیب نزول جو انہوں نے اپنی تالیف سیرت محمد رسول اللہ میں مکی سورتوں کو صفحہ ۲۴۳ پر اور مدنی سورتوں کو صفحہ ۶۹۳ پر ایک فہرست کی شکل میں درج کیا ہے، مگر اس ترتیب

[1] دلائل النبوة للبيهقى ۱۴۲/۷

[2] ۔الموسوعة القرآنية ۲/۷

کی کوئی وجہ تحریر نہیں کی، ان کی مرتب کی ہوئی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔

ان کی تحقیق کے مطابق مکہ معظّمہ میں بیاسی سورتیں اس ترتیب سے نازل ہوئیں۔

۱۔سورۃ العلق	۲۔سورۃ القلم	۳۔سورۃ الضحیٰ	۴۔سورۃ المزمل	۵۔سورۃ المدثر
۶۔سورۃ الفاتحہ	۷۔سورۃ اللھب	۸۔سورۃ التکویر	۹۔سورۃ الاعلیٰ	۱۰۔سورۃ الیل
۱۱۔سورۃ الفجر	۱۲۔سورۃ الم نشرح	۱۳۔سورۃ الرحمٰن	۱۴۔سورۃ العصر	۱۵۔سورۃ الکوثر
۱۶۔سورۃ التکاثر	۱۷۔سورۃ الماعون	۱۸۔سورۃ الکافرون	۱۹۔سورۃ الفیل	۲۰۔سورۃ النجم
۲۱۔سورۃ عبس	۲۲۔سورۃ القدر	۲۳۔سورۃ الشّمس	۲۴۔سورۃ البروج	۲۵۔سورۃ التین
۲۶۔سورۃ القریش	۲۷۔سورۃ القارعہ	۲۸۔سورۃ القیامہ	۲۹۔سورۃ الھمزۃ	۳۰۔سورۃ المرسلات
۳۱۔سورۃ ق	۳۲۔سورۃ البلد	۳۳۔سورۃ الطارق	۳۴۔سورۃ القمر	۳۵۔سورۃ ص
۳۶۔سورۃ الاعراف	۳۷۔سورۃ الجن	۳۸۔سورۃ یٰسین	۳۹۔سورۃ الفرقان	۴۰۔سورۃ فاطر
۴۱۔سورۃ مریم	۴۲۔سورۃ طٰہٰ	۴۳۔سورۃ الشعراء	۴۴۔سورۃ النمل	۴۵۔سورۃ القصص
۴۶۔سورۃ بنی اسرائیل	۴۷۔سورۃ یونس	۴۸۔سورۃ ھود	۴۹۔سورۃ یوسف	۵۰۔سورۃ الحجر
۵۱۔سورۃ الانعام	۵۲۔سورۃ الصافات	۵۳۔سورۃ لقمان	۵۴۔سورۃ المومن	۵۵۔سورۃ حم السجدہ
۵۶۔سورۃ الشوریٰ	۵۷۔سورۃ الزخرف	۵۸۔سورۃ سبا	۵۹۔سورۃ الزمر	۶۰۔سورۃ الدخان
۶۱۔سورۃ الجاثیہ	۶۲۔سورۃ الاحقاف	۶۳۔سورۃ الذاریات	۶۴۔سورۃ الغاشیہ	۶۵۔سورۃ الکہف
۶۶۔سورۃ النحل	۶۷۔سورۃ نوح	۶۸۔سورۃ ابراہیم	۶۹۔سورۃ الانبیاء	۷۰۔سورۃ المومنون
۷۱۔سورۃ الرعد	۷۲۔سورۃ والطور	۷۳۔سورۃ الملک	۷۴۔سورۃ الحاقہ	۷۵۔سورۃ المعارج
۷۶۔سورۃ النبا	۷۷۔سورۃ النازعات	۷۸۔سورۃ الانفطار	۷۹۔سورۃ الروم	۸۰۔سورۃ العنکبوت
۸۱۔سورۃ الانشقاق	۸۲۔سورۃ الزلزال			

اور بتیس سورتیں مدینہ منورہ میں اس ترتیب سے نازل ہوئیں۔

۸۳۔سورۃ المطففین	۸۴۔سورۃ البقرہ	۸۵۔سورۃ الانفال	۸۶۔سورۃ آل عمران	۸۷۔سورۃ الحشر
۸۸۔سورۃ الاحزاب	۸۹۔سورۃ النور	۹۰۔سورۃ الممتحنہ	۹۱۔سورۃ الفتح	۹۲۔سورۃ النساء
۹۳۔سورۃ الحج	۹۴۔سورۃ الحدید	۹۵۔سورۃ محمد	۹۶۔سورۃ الدھر	۹۷۔سورۃ الطلاق

۹۸۔سورۃالبینہ	۹۹۔سورۃالجمعہ	۱۰۰۔سورۃالسجدہ	۱۰۱۔سورۃالمنافقون	۱۰۲۔سورۃالمجادلہ
۱۰۳۔سورۃالحجرات	۱۰۴۔سورۃالتحریم	۱۰۵۔سورۃالتغابن	۱۰۶۔سورۃالصّف	۱۰۷۔سورۃالمائدہ
۱۰۸۔سورۃالتوبہ	۱۰۹۔سورۃالنصر	۱۱۰۔سورۃالواقعہ	۱۱۱۔سورۃالعادیات	۱۱۲۔سورۃالاخلاص
۱۱۳۔سورۃالفلق	۱۱۴۔سورۃالناس			

شیخ التفسیر والقرآن مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ نے مکی اور مدنی سورتوں کی ترتیب نزول کو کچھ اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

۱۔سورۃالعلق (اقراء) (مکی)	۲۔سورۃالفلق (مکی)	۳۔سورۃالمزمل (مکی)	۴۔سورۃالمدثر (مکی)
۵۔سورۃالفاتحہ (مکی)	۶۔سورۃاللھب (مکی)	۷۔سورۃالتکویر (مکی)	۸۔سورۃالاعلیٰ (مکی)
۹۔سورۃاللیل (مکی)	۱۰۔سورۃالفجر (مکی)	۱۱۔القلم (ن) (مکی)	۱۲۔سورۃالضحیٰ (مکی)
۱۳۔سورۃالم نشراح (مکی)	۱۴۔سورۃالعصر (مکی)	۱۵۔سورۃالعادیات (مکی)	۱۶۔سورۃالکوثر (مکی)
۱۷۔سورۃالتکاثر (مکی)	۱۸۔سورۃالماعون (مکی)	۱۹۔سورۃالکافرون (مکی)	۲۰۔سورۃالنازعات (مکی)
۲۱۔سورۃالفیل (مکی)	۲۲۔سورۃالناس (مکی)	۲۳۔سورۃالاخلاص (مکی)	۲۴۔سورۃالنجم (مکی)
۲۵۔سورۃعبس (مکی)	۲۶۔سورۃالقدر (مکی)	۲۷۔سورۃالشمّس (مکی)	۲۸۔سورۃالتین (الطور) (مکی)
۲۹۔سورۃالقریش (مکی)	۳۰۔سورۃالقارعہ (مکی)	۳۱۔سورۃالقیامہ (مکی)	۳۲۔سورۃالھمزۃ (مکی)
۳۳۔سورۃالمرسلات (مکی)	۳۴۔سورۃق (مکی)	۳۵۔سورۃالبلد (مکی)	۳۶۔سورۃالقمر (مکی)
۳۷۔سورۃالطارق (مکی)	۳۸۔سورۃالبروج (مکی)	۳۹۔سورۃص (مکی)	۴۰۔سورۃالاعراف (مکی)
۴۱۔سورۃالجن (مکی)	۴۲۔سورۃیٰسین (مکی)	۴۳۔سورۃالفرقان (مکی)	۴۴۔سورۃفاطر (مکی)
۴۵۔سورۃمریم (مکی)	۴۶۔سورۃطٰہٰ (مکی)	۴۷۔سورۃالجاثیہ (مکی)	۴۸۔سورۃالواقعہ (مکی)
۴۹۔سورۃالشعراء (مکی)	۵۰۔سورۃالنمل (مکی)	۵۱۔سورۃالقصص (مکی)	۵۲۔سورۃبنی اسرائیل (مکی)
۵۳۔سورۃیونس (مکی)	۵۴۔سورۃھود (مکی)	۵۵۔سورۃیوسف (مکی)	۵۶۔سورۃالحجر (مکی)
۵۷۔سورۃالانعام (مکی)	۵۸۔سورۃالصافات (مکی)	۵۹۔سورۃلقمان (مکی)	۶۰۔سورۃسباء (مکی)
۶۱۔سورۃالزمر (مکی)	۶۲۔سورۃالمومن (مکی)	۶۳۔سورۃحم السجدہ (مکی)	۶۴۔سورۃالشوریٰ (مکی)
۶۵۔سورۃالزخرف (مکی)	۶۶۔سورۃالدخان (مکی)	۶۷۔سورۃالاحقاف (مکی)	۶۸۔سورۃالذاریات (مکی)

۶۹۔سورۃ الغاشیہ (مکی)	۷۰۔سورۃ الکہف (مکی)	۷۱۔سورۃ النحل (مکی)	۷۲۔سورۃ نوح (مکی)
۷۳۔سورۃ انفطار (مکی)	۷۴۔سورۃ ابراہیم (مکی)	۷۵۔سورۃ الانبیاء (مکی)	۷۶۔سورۃ المومنون (مکی)
۷۷۔سورۃ الم السجدہ (مکی)	۷۸۔سورۃ الطور (مکی)	۷۹۔سورۃ الملک (مکی)	۸۰۔سورۃ المعارج (مکی)
۸۱۔سورۃ النبا (مکی)	۸۲۔سورۃ الانشقاق (مکی)	۸۳۔سورۃ الروم (مکی)	۸۴۔سورۃ العنکبوت (مکی)
۸۵۔سورۃ المطففین (مکی)	۸۶۔سورۃ البقرہ (مدنی)	۸۷۔سورۃ الحاقہ (مکی)	۸۸۔سورۃ الانفال (مدنی)
۸۹۔آل عمران (مدنی)	۹۰۔سورۃ الاحزاب (مدنی)	۹۱۔سورۃ الممتحنہ (مدنی)	۹۲۔سورۃ النساء (مدنی)
۹۳۔سورۃ الزلزال (مکی)	۹۴۔سورۃ الرعد (مکی)	۹۵۔سورۃ الحدید (مدنی)	۹۶۔سورۃ محمد (مدنی)
۱۰۱۔سورۃ الحشر (مدنی)	۱۰۲۔سورۃ النور (مدنی)	۱۰۳۔سورۃ الحج (مدنی)	۱۰۴۔سورۃ المنافقین (مدنی)
۱۰۵۔سورۃ المجادلہ (مدنی)	۱۰۶۔سورۃ الحجرات (مدنی)	۱۰۷۔سورۃ التحریم (مدنی)	۱۰۸۔سورۃ التغابن (مدنی)
۱۰۹۔سورۃ الصف (مدنی)	۱۱۰۔سورۃ الجمعہ (مدنی)	۱۱۱۔سورۃ الفتح (مکی)	۱۱۲۔سورۃ المائدہ (مدنی)
۱۱۳۔سورۃ توبہ (مدنی)	۱۱۴۔سورۃ النصر (مدنی)		

(سمط الدرر فی ربط الایات والسوروخلاصتها المختصر)

سیارہ ڈائجسٹ کے مطابق قرآنی سورتوں کی ترتیب نزول کچھ یوں تھی۔

سیارہ ڈائجسٹ والوں نے کافی عرصہ پہلے بڑے خوبصورت نمبروں والے ڈائجسٹ شائع کیے تھے،ان میں ایک ڈائجسٹ قرآن نمبر کے نام سے نکالا تھا،جس میں قرآن مجید کے بارے میں بڑی قابل قدر تحریریں شامل تھیں اس میں انہوں نے قرآنی سورتوں کی ترتیب نزول کے بارے میں ایک لسٹ شامل تھی جو کچھ اس طرح تھی۔

سورۃ اقراء (مکی)	۲۔سورۃ المدثر ۱تا۵) (مکی)	۳۔سورۃ المزمل ۱تا۸ (مکی)	۴۔سورۃ الشعراء (مکی)
۵۔سورۃ المسد (مکی)	۶۔سورۃ القیامہ (مکی)	۷۔سورۃ طٰہٰ (مکی)	۸۔سورۃ الاضحیٰ (مکی)
۹۔الانعام (مکی)	۱۰۔النبا (مکی)	۱۱۔النازعات (مکی)	۱۲۔التکویر (مکی)
۱۳۔سورۃ المومنون (مکی)	۱۴۔سورۃ لقمان (مکی)	۱۵۔سورۃ العنکبوت (مکی)	۱۶۔سورۃ الرعد (مکی)
۱۷۔سورۃ الانفطار (مکی)	۱۸۔سورۃ ابراہیم (مکی)	۱۹۔سورۃ الحجر (مکی)	۲۰۔سورۃ النمل (مکی)

۲۱۔سورۃ الاخلاص (مکی)	۲۲۔سورۃ الدخان (مکی)	۲۳۔سورۃ الانبیاء (مکی)	۲۴۔سورۃ عبس (مکی)
۲۵۔سورۃ بنی اسرائیل (مکی)	۲۶۔سورۃ الطارق (مکی)	۲۷۔سورۃ الغاشیہ (مکی)	۲۸۔سورۃ الفجر (مکی)
۲۹۔سورۃ البلد (مکی)	۳۰۔سورۃ الشمس (مکی)	۳۱۔سورۃ اللیل (مکی)	۳۲۔سورۃ التین (مکی)
۳۳۔سورۃ الزلزال (مکی)	۳۴۔سورۃ العادیات (مکی)	۳۵۔سورۃ القارعہ (مکی)	۳۶۔سورۃ التکاثر (مکی)
۳۷۔سورۃ العصر (مکی)	۳۸۔سورۃ الحج (مکی)	۳۹۔سورۃ الحدید (مکی)	۴۰۔سورۃ مریم (مکی)
۴۱۔سورۃ المطففین (مکی)	۴۲۔سورۃ الجن (مکی)	۴۳۔سورۃ الاحقاف (مکی)	۴۴۔سورۃ المرسلات (مکی)
۴۵۔سورۃ النجم (مکی)	۴۶۔سورۃ الانشقاق (مکی)	۴۷۔سورۃ ھود (مکی)	۴۸۔سورۃ یوسف (مکی)
۴۹۔سورۃ یونس (مکی)	۵۰۔سورۃ الفرقان (مکی)	۵۱۔سورۃ الفیل (مکی)	۵۲۔سورۃ القریش (مکی)
۵۳۔سورۃ الروم (مکی)	۵۴۔سورۃ لقمان (مکی)	۵۵۔سورۃ السجدہ (مکی)	۵۶۔سورۃ سبا (مکی)
۵۷۔سورۃ فاطر (مکی)	۵۸۔سورۃ الحاقہ (مکی)	۵۹۔سورۃ القلم (مکی)	۶۰۔سورۃ حم السجدہ (مکی)
۶۱۔سورۃ القمر (مکی)	۶۲۔سورۃ الصافات (مکی)	۶۳۔سورۃ ص (مکی)	۶۴۔سورۃ الزمر (مکی)
۶۵۔سورۃ المومن (مکی)	۶۶۔سورۃ الشوریٰ (مکی)	۶۷۔سورۃ الزخرف (مکی)	۶۸۔سورۃ الجاثیہ (مکی)
۶۹۔سورۃ الاحقاف (مکی)	۷۰۔سورۃ ق (مکی)	۷۱۔سورۃ الزاریات (مکی)	۷۲۔سورۃ الطور (مکی)
۷۳۔سورۃ الرحمٰن (مکی)	۷۴۔سورۃ الواقعہ (مکی)	۷۵۔سورۃ الملک (مکی)	۷۶۔سورۃ الکافرون (مکی)
۷۷۔سورۃ المعارج (مکی)	۷۸۔سورۃ الہمزہ (مکی)	۷۹۔سورۃ نوح (مکی)	۸۰۔سورۃ الدہر (مکی)
۸۱۔سورۃ البقرہ (مدنی)	۸۲۔سورۃ الاعلیٰ (مدنی)	۸۳۔سورۃ البروج (مدنی)	۸۴۔سورۃ الانفال (مدنی)
۸۵۔سورۃ التوبہ (مدنی)	۸۶۔سورۃ القصص (مدنی)	۸۷۔سورۃ الانشراح (مدنی)	۸۸۔سورۃ القدر (مدنی)
۸۹۔سورۃ البینہ (مدنی)	۹۰۔سورۃ المائدہ (مدنی)	۹۱۔سورۃ الاعراف (مدنی)	۹۲۔سورۃ الکہف (مدنی)
۹۳۔سورۃ الشعراء (مدنی)	۹۴۔سورۃ الفاتحہ (مدنی)	۹۵۔سورۃ الماعون (مدنی)	۹۶۔سورۃ یٰسین (مدنی)
۹۷۔سورۃ الحج (مدنی)	۹۸۔سورۃ النور (مدنی)	۹۹۔سورۃ الجمعہ (مدنی)	۱۰۰۔سورۃ النمل (مدنی)

۱۰۱۔سورۃ الکوثر (مدنی)	۱۰۲۔سورۃ آل عمران (مدنی)	۱۰۳۔سورۃ النساء (مدنی)	۱۰۴۔سورۃ الحشر (مدنی)
۱۰۵۔سورۃ الحجرات ()	۱۰۶۔سورۃ الاحزاب (مدنی)	۱۰۷۔سورۃ الصّف (مدنی)	۱۰۸۔سورۃ محمد (مدنی)
۱۰۹۔سورۃ المنافقون (مدنی)	۱۱۰۔سورۃ التغابن (مدنی)	۱۱۱۔سورۃ المجادلہ (مدنی)	۱۱۲۔سورۃ الطلاق (مدنی)
۱۱۳۔سورۃ الفتح (مدنی)	۱۱۴۔سورۃ الممتحنہ (مدنی)	سورۃ الناس (مدنی)	

قابل قدر مفسر ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ رحمہ اللہ نے سورتوں کی ترتیب نزول کچھ یوں بیان فرمائی ہے۔

زمانہ نزول اور شان نزول کے تذکرے سے پہلے مکی سورتوں کی وجہ تسمیہ اور ان کے خصائص پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔

مکی سورتیں وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت سے قبل نازل ہوئیں، جو سورتیں سفر ہجرت کے بعد نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے ،ان دونوں میں مضامین کے اعتبار سے یوں فرق کیا جاسکتا ہے کہ مکی دور دراصل نبوت اور دین اسلام کے تعارف کا دور ہے،اس دور میں مبادیات دین کے متعلق بحث کی جاتی ہے مثلاً

(الف) شرک اور توحید کا اس انداز سے بیان کرنا کہ شرک کی قباحت اور اس کا بطلان از خود واضح ہوجائے اور توحید کے فضائل و برکات کا اس انداز سے تذکرہ کرنا کہ فطرت انسانی اس کے قبول کرنے کی طرف مائل ہو۔

(ب) موت اور مابعد الموت زندگی کا حق ہونا اور اس باطل نظریہ کی تردید کہ اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی نہیں۔

(ج) رسومات جاہلیت اور توہمات کی تردید اور اسلام کے اخلاق حسنہ کی تبلیغ تا کہ انہی خطوط پر آئندہ معاشرہ تشکیل دیا جاسکے۔

(د) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق اور رسالت پر اعتراضات کی تردید اور متکبرین و مخالفین کو ان کی ہٹ دھرمی پر زجر و توبیخ نیز مسلمانوں کو دعوت دین کے فوری اثرات کے ظاہر نہ ہونے پر تسلی دینا۔

ایک طالب علم جب مکی دور میں نازل ہونے والی سورتوں اور آیات کی اس خصوصیت کو جان لیتا ہے تو اس کے لیے قرآن مجید کے اسلوب کو سمجھنا از خود آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے برعکس مدنی دور میں نازل ہونے والی آیات اور سورتوں میں احکام اور اصول جہانبانی کا ذکر کیا گیا ہے، مدنی دور کی آیات اور سورتوں کے نزول کے دور کا تعین نسبتاً آسان اور مکی دور کی تعلیمات کے دور کا تعین قدرے مشکل ہوتا ہے ،البتہ آسانی کی خاطر ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی مکی زندگی کو مختلف ادوار میں یوں تقسیم کر سکتے ہیں:۔

(۱) آغاز نبوت کے دور میں دعوت توحید انفرادی اور خفیہ تھی۔

(۲) اس کے بعد پیغام توحید کو علانیہ پہنچانے کا حکم دیا گیا اور یہ زمانہ بعثت کے بعد چوتھے سال سے شروع ہوتا ہے، اسی میں مخالفت اور ظلم وستم کا آغاز ہوا۔

(۳) تیسرا دور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کے انتقال کے کچھ عرصہ پہلے کا دور ہے جس میں مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کی اجازت مل گئی، اسی دور میں خاندان نبوی اور مسلمانوں کو شعب ابی طالب (شعب بنی ہاشم) میں محصور ہونا پڑا۔

(۴) اس دور کے بعد آپ نے مضافات مکہ میں پیغام حق پہنچانے کے لئے سفر کئے، طائف کا سفر بھی اسی دور میں ہوا، بایں ہمہ اب مکہ میں رہنا مسلمانوں بلکہ خود نبی اکرم ﷺ کے لئے بھی مشکل ہوتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ کفار مکہ آپ کے قتل کے منصوبے بنانے لگے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے انصار مدینہ کے دلوں میں محبت پیدا کر دی اور اسلام کی نشر و اشاعت کے لئے مدینہ منورہ میں ایک مضبوط اور مستحکم بنیاد رکھ دی گئی۔

پہلا دور

انفرادی اور خفیہ دعوت

ابعثت نبوی تا ۳بعثت نبوی

سورۃ العلق	یہ سورۃ دو الگ الگ حصوں میں مکی دور میں مختلف اوقات میں نازل ہوئی۔
سورۃ القلم۔	مکی زندگی کے دور اول میں نازل ہوئی ۔
سورۃ الضحیٰ	کی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ۔
سورۃ الفاتحہ	یہ نبوت کے ابتدائی دور میں ایک ہی مرتبہ مکمل طور پر نازل ہوئی، اس سے قبل متفرق آیات کا نزول ہوتا رہا تھا کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی تھی۔
سورۃ الشمس	زمانہ نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔
سورۃ البروج	دور نبوت کے آغاز میں نازل ہوئی۔
سورۃ التکویر	مکی زندگی کے دور اول میں نازل ہوئی۔
سورۃ الاعلیٰ	زمانہ نبوت کے اوائل میں نازل ہوئی۔
سورۃ اللیل۔	زمانہ نبوت کے دور اول میں نازل ہوئی۔
سورۃ الفیل	کی زندگی کے ابتدائی دور میں اس کا نزول ہوئی۔
سورۃ الجن	سورت کے مضامین میں اس قسم کے اشارات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورۃ دور نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی اس سے قبل سورۃ الاحقاف میں جنات کے قرآن سننے اور ایمان لانے کا ذکر ہو چکا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جنات متعدد مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تا کہ دین حق سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
سورۃ المرسلات	مکی زندگی کے دور اول میں نازل ہوئی۔
سورۃ البلد	زمانہ نبوت کے دور اول میں یہ سورت نازل ہوئی۔

سورۃ الانفطار	مکی زندگی کا دور اول اس کا زمانہ نزول ہے۔
سورۃ الواقعہ	یہ سورت مکی زندگی کے دور اول میں نازل ہوئی، اس میں قرآن کو چھونے کے لئے طہارت کا حکم ہے اور سید نا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے واقعے میں آپ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول بھی مذکور ہے لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اس قرآن کو صرف پاک آدمی ہی ہاتھ لگا سکتا ہے۔
سورۃ المطففین	مکی زندگی کے دور اول میں نازل ہوئی۔
سورۃ المعارج	مکی زندگی کے دور اول میں نازل ہوئی۔
سورۃ الحاقہ	یہ سورۃ مکی زندگی کے دور اول میں نازل ہوئی۔
سورۃ النازعات	مکی زندگی کا دور اول زمانہ نزول ہے۔
سورۃ عبس	مکی زندگی کا دور اول اس کا زمانہ نزول ہے۔
سورۃ الطارق	زمانہ نبوت کے اوائل میں نازل ہوئی۔
سورۃ القیامہ	یہ سورۃ نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی۔
سورۃ النباء	زمانہ نبوت کے ابتدائی دور میں اس کا نزول ہوئی۔
سورۃ القریش	مکہ مکرمہ میں اس کا نزول ہوا۔
سورۃ الانشقاق	دور نبوت کے اوائل میں یہ سورۃ نازل ہوئی۔
سورۃ العادیات	مکی زندگی کے اوائل میں نازل ہوئی۔
سورۃ العصر	مکی زندگی میں اس سورۃ کا نزول ہوا۔
سورۃ التکاثر	یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔
سورۃ الماعون	مکہ مکرمہ میں اس سورۃ کا نزول ہوا۔

دوسرا دور

۴بعثت نبوی تا۵بعثت نبوی

اعلانیہ دعوت حق

سورۃ المدثر	یہ سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی اور اس کے مضامین حسب ضرورت ایک سے زائد مواقع پر نازل ہوئے،امام زہری سے نقل کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے، منصب رسالت پر فائز ہوتے ہی ایک عرصہ تک نزول وحی کا سلسلہ رکا رہا، آپ اس کے باعث اس قدر پریشان ہوئے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دینے کے لئے تیار ہو جاتے لیکن پھر جبرائیل ظاہر ہو کر تسلی دلاتے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت اس سلسلے کو مزید واضح کرتی ہے، آپ علیہ السلام ایک روز راستے میں تشریف لے جا رہے تھے کہ آپ نے ایک آواز سنی ،آسمان کی جانب نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا جس کو غار حرا میں دیکھا تھا،اس کو دیکھ کر آپ علیہ السلام دہشت زدہ گھر پہنچے اور فرمایا مجھے چادر اڑھا دو اور اس کے بعد ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں۔
سورۃ المزمل۔	اس سورۃ کا پہلا حصہ مکہ معظّمہ میں اور آخری آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔
سورۃ اللھب۔	مکہ مکرمہ میں اس سورۃ کا نزول ہوا۔
سورۃ الحجر	یہ سورۃ نبوت کے ابتدائی مگر دوسرے دور میں نازل ہوئی جب اللہ تعالیٰ کے پیغام کو عام کرنے کا حکم دیا گیا،اس کا اندازہ درج ذیل آیت مبارکہ سے ہوتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خصوصی خطاب ہے فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اسے کھول کر بیان کریں)۔
سورۃ الغاشیہ	عمومی تبلیغ کے آغاز کے بعد یعنی زمانہ نبوت کے آغاز ہی میں یہ نازل ہوئی۔
سورۃ الم نشرح	مکہ مکرمہ میں اس سورۃ کا نزول ہوا۔
سورہ التین	مکی زندگی میں اس سورۃ کا نزول ہوا۔
سورۃ الکافرون	اعلانیہ نبوت کے آغاز کے بعد مخالفت کا طوفان امنڈ آیا اور قریش ایک فارمولا لے کر آپ کے پاس آئے کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معبود کی عبادت کریں اس وقت نازل ہوئی۔

سورۃ الرحمٰن	یہ سورۂ مضمون کے اعتبار سے مکی دور کی سورتوں کے ساتھ مشابہ ہے، اس بارے میں ابن اسحاق سے روایت منقول ہے کہ سرداران قریش حرم میں اپنی اپنی مجالس سجا کر بیٹھے تھے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مقام ابراہیم پر بیٹھ کر سورۂ الرحمٰن کی تلاوت ترتیل اور بلند آواز کے ساتھ شروع کر دی، قریشی سردار کچھ دیر تو جائزہ لیتے رہے اور پھر یہ یقین کر کے کہ یہ وہی کلام پڑھا جا رہا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا، یہ سنتے ہی قریش عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے اور انہیں اس قدر مارا کہ ان کا منہ سوج گیا۔
سورۂ الفجر	اہل مکہ نے جب مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا تو اس دور میں یہ سورۂ نازل ہوئی۔
سورۂ القدر	یہ سورۂ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔
سورۂ القارعہ	مکی زندگی میں اس کا نزول ہوا۔
سورۂ الھمزہ	مکہ مکرمہ میں یہ سورۂ نازل ہوئی۔
سورۂ النجم	یہ سورۃ نبوت کے پانچویں سال رمضان المبارک کے مقدس مہینہ میں نازل ہوئی۔
سورۃ لقمان	اس سورۂ کا نزول اس دور میں ہوا جو مکہ میں مسلمانوں پر مصائب کا دور تھا اور والدین کے حقوق کے حوالے سے نوجوانوں کو دین اسلام سے روکنے کی سازش تیار کی گئی تھی، اس سورۂ میں بتایا گیا ہے کہ والدین کے سارے حقوق ادا کرنا مومن پر لازم ہے مگر والدین کے حکم پر شرک نہیں اپنایا جا سکتا۔
سورۂ نوح	یہ مکی زندگی کے اس دور میں نازل ہوئی جب قریش مکہ پہلی مرتبہ ابو طالب کے پاس گئے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ سے روک دیں۔
سورۂ الدھر	سورۂ کا اکثر حصہ مکہ مکرمہ میں اور کچھ حصہ مدینہ منورہ میں نازل ہوا ہے۔
سورۂ الاخلاص	مکی زندگی میں اس سورۂ کا نزول ہوا۔
سورۂ الکوثر	مکی زندگی میں نازل ہوئی۔
سورۂ ق	یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہوئی۔
سورۃ الانعام	پوری سورۂ مکہ میں جب کہ قریش مکہ نے مسلمانوں پر ظلم و جبر کی انتہا کر رکھی تھی ایک ہی وقت میں نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی رات اس کو لکھوا دیا، اس کے مضامین پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی ہو گی۔
سورۃ الذاریات۔	ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہوئی، جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کی انتہا ہو چکی تھی۔

سورۃ الانبیاء	دوسرے دور کا آخر اور تیسرے دور کا آغاز اس کا زمانہ نزول ہے۔
سورۃ مریم	یہ سورۂ ہجرت حبشہ سے قبل نازل ہوئی، یہ سورۂ مکی زندگی کے تیسرے دور کا نقطہ آغاز ہے جس میں قریش مکہ نے استہزاء و تمسخر، لالچ، خوف اور جھوٹے پروپیگنڈے میں ناکامی کے بعد مسلمانوں پر ظلم و جبر اور معاشرتی و معاشی مقاطع کا آغاز کیا۔
سورۂ الطور	یہ سورۃ بھی ہجرت سے قبل نازل ہوئی ہے۔

متوسط دور

۶ بعثت نبوی تا ۱۰ بعثت نبوی

ہجرت حبشہ کا دور

سورۂ الصافات	مکی زندگی کے دور متوسط یعنی ہجرت حبشہ کے دور میں یہ سورۂ نازل ہوئی۔
سورۂ ص	ہجرت حبشہ کا دور یعنی مکی زندگی کا دور متوسط اس سورۂ کا زمانہ نزول ہے۔
سورۃ الم السجدہ	مکی زندگی کا دور متوسط اس سورۂ کا زمانہ نزول ہے۔
سورۂ الزمر	ہجرت حبشہ کا دور اس سورۂ کا زمانہ نزول ہے۔
سورۂ المومن	یہ سورۂ الزمر کے بعد نازل ہوئی۔
سورۃ الروم	ہجرت حبشہ کے دور میں نازل ہوئی۔
سورۃ الفرقان	ہجرت حبشہ کا دور ہی اس سورۂ کا زمانہ نزول ہے۔
سورۃ العنکبوت	یہ سورت ہجرت کے دور کے ساتھ متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ ہجرت کا آغاز ہجرت حبشہ سے ہو چکا تھا۔
سورۃ النحل	سورۂ کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سورۂ ہجرت حبشہ کے بعد نازل ہوئی، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس سورۂ کی آخری دو آیات جنگ احد کے بعد نازل ہوئیں۔
سورۃ الملک	یہ سورۂ مکی دور میں ہجرت حبشہ کے بعد نازل ہوئی۔
سورۃ یٰسین	مکی زندگی کا دور متوسط اس سورۂ کا زمانہ نزول ہے۔
سورۃ الکہف	اس سورۂ کا تعلق مکی زندگی کے تیسرے دور کے ساتھ ہے جب اہل مکہ کا ظلم و ستم انتہا کو پہنچ گیا اور مسلمانوں کے معاشرتی مقاطعے کی بابت سوچ و بچار کی جا رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اصحاب کہف کے واقعہ سے ہمت دلائی کیونکہ اس سورۂ میں پہلے دور کے اہل ایمان پر کیے جانے والے مظالم کا ذکر ہے۔

سورۃ سبا	چھ نبوی کے لگ بھگ زمانے میں یہ سورۂ نازل ہوئی۔
سورۂ الدخان	اس سورۂ کا زمانہ نزول حتمی طور پر معلوم نہیں البتہ قرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ سورۂ حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے قبل نازل ہوئی۔
سورۂ الجاثیہ	سورۂ الدخان اور اس سورۂ کا زمانہ نزول ایک ہی ہے۔
سورۂ الشوریٰ	حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان اور ہجرت حبشہ کے بعد یہ سورۂ نازل ہوئی۔
سورۂ حم السجدۃ	ابن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ سورۂ نبوت کے چوتھے سال حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان قبول کرنے کے بعد اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان قبول کرنے سے پہلے نازل ہوئی۔
سورۃ الرعد	حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے اور یہ سورۃ بھی اسی دور میں نازل ہوئی۔
سورۃ المومنون	سورۂ کے مضمون میں اس بات کی جانب اشارہ موجود ہے کہ اس سورۂ کا نزول اس دور میں ہوا جب مکہ شدید قحط کی زد میں تھا، عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سورۂ نازل ہوئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایمان قبول کر چکے تھے۔
سورۂ طٰہٰ	یہ سورۃ ہجرت حبشہ کے زمانے میں نازل ہوئی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان سے قبل اس سورۂ کا ابتدائی حصہ نازل ہو چکا تھا۔
سورۃ الشعراء	عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق یہ سورۂ طٰہٰ کے بعد نازل ہوئی، اور یہ یقینی بات ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام قبول کر چکے تھے۔
سورۃ یوسف	اس سورۂ میں عقل مندوں کو عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے کہ قصہ یوسف علیہ السلام میں جھانک کر دیکھو، تم کس جانب ہو؟ یوسف کی طرف یا برادران یوسف کی طرف؟ اس بھول میں مت رہنا کہ زندگی تو گزار و برادران یوسف کے رنگ ڈھنگ سے اور انجام پاجاؤ یوسف علیہ السلام کا، یہ سنت الٰہیہ کے خلاف ہے، قریش مکہ کا سارا طور طریقہ برادران یوسف کا تھا اس طرح انہیں انجام بد سے خبردار کیا گیا ہے۔
سورۃ القصص	شعب ابی طالب کے محاصرے کا دور اس سورۂ کا زمانہ نزول بیان کیا گیا ہے۔
سورۃ فاطر	مکی زندگی کے آخری دور یا دور متوسط کے آخری حصہ میں اس سورۂ کا نزول ہوا، اس دور میں کفار کی مخالفت شدت پکڑ چکی تھی۔
سورۂ القمر	اس میں شق القمر کا واقعہ مندرج ہے جو ہجرت سے تقریباً پانچ سال قبل پیش آیا (یعنی ۸ نبوی)۔

چوتھا دور

دس بعثت نبوی تا ۱۳ بعثت نبوی

انتہائی ظلم وستم کا دور

سورہ احقاف	مکی زندگی کے آخری دور میں یہ سورۂ نازل ہوئی، جب آپ طائف سے واپسی پر مقام نخلہ میں نماز کے دوران تلاوت فرما رہے تھے کہ جنوں کی ایک جماعت کا ادھر سے گزر ہوا، انہوں نے اس پر کشش کلام کو سنا تو ایمان لے آئے اور واپس جا کر اپنی قوم میں اسلام کا پرچار شروع کر دیا۔
سورۂ الزخرف	قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس سورۂ کا نزول سفر طائف کے بعد ہوا۔
سورۃ بنی اسرائیل	یہ سورۂ سفر معراج کے بعد نازل ہوئی، جس کی تفصیلات سیرت وحدیث کی کتب میں مذکور ہیں۔
سورۃ ابراہیم	اس سورۂ کا روئے سخن نبی اکرم ﷺ کی ذات کی طرف ہے اور مضامین کا انداز اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ یہ سورۂ بھی مکی دور کے آخری حصے میں نازل ہوئی۔
سورۃ ھود	اس سورۂ کا زمانہ نزول بھی مکی زندگی کا آخری دور ہی ہے، اس سورۂ کے بارے میں حدیث کی کتب میں ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک سوال کے جواب میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا شَيَّبَتْنِي هُودٌ وأَخَوَاتُهَا سورہ ھود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا)۔ [1]
سورۃ یونس	یہ سورۂ مکی ہے، یہ سورۂ اپنے مضامین کے اعتبار سے صراحتاً دلالت کرتی ہے کہ اس کا نزول ہجرت سے قبل مکی زندگی کے آخری دور میں ہوا، کیونکہ سورۃ کا مرکزی خیال منکرین ومعاندین کو یہ بات بتلانا ہے کہ اگر قبولیت حق کی استعداد تم سے سلب ہو چکی ہے اور تم حیلوں بہانوں سے دعوت حق کو ٹھکرانے کا فیصلہ کر چکے ہو اور تلقین حق اور فریضہ رسالت کی ادائیگی اب تمہیں ناگوار نہیں گزرتی بلکہ تم اپنے آپ اس کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہو تو اس سلسلے میں پہلے انبیاء کے مخالفوں کے انجام پر غور کرو کہ ان کے اس انتہائی اقدام کا کیا نتیجہ نکلا۔
سورۃ النمل	یہ سورۂ مکی زندگی کے آخری دور کے ساتھ متعلق ہے۔
سورۃ الاعراف	یہ مکی سورت ہے، ترتیب نزول کے اعتبار سے یہ سورۂ اس دور کے ساتھ متعلق ہے جب نبی کریم ﷺ اہل مکہ کو طویل عرصے تک سمجھا چکے مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی اور تعصب کے باعث اس دعوت حق کو اپنانے کی بجائے نہ صرف یہ کہ اس کی مخالفت پر ڈٹے رہے بلکہ داعی حق نبی کریم ﷺ ہی کو راستے سے ہٹانے کا پروگرام بناتے رہے۔

[1] المعجم الكبير للطبراني ۵۸۰۴

مدنی دور

۱ ہجری تا۲ ہجری

سورۃالبقرہ	یہ سورۂ مدنی ہے جس میں بعض آیات ایسی بھی ہیں جو ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں، مگر مضمون کی مناسبت سے ان آیات کو بھی اس سورۂ میں شامل کر دیا گیا اس سورۂ کا بیشتر حصہ مدنی زندگی کے اوائل میں نازل ہوا مگر سود کی حرمت کا حکم آخری زمانہ میں ہوا، وہ بھی اس سورۂ کا حصہ قرار دیا گیا۔
سورۃالحج	اس سورۂ کی کچھ آیات مکہ معظّمہ میں اور کچھ آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں۔
سورۂالطلاق	اس سورۂ کا نزول سورۂ بقرہ کے بعد ہوا تا کہ اس کے احکام معاشرت میں جہاں کہیں کوئی بات مجمل رہ گئی ہو اس کی وضاحت ہو جائے۔
سورۂ محمد	لڑائی کا حکم آجانے کے بعد مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔
سورۂالبینہ	جمہور مفسرین کا قول ہے کہ یہ سورۃ مدنی زندگی میں نازل ہوئی۔
سورۂالزلزال	جمہور مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورۂ مدینہ میں نازل ہوئی۔
سورۂالتغابن	مدنی دور میں نازل ہوئی۔
سورۂالفلق	مدنی زندگی میں اس سورۂ کا نزول ہوا۔
سورۂالناس	مدینہ منورہ میں اس کا نزول ہوا۔
سورۂالجمعہ	یہ سورۂ دو مواقع پر مرحلہ وار نازل ہوئی، پہلا رکوع جنگ خیبر کے بعد اور دوسرا رکوع ہجرت سے کچھ عرصہ بعد نازل ہوا۔
سورۂالحجرات	سورۂ کے مضمون سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ مختلف مواقع پر نازل کردہ احکامات و آیات کو جمع کر دیا گیا ہے۔
سورۂالنصر	سورۂ ایام تشریق میں منیٰ کے مقام پر نازل ہوئی اس کے بعد آپ علیہ السلام نے حجۃ الوداع کا خطبہ ارشاد فرمایا۔
سورۃالانفال	یہ سورۂ مدینہ طیبہ میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔
سورۂالصّف	یہ سورۂ مدینہ منورہ میں جنگ بدر اور جنگ احد کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی۔
سورۃ آل عمران	یہ سورۂ مدنی ہے، جنگ احد کے بعد کے دور میں نازل ہوئی۔
سورۂالحشر	محمد بن اسحاق اور یزید بن رومان کا قول ہے کہ یہ سورۂ غزوہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ زمانہ نزول کے اعتبار سے یہ سورۃ غزوہ احد کے بعد نازل ہوئی۔

سورۃ النساء	یہ مدنی سورۂ ہے، اگر تاریخی اعتبار سے اس سورۂ کے مضامین اور ہجرت کے بعد کے حالات کا تجزیہ کیا جائے تو اس سورۂ کے نزول کا زمانہ سمجھنے میں آسانی ہوگی، یہ غالباً چار یا پانچ ہجری کا زمانہ ہے۔
سورۃ النور	مضامین کی ترتیب کے اعتبار سے واضح ہے کہ یہ سورۂ مدنی دور میں نازل ہوئی، پانچ ہجری اس کا زمانہ نزول بیان کیا گیا ہے، یہ سورۂ غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی، اس سورۂ کی شان نزول کے سلسلے میں مشہور تاریخی واقعہ افک کا ذکر ملتا ہے۔
سورۃ المنافقون	یہ مدنی سورت ہے غزوہ بنی المصطلق کے بعد اس کا نزول ہوا۔
سورۃ الاحزاب	پانچ ہجری اس سورۂ کا زمانہ نزول ہے۔
سورۂ المجادلہ	اس سورۂ میں ظہار کے قانون کا ذکر کیا گیا ہے جو پانچ ہجری میں نازل ہوا۔
سورۂ الفتح	ذی قعدہ چھ ہجری اس سورت کا زمانہ نزول ہے۔
سورۃ المائدہ	یہ جنگ خندق کے بعد چھ ہجری کو نازل ہوئی۔
سورۂ الممتحنہ	یہ سورۂ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ میں نازل ہوئی۔
سورۃ الحدید	یہ سورۂ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اس سورۂ کا نزول فتح مکہ سے قبل ہوا۔
سورۂ التحریم	نو ہجری میں اس کا نزول ہوا۔
سورۃ التوبہ	اس سورۂ کے نزول کا زمانہ مدنی دور کا آخری زمانہ یعنی نو ہجری ہے [1]

(انوار القران) مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ نے ترتیب نزول یوں بیان فرمائی ہے۔

پاکستان کے قابل قدر مایہ ناز محقق ومفسر، سیرت نگار مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ مرحوم قرآنی سورتوں کے نزول کے بارے میں اپنی مایہ ناز تفسیر تفہیم القران میں سورۂ الانعام کے شروع میں جلد نمبر ا صفحہ نمبر ۱۲۵ پر اس طرح رقمطراز ہیں، جہاں تک مدنی سورتوں کا تعلق ہے ان میں سے تو قریب قریب ہر ایک کا زمانہ نزول معلوم ہے یا تھوڑی سی کاوش سے متعین کیا جاسکتا ہے بلکہ ان کی بکثرت آیتوں کی انفرادی شان نزول تک معتبر روایات میں مل جاتی ہے لیکن مکی سورتوں کے متعلق ہمارے پاس اتنے مفصل ذرائع معلومات موجود نہیں ہیں، بہت کم سورتیں یا آیتیں ایسی ہیں جن کے زمانہ نزول اور موقع نزول کے بارے میں کوئی صحیح ومعتبر روایت ملتی ہو، کیونکہ اس زمانے کی تاریخ اس قدر جزئی تفصیلات کے ساتھ مرتب نہیں ہوئی ہے جیسی کہ مدنی دور کی تاریخ ہے، اس وجہ سے مکی سورتوں کے معاملہ میں ہم کو تاریخی شہادتوں کے بجائے زیادہ تر ان اندرونی شہادتوں پر اعتماد کرنا پڑتا ہے جو مختلف سورتوں کے موضوع، مضمون اور انداز بیاں اور اپنے پس منظر کی طرف جلی یا خفی اشارات میں پائی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ اس نوعیت کی شہادت سے مدد لے کر ایک ایک سورۂ اور ایک ایک آیت کے متعلق تعین

[1] انوار القرآن

نہیں کیا جا سکتا کہ یہ فلاں تاریخ کو یا فلاں سنہ میں فلاں موقع پر نازل ہوئی ہے، زیادہ صحت کے ساتھ جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ایک طرف ہم مکی سورتوں کی اندرونی شہادتوں کو اور دوسری طرف نبی ﷺ کی مکی زندگی کی تاریخ کو آمنے سامنے رکھیں اور پھر دونوں کا تقابل کرتے ہوئے یہ رائے قائم کریں کہ کون سی سورۂ کس دور سے تعلق رکھتی ہے، اس طرز تحقیق کو ذہن میں رکھ کر جب ہم نبی ﷺ کی مکی زندگی پر نگاہ ڈالتے ہیں تو وہ دعوت اسلامی کے نقطہ نظر سے چار بڑے بڑے نمایاں ادوار پر منقسم نظر آتی ہے:

پہلا دور	آغاز بعثت سے لے کر اعلان نبوت تک تقریباً تین سال جس میں دعوت خفیہ طریقہ سے خاص خاص آدمیوں کو دی جارہی تھی اور عام اہل مکہ کو اس کا علم نہ تھا۔
دوسرا دور	اعلان نبوت سے لے کر ظلم وستم اور فتنہ کے آغاز تک تقریباً دو سال، جس میں پہلے پہل مخالفت شروع ہوئی پھر اس نے مزاحمت کی شکل اختیار کی پھر تضحیک، استہزاء، الزامات، سب وشتم، جھوٹے پروپیگنڈے اور مخالفانہ جتھہ بندی تک نوبت پہنچی اور بالآخر ان مسلمانوں پر زیادتیاں شروع ہوگئیں جو نسبتہً زیادہ غریب، کمزور اور بے یارومددگار تھے۔
تیسرا دور	آغاز فتنہ (پانچ بعثت نبوی) سے لے کر ابو طالب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات (دس بعثت نبوی) تک تقریباً پانچ سال، اس میں مخالفت انتہائی شدت اختیار کرتی چلی گئی، بہت سے مسلمان کفار مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے، نبی ﷺ اور آپ کے خاندان اور باقی ماندہ مسلمانوں کا معاشی ومعاشرتی مقاطعہ کیا گیا اور آپ اپنے حامیوں اور ساتھیوں سمیت شعب ابی طالب (شعب بنی ہاشم) میں محصور کر دیئے گئے۔
چوتھا دور	دس بعثت نبوی سے تیرہ بعثت نبوی تک تقریباً تین سال۔ یہ نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے لئے انتہائی سختی ومصیبت کا زمانہ تھا، مکہ میں آپ کے لئے زندگی دوبھر کر دی گئی تھی، طائف گئے تو وہاں بھی پناہ نہ ملی، حج کے موقع پر عرب کے ایک ایک قبیلہ سے آپ اپیل کرتے رہے کہ وہ آپ کی دعوت قبول کریں اور آپ کا ساتھ دیں مگر ہر طرف سے کورا جواب ہی ملتا رہا اور ادھر اہل مکہ بار بار یہ مشورے کرتے رہے کہ آپ کو قتل کر دیں یا قید کر دیں یا اپنی بستی سے نکال دیں آخر کار اللہ کے فضل سے انصار کے دل اسلام کے لئے کھل گئے اور ان کی دعوت پر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

ان میں سے ہر دور میں قرآن مجید کی جو سورتیں نازل ہوئیں وہ اپنے مضامین اور انداز بیاں میں دوسرے دور کی سورتوں سے مختلف ہیں ان میں بکثرت مقامات پر ایسے اشارات پائے جاتے ہیں جن سے پس منظر کے حالات اور واقعات پر صاف روشنی پڑتی ہے، ہر دور کی خصوصیات کا اثر اس دور کے نازل شدہ کلام میں بہت بڑی حد تک نمایاں نظر آتا ہے، انہی علامات پر اعتماد کر کے ہم آئندہ ہر مکی سورۂ کے دیباچہ میں یہ بتائیں گے کہ وہ مکہ کے کس دور میں نازل ہوئی ہے۔

پہلا دور

انفرادی اور خفیہ دعوت

ا بعثت نبوی تا ۳ بعثت نبوی

سورۃ العلق	یہ دو الگ الگ حصوں میں مکہ میں نازل ہوئی، جب آپ پر وحی کا نزول ہوا تو پہلی پانچ آیات اقْرَاْ سے مَا لَمْ يَعْلَمْ تک نازل ہوئیں۔ دوسرا حصہ (۶ تا ۱۹) اس وقت نازل ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے حرم میں اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنی شروع کی اور ابو جہل نے آپ کو دھمکیاں دے کر اس سے روکنے کی کوشش کی۔ ①
سورۃ الضحیٰ	اس کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مدت تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا تھا جس سے رسول اللہ ﷺ سخت پریشان ہو گئے تھے اور بار بار آپ کو یہ اندیشہ لاحق ہو رہا تھا کہ کہیں مجھ سے کوئی ایسا قصور تو نہیں ہو گیا جس کی وجہ سے میرا رب مجھ سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے مجھے چھوڑ دیا ہے، اس پر آپ کو اطمینان دلایا گیا کہ وحی کے نزول کا سلسلہ کسی ناراضی کی بنا پر نہیں روکا گیا تھا بلکہ اس میں وہی مصلحت کارفرما تھی جو روز روشن کے بعد رات کا سکون طاری کرنے میں کارفرما ہوتی ہے، یعنی وحی کی تیز روشنی اگر آپ پر برابر پڑتی رہتی تو آپ کے اعصاب اسے برداشت نہ کر سکتے، اس لئے بیچ میں وقفہ دیا گیا تا کہ آپ کو سکون مل جائے، یہ کیفیت رسول اللہ ﷺ پر نبوت کے ابتدائی دور میں گزرتی تھی جبکہ ابھی آپ کو وحی کے نزول کی شدت برداشت کرنے کی عادت نہیں پڑی تھی، اس بنا پر بیچ بیچ میں وقفہ دینا ضروری ہوتا تھا۔ ②
سورۃ المدثر	اس کی پہلی سات آیات (ا تا ۷) مکہ معظّمہ کے بالکل ابتدائی دور کی نازل شدہ ہیں۔ آیت اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى تا كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ اس وقت نازل ہوئیں جب اسلام کی علانیہ تبلیغ شروع ہو جانے کے بعد مکہ میں پہلی مرتبہ حج کا موقع آیا۔ ③

① تفہیم القرآن ۶٫۳۹۲

② تفہیم القرآن ۶٫۳۶۸

③ تفہیم القرآن ۶٫۱۳۸

سورۃ القدر	اس کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ابو حیان نے البحر المحیط میں دعویٰ کیا ہے کہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ مدنی ہے، علی بن احمد الواحدی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ پہلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی، بخلاف اس کے الماوردی کہتے ہیں کہ اکثر اہل علم کے نزدیک یہ مکی ہے اور یہی بات امام سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں لکھی ہے، ابن مردویہ نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ابن الزبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی تھی، سورۃ کے مضمون پر غور کرنے سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس کو مکہ ہی میں نازل ہونا چاہیے تھا، قرآن مجید کی ترتیب میں اسے سورہ علق کے بعد رکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس کتاب پاک کے نزول کا آغاز سورۃ علق کی ابتدائی پانچ آیات سے ہوا تھا اسی کے متعلق اس سورہ میں لوگوں کو بتایا گیا ہے کہ وہ تقدیر ساز رات میں نازل ہوئی ہے، کیسی جلیل القدر کتاب ہے اور اس کا نزول کیا معنی رکھتا ہے؟۔ (۱)
سورۃ البینہ	اس کے بھی مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے، بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک یہ مکی ہے اور بعض دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک مدنی ہے، ابن الزبیر اور عطاء بن یسار کا قول ہے کہ یہ مدنی ہے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں، ایک یہ کہ یہ مکی ہے، دوسرا یہ کہ مدنی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے مکی قرار دیتی ہیں، ابو حیان صاحب البحر المحیط اور عبد المنعم ابن الفرس صاحب احکام القرآن اس کے مکی ہونے ہی کو ترجیح دیتے ہیں، جہاں تک اس کے مضمون کا تعلق ہے اس میں کوئی علامت ایسی نہیں پائی جاتی جو اس کے مکی یا مدنی ہونے کی طرف اشارہ کرتی ہو، قرآن مجید کی ترتیب میں اس کو سورہ علق اور سورہ قدر کے بعد رکھنا بھی معنی خیز ہے، سورہ علق میں پہلی وحی درج کی گئی ہے، سورہ قدر میں بتایا گیا کہ وہ کب نازل ہوئی اور اس سورۃ میں بتلایا گیا ہے کہ کتاب پاک کے ساتھ ایک رسول بھیجنا کیوں ضروری تھا۔ (۲)

سورۃ الم نشرح	اس کا مضمون سورۃ الضحیٰ سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ یہ دونوں سورتیں قریب قریب ایک ہی زمانے اور ایک جیسے حالات میں نازل شدہ معلوم ہوتی ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ مکہ معظمہ میں والضحیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (۳)

(۱) تفہیم القرآن ۶/۴۰۲

(۲) تفہیم القرآن ۶/۴۱۰

(۳) تفہیم القرآن ۶/۳۷۶

سورۂ الاعلیٰ	اس کے مضمون سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے اور آیت نمبر چھ کے یہ الفاظ بھی کہ سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰٓى ہم تمہیں پڑھوا دیں گے، پھر تم نہیں بھولو گے یہ بتاتے ہیں کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ کو ابھی وحی اخذ کرنے کی اچھی طرح مشق نہیں ہوئی تھی اور نزول وحی کے وقت آپ کو اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں میں اس کے الفاظ بھول نہ جاوں، اس آیت کے ساتھ اگر سورہ طٰہٰ کی آیت فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَقُّ ۚ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰٓى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۚ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِىۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾ اور سورہ قیامہ کی آیات لَا تُحَرِّكۡ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۚ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۚ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ [1] کو ملا کر دیکھا جائے اور تینوں آیتوں کے انداز بیان اور موقع و محل پر بھی غور کیا جائے تو واقعات کی ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ سب سے پہلے اس سورۂ میں رسول اللہ ﷺ کو اطمینان دلایا گیا کہ آپ فکر نہ کریں ہم یہ کلام آپ کو پڑھوا دیں گے اور آپ اسے نہ بھولیں گے۔ پھر سورۂ قیامہ میں جب آپ ﷺ بے اختیار وحی کے الفاظ دہرانے لگے تو اس میں فرمایا کہ اے نبی علیہ السلام اس وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دو اس کو یاد کرا دینا اور پڑھوا دینا ہمارے ذمہ ہے، لہذا جب ہم اسے پڑھ رہے ہوں اس وقت تم اس کی قرات کو غور سے سنتے رہو، پھر اس کا مطلب سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے، پھر آخری مرتبہ سورہ طہ میں جب ایک سو تیرہ آیات متواتر نازل ہوئیں تو آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا تو اللہ نے فرمایا قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کرو، اس کے بعد پھر کبھی اس کی نوبت نہیں آئی، کہ رسول اللہ ﷺ کو ایسا کوئی خطرہ لاحق ہوتا کیونکہ ان تین مقامات کے سوا کوئی چوتھا مقام قرآن میں ایسا نہیں ہے جہاں اس معاملہ کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہو۔ [2]
سورۂ القیامہ	ابتدائی دور میں نازل ہوئی، جب نزول وحی کا نیا نیا تجربہ ہو رہا تھا اور آپ کو وحی اخذ کرنے کی اچھی طرح عادت نہیں پڑی تھی جس کی وجہ سے آپ وحی کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے تا کہ بھول نہ جائیں اپنی زبان مبارک کو حرکت دیتے تھے۔ [3]

---

(1) القیامة ۱۶تا۱۹

(2) تفہیم القران ۶/۳۰۸

(3) تفہیم القران ۶/۱۶۰

سورۃ الدھر (الانسان)	اکثر مفسرین اس کو مکی قرار دیتے ہیں۔ علامہ زمخشری، امام رازی، قاضی بیضاوی، علامہ نظام الدین نیساپوری، حافظ ابن کثیر اور دوسرے بہت سے مفسرین نے اسے مکی ہی لکھا ہے اور علامہ آلوسی کہتے ہیں کہ یہی جمہور کا قول ہے ،لیکن بعض دوسرے مفسرین نے پوری سورۃ کو مدنی کہا ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ سورۃ ہے تو مکی مگر آیات وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑧ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ⑨ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ⑩ (۸ تا ۱۰) مدینے میں نازل ہوئی ہیں، جہاں تک اس سورۃ کے مضامین اور انداز بیان کا تعلق ہے وہ مدنی سورتوں کے مضامین اور انداز بیان سے بہت مختلف ہے، بلکہ اس پر غور کرنے سے تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ نہ صرف مکی ہے بلکہ مکہ معظّمہ کے بھی اس دور میں نازل ہوئی ہے جو سورۃ مدثر کی ابتدائی سات آیات کے بعد شروع ہوا تھا، رہیں آیات وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ⑧ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ⑨ إِنَّا نَخَافُ مِن رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ۱ (۸ تا ۱۰) تو وہ پوری سورۃ کے سلسلہ بیان میں اس طرح پیوست ہیں کہ سیاق وسباق کے ساتھ کوئی ان کو پڑھے تو ہرگز یہ محسوس نہیں کرسکتا کہ ان سے پہلے اور بعد کا مضمون تو پندرہ سولہ سال پہلے نازل ہوا تھا اور اس کے کئی سال بعد نازل ہونے والی یہ تین آیتیں یہاں لاکر ثبت کردی گئیں۔ [1]
سورۃ الفاتحہ	یہ نبوت محمدی کے بالکل ابتدائی زمانہ کی سورت ہے بلکہ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی مکمل سورت جو محمد ﷺ پر نازل ہوئی وہ یہی ہے، اس سے پہلے صرف متفرق آیات نازل ہوئی تھیں جو سورۃ علق، مزمل اور سورۃ مدثر میں شامل ہیں۔ [2]
سورۃ الجن۔	نبوت کے ابتدائی دور میں آپ چند صحابہ کے ہمراہ مکہ سے عکاظ کے میلے میں تبلیغ کے لئے جارہے تھے، راستہ میں نماز فجر ادا فرمائی تو جنوں کی ایک جماعت جو منکرین آخرت ورسالت میں سے تھے وہاں سے گزری جو کافر تھے، قرآن سن کر ایمان لے آئے۔

---

[1] تفہیم القرآن ۶/۱۸۰

[2] تفہیم القرآن ۶/۲۷۵

۲بعثت نبوی

سورۃالمرسلات	اس کا پورا مضمون یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے اس سے پہلے کی دو سورتیں سورہ قیامہ اور سورہ دہر اور اس کے بعد کی دو سورتیں سورہ نبا اور سورہ نازعات اگر ملا کر پڑھی جائیں تو صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب ایک ہی دور کی نازل شدہ سورتیں ہیں اور ایک ہی مضمون ہے جس کو ان میں مختلف پیرایوں سے اہل مکہ کو ذہن نشین کرایا گیا ہے۔ (۱)
سورۃالنباء	جیسا کہ ہم سورۃالمرسلات کے دیباچے میں بیان کر چکے ہیں سورۃ القیامہ سے سورۃ النازعات تک سب کا مضمون ایک دوسرے سے مشابہ ہے اور یہ سب مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہیں۔ (۲)
سورۃالنازعات	حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ یہ سورہ النبا کے بعد نازل ہوئی ہے، اس کا مضمون بھی یہی بتا رہا ہے کہ یہ ابتدائی زمانے کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ (۳)
سورۃالتکویر	مضمون اور انداز بیاں سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ (۴)
سورۃالانفطار	اس کا اور التکویر کا مضمون ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے دونوں سورتیں قریب قریب ایک ہی زمانے میں نازل ہوئی ہیں۔ (۵)
سورۃالغاشیہ	سورۃ کا پورا مضمون اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بھی ابتدائی زمانہ کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے مگر یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ عام شروع کر چکے تھے اور مکہ کے لوگ بالعموم اسے سن سن کر نظر انداز کیے جا رہے تھے۔ (۶)

(۱) تفہیم القرآن ۶/۲۰۶
(۲) تفہیم القرآن ۶/۲۲۰
(۳) تفہیم القرآن ۶/۲۳۶
(۴) تفہیم القرآن ۶/۲۶۲
(۵) تفہیم القرآن ۶/۲۷۲
(۶) تفہیم القرآن ۶/۳۱۸

سورہ التین	قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورۂ مدنی ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ یہ مکی ہے اور دوسرا یہ کہ مدنی ہے لیکن جمہور علماء اسے مکی ہی قرار دیتے ہیں اور اس کے مکی ہونے کی کھلی ہوئی علامت یہ ہے کہ اس میں شہر مکہ کے لئے وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ (یہ پر امن شہر) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ اگر اس کا نزول مدینہ میں ہوا ہوتا تو مکہ کے لئے یہ شہر کہنا صحیح نہیں ہوسکتا تھا، علاوہ بریں سورۂ کے مضمون پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے بھی ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے کیونکہ اس میں کوئی نشان اس امر کا نہیں پایا جاتا کہ اس کے نزول کے وقت کفر و اسلام کی کشمکش برپا ہوچکی تھی اور اس کے اندر مکی دور کی ابتدائی سورتوں کا وہی انداز بیان پایا جاتا ہے جس میں نہایت مختصر اور دل نشین طریقہ سے لوگوں کو سمجھایا گیا ہے کہ آخرت کی جزاء وسزا ضروری اور سراسر معقول ہے۔ (۱)
سورۂ الزلزال	اس میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی، مگر اس کے مضامین کو پڑھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی جب نہایت مختصر اور انتہائی دل نشین طریقہ سے لوگوں کے بنیادی عقائد لوگوں کے سامنے پیش کیے جارہے تھے۔ (۲)

۳بعثت نبوی

سورۂ العادیات	اس میں اختلاف ہے کہ مکہ میں نازل ہوئی یا مدینہ میں، مگر سورۂ کا انداز اور مضامین صاف بتلا رہے ہیں کہ یہ نہ صرف مکی ہے بلکہ مکہ کے بھی ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے۔ (۳)
سورۂ القارعہ	اس کے مکی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ اس کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ (۴)
سورۂ التکاثر	یہ مکے کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، ویسے تو عذاب قبر کے بارے میں الانعام ۹۳، النحل ۲۸، المومنون ۱۰۰،۹۹، المومن ۴۵، ۴۶ میں صریح الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں برابر شک میں پڑے رہے یہاں تک کہ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ نازل ہوئی (۵)

---

(۱) تفہیم القران ۶،۳۸۴

(۲) تفہیم القران ۶،۴۱۸

(۳) تفہیم القران ۶،۴۲۸

(۴) تفہیم القران ۶،۴۳۴

(۵) تفہیم القران ۶،۴۴۰

سورۃ العصر	اگرچہ مجاہد، قتادہ اور مقاتل نے اسے مدنی سورۃ قرار دیا ہے لیکن مفسرین کی عظیم اکثریت اسے مکی قرار دیتی ہے، اور اس کا مضمون یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ مکہ کے بھی ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہو گی جب اسلام کی تعلیم کو مختصر اور انتہائی دل نشین فقروں میں بیان کیا جاتا تھا تا کہ سننے والے ایک دفعہ ان کو سن کر بھولنا بھی چاہیں تو نہ بھول سکیں اور وہ آپ سے آپ لوگوں کی زبانوں پر چڑھ جائیں۔ (۱)
سورۃ الھمزہ	اس کے مکی ہونے پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اور اس کے مضمون اور انداز بیان پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ بھی مکہ کے ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے۔ (۲)
سورۃ الفیل	یہ سورۃ بالاتفاق مکی ہے اور اس کے تاریخی منظر کو اگر نگاہ میں رکھ کر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس کا نزول مکہ معظّمہ کے بھی ابتدائی دور میں ہوا ہو گا۔ (۳)
سورۃ القریش	بعض لوگ ضحاک اور کلبی اسے مدنی کہتے ہیں مگر مفسرین کی عظیم اکثریت اس کے مکی ہونے پر متفق ہے، اس کے مضمون کا سورہ فیل کے مضمون سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ غالباً اس کا نزول اس کے متصلاً بعد ہی ہوا ہو گا۔ (۴)
سورۃ الاخلاص	مکی دور کے ابتدا میں نازل ہوئی، اس سورۃ کے لفظ احد کی وجہ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے مالک کے ظلم وستم پر احد، احد کہتے تھے۔ (۵)
سورۃ الملک	کسی معتبر روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کس زمانے میں نازل ہوئی ہے مگر مضامین اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ (۶)

(۱) تفہیم القران ۶،۴۴۸
(۲) تفہیم القران ۶،۴۵۶
(۳) تفہیم القران ۶،۴۶۲
(۴) تفہیم القران ۶،۴۷۴
(۵) تفہیم القران ۶،۵۳۲
(۶) تفہیم القران ۶،۳۸

سورۂ عبس

حدیث کی جن روایات میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے ان میں سے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اسلام لا چکے تھے اور بعض سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے اور تلاش حق میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ انہوں نے آ کر عرض کیا یَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرْشِدْنِي اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے سیدھا راستہ بتائیں (۱) حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت ہے کہ وہ آ کر قرآن کی ایک آیت کا مطلب پوچھنے لگے اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یَا رَسُولَ اللّٰهِ، عَلِّمْنِي مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے وہ علم سکھائیے جو اللہ نے آپ کو سکھایا ہے۔(۲) ان بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا رسول اور قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کر چکے تھے، دوسری طرف آیت ۳ کے الفاظ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى کا مطلب لعله يُسْلِمُ شاید کہ وہ اسلام قبول کرے بیان کرتے ہیں۔(۳) اور اللہ تعالیٰ کا اپنا یہ ارشاد بھی کہ تمہیں کیا خبر، شاید وہ سدھر جائے یا نصیحت پر دھیان دے اور نصیحت کرنا اس کے لئے نافع ہو؟ اور یہ کہ جو خود تمہارے پاس دوڑا آتا ہے اور وہ ڈر رہا ہوتا ہے، اس سے تم بے رخی برتتے ہو، اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس وقت ان کے اندر طلب حق کا گہرا جذبہ پیدا ہو چکا تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ ہی کو ہدایت کا منبع سمجھ کر آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے تھے کہ ان کی یہ طلب یہیں سے پوری ہوگی اور یہ بات ان کی حالت سے ظاہر ہو رہی تھی کہ انہیں ہدایت دی جائے تو وہ اس سے مستفید ہوں گے۔ ثالثاً رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں جو لوگ اس وقت بیٹھے تھے مختلف روایات میں ان کے ناموں کی صراحت کی گئی ہے، اس فہرست میں ہمیں عتبہ، شیبہ، ابو جہل، امیہ بن خلف، ابی بن خلف جیسے بدترین دشمنان اسلام کے نام ملتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانے میں پیش آیا تھا جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان لوگوں کا میل جول ابھی باقی تھا اور کشمکش اتنی نہ بڑھی تھی کہ آپ ﷺ کے ہاں ان کی آمد و رفت اور آپ کے ساتھ ان کی ملاقاتوں کا سلسلہ بند ہو گیا ہو، یہ سب امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ سورۂ مکہ کے بہت ابتدائی زمانے کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔(۴)

---

(۱) جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن سورۂ عبس ۳۳۳۱، مستدرک حاکم ۳۸۹۲، صحیح ابن حبان ۵۳۵، تفسیر طبری ۲۱۷/۲۴، مسند ابی یعلی ۴۸۴۸

(۲) تفسیر طبری ۲۱۸/۲۴، تفسیر ابن ابی حاتم محققا ۱۹۱۲۵، ۳۳۹۹/۱۰، تفسیر قرطبی ۲۱۳/۱۹

(۳) تفسیر طبری ۲۰۱/۲۴

(۴) تفہیم القرآن ۲۵۰/۶

دوسرا دور

اعلانیہ دعوت حق

۴ بعثت نبوی تا ۵ بعثت نبوی

سورۃ المزمل	○ پہلا رکوع بالاتفاق مکی ہے، اس کے مضامین اور احادیث کی روایات دونوں سے یہی بات معلوم ہوتی ہے، رہا یہ سوال کہ یہ مکی زندگی کے کس دور میں نازل ہوئی ہے اس کا جواب ہمیں روایات سے تو نہیں ملتا، لیکن اس رکوع کے مضامین کی داخلی شہادت اس کا زمانہ متعین کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے، اولاً، اس میں رسول اللہ ﷺ کو ہدایت فرمائی گئی تھی کہ آپ راتوں کو اٹھ کر اللہ کی عبادت کیا کریں تا کہ آپ کے اندر نبوت کے بار عظیم کو اٹھانے اور اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی قوت پیدا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے ابتدائی دور ہی میں نازل ہوا ہو گا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس منصب کے لئے آپ کی تربیت کی جا رہی تھی، ثانیاً، اس میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز تہجد میں آدھی آدھی رات یا اس سے کچھ کم و بیش قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، یہ ارشاد خود بخود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت قرآن مجید کا کم از کم اتنا حصہ نازل ہو چکا تھا کہ اس کی طویل قرات 3 کی جا سکے، ثالثاً، اس میں رسول اللہ ﷺ کو مخالفین کی زیادتیوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور کفار مکہ کو عذاب کی دھمکی دی گئی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ رکوع اس زمانے میں نازل ہوا ہے جب رسول اللہ ﷺ علانیہ تبلیغ شروع کر چکے تھے اور مکہ میں آپ کی مخالفت زور پکڑ چکی تھی۔ ❁ دوسرے رکوع کے متعلق اگرچہ بہت سے مفسرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ بھی مکہ ہی میں نازل ہوا ہے، لیکن بعض دوسرے مفسرین نے اسے مدنی قرار دیا ہے اور اس رکوع کے مضامین سے ہی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ اس میں قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ مکہ میں اس کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا اور اس میں فرض زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے اور یہ بات ثابت ہے کہ زکوٰۃ ایک مخصوص شرح اور نصاب کے ساتھ مدینہ میں فرض ہوئی ہے۔ (۱)
سورۃ سبا	اس کے نزول کا ٹھیک زمانہ کسی معتبر روایت سے معلوم نہیں ہوتا البتہ انداز بیان سے محسوس ہوتا ہے کہ یا تو وہ مکہ کا دور متوسط ہے یا دور اول، اور اگر دور متوسط ہے تو غالباً اس کا ابتدائی زمانہ ہے جبکہ ظلم و ستم کی شدت شروع نہ ہوئی تھی اور ابھی صرف تضحیک و استہزاء، افواہی جنگ، جھوٹے الزامات اور وسوسہ اندازیوں سے اسلام کی تحریک کو دبانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ (۲)

---

(۱) تفہیم القرآن ۱۲۴/۶

(۲) تفہیم القرآن ۱۷۵/۴

سورۃ المطففین	اس کے انداز بیان اور مضامین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، جب اہل مکہ کے ذہن میں آخرت کا عقیدہ بٹھانے کے لئے پے در پے سورتیں نازل ہو رہی تھیں اور اس کا نزول اس زمانے میں ہوا ہے جب اہل مکہ نے سڑکوں، بازاروں اور مجلسوں میں مسلمانوں پر آوازے کسنے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا مگر ظلم وستم، مار پیٹ کا دور ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ (۱)
سورۃ الطور	مضامین کی اندرونی شہادتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی مکہ معظّمہ کے اسی دور میں نازل ہوئی ہے جس میں سورۃ الذاریات نازل ہوئی تھی اس کو پڑھتے ہوئے یہ تو ضرور محسوس ہوتا ہے کہ اس کے نزول کے زمانے میں نبی ﷺ کے خلاف اعتراضات اور الزامات کی بوچھاڑ ہو رہی تھی، مگر یہ محسوس نہیں ہوتا کہ ظلم وستم کی چکی زور وشور سے چلنی شروع ہو گئی ہے۔ (۲)
سورۃ الانشقاق	یہ بھی مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، اس کے مضمون کی داخلی شہادت یہ بتا رہی ہے کہ ابھی ظلم وستم کا دور شروع نہیں ہوا تھا، البتہ قرآن کی دعوت کو مکہ میں برملا جھٹلایا جا رہا تھا اور لوگ یہ ماننے سے انکار کر رہے تھے کہ کبھی قیامت برپا ہو گی اور انہیں اپنے اللہ کے سامنے جواب دہی کے لئے حاضر ہونا پڑے گا۔ (۳)
سورۃ الحاقہ۔	یہ بھی مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے اور اس کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تو شروع ہو چکی تھی مگر اس نے ابھی زیادہ شدت نہ اختیار کی تھی۔ (۴)
سورۃ المعارج۔	اس کے مضامین شہادت دیتے ہیں کہ اس کا نزول بھی قریب قریب انہی حالات میں ہوا ہے جن میں سورہ الحاقہ نازل ہوئی تھی۔ (۵)

(۱) تفہیم القران ۶/۲۷۸

(۲) تفہیم القران ۵/۱۶۰

(۳) تفہیم القران ۶/۲۸۶

(۴) تفہیم القران ۶/۷۰

(۵) تفہیم القران ۶/۸۴

سورۂ ق	کسی معتبر روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ٹھیک کس زمانہ میں نازل ہوئی ہے مگر مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول مکہ معظّمہ کا دوسرا دور ہے جو نبوت کے تیسرے سال سے شروع ہو کر پانچویں سال تک رہا، اس دور کی خصوصیات ہم سورہ انعام کے دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں ان خصوصیات کے لحاظ سے اندازاً یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ سورۂ پانچویں سال میں نازل ہوئی ہو گی جبکہ کفار کی مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی مگر ابھی ظلم وستم کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ (۱)
سورۃ الذاریات	مضامین اور انداز بیان سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورۂ اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب نبی ﷺ کی دعوت کا مقابلہ تکذیب واستہزاء اور جھوٹے الزامات سے تو بڑے زور شور کے ساتھ ہو رہا تھا مگر ابھی ظلم وتشدد کی چکی چلنی شروع نہیں ہوئی تھی، اس لئے یہ بھی اسی دور کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہے جس میں سورہ ق نازل ہوئی ہے۔ (۲)
سورۂ نوح	یہ بھی مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے مگر اس کے مضمون کی داخلی شہادت اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ ﷺ کی دعوت وتبلیغ کے مقابلہ میں کفار مکہ کی مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی۔ (۳)
سورۂ الشّمس۔	مضمون اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ بھی مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، مگر اس کا نزول اس زمانے میں ہوا ہے جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت خوب زور پکڑ چکی تھی۔ (۴)
سورۂ اللیل۔	اس کا مضمون سورہ شمس سے اس قدر مشابہ ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک دوسرے کی تفسیر محسوس ہوتی ہیں ایک ہی بات ہے جسے سورہ شمس میں ایک طریقہ سے سمجھایا گیا ہے اور اس سورہ میں دوسرے طریقے سے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دونوں قریب قریب ایک ہی زمانہ میں نازل ہوئی ہیں۔ (۵)

---

(۱) تفہیم القرآن ۵٫۱۰۶

(۲) تفہیم القرآن ۵٫۱۳۰

(۳) تفہیم القرآن ۶٫۹۲

(۴) تفہیم القرآن ۶٫۳۴۸

(۵) تفہیم القرآن ۶٫۳۵۸

سورۃ القلم۔	یہ بھی مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے مگر اس کے مضمون سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کر چکی تھی۔ (۱)
سورۃ الفجر۔	اس کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب مکہ معظّمہ میں اسلام قبول کرنے والوں کے خلاف ظلم کی چکی چلنی شروع ہو چکی تھی، اسی بنا پر اہل مکہ کو عاد اور ثمود اور فرعون کے انجام سے خبردار کیا گیا ہے۔ (۲)
سورۃ الم السجدہ	انداز بیان سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول مکہ کا دور متوسط ہے اور اس کا بھی ابتدائی زمانہ، کیونکہ اس کلام کے پس منظر میں ظلم وستم کی وہ شدت نظر نہیں آتی جو بعد کے ادوار کی سورتوں کے پیچھے نظر آتی ہے۔ (۳)
سورۃ لقمان	اس کے مضامین پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ اس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب اسلامی دعوت کو دبانے اور روکنے کے لئے ظلم و جبر کا آغاز ہو چکا تھا اور ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کیے جانے لگے تھے لیکن ابھی طوفان مخالفت نے پوری شدت اختیار نہ کی تھی اس کی نشان دہی آیت وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿۱۴﴾ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾ سے ہوتی ہے جس میں نئے نئے مسلمان ہونے والے نوجوانوں کو بتایا گیا ہے کہ والدین کے حقوق تو بے شک اللہ کے بعد سب سے بڑھ کر ہیں لیکن اگر وہ تمہیں اسلام قبول کرنے سے روکیں اور شرک کی طرف پلٹنے پر مجبور کریں تو ان کی یہ بات ہر گز نہ مانو، یہی بات سورہ عنکبوت میں بھی ارشاد ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سورتیں ایک ہی دور میں نازل ہوئی ہیں، لیکن دونوں کے مجموعی انداز بیان اور مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورہ لقمان پہلے نازل ہوئی ہے، اس لئے اس کے پس منظر میں کسی شدید مخالفت کا نشان نہیں ملتا اور اس کے برعکس سورہ عنکبوت کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے نزول کے زمانہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہا تھا۔ (۴)

(۱) تفہیم القرآن ۶/۵۶
(۲) تفہیم القرآن ۶/۳۲۴
(۳) تفہیم القرآن ۴/۳۲
(۴) تفہیم القرآن ۴/۶

سورۃ البلد۔	اس کا مضمون اور انداز بیان مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی سورتوں کا سا ہے مگر ایک اشارہ اس میں ایسا موجود ہے جو پتہ دیتا ہے کہ اس کے نزول کا زمانہ وہ تھا جب کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی پر تل گئے تھے اور آپ کے خلاف ہر ظلم و زیادتی کو انہوں نے اپنے لئے حلال کرلیا تھا۔ (۱)
سورۃ فاطر۔	انداز کلام کی اندرونی شہادت سے مترشح ہوتا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کا زمانہ غالباً مکہ معظّمہ کا دور متوسط ہے اور اس کا بھی وہ حصہ جس میں مخالفت اچھی خاصی شدت اختیار کرچکی تھی اور نبی ﷺ کی دعوت کو ناکام کرنے کے لئے ہر طرح کی بری سے بری چالیں چلی جارہی تھیں۔ (۲)
سورۃ الصافات	مضامین اور طرز کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ سورۃ غالباً مکی دور کے وسط میں بلکہ شاید اس دور متوسط کے بھی آخری زمانہ میں نازل ہوئی ہے، انداز بیان صاف بتارہا ہے کہ پس منظر میں مخالفت پوری شدت کے ساتھ برپا ہے اور نبی و اصحاب نبی ﷺ کو نہایت دل شکن حالات سے سابقہ درپیش ہے۔ (۳)
سورۃ ص	بعض روایات کی رو سے یہ سورۃ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب نبی ﷺ نے مکہ معظّمہ میں اعلانیہ دعوت کا آغاز فرمایا تھا، اور قریش کے سرداروں میں اس پر کھلبلی مچ گئی تھی، اس لحاظ سے اس کا زمانہ نزول تقریباً نبوت کا چوتھا سال قرار پاتا ہے، بعض دوسری روایات اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد کا واقعہ بتاتی ہیں اور معلوم ہے کہ وہ ہجرت حبشہ کے بعد ایمان لائے تھے، ایک اور سلسلہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کے آخری مرض الموت کے زمانہ میں وہ معاملہ پیش آیا تھا جس پر یہ سورت نازل ہوئی، اسے اگر صحیح مانا جائے تو اس کا زمانہ نزول نبوت کا دسواں یا گیارواں سال ہے۔ (۴)
سورۃ البروج	اس کا مضمون خود یہ بتارہا ہے کہ یہ سورۃ مکہ معظّمہ کے اس دور میں نازل ہوئی ہے جب ظلم و ستم پوری شدت کے ساتھ برپا تھا اور کفار مکہ مسلمانوں کو سخت سے سخت عذاب دے کر ایمان سے پھیر دینے کی کوشش کررہے تھے۔ (۵)

(۱) تفہیم القرآن ۶/۳۳۶

(۲) تفہیم القرآن ۴/۲۱۶

(۳) تفہیم القرآن ۴/۲۷۶

(۴) تفہیم القرآن ۴/۳۱۶

(۵) تفہیم القرآن ۶/۲۹۴

سورۃ الکافرون	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما حسن بصری رحمہ اللہ اور عکرمہ رحمہ اللہ اسے مکی سورۃ کہتے ہیں، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اسے مدنی قرار دیتے ہیں، اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ سے دو قول منقول ہیں ایک یہ کہ یہ مکی ہے اور دوسرا یہ کہ مدنی ہے، لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک یہ مکی سورۃ ہے اعلانیہ نبوت کے آغاز کے بعد مخالفت کا طوفان امنڈ آیا اور قریش ایک فارمولا لے کر آپ کے پاس آئے کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپؐ کے معبود کی عبادت کریں اس وقت نازل ہوئی، اس وقت تک قریش رسول اللہ ﷺ سے مصالحت سے مایوس نہیں ہوئے تھے۔ (١)
سورۃ الفل	حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور رجابر بن زید کہتے ہیں یہ مکی سورۃ ہے، عبداللہ بن عباس بھی یہی کہتے ہیں، مگر ان سے دوسری روایت ہے کہ یہ مدنی ہے اور یہی قول عبداللہ بن زبیر اور قتادہ کا بھی ہے، لیکن اس سورۃ کا مضمون صاف بتلا رہا ہے کہ یہ مکہ میں اس وقت نازل ہوئی، جب رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الکافرون پڑھ کر ان کو اس طرف سے مایوس کر دیا کہ آپ ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے، تو کفار کی دشمنی اپنے پورے عروج پر پہنچ گئی، ان حالات میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ یہ سورۃ پڑھیں (٢)
سورۃ الناس	سورۃ الفلق کے ساتھ نازل ہوئی۔ (٣)

(١) تفہیم القران ٦/٥٠٠

(٢) تفہیم القران ٦/٥٤٦

(٣) تفہیم القران٦/٥٤٦

۵بعثت نبوی

سورۃ الکہف	یہاں سے ان سورتوں کا آغاز ہوتا ہے جو مکی زندگی کے تیسرے دور میں نازل ہوئی ہیں، مکی زندگی کو ہم نے چار بڑے بڑے دوروں میں تقسیم کیا ہے،اس تقسیم کے لحاظ سے تیسرا دور تقریباً پانچ بعثت نبوی کے آغاز سے شروع ہو کر قریب قریب دس بعثت نبوی تک چلتا ہے،اس دور کو جو چیز دوسرے دور سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ دوسرے دور میں تو قریش نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کی تحریک اور جماعت کو دبانے کے لئے زیادہ تر تضحیک، استہزاء،اعتراضات،الزامات ، تخویف، اطماع اور مخالفانہ پروپیگنڈے پر اعتماد کر رکھا تھا مگر اس تیسرے دور میں انہوں نے ظلم وستم ،مار پیٹ اور معاشی دباؤ کے ہتھیار پوری سختی کے ساتھ استعمال کیے، یہاں تک کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو ملک چھوڑ کر حبشہ کی طرف نکل جانا پڑا اور باقی ماندہ مسلمانوں کو اور ان کے ساتھ خود نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے خاندان کو شعب ابی طالب میں محصور کر کے ان کا مکمل معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کر دیا گیا، تاہم اس دور میں دو شخصیتیں ابوطالب اور ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایسی تھیں جن کے ذاتی اثر کی وجہ سے قریش کے دو بڑے خاندان نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پشت پناہی کر رہے تھے، دس بعثت نبوی میں ان دونوں کی آنکھیں بند ہوتے ہی یہ دور ختم ہو گیا اور چوتھا دور شروع ہوا جس میں مسلمانوں پر مکے کی زندگی تنگ کر دی گئی یہاں تک کہ آخر کار نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سمیت تمام مسلمانوں کو مکہ سے نکل جانا پڑا۔سورہ کہف کے مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تیسرے دور کے آغاز میں نازل ہوئی ہوگی جب کہ ظلم وستم اور مزاحمت نے شدت تو اختیار کر لی تھی مگر ہجرت حبشہ واقع نہیں ہوئی تھی اس وقت جو مسلمان ستائے جا رہے تھے ان کو اصحاب کہف کا قصہ سنایا گیا تا کہ ان کی ہمت بندھے اور انہیں معلوم ہو کہ اہل ایمان اپنا ایمان بچانے کے لئے اس سے پہلے کچھ کر چکے ہیں۔ (١)
سورۃ الزمر۔	آیت وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ (١٠) سے اس امر کی طرف صاف اشارہ نکلتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہوئی تھی، بعض روایات میں یہ تصریح آئی ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہوا تھا جبکہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کا عزم کیا۔ (٢)
سورۃ المومن	عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر بن زید کا بیان ہے کہ یہ سورۃ سورہ الزمر کے بعد متصلاً نازل ہوئی ہے اور اس کا جو مقام قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں ہے وہی ترتیب نزول کے اعتبار سے بھی ہے۔ (٣)

(١) تفہیم القران ٣،٦

(٢) روح المعانی ٢٢٦،٢٣۔تفہیم القران ٣٥٤،٤

(٣) تفہیم القران ٣٨٨،٤

سورۃ مریم	اس کا زمانہ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین اسلام جب نجاشی کے دربار میں بلائے گئے تھے اس وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہی سورۂ بھرے دربار میں تلاوت کی تھی۔ ①
سورۃ العنکبوت	آیات ۵۶ تا ۶۰ سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ یہ سورہ ہجرت حبشہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی تھی باقی مضامین کی اندرونی شہادت بھی اس کی تائید کرتی ہے، کیونکہ پس منظر میں اسی زمانہ کے حالات جھلکتے نظر آتے ہیں بعض مفسرین نے صرف اس دلیل کی بنا پر کہ اس میں منافقین کا ذکر آیا ہے اور نفاق کا ظہور مدینہ میں ہوا ہے، یہ قیاس قائم کرلیا کہ اس سورۂ کی ابتدائی دس آیات مدنی ہیں اور باقی سورۂ مکی ہے حالانکہ یہاں جن لوگوں کے نفاق کا ذکر ہے وہ وہ لوگ ہیں جو کفار کے ظلم وستم اور شدید جسمانی اذیتوں کے ڈر سے منافقانہ روش اختیار کر رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اس نوعیت کا نفاق مکہ ہی میں ہوسکتا تھا نہ کہ مدینہ میں، اسی طرح بعض دوسرے مفسرین نے یہ دیکھ کر کہ اس سورہ میں مسلمانوں کو ہجرت کرنے کی تلقین کی گئی ہے اسے مکہ کی آخری نازل شدہ سورۂ قرار دے دیا ہے حالانکہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے مسلمان حبشہ کی طرف بھی ہجرت کر چکے تھے، یہ تمام قیاسات دراصل کسی روایت پر مبنی نہیں ہیں بلکہ صرف مضامین کی اندرونی شہادت پر ان کی بنا رکھی گئی ہے، اور یہ اندرونی شہادت اگر پوری سورۂ کے مضامین پر بحیثیت مجموعی نگاہ ڈالی جائے، مکہ کے آخری دور کی نہیں بلکہ اس دور کے حالات نشاندہی کرتی ہے جس میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی تھی۔ ②
سورۃ طٰہٰ	اس سورۂ کا زمانہ نزول سورہ مریم کے قریب ہی کا ہے ممکن ہے کہ یہ ہجرت حبشہ کے زمانے میں یا اس کے بعد نازل ہوئی ہو، بہر حال یہ امر یقینی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے یہ نازل ہو چکی تھی، عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ہجرت حبشہ سے تھوڑی مدت بعد ہی کا ہے۔ ③
سورۂ الواقعہ	عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سورتوں کی جو ترتیب نزول بیان کی ہے اس میں وہ فرماتے ہیں کہ پہلے سورہ طٰہٰ نازل ہوئی پھر الواقعہ اور اس کے بعد الشعراء (الاتقان للسیوطی) یہی ترتیب عکرمہ نے بھی بیان کی ہے (بیہقی دلائل النبوۃ)۔ ④

---

① تفہیم القران ۳،۵۲

② تفہیم القران ۳،۶۲

③ تفہیم القران ۳،۸۴

④ تفہیم القران ۵،۲۷

سورۃ الشعراء	مضمون اور انداز بیان سے محسوس ہوتا ہے اور روایات اس کی تائید کرتی ہیں کہ اس سورۂ کا زمانہ نزول مکہ کا دور متوسط ہے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ پہلے سورہ طہ نازل ہوئی پھر سورہ واقعہ اور اس کے بعد الشعرائی [۱] اور سورہ طہ کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام سے پہلے نازل ہو چکی تھی (سید نا عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے قبل انتالیس مرد اور ایک عورت مشرف باسلام ہو چکے تھے)۔ [۲]
سورۃ النمل۔	مضمون اور انداز بیان مکہ کے دور متوسط کی سورتوں سے پوری مشابہت رکھتا ہے اور اس کی تائید روایات سے بھی ہوتی ہے، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر بن زید کا بیان ہے کہ پہلے سورہ شعراء نازل ہوئی پھر النمل پھر القصص۔ [۳]
سورۃ القصص	سورۂ النمل کے دیباچے میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور جابر بن زید رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہم نقل کر چکے ہیں کہ سورۂ الشعرائ، سورۂ النمل اور سورۂ القصص یکے بعد دیگرے نازل ہوئی ہیں، زبان، انداز بیان اور مضامین سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ ان تینوں سورتوں کا زمانہ نزول قریب قریب ایک ہی ہے اور اس لحاظ سے بھی ان تینوں میں قریبی تعلق ہے کہ حضرت موسیٰ کے قصے کے مختلف اجزاء جو ان میں بیان کیے گئے ہیں وہ باہم مل کر ایک پورا قصہ بن جاتے ہیں، سورۂ الشعراء میں نبوت کا منصب قبول کرنے سے معذرت کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ عرض کرتے ہیں کہ قوم فرعون کا ایک جرم میرے ذمہ ہے جس کی وجہ سے میں ڈرتا ہوں کہ وہاں جاؤں گا تو وہ مجھے قتل کر دیں گے پھر جب حضرت موسیٰؑ فرعون کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں تو وہ کہتا ہے کیا ہم نے اپنے ہاں تجھے بچہ سا نہیں پالا تھا اور تو ہمارے ہاں چند سال رہا پھر کر گیا جو کچھ کہ کر گیا، ان دونوں باتوں کی کوئی تفصیل وہاں نہیں بیان کی گئی، اس سورۂ میں اسے بالتفصیل بیان کیا گیا ہے، اسی طرح سورۂ نمل میں قصہ یکا یک اس بات سے شروع ہو گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے اہل وعیال کو لے کر جا رہے تھے اور اچانک انہوں نے ایک آگ دیکھی، وہاں اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی کہ یہ کیسا سفر تھا، کہاں سے وہ آ رہے تھے اور کدھر جا رہے تھے، یہ تفصیل اس سورۂ میں بیان ہوئی ہے اس طرح یہ تینوں سورتیں مل کر قصہ موسیٰ کی تکمیل کر دیتی ہیں۔ [۴]

---

[۱] روح المعانی ۱۹٫۶۴

[۲] تفہیم القران ۳٫۴۷

[۳] تفہیم القران ۳٫۵۵۲

[۴] تفہیم القران ۳٫۶۱۰

سورۃالروم	آغاز ہی میں جس تاریخی واقعہ کاذکر کیا گیا ہے اس سے زمانہ نزول قطعی طور پر متعین ہو جاتا ہے اس میں ارشاد ہوا ہے کہ قریب کی سرزمین میں رومی مغلوب ہو گئے ہیں، اس زمانے میں عرب سے متصل رومی مقبوضات اردن، شام اور فلسطین تھے اور ان علاقوں میں رومیوں پر ایرانیوں کا غلبہ ۶۱۵ ئ میں مکمل ہوا تھا اس لئے پوری صحت کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ سورۃ اسی سال نازل ہوئی اور یہ وہی سال تھا جس میں ہجرت حبشہ واقع ہوئی۔ (۱)
سورۃالنجم۔	نبوت کے پانچویں سال رمضان المبارک کے مقدس (۲) مہینہ میں نازل ہوئی۔

٦بعثت نبوی

سورۃ حم السجدہ	معتبر روایات کی رو سے اس کا زمانہ نزول حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کے بعد اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے ہے۔ (۳)
سورۃالشوریٰ	کسی معتبر روایت سے معلوم نہیں ہو سکا ہے، لیکن اس کے مضمون پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورہ حٰم السجدہ کے متصلاً بعد نازل ہوئی ہو گی، کیونکہ یہ ایک طرح سے بالکل اس کا تتمہ نظر آتا ہے اس کیفیت کو ہر وہ شخص خود محسوس کرے گا جو پہلے سورۃ حم السجدہ کو بغور پڑھے اور پھر اس سورۃ کی تلاوت کرے، وہ دیکھے گا کہ اس سورۃ میں سرداران قریش کی اندھی بہری مخالفت پر بڑی کاری ضربیں لگائی گئی تھیں تا کہ مکہ معظّمہ اور اس کے گرد و پیش کے علاقے میں جس کسی کے اندر بھی اخلاق، شرافت اور معقولیت کی کوئی حس باقی ہو وہ جان لے کہ قوم کے بڑے لوگ کس قدر بے جا طریقے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہے ہیں اور ان کے مقابلہ میں آپ کی بات کتنی سنجیدہ، آپ کا موقف کتنا معقول اور آپ کا رویہ کیسا شریفانہ ہے، اس تنبیہ کے معابعد یہ سورۃ نازل کی گئی جس نے تفہیم کا حق ادا کر دیا اور ایسے دل نشین انداز میں دعوت محمدی کی حقیقت سمجھائی جس کا اثر قبول نہ کرنا کسی ایسے شخص کے بس میں نہ تھا جو حق پسندی کا کچھ بھی مادہ اپنے اندر رکھتا ہو اور جاہلیت کی گمراہیوں کے عشق میں بالکل اندھا نہ ہو چکا ہو۔ (۴)

(۱) تفہیم القران ۳٫۷۴

(۲) تفہیم القران ۵٫۱۸۸

(۳) تفہیم القران ۴٫۴۳۴

(۴) تفہیم القران ۴٫۴۷

سورۃ المومنون	انداز بیاں اور مضامین دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۂ کا زمانہ نزول مکے کا دور متوسط ہے، پس منظر میں صاف محسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ نبی کریم ﷺ اور کفار کے درمیان سخت کشمکش برپا ہے لیکن ابھی کفار کے ظلم وستم نے پورا زور نہیں پکڑا ہے آیت ۷۶،۷۵ سے صاف طور پر یہ شہادت ملتی ہے کہ یہ مکے کے اس قحط کی شدت کے زمانے میں نازل ہوئی ہے جو معتبر روایات کی رو سے اسی دور متوسط میں برپا ہوا تھا،عروہ بن زبیر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لا چکے تھے، وہ عبد الرحمن بن عبد القاری کے حوالہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ سورہ ان کے سامنے نازل ہوئی ہے وہ خود نزول وحی کی کیفیت کو نبی ﷺ پر طاری ہوتے ہوئے دیکھ رہے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ اس سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ اگر کوئی ان کے معیار پر پورا اتر جائے تو یقیناً جنت میں جائے گا، پھر آپ نے اس سورۂ کی ابتدائی آیات سنائیں۔ [١]
سورۃ الفرقان	انداز بیاں اور مضامین پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول بھی وہی ہے جو سورۂ مومنون وغیرہ کا ہے یعنی زمانہ قیام مکہ کا دور متوسط۔ ابن جریر اور امام رازی نے ضحاک بن مزاحم اور مقاتل بن سلمان کی یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ سورۂ سورہ النساء سے آٹھ سال پہلے اتری تھی، اس حساب سے بھی اس کا زمانہ نزول وہی دور متوسط قرار پاتا ہے۔ [٢]

۷ بعثت نبوی

سورۃ الانبیائ	مضمون اور انداز بیاں دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول مکے کا دور متوسط یعنی ہماری تقسیم کے لحاظ سے نبی ﷺ کی مکی زندگی کا تیسرا دور ہے، اس کے پس منظر میں حالات کی وہ کیفیت نہیں پائی جاتی جو آخری دور کی سورتوں میں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ [٣]

[١] مسند احمد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مستدرک حاکم ۔ تفہیم القران ۳/۲۵۸

[٢] ابن جریر ۱۹/۲۸،۳۰، تفسیر کبیر ۶/۳۵۸۔ تفہیم القران ۳/۴۳۰

[٣] تفہیم القران ۳/۱۴۲

سورۂ الزخرف۔	کسی معتبر روایت سے معلوم نہیں ہو سکا ہے لیکن اس کے مضامین پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورہ بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی ہے جس میں المومن، حم السجدہ اور الشوریٰ نازل ہوئیں، یہ ایک ہی سلسلے کی سورتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا نزول اس وقت سے شروع ہوا جب کفار مکہ نبی ﷺ کی جان کے درپے ہو گئے تھے، شب و روز اپنی محفلوں میں بیٹھ بیٹھ کر مشورے کر رہے تھے کہ آپ کو کس طرح ختم کیا جائے اور ایک حملہ آپ کی جان پر ہو بھی چکا تھا، اس صورت حال کی طرف آیات ۸۰،۷۹ میں صاف اشارہ موجود ہے۔ (۱)
سورۂ الدخان	اس کا زمانہ نزول بھی کسی معتبر روایت سے معلوم نہیں ہوتا مگر مضامین کی اندرونی شہادت بتاتی ہے کہ یہ بھی اسی دور میں نازل ہوئی ہے جس میں سورۂ الزخرف اور اس سے پہلے کی چند سورتیں نازل ہوئی تھیں، البتہ یہ اس سے کچھ متاخر ہے، تاریخی پس منظر یہ ہے کہ جب کفار مکہ کی مخالفانہ روش شدید سے شدید تر ہوتی چلی گئی تو نبی ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ! یوسف کے قحط جیسے ایک قحط سے میری مدد فرما، رسول اللہ ﷺ کا خیال یہ تھا کہ جب ان لوگوں پر مصیبت پڑے گی تو انہیں اللہ یاد آئے گا اور ان کے دل نصیحت قبول کرنے کے لئے نرم پڑ جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور سارے علاقے میں ایسے زور کا قحط پڑا کہ لوگ بلبلا اٹھے، آخر کار بعض سرداران قریش جن میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے خاص طور پر ابوسفیان کا نام لیا ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے درخواست کی کہ اپنی قوم کو اس بلا سے نجات دلانے کے لئے اللہ سے دعا کریں یہی موقع ہے جب اللہ تعالیٰ نے یہ سورۂ نازل فرمائی۔ (۲)
سورۂ الجاثیہ۔	اس سورۂ کا زمانہ نزول بھی کسی معتبر روایت میں بیان نہیں ہوا ہے مگر اس کے مضامین سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورہ دخان کے بعد قریبی زمانے میں نازل ہوئی ہے، دونوں سورتوں کے مضامین میں ایسی مشابہت ہے جس سے یہ دونوں توام نظر آتی ہیں۔ (۳)
سورۂ الطارق۔	اس کے مضمون کا انداز بیان مکہ معظّمہ کی ابتدائی سورتوں سے ملتا جلتا ہے مگر یہ اس زمانے کی نازل شدہ ہے جب کفار مکہ قرآن اور محمد ﷺ کی دعوت کو زک دینے کے لئے ہر طرح کی چالیں چل رہے تھے۔ (۴)

(۱) تفہیم القران ۴/۵۲۰
(۲) تفہیم القران ۴/۵۵۶
(۳) تفہیم القران ۴/۵۷۶
(۴) تفہیم القران ۶/۳۰۲

٨بعثت نبوی

سورۃ یٰسین	انداز بیان پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ اس سورۂ کا زمانہ نزول یا تو مکہ کے دور متوسط کا آخری زمانہ ہے یا پھر یہ زمانہ قیام مکہ کے آخری دور کی سورتوں میں سے ہے۔ [١]
سورۂ اللہب	بعید نہیں کہ اس کا نزول اس زمانے میں ہوا ہو جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان والوں کا مقاطعہ کر کے قریش کے لوگوں نے ان کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا تھا اور تنہا ابولہب ہی ایسا شخص تھا جس نے اپنے خاندان والوں کو چھوڑ کر دشمنوں کا ساتھ دیا تھا، ہمارے اس قیاس کی بنا یہ ہے کہ ابولہب رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا اور بھتیجے کی زبان سے چچا کی کھلم کھلا مذمت کرانا اس وقت تک مناسب نہ ہو سکتا تھا جب تک چچا کی حد سے گزری ہوئی زیادتیاں علانیہ سب کے سامنے نہ آ گئی ہوں، اگر ابتدا ہی میں یہ سورۂ نازل کر دی گئی ہوتی تو لوگ اس کو اخلاقی حیثیت سے معیوب سمجھتے کہ بھتیجا اپنے چچا کی اس طرح مذمت کرے۔ [٢]

٩بعثت نبوی

سورۂ القمر	اس میں شق القمر کے واقعہ کا ذکر آیا ہے جس سے اس کا زمانہ نزول متعین ہو جاتا ہے، محدثین ومفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے مکہ معظّمہ میں منیٰ کے مقام پر پیش آیا تھا۔ [٣]
سورۂ القمر	اس میں شق القمر کے واقعہ کا ذکر آیا ہے جس سے اس کا زمانہ نزول متعین ہو جاتا ہے، محدثین ومفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً پانچ سال پہلے مکہ معظّمہ میں منیٰ کے مقام پر پیش آیا تھا۔ [۴]

[١] تفہیم القران ۴،۲۴۴

[٢] تفہیم القران ٦،۵۲۰

[٣] تفہیم القران ۵،۲۲٦

[۴] تفہیم القران ۵،۲۲٦

چوتھا دور

عام الحزن (غم کا سال)

۱۰ بعثت نبوی تا ۱۳ بعثت نبوی (۶۲۰ئ تا ۶۲۳ئ)

سورۃ الرحمٰن	علمائے تفسیر بالعموم اس سورۃ کو مکی قرار دیتے ہیں، اگرچہ بعض روایات میں حضرت عبداللہ بن عباس اور عکرمہ اور قتادہ سے یہ قول منقول ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے، لیکن اول تو انہی بزرگوں سے بعض دوسری روایات اس کے خلاف بھی منقول ہوئی ہیں، دوسرے اس کا مضمون مدنی سورتوں کی بہ نسبت مکی سورتوں سے زیادہ مشابہ ہے، بلکہ اپنے مضمون کے لحاظ سے یہ مکہ کے بھی ابتدائی دور کی معلوم ہوتی ہے، اور مزید براں متعدد روایات سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ یہ مکہ معظمہ ہی میں ہجرت کے کئی سال قبل نازل ہوئی تھی، مسند احمد میں اسماء بنت ابی بکر کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو حرم میں خانہ کعبہ کے اس گوشے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے دیکھا جس میں حجر اسود نصب ہے، یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ ابھی فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اسے ہانکے پکارے کہہ دو، کا فرمان الٰہی نازل نہیں ہوا تھا، مشرکین اس نماز میں آپ کی زبان سے فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے الفاظ سن رہے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورۃ سورۃ الحجر سے پہلے نازل ہو چکی تھی، البزار، ابن جریر، ابن المنذر، دارقطنی (فی الافراد) ابن مردویہ اور الخطیب (فی التاریخ) نے حضرت عبداللہ بن عمر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ الرحمٰن خود تلاوت فرمائی یا آپ کے سامنے یہ سورۃ پڑھی گئی پھر آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تم سے ویسا جواب نہیں سن رہا ہوں جیسا جنوں نے اپنے رب کو دیا تھا، لوگوں نے عرض کیا، وہ کیا جواب تھا؟ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پڑھتا تو جن اس کے جواب میں کہتے جاتے تھے کہ وَلَا بِشَيۡءٍ مِّنۡ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ ہم اپنے رب کی کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، اسی سے ملتا جلتا مضمون (جامع ترمذی ابواب تفسیر القرآن سورۃ الرحمٰن ۳۲۹۱، مستدرک حاکم ۳۷۶۶، اور حافظ ابوبکر بزار نے مسند البزار ۵۸۵۳) میں حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے، ان کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جب لوگ سورہ رحمٰن کو سن کر خاموش رہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لَقَدۡ قَرَأۡتُهَا عَلَى الۡجِنِّ لَيۡلَةَ الۡجِنِّ فَكَانُوا أَحۡسَنَ مَرۡدُودًا مِنۡكُمۡ كُنۡتُ كُلَّمَا أَتَيۡتُ عَلَى قَوۡلِهِ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ تو وہ کہتے تھے لَا بِشَيۡءٍ مِنۡ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الۡحَمۡدُ یعنی میں نے یہ سورۃ اس رات جنوں کو سنائی تھی جس میں وہ قرآن سننے کے لیے جمع ہوئے تھے، وہ اس کا جواب تم سے بہتر دے رہے تھے، جب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر پہنچتا تھا کہ اے جن و انس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے تو وہ اس کے جواب میں کہتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار، ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے، حمد تیرے ہی لیے ہے،

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سورۃ احقاف (آیات ۲۹ تا ۳۲) میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے جنوں کے قرآن سننے کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نماز میں سورہ رحمٰن تلاوت فرما رہے تھے، یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے جب آپ سفر طائف سے واپسی پر نخلہ میں کچھ مدت ٹھیرے تھے، اگرچہ بعض دوسری روایات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم نہ تھا کہ جن آپ سے قرآن سن رہے ہیں بلکہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خبر دی کہ وہ آپ کی تلاوت سن رہے تھے، لیکن یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو جنوں کی سماعت قرآن پر مطلع فرمایا تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو یہ اطلاع بھی دے دی ہو کہ سورۃ رحمٰن سنتے وقت وہ اس کا کیا جواب دیتے جا رہے تھے، ان روایات سے تو صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ رحمٰن سورۃ الحجر اور سورۃ الاحقاف سے قبل نازل ہو چکی تھی، اس کے بعد ایک اور روایت ہمارے سامنے آتی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکہ معظّمہ کے ابتدائی دور کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے، ابن اسحاق حضرت عروہ بن زبیر سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ ایک روز صحابہ کرام نے آپس میں کہا کہ قریش نے کبھی کسی کو علانیہ باواز بلند قرآن پڑھتے نہیں سنا ہے، ہم میں کون ہے جو ایک دفعہ ان کو ئی کلام پاک سنا ڈالے؟ عبد اللہ بن مسعود نے کہا میں یہ کام کرتا ہوں، صحابہ نے کہا ہمیں ڈر ہے کہ وہ تم پر زیادتی کریں گے، ہمارے خیال میں کسی ایسے شخص کو یہ کام کرنا چاہئے جس کا خاندان زبردست ہوتا کہ اگر قریش کے لوگ اس پر دست درازی کریں تو اس کے خاندان والے اس کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوں، حضرت عبد اللہ نے فرمایا مجھے یہ کام کر ڈالنے دو، میرا محافظ اللہ ہے، پھر وہ دن چڑھے حرم میں پہنچے جبکہ قریش کے سردار وہاں اپنی اپنی مجلسوں میں بیٹھے تھے، حضرت عبد اللہ نے مقام ابراہیم پر پہنچ کر پورے زور سے سورہ رحمٰن کی تلاوت شروع کر دی، قریش کے لوگ پہلے تو سوچتے رہے کہ عبد اللہ کیا کہہ رہے ہیں، پھر جب انہیں پتہ چلا کہ یہ وہ کلام ہے جسے محمد ﷺ خدا کے کلام کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں تو وہ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر تھپڑ مارنے لگے، مگر حضرت عبد اللہ نے پرواہ نہ کی، پٹتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے، کب تک ان کے دم میں دم رہا قرآن سناتے چلے گئے، آخر کار جب وہ اپنا سوجا ہوا منہ لے کر پلٹے تو ساتھیوں نے کہا ہمیں اسی چیز کا ڈر تھا، انہوں نے جواب دیا آج سے بڑھ کر یہ اللہ کے دشمن میرے لیے کبھی ہلکے نہ تھے، تم کہو تو کل پھر انہیں قرآن سناؤں، سب نے کہا بس اتنا ہی کافی ہے، جو کچھ وہ نہیں سننا چاہتے تھے وہ تم نے انہیں سنا دیا۔ [1]

---

[1] ابن ہشام ۳۳۶/۱، تفہیم القرآن ۲۴۴/۵

سورۃ ھود	اس سورۃ کے مضمون پر غور کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اسی دور میں نازل ہوئی ہوگی جس میں سورۃ یونس نازل ہوئی تھی بعید نہیں کہ یہ اس کے ساتھ متصلاً ہی نازل ہوئی ہو کیونکہ موضوع تقریر وہی ہے مگر تنبیہ کا انداز اس سے زیادہ سخت ہے، حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شَيَّبَتْنِي هُودٌ وأَخَوَاتُهَا مجھ کو سورۃ ھود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ زمانہ کیسا سخت ہوگا جب کہ ایک طرف کفار قریش اپنے تمام ہتھیاروں سے اس دعوت حق کو کچل دینے کی کوشش کر رہے تھے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے پے در پے تنبیہات نازل ہو رہی تھیں، ان حالات میں آپ کو ہر وقت یہ اندیشہ گھلائے دیتا ہوگا کہ کہیں اللہ کی دی ہوئی مہلت ختم نہ ہو جائے اور وہ آخری ساعت نہ آجائے جب کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب میں پکڑ لینے کا فیصلہ فرما دیتا ہے، فی الواقع اس سورۃ کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک سیلاب کا بند ٹوٹنے کو ہے اور اس غافل آبادی کو جو اس سیلاب کی زد میں آنے والی ہے، آخری تنبیہ کی جا رہی ہے۔ [۱]
سورۃ یونس	زمانہ نزول کے متعلق کوئی روایت ہمیں نہیں ملی، لیکن مضمون سے ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورۃ زمانہ قیام مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہوگی، کیونکہ اس کے انداز کلام سے صریح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ مخالفین دعوت کی طرف سے مزاحمت پوری شدت اختیار کر چکی ہے، وہ نبی اور پیروان نبی کو اپنے درمیان برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، ان سے اب یہ امید باقی نہیں رہی ہے کہ تفہیم و تلقین سے راہ راست پر آجائیں گے اور اب انہیں اس انجام سے خبردار کرنے کا موقع آ گیا ہے جو نبی کو آخری اور قطعی طور پر رد کر دینے کی صورت میں انہیں لازماً دیکھنا ہوگا۔ مضمون کی یہی خصوصیات ہمیں بتاتی ہیں کہ کونسی سورتیں مکہ کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہیں، لیکن اس سورہ میں ہجرت کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا، اس لئے اس کا زمانہ ان سورتوں سے پہلے کا سمجھنا چاہئے جن میں کوئی نہ کوئی خفی یا جلی اشارہ ہم کو ہجرت کے متعلق ملتا ہے۔ [۲]

[۱] تفہیم القران ۲،۳۲۰

[۲] تفہیم القران ۲،۲۵۸

سورۂ الاحقاف	اس کا زمانہ نزول ایک تاریخی واقعہ سے متعین ہو جاتا ہے جس کا ذکر آیات ۲۹ تا ۳۲ میں آیا ہے، ان آیات میں جنوں کے آنے اور قرآن سن کر واپس جانے کا جو واقعہ بیان ہوا ہے وہ حدیث و سیرت کی متفق علیہ روایات کی رو سے اس وقت پیش آیا تھا جب نبی ﷺ طائف سے مکہ معظّمہ کی طرف پلٹتے ہوئے نخلہ کے مقام پر ٹھیرے تھے اور تمام معتبر تاریخی روایات کے مطابق آپ کے طائف تشریف لے جانے کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے کا ہے لہذا یہ متعین ہو جاتا ہے کہ یہ سورۂ دس بعثت نبوی کے آخر یا گیارہ نبوی کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی۔ [1]

اا بعثت نبوی

سورۃ الرعد	رکوع ۴ اور رکوع ۶ کے مضامین شہادت دیتے ہیں کہ یہ سورۂ بھی اسی دور کی ہے جس میں سورہ یونس، سورہ ھود، اور سورہ اعراف نازل ہوئیں، یعنی زمانہ قیام مکہ کا آخری دور۔ انداز بیاں سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ نبی ﷺ کو اسلام کی دعوت دیتے ہوئے ایک مدت دراز گزر چکی ہے، مخالفین آپ کو زک دینے اور آپ کے مشن کو ناکام کرنے کے لئے طرح طرح کی چالیں چلتے رہے ہیں، مومنین بار بار تمنائیں کر رہے ہیں کہ کاش کوئی معجزہ دکھا کر ہی ان لوگوں کو راہ راست پر لایا جائے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو سمجھا رہا ہے کہ ایمان کی راہ دکھانے کا یہ طریقہ ہمارے ہاں رائج نہیں ہے اور اگر دشمنان حق کی رسی دراز کی جا رہی ہے تو یہ ایسی بات نہیں ہے جس سے تم گھبرا اٹھو، پھر آیت ۳۱ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بار بار کفار کی ہٹ دھرمی کا ایسا مظاہرہ ہو چکا ہے جس کے بعد یہ کہنا بالکل بجا معلوم ہوتا ہے کہ اگر قبروں سے مردے بھی اٹھ کر آجائیں تو یہ لوگ نہ مانیں گے بلکہ اس واقعہ کی بھی کوئی نہ کوئی تاویل کر ڈالیں گے، ان سب باتوں سے یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ سورہ مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہو گی۔ [2]

[1] تفہیم القران ۴/۵۹۶

[2] تفہیم القران ۲/۴۴۰

سورۃ ابراہیم	عام انداز بیاں مکہ کے آخری دور کی سورتوں کا سا ہے، سورۃ الرعد سے قریب زمانہ ہی کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہے ،خصوصاً آیت ۱۳ کے الفاظ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا انکار کرنے والوں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ یا تو تمہیں ہماری ملت میں واپس آنا ہوگا ورنہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ کا صاف اشارہ اس طرف ہے کہ اس وقت مکہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم انتہا کو پہنچ چکا تھا اور اہل مکہ پچھلی کافر قوموں کی طرح اپنے ہاں کے اہل ایمان کو خارج البلد کر دینے پر تل گئے تھے۔ اسی بنا پر ان کو وہ دھمکی سنائی گئی جو ان جیسے رویے پر چلنے والی پچھلی قوموں کو دی گئی تھی کہ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ہم ظالموں کو ہلاک کر کے رہیں گے، اور اہل ایمان کو وہی تسلی دی گئی جو ان کے پیش رووں کو دی جاتی رہی کہ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ہم ان ظالموں کو ختم کرنے کے بعد تم ہی کو اس سرزمین میں آباد کریں گے، اسی طرح آخری رکوع کے تیور بھی یہی بتاتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہے۔ [1]
سورۃ الحجر	مضامین اور انداز بیاں سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول سورہ ابراہیم سے متصل ہے، اس کے پس منظر میں دو چیزیں بالکل نمایاں نظر آتی ہیں، ایک یہ کہ نبی ﷺ کو دعوت دیتے ایک مدت گزر چکی ہے اور مخاطب قوم کی مسلسل ہٹ دھرمی، استہزاء، مزاحمت اور ظلم وستم کی حد ہوگئی ہے جس کے بعد اب تفہیم کا موقع کم اور تنبیہ وانزار کا موقع زیادہ ہے، دوسرے یہ کہ اپنی قوم کے کفروجمود اور مزاحمت کے پہاڑ توڑتے توڑتے نبی ﷺ تھکے جا رہے ہیں اور دل شکستگی کی کیفیت بار بار آپ پر طاری ہو رہی ہے جسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دے رہا ہے اور آپ کی ہمت بندھا رہا ہے۔ [2]

۱۲ بعثت نبوی

سورۃ بنی اسرائیل	پہلی ہی آیت اس بات کی نشان دہی کر دیتی ہے کہ یہ سورہ معراج کے موقع پر نازل ہوئی ہے، معراج کا واقعہ حدیث اور سیرت کی اکثر روایات کے مطابق ہجرت سے ایک سال پہلے پیش آیا تھا اس لئے یہ سورت بھی انہی سورتوں میں سے ہے جو مکی دور کے آخری زمانے میں نازل ہوئیں۔ [3]

---

[1] تفہیم القرآن ۲،۴۶۸

[2] تفہیم القرآن ۲،۴۹۶

[3] تفہیم القرآن ۲،۵۸۶

سورۃ الکوثر	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، کلبی، مقاتل اور جمہور مفسرین اسے مکی سورۃ کہتے ہیں، لیکن حسن بصری، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ اس کو مدنی قرار دیتے ہیں، امام سیوطی نے الاتقان میں اسی قول کو صحیح ٹھیرایا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں اسی کو ترجیح دی ہے، اس زمانے میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی دل شکن حالات سے سابقہ درپیش تھا اس وقت آپ کو تسلی دینے اور آپ کی ہمت بندھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل فرمائیں، جیسے سورۃ الضحیٰ، سورۃ الم نشرح، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند قاسم، پھر آپؐ کے فرزند عبد اللہ فوت ہو گئے اور قریش نے باتیں بنائیں اس وقت نازل ہوئی، ایسے ہی حالات میں اللہ نے مخالفین کی بربادی کی پیشین گوئی فرمائی، یہ سورہ معراج کے بعد نازل ہوئی۔ [1]
سورۃ النحل	متعدد اندرونی شہادتوں سے اس کے زمانہ نزول پر روشنی پڑتی ہے مثلاً ○ آیت ۴۱ کے فقرے وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا اسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ہجرت حبشہ واقع ہو چکی تھی۔ ○ آیت ۱۰۶ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ظلم وستم پوری شدت کے ساتھ ہو رہا تھا اور یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ اگر کوئی شخص ناقابل برداشت اذیت سے مجبور ہو کر کلمہ کفر کہہ بیٹھے تو اس کا کیا حکم ہے۔ ○ آیات ۱۱۲ تا ۱۱۴ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ کا صاف اشارہ اس طرف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ میں جو زبردست قحط رونما ہوا تھا وہ اس سورۃ کے نزول کے وقت ختم ہو چکا تھا، اس سورہ میں آیت ۱۱۵ ایسی ہے جس کا حوالہ سورۃ الانعام آیت ۱۱۹ میں دیا گیا ہے، اور دوسری آیت ۱۱۸ ایسی ہے جس میں سورۃ انعام کی آیت ۱۴۶ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں سورتوں کا نزول قریب العہد ہے، ان شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس سورۃ کا زمانہ نزول بھی مکے کا آخری دور ہی ہے اور اسی کی تائید سورۃ کے عام انداز بیاں سے بھی ہوتی ہے۔ [2]

---

[1] تفہیم القران ۴۸۹،۴۸۸،۶

[2] تفہیم القران ۵۲۲،۲

سورۃ الانعام	عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ پوری سورہ مکہ میں بیک وقت نازل ہوئی تھی، حضرت معاذ بن جبل کی چچازاد بہن اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ جب یہ سورۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہو رہی تھی اس وقت آپ اونٹنی پر سوار تھے میں اس کی نکیل پکڑے ہوئے تھی اور بوجھ کے مارے اونٹنی کا یہ حال ہو رہا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی ہڈیاں اب ٹوٹ جائیں گی، روایات میں اس کی بھی تصریح ہے کہ جس رات یہ نازل ہوئی اسی رات کو آپ نے اسے قلمبند کرا دیا تھا۔ اس کے مضامین پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورۂ مکی دور کے آخری زمانہ میں نازل ہوئی ہو گی، حضرت اسماء بنت یزید کی روایت بھی اسی کی تصدیق کرتی ہے، کیونکہ موصوفہ انصار میں سے تھیں اور ہجرت کے بعد ایمان لائیں، اگر قبول اسلام سے پہلے محض بر بناء عقیدت وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مکہ حاضر ہوئی ہوں گی تو یقیناً یہ حاضری آپ کی مکی زندگی کے آخری سال ہی میں ہوئی ہو گی، اس سے پہلے اہل یثرب کے ساتھ آپ کے تعلقات اتنے بڑھے ہی نہ تھے کہ وہاں سے کسی عورت کا آپ کی خدمت میں حاضر ہونا ممکن ہوتا۔ (۱)

۱۳ بعثت نبوی

سورۃ الاعراف	اس کے مضامین پر غور کرنے سے بین طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس کا زمانہ نزول تقریباً وہی ہے جو سورہ انعام کا ہے، یہ بات تو یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ یہ پہلے نازل ہوئی ہے یا وہ، مگر انداز تقریر سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ اسی دور سے متعلق ہے، لہذا اس کے تاریخی پس منظر کو سمجھنے کے لئے اس دیباچہ پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہو گا جو ہم نے سورہ الانعام پر لکھا ہے۔ (۲)
سورۃ یوسف	اس سورۃ کے مضمون سے مترشح ہوتا ہے کہ یہ بھی زمانہ قیام مکہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہو گی جبکہ قریش کے لوگ اس مسئلے پر غور کر رہے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیں یا جلاوطن کریں یا قید کر دیں، اس زمانہ میں بعض کفار مکہ نے (غالباً یہودیوں کے اشارے پر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لینے کے لئے آپ سے سوال کیا کہ بنی اسرائیل کے مصر جانے کا کیا سبب ہوا، چونکہ اہل عرب اس قصہ سے ناواقف تھے اس کا نام و نشان تک ان کے ہاں کی روایات میں نہ پایا جاتا تھا اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بھی اس سے پہلے کبھی اس کا ذکر نہ سنا گیا تھا، اس لئے انہیں توقع تھی کہ آپ یا تو اس کو مفصل جواب نہ دے سکیں گے یا اس وقت ٹال مٹول کر کے بعد میں کسی یہودی سے پوچھنے کی کوشش کریں گے اور اس طرح آپ کا بھرم کھل جائے گا لیکن اس امتحان میں انہیں الٹی منہ کی کھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہی نہیں کیا کہ فوراً اسی وقت یوسف ؑ کا یہ پورا قصہ آپ کی زبان پر جاری کر دیا بلکہ مزید برآں اس قصے کو قریش کے اس معاملہ پر چسپاں بھی کر دیا جو وہ برادران یوسف کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر رہے تھے۔ (۳)

(۱) تفہیم القرآن ۱/۵۲۰

(۲) تفہیم القرآن ۲/۵

(۳) تفہیم القرآن ۲/۳۷۸

اس سورۃ میں مکی اور مدنی سورتوں کی خصوصیات ملی جلی پائی جاتی ہیں، اسی وجہ سے مفسرین میں اس امر پر اختلاف ہوا ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی، لیکن ہمارے نزدیک اس کے مضامین اور انداز بیاں کا یہ رنگ اس وجہ سے ہے کہ اس کا ایک حصہ مکی دور کے آخر میں اور دوسرا حصہ مدنی دور کے آغاز میں نازل ہوا ہے، اس لئے دونوں ادوار کی خصوصیات اس میں جمع ہو گئی ہیں۔ ○ابتدائی حصے کا مضمون اور انداز بیاں صاف بتاتا ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوا ہے اور اغلب یہ ہے کہ مکی زندگی کے آخری دور میں ہجرت سے کچھ پہلے نازل ہوا ہو، یہ حصہ آیت وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ(۲۴) پر ختم ہوتا ہے۔ ○اس کے بعد آیت ۲۵ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے یک لخت مضمون کا رنگ بدل جاتا ہے اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سے آخر تک کا حصہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوا ہے، بعید نہیں کہ یہ ہجرت کے بعد پہلے ہی سال ذی الحجہ میں نازل ہوا ہو، کیونکہ آیت ۲۵ سے ۴۱ تک کا مضمون اس بات کی نشان دہی کرتا ہے اور آیت ۴۰،۳۹ کی شان نزول بھی اس کی موید ہے، اس وقت مہاجرین ابھی تازہ تازہ ہی اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینے میں آئے تھے، حج کے زمانے میں ان کو اپنا شہر اور حج کا اجتماع یاد آ رہا ہو گا اور یہ بات بری طرح کھل رہی ہو گی کہ مشرکین قریش نے ان پر مسجد حرام کا راستہ تک بند کر دیا ہے، اس زمانے میں وہ اس بات کے بھی منتظر ہوں گے کہ جن ظالموں نے ان کو گھروں سے نکالا، مسجد حرام کی زیارت سے محروم کیا اور اللہ کا راستہ اختیار کرنے پر ان کی زندگی تک دشوار کر دی ،ان کے خلاف جنگ کرنے کی اجازت مل جائے، یہ ٹھیک نفسیاتی موقع تھا ان آیات کے نزول کا، ان میں پہلے تو حج کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ مسجد حرام اس لئے بنائی گئی تھی اور یہ حج کا طریقہ اس لئے شروع کیا گیا تھا کہ دنیا میں اللہ واحد کی بندگی کی جائے مگر آج وہاں شرک ہو رہا ہے اور اللہ واحد کی بندگی کرنے والوں کے لئے اس کے راستے بند کر دیے گئے ہیں، اس کے بعد مسلمانوں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ ان ظالموں کے خلاف جنگ کریں اور انہیں بے دخل کر کے ملک میں وہ نظام صالح قائم کریں جس میں برائیاں دبیں اور نیکیاں فروغ پائیں۔عبد اللہ بن عباس، مجاہد، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، مقاتل بن حیان، قتادہ اور دوسرے اکابر مفسرین کا بیان ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی اور حدیث وسیرت کی روایات سے ثابت ہے کہ اس اجازت کے بعد فوراً ہی قریش کے خلاف عملی سرگرمیاں شروع کر دی گئیں اور پہلی مہم صفر ۲ھ میں ساحل بحر احمر کی طرف روانہ ہوئی جو غزوہ دوان یا غزوہ ابواء کے نام سے مشہور ہے۔ (۱)	سورۃ الحج

(۱) تفہیم القران ۱۹۶،۳

مدنی دور

سورۃ الجمعہ	❁ پہلے رکوع کا زمانہ نزول ۷ ہجری ہے اور غالباً یہ فتح خیبر کے موقع پر یا اس کے بعد قریبی زمانے میں نازل ہوا ہے ،بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن جریر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے جب یہ آیات نازل ہوئیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ صلح حدیبیہ کے بعد اور فتح خیبر سے پہلے ایمان لائے تھے، اور خیبر کی فتح ابن ہشام کے بقول محرم اور ابن سعد کے بقول جمادی الاول ۷ ہجری میں ہوئی ہے، پس قرین قیاس یہ ہے کہ یہودیوں کے اس آخری گڑھ کو فتح کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کرتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائی ہونگی یا پھر ان کا نزول اس وقت ہوا ہوگا جب خیبر کا انجام دیکھ کر شمالی حجاز کی تمام یہودی بستیاں اسلامی حکومت کی تابع فرمان بن گئی تھیں۔ ❁ دوسرا رکوع ہجرت کے بعد قریبی زمانے ہی میں نازل ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی پانچویں روز جمعہ قائم کر دیا تھا اور اس رکوع کی آخری آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ صاف بتا رہا ہے کہ وہ اقامت جمعہ کا سلسلہ شروع ہونے کے بعد لازماً کسی ایسے زمانے ہی میں پیش آیا ہوگا جب لوگوں کو دینی اجتماعات کے آداب کی پوری تربیت ابھی نہیں ملی تھی۔ (۱)
سورۃ التغابن	مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ اس کا کچھ حصہ مکی ہے اور کچھ مدنی، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ ابتدا سے آیت ۱۳ تک مکی ہے اور آیت ۱۴ سے آخر سورۃ تک مدنی، مگر مفسرین کی اکثریت پوری سورۃ کو مدنی قرار دیتی ہے اگرچہ اس میں کوئی اشارہ ایسا نہیں پایا جاتا جس سے اس کا زمانہ نزول متعین کیا جاسکتا ہو لیکن مضمون کلام پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً یہ مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہوگی، اسی وجہ سے اس میں کچھ رنگ مکی سورتوں کا سا اور کچھ مدنی سورتوں کا سا پایا جاتا ہے۔ (۲)
سورۃ البقرہ	اس سورۃ کا بیشتر حصہ ہجرت مدینہ کے بعد مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوا ہے، اور کمتر حصہ ایسا ہے جو بعد میں نازل ہوا اور مناسبت مضمون کے لحاظ سے اس میں شامل کر دیا گیا۔ ❁ حتی کہ سود کی ممانعت کے سلسلہ میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں حالانکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے بالکل آخری زمانہ میں اتری تھیں۔ ❁ سورۃ کا خاتمہ جن آیات پر ہوا ہے وہ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہو چکی تھیں مگر مضمون کی مناسبت سے ان کو بھی اسی سورۃ میں ضم کر دیا گیا ہے۔ (۳)

---

(۱) تفہیم القرآن ۵/۴۸۲

(۲) تفہیم القرآن ۵/۵۲۴

(۳) تفہیم القرآن ۱/۴۲

۲ہجری

سورۂ محمد۔	اس کے مضامین یہ شہادت دیتے ہیں کہ یہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب جنگ کا حکم تو دیا جاچکا تھا مگر ابھی جنگ عملاً شروع ہوئی نہ تھی۔ [۱]
سورۃ الانفال	یہ سورۂ دو ہجری میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس میں اسلام و کفر کی اس پہلی جنگ پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے ،جہاں تک سورہ کے مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے، غالباً یہ ایک ہی تقریر ہے جو بیک وقت نازل فرمائی گئی ہوگی، مگر ممکن ہے کہ اس کی بعض آیات جنگ بدر ہی سے پیدا شدہ مسائل کے متعلق بعد میں اتری ہوں اور پھر ان کو سلسلہ تقریر میں مناسب جگہوں پر درج کرکے ایک مسلسل تقریر بنا دیا گیا ہو، بہر حال کلام میں کہیں کوئی ایسا جوڑ نظر نہیں آتا جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ یہ الگ الگ دو تین خطبوں کا مجموعہ ہے۔ [۲]
سورۂ الماعون	ابن مردویہ نے عبد اللہ بن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ مکی سورۂ ہے، عطاء اور جابر کا بھی یہی قول ہے لیکن ابو حیان نے البحر المحیط میں عبد اللہ بن عباس اور قتادہ اور ضحاک کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ اس سورۂ میں منافقین جو مدینہ میں ہی پائے جاتے تھے اور جو نماز میں غفلت برتتے اور دکھاوے کے لئے نماز پڑھتے تھے، چنانچہ اس داخلی شہادت کی بنا پر یہ مدنی سورۂ ہے۔ [۳]
سورۂ الصّف	کسی معتبر روایت سے اس کا زمانہ نزول معلوم نہیں ہوسکا لیکن اس کے مضامین پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ غالباً جنگ احد کے متصل زمانے میں نازل ہوئی ہوگی کیونکہ اس کے بین السطور میں جن حالات کی طرف اشارہ محسوس ہوتا ہے وہ اسی دور میں پائے جاتے ہیں۔ [۴]

---

[۱] تفہیم القران ۵/۶

[۲] تفہیم القران ۲/۱۱۸

[۳] تفہیم القران ۶/۴۸۰

[۴] تفہیم القران

۳ہجری

سورۃ آل عمران	اس میں چار تقریریں شامل ہیں: ❁ پہلی تقرر آغاز سورۃ سے چوتھے رکوع کی ابتدائی دو آیتوں تک ہے اور غالباً جنگ بدر کے بعد قریبی زمانے ہی میں نازل ہوئی ہے۔ ❁ دوسری تقریر آیت اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اللہ نے آدم اور نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں پر ترجیح دے کر اپنی رسالت کے کام کے لئے منتخب کیا تھا۔ سے شروع ہوتی ہے اور چھٹے رکوع کے اختتام پر ختم ہوتی ہے، یہ نو ہجری میں وفد نجران کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی۔ ❁ تیسری تقریر ساتویں رکوع کے آغاز سے لے کر بارھویں رکوع کے اختتام تک چلتی ہے اور اس کا زمانہ پہلی تقریر سے متصل ہی معلوم ہوتا ہے۔ ❁ چوتھی تقریر تیرھویں رکوع سے ختم سورۃ تک جنگ احد کے بعد نازل ہوئی۔ [1]
سورۃ النساء	یہ سورۃ متعدد خطبوں پر مشتمل ہے جو غالباً تین ہجری کے اواخر سے لے کر چار ہجری کے اواخر یا پانچ ہجری کے اوائل تک مختلف اوقات میں نازل ہوئے ہیں اگرچہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ کس مقام سے کس مقام تک کی آیات ایک سلسلہ تقریر میں نازل ہوئی تھیں اور ان کا ٹھیک زمانہ نزول کیا تھا، لیکن بعض احکام اور واقعات کی طرف بعض اشارے ایسے ہیں جن کے نزول کی تاریخیں ہمیں روایات سے معلوم ہو جاتی ہیں اس لئے ان کی مدد سے ہم ان مختلف تقریروں کی ایک سرسری سی حد بندی کر سکتے ہیں جن میں یہ احکام اور یہ اشارے واقع ہوئے ہیں مثلاً ہمیں معلوم ہے کہ وراثت کی تقسیم اور یتیموں کے حقوق کے متعلق ہدایات جنگ احد کے بعد نازل ہوئی تھیں جب کہ مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہو گئے تھے اور مدینہ کی چھوٹی سی بستی میں اس حادثے کی وجہ سے بہت سے گھروں میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ شہداء کی میراث کس طرح تقسیم کی جائے اور جو یتیم بچے انہوں نے چھوڑے ہیں ان کے مفاد کا تحفظ کیسے ہو، اس بنا پر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ ابتدائی چار رکوع اور پانچویں رکوع کی پہلی تین آیتیں اسی زمانہ میں نازل ہوئی ہونگی۔ ❁ روایات میں صلوٰۃ خوف (عین حالت جنگ میں نماز پڑھنے) کا ذکر ہمیں غزوہ ذات الرقاع میں ملتا ہے جو ۴ھ میں نازل ہوا، اس لئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اسی کے لگ بھگ زمانہ میں وہ خطبہ نازل ہوا ہو گا جس میں اس نماز کی ترکیب بیان کی گئی ہے (رکوع ۱۵) ❁ مدینہ سے بنی نضیر کا اخراج ربیع الاول ۴ھ میں ہوا اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ وہ خطبہ اس سے پہلے قریبی زمانہ ہی میں نازل ہوا ہو گا جس میں یہودیوں کو آخری تنبیہ کی گئی ہے کہ ایمان لے آو قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں۔ ❁ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کی اجازت غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر دی گئی تھی جو ۵ ھ میں ہوا، اس لئے وہ خطبہ جس میں تیمم کا ذکر ہے اسی سے متصل عہد کا سمجھنا چاہئے (رکوع ۷)۔ [2]

---

[1] تفہیم القران ۱،۲۲۸

[2] تفہیم القران ۱،۳۱۶

سورۃ الطلاق	حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے صراحت فرمائی ہے اور سورۃ کے مضمون کی اندرونی شہادت بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ اس کا نزول لازماً سورہ بقرہ کی ان آیات کے بعد ہوا ہے جن میں طلاق کے احکام پہلی مرتبہ دیے گئے تھے اگرچہ یہ تعین کرنا مشکل ہے کہ اس کا ٹھیک زمانہ نزول کیا ہے لیکن بہر حال روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جب سورہ بقرہ کے احکام کو سمجھنے میں لوگ غلطیاں کرنے لگے اور عملاً بھی ان سے غلطیوں کا صدور ہونے لگا تب اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے یہ ہدایات نازل فرمائیں۔ (۱)
سورۃ الحشر۔	صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت سعید بن جبیر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سورہ حشر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ غزوہ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی تھی جس طرح سورہ انفال غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی، حضرت سعید بن جبیر کی دوسری روایت میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ یہ ہیں کہ قل سورۃ النضیر یعنی یوں کہو کہ یہ سورہ نضیر ہے، یہی بات مجاہد، قتادہ، زہری، ابن زید، یزید بن رومان، محمد بن اسحاق وغیرہ سے بھی مروی ہے ان سب کا متفقہ بیان یہ ہے کہ اس میں جن اہل کتاب کے نکالے جانے کا ذکر ہے ان سے مراد بنی نضیر ہی ہیں ، یزید بن رومان، مجاہد رحمہ اللہ اور محمد بن اسحاق کا قول یہ ہے کہ از اول تا آخر یہ پوری سورۃ اسی غزوہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ غزوہ کب واقع ہوا تھا امام زہری رحمہ اللہ نے اس کے متعلق عروہ بن زبیر کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ جنگ بدر کے چھ مہینے بعد ہوا ہے، لیکن ابن سعد، ابن ہشام اور بلاذری اسے ربیع الاول چار ہجری کا واقعہ بتاتے ہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ تمام روایات اس امر میں متفق ہیں کہ یہ غزوہ بئر معونہ کے سانحہ کے بعد پیش آیا تھا اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت ہے کہ بئر معونہ کا سانحہ جنگ احد کے بعد رونما ہوا ہے نہ کہ اس سے پہلے۔ (۲)

۵ ہجرت نبوی

سورۃ الاحزاب	شعبان پانچ ہجری کو نازل ہوئی۔
سورۃ المجادلہ	کسی روایت میں اس امر کی تصریح نہیں کی گئی ہے کہ مجادلہ کا یہ واقعہ کب پیش آیا تھا، ایک علامت اس سورہ کے مضمون میں ایسی ہے جس کی بنا پر یہ بات تعین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اس کا زمانہ غزوہ الاحزاب (شوال پانچ ہجری) کے بعد کا ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹے کے حقیقی بیٹا ہونے کی نفی کرتے ہوئے صرف یہ ارشاد فرما کر چھوڑ دیا تھا کہ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِي تُظٰهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهٰتِكُمْ اور اللہ نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنادیا ہے۔ مگر اس میں یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ ظہار کرنا کوئی گناہ یا جرم ہے اور نہ یہ بتایا گیا تھا کہ اس فعل کا شرعی حکم کیا ہے، بخلاف اس کے اس سورہ میں ظہار کا پورا قانون بیان کر دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مفصل احکام اس مجمل ہدایت کے بعد نازل ہوئے ہیں۔ (۳)

(۱) تفہیم القران ۵،۵۵۰

(۲) تفہیم القران ۵،۳۷۰

(۳) تفہیم القران ۵،۳۳۶

٦ ہجرت نبوی

سورالمنافقون	یہ سورۂ غزوہ بنی المصطلق سے رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر یا تو دوران سفر میں نازل ہوئی ہے یا رسول اللہ ﷺ کے مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد فوراً ہی اس کا نزول ہوا ہے۔ غزوہ بنی المصطلق شعبان ٦ ہجری میں واقع ہوا تھا، اس طرح اس کی تاریخ نزول ٹھیک ٹھیک متعین ہو جاتی ہے۔ [۱]

سورۃ النور	ہ امر متفق علیہ ہے کہ یہ سورۂ غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے۔ خود قرآن کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا نزول واقعہ افک کے سلسلے میں ہوا ہے (جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ دوسرے اور تیسرے رکوع میں آیا ہے) اور وہ تمام معتبر روایات کی رو سے غزوہ بنی المصطلق کے سفر میں پیش آیا تھا لیکن اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا یہ غزوہ پانچ ہجری میں غزوہ احزاب سے پہلے ہوا تھا یا چھ ہجری میں غزوہ احزاب کے بعد۔ اصل واقعہ کیا ہے اس کی تحقیق اس لئے ضروری ہے کہ پردے کے احکام قرآن مجید کی دو ہی سورتوں میں آئے ہیں ایک یہ سورۂ، دوسری سورۂ احزاب جس کا نزول بالاتفاق غزوہ احزاب کے موقع پر ہوا ہے، اب اگر غزوہ احزاب پہلے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پردے کے احکام کی ابتدا ان ہدایات سے ہوئی جو سورۂ الاحزاب میں وارد ہوئی ہیں اور تکمیل ان احکام سے ہوئی جو اس سورۂ میں آئے ہیں اور اگر غزوہ بنی المصطلق پہلے ہو تو احکام کی ترتیب الٹ جاتی ہے اور آغاز سورۂ النور سے مان کر تکمیل سورۂ الاحزاب والے احکام پر ماننی پڑتی ہے، اس طرح اس حکمت تشریع کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے جو احکام حجاب میں پائی جاتی ہے، اسی غرض کے لئے ہم آگے بڑھنے سے پہلے زمانہ نزول کی تحقیق کر لینا ضروری سمجھتے ہیں، ابن سعد کا بیان ہے کہ غزوہ بنی المصطلق شعبان پانچ ہجری میں پیش آیا اور پھر ذی القعدہ پانچ ہجری میں غزوہ احزاب (یا غزوہ خندق) واقع ہوا۔ اس کی تائید میں سب سے بڑی شہادت یہ ہے کہ واقعہ افک کے سلسلے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ اور سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے جھگڑے کا ذکر آتا ہے اور تمام معتبر روایات کی رو سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا انتقال غزوہ بنی قریظہ میں ہوا تھا جس کا زمانہ وقوع غزوہ احزاب کے متصلاً بعد ہے ، لہذا چھ ہجری میں ان کے موجود ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ دوسری طرف محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ غزوہ احزاب شوال پانچ ہجری کا واقعہ ہے اور غزوہ بنی المصطلق شعبان چھ ہجری کا۔ اس کی تائید وہ کثیر التعداد معتبر روایات کرتی ہیں جو اس سلسلہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے لوگوں سے مروی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ افک سے پہلے احکام حجاب نازل ہو چکے تھے اور وہ سورہ احزاب میں پائے جاتے ہیں ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کا نکاح ہو چکا تھا اور وہ غزوہ احزاب کے بعد ذی القعدہ پانچ ہجری کا واقعہ ہے اور سورہ احزاب میں اس کا بھی ذکر آتا ہے، علاوہ بریں ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگانے میں محض اس وجہ سے حصہ لیا تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی بہن کی سوکن تھیں اور

[۱] تفہیم القران ۵٫۵۰۸

ظاہر ہے کہ بہن کی سوکن کے خلاف اس طرح کے جذبات پیدا ہونے کے لئے سوکناپے کا رشتہ شروع ہونے کے بعد کچھ نہ کچھ مدت درکار ہوتی ہے، یہ سب شہادتیں ابن اسحاق کی روایت کو مضبوط کر دیتی ہیں، اس روایت کو قبول کرنے میں صرف یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ واقعہ افک کے زمانے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کی موجودگی کا ذکر آیا ہے مگر اس مشکل کو جو چیز رفع کر دیتی ہے وہ یہ ہے کہ اس واقعہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایات مروی ہیں ان میں سے بعض میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کا ذکر ہے اور بعض میں ان کے بجائے حضرت اسید بن حضیر کا، اور یہ دوسری روایت ان دوسرے واقعات کے ساتھ پوری طرح مطابق ہو جاتی ہے جو اس سلسلہ میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہیں ورنہ محض سعد رضی اللہ عنہ بن معاذ کے زمانہ حیات سے مطابق کرنے کی خاطر اگر غزوہ بنی المصطلق اور قصہ افک کو غزوہ احزاب و قریظہ سے پہلے کے واقعات مان لیا جائے تو اس پیچیدگی کا کوئی حل نہیں ملتا کہ پھر آیت حجاب کا نزول اور نکاح زینب رضی اللہ عنہا کا واقعہ اس سے بھی پہلے پیش آنا چاہیے، حالانکہ قرآن اور کثیر التعداد روایات صحیحہ دونوں اس پر شاہد ہیں کہ نکاح زینب رضی اللہ عنہا اور حکم حجاب احزاب و قریظہ کے بعد کے واقعات ہیں اسی بنا پر ابن حزم رحمہ اللہ اور ابن قیم رحمہ اللہ اور بعض دوسرے محققین نے محمد بن اسحاق کی روایت ہی کو صحیح قرار دیا ہے اور ہم بھی اسی کو صحیح سمجھتے ہیں۔ [1]	سورۃ النور
یہ بالاتفاق مدنی سورۃ ہے اور اس کے مضامین پر غور کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ غالباً یہ جنگ احد اور صلح حدیبیہ کے درمیان کسی زمانے میں نازل ہوئی ہے، وہی زمانہ تھا جب مدینہ کی مختصر سی اسلامی ریاست کو ہر طرف سے کفار نے اپنے نرغے میں لے رکھا تھا اور سخت بے سروسامانی کی حالت میں اہل ایمان کی مٹھی بھر جماعت پورے عرب کی طاقت کا مقابلہ کر رہی تھی، اس حالت میں اسلام کو اپنے پیروکاروں سے صرف جانی قربانی ہی درکار نہ تھی بلکہ مالی قربانی بھی درکار تھی ،اور اس سورۃ میں اسی قربانی کے لئے پرزور اپیل کی گئی ہے، اس قیاس کو آیت ۱۰ مزید تقویت پہنچاتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی جماعت کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ فتح کے بعد جو لوگ اپنے مال خرچ کریں گے اور اللہ کی راہ میں جنگ کریں گے وہ ان لوگوں کے برابر کبھی نہیں ہو سکتے جو فتح سے پہلے جان و مال کی قربانیاں دیں، اور اسی کی تائید حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ روایت کرتی ہے جسے ابن مردویہ نے نقل کیا ہے وہ آیت اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِكۡرِ اللّٰهِ کے متعلق فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے آغاز سے سترہ برس بعد اہل ایمان کو جھنجھوڑنے والی یہ آیت نازل ہوئی، اس حساب سے اس کا زمانہ نزول چار ہجری اور پانچ ہجری کے درمیان قرار پاتا ہے۔ [2]	سورۃ الحدید

[1] تفہیم القران ۳،۳۰۶

[2] تفہیم القران ۵،۲۹۸

سورۃ المائدہ	سورۂ کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے اور روایات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری کے اواخر یا سات ہجری کے اوائل میں نازل ہوئی ہے، ذی القعدہ چھ ہجری کا واقعہ ہے کہ نبی ﷺ چودہ سو صحابہ کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ تشریف لے گئے، مگر کفار قریش نے عداوت کے جوش میں عرب کی قدیم ترین مذہبی روایات کے خلاف آپ کو عمرہ نہ کرنے دیا اور بڑی روکد کے بعد یہ بات قبول کی کہ آئندہ سال آپ زیارت کے لئے آسکتے ہیں اس موقع پر ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کو ایک طرف زیارت کعبہ کے لئے سفر کے آداب بتائے جائیں تا کہ آئندہ سال عمرے کا سفر پوری اسلامی شان کے ساتھ ہو سکے اور دوسری طرف انہیں تاکید کی جائے کہ دشمن کافروں نے ان کو عمرہ سے روک کر جو زیادتی کی ہے اس کے جواب میں وہ خود کوئی ناروا زیادتی نہ کریں اس لئے کہ بہت سے کافر قبیلوں کے حج کا راستہ اسلامی مقبوضات سے گزرتا تھا اور مسلمانوں کے لئے یہ ممکن تھا کہ جس طرح انہیں زیارت کعبہ سے روکا گیا ہے اسی طرح وہ بھی ان کو روک دیں۔ یہی تقریب ہے اس تمہیدی تقریر کی جس سے اس سورۂ کا آغاز ہوا ہے۔ آگے چل کر تیرھویں رکوع میں پھر اسی مسئلہ کو چھیڑا گیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ پہلے رکوع سے چودھویں رکوع تک ایک ہی سلسلہ تقریر چل رہا ہے، اس کے علاوہ جو دوسرے مضامین اس سورۂ میں ہم کو ملتے ہیں وہ بھی سب کے سب اسی دور کے معلوم ہوتے ہیں۔ بیان کے تسلسل سے غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ یہ پوری سورۂ ایک ہی خطبہ پر مشتمل ہے جو بیک وقت نازل ہوا ہو گا، ہوسکتا ہے کہ متفرق طور پر اس کی بعض آیتیں بعد میں نازل ہوئی ہوں اور مضمون کی مناسبت سے اس کو اس سورۂ میں مختلف مقامات پر پیوست کر دیا گیا ہو، لیکن سلسلہ بیان میں کہیں کوئی خفیف سا خلا بھی محسوس نہیں ہوتا جس سے یہ قیاس کیا جا سکے کہ یہ سورۂ دو یا تین خطبوں کا مجموعہ ہے۔ [1]

۷ ہجرت نبوی

سورۃ التحریم	اس میں تحریم کے جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کے متعلق احادیث کی روایات میں دو خواتین کا ذکر آیا ہے جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے حرم میں تھیں، ایک حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دوسری حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا، ان میں سے ایک یعنی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں اور خیبر کی فتح بالاتفاق سات ہجری میں ہوئی ہے، دوسری خاتون حضرت ماریہ کو سات ہجری میں مصر کے فرمانروا مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کیا تھا اور ان کے بطن سے ذی الحجہ آٹھ ہجری میں رسول اللہ ﷺ کے فرزند حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے، ان تاریخی واقعات سے یہ بات قریب قریب متعین ہو جاتی ہے کہ اس سورہ کا نزول سات ہجری یا آٹھ ہجری کے دوران میں کسی وقت ہوا ہے۔ [2]

---

(۱) تفہیم القرآن ۱/۴۳۴

(۲) تفہیم القرآن ۶/۱۰

۸ ہجرت نبوی

سورۃ الممتحنہ	اس میں دو ایسے معاملات پر کلام فرمایا گیا ہے جن کا زمانہ تاریخی طور پر معلوم ہے، پہلا معاملہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا ہے جنہوں نے فتح مکہ سے کچھ مدت پہلے ایک خفیہ خط کے ذریعہ سے قریش کے سرداروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے کی اطلاع بھیجی تھی کہ آپ ان پر حملہ کرنے والے ہیں، اور دوسرا معاملہ ان مسلمان عورتوں کا ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے لگی تھیں اور ان کے بارے میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ شرائط صلح کی رو سے مسلمان مردوں کی طرح کیا ان عورتوں کو بھی کفار کے حوالہ کر دیا جائے؟ ان دو معاملات کے ذکر سے یہ بات قطعی طور پر متعین ہو جاتی ہے کہ یہ سورۃ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی دور میں نازل ہوئی ہے، ان کے علاوہ ایک تیسرا معاملہ بھی ہے جس کا ذکر سورۃ کے آخر میں آیا ہے اور وہ یہ کہ جب عورتیں ایمان لا کر بیعت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ ان سے کن باتوں کا عہد لیں، اس حصے کے متعلق بھی قیاس یہی ہے کہ یہ بھی فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوا ہے، کیونکہ فتح مکہ کے بعد قریش کے مردوں کی طرح ان کی عورتیں بھی بہت بڑی تعداد میں بیک وقت داخل اسلام ہونے والی تھیں اور اسی موقع پر یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ اجتماعی طور پر ان سے عہد لیا جائے۔ (۱)
سورۃ الفتح	روایات اس پر متفق ہیں کہ اس کا نزول ذی قعدہ ۶ ہجری میں اس وقت ہوا تھا جب آپ کفار مکہ سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ کرنے کے بعد مدینہ واپس تشریف لے جا رہے تھے۔ (۲)

۹ ہجرت نبوی

سورۃ الحجرات	یہ بات روایات سے بھی معلوم ہوتی ہے اور سورۃ کے مضامین بھی اس کی تائید کرتے ہیں کہ یہ سورۃ مختلف مواقع پر نازل شدہ احکام و ہدایات کا مجموعہ ہے جنہیں مضمون کی مناسبت سے یکجا کر دیا گیا ہے۔ علاوہ بریں روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر احکام مدینہ طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئے ہیں، مثلاً آیت نمبر ۴ کے متعلق مفسرین کا بیان ہے کہ یہ بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوئی تھی جن کے وفد نے ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا شروع کر دیا تھا، اور تمام کتب سیرت میں اس وفد کی آمد کا زمانہ نو ہجری بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح آیت نمبر چھ کے متعلق حدیث کی بکثرت روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق سے زکاۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ ولید بن عقبہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے ہیں۔ (۳)

---

(۱) تفہیم القرآن ۵/۴۲۰

(۲) تفہیم القرآن ۵/۳۴

(۳) تفہیم القرآن ۵/۶۸

سورۃ التوبہ	یہ سورہ تین تقریروں پر مشتمل ہے: ❁ پہلی تقریر آغاز سورہ سے پانچویں رکوع کے آخر تک چلتی ہے، اس کا زمانہ نزول ذی القعدہ نو ہجری یا اس کے لگ بھگ ہے، نبی ﷺ اس سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر کر کے مکہ روانہ کر چکے تھے کہ یہ تقریر نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے فوراً علی رضی اللہ عنہ کو ان کے پیچھے بھیجا تا کہ حج کے موقع پر تمام عرب کے نمائندہ اجتماع میں اسے سنائیں اور اس کے مطابق جو طرز عمل تجویز کیا گیا تھا اس کا اعلان کر دیں۔ ❁ دوسری تقریر رکوع چھ کی ابتدا سے رکوع نو کے اختتام تک چلتی ہے اور یہ رجب نو ہجری یا اس سے کچھ پہلے نازل ہوئی جبکہ نبی ﷺ غزوہ تبوک کی تیاری کر رہے تھے، اس میں اہل ایمان کو جہاد پر اکسایا گیا ہے اور ان لوگوں کو سختی کے ساتھ ملامت کی گئی ہے جو نفاق یا ضعف ایمان میں سستی و کاہلی کی وجہ سے راہ اللہ میں جان و مال کا زیاں برداشت کرنے سے جی چرا رہے تھے۔ ❁ تیسری تقریر رکوع دس سے شروع ہو کر سورۃ کے ساتھ ختم ہوتی ہے اور یہ غزوہ تبوک سے واپسی پر نازل ہوئی ،اس میں متعدد ٹکڑے ایسے بھی ہیں جو انہی ایام میں مختلف مواقع پر اترے اور بعد میں نبی ﷺ نے اشارہ الٰہی سے ان سب کو یکجا کر کے ایک سلسلہ تقریر میں منسلک کر دیا، مگر چونکہ وہ ایک ہی مضمون اور ایک ہی سلسلہ واقعات سے متعلق ہیں اس لئے ربط تقریر میں کہیں خلل نہیں پایا جاتا، اس میں منافقین کی حرکات پر تنبیہ، غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں پر زجر و توبیخ اور ان صادق الایمان لوگوں پر ملامت کے ساتھ معافی کا اعلان ہے جو اپنے ایمان میں سچے تو تھے مگر جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لینے سے باز رہے تھے۔ نزولی ترتیب کے لحاظ سے پہلی تقریر سب سے آخر میں آنی چاہئے لیکن مضمون کی اہمیت کے لحاظ سے وہی سب سے مقدم تھی اس لئے مصحف کی ترتیب میں نبی ﷺ نے اس کو پہلے رکھا اور بقیہ دونوں تقریروں کو موخر کر دیا۔ [1]

۱۰ ہجرت نبوی

سورۃ النصر	حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما بن عباس کا بیان ہے کہ یہ قرآن مجید کی آخری سورۃ ہے یعنی اس کے بعد کوئی مکمل سورت رسول اللہ ﷺ پر نازل نہیں ہوئی (مسلم، نسائی، طبرانی، ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے وسط میں بمقام منیٰ نازل ہوئی اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر اپنا مشہور خطبہ ارشاد فرمایا (ترمذی، بزار، بیہقی، ابن ابی شیبہ، ابو یعلیٰ، ابن مردویہ)۔ [2]

تمام محققین اپنی تحقیق کے مطابق صرف سورتوں کی ترتیب بیان کرتے ہیں مگر ان پر کچھ بحث نہیں کرتے کہ آخر یہ ترتیب کیسے تیار کی گئی

[1] تفہیم القرآن ۲٫۱۶۶

[2] تفہیم القرآن ۶٫۵۱۲

جبکہ سید ابو اعلی مودودی رحمہ اللہ ممکن حد تک سورتوں کی ترتیب بیان کرتے ہوئے بحث کرتے ہیں اس لئے ہم نے انہی کی بیان کردہ ترتیب کو اختیار کرنے کی کوشش کی ہے، اور آسان اور عام فہم ہونے کی وجہ سے ریفرنس میں انہی کا ترجمہ اختیار کیا ہے جبکہ قرآن کریم کے ترجمہ کے لئے مولانا جوناگڈھی کا ترجمہ اختیار کیا ہے۔۔

مکہ مکرمہ قبل از بعثت نبوی

توحید اور انسان کا شرک کی طرف سفر

رب کریم نے فرشتوں کے روبرو اپنے اعلان کے مطابق انسان کو عقل وشعور کا شاہکار بنا کر، بار امانت اٹھانے کی صلاحیت دے کر اشرف المخلوقات، احسن تقویم، احسن تصویر اور مکرم بندے کا خطاب دے کر خلیفہ فی الارض بنایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ... ﴿۱۶۵﴾ (۱)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ (۲)

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور تمہارے لئے سامان زیست فراہم کیا مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

تو اُسے عظیم الشان اور حسین وجمیل کائنات کی ہر چیز پر برتری عطا کر کے فرشتوں سے بھی اونچا مقام دیا گیا، فرشتوں نے اللہ کے حکم پر آدم کو سجدہ کر کے اس کی برتری تسلیم کی، خلافت کی یہ ذمہ داری کوئی معمولی ذمے داری نہیں بلکہ فرائض وواجبات کا وہ بار عظیم ہے جس کے تحمل سے پوری کائنات نے اپنے عجز کا اظہار کیا ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾ (۳)

ترجمہ: ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اُسے اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

یوں انسان کو یہ شرف بخشا گیا کہ وہ کائنات میں کسی کمتر حیثیت پر قانع ہونے کے بجائے بااختیار زندگی گزارے، وہ کائنات کا غلام بن کر نہیں بلکہ حاکم بن کر اس میں اپنا مقام پالے، اس بلند ترین منصب پر فائز رہنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم یہ سوچیں کہ ان سب مہربانیوں کے عوض ہمارے ذمے بھی کوئی فرض بنتا ہے کہ نہیں؟ اللہ تعالیٰ کو ہم سے کچھ نہیں چاہئے لیکن اس عالم ظاہر میں حکمت ودانائی یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا ہر شے کا خوف دل سے نکال دیں، خالق کی تخلیق سے خالق کو پہچانیں اور اپنے خالق کو تسلیم کریں جو کائنات کا بھی مالک ہے اور ہمارا بھی، اس کی رضا کو اپنی رضا بنا کر زندگی گزاریں، دنیا کے تمام خود ساختہ خداؤں سے منہ پھیر کر خالص اللہ کی عبادت کریں، ہماری پیشانی صرف اللہ

(۱) الانعام ۱۶۵

(۲) الاعراف ۱۰

(۳) الاحزاب ۷۲

وحدہ لاشریک کے آگے ہی جھکے، اس کے احکامات پر مکمل طور پر عمل کریں کیونکہ اگر زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکا قرب حاصل کرنا ہوگا تو آدمی کے ارادوں اور سعی کی سمت اپنے خالق کی طرف ہوگی، صرف اسی کا شکر ادا کریں جس نے بے شمار نعمتیں انسان کے لئے پیدا فرمائی ہیں، اسی کی حمد و ثنا کے گن گائیں جس نے ہمیں یہ مقام عطا کیا ہے، یہی کامیاب زندگی ہے جو دنیاوی خوف، غم و حزن سے آزاد ہو کر اپنے خالق کے پاس اطمینان سے حاضر ہوگی، اگر انسان اپنے خالق کو چھوڑ کر ان چیزوں کے آگے سر جھکائے جو اس کی خدمت کے لئے پیدا کی گئیں ہیں تو اللہ نے جو اہم ذمہ داری اسے سونپی ہے اسے پورا کرنے کے قابل نہیں ہو سکے گا، پھر یہ بھی مالک الملک کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو زمین پر بھیج کر ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا کہ وہ در در کی ٹھوکریں کھاتا پھرے، اسے صحیح یا غلط راستے کی پہچان ہی نہ ہو بلکہ وہ اس کی رشد و ہدایت اور اتمام حجت کے لئے وقتاً فوقتاً ہر بستی میں انبیاء مبعوث فرماتا اور بعض پر کتابیں بھی نازل فرماتا رہا کہ روز قیامت کوئی اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی کجروی کا کوئی عذر پیش نہ کر سکے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۹ (۱)

ترجمہ: ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے، تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۶ (۲)

ترجمہ: (اور یہ بات اللہ نے آغاز تخلیق ہی میں صاف فرمادی تھی کہ) اے بنی آدم، یاد رکھو! اگر تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایسے رسول آئیں جو تمہیں میری آیات سنا رہے ہوں، تو جو کوئی نافرمانی سے بچے گا اور اپنے رویہّ کی اصلاح کرلے گا اس کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، اور جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے اور ان کے مقابلہ میں سرکشی برتیں گے وہی اہل دوزخ ہوں گے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

وقتِ تخلیق انسان کی فطرت میں یہ بات رکھ دی گئی تھی کہ وہ اپنے خالق و مالک کی عبادت کرے گا جیسے فرمایا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝۵۶ (۳)

ترجمہ: میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

---

(۱) البقرہ ۳۹،۳۸

(۲) الاعراف ۳۶،۳۵

(۳) الزاریات ۵۶

وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِیۡ ۚ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾ (۱)

ترجمہ: اور میری ہی بندگی کرو یہ سیدھا راستہ ہے؟۔

فَإِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُحَدِّثُ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتِجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا الْآيَةَ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ اسلامی فطرت پر ہی پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی، یا مجوسی بنا لیتے ہیں جس طرح جانور صحیح سالم عضو والا بچہ جنتا ہے، کیا تم اس میں سے کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یہ آیت آخر تک تلاوت کرتے ''اللہ تعالیٰ کی فطرت وہ ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔''(۲)

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ سَرِيعٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً يَوْمَ حُنَيْنٍ، قَالَ رَوْحٌ: فَأَتَوْا حَيًّا مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ، قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، مَا مِنْ نَسَمَةٍ تُولَدُ إِلَّا عَلَى الْفِطْرَةِ حَتَّى يُعْرِبَ عَنْهَا لِسَانُهَا

اسود بن سریع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر ایک دستہ روانہ فرمایا پھر روای نے پوری حدیث ذکر کی اور کہا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جو روح بھی دنیا میں جنم لے کر آتی ہے وہ فطرت پر پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی زبان اپنا مافی الضمیر ادا کرنے لگے۔(۳)

عبادت کیا ہے، عبادت ایسے عمل کو کہتے ہیں جو دنیاوی فائدے کے لئے نہیں بلکہ کسی برتر ہستی کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لئے کیا جائے، مگر انسان رب سے کئے ہوئے وعدہ الست کو شاید سورج، چاند اور زمین کی پیدائش سے بہت پہلے جب اللہ تعالیٰ نے بیک وقت تمام انسانوں کی ارواح سے جب جنت میں ایک خاص حیثیت میں انسان کا وجود موجود تھا وہیں سے اتر کر زمین پر آیا، اس وقت سے یہ سلسلہ جاری ہے اور جو ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ بھی اس وقت عالم ارواح میں موجود ہیں اور وہیں سے اتر کر عالم ظاہر میں اترتے ہیں وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی ''الست بربکم'' کیا میں تمہارا رب نہیں اور سب نے برملا کہا ہاں تو ہی ہمارا رب ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے عالم الغیب میں ہمارے نفوس کو اپنی گواہی کا شرف عطا کیا تھا فراموش کر بیٹھا، یہ اسی اعتراف کا نتیجہ ہے کہ آج بھی نفس اپنے مالک کی یاد میں اطمینان محسوس کرتا ہے اور اللہ کو نہ ماننے کے باوجود اپنی تنہائیوں اور پریشانیوں میں کبھی نہ کبھی یا اللہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اگر وہ اپنی زبان سے نہ بھی کہے تو بھی اپنے انکار کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہوتا ہے۔

---

(۱) یٰسین ۶۱

(۲) صحیح بخاری کِتَابُ الجَنَائِزِ بَابُ إِذَا أَسْلَمَ الصَّبِيُّ فَمَاتَ، هَلْ يُصَلَّى عَلَيْهِ، وَهَلْ يُعْرَضُ عَلَى الصَّبِيِّ الإِسْلاَمُ ۱۳۵۸، صحیح مسلم کتاب الْقَدَرِ بَابُ مَعْنَى كُلِّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ وَحُكْمِ مَوْتِ أَطْفَالِ الْكُفَّارِ وَأَطْفَالِ الْمُسْلِمِينَ ۶۷۵۵

(۳) مسند احمد ۱۶۲۹۹

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ۚ
شَهِدْنَا ۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٧٢﴾ (۱)

ترجمہ: اور اے نبی ﷺ! لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب کہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں، یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٠﴾ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ڼ هٰذَا صِرَاطٌ
مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦١﴾ (۲)

ترجمہ آدم کے بچو! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور میری ہی بندگی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔

اس عہد کے بعد عالم ازل میں محمد ﷺ سے پہلے ہر پیغمبر سے اس امر کا خصوصی عہد بھی لیا گیا تھا کہ وہ اپنی امت کو اپنے بعد آنے والے نبی کی خبر کر دے اور ساتھ دینے کی ہدایت بھی کرے، اسی بنا پر ہر نبی نے اپنی امت کو بعد کے آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت کی ہے، لیکن نہ قرآن میں اور نہ حدیث میں کہیں بھی اس امر کا پتہ نہیں چلتا کہ محمد ﷺ سے کوئی ایسا عہد لیا گیا ہو، آپ ﷺ نے اپنی امت کو کسی بعد کے آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو، بلکہ قرآن مجید صراحت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین فرماتا ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿٤٠﴾ (۳)

ترجمہ: (لوگو) محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

اور بکثرت احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَق قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلاَثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي

ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک میری امت کے کئی قبائل مشرکین کے ساتھ الحاق نہیں کریں گے اور بتوں کی پوجا نہیں کریں گے، پھر فرمایا میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہوں گے ہر ایک کا یہی دعوی ہو گا کہ وہ نبی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ (۴)

(۱) الاعراف ۱۷۲

(۲) یسین ۶۰، ۶۱

(۳) الاحزاب ۴۰

(۴) جامع ترمذی أَبْوَابُ الْفِتَنِ بَابُ مَا جَاءَ لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَخْرُجَ كَذَّابُونَ ۲۲۱۹

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ
بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ
مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٨٢﴾ (١)

ترجمہ: یاد کرو، اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ آج میں نے تمہیں کتاب وحکمت ودانش سے نوازا ہے، کل اگر کوئی دوسرا رسول تمہارے پاس اسی تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی، یہ ارشاد فرما کر اللہ نے پوچھا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں ہم اقرار کرتے ہیں، اللہ نے فرمایا اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں، اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔

شروع شروع میں سب انسان ایک ہی امت رہے اور لوگوں نے علم آجانے کے بعد اختلافات کیے۔ جیسے قرآن مجید نے متعدد مقام پر فرمایا۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ
بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا
بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢١٣﴾ (٢)

ترجمہ: ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے (پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تاکہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے ان کا فیصلہ کرے، اور ان اختلافات کے رونما ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ ابتدا میں لوگوں کو حق بتایا نہیں گیا تھا، نہیں، اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا، انہوں نے روشن ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے، پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا، اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ

---

(١) آل عمران ٨١،٨٢

(٢) البقرة ٢١٣

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ ‌ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ‌ۚ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ۝۲۵۳ (۱)

ترجمہ: یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم ٹھیک ٹھیک تم کو سنا رہے ہیں اور اے محمد! تم یقیناً ان لوگوں میں سے ہو جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، یہ رسول (جو ہماری طرف سے انسانوں کی ہدایت پر مامور ہوئے) ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر مرتبے عطا کیے، ان میں کوئی ایسا تھا جس سے اللہ خود ہمکلام ہوا، کسی کو اس نے دوسری حیثیتوں سے بلند درجے دیے اور آخر میں عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور روح پاک سے اس کی مدد کی، اگر اللہ چاہتا تو ممکن نہ تھا کہ ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے وہ آپس میں لڑتے، مگر (اللہ کی مشیت یہ نہ تھی کہ وہ لوگوں کو جبراً اختلاف سے روکے، اس وجہ سے) انہوں نے باہم اختلاف کیا پھر کوئی ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی، ہاں اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ ۗ وَمَا اخۡتَلَفَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًا ۢ بَيۡنَهُمۡ ‌ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ۝۱۹ (۲)

ترجمہ: اللہ کے نزدیک دین صرف الاسلام ہے، اس دینِ اسلام سے ہٹ کر جو مختلف طریقے ان لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی، ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے سوا نہ تھی کہ انہوں نے علم آجانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا اور جو کوئی اللہ کے احکام و ہدایات کی اطاعت سے انکار کر دے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخۡتَلَفُوۡا ‌ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ فِيۡمَا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ۝۱۹ (۳)

ترجمہ: ابتداء میں سارے انسان ایک ہی امت تھے بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لیے، اور اگر تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی ایک بات طے نہ کر لی گئی ہوتی تو جس چیز میں وہ باہم اختلاف کر رہے ہیں اس کا فیصلہ کر دیا جاتا۔

وَلَقَدۡ بَوَّاۡنَا بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ وَّرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ‌ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡا حَتّٰى جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِىۡ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ۝۹۳ (۴)

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا دیا اور انہیں نہایت عمدہ وسائل زندگی انہیں عطا کیے، پھر انہوں نے باہم اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جب کہ علم ان کے پاس آچکا تھا، یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

---

(۱) البقرۃ ۲۵۳،۲۵۲

(۲) آل عمران ۱۹

(۳) یونس ۱۹

(۴) یونس ۹۳

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ
اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ
اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾ فَلِذٰلِكَ
فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ
لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ
بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾ [1]

ترجمہ: اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا، اور جسے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے، اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دے چکے ہیں، اس تاکید کے ساتھ کہ قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ، یہی بات ان مشرکین کو سخت ناگوار ہوئی ہے جس کی طرف (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا کر لیتا ہے، اور وہ اپنی طرف آنے کا راستہ اسی کو دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے، لوگوں میں جو تفرقہ رونما ہوا وہ اس کے بعد ہوا کہ ان کے پاس علم آچکا تھا، اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے، اگر تیرا رب پہلے ہی یہ نہ فرما چکا ہوتا کہ ایک وقت مقرر تک فیصلہ ملتوی رکھا جائے گا تو ان کا قضیہ چکا دیا گیا ہوتا اور حقیقت یہ ہے کہ اگلوں کے بعد جو لوگ کتاب کے وارث بنائے گئے وہ اس کی طرف سے بڑے اضطراب انگیز شک میں پڑے ہوئے ہیں، (چونکہ یہ حالت پیدا ہو چکی ہے) اس لیے اے محمد، اب تم اسی دین کی طرف دعوت دو، اور جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جاؤ اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو، اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی، ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں اللہ ایک روز ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ
رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾ [2]

ترجمہ: اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی، ان کو ہم نے عمدہ سامان زیست سے نوازا، دنیا بھر کے لوگوں پر

[1] الشوریٰ ۱۳تا۱۵

[2] الجاثیة ۱۶تا۱۸

انہیں فضیلت عطا کی اور دین کے معاملہ میں انہیں واضح ہدایات دے دیں، پھر جو اختلاف ان کے درمیان رونما ہوا وہ (ناواقفیت کی وجہ سے نہیں بلکہ) علم آجانے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے، اللہ قیامت کے روز ان معاملات کا فیصلہ فرمادے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں، اس کے بعد اب اے نبی! ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شریعت) پر قائم کیا ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

مگر وقت کے ساتھ ساتھ انسان جس کو فرشتوں سے بڑھ کر علم دیا گیا تھا اس کا یہ جذبہ فطرت خارجی اثرات سے دب گیا، اس نے کائنات میں اپنے مقام کو نہ سمجھا اور نہ ہی کائنات کے شاندار نظام کی تخلیق کے مقصد سے کلی طور پر ہم آہنگ ہوا، اس نے خالق کائنات کے ساتھ اپنے رشتے کو مضبوط تر کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے سب وعدے واقرار بھول کر اس دنیا کی رنگینیوں اور دلفریبیوں میں گم ہوگیا، اور کارخانہ قدرت کے ذرّے ذرّے سے جو توحید باری تعالیٰ کی گواہی دیتا ہے بصیرت وہدایت حاصل کرنے کے بجائے حقوق ،فائدے اور امتیازات حاصل کرنے کے لئے دین کے عقائد ،اصول اور احکام میں ردوبدل کر کے خودساختہ شریعتیں تصنیف کرنے لگا، اور توحید کا راستہ چھوڑ کر کفروشرک کی راہ اختیار کر کے بلندی کی انتہا سے پستیوں میں گرتا چلا گیا، پھر اس کی رذالت کا یہ حال ہوا کہ وہ ہر حقیر سے حقیر چیز سے ڈرنے لگا، اللہ نے جو چیزیں اس کی اطاعت اور فائدے کے لئے پیدا کی تھیں، جو اس کی خادم تھیں ان کے اندر کسی قسم کی طاقت مضرت یا منفعت دیکھ کر خود ان سے ڈرنے ،انکی تابعداری کرنے اور اپنے ہی جیسے انسانوں میں کوئی قوت دیکھ کر رب، آقا، حاکم مطلق مان کر ان کے حضور جھکنے لگا، یہاں تک کہ زندوں سے گزر کر مردوں کو بھی اپنی درخواستیں اور التجائیں پیش کرنے لگا اور بالآخر ہر چمکتے پتھر اور ہرا و نچے درخت کو اپنا معبود بنا کر وہ اپنا شرف کھو بیٹھا، کہیں انسان نے مظاہر فطرت (سورج چاند اور ستاروں کو) برتر مان کر انسانی یا انسانی وحیوانی ملی جلی شکل کے بت بنا کر ان کے ہیکل تعمیر کیے، پھر ان بتوں کو خود ہی قدرت واختیارات کے حقوق عطا کر کے مراسم عبودیت کے ذریعہ ان سے اپنے دنیاوی مقاصد میں خوشنودی حاصل کرنے کی کوششیں کرنے لگا، کہیں اس نے آگ کی جلانے کی قوت کو برتر سمجھ کر اس کی عبادت میں مگن ہوگیا، تو کہیں پانی کی قوت دیکھ کر یا بجلی کی چمک اور کڑک سے ڈر کر انہیں اپنا معبود بنالیا، اور کہیں کسی نیک آدمی کے گزر جانے کے بعد ان کی اندھی محبت وعقیدت، تعظیم میں اسی کو معبود کا درجہ دے دیا گیا، ان کی عظمت وبزرگی کے گیت گانے لگا، اللہ کی نعمتوں کو اللہ کے سوا دوسروں سے منسوب کرنے اور ہر مشکل میں اللہ کے سوا انہی سے مدد مانگنے لگا، ان کے آگے دست سوال دراز کرنے اور ان سے اپنی مدد کی التجا کرنے لگا جو نہ تو اس پکار کو سن سکتے تھے اور نہ منتیں اور مرادیں پورا کرنے کی قوت واختیار رکھتے تھے۔ جیسے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۲۰ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۲۱ [1]

ترجمہ: اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں، وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا۔

[1] النحل ۲۱،۲۰

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ﴿۳﴾ [۱]

ترجمہ: لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنالیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں، نہ مرے ہوئے کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ﴿۵۵﴾ (الفرقان ۵۵)

ترجمہ: اس خدا کو چھوڑ کر لوگ ان کو پوج رہے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، اور اوپر سے مزید یہ کہ کافر اپنے رب کے مقابلے میں ہر باغی کا مددگار بنا ہوا ہے۔

اس طرح انسان نے اپنا مرتبہ گرادیا، خود کو ذلیل کر کے خادموں کا خادم اور غلاموں کا غلام بن کر نیابت الٰہی کے منصب سے خود دست بردار ہو گیا۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [۲]

ترجمہ: (ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا) تم اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پوج رہے ہو وہ تو محض بت ہیں اور تم ایک جھوٹ گھڑ رہے ہو، درحقیقت اللہ کے سوا جن کی تم پرستش کرتے ہو وہ تمہیں کوئی رزق بھی دینے کا اختیار نہیں رکھتے، اللہ سے رزق مانگو اور اسی کی بندگی کرو اور اس کا شکر ادا کرو، اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔

شرک ہمیشہ اندھی محبت وعقیدت میں ہی ہوتا ہے، جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے یغوث، یعوق، اور نسر قوم نوح کے نیک وصالح لوگ تھے۔ [۳] اس وجہ سے لوگ ان کی پیروی کرتے تھے، ان کے وصال سے پیروکاروں کو صدمہ ہوا تو وہ ان کی قبروں پر جھک پڑے، تو ابلیس نے ان کے اعمال انہیں خوش نما بنا کر دکھائے اور ان کے دلوں میں یہ خیال ڈالا کہ وہ اپنے بزرگوں کے بت بنا کر اپنے سامنے رکھیں تا کہ ان کا شوق عبادت تیز ہو اور وہ ان کے فیوض وبرکات سے بہرہ مند ہو سکیں کہ یہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں، یوں اکثر لوگ ابلیس کے جھانسے میں آگئے پھر ابلیس نے ان کے بعد والوں کے دلوں میں بھی یہ بات پختہ کی کہ یہ بت اللہ کے دربار میں بڑے مقرب ہیں اور ان کی سفارش سے لوگوں کو عظمت و برتری ملتی ہے، چنانچہ لوگ ان بتوں کی باضابطہ عبادت کرنے لگے کہ یہ ہمیں اللہ تک پہنچادیں گے اور ہماری سفارش بھی کریں گے جیسے فرمایا۔

... وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ... ﴿۳﴾ [۴]

ترجمہ: رہے وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں (اور اپنے اس فعل کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت

[۱] الفرقان ۳

[۲] العنکبوت ۱۷

[۳] الروض الأنف ۱/۲۱۳

[۴] الزمر ۳

صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللهِ... ۱۸ (۱)

ترجمہ: یہ لوگ اللہ کے سوا ان کی پرستش کررہے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچاسکتے ہیں نہ نفع اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۴۲ (۲)

ترجمہ: (انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا ابا جان! آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بناسکتی ہیں؟

الغرض انسان کی فطرت میں اللہ کا اعتراف روز اول کا وہ عہد و پیمان ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان ہوا تھا اور یہ اسی عہد و پیمان کا احساس ہے جو انسان کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے ہے کہ ہزار انکار کے بعد بھی کسی نہ کسی رنگ میں وہ اعتراف نمایاں ہو جاتا ہے، چنانچہ صدیوں سے متمدن اور وحشی انسان نے جو بھی خود ساختہ مذاہب تخلیق کئے اس میں کسی نہ کسی طرح ایک برتر ہستی کا تصور ضرور رہا ہے، یعنی ہر مذہب کی تعلیمات کسی ایک برتر ہستی کے گرد گھومتی ہیں لہذا اس برتر ہستی کی خوشنودی حاصل کرنا صدیوں سے انسانی زندگی کا ایک اہم مقصد چلا آرہا ہے۔

انبیاء کرام کا اولین فریضہ:

خالق کو اپنی تخلیق کی بہتری منظور ہے، اس لئے اللہ نے انسانوں پر رحمت و احسان کرتے ہوئے ہر ہر بستی میں انبیاء مبعوث فرمائے تاکہ انسان ابلیس کے مکر و فریب سے نکل کر ان کے توسط سے پھر سے ہدایت کے راستے پر چل نکلیں، ان قوانین پر عمل کرنے سے اسی کا ہی فائدہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب تم سے تمہاری ماں کی نسبت ستر گناہ زیادہ محبت کرتا ہے اور اسی محبت کا ہی تقاضا ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ انسان غلط راہوں پر چل کر اپنا نقصان کر بیٹھے، پیغمبر آخر الزمان محمد ﷺ کے سوا تمام نبی ایک محدود علاقہ یا کسی مخصوص قوم کے لئے ہی آئے کسی نبی کا اس کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا کہ وہ لوگوں تک شرک کی تمام جلی اور خفی اقسام سے پاک خالص توحید کا پیغام پہنچادے اور انہیں ان کے کھلے دشمن ابلیس سے چوکنا و خبردار کردے، اس وقت کی اقوام کو بھی یقیناً سیاسی، معاشرتی، معاشی، تمدنی اور دیگر مسائل درپیش ہوں گے مگر تمام رسولوں نے اپنی قوموں کے تمام مسائل کو بالائے طاق رکھ کر صرف توحید کا بنیادی نکتہ جو تمام مسائل کے حل کی کنجی تھا ان کے سامنے پیش کیا اور اسی پر ہی سارا زور صرف کیا، چنانچہ ہر پیغمبر علیہ السلام نے یہی فرمایا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۲۵ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۲۶ (۳)

---

(۱) یونس ۱۸

(۲) مریم ۴۲

(۳) ہود ۲۶،۲۵

ترجمہ:(اور ایسے ہی حالات تھے جب) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا (اس نے کہا) میں تم لوگوں کو صاف صاف خبر دار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک روز دردناک عذاب آئے گا۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ① قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ
مُّبِينٌ ② أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ③ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ
ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ④ (1)

ترجمہ: ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے قبل اس کے کہ ان پر ایک دردناک عذاب آئے، اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لیے ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا (پیغمبر) ہوں (تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک باقی رکھے گا حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا کاش تمہیں اس کا علم ہو۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝٥٠ (2)

ترجمہ: اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا اس نے کہا کہ اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو تمہارا کوئی خدا اس کے سوا نہیں ہے تم نے محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ ٱلْأَرْضِ
وَٱسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَٱسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّى قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝٦١ (3)

ترجمہ: اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہی ہے جس نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور یہاں تم کو بسایا ہے لہٰذا تم اس سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ، یقیناً میرا رب قریب ہے اور وہ دعاؤں کا جواب دینے والا ہے۔

وَإِبْرَٰهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ ۖ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝١٦ (4)

ترجمہ: اور ابراہیم (علیہ السلام) کو بھیجا جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝١٦٠ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝١٦١ إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝١٦٢ فَٱتَّقُوا۟

(1) نوح ۱تا۴

(2) ھود ۵۰

(3) ھود ۶۱

(4) العنکبوت ۱۶

اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ (۱)

ترجمہ: لوط (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا یاد کرو جبکہ ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ... ﴿۸۵﴾ (۲)

ترجمہ: اور مدین والوں کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ۙ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَارْجُوا الْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۳۶﴾ (۳)

ترجمہ: اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب (علیہ السلام) کو بھیجا اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اور روز آخر کے امیدوار رہو اور زمین میں مفسد بن کر زیادتیاں نہ کرتے پھرو۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰۤی اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ (۴)

ترجمہ: انہیں اس وقت کا قصہ سناؤ جب کہ تمہارے رب نے موسیٰ (علیہ السلام) کو پکارا ظالم قوم کے پاس جا فرعون کی قوم کے پاس کیا وہ نہیں ڈرتے؟۔

ہر پیغمبر نے اپنی اپنی قوم کو ان کی ہر طرح کی مخالفتوں کے باوجود اپنی انتھک کوششوں سے قوموں کو اللہ سے کیا ہوا وعدہ یاد دلایا اور اللہ کے نازل کردہ قوانین کو سیدھے اور صاف لفظوں میں سمجھا کر ان کی پیروی کی ہدایت کی اور کفر و شرک سے روکا، انہوں نے اپنی اپنی قوموں سے واضع طور پر اللہ وحدہ لاشریک کا خوبصورت طور پر تعارف کراتے ہوئے انہیں بتایا کہ یہ وسیع کائنات جو حیران کن حد سے زیادہ منظم بامقصد اور متحرک ہے، جس میں ذرا بھی کجی نظر نہیں آتی خود بخود یا کسی حادثہ کے نتیجے میں وجود میں نہیں آئی اور نہ ہی کئی خالقوں نے مل کر اسے وجود بخشا ہے، اگر ایسا ہوتا تو یہ کائنات کب کی تباہ ہو چکی ہوتی، کائنات کا یہ مربوط نظام صرف ایک ذی شعور اور صاحب اختیار ہستی کا قائم کیا ہوا ہے اور وہی ہستی اس کو منظم طور پر چلا بھی رہی ہے۔

لَوْ کَانَ فِیْہِمَاۤ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ (۵)

ترجمہ: اگر آسمان و زمین میں ایک اللہ کے سوا دوسرے الٰہ بھی ہوتے تو (زمین اور آسمان) دونوں کا نظام بگڑ جاتا پس پاک ہے اللہ رب العرش

(۱) الشعراء ۱۶۰ تا ۱۶۳

(۲) الاعراف ۸۵

(۳) العنکبوت ۳۶

(۴) الشعراء ۱۰، ۱۱

(۵) الانبیاء ۲۲

ن باتوں سے جو یہ لوگ بنا رہے ہیں۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ (۱)

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے الٰہ بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ مالک عرش کے مقام پر پہنچنے کی ضرور کوشش کرتے، پاک ہے وہ اور بہت بالا و برتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں، اس کی پاکی تو ساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان و زمین میں ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے۔

صرف اللہ ہی اقتدار اعلیٰ کا مالک ہے۔

۔۔۔اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔۔۔ ﴿۴۰﴾ (۲)

ترجمہ: فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔

تمام قوتیں اور اختیارات اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں، اس قادر مطلق ہستی کے ماتحت بے شمار دوسری ہستیاں ہیں جو اس کائنات کی تدبیر میں اس کے احکام کو نافذ کر رہی ہیں، وہ عالم الغیب ہے اور ماضی، حال اور مستقبل کا ٹھیک ٹھیک علم رکھتا ہے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾ (۳)

ترجمہ: کیا یہ لوگ جانتے نہیں ہیں کہ اللہ کو ان کے مخفی راز اور ان کی پوشیدہ سرگوشیاں تک معلوم ہیں اور وہ تمام غیب کی باتوں سے پوری طرح باخبر ہے؟۔

وہ سمیع و بصیر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۶۱﴾ (۴)

ترجمہ: یہ اس لیے کہ رات سے دن اور دن سے رات نکالنے والا اللہ ہی ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾ (۵)

---

(۱) بنی اسرائیل ۴۲تا۴۴

(۲) یوسف ۴۰

(۳) التوبۃ ۷۸

(۴) الحج ۶۱

(۵) لقمان ۲۸

ترجمہ: تم سارے انسانوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ جلا اٹھانا تو (اس کے لیے) بس ایسا ہے جیسے ایک متنفس کو (پیدا کرنا اور جلا اٹھانا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ① [۱]

ترجمہ: اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا ہے، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

تمہارے اور اس کے بیچ میں کوئی آڑ حائل نہیں، کوئی مغالطہ نہیں جس کا وہ شکار ہو، وہ تمہارے دلوں کے بھید اور نیتوں کے ہر گوشے سے واقف ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ㊳ [۲]

ترجمہ: بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے، وہ تو سینوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔

يَعْلَمُ خَاۗىِٕنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ⑲ [۳]

ترجمہ: اللہ نگاہوں کی چوری تک سے واقف ہے اور راز تک جانتا ہے جو سینوں نے چھپا رکھے ہیں۔

وہ تمہاری روزمرہ انفرادی، اجتماعی، قومی، بین الاقوامی، معاشی، سیاسی، معاشرتی، قانونی زندگی کے ایک ایک معاملے میں گہرا اور قریبی واسطہ رکھتا ہے، اس لئے وہ تمہاری ضرورتوں کو جانتا اور انہیں پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے کیونکہ نہ تو اس پر ضعف ونقاہت کا غلبہ ہوتا ہے اور نہ ہی کام کا بوجھ دوسروں پر بانٹنے کی کوئی مجبوری درپیش ہوتی ہے اور نہ ہی اپنی ذمہ داریوں میں کسی دوسرے کے مشورے یا تعاون کا محتاج ہوتا ہے، یہ رب صرف صاحب قوت ہی نہیں کہ قہار وجبار بن کر اپنے تخت پر براجمان ہو بلکہ وہ اس کے برعکس اپنے بندوں کے سروں پر دست شفقت بھی پھیرتا ہے، وہ اپنے بندوں کا رفیق، دم ساز اور ولی وکارساز ہے، ایسا رفیق جو ہر برے اور بھلے لمحے کا ساتھی ہے جو بندوں کے برے حالات میں مرہم تسکین لئے موجود ہوتا ہے اور اپنے قصر رحمت کے دروازے کھلے رکھتا ہے کہ ایسے ناگفتہ بہ حالات کی آندھیوں میں مجھے پکارو میں تمہاری فریادیں التجائیں سنتا ہوں اور ان پر مناسب کاروائی بھی کرتا ہوں۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ... ۭ ⓺⓪ [۴]

ترجمہ: تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

رسولوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے برملا کہا لوگو! میں اللہ کی مخلوقات میں کوئی نرالی مخلوق نہیں بلکہ تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں اور تمہارے

---

[۱] المجادلة۱

[۲] فاطر ۳۸

[۳] المومن۱۹

[۴] المومن۶۰

ہی قوم و قبیلہ سے تعلق رکھتا ہوں۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ
نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ⁽¹⁾

ترجمہ: ان کے رسولوں نے ان سے کہا واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان، لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ تمہیں کوئی سَنَد لادیں سَنَد تو اللہ ہی کے اذن سے آسکتی ہے اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا
يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ⁽²⁾

ترجمہ: اے نبی ﷺ! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میرے طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

میں بھی تمہاری طرح جذبات، احساسات اور خواہشات رکھتا ہوں، رب العالمین، مالک ارض و سماوات نے مجھے اپنی رحمت سے منتخب فرما کر تمہاری طرف اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں ابلیس کی بظاہر خوبصورت مگر جہنم کی طرف لے جانے والی راہ سے بچا کر اس راہ کی طرف لے جاؤں جس میں اللہ کی رضا و خوشنودی اور رحمت و نعمتیں ہیں، میں اللہ کی الوہیت یا اختیارات میں شامل یا حصہ دار نہیں اور نہ ہی مجھ میں خدائی کی کوئی صفات ہیں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر اللہ کی طرف سے نازل کی جاتی ہے، اس لئے اللہ کے حکم کے مطابق میری اطاعت کرو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ... ﴿۶۴﴾ ⁽³⁾

ترجمہ: (انہیں بتاؤ کہ) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لئے بھیجا ہے کہ اذن خداوندی کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔

انبیاء نے اپنی اپنی قوموں کو برملا اور بار بار باور کرایا کہ یاد رکھو میری دعوت بے لوث ہے مجھے تم سے زمین کا کوئی ٹکڑا، مال و زر یا مقام و مرتبہ نہیں چاہئے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۱۰﴾
⁽⁴⁾

⁽¹⁾ ابراہیم ۱۱

⁽²⁾ الکہف ۱۱۰

⁽³⁾ النساء ۶۴

⁽⁴⁾ الشعراء ۱۰۵ تا ۱۱۰

ترجمہ:قوم نوح (علیہ السلام) نے رسولوں کو جھٹلایا، یاد کرو جبکہ ان کے بھائی نوح (علیہ السلام) نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں ہو؟میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو،میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے،پس تم اللہ سے ڈرو اور (بے کھٹکے) میری اطاعت کرو۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ (۱)

ترجمہ:یاد کرو جبکہ ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں؟میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو،میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ (۲)

ترجمہ:اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا اس نے کہا اے برادران قوم!اللہ کی بندگی کرو،تمہارا کوئی الٰہ اس کے سوا نہیں ہے تم نے محض جھوٹ گھڑ رکھے ہیں،اے برادران قوم!اس کام پر میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا میرا اجر تو اس کے ذمّہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے،کیا تم عقل سے ذرا کام نہیں لیتے؟۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۴۲﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۴۴﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴۵﴾ (۳)

ترجمہ:یاد کرو جبکہ ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے ان سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۴﴾ (۴)

ترجمہ:لوط (علیہ السلام) کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا یاد کرو جبکہ ان کے بھائی لوط (علیہ السلام) نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں؟میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو،میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

---

(۱) الشعراء ۱۲۴ تا ۱۲۷

(۲) ہود ۵۱،۵۰

(۳) الشعراء ۱۴۲ تا ۱۴۵

(۴) الشعراء ۱۶۰ تا ۱۶۴

كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡــَٔيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ‌ۚ ﴿۱۷۹﴾ وَمَاۤ اَسۡـئَـلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ ﴿۱۸۰﴾ (۱)

ترجمہ:اصحاب الایکہ نے رسولوں کو جھٹلایا، یاد کرو جبکہ شعیب (علیہ السلام) نے ان سے کہا تھا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تمہارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

میں تمہیں اپنی طرف سے کوئی حکم نہیں دیتا اور نہ ہی میرا کوئی ادنیٰ اقدام بھی منشاء الٰہی سے ہٹا ہوا ہے، اللہ نے مجھے سیدھے راستے کی بصیرت عطا فرمائی ہے میں تمہاری منزل کو بالکل واضح طور پر جانتا ہوں، جس میں ہمیشہ کی عزت و آرام اور رب کی خوشنودی ہے اس لئے اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے میری پیروی کرو اور ابلیس کے ساتھی بن کر دربدر بھٹکتے نہ پھرو۔

اِذۡ قَالَ لِاَبِيۡهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعۡبُدُ مَا لَا يَسۡمَعُ وَلَا يُبۡصِرُ وَلَا يُغۡنِىۡ عَنۡكَ شَيۡـًٔـا‏ ﴿۴۲﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّىۡ قَدۡ جَآءَنِىۡ مِنَ الۡعِلۡمِ مَا لَمۡ يَاۡتِكَ فَاتَّبِعۡنِىۡۤ اَهۡدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا‏ ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعۡبُدِ الشَّيۡطٰنَ‌ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ عَصِيًّا‏ ﴿۴۴﴾ (۲)

ترجمہ:(انہیں ذرا اس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اس نے اپنے باپ سے کہا ابا جان! آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ ابا جان! میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے۔

میں اللہ کی طرف سے ایک قانون لے کر آیا ہوں اسے تسلیم کرو اور اپنے بنائے ہوئے تمام سیاسی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی طریق زندگی کو چھوڑ کر صرف رب کے فرامین کی پیروی کرو، اگر تم میری دعوت قبول کرتے ہو تو پورے کے پورے دین میں داخل ہو جاو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ کَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ؕ اِنَّهٗ لَـکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ‏ ﴿۲۰۸﴾ (۳)

ترجمہ:اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آ جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ایسا نہیں ہوسکتا کہ دین کے کچھ حصہ کو جو تمہاری من مرضی کے مطابق ہو مانو اور کچھ حصے کو جسے تم پسند نہ کرو انکار کر دو اس معاملے میں مصالحت کا قطعاً کوئی امکان نہیں، دین میں مکمل طور پر داخل ہونے میں ہی تمہاری دنیاوی سربلندی اور اخروی نجات ہے، راندہ درگاہ ابلیس کے دھوکا سے نکل آؤ اور باطل معبودوں سے تائب ہو کر اپنے رب حقیقی کی طرف پلٹ آؤ اور اپنے گناہوں کی بخشش و مغفرت چاہو، وہ رب معاف کر دینے کو پسند کرتا ہے وہ تمہیں معاف کر دے گا،

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ‌ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ (۴)

---

(۱) الشعراء۱۷۶تا۱۸۰

(۲) مریم۴۲تا۴۴

(۳) البقرۃ۲۰۸

(۴) النصر۳

ترجمہ:اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

قَالَتْ عَائِشَةُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، أَرَأَيْتَ إِنْ وَافَقْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، مَا أَقُولُ؟ قَالَ: تَقُولِينَ: اللَّهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ، فَاعْفُ عَنِّي

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو میں کیا مانگوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم یہ دعا مانگنا اے میرے رب! تو بخشنے والا ہے بخش دینے کو پسند فرماتا ہے پس میرے گناہوں کو بخش دے۔ (۱)

تم کوئی غیر ذمہ دار اور غیر مسئوول ہستی نہیں ہو کہ خود کو غیر ذمہ دار اور غیر جواب دہ سمجھ کر جبر و قہر کا دیوتا، ظلم و جور اور شر و فساد کا مجسمہ بن جاو بلکہ اپنے تمام اختیاری اعمال کے لئے اپنے خالق کے سامنے جواب دہ ہو۔

...السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿٣٦﴾ (۲)

ترجمہ:یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہونی ہے۔

روز قیامت کوئی شخص تمہاری غلطیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ ادا نہیں کرے گا۔

فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴿١٠﴾ (۳)

ترجمہ:اس وقت انسان کے پاس نہ خود اپنا کوئی زور ہو گا اور نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا ہو گا۔

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ﴿٣٣﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ (۴)

ترجمہ:آخر کار جب وہ کان بہرے کر دینے والی آواز بلند ہو گی، اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا، ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آپڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہو گا۔

يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿٨﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿٩﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾ (۵)

---

(۱) مسند احمد ۲۵۳۸۴،سنن ابن ماجہ كِتَابُ الدُّعَاءِ بَابُ الدُّعَاءِ بِالْعَفْوِ وَالْعَافِيَةِ ۳۸۵۰،جامع ترمذی أَبْوَابُ الدَّعَوَاتِ باب ۳۵۱۳

(۲) بنی اسرائیل ۳۶

(۳) الطارق۱۰

(۴) عبس ۳۳تا ۳۷

(۵) معارج۸تا۱۴

ترجمہ: (وہ عذاب اس روز ہوگا) جس روز آسمان پگھلی ہوئی چاندی کی طرح ہوجائے گا اور پہاڑ رنگ برنگ کے دھنکے ہوئے اون جیسے ہوجائیں گے، اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے، مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا، اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دے دے اور یہ تدبیر اسے نجات دلادے۔

کائنات کا یہ وسیع نظام ایک خالق کا ایک تخلیقی امر ہے، یہ ازلی، ابدی، دائمی نہیں، جیسے اس بامقصد وسیع اور حسین وجمیل کائنات کا آغاز اللہ تعالیٰ کی پر از حکمت و دانش کے تحت قدرت کے لفظ کن سے ایک سیکنڈ کے کھربوں کھربوں کھربوں کھربوں حصے میں رونما ہوا تھا اور تمام قوانین کا ظہور ہوگیا تھا، اس کے چھوٹے سے چھوٹے زرہ کے اصول اور پروگرام طے کردیئے گئے تھے، اس لئے کائنات کا زرہ زرہ خواہ وہ مادی ہو یا غیر مادی اس کا ایک شعوری وجود ہے، اس لئے پتھر ہوں یا مٹی کے ذرات ہوں، سورج، چاند، کہکشاں ہوں یا بجلی کی گرج چمک ہو یا زمین وآسمان جیسے بڑے بڑے اجسام ہوں، نباتات یا جمادات ہوں حیوانات یا درندے ہوں بلا کسی استثناء کے اللہ کے قانون سے آگاہ ہیں، اس کا فہم و ادراک رکھتے ہیں اور ان کی اتباع کرتے ہیں، کائنات کی ہر شئے اپنے خالق کو پہچانتی، اس سے خوف کھاتی اور اپنے اپنے طریقہ سے اس کی تسبیح وتحسین میں رطب اللسان ہے، اور اپنے اپنے طریقہ سے اس کی تحمید وتقدیس میں مشغول ہو کر اس حقیقت پر گواہی دے رہی ہے کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے اور جو ان کی پروردگاری ونگہبانی کر رہا ہے، اس کی ذات ہر عیب، نقص اور کمزوری سے منزہ ہے اور وہ اس سے بالکل پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک وسہیم ہو، اس لئے وہ اپنے خالق کی اطاعت میں جھکتا، اپنے مالک کا حکم بجالاتا اور رب العالمین کے حضور سر تسلیم خم کرتا ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ [۱]

ترجمہ: وہ تو اللہ ہی ہے جس کو زمین وآسمان کی ہر چیز طوعاً وکرہاً سجدہ کر رہی ہے، اور سب چیزوں کے سائے صبح وشام اس کے آگے جھکتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۱۸﴾ [۲]

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سربسجود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں؟ سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہوچکے ہیں، اور جسے اللہ ذلیل وخوار کردے اسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں ہے، اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

[۱] الرعد ۱۵

[۲] الحج ۱۸

تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ (١)

ترجمہ:اس کی پاکی توساتوں آسمان اور زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، مگر تم ان کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے۔

ویسے ہی اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت سے کبھی نہ کبھی ایک عظیم دھماکے کے ساتھ یہ کارخانہ عالم کلی طور پر نیست ونابود ہو جائے گا، کوئی سورج ،چاند، کوئی کہکشاں کوئی دنیا باقی نہ رہے گی، سب کچھ بھسم ہو جائے گا،اس میں بسنے والی تمام مخلوقات ختم ہو جائیں گی اور زمین ایک چٹیل بے آب وگیاہ میدان بن کر رہ جائے گی (قیامت کبریٰ) یہ خالق کائنات کا قانون ہے کہ کسی بھی چیز کو بقائے دوام حاصل نہیں۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ (٢)

ترجمہ:ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے،اور صرف تیرے رب جلیل وکریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

...وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ○ (٣)

ترجمہ:ہر معاملہ کو آخر کار ایک انجام پر پہنچ کر رہنا ہے۔

ہر چیز کی تقدیر کا پہلے سے فیصلہ کرلیا گیا ہے اور اس کی تخلیق محدود مدت کے لئے ہے، ہر چیز جس کا آغاز ہوا ہے اس کا خاتمہ بھی ہو گا،جو پیدا ہوا ہے اسے مرنا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ... ﴿۱۸۵﴾ (٤)

ترجمہ:آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے۔

اور جو کچھ دنیا میں حاصل ہے اسے طوعاً وکرہاً چھوڑ کر جانا ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ (٥)

ترجمہ:ہم نے زمین اور آسمانوں کو ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق،اور ایک مدت خاص کے تعین کے ساتھ پیدا کیا ہے مگر یہ کافر لوگ اس حقیقت سے منہ موڑے ہوئے ہیں جس سے ان کو خبردار کیا گیا ہے۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ (٦)

ترجمہ:ہر خبر کے ظہور میں آنے کا ایک وقت مقرر ہے عنقریب تم کو خود انجام معلوم ہو جائے گا۔

(١) بنی اسرائیل ۴۴

(٢) الرحمن ۲۶،۲۷

(٣) القمر ۳

(٤) آل عمران ۱۸۵

(٥) الاحقاف ۳

(٦) الانعام ۶۷

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾ (۱)

ترجمہ: کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدت مقرر ہی کے لئے پیدا کیا ہے، مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔

عالم ظاہر کی ہر چیز زمین و آسمان، سورج، چاند و ستارے، بے شمار کہکشائیں نیست و نابود ہو جائیں گی اور صرف اور صرف خالق کائنات جو قادر مطلق، حاکم اعلیٰ، بے نیاز، الحی القیوم ہے، جس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

۔۔۔وَسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا۔۔۔ ﴿۸۰﴾ (۲)

ترجمہ: میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔

۔۔۔وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ۔۔۔ ﴿۸۹﴾ (۳)

ترجمہ: ہمارے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

وَّ اَنَّ اللّٰہَ قَدۡ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾ (۴)

ترجمہ: اور یہ کہ اللہ کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔

جس کی رحمت سب پر وسیع ہے، جس کی طاقت سب پر غالب ہے، جس کی حکمت میں کوئی نقص نہیں، جس کے عدل میں ظلم کا شائبہ تک نہیں، جو زندگی بخشنے اور وسائل حیات مہیا کرنے والا ہے، جو نفع و ضرر کی ساری قوتوں کا مالک ہے، جس کی بخشش اور نگہبانی کے سب محتاج ہیں، جس کی طرف تمام مخلوقات کی بازگشت ہے، جو سب کا حساب لینے والا اور جس کو جزا و سزا کا اختیار ہے، اس کی ذات بابرکت ہے، جو عظمت والا اور بزرگی والا ہے، جس کی کائنات کے ذرہ ذرہ پر فرمانروائی ہے باقی رہے گی۔

کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ ﴿ۚۖ۲۶﴾ وَّ یَبۡقٰی وَجۡہُ رَبِّکَ ذُو الۡجَلٰلِ وَ الۡاِکۡرَامِ ﴿ۚ۲۷﴾ (۵)

ترجمہ: ہر چیز جو اس زمین پر ہے فنا ہو جانے والی ہے، اور صرف تیرے رب کی جلیل و کریم ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔

وَ لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ ؕ لَہُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۸﴾ (۶)

ترجمہ: اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات

(۱) الروم ۸

(۲) الانعام ۸۰

(۳) الاعراف ۸۹

(۴) الطلاق ۱۲

(۵) الرحمٰن ۲۶،۲۷

(۶) القصص ۸۸

کے،فرمانروائی اسی کی ہے اور اسی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو۔

رسولوں نے اپنی قوموں کو تباہ شدہ قوموں کی مثالوں سے سمجھایا کہ قوموں کی تقدیر کا تعلق ان کی روحانی واخلاقی اقدار پر منحصر ہے، جو قلب اور ضمیر کی نشوونماء کے لئے لازمی غذا ہیں، اعلیٰ روحانی و اخلاقی قدریں قوموں کے لئے ڈھال کا کام کرتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بار بار انسان کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنے اخلاق ٹھیک رکھیں تا کہ وہ اس دنیا میں بھی عذاب اور ابتلاؤں سے بچتے رہیں اور آخرت میں بھی سرخرو ہوں، جب تک قومیں قانون قدرت کے سلسلہ میں فکرمند رہیں وہ باعزت، امن اور خوش حالی میں رہ کر کامیاب زندگی گزارتی رہیں لیکن جب وہ اللہ تعالیٰ کے قانون سے بے خوف ہو کر بغاوت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے بجائے دنیاوی ذرائع پر انحصار کرتی ہیں، ظلم ،غلط کاریوں ، بداعمالیوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتی ہیں، اخلاقی پستیوں کی حدیں پھلانگ جاتی ہیں، ان کے دل خوف خدا سے پگھلنے کے بجائے مزید سخت ہوجاتے ہیں، جب وہ برائی کو برائی سمجھنے سے قاصر ہوجاتی ہیں، اخلاق وایمان کو کمزوری کی علامت کہتی ہیں تو ان پر تباہی وآفت ناگہانی مقرر ہوجاتی ہے جو تیزی کے ساتھ وارد ہوتی ہے ، مگر اللہ جو غفور و رحیم ہے اس کے بعد بھی ان کو سدھرنے کے مواقع مہیا کرتا ہے اور ڈھیل دے کر تنبیہ کے طور پر جلدی جلدی اندرونی و بیرونی چھوٹے چھوٹے عذاب (بڑے پیمانے پر متعدی بیماریوں وغیرہ کا پھیلاو، اندرونی قومی انتشار اور خودغرضی و باہمی فساد، دیگر اقوام کا غلبہ، غربت اور معاشرہ میں افرتفری، بدظنی اور بدامنی، بڑے پیمانے پر قتل عام جس میں قاتل کو مقتول کا علم نہیں ہو گا اور مقتول نہیں جانتا ہو گا کہ اسے کیوں قتل کر دیا گیا ہے، حادثات، زلزلے، آتش فشانی، آندھیاں، طوفان، طغیانیاں، بے وقت بارشیں، آسمانوں پر سے شہاب کا گرنا اور کئی دیگر ناگہانی تباہیاں شامل ہیں) بھیجتا ہے، تا کہ وہ غور وفکر کریں اور اپنے رب کی طرف پلٹ آئیں، ان کی طرف اپنے نیک وصالح بندے بھیجتا ہے جو انہیں مروجہ برائیوں کے خلاف تنبیہ کرتے ہیں، پھر ان لوگوں کو خوش حالی دے کر آزماتا ہے کہ شاید وہ شکر کریں اور اپنے رب کی طرف رجوع کرلیں، یوں اللہ تعالیٰ کبھی سزا اور کبھی نعمت دے کر بار بار سدھرنے کا موقع دیتا ہے، جب وہ اچھائی سے خالی ہوجاتے ہیں اور متواتر جب وہ ثابت کر دیتے ہیں کہ اب وہ ہدایت پر آنے کے قابل نہیں رہے تو اللہ تعالیٰ انکی برائیوں پر حرف آخر ثبت فرما دیتا ہے، توبہ کی مہلت ختم ہوجاتی ہے پھر بڑے عذاب کا کوڑا برس پڑتا ہے، اور وہ ذلیل وخوار ہو کر صفحہ ہستی سے مٹا دیئے جاتے ہیں، جیسے چار مختلف طریقوں سے قوم نوح، قوم عاد وثمود، قوم فرعون پر عذاب آئے اور انہیں نشان عبرت بنا دیا گیا اور پھر اللہ اس خلا کو پر کرنے کے لئے ان سے بہتر لوگوں کا آگے لاتا ہے۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٤٠﴾ [1]

ترجمہ: آخر کار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ میں پکڑا، پھر ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا، اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو غرق کر دیا، اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

---

[1] العنکبوت ۴۰

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾ (۱)

ترجمہ: اور ہر قوم کے لئے مہلت کی ایک مدت مقرر ہے، پھر جب کسی قوم کی مدت آن پوری ہوتی ہے تو ایک گھڑی بھر کی تاخیر و تقدیم بھی نہیں ہوتی۔

رسولوں نے قوموں کو زندگی کی گنی چنی سانسوں کی بے ثباتی کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ مقررہ چند روزہ زندگی کے بعد تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا اور تم اس دنیا سے رخصت ہو کر عالم برزخ یا عالم قبور میں داخل ہو جاوگے، اور موت کے ساتھ ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے،

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ

عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ مومن بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک کہ موت کی خرخراہٹ شروع نہ ہو۔ (۲)

موت کے بعد انسان کے اعمال کے مطابق بعض خوش قسمت لوگوں کے چہرے تازہ اور روشن اور بعض کی شکل خراب ہو جاتی ہے، جس سے آخرت کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾ (۳)

ترجمہ: جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے، اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی۔

موت بھی زندگی کی طرح اللہ کی ایک تخلیق ہے، جیسے پیدائش اس عالم میں داخل ہونے کا تخلیقی امر تھا بالکل ایسے ہی موت کسی دوسرے عالم میں داخل ہونے کا تخلیقی امر ہے، یہ بھی ایک حقیقت ہے اور وہ بھی ایک حقیقت ہے، موت بذات خود فنا کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کی ہی ایک شکل ہے جو اس دنیا کی امتحانی زندگی اور عالم برزخ کی روحانی دنیا کے درمیان ایک دروازہ کی مانند ہے جو صرف اندر کی طرف کھلتا ہے جو ایک مرتبہ گزر گیا وہ کبھی واپس نہیں آسکتا، اس دروازہ کے پار اعمال کے بجائے نتائج کا عالم ہے، وہ محسوسات کی دنیا ہے، جس میں تنہائی ہی تنہائی ہے، کچھ قبروں میں جنت کے حالات ہیں اور کچھ میں دوزخ کے، مرنے والے وہاں اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا کے احساس میں رہتے ہیں، اگر زمینی حرص و ہوس، حسرتوں اور گناہوں کے بوجھ سے پاک ہوگے تو قبروں میں بے انتہا کشادگی پاؤ گے اور اللہ کی جنتوں کی سیر کرو گے ورنہ تمہاری قبریں تم پر تنگ ہو جائیں گی، تمہارے لئے جیل خانہ بن جائیں گی، تمہاری حریص زندگی مختلف قسم کے خواب بن کر تمہارے نفسوں کو ہر وقت عذاب میں مبتلا رکھیں گے،

أَنَّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا مَاتَ عُرِضَ

(۱) الاعراف ۳۴

(۲) سنن ابن ماجہ كِتَابُ الزُّهْدِ بَابُ ذِكْرِ التَّوْبَةِ ۴۲۵۳، مسند احمد ۶۱۶۰

(۳) الملک ۲

عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالعَشِيِّ إِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ فَمِنْ أَهْلِ الجَنَّةِ وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَمِنْ أَهْلِ النَّارِفَيُقَالُ: هَذَا مَقْعَدُكَ حَتَّى يَبْعَثَكَ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا ٹھکانا اسے صبح وشام دکھایا جاتا ہے (جہاں حساب کتاب کے بعد اس کا ٹھکانا ہوگا) اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں میں اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ والوں میں (ٹھکانا ہوتا ہے) پھر اسے کہاجاتا ہے یہ ہے تیرا ٹھکانا یہاں تک کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے گا۔ [1]

جیسے فرعون کو صبح وشام دوزخ کی آگ دکھائی جاتی ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ [2]

ترجمہ: آخر کار ان لوگوں نے جو بری سے بری چالیں اس مومن کے خلاف چلیں اللہ نے ان سب سے اس کو بچالیا اور فرعون کے ساتھی بدترین عذاب کے پھیر میں آگئے، دوزخ کی آگ ہے جس کے سامنے صبح وشام وہ پیش کیے جاتے ہیں، اور جب قیامت کی گھڑی آجائے گی تو حکم ہوگا کہ آل فرعون کو شدید تر عذاب میں داخل کرو۔

انسان کی زمینی موت کا مطلب ہمیشہ کے لئے خاتمہ نہیں بلکہ ایک بہت طویل مدت کی نیند کا نام ہے، کیونکہ صرف جسم کو ہی موت آتی ہے جو صرف عالم ظاہر سے رابطہ کا ایک ذریعہ ہے جبکہ نفس یا روح ہمیشہ قائم رہتی ہے اس لئے زمینی موت تو ایک بہت بڑی نئی دنیا کے آغاز کا پیش خیمہ ہے، زمینی موت تو مومن کے لئے تحفہ اور آسمانی حیات کا آغاز ہے جہاں سب اپنی اپنی زندگی کی جدوجہد کا بدلہ پائیں گے، جہاں انعام پاکر کچھ چہرے شادماں اور چمکتے دکھائی دیں گے، جیسے فرمایا

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ [3]

ترجمہ: کچھ چہرے اس روز بارونق ہوں گے، اپنی کارگزاری پر خوش ہوں گے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾ [4]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز بَابُ المَيِّتِ يُعْرَضُ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالعَشِيِّ ۱۳۷۹، صحیح مسلم کتاب الْجَنَّةِ وَصِفَةِ نَعِيمِهَا وَأَهْلِهَا بَابُ عَرْضِ مَقْعَدِ الْمَيِّتِ مِنَ الْجَنَّةِ أَوِ النَّارِ عَلَيْهِ، وَإِثْبَاتِ عَذَابِ الْقَبْرِ وَالتَّعَوُّذِ مِنْهُ۷۲۱۱، جامع ترمذی ابواب الجنائز بَابُ مَا جَاءَ فِي عَذَابِ القَبْرِ۱۰۷۲، سنن نسائی کتاب الجنائز باب وَضْعُ الْجَرِيدَةِ عَلَى الْقَبْرِ۲۰۷۲، سنن ابن ماجہ کتاب الزھد بَابُ ذِكْرِ الْقَبْرِ وَالْبِلَى ۴۲۷۰، مسند احمد۵۹۲۶

[2] المومن۴۵، ۴۶

[3] الغاشیۃ۸،۹

[4] المطففین۲۲تا۲۴

ترجمہ: بے شک نیک لوگ بڑے مزے میں ہوں گے، اونچی مسندوں پر بیٹھے نظارے کر رہے ہوں گے، ان کے چہروں پر تم خوشحالی کی رونق محسوس کرو گے۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ مُّسۡفِرَةٌ ۝۳۸ ضَاحِكَةٌ مُّسۡتَبۡشِرَةٌ ۝۳۹ ①

ترجمہ: کچھ چہرے اس روز دمک رہے ہوں گے، ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہوں گے۔

وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝۲۲ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝۲۳ ②

ترجمہ: اس روز کچھ چہرے تروتازہ ہونگے، اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔

اللہ کے ان بندوں کے لئے یہ نیا شاندار آغاز ہو گا جس میں کوئی خوف کوئی رنج اور کوئی غم نہ ہو گا، وہ اطمینان کی تکمیل کا دن ہو گا جب خوشی کو بھی پتہ چلے گا کہ اصل خوشی کیا ہوتی ہے، اور کچھ بدقسمت سیاہ رو حسرت سے ہاتھ مل رہے ہوں گے کہ انہوں نے زندگی کو مواقع لہو ولعب میں ضائع کر دیا۔

وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ عَلَيۡهَا غَبَرَةٌ ۝۴۰ تَرۡهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝۴۱ ③

ترجمہ: اور کچھ چہروں پر اس روز خاک اڑ رہی ہو گی اور کلونس چھائی ہوئی ہو گی۔

قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝۸ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝۹ ④

ترجمہ: کچھ دل ہوں گے جو اس روز خوف سے کانپ رہے ہوں، نگاہیں ان کی سہمی ہوئی ہوں گی۔

وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۝۲۴ تَظُنُّ اَنۡ يُّفۡعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۝۲۵ ⑤

ترجمہ: اور کچھ چہرے اداس ہوں گے اور سمجھ رہے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ برتاؤ ہونے والا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثۡلِهَا ۙ وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝۲۷ ⑥

ترجمہ: اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کی برائی جیسی ہے ویسا ہی وہ بدلہ پائیں گے، ذلّت ان پر مسلّط ہو گی کوئی اللہ سے ان کو بچانے والا نہ ہو گا، ان کے چہروں پر ایسی تاریکی چھائی ہوئی ہو گی جیسے رات کے سیاہ پردے ان پر پڑے ہوئے ہوں، وہ دوزخ کے مستحق ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

① عبس ۳۸،۳۹

② القیامۃ ۲۲،۲۳

③ عبس ۴۰،۴۱

④ النازعات ۸،۹

⑤ القیامۃ ۲۴،۲۵

⑥ یونس ۲۷

مگر معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا اللہ تعالیٰ پھر نفخہ صور اول اور نفخہ صور آخر کے درمیان ایک خاص مدت میں جسے اللہ ہی جانتا ہے زمین و آسمانوں کی موجودہ ہیئت کو بدل دے گا اور ایک دوسرا بڑا نظام جو زیادہ شاندار اور پر شکوہ ہو گا جس میں شاید مشابہت اور اسلوب میں کچھ یک رنگی بھی ہو مگر یہ پرانی کائنات کی نقل نہ ہو گی بلکہ دوسرا نیا عظیم نظام نئے قوانین فطرت کے ساتھ بنائے گا، نہ اس کی زمین ہماری زمین کی طرح ہو گی اور نہ اس کے آسمان موجودہ آسمانوں کی طرح ہوں گے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ [1]

ترجمہ: ڈراؤ انہیں اس دن سے جبکہ زمین اور آسمان بدل کر کچھ سے کچھ کر دیئے جائیں گے، اور سب کے سب اللہ واحد قہار کے سامنے بے نقاب حاضر ہو جائیں گے۔

مکمل تباہی کے بعد جب سب موجود معدوم میں گم ہو چکا ہو گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے، جس کی زبردست آواز ہو گی جو کائنات میں ہر جگہ سنی جائے گی، اور امر ربی کے طور پر ایک انتہائی تبدیلی یعنی نئی تخلیق کا اعلان ہو گا، انسان کے منتشر اجزا اپنے نفوس سے مل جائیں گے، اللہ تعالیٰ تخلیق آدم سے لیکر قیامت تک پیدا ہونے والے تمام انسانوں کو ان کی سابقہ زندگی کے ذرہ ذرہ کے اعمال کے مطابق جزاء یا سزا دینے کے لئے انکی قبروں سے جسم و جان کے ساتھ دوبارہ زندہ کرے گا، تمام جن و انسان زماں و مکاں کی ہر کھوہ سے بھاگتے ہوئے میدان حشر میں دوڑتے ہوئے پہنچ جائیں گے یوں ایک دائمی کائنات اور دائمی زندگی کا شاندار آغاز ہو گا۔

... كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ [2]

ترجمہ: جس طرح پہلے ہم نے تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے یہ ایک وعدہ ہے ہمارے ذمے، اور یہ کام ہمیں بہر حال کرنا ہے۔

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ [3]

ترجمہ: پھر ایک صور پھونکا جائے گا اور یکا یک یہ اپنے رب کے حضور پیش ہونے کے لیے اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ [4]

ترجمہ: جس روز صور میں پھونک ماردی جائے گی تم فوج در فوج نکل آؤ گے۔

اس دن لوگ جو اس عارضی زندگی میں بڑی لمبی زندگی گزار کر آئے ہوں گے، جنہیں بڑی مہلتیں ملیں ہوں گی، مگر جنہوں نے اس مختصر قیام کو اپنی منزل سمجھ لیا تھا اور یوں پڑاؤ ڈال کر بیٹھ گئے ہوں گے گویا اب یہاں سے کبھی اٹھیں گے نہیں، اپنی کوتاہ نظری، کمزور یادداشت

---

[1] ابراہیم ۴۸

[2] الانبیاء ۱۰۴

[3] یٰسین ۵۱

[4] النبا ۱۸

سے اسی عالم ظاہر کو جو آزمائش کا مختصر وقت ہے ساری زندگی سمجھ کر اسی پر اکتفاء کر لیا تھا، اپنی داستان حیات کے چند لمحات کو پوری حیات سے تعبیر کر لیا تھا، حالانکہ حقیقت اس کے برعکس تھی اس زندگی کا قیام کل کے مقابلے میں آنکھ جھپکنے سے بھی کم عرصہ ہے، جنہوں نے زندگی کے قیمتی لمحات کو جو عالم ارواح اور عالم آخرت کے کروڑوں سالوں پر بھاری ہیں فائدہ اٹھانے کے بجائے، محنت کر کے نفس کی بالیدگی حاصل کرنے کے بجائے بے کار کاموں میں ضائع کر دیا تھا، جنہوں نے اپنے خالق کی پہچان، اس کے نازل کردہ فرامین اور عطا کردہ مقام کو بھول کر عالم ظاہر کے مختصر قیام کو شیطان کے خوبصورت جال میں پھنس کر (شیطان سے جو شر کی سب سے بڑی قوت ہے جسکی شیطانی قوتوں کے انتشار سے فضاء کا چپہ چپہ بھرا پڑا ہے، ان میں بھی معاشرتی اونچ نیچ اور درجات ہیں، ان کے ہاں بھی حکمرانی ہے اور کوئی ماتحت ہے، ابلیس ان کا مذہبی بادشاہ ہے، اس کے نیچے اس کے ماننے والوں کی درجہ بدرجہ بہت بڑی تنظیم ہے، اور یہ سب ایک مذہبی فریضہ کے طور پر اپنے حریف انسانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے بڑی چالاکی سے منصوبہ بندی کرتے ہیں، اس منصوبہ بندی میں بنیادی یونٹ فرد ہے،

عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ، إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ، قَالُوا : وَإِيَّاكَ؟ يَا رَسُولَ اللهِ ،قَالَ : وَإِيَّايَ، إِلَّا أَنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ، فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ نے اس پر میری مدد کی ہے تو میں سلامت رہتا ہوں اور مجھ کو سوائے نیکی کے اور کوئی بات نہیں بتلاتا۔ [1]

اس شیطان کا کام ہمارے نفوس میں دین کے متعلق شکوک وشبہات ڈالنا، نیکی کے بجائے برائی کو بہتر کر کے پیش کرنا، خیالات میں انتشار پیدا کرنا، ایسی تجاویز دینا جو بظاہر بہت مرغوب اور طبیعت کو خوش کرنے والی ہوتی ہیں لیکن درحقیقت ہمارے قلوب کو دیمک کی طرح چاٹ کر رکھ دیتی ہیں وغیرہ، لیکن وہ ماسوائے ورغلانے کے کچھ نہیں کر سکتا اور کسی انسان کو بھی برائی پر مجبور نہیں کر سکتا، اگر آدمی اس کی بات مان لیتا ہے، اس کے اشارے پر کام کرنے لگتا ہے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۲ [2]

ترجمہ: اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا، میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت

[1] صحيح مسلم كِتَابُ صِفَاتِ الْمُنَافِقِينَ وَأَحْكَامِهِمْ المنافقين بَابُ تَحْرِيشِ الشَّيْطَانِ وَبَعْثِهِ سَرَايَاهُ لِفِتْنَةِ النَّاسِ وَأَنَّ مَعَ كُلِّ إِنْسَانٍ قَرِينًا ۷۱۰۸، مسند احمد ۴۳۹۲

[2] ابراہیم ۲۲

دی اور تم نے میری دعوت پر لبّیک کہا اب مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، یہاں نہ میں تمہاری فریاد رسی کرسکتا ہوں اور نہ تم میری، اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذّمہ ہوں، ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔ اس وعدہ خلاف سے دوستی لگا کر پر آسائش بنانے کے لئے جائز و ناجائز جتن کیے ہوں گے اس وقت اپنی پرانی زندگی کے بارے میں سوچیں گے تو انہیں اپنی زندگی لمحہ بھر کی معلوم ہوگی اور وہ کہیں گے کہ وہ لمحہ بھر کے لئے دنیا میں گئے تھے اور اب میدان حشر میں جمع ہو گئے ہیں۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝۵۵ [۱]

ترجمہ: اور جب وہ ساعت برپا ہوگی تو مجرم قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک گھڑی بھر سے زیادہ نہیں ٹھہرے ہیں، اسی طرح وہ دنیا کی زندگی میں دھوکا کھایا کرتے تھے۔

مگر وہ لوگ جنہوں نے شیطان کے بجائے اللہ کو اپنا دوست بنایا ہوگا، جنہوں نے ہر شک وشبہ سے بالاتر ہو کر دعوت حق کو مانا ہوگا، اللہ کے فرمان کے مطابق رسولوں کی پیروی کو ہی اپنا نصب العین بنایا ہوگا، اس عارضی زندگی میں اللہ کے غیض وغضب سے ڈرتے ہوئے اور اس کی بے پایاں رحمت کی امید سے زندگی گزاری ہوگی ان کے ذہن بالکل صاف ہوں گے، وہ کافروں کے مقابلے میں بولیں گے کہ تم نے اپنی سرکشی میں بڑی لمبی زندگیاں گزاریں، تمہیں بار بار حیات بعد از موت، حشر نشر، حساب کتاب اور جزا وسزا کے حالات کے سلسلہ میں تنبیہ کی جاتی تھی تاکہ تم اپنے اگلے سفر کے لئے خود کو تیار کر کے وہاں کامیاب وکامران ہوسکو مگر اس زندگی میں تم اپنے غرور وتکبر میں آخرت کو بھول گئے ، پھر موت کے بعد اللہ نے تمہیں تمہاری قبروں میں سلائے رکھا اور اب دیکھ لو یہ وہی میدان حشر ہے جس کے بارے میں تم شک وشبہ کے شکار رہے اور اس کے لئے کوئی تیاری نہ کرسکے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَھٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۵۶ [۲]

ترجمہ: مگر جو علم اور ایمان سے بہرہ مند کیے گئے تھے وہ کہیں گے کہ خدا کے نوشتے میں تو تم روز حشر تک پڑے رہے ہو، سو یہ وہی روز حشر ہے لیکن تم جانتے نہ تھے۔

اب پچھلی قوموں کی طرح کوئی آخرت کا انکار کر کے یہ کہے کہ اللہ صدیوں سے مرے ہوئے لوگوں کو کیسے زندہ کرے گا جب کہ ان کی ہڈیاں بھی مٹی کے ساتھ مٹی بن جائیں گئیں، یا آگ میں جلا کر پانی میں بہادی جائیں گئیں تو یہ محض جہالت کی ہی سوچ ہوسکتی ہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ جو اللہ اپنی قدرت کے لفظ کن سے انسان کے لئے یہ عظیم کائنات، یہ حیران کن کارخانہ قدرت تخلیق کرسکتا ہے، اس کا کجی سے پاک عظیم نظام قائم کرسکتا ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ

[۱] الروم ۵۵

[۲] الروم ۵۶

فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝۴ [1]

ترجمہ: جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے، تم رحمن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ، تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔

تو کیا اللہ جو ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور جہانوں کا رب ہے جس نے انسان کو بغیر کسی نمونے کے پہلی بار اپنے ہاتھوں سے تخلیق فرمایا تھا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝۷۵ [2]

ترجمہ: رب نے فرمایا اے ابلیس! تجھے کیا چیز اس کو سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے؟ تو بڑا بن رہا ہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے؟۔

اور اس میں روح پھونکی تھی۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۸ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝۲۹ [3]

ترجمہ: پھر یاد کرو اس موقع کو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں سڑی ہوئی مٹی کے سوکھے گارے سے ایک بشر پیدا کر رہا ہوں جب میں اسے پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۝۷۱ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝۷۲ [4]

ترجمہ: جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر بنانے والا ہوں، پھر جب میں اسے پوری طرح بنا دوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے آگے سجدے میں گر جاؤ۔

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝۷ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝۸ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۹ [5]

ترجمہ: جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی، پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر

---

[1] الملک ۳،۴

[2] ص ۷۵

[3] الحجر ۲۸تا۲۹

[4] ص ۷۱تا۷۲

[5] السجدة ۷تا۹

پانی کی طرح کا ہے، پھر اسے نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے ،تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

جس نے آسمان وزمین میں لاتعداد قسم کے جاندار پھیلائے، اور ان کے رزق اور دوسری ضروریات کا بندوبست فرمایا، جس نے کئی کئی پروں والے نوری ہستیاں ملائکہ تخلیق کیے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ① (1)

ترجمہ: تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اور فرشتوں کو پیغام رساں مقرر کرنے والا ہے (ایسے فرشتے) جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار بازو ہیں۔ وہ اپنی مخلوق کی ساخت میں جیسا چاہتا ہے اضافہ کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

انواع واقسام کے جمادات، نباتات، حیوانات اور درندے تخلیق فرمائے، کوئی دو پاؤں پر کوئی چار پاوں پر چلتے ہیں اور کوئی زمین پر رینگتے ہیں تا کہ مخلوقات کے مشاہدے سے خالق پہچانا جائے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ㊺ (2)

ترجمہ: اور اللہ نے ہر جاندار ایک طرح کے پانی سے پیدا کیا، کوئی پیٹ کے بل چل رہا ہے تو کوئی دو ٹانگوں پر اور کوئی چار ٹانگوں پر، جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

فہم وفراست اور ادراک والی مخلوقات انسان وجنات کی رشد وہدایت کے لئے رسول مبعوث فرمائے، ان پر صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں، اور آخر میں پوری کائنات کے لئے رحمت العالمین، خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر عظیم اخلاقی ضابطوں اور علم وحکمت کے خزانوں کا سرچشمہ قرآن مجید نازل فرمایا جو ذکر العالمین ہے، جس کا ایک ایک لفظ ہمہ گیر حق وسچ ہے، جس کا اسلوب بے مثل اور موضوع میں پاکیزگی اور قطعیت ہے اور بیانات زمانی ومکانی حدود سے بلند تر ہیں، جو کسی انسان کی تحقیق وتصنیف نہیں ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَاۗءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ㉓ (3)

ترجمہ: اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے یہ ہماری ہے یا نہیں تو اس کے مانند ایک ہی سورت بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلا لو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو مدد لے لو اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔

---

(1) فاطر ا

(2) النور ۴۵

(3) البقرۃ ۲۳

اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۸﴾ (۱)

ترجمہ: کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسے خود تصنیف کر لیا ہے؟ کہو، اگر تم اپنے اس الزام میں سچے ہو تو ایک سورۃ اس جیسی تصنیف کر لاؤ اور ایک خدا کو چھوڑ کر جس جس کو بلا سکتے ہو مدد کے لیے بلا لو۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ‌ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِهٖ مُفۡتَرَيٰتٍ وَّادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۳﴾ (۲)

ترجمہ: کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر (ﷺ) نے یہ کتاب خود گھڑ لی ہے؟ کہو اچھا یہ بات ہے تو اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں تم بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اور جو جو (تمہارے معبود) ہیں ان کو مدد کے لیے بلا سکتے ہو تو بلا لو اگر تم (انہیں معبود سمجھنے میں) سچے ہو۔

جس کی صحت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں، جو قیامت تک کے لئے انسانوں اور جنات کے لئے ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے، جو تمام عالموں یعنی موجودہ دنیا، عالم قبر، عالم برزخ، عالم حشر، عالم جزا وسزا، جنت و دوزخ ہر جگہ رہنمائی کرتی ہے، جس کی ہدایات نہ صرف ابدی حیات بلکہ انسان کی ارضی حیات میں بھی کامیابی کی گارنٹی دیتی ہیں، اگر کوئی اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوگا تو یقیناً اپنی دنیاوی اور اخروی زندگی میں خوف وغم سے آزاد ہو جائے گا، یہی ہمارے خالق کا منشا ہے وہ اپنے شاہکار کو غم و رنج میں نہیں دیکھنا چاہتا، وہ ہمیں محبت سے دیکھ رہا ہے، محبت سے اپنی طرف بلا رہا ہے، یہ کتاب اس کی محبت کا انسان کی طرف تحفہ ہے، اس میں اس نے ہمارے فائدے کے لئے قانون دیئے ہیں، اگر کوئی انسان ان قوانین کے برعکس عمل کرتا ہے تو نہ صرف اپنے آپ کو بلکہ مجموعی حیثیت سے پورے معاشرے کو بھی نقصان پہنچاتا ہے، لہذا ہماری بہتری کا اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی انحصار صرف اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی قرآن مجید کے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی پیروی میں ہے نہ کہ شیطان کی پیروی میں جس سے بڑا انسان کا کوئی دشمن نہیں ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِى السِّلۡمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّيۡطٰنِ‌ ؕ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۰۸﴾ (۳)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

۔۔۔وَنَادٰٮهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّـكُمَاۤ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَـكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۲۲﴾ (۴)

ترجمہ: تب ان کے رب نے انہیں پکارا کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟۔

۔۔۔اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۵﴾ (۵)

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے۔

(۱) یونس ۳۸

(۲) ہود ۱۳

(۳) البقرۃ ۲۰۸

(۴) الاعراف ۲۲

(۵) یوسف ۵

اَلَمۡ اَعۡهَدۡ اِلَيۡكُمۡ يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ‌ ۚ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ۙ‏ ﴿۶۰﴾ (۱)

ترجمہ: آدم کے بچو! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ کے لئے یہ مشکل نہیں کہ وہ جزاو سزا کے لئے انسان وجنات کو دوبارہ زندہ کر سکے، اور نئی عظیم کائنات تخلیق فرما کر نیک و پرہیز کاروں کے لئے جنت جس کی وسعت اور نعمتوں کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا اور نافرمانوں کے لئے دوزخ جس کے عذاب کا بھی تصور محال ہے تیار کر سکے۔

مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ‏ ﴿۲۸﴾ (۲)

ترجمہ: تم سارے انسانوں کو پیدا کرنا اور پھر دوبارہ جلا اٹھانا تو (اس کے لیے) بس ایسا ہے جیسے ایک متنفس کو (پیدا کرنا اور جلا اٹھانا) حقیقت یہ ہے کہ اللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ اَوَلَا يَذۡكُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ يَكُ شَيۡـئًا‏ ﴿۶۷﴾ (۳)

ترجمہ: انسان کہتا ہے کیا واقعی جب میں مر چکوں گا تو پھر زندہ کر کے نکال لایا جاؤں گا؟ کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟۔

اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا‌ ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقًّا‌ ؕ اِنَّهٗ يَبۡدَؤُا الۡخَـلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ لِيَجۡزِىَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالۡقِسۡطِ‌ ؕ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَهُمۡ شَرَابٌ مِّنۡ حَمِيۡمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيۡمٌۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ‏ ﴿۴﴾ (۴)

ترجمہ: اسی کی طرف تم سب کو پلٹ کا جانا ہے یہ اللہ کا پکا وعدہ ہے، بے شک پیدائش کی ابتداء وہی کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا تا کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کیے ان کو پورے انصاف کے ساتھ جزا دے، اور جنہوں نے کفر کا طریقہ اختیار کیا وہ کھولتا ہوا پانی پئیں اور دردناک سزا بھگتیں اس انکارِ حق کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے۔

یوم حشر کو پرانی کائنات کے تمام ذی روح، ذی شعور اکٹھے کر دیئے جائیں گے، وہ دن ہماری موجودہ دنیا کے پچاس ہزار سالوں سے بھی زیادہ طویل ہوسکتا ہے، وہ دن ہمارے دنیاوی عارضی سفر کی انتہاء اور ہمیشہ کی زندگی کی جزاو سزا کی ابتدا ہے، انسان وجنات کے سامنے میدان حشر میں جہنم اور جنت لائی جائے گی۔

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا‌ ۚ‏ ﴿۲۲﴾ وَجِاىۡٓءَ يَوۡمَـئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوۡمَـئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَاَنّٰى لَـهُ الذِّكۡرٰىؕ‏ ﴿۲۳﴾ (۵)

ترجمہ: اور تمہارا رب جلوہ فرما ہوگا اس حال میں کہ فرشتے صف در صف کھڑے ہونگے اور جہنم اس روز سامنے لے آئی جائے گی، اس دن انسان

(۱) یٰسین ۶۰

(۲) لقمان ۲۸

(۳) مریم ۶۶،۶۷

(۴) یونس ۴

(۵) الفجر ۲۲،۲۳

کو سمجھ آئے گی اور اس وقت اس کے سمجھنے کا کیا حاصل ؟۔

اِذَا الۡجَحِيۡمُ سُعِّرَتۡ ۝۱۲ وَاِذَا الۡجَنَّةُ اُزۡلِفَتۡ ۝۱۳ عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ۝۱۴ (۱)

ترجمہ: اور جب دوزخ دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب لے آئی جائے گی اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

وہ دن ایسا دن ہو گا جہاں ہر نفس کو اس کے ان اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا جو اس نے پہلی زندگی میں کیئے تھے، یوں دنیاوی زندگی ہمیشہ کی حیات کے لئے ایک امتحان گاہ ہے، جو مطلوبہ معیار کو پہنچ گیا اس کے لئے درخشاں مستقبل کی ضمانت ہے، جو مطلوبہ معیار سے گر گیا وہ جہنم کی بھٹی میں پگھلنے کے لئے ڈال دیا جائے گا، وہاں قوموں کا نہیں بلکہ ہر فرد کا علیحدہ علیحدہ حساب ہو گا، جیسے فرمایا

وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ۝۸۰ (۲)

ترجمہ: جس سروسامان اور لاؤ لشکر کا یہ ذکر کر رہا ہے وہ سب ہمارے پاس رہ جائے گا اور یہ اکیلا ہمارے سامنے حاضر ہو گا۔

وَكُلُّهُمۡ اٰتِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فَرۡدًا ۝۹۵ (۳)

ترجمہ: سب قیامت کے روز فرداً فرداً اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔

انسانوں کے اعضاء اور اعمال خود ان کے حق میں یا مخالفت میں گواہی دیں گے، چھوٹے بڑے تمام اعمال تولے جائیں گے، اور جس نے ذرہ برابر بھی نیکی یا بدی کی ہو گی اسی کے مطابق صلہ پائے گا۔

فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۝۷ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸ (۴)

ترجمہ: پھر جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ بھر بدی کی ہے ہو گی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

اَلۡيَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰٓى اَفۡوَاهِهِمۡ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَتَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۝۶۵ (۵)

ترجمہ: آج ہم ان کے منہ بند کیے دیتے ہیں، ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ دنیا میں کیا کمائی کرتے رہے ہیں۔

جہاں کسی کے اعمال کی پوچھ گچھ نہ ہو گی، نیک سے نیک آدمی کو بھی اپنے اعمال حقیر نظر آئیں گے، سب کی نگاہیں صرف اور صرف اللہ کے فضل وکرم اور رحمت پر ہوں گی، اس لئے کہ اس دن اعمال کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ جو بھی بخشا جائے گا صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بخشا جائے گا،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :لَنْ يُنْجِيَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَمَلُهُ، قَالَ رَجُلٌ: وَلَا إِيَّاكَ؟ يَا

---

(۱) التکویر ۱۲ تا ۱۴

(۲) مریم ۸۰

(۳) مریم ۹۵

(۴) الزلزال ۷،۸

(۵) یٰسین ۶۵

رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا إِيَّايَ، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا تم میں سے کوئی اپنے عمل کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا، ایک شخص نے عرض کی اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم آپ بھی؟ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہاں، میں بھی نہیں مگر سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور مغفرت میں ڈھانپ لے۔[۱]

فَيَوْمَىِٕذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ [۲]

ترجمہ: اس روز کسی انسان اور کسی جن سے اس کا گناہ پوچھنے کی ضرورت نہ ہو گی۔

نئی وسیع کائنات میں ہر آدمی اپنی زندگی کے اعمال کو اپنی آنکھوں سے ان کی اصلی حالت میں دیکھ رہا ہو گا، سبھی خوفزدہ، سر جھکائے اپنے اپنے مقام کے لئے رب العزت کے فیصلہ کے منتظر ہوں گے، نتائج کے اعلانات کے بعد انسان ایک نئے سفر پر چل نکلے گا، ہر ایک کو ان کے اعمال کے نتائج اچھے ہونے کی صورت میں اپنی جنتوں میں جس کی وسعت موجودہ تمام کائنات سے زیادہ ہو گی، یعنی ایک اکیلی جنت ہی موجودہ تمام کائنات کے برابر یا اس سے بڑی ہے،

عَنْ أَنَسٍ قَالَ :فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُومُوا إِلَى جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (غزوہ بدر کے روز) رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اٹھو چلو اس جنت کی طرف جس کا عرض آسمان وزمین کے برابر ہے۔[۳]

جنت کے صرف ایک درخت کا سایہ ہی اتنا بڑا ہے کہ ایک گھڑسوار سال بھر بھی اس کے سایہ کے نیچے دوڑتا رہے تو اس درخت کا سایہ ختم نہیں ہو گا،

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ،عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :إِنَّ فِي الجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لاَ يَقْطَعُهَا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ ایک سوار اس کے سایہ میں سو سال تک چلے تو بھی طے نہ کر سکے۔[۴]

پھر ایک جنت نہیں بلکہ جنت کے بھی کئی درجے ہیں لیکن اس کا ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ بھی دنیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ تصور سے زیادہ عالی شان اور پرشکوہ ہے، جن کی نعمتوں کا تم اندازہ ہی نہیں کر سکتے، جس کی خوشیاں انمٹ اور اس کے لمحات ابد الآباد ہیں ہمیشہ کے لئے داخل کر دے گا، جہاں

[۱] صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین بَابُ لَنْ يَدْخُلَ أَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ بَلْ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالَى ۷۱۱۱

[۲] الرحمن ۳۹

[۳] مسند احمد ۱۲۳۹۸

[۴] صحیح بخاری کِتَاب بَدْءِ الخَلْقِ بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ الجَنَّةِ وَأَنَّهَا مَخْلُوقَةٌ ۳۲۵۱ ،صحیح مسلم کتاب الْجَنَّةِ وَصِفَةِ نَعِيمِهَا وَأَهْلِهَا بَابُ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا ۷۱۳۸ عن سہل بن سعد t،مسند احمد ۱۲۰۷۰

بے انصافی، حسد، رقابت اور دشمنی نہ ہوگی، وہاں ارضی دنیا کی قیمتی سے قیمتی اور اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں بھی انتہائی بے وقعت ہونگی، جنت صرف حور وغلمان کی مصاحبت میں صرف عیش ہی عیش نہیں بلکہ وہ زندگی بھی نہایت بھرپور اعمال والی اور بامقصد زندگی ہوگی، جنتیوں کا محبوب مشغلہ اپنے رب کی حمد وتقدیس اور قرآن مجید کی تلاوت ہوگی، ہر ایک کے سامنے اونچے مقاصد حاصل کرنے کی لگن ہوگی، جہاں نفوس کی سب سے بڑی تمناء اللہ تعالیٰ کا قرب ہوگا اور یہی خواہش سب کی تگ ودوڑ کی محور ہوگی، اس کے علاوہ اس وسیع کائنات میں جہنم کے حصے بھی ہوں گے جس کے کئی درجے ہیں، اور جنت وجہنم کے درمیان اعراف کا مقام بھی ہے، جہاں جنت میں دخول سے پہلے کچھ تیاری کے مراحل طے ہوتے ہیں، اس جگہ پر لوگ جہنم کے درد اور جنت کے امن دونوں حالتوں کو بیک وقت محسوس کرسکیں گے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾ وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٤٨﴾ [1]

ترجمہ: ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک اوٹ حائل ہوگی جس کی بلندیوں (اَعراف) پر کچھ اور لوگ ہوں گے یہ ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچانیں گے اور جنّت والوں سے پکار کر کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر یہ لوگ جنّت میں داخل تو نہیں ہوئے مگر اس کے امیدوار ہوں گے، اور جب ان کی نگاہیں دوزخ والوں کی طرف پھریں گی تو کہیں گے اے رب! ہمیں ان ظالموں میں شامل نہ کیجیو، پھر یہ اعراف کے لوگ دوزخ کی چند بڑی بڑی شخصیتوں کو ان کی علامتوں سے پہچان کر پکاریں گے کہ دیکھ لیا تم نے، آج نہ تمہارے جتھے تمہارے کسی کام آئے اور نہ وہ ساز وسامان جن کو تم بڑی چیز سمجھتے تھے۔

ہر جہنمی کی شدید خواہش ہوگی کہ کاش وہ اعراف تک پہنچ جائے اور ہر ایک اعراف والے کی سب سے بڑی تمنا ہوگی کہ کاش وہ جنت میں داخل ہوجائے، اعراف تک پہنچنے کا راستہ جہنم کے اوپر سے گزرتا ہے جسے پل صراط کہا گیا ہے، جنتی اس راستے کو بجلی کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی سے طے کرلیں گے لیکن بے شمار بدقسمت اپنے گناہوں کے بوجھ سے یہ راستہ کروڑوں سالوں میں طے کریں گے اور یوں جہنم کی آگ سے جھلستے رہیں گے، وہ جن کے سر پر گناہوں کا بہت بوجھ ہوگا وہ اس بوجھ تلے جہنم میں گرجائیں گے اور اپنے وزن کے مطابق اپنے اپنے درجہ پر پہنچ کر رک جائیں گے، اس لحاظ سے نئی کائنات کی تمام تر وسعت کا اندازہ لگانا انسانی عقل سے باہر ہے، خاص طور پر جب یہ سوچیں کہ موجودہ نظام قدرت ہی انسانی عقل کو ششدر کرنے کے لئے کافی ہے، سائنسی علوم کے ماہرین نے اندازہ لگایا ہے کہ ایک آسمان کے نیچے کروڑوں کے حساب سے کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں تقریباً کھربوں کے حساب سے ستارے ہیں، انہی میں سے ہماری کہکشاں کی وسعت کا اندازہ یہ ہے کہ روشنی اپنی ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل فی سیکنڈ کی لاثانی رفتار کے باوجود پندرہ ارب سال بھی چلتی رہے تو پھر بھی اس کا دوسرا کنارہ نہیں پاتی۔

---

[1] الاعراف ۴۶ تا ۴۸

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۱۳۳ (۱)

ترجمہ: دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے، اور وہ ان خدا ترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے۔

سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ ۲۱ (۲)

ترجمہ: دوڑو اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان وزمین جیسی ہے، جو مہیا کی گئی ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہوں، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اور ناقابل اصلاح باغیوں، کافروں اور مشرکوں کو ان کے اپنے اعمال بد کے صلے میں ابلیس کے ساتھ جہنم میں جو جنت کے مخالف سمت کی دنیا ہے داخل کرے گا جس کی ہولناکی بیان سے باہر ہے، جس کی آگ دلوں تک پہنچتی ہے، جہنم کی وسعت اور درجات کا بھی کوئی حساب نہیں، سزا یافتہ مجرم اپنے اپنے جرم کی سنگینی کے مطابق مختلف درجات میں دھکیل دیئے جائیں گے، سب سے نچلے درجہ میں منافقین اور مشرکین کی جگہ ہے جو انتہائی سزا کا مقام ہے، اس سے اوپر نسبتاً کم عذاب ہے لیکن جہنم کا کم سے کم عذاب بھی ایسا ہے کہ دنیا کے تمام عذاب بھی اس سے کم ہیں، جہنم کا کم سے کم عذاب آگ کے جوتے ہیں، جہاں مجرم ہمیشہ کے لئے دوزخ کا ایندھن بن کر جلتے رہیں گے،

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، قَالَ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ، عَلَى أَخْمَصِ قَدَمَيْهِ جَمْرَتَانِ، يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ وَالْقُمْقُمُ

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا قیامت کے دن دوزخیوں میں عذاب کے اعتبار سے سب سے ہلکا عذاب پانے والا وہ شخص ہوگا جس کے دو پیروں کے نیچے دو انگارے رکھ دیئے جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا جس طرح ہانڈی اور کیتلی جوش کھاتی ہے۔ (۳)

اس وقت انسان اپنی کوتاہ بینی پر روئے گا مگر اللہ تعالیٰ کے سپاہی اسے اگلے سفر کی طرف دھکیل دیں گے، اور انہیں یاد دلائیں گے کہ یہی وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

---

(۱) آل عمران ۱۳۳

(۲) الحدید ۲۱

(۳) صحیح بخاری کتاب الرقاق بَابُ صِفَةِ الجَنَّةِ وَالنَّارِ ۶۵۶۲، صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ أَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا ۵۱۷، جامع ترمذی ابواب الجہنم باب ۱۵۴۷ ، ح ۲۶۰۴، مسند احمد ۱۸۴۱۳، مستدرک حاکم ۸۷۳۳، شرح السنة للبغوی ۴۴۰۱، الترغیب والترہیب للمنذری ۵۶۰۴

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیۡ یُکَذِّبُ بِهَا الۡمُجۡرِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ یَطُوۡفُوۡنَ بَیۡنَهَا وَ بَیۡنَ حَمِیۡمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ (۱)

ترجمہ:(اس وقت کہا جائے گا) یہ وہی جہنم ہے جس کو مجرمین جھوٹ قرار دیا کرتے تھے، اُسی جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان وہ گردش کرتے رہیں گے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۳﴾ اِصۡلَوۡهَا الۡیَوۡمَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ (۲)

ترجمہ: یہ وہی جہنم ہے جس سے تم کو ڈرایا جاتا رہا تھا جو کفر تم دنیا میں کرتے رہے ہو اس کی پاداش میں اب اس کا ایندھن بنو۔

اس پاکیزہ آواز حق پر تعصب سے پاک ہو کر غور و فکر کرنے کی بجائے مشرکوں نے صرف انکار پر ہی بس نہ کی بلکہ اس آواز کو دبانے کے لئے عملاً مخالفت و مزاحمت بھی کی، لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکنے کی کوشش میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، شبہات پیدا کیے، بدگمانیاں پھیلائیں، دلوں میں وسوسے ڈالے اور بدترین سازشیں اور ریشہ دوانیاں کیں، رسولوں کو سالہاسال ہر طرح کے مصائب و ابتلاء میں مبتلا رکھا، ان کے ساتھ تضحیک و استہزاء کا رویہ اختیار کیا گیا، جاہلانہ اعتراضات کئے گئے، لالچ دیئے گئے زدوکوب کیا گیا اور قتل تک کر دیئے گئے مگر رسول اللہ کے بھروسے پر صبر و ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے، اللہ کی تائید و نصرت ہمیشہ حق ہی کو حاصل رہی، رسولوں کو رب کی معجزانہ مدد حاصل ہوئی اور کفر کا غرور سے تنا ہوا سر ہمیشہ نیچا ہوتا رہا۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ هُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَکِیۡنَتَهٗ عَلَیۡهِ وَ اَیَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَ جَعَلَ کَلِمَةَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا السُّفۡلٰی ؕ وَ کَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الۡعُلۡیَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۴۰﴾ (۳)

ترجمہ: تم نے اگر نبی کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے، اس وقت اللہ نے اس پر اپنی طرف سے سکون قلب نازل کیا اور اس کی مدد ایسے لشکروں سے کی جو تم کو نظر نہ آتے تھے اور کافروں کا بول نیچا کر دیا اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، اللہ زبردست اور دانا و بینا ہے۔

خالص توحید اس کائنات کا سب سے زیادہ انقلاب آفرین تصور ہے اور انسانی ذہن کو دوسرے کسی تصور کے قبول کرنے میں اتنی دشواری پیش نہیں آتی جتنی اس تصور کو قبول کرنے میں ہوتی ہے مگر رسولوں کی انتھک کوششوں سے چند معاشی طور پر کمزور حیثیت مگر سلیم الفطرت لوگ جان جاتے کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی تمام طاقتوں کا مالک ہے، اس کے علاوہ کوئی صاحب اختیار اور بااثر نہیں، کسی چھوٹے بڑے کو اس کی سلطنت میں دخل نہیں، اللہ کے سوا کوئی نفع یا نقصان پہنچانے، مارنے اور جلانے والا نہیں ہے، عزت و طاقت، ناموری اور حکومت

(۱) الرحمٰن ۴۴،۴۳

(۲) یٰسین ۶۴،۶۳

(۳) التوبۃ ۴۰

بھی اللہ کے اختیار میں ہے، جس کی قوتیں بے پایاں ہیں، آسمان وزمین کے بے شمار خزانوں کا مالک صرف رب ہی ہے جس کا فضل وکرم بے حد وحساب ہے، ان کے پاس جو کچھ بھی ہے اللہ کا عنایت کیا ہوا ہے اور اللہ جس طرح دینے پر قادر ہے اسی طرح چھین لینے پر بھی قادر ہے ،اگر وہ دینا چاہے تو دنیا کی کوئی قوت اسے روک نہیں سکتی اور نہ دینا چاہے تو کوئی طاقت دلوا نہیں سکتی،

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ،قَالَ : قَالَ مُعَاوِيَةُ عَلَى الْمِنْبَرِ:اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ،مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهُّ فِي الدِّينِ سَمِعْتُ هَؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى هَذَا الْمِنْبَرِ

محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ منبر پر یہ کلمات کہے اے اللہ! جسے آپ دیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے آپ روک لیں اسے کوئی دے نہیں سکتا اور ذی عزت کو آپ کے سامنے اس کی عزت نفع نہیں پہنچا سکتی، اللہ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمالیتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطاء فرمادیتا ہے، میں نے یہ کلمات اسی منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں۔ [1]

اگر وہ کوئی دکھ بیماری یا تکلیف دینا چاہے تو اسے کوئی رد نہیں کر سکتا اور اگر انہیں دور کرنا چاہے تو بھی کوئی روک نہیں سکتا، اس چند روزہ زندگی کے بعد یقیناً دوسری ہمیشہ کی زندگی ہے جس میں نیکو کاروں کو جزا اور بدکاروں کو سزا ملے گی، اس یقین کامل کے بعد وہ چند مسلمان اپنے باطل معبودوں کو جو ان کے اور رب کے درمیان واسطے اور وسیلے بن کر حائل تھے کو چھوڑ کر، اپنی تنگ نظری کو خیر باد کہہ کر، براہ راست اللہ وحدہ لاشریک کے حضور آن کھڑے ہوتے اور رسولوں کی اطاعت میں زندگی گزارتے، ان کے فرامین پر دل وجاں سے عمل کر کے اللہ کے ہاں بلند مقام ومرتبے پاتے، مگر رسولوں کی پرخلوص کوششوں کے باوجود ہمیشہ ایک بھاری اکثریت رب کی نازل کردہ واضح اور روشن تعلیمات کے باوجود اپنے غرور وتکبر کی بنا پر کفر وشرک پر قائم ہی رہتی اور ان معبودوں کی عبادت کرتی رہتی جن کے بارے میں اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری تھی اور ساتھ ہی اللہ کے قہر وغضب سے بے خوف ہو کر مطالبہ عذاب کر کے رب کی غیرت کو بھی للکارتے۔

جیسے قوم نوح علیہ السلام نے کہا۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۳۲ [2]

ترجمہ: آخر کار ان لوگوں نے کہا کہ اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت کر لیا اب تو بس وہ عذاب لے آؤ جس کی تم دھمکی دیتے ہو اگر سچے ہو۔

قوم ہود علیہ السلام نے کہا۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۲۲ [3]

---

[1] مسند احمد ۱۶۸۳۹

[2] ھود ۳۲

[3] الاحقاف ۲۲

ترجمہ: انہوں نے کہا کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں بہکا کر ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دے؟ اچھا تو لے آ اپنا عذاب جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر واقعی تو سچا ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾ (۱)

ترجمہ: انہوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور انہیں چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں؟ اچھا تو لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو سچا ہے۔

صالح علیہ السلام کی قوم نے کہا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ (۲)

ترجمہ: پھر انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا اور پورے تمرّد کے ساتھ اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کر گزرے، اور صالح سے کہہ دیا کہ لے آ وہ عذاب جس کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے اگر تو واقعی پیغمبروں میں سے ہے۔

شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۸۵﴾ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۷﴾ (۳)

ترجمہ: انہوں نے کہا تو محض ایک سحر زدہ آدمی ہے، اور تو کچھ نہیں ہے مگر ایک انسان ہم ہی جیسا، اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔

قادر مطلق اپنی مشیت کے مطابق ان چند کمزور مگر اہل ایمان کو ان تباہ و برباد ہونے والی بستیوں سے ہجرت کا حکم فرماتا اور پھر کفر و شرک میں ڈوبی بستیوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر اہل بصیرت کے لئے عبرت کا نشان بنا دیتا رہا، شرک بڑے ہی غیر محسوس انداز سے انسان کے دل و دماغ پر اثر انداز ہوتا ہے جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ مشرکین امن کے دنوں میں اپنے ہتھیار بیری کے درخت پر جس کا نام ذات انواط تھا لٹکا دیتے اور جب ضرورت ہوتی وہیں سے اتار کر کام میں لاتے،

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ: خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ حُنَيْنٍ، فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ، فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللَّهِ، اجْعَلْ لَنَا هَذِهِ ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لِلْكُفَّارِ ذَاتُ أَنْوَاطٍ، وَكَانَ الْكُفَّارُ يَنُوطُونَ سِلَاحَهُمْ بِسِدْرَةٍ، وَيَعْكُفُونَ حَوْلَهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللَّهُ أَكْبَرُ، هَذَا كَمَا قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ لِمُوسَى: اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ} إِنَّكُمْ تَرْكَبُونَ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

(۱) الاعراف ۷۰

(۲) الاعراف ۷۷

(۳) الشعراء ۱۸۵ تا ۱۸۷

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ حنین کے طرف جاتے ہوئے ایک بیری کے درخت کے پاس سے گزرے، ان کو دیکھ کر بعض لوگوں نے کہا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک ذات انواط ہونا چاہئے جیسا کہ مشرکین کا ذات انواط ہے جس پر وہ اپنے اسلحہ کو لٹکاتے ہیں اور اس کے گرد آرام کرتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت کرتے ہوئے فرمایا اللہ اکبر! یہ تو وہی بات ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے بت پرستوں کو بتوں کی عبادت کرتے دیکھا تو کہا اے موسیٰ! ان کے بتوں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک بت چاہیے، یہ تو اندھی تقلید ہے، ایک وقت آئے گا کہ تم ایسے ہی ان کی اندھی تقلید کرنے لگ جاؤ گے۔ (۱)

چنانچہ کچھ عرصہ یہ چند اہل ایمان اور ان کی اولادیں وقت کے رسول کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتے مگر شرک مختلف رنگ برنگ کے لباس پہن کر، مختلف بہروپ دھار کر انسانی ذہن کو دھوکا دیتا ہے اور انسانی ذہن اس میں بڑی کشش محسوس کر کے ہمیشہ اس بات کے درپے رہتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح تاویل یا تعبیر کی آڑ لے کر توحید میں شرک کی تھوڑی بہت آمیزش کر دے، اس لئے انسانوں نے بہت جلد مختلف حیلے بہانوں سے رسولوں پر نازل کردہ کتابوں میں تحریف کر کے عقائد میں انبیاء، اولیاء، شہداء، صالحین، علما اور مشائخ کی خدائی کو کسی نہ کسی طرح رونق افروز رکھا، کسی نے تو خود پیغمبروں ہی کی پرستش شروع کر دی، کوئی اپنے پیغمبر کی شان میں غلو کر کے یہ کہنے لگا کہ خود اللہ تعالیٰ آسمانوں سے اس زمین پر انسانی شکل میں اتر آیا تھا، کوئی اپنے پیغمبر کو ابن اللہ کہنے لگا اور کسی نے اپنے پیغمبر کو نور من نور اللہ کہا، حالانکہ کسی بھی پیغمبر نے خود کو الٰہ کے طور پر پیش نہیں کیا اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ صاحب اختیار ہے، قرآن مجید میں قوموں کے حالات پڑھ کر دیکھ لیں وہ وقت کے رسولوں کو بشر ہی کہتے تھے جس کی کسی پیغمبر نے نفی نہیں کی۔

قوم نوح علیہ السلام نے کہا۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ (۲)

ترجمہ: اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا وہ کہنے لگے کہ یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا، اس کی غرض یہ ہے کہ تم پر برتری حاصل کرے، اللہ کو اگر بھیجنا ہوتا تو فرشتے بھیجتا یہ بات تو ہم نے کبھی اپنے باپ دادا کے وقتوں میں سنی ہی نہیں (کہ بشر رسول بن کر آئے)۔

قوم ہود علیہ السلام کہنے لگی۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ (۳)

---

(۱) مسند احمد ۲۱۹۰۰

(۲) المومنون ۲۴

(۳) المومنون ۳۳

ترجمہ: اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا، جن کو ہم نے دنیا کی زندگی میں آسودہ کر رکھا تھا، وہ کہنے لگے یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر ایک بشر تم ہی جیسا جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ پیتا ہے۔

قوم ثمود علیہ السلام نے کہا۔

مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ (۱)

ترجمہ: تو ہم جیسے ایک انسان کے سوا اور کیا ہے لا کوئی نشانی اگر تو سچا ہے۔

قوم شعیب علیہ السلام نے کہا۔

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۱۸۶﴾ (۲)

ترجمہ: اور تو کچھ نہیں ہے مگر ایک انسان ہم ہی جیسا اور ہم تو تجھے بالکل جھوٹا سمجھتے ہیں۔

فرعون نے کہا۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ (۳)

ترجمہ: کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ اور آدمی بھی وہ جن کی قوم ہماری بندی ہے۔

کفار مکہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ﴿۷﴾ (۴)

ترجمہ: کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ کیوں نہ اس کے پاس کوئی فرشتہ بھیجا گیا جو اس کے ساتھ رہتا اور (نہ ماننے والوں کو) دھمکاتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷﴾ (۵)

ترجمہ: اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تم سے پہلے بھی ہم نے انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن پر ہم وحی کیا کرتے تھے، تم لوگ اگر علم نہیں رکھتے تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۔۔۔ ﴿۲۰﴾ (۶)

(۱) الشعراء ۱۵۴

(۲) الشعراء ۱۸۶

(۳) المومنون ۴۷

(۴) الفرقان ۷

(۵) الانبیاء ۷

(۶) الفرقان ۲۰

ترجمہ: اے نبی ﷺ! تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجے تھے وہ سب بھی کھانا کھانے والے اور بازاروں میں چلنے پھرنے والے لوگ ہی تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً... ﴿۳۸﴾ (۱)

ترجمہ: تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ ان غلط عقائد کہ جن میں الوہیت کا کوئی ہلکا سا بھی رنگ ہے واضح طور پر ان کا اعلان تردید کر دیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ (۲)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا، میرے طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے، پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کی بھی تردید فرمائی کہ کوئی پیغمبر صاحب قدرت واختیار ہوسکتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ... ﴿۴۹﴾ (۳)

ترجمہ: کہو میرے اختیار میں خود اپنا نفع وضرر بھی نہیں، سب کچھ اللہ کی مشیّت پر موقوف ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس چیز کی بھی تردید فرمائی کہ کسی رسول کو علم الغیب یا کوئی ماورائی قوتیں حاصل ہوتی ہیں۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ... ﴿۵۰﴾ (۴)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! ان سے کہو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ ہی میں غیب جانتا ہوں، اور نہ ہی میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف پیروی کرتا ہوں اس وحی کی جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ (۵)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! ان سے کہو میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اگر مجھے

---

(۱) الرعد ۳۸

(۲) الکہف ۱۱۰

(۳) یونس ۴۹

(۴) الانعام ۵۰

(۵) الاعراف ۱۸۸

غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا، میں تو محض ایک خبر دار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں گے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا کہ کسی کو راہ ہدایت پر پھیر دینا ہمارا کام ہے رسول کا کام نہیں، رسول کا کام صرف صحیح راستے کی نشان دہی ہی ہے۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ (۱)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! تم جسے چاہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے، مگر اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ جسے چاہتا ہے سنواتا ہے، مگر (اے نبی ﷺ) تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ (۳)

ترجمہ: تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں تک اپنی پکار سنا سکتے ہو جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں، اور نہ اندھوں کو راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہو تم تو اپنی بات انہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور پھر فرمانبردار بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی تردید فرمائی کہ رسول کو اس کی نازل کردہ شریعت میں کسی قسم کا رد و بدل کرنے کا اختیار ہے۔

...قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ... ﴿۱۵﴾ (۴)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! ان سے کہو میرا یہ کام نہیں ہے کہ اپنی طرف سے اس میں کوئی تغیر و تبدل کر لوں۔

جب صحابہ کرام اللہ کے دین کو تھام کر باہر نکلے اور دین اسلام عرب سے باہر پھیلا تو لوگ ایمان لانے کے ساتھ آبائی مشرکانہ رسم و رواج کے نام بدل کر اپنے ہمراہ لائے اور انہیں کسی نہ کسی طرح ساتھ لے کر چلتے رہے، جو محض نفس کا دھوکا اور ابلیس کی راہ تھی جس کا یہ نتیجہ ہے کہ آج مسلمانوں کی معاشرتی زندگی ایسے رسم و رواج کا مجموعہ بن چکی ہے جو اسلام کی روح سے براہ راست ٹکراتے ہیں اس طرح انسان نے سچائی کو چھوڑ کر جھوٹ کی راہ اختیار کی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

---

(۱) القصص ۵۶

(۲) فاطر ۲۲

(۳) النمل ۸۰،۸۱

(۴) یونس ۱۵

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ ⁽¹⁾

ترجمہ: یہ اس لیے کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور جنہیں اس کے سوا پکارتے ہیں باطل ہیں اور بیشک اللہ ہی بلند مرتبہ بڑائی والا ہے۔

اگر مشرکین مکہ سے ان مشرکانہ رسم و رواج کی کوئی دلیل مانگی جاتی تو مشرکین ہمیشہ لاجواب ہو کر اپنے مذہب کے حق ہونے کی انبیاء و رسل کو یہ دلیل دیتے چلے آئے ہیں کہ ہمارے معبودوں کے یہ مراسم عبودیت تو ایک زمانہ سے ہمارے بزرگوں سے چلے آرہے ہیں اور ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے بلکہ ان کی خوشنودی حاصل کر کے رب تک پہنچنا چاہتے ہیں لہٰذا یہ سچ ہے اور (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) اللہ کی نازل کردہ بات جھوٹ ہے، حالانکہ اگر بزرگوں ہی کی تقلید کرنی تھی تو پھر ان کے اپنے بزرگ ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام جن کی وجہ سے ان کو دوسرے عربوں پر فخر و امتیاز تھا کی تقلید کرنی چاہیے تھی یا پھر تقدیر کا بہانہ کرتے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ان بتوں کی پرستش کیسے کر سکتے تھے، یعنی اللہ کی مشیت ہی ہے کہ ہم شرک کریں، کیونکہ اگر اللہ نہ چاہتا تو یہ افعال ہم سے کیسے صادر ہوتے، اس طرح وہ اپنے جرم کا سزاوار اللہ کو ٹھہراتے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ... ﴿۱۴۸﴾ ⁽²⁾

ترجمہ: یہ مشرک لوگ (تمہاری ان باتوں کے جواب میں) ضرور کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھیراتے، ایسی ہی باتیں بنا بنا کر ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی حق کو جھٹلایا تھا یہاں تک کہ آخر کار ہمارے عذاب کا مزا انہوں نے چکھ لیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴿۳۵﴾ ⁽³⁾

ترجمہ: یہ مشرکین کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرتے اور نہ اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام ٹھہراتے، ایسے ہی بہانے ان سے پہلے کے لوگ بھی بناتے رہے ہیں۔

اور انہیں یہ کہا جاتا کہ کیا ان بتوں کی عبادت کی تلقین اللہ تعالیٰ کی کسی نازل شدہ کتاب تورات و انجیل و زبور میں کی گئی ہے تو جواب میں کسی کتاب کا حوالہ دینے کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کے پیروکاروں کو بطور دلیل پیش کرتے وہ اپنے (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اور اس کی والدہ مریم کو اللہ کی اہلیہ مان کر اس کی پرستش کرتے ہیں اور یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، حالانکہ یہ سوال یہ نہ تھا کہ یہود و نصاریٰ، مجوسی، کوکب پرست وغیرہ کیا کر رہے ہیں سوال تو یہ تھا کہ کیا اللہ نے اپنی کسی کتاب میں یا کسی رسول نے اس طرح کا کوئی حکم فرمایا ہے، بہرحال پیغمبروں کی تمام کوششیں رائیگاں ہی نہیں چلی گئیں، ابلیس کی انسانوں کو بہکانے کی ہر قسم کی کوششوں کے باوجود

---

(1) الحج ۶۲

(2) الانعام ۱۴۸

(3) النحل ۳۵

دین اسلام کی اصل صداقت، اللہ اور آخرت کی زندگی کا تصور کسی نہ کسی طور پر تمام قوموں میں باقی رہا جس کی وجہ سے سچائی واخلاق کے چند اصول دنیا میں تسلیم کر لئے گئے۔

قبل از بعثت اہل عرب کی مذہبی حالت

اہل مکہ اپنے بزرگوں ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام دونوں سے گہری عقیدت ومحبت رکھتے تھے، اور ان کا یہ خاندانی شرف تھا کہ وہ ان کے نسب میں تھے اس لئے وہ دوسروں سے برتر تھے، دوسرے اس لئے کہ انہی عالی مرتبہ بزرگوں نے اس بے آب وگاہ سرزمین پر بیت اللہ کو تعمیر کیا تھا جو اساس توحید ہے اور عدل واحسان کا مرکز ہے، انہیں بیت اللہ سے بھی بڑی عقیدت تھی جس کے متولی اور کلید بردار ہونے کے ناطے وہ دوسرے عربوں سے ممتاز تھے، ان کی سیادت وقیادت کی تمام عظمت خانہ کعبہ کے ساتھ وابستہ تھی، اہل مکہ کو زعم تھا کہ وہ اللہ کے پسندیدہ دین ابراہیمی کے پیروکار ہیں حالانکہ اس فخر کے باوجود عرب اپنے گردوپیش سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، بابل، مصر، حبشہ، نجران اور بیت المقدس کی متعدد روایات ان میں رائج ہوئیں، پہلے چار ہمسایوں سے انہیں اصنام میسر آئے جن میں بابل کا بعل دیوتا عرب میں ہبل دیوتا بن گیا۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ (۱)

ترجمہ: اور الیاس بھی یقیناً مرسلین میں سے تھا یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ تم لوگ ڈرتے نہیں ہو؟ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔

اس کے علاوہ متعدد دیویاں اور دیوتا درآمد ہوئے، دین کے اندر بعد کی صدیوں میں قبائل کے سرداروں، خاندان کے بڑے بوڑھوں اور چالاک ومکار مذہبی پیشواوں نے لوگوں پر اپنی خدائی کا سکہ جمانے اور ان کی کمائیوں میں حصہ بٹورنے کے لئے لوگوں کو بناوٹی معبودوں کا معتقد بنایا اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی طور پر ان کا نمائندہ ٹھہرا کر اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے طرح طرح کے عقائد، اعمال اور رسومات کا اضافہ کرتے چلے گئے جنھیں آنے والی نسلوں نے اصل مذہب کا جز وسمجھ لیا اور ان کا پورا دین مشتبہ ہو کر رہ گیا اس طرح انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ دین کہتے کسے ہیں، اسلام نے جن اعلیٰ اخلاقیات کا درس دیا تھا انہیں ان سے دور کا بھی واسطہ نہ رہا تھا جنہیں ترک کر کے وہ گردنوں تک گناہوں کی دلدل میں دھنس چکے تھے، وہ بتوں پر مجاور بن کر بیٹھتے، ان کی خوشنودی کے لئے مراسم عبودیت جیسے ان کے نام کی قربانی کرنا، نذرانے چڑھانا ان کا حج اور طواف کرنا اور ان کے سامنے سجدہ ریز ہونا بجالاتے، اور اپنی پریشانیوں ومشکلات اور ضروریات میں ان سے اونچی آوازوں میں فریادیں کرتے، مگر بسا اوقات جب اس کی دعاؤں اور تمناؤں کے خلاف کوئی واقعہ پیش آجاتا تو یہی عرب اپنے معبود کی توہین بھی کرڈالتا اور اس کی نذرنیاز دینا بند کر دیتا،

ایک واقعہ یوں ہے

---

(۱) الصافات ۱۲۵

وَكَانَ أَبُوهُ قُتِلَ، فَأَرَادَ الطَّلَبَ بِثَأْرِهِ، فَأَتَى ذَا الْخَلَصَةِ، فَاسْتَقْسَمَ عِنْدَهُ بِالْأَزْلَامِ، فَخَرَجَ السَّهْمُ بِنَهْيِهِ عَنْ ذَلِكَ

ایک عرب جو اپنے باپ کے قاتل سے بدلہ لینا چاہتا تھا اس نے اپنے معبود ذوالخلصہ کی رضا معلوم کرنے کے لئے اس کے آستانے پر جا کر فال نکلوائی، جواب ملا کہ یہ کام نہ کیا جائے، فال کا یہ جواب سن کر عرب طیش میں آ گیا اور کہنے لگا

لَوْ كُنْتَ يَا ذَا الْخُلُصِ الْمَوْتُورَا　　مِثْلِي وَكَانَ شَيْخُكَ الْمَقْبُورَا　　لَمْ تَنْهَ عَنْ قَتْلِ الْعُدَاةِ زُورَا

اے ذوالخلصہ! اگر میری جگہ تو ہوتا اور تیرا باپ مارا گیا ہوتا تو ہرگز تو یہ جھوٹی بات نہ کہتا کہ ظالموں سے بدلہ نہ لیا جائے۔[1]

اسی طرح کا ایک واقعہ یوں ہے

وَكَانَ لِبَنِي مِلْكَانَ بِنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ صَنَمٌ، يُقَالُ لَهُ سَعْدٌ، صَخْرَةٌ بِفَلَاةٍ مِنْ أَرْضِهِمْ طَوِيلَةٌ. فَأَقْبَلَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي مِلْكَانَ بِإِبِلٍ لَهُ مُؤَبَّلَةٌ لِيَقِفَهَا عَلَيْهِ، الْتِمَاسَ بَرَكَتِهِ، فِيمَا يَزْعُمُ، فَلَمَّا رَأَتْهُ الْإِبِلُ، وَكَانَتْ مَرْعِيَّةً لَا تُرْكَبُ، وَكَانَ يُهَرَاقُ عَلَيْهِ الدِّمَاءُ، نَفَرَتْ مِنْهُ، فَذَهَبَتْ فِي كُلِّ وَجْهٍ ثُمَّ قَالَ: لَا بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ، نَفَّرْتَ عَلَيَّ إِبِلِي، ثُمَّ خَرَجَ فِي طَلَبِهَا حَتَّى جَمَعَهَا، فَلَمَّا اجْتَمَعَتْ لَهُ قَالَ

بنو ملکان بن کنانہ بن خزیمہ کی اولاد کا ایک بت تھا جس کا نام سعد تھا وہ ایک جنگل میں ایک طویل بے ڈول پتھر تھا (جس پر قربانیوں کا خون لتھڑا ہوا تھا) ایک دفعہ ملکان کی اولاد سے ایک شخص اپنے بیمار اونٹ کو برکت حاصل کرنے کے لئے اس کے آستانے پر لے آیا، اونٹ نے جب (یہ ہیبت ناک منظر دیکھا) تو بدک کر بھاگ گیا

وَغَضِبَ رَبُّهَا الْمِلْكَانِيُّ، فَأَخَذَ حَجَرًا فَرَمَاهُ بِهِ

اس سے عرب کو اپنے معبود پر شدید غصہ آیا اور اپنے معبود پر ایک پتھر دے مارا اور پھر کہنے لگا اے بے برکت تو نے میرا اونٹ بھگا دیا پھر اونٹ کی تلاش میں نکلا، جب اس کو پا لیا تو اپنے معبود کی مذمت میں یہ اشعار کہے۔

أَتَيْنَا إِلَى سَعْدٍ لِيَجْمَعَ شَمْلَنَا　　فَشَتَّتَنَا سَعْدٌ فَلَا نَحْنُ مِنْ سَعْدِ

ہم سعد کے پاس آئے کہ ہمارے بچھڑے ہوئے دوستوں کو جمع کر دے گا، اس کم بخت نے تو اور بھی تفریق کرا دی، پس ہمارا سعد سے کوئی تعلق نہیں ہے

وَهَلْ سَعْدُ إِلَّا صَخْرَةٌ بِتَنُوفَةٍ　　مِنَ الْأَرْضِ لَا تَدْعُو لِغَيٍّ وَلَا رُشْدِ

آخر سعد زمین کے جنگل کا ایک پتھر ہی ہے جس میں ہدایت و گمراہی کی طاقت نہیں ہے۔[2]

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہرگز نہ تھے، اور نہ ہی اپنے دیوتاؤں میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے تھے، اس لئے آپ جہاں ان کے ناموں میں اپنے معبودوں کے نام پر عبدالعزیٰ، عبدمناۃ، عبدود، زید اللت، تمیم اللت، عبدیغوث وغیرہ پائیں گئے تو عبداللہ،

---

[1] ابن ہشام ۸۶/۱، الروض الانف ۲۲۲/۱

[2] ابن ہشام ۸۱/۱ ،البداية والنهاية ۱۹۱/۲،السيرة النبوية لابن كثير ۶۹/۱

عبید اللہ وغیرہ نام بھی دیکھیں گے۔

مشرکین یہ تسلیم کرتے تھے کہ انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۸۷﴾ (۱)

ترجمہ: اور اگر تم ان سے پوچھو کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے، پھر کہاں سے یہ دھوکا کھا رہے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهَاۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ (۲)

ترجمہ: ان سے کہو، بتاؤ، اگر تم جانتے ہو کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟ یہ ضرور کہیں گے اللہ کی، کہو پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ... ﴿۳۸﴾ (۳)

ترجمہ: ان لوگوں سے اگر تم پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ نے۔

مشرکین یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ اللہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا خالق و مالک ہے۔

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَرَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۸۷﴾ (۴)

ترجمہ: ان سے پوچھو ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے، یہ ضرور کہیں گے اللہ، پھر تم ڈرتے کیوں نہیں۔

مشرکین یہ بھی مانتے تھے کہ اقتدار کا مالک صرف اللہ ہی ہے، جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے، جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اسی نے انسان کی خدمت کے لئے جانور پیدا کیے، پھر آسمان سے پانی برسا کر زمین کو ہرا بھرا بھی اللہ کرتا ہے جس سے انسان اور جانور دونوں کھاتے ہیں، اللہ جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور اس سارے جہاں کا منتظم ہے ،جس کا ہر چیز پر اقتدار ہے، اور جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

قُلۡ مَنۡۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ... ﴿۸۹﴾ (۵)

ترجمہ: ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو کہ ہر چیز پر اقتدار کس کا ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی پناہ نہیں دے سکتا ؟ یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لیے ہے۔

مشرکین یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ اس بڑی کائنات کا منتظم اللہ ہی ہے جو ہر جاندار کو اپنی رحمت سے رزق دینے والا ہے اور اسی نے انسان

---

(۱) الزخرف۸۷

(۲) المومنون۸۵،۸۴

(۳) الزمر ۳۸

(۴) المومنون ۸۷،۸۶

(۵) المومنون۸۹،۸۸

کو دیکھنے اور سننے کی صلاحیت عطا فرمائی ہے۔

قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَمَنۡ یُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ... ﴿۳۱﴾ (۱)

ترجمہ: اِن سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ یہ سماعت اور بینائی کی قوتیں کس کے اختیار میں ہیں؟ کون بے جان میں سے جاندار کو اور جان دار میں سے بے جان کو نکالتا ہے؟ کون اس نظم عالم کی تدبیر کر رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔

مشرکین یہ بھی مانتے تھے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کا خالق اللہ ہی ہے اور ان کے درمیان چاند و سورج دونوں (جس سے رات اور دن کا نظام بنتا ہے) بھی رب کے ہی حکم کے پابند ہیں۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ... ﴿۶۱﴾ (۲)

ترجمہ: اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔

مشرکین یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ آسمانوں سے بارش برسانے والی ذات ان کے معبود نہیں بلکہ صرف اللہ ہی ہے۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ... ﴿۶۳﴾ (۳)

ترجمہ: اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔

اسی طرح جب کشتیوں میں سفر کرتے اور ناگہانی طوفانی مصیبت میں گھر جاتے، تو اس وقت ان کے باطل معبود ان سے گم ہو جاتے تھے پھر مدد کے لئے خالص اللہ کو پکارتے۔

فَاِذَا رَكِبُوۡا فِی الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ یُشۡرِكُوۡنَ ﴿۶۵﴾ (۴)

ترجمہ: جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُكُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡكِ ۚ وَجَرَیۡنَ بِهِمۡ بِرِیۡحٍ طَیِّبَةٍ وَّفَرِحُوۡا بِهَا جَآءَتۡهَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِیۡطَ بِهِمۡ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰىهُمۡ اِذَا هُمۡ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا

---

(۱) یونس ۳۱

(۲) العنکبوت ۶۱

(۳) العنکبوت ۶۳

(۴) العنکبوت ۶۵

النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ [۱]

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے چنانچہ جب تم کشتیوں میں سوار ہو کر باد موافق پر فرحاں وشاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر یکا یک باد مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور مسافر سمجھ لیتے ہیں کہ گھر گئے اس وقت سب اپنے دین کو اللہ ہی کے لیے خالص کر کے اس سے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے ہم کو اس بلا سے نجات دے دی تو ہم شکر گزار بندے بنیں گے، مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں، لوگو، تمہاری یہ بغاوت تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے۔ دنیا کے چند روزہ مزے ہیں (لوٹ لو)، پھر ہماری طرف تمہیں پلٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ... ﴿۶۷﴾ [۲]

ترجمہ: جب سمندر میں تم پر مصیبت آتی ہے تو اس ایک کے سوا دوسرے جن جن کو تم پکارا کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں، مگر جب وہ تم کو بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ موڑ جاتے ہو۔

مشرکین ایک دوسرے کو سلام بھی کیا کرتے تھے،

وكانت العرب تقول عِنْدَ التَّلَاقِي حياك الله. دعاء له بالحياة فأبدل الله ذلك بالسلام

اہل عرب جس آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو کہتے اللہ تمہاری عمر دراز کرے، اللہ تعالیٰ نے اسے سلام (السَّلَامُ عَلَيْك وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ) میں بدل دیا۔[۳]

تَحِيَّةُ الْجَاهِلِيَّةِ، حَيَّاكَ اللَّهُ

ایک مقام پر لکھتے ہیں یہ جاہلیت کا سلام تھا اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔[۴]

أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، قَالَ :كُنَّا نَقُولُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْعَمَ اللَّهُ بِكَ عَيْنًا، وَأَنْعِمْ صَبَاحًا، فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ نُهِينَا عَنْ ذَلِكَ

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دور جاہلیت میں ہم کہا کرتے تھے اللہ تیری وجہ سے ہم پر انعام کرے اور تیری صبح بخیر ہو لیکن اسلام کے آنے کے بعد ہمیں اس سے روک دیا گیا۔[۵]

[۱] یونس ۲۲،۲۳

[۲] بنی اسرائیل ۶۷

[۳] تفسیرالنیساپوری ۲/۴۶۰

[۴] تفسیر النیساپوری ۲/۴۶۱

[۵] سنن ابوداود كِتَاب الْأَدَبِ بَابٌ فِي الرَّجُلِ يَقُولُ : أَنْعَمَ اللَّهُ بِكَ عَيْنًا ۵۲۲۷

مگر ان ساری باتوں کا قرار محض زبانی حد تک تھا حقیقی زندگی میں وہ اللہ کی عظمت وجلال کو فراموش کر چکے تھے، اور تمام طرح کے حقوق جو رب سے متعلق ہیں وہ اپنے دیوتاؤں جنوں، بزرگوں کی ارواح، اپنے اسلاف واجداد، انبیاء اولیاء اور شہداء کو سونپ چکے تھے، ان کا خیال تھا کہ فلاں دیوتا کو زندگی وموت کا اختیار ہے، فلاں دیوتا کا کام آندھیاں پیدا کرنا اور فلاں کا کام بارش برسانا ہے، مال ودولت کی تقسیم فلاں دیوی کے ہاتھ میں ہے، اس لئے جب رسول اللہ ﷺ عرب کے دیوی دیوتاؤں کو چھوڑ کر تنہا اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام لیتے تو چڑ جاتے۔

...وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾ (۱)

ترجمہ: اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ (۲)

ترجمہ: جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں، اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو یکایک وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾ (۳)

ترجمہ: (جواب ملے گا) یہ حالت جس میں تم مبتلا ہو، اس وجہ سے ہے کہ جب اکیلے اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم ماننے سے انکار کر دیتے تھے اور جب اس کے ساتھ دوسروں کو ملایا جاتا تو تم مان لیتے تھے اب فیصلہ اللہ بزرگ وبرتر کے ہاتھ ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے اور ہم ہی اس کے فرمانروا ہیں ہم نے اپنی خلق کو دوسروں کے حوالے نہیں کر دیا اور نہ ہی کسی مخلوق کو یہ حق دیا ہے کہ وہ خود مختار ہو کر جو چاہے کرتی پھرے۔

...اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ (۴)

ترجمہ: خبردار رہو! اسی کی خلق ہے اور اسی کا امر ہے، بڑا بابرکت ہے اللہ سارے جہانوں کا مالک وپروردگار۔

اہل عرب جو خود کو دین ابراہیمی کا پیروکار سمجھتے تھے اللہ کو آسمانوں زمینوں، حیوانوں کا خالق ومنتظم ورزاق ومشکل کشا تسلیم کرنے کے باوجود گزشتہ قوموں کی طرح جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اپنی کوتاہ فکری، اللہ تعالیٰ کے ناقص تصور، دنیا پرستی، دولت وعیش کی بدمستی کی وجوہات کی بنا پر دوبارہ زندہ ہو کر رب کے حضور اعمال کی جواب دہی کے لئے پیش ہونے کے قائل نہیں تھے، ان کے اس عقیدے کے خلاف پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔

---

(۱) بنی اسرائیل ۴۶

(۲) الزمر ۴۵

(۳) المومن ۱۲

(۴) الاعراف ۵۴

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ... ﴿۲۴﴾ (۱)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دنیا ہی کی ہے کہ یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے۔

وَكَانُوا يَقُولُونَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۴۷﴾ (۲)

ترجمہ: اور کہا کرتے تھے کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں ہی ہڈیاں رہ گئے تو کیا ہمیں پھر اٹھنا ہوگا؟۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾ (۳)

ترجمہ: اور انسان کہتا ہے کیا واقعی جب میں مر چکوں گا تو پھر زندہ کر کے نکال لایا جاؤں گا؟۔

وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۰﴾ (۴)

ترجمہ: اور یہ لوگ کہتے ہیں جب ہم مٹی میں رل مل چکے ہوں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا کیے جائیں گے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ... ﴿۳۸﴾ (۵)

ترجمہ: یہ لوگ اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ کسی مرنے والے کو پھر سے زندہ کر کے نہ اٹھائے گا۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۱۰﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ﴿۱۱﴾ قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۱۲﴾ (۶)

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کیا واقعی ہم پلٹا کر پھر واپس لائے جائیں گے؟ کیا جب ہم کھوکھلی بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے؟ کہنے لگے یہ واپسی تو پھر بڑے گھاٹے کی ہوگی۔

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَى رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾ (۷)

ترجمہ: اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی، تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا۔

وہ سمجھتے تھے کہ زمانہ ہی ہمیں مارتا ہے، اور زمانہ ہی کی وجہ سے ہمیں تکالیف رنج و مصیبتیں پہنچتی ہیں اور اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں، کوئی جزاء یا سزا نہیں، اس لئے جانوروں کی طرح کھاؤ پیو اور مر جاؤ، ان کے دین میں بس روزہ کا ایک طریقہ رائج تھا، وہ اعتکاف بھی کرتے تھے، ابراہیم علیہ السلام کی مقرر کردہ حج کی چند رسومات جس میں وقت کے ساتھ ساتھ ان کے سرداروں نے اپنے معبودوں کی عقیدت میں بے شمار

(۱) الجاثیة ۲۴

(۲) الواقعة ۴۷

(۳) مریم ۶۶

(۴) السجدة ۱۰

(۵) النحل ۳۸

(۶) النازعات ۱۰تا۱۲

(۷) الکهف ۳۶

بدعات وخرافات شامل کر دی تھیں کچھ نہیں بچا تھا، اب جو تھا وہی دین ابراہیم علیہ السلام تھا اور ان کی عبادت بھی کیا تھی بس ننگے جسم (قریش کے سوا) جس میں مرد یا عورت کی کوئی تمیز نہیں تھی کعبہ کا طواف اور دعائیں مانگ لیا کرتے تھے، انہوں نے ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کے دور مسعود سے حج میں تلبیہ کے یہ الفاظ

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ

ترجمہ: میں حاضر ہوں اے اللہ! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، اے اللہ میں حاضر ہوں، تمام حمد و ثناء تیرے لئے ہیں اور سب نعمتیں تیری ہیں اور سارا ملک تیرا ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔ [1]

کو جس میں خالص توحید تھی بدل ڈالا اور اپنے معبودوں کو شامل کر کے یوں تلبیہ پکارنے لگے۔

لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ

ترجمہ: میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، مگر وہ تیرا شریک ہے جس کا تو مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔ [2]

عَمْرُو بْنُ لُحَيٍّ، فَبَيْنَمَا هُوَ يُلَبِّي تَمَثَّلَ لَهُ الشَّيْطَانُ فِي صُورَةِ شَيْخٍ يُلَبِّي مَعَهُ فَقَالَ عَمْرٌو : لَبَّيْكَ لَا شَرِيك لَك فَقَالَ الشَّيْخُ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَك، فَأَنْكَرَ ذَلِكَ عَمْرٌووَقَالَ مَا هَذَا؟فَقَالَ الشَّيْخُ قُلْ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ فَإِنَّهُ لَا بَأْسَ بِهَذَا فَقَالَهَا عَمْرٌو، فَدَانَتْ بِهَا الْعَرَبُ

اس تلبیہ کا سبب یہ بتایا جاتا ہے جب خزاعہ میں عمرو بن لحی کا وقت آیا تو ایک دفعہ وہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے ابراہیمؑ کی تلبیہ پکار رہا تھا ابلیس بھی ایک بزرگ کی شکل میں اس کے ساتھ تلبیہ پکارنے لگا جب عمرو بن لحی نے لبیک لبیک لاشریک لک لبیک کہا تو ابلیس نے الاشریکا ھولک کے مشرکانہ الفاظ کا اضافہ کر دیا عمرو بن لحی نے چونک کر ان بڑھے ہوئے الفاظ کا انکار کر دیا اور کہا یہ کیا الفاظ ہیں؟ مگر ابلیس نے کہا آگے یہ الفاظ بھی کہہ دو "تملکه ومالمک" ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں، عمرو نے ابلیس کے کہنے پر ان الفاظ کا اضافہ کر دیا اس کے دیکھا دیکھی عرب کے لوگ حج کی تلبیہ پکار کر توحید کا اظہار کرتے مگر ابلیس کے بتائے ہوئے شرکیہ الفاظ بڑھا کر اپنے معبودوں کو شامل کر دیتے اور ان پر اللہ کا قبضہ بھی تسلیم کرتے۔ [3]

اس کے علاوہ قریش جب بیت اللہ کا طواف کرتے تو یہ شرکیہ فقرے دہراتے۔

اللاتَ وَالْعُزَّى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الأُخْرَى تِلْكَ الغَرَانِيق الْعُلَى. وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ تُرْتَجَى

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ التَّلْبِيَةِ۱۵۴۹،صحیح مسلم کتاب الحج بَابُ التَّلْبِيَةِ وَصِفَتِهَا وَوَقْتِهَا عن ابن عمر t۲۸۱۱ ،سنن ابوداودکتاب المناسک بَابُ كَيْفَ التَّلْبِيَةُ ۱۸۱۲،سنن نسائی کتاب الحج بابكَيْفَ التَّلْبِيَةُ۲۷۴۸، مسند احمد ۴۸۲۱

[2] صحیح مسلم کتاب الحج بَابُ التَّلْبِيَةِ وَصِفَتِهَا وَوَقْتِهَا عن ابن عباس t۲۸۱۵

[3] الروض الانف۲۱۲/۱

ترجمہ: لات اور عزی اور تیسرے بت مناۃ کی قسم یہ بلند و بزرگ ہیں، اور ان کی شفاعت کی امید ہے۔ [1]

جب بنو خزاعہ نے قبیلہ جرہم کو شکست دے کر مکہ سے نکالا تو عرب کے لوگوں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف جو پستہ قد سرخ آنکھیں، کرنجی آنکھ والا شخص تھا کو (جس کی والدہ کا نام فہیرہ بنت عمرو بن حارث تھا) لوگوں کی تعظیم کرنے، حج کے موقعہ پر انہیں کپڑے پہنانے، حج کے دنوں میں ہزاروں اونٹ ذبح کرنے اور بڑی فراخ دلی سے لوگوں میں حلّے بانٹتے دیکھ کر اپنا بڑا تسلیم کر لیا، چنانچہ وہ جو بھی نیا کام جاری کرتا لوگ آنکھیں بند کر کے اللہ کے حکم کی طرح اس پر عمل کرتے ایک مرتبہ عمرو بن لحی اپنے کسی کام سے مکہ مکرمہ سے شام کو گیا

فَلَمَّا قَدِمَ مَآبَ مِنْ أَرْضِ الْبَلْقَاءِ، وَبِهَا يَوْمَئِذٍ الْعَمَالِيقُ وَهُمْ وَلَدُ عِمْلَاقٍ. وَيُقَالُ عِمْلِيقُ بْنُ لَاوِذْ بْنِ سَامَ بْنِ نُوحٍ رَآهُمْ يَعْبُدُونَ الْأَصْنَامَ،فَقَالَ لَهُمْ: مَا هَذِهِ الْأَصْنَامُ الَّتِي أَرَاكُمْ تَعْبُدُونَ؟ قَالُوا لَهُ: هَذِهِ أَصْنَامٌ نَعْبُدُهَا، فَنَسْتَمْطِرُهَا فَتُمْطِرُنَا وَنَسْتَنْصِرُهَا فَتَنْصُرُنَا فَقَالَ لَهُمْ: أَفَلَا تُعْطُونَنِي مِنْهَا صَنَمًا، فَأَسِيرَ بِهِ إلَى أَرْضِ الْعَرَبِ، فَيَعْبُدُوهُ؟ فَأَعْطَوْهُ صَنَمًا يُقَالُ لَهُ هُبَلُ فَقَدِمَ بِهِ مَكَّةَ، فَنَصَبَهُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِعِبَادَتِهِ وَتَعْظِيمِهِ

جب وہ بلقاء کی زمین میں ایک مقام مآب پر پہنچا تو وہاں کے باشندوں کو جو عمالیق کہلاتے تھے بتوں کی پرستش کرتے ہوئے پایا (یہ عمالیق، عملاق یا عملیق کی اولاد ہیں جو لاوذ بن سام بن نوح کی اولاد سے تھا) عمرو نے ان سے پوچھا یہ بت کیسے ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ ایسے بت ہیں کہ جب ہم ان سے بارش کی درخواست کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے اور جب ان سے مدد مانگتے ہیں تو ہماری مدد کرتے ہیں، (مشرک چاہئے دنیاوی زندگی میں کتنا ہی عقل مند اور صائب الرائے ہو ہمیشہ احمق اور بے وقوف ہی ہوتا ہے) عبادت کا یہ طریقہ اسے بہت پسند آیا، اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ بہترین اسلاف ابراہیم علیہ السلام او اسماعیل علیہ السلام کا طریقہ چھوڑ کر یہ طریقہ عبادت مکہ میں رائج کرے، عمرو نے کہا کیا آپ لوگ ان میں سے ایک بت مجھے نہیں دے سکتے کہ میں اس کو عرب میں لے جاؤں تاکہ وہاں کے لوگ ان کی عبادت کریں؟ انہوں نے اس کو ایک بت دے دیا جس کا نام ہبل تھا، اس نے اس کو مکہ مکرمہ میں لا کر نصب کر دیا اور لوگوں کو اس کی عبادت اور تعظیم کا حکم دیا۔ [2] بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ بت جو انسانی شکل پر سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا اسے ساحل سمندر پر پڑا ہوا ملا تھا جو وہ اٹھا لایا،

وروى الفاكهي عن هشام بن السائب قال:كان لعمرو بن ربيعة رئي من الجن فأتاه فذكر له شعرا يأمره فيه بإخراج الأصنام من ساحل جدة فأتى عمرو ساحل جدة فوجد بها ودا وسواعا ويغوث ويعوق ونسرا وهي الأصنام التي عبدت زمن نوح وإدريس ثم إن الطوفان طرحها هناك، فسفى عليها الرمل، فاستخرجها عمرو وخرج بها إلى تهامة وحضر الموسم فدعا إلى عبادتها فأجيب

---

[1] تفسیرالبیضاوی۷۵/۴،تفسیرابن کثیر۴۴۲/۵،تفسیر النیساپوری۹۰/۵، تفسیرالجلالین۱۴۴۱/۱، تفسیرالقرطبی۶۵/۱۲، تفسیر الخازن۲۶۰/۳،عیون الاثر ۱۳۹/۱

[2] ابن ہشام۷۷/۱

فاکہی، ہشام بن سائب سے روایت کرتے ہیں جب نوح علیہ السلام کی قوم دعوت حق پر ایمان نہ لانے کے جرم میں غرق ہوئی تو یہ پانچ بت ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر پانی کے ساتھ بہتے ہوئے دوسری جگہ ساحل سمندر پر آپڑے، عمرو بن لحی کا ایک تابع جن تھا اس نے اسے اطلاع دی کی فلاں ساحل پر چند بت پڑے ہیں اسے اٹھا لاؤ چنانچہ وہ وہاں گیا اور یہ بت اٹھالایا جسے اس نے مکہ مکرمہ لا کر خانہ کعبہ کے اوپر نصب کر دیا اور لوگوں کو اس کی عبادت کرنے کی ترغیب دی جسے تمام اہل عرب نے تسلیم کر لیا۔[1]

ابْنُ لُحَيِّ بْنِ قَمَعَة، أَحَدُ رُؤَسَاءِ خُزَاعَةَ، الَّذِينَ وَلَوا الْبَيْتَ بَعْدَ جَرْهم. وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ غَيَّرَ دِينَ إِبْرَاهِيمَ الْخَلِيلِ، فَأَدْخَلَ الْأَصْنَامَ إِلَى الْحِجَازِ، وَدَعَا الرَّعَاعَ مِنَ النَّاسِ إِلَى عِبَادَتِهَا وَالتَّقَرُّبِ بِهَا

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ابن لحی بن قمعہ جو خراعہ کے سرداروں میں سے تھا جو قبیلہ جراہم کے بعد بیت اللہ کی تولیت انہی کے پاس تھی، یہی شخص تھا جس نے دین ابراہیم خلیل اللہ کے خلاف کام کیا اور رحجاز میں بتوں کو داخل کیا اور سفلے لوگوں کو دعوت دی کہ وہ ان کی عبادت کریں اور تقرب حاصل کریں۔[2]

فيقال: إنه كان أول من غير الحنيفية دين إبراهيم ونصب الأوثان حول الكعبة ودعا إلى عبادتها: عَمْرُو بْنُ لُحَيِّ بْنِ قَمَعَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ

وہ پہلا شخص جس نے ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف دین میں بگاڑ پیدا کیا اور رکعبہ کے اوپر بتوں کو نصب کیا اور لوگوں کو ان کی پرستش کی دعوت دی وہ عمرو بن لحی بن قمہ بن الیاس بن مضر تھا۔[3]

ایک ضعیف روایت یہ بھی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں عمرو بن لحی کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ طائف میں ایک شخص جو قبیلہ ثقیف سے تھا جس کا نام لات کہا جاتا ہے

كَانَ اللَّاتُ رَجُلًا يَلُتُّ سَوِيقَ الْحَاجِّ

لات حاجیوں کو ستو بھگو کر پلایا کرتا تھا۔

وَلَفْظُهُ فِيهِ زِيَادَةٌ كَانَ يَلُتُّ السَّوِيقَ عَلَى الْحَجَرِ

ایک روایت میں یہ لفظ زیادہ ہیں کہ لات ایک چوکور پتھر پر بیٹھ کر حاجیوں کو ستو پلایا کرتا تھا۔[4]

مَعْرُوفَةٍ تُسَمَّى: صَخْرَةَ اللَّاتِي

لوگ اس پتھر کو جس پر بیٹھ کر وہ ستو پلایا کرتا تھا لات کا پتھر کہنے لگے۔

---

[1] سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد ٢/١٧٧

[2] تفسیرابن كثير ٣/٢٠٩

[3] الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم والثلاثة الخلفاء ١/٦٣

[4] فتح الباری ٨/٦١٢

عَنِ بن عَبَّاسٍ أَنَّ اللَّاتَ لَمَّا مَاتَ قَالَ لَهُمْ عَمْرُو بْنُ لُحَيٍّ إِنَّهُ لَمْ يَمُتْ وَلَكِنَّهُ دَخَلَ الصَّخْرَةَ فَعَبَدُوهَا وَبَنَوْا عَلَيْهَا بَيْتًا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب لات فوت ہوگیا تو عمرو بن لحی نے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ لات مرا نہیں ہے بلکہ اس پتھر میں چلا گیا ہے، اس کی پرستش کرو اور اس کے لیے عمارت بناؤ۔ (۱)

وقد انتهت إلينا أسماء رجال أضيفت إلى اللات، مثل: تيم اللات، وزيد اللات، وعائذ اللات، وشيع اللات. وشكم اللات، ووهب اللات

چنانچہ اس نے مناۃ کے بعد اس پتھر (لات) پر ایک عالیشان بت خانہ تعمیر کرا دیا اور لوگ اس پتھر کو پوجنے اور اس سے عقیدت کی بنا پر اپنے بچوں کے نام تیم اللات، اور زہد اللات، اور عائذ اللات، اور شیع اللات اور شکم اللات، اور وہب اللات رکھنے لگے۔ (۲)

حالانکہ قرآن مجید لات کو مرد دیوتا نہیں دیوی بتاتا ہے، اسی لات دیوی کو بچانے کے لئے جن کے بارے میں ان کا عقیدہ تھا کہ اللہ جاڑا لات کے ہاں گزارتا تھا، قبیلہ ثقیف کے سردار (جو مانتا تھا کہ کعبہ اللہ کا گھر ہے) نے یمن کے ابرہہ کو راستہ بتانے کے لئے بدرقے فراہم کیے تھے تاکہ پہاڑی علاقہ سے اس لشکر کو مکہ مکرمہ تک بحفاظت پہنچا دیں، جس کے جرم میں مدتوں اہل عرب اس سردار کی قبر پر پتھر برسا کر اپنے دل ٹھنڈے کرتے رہے۔

وَكَانَتِ الْعُزَّى أَحْدَثُ مِنَ اللَّاتِ وَكَانَ الَّذِي اتَّخَذَهَا ظَالِمُ بْنُ سَعْدٍ بِوَادِي نَخْلَةَ فَوْقَ ذَاتِ عِرْقٍ

لات کے بعد ظالم بن سعد نے عزیٰ دیوی کا بت بنا کر وادی نخلہ میں نصب کر کے اس پر عمارت تعمیر کرا دی۔

وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرِ بْنِ لُحَيٍّ الخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ جہنم میں وہ اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا تھا یہی عمرو پہلا شخص ہے جس نے سائبہ کی رسم نکالی۔ (۳)

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِأَكْثَمَ بْنِ الْجَوْنِ الْخُزَاعِيِّ: يَا أَكْثَمُ، رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ لُحَيِّ بْنِ قَمَعَةَ بْنِ خِنْدِفَ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ، فَمَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَشْبَهَ بِرَجُلٍ مِنْكَ بِهِ، وَلَا بِكَ مِنْهُ ، فَقَالَ أَكْثَمُ: عَسَى أَنْ يَضُرَّنِي شَبَهُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لَا، إِنَّكَ مُؤْمِنٌ وَهُوَ كَافِرٌ إِنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ غَيَّرَ دِينَ إِسْمَاعِيلَ، فَنَصَبَ الْأَوْثَانَ، وَبَحَرَ

---

(۱) فتح الباری ۸/۶۱۲، السرايا والبعوث النبوية حول المدينة ومكة ۱/۲۹۶

(۲) المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام ۱۱/۲۳۳

(۳) صحیح بخاری کتاب المناقب بَابُ قِصَّةِ خُزَاعَةَ ۳۵۲۱، وكِتَابُ تَفْسِيرِ الْقُرْآنِ بَابُ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلاَ سَائِبَةٍ، وَلاَ وَصِيلَةٍ وَلاَ حَامٍ ۴۶۲۳، صحیح مسلم کتاب الجنة بَابُ النَّارِ يَدْخُلُهَا الْجَبَّارُونَ وَالْجَنَّةُ يَدْخُلُهَا الضُّعَفَاءُ ۷۱۹۲، مسند احمد ۷۷۱۰

الْبَحِيرَةَ ، وَسَيَّبَ السَّائِبَةَ، وَوَصَلَ الْوَصِيلَةَ، وَحَمَى الْحَامِي

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اکثم خزاعی سے فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف کو آگ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے، میں اس میں اور تجھ میں نہایت جسمانی مشابہت دیکھتا ہوں، اکثم نے کہا اے اللہ کے نبی! ممکن ہے اس کی مشابہت مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا نہیں تم مومن ہو اور وہ کافر تھا وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا، جگہ جگہ بتوں کو نصب کیا اور (مختلف جانوروں کو اللہ کی قائم کردہ حرمت سمجھ کر) بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ کا نام دے کر بتوں کے نام پر چھوڑا۔[1]

اس کے بعد لالچی پجاری اور پروہت اپنی مرکزی حیثیت و مرتبہ اور آمدن کے لئے اس تعصب کو مزید بھڑکاتے رہتے تاکہ ان بتوں کی عقیدت کسی کے دل سے ختم نہ ہونے پائے، بیت اللہ ہونے کے ناطے وہ کعبہ کے رعب و دبدبہ سے خائف رہتے اور اس کی عزت و تکریم کرتے تھے جس کی وجہ سے ایک زمانے تک وہ کعبہ کے قریب کوئی عمارت بھی نہیں بناتے تھے مگر قصیٰ نے خزاعہ سے حکومت حاصل کر کے بیت اللہ کے قریب دارالندوہ تیار کر کے ان کے دلوں سے کعبہ کا خوف دور کیا تو تب وہ اس کے چاروں طرف آ کر قیام پذیر ہوئے مگر وہ کعبہ سے مشابہہ یا اس سے اونچی عمارت نہیں بناتے تھے، یہ محبت و عقیدت صرف اسی حد تک ہی محدود نہ تھی بلکہ بیت اللہ کے گرداگرد جو پتھر تھے وہ بھی ان کو بہت محبوب تھے، چنانچہ ان میں سے جب کوئی سفر پر جاتا تو اپنے ہمراہ مکہ کے چار پتھر لے جاتا، تین پتھروں پر تو اپنی ہانڈی پکاتا اور چوتھا پتھر عبادت کے کام آتا وقت کے ساتھ ساتھ مکہ کی آبادی بڑھتی گئی اور جگہ تنگ ہو گئی تو لوگ دوسرے علاقوں کی طرف نکلے، مکہ معظّمہ میں تو ان کا یہ حال تھا کہ بیت اللہ ہر وقت ان کے سامنے تھا مگر اب جگہ کی قلت اور لڑائی وغیرہ کی وجہ سے مجبوراً مستقل طور پر جانا پڑ رہا تھا چنانچہ جب وہ مکہ سے باہر نکلے تو جس طرح سفر میں پتھروں کو مقدس جان کر اپنے ساتھ لے جاتے تھے مکہ کے پتھروں کو اپنے ہمراہ لیتے چلے گئے اور وہاں ان مقدس پتھروں کا کعبہ کی طرح طواف کرنے لگے، پھر معاملہ کچھ اور آگے بڑھا اور بلاتخصیص جس پتھر کو اچھا سمجھتے اس کی عبادت کرنے لگے، اور اگر پہلے پتھر سے زیادہ دوسرا خوبصورت پتھر مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے اور دوسرے کی پوجا شروع کر دیتے،

أَنَّهُ كَانَ لَا يَظْعَنُ مِنْ مَكَّةَ ظَاعِنٌ مِنْهُمْ، حِينَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ، وَالْتَمَسُوا الفَسَحَ فِي الْبِلَادِ، إلَّا حَمَلَ مَعَهُ حَجَرًا مِنْ حِجَارَةِ الْحَرَمِ تَعْظِيمًا لِلْحَرَمِ، فَحَيْثُمَا نَزَلُوا وَضَعُوهُ فَطَافُوا بِهِ كَطَوَافِهِمْ بِالْكَعْبَةِ، حَتَّى سَلَخَ ذَلِكَ بِهِمْ إلَى أَنْ كَانُوا يَعْبُدُونَ مَا اسْتَحْسَنُوا مِنْ الْحِجَارَةِ، وَأَعْجَبَهُمْ

ابن ہشام لکھتے ہیں جب شروع میں مکہ معظّمہ میں بنی اسماعیل کے درمیان پتھروں کی پرستش شروع ہوئی تو ان کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص سفر میں جاتا تو پتھر کو اپنے ساتھ لے جاتا اور اس کو اپنی قضاء حاجات کا وسیلہ خیال کرتا اور جہاں جا کر قیام کرتا وہاں اس کو نصب کر دیتا اور اس کے گرد طواف کرتا اور اس کی تعظیم و تکریم کرتا لیکن رفتہ رفتہ جب ان کو پتھروں کے اٹھانے سے تکلیف محسوس ہونے لگی تو

[1] ابن ہشام ۱/۷۶

ان کو ساتھ لے جانا چھوڑ دیا، وہ جہاں جاتے وہاں کسی خوب صورت پتھر کو لے کر اس کے گرد طواف وغیرہ کی رسوم ادا کر لیتے۔ (۱)

أَبَا رَجَاءٍ العُطَارِدِيَّ، يَقُولُ: كُنَّا نَعْبُدُ الحَجَرَ، فَإِذَا وَجَدْنَا حَجَرًا هُوَ أَخْيَرُ مِنْهُ أَلْقَيْنَاهُ، وَأَخَذْنَا الآخَرَ، فَإِذَا لَمْ نَجِدْ حَجَرًا جَمَعْنَا جُثْوَةً مِنْ تُرَابٍ، ثُمَّ جِئْنَا بِالشَّاةِ فَحَلَبْنَاهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ طُفْنَا بِهِ

ابو رجاء عطاردی کہتے ہیں ہم پتھروں کی عبادت کرتے تھے اگر ہمیں اس سے زیادہ خوبصورت پتھر مل جاتا تو ہم پہلے کو پھینک کر اس کو اٹھا لیتے اور اگر ہمیں کوئی پتھر نہ ملتا تو ہم مٹی کا ڈھیر جمع کر کے ایک بکری لاتے اور اس پر اس کا دودھ دوھ کر اس کا طواف کرتے۔ (۲)

مرور زمانہ سے ان لوگوں نے سب باتیں بھلا کر ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کا مذہب بالکل بدل ڈالا اور جس طرح نوح علیہ السلام کی قوم ورثہ میں ملی ہوئی بقیہ یادگاروں کی پرستش کرنے لگی تھی اسی طرح یہ لوگ بھی پہلی مسخ شدہ قوموں کے مسلک پر گامزن ہو گئے، چنانچہ ہر قبیلہ کا اپنا اپنا معبود بت بن گیا اور وہی اس قبیلے کی قسمت کا مالک تصور ہوتا، اگر کسی قبیلے کی دوسرے قبیلے سے ٹھن جاتی تو اس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ ساتھ ان بتوں سے بھی عداوت شروع ہو جاتی، الغرض انہوں نے گزشتہ تمام قوموں کی طرح بتوں، مظاہر فطرت سورج چاند ستارے، پہاڑ، پتھر، درخت اور دریاوں کو اپنا معبود بنا لیا تھا اور ان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں ہر طرح کی جہالتیں اور ضلالتیں شامل ہوتی چلی گئیں، اس طرح دین ابراہیمی صرف نام کی حد تک رہ گیا تھا اس کے علاوہ عرب میں یہود و نصاریٰ بھی کثرت سے تھے جو اپنے انبیاء، اولیاء وغیرہ کی پرستش کرتے اور ان کو مشکل کشائی، حاجت روائی کے لئے پکارتے۔

قوم نوح کے پانچ مشہور بتوں سمیت اہل عرب کے تین سو ساٹھ بت جن میں زیادہ تر دیویاں تھیں، خانہ کعبہ کے فرش، چھت، دیواروں غرض اندر اور باہر بت ہی بت نصب تھے، گویا کہ دنیا کے بڑے بڑے بت خانوں کی طرح کعبہ کو بھی ایک مشترک معبد ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، بیت اللہ میں یہ بت مختلف قسموں کے تھے اور اسی طرح ان کے مختلف نام بھی تھے مثلاً اگر یہ بت انسانی شکل کے ہوتے تو أَصْنَامٌ وأَوْثَانٍ کہلاتا اگر یہ بت لکڑی کا بنا ہوا ہوتا تو بِغَيْم کہلاتا اگر بت کسی مسالے سے بنا ہوتا اور اس پر رنگ بھی لگایا ہوتا تو وہ دُمْيَةٍ کہلاتا اگر کسی خوبصورت پتھر کو بغیر تراش خراش کے کھڑا کرتے اس پر جانور ذبح کرتے اور چڑھاوے چڑھاتے تو وہ أَنْصَاب اور نَصَب کہلاتا اور اگر پتھروں کا ڈھیر لگا کر اس کے گرداگرد طواف کرتے تو وہ رَجمه کہلاتا کچھ بتوں کے گھر بھی بنے ہوئے تھے جن میں بت پرستی کی رسومات ادا کی جاتی تھیں وہ بیُوت کہلاتے، جن بتوں کے گرداگرد طواف کیا جاتا وہ دُوَار کہلاتا جن پر قربانی کی رسم ادا کی جاتی وہ عَتِيرَة کہلاتا،

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ان بتوں کے لئے یہ الفاظ بیان کئے ہیں، اصنام، اوثان، انصاب، نصب اور تماثیل، مگر خاص اہل عرب کے بتوں کے لئے ایک مرتبہ اوثان اور دو مرتبہ انصاب کا لفظ استعمال کیا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے باطل معبودوں کے بارے میں فرمایا۔

---

(۱) ابن ہشام ۷۷/۱

(۲) صحيح بخارى كتاب المغازى بَابُ وَفْدِ بَنِي حَنِيفَةَ، وَحَدِيثِ ثُمَامَةَ بْنِ أُثَالٍ ۴۳۷۶

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿٢١﴾ (١)

ترجمہ: کیاان لوگوں کے بنائے ہوئے ارضی خدا ایسے ہیں کہ (بے جان کو جان بخش کر) اٹھا کھڑا کرتے ہوں؟۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٧﴾ (٢)

ترجمہ: پھر کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے، دونوں یکساں ہیں؟ کیا تم ہوش میں نہیں آتے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـــًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ (٣)

ترجمہ: اور وہ دوسری ہستیاں جنہیں اللہ کو چھوڑ کر لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کی بھی خالق نہیں ہیں بلکہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انہیں کب (دوبارہ زندہ کرکے) اٹھایا جائے گا۔

قرآن مجید میں دس مشہور بتوں لات، عزیٰ، منات دیوی، بعل دیوتا، ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر اور شعریٰ کا نام لیا گیا ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ (٤)

ترجمہ: اب ذرا بتاؤ تم نے کبھی اس لات اور اس عزیٰ اور تیسری ایک دیوی منات کی حقیقت پر کچھ غور بھی کیا ہے۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿١٢٥﴾ (٥)

ترجمہ: کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو۔

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۥ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ (٦)

ترجمہ: انہوں نے کہا ہرگز نہ چھوڑو اپنے معبودوں کو، اور نہ چھوڑو ود اور سواع کو، اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿٤٩﴾ (٧)

ترجمہ: اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے۔

بہرحال ان چند گونگے، بہرے، لولے اور لنگڑے بتوں کے نام جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ گزشتہ بزرگوں کے مجسمے تھے، جن کو اہل عرب نے بعد میں پوجنا شروع کر دیا، مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بت مختلف ستاروں کی خیالی صورتیں تھیں اور زیادہ تر دیویاں تھیں، جابر رضی اللہ عنہ

(١) الانبیاء ۲۱

(٢) النحل ۱۷

(٣) النحل ۲۱،۲۰

(٤) النجم ۲۰،۱۹

(٥) الصافات ۱۲۵

(٦) نوح ۲۳

(٧) النجم ۴۹

کا بیان ہے کہ ان دیوی دیوتاؤں کی مذہبی رسومات ادا کرنے کے لئے عرب کے ہر قبیلے میں ایک کاہن کا عہدہ ہوتا تھا جسے حبشی زبان میں طاغوت کہا جاتا تھا،ان چند بتوں کے مختصر احوال جن کا قرآن مجید میں ذکر ہے درج ہیں۔

سواع:

وَأما سواع: فكَانَت لهذيل

یہ ایک عورت کی شکل پر بت تھا اور یہ قبیلہ ہذیل کی دیوی تھی یثرب کے مغرب میں ینبع کے قریب رہاط کے مقام پر اس کی پوجا ہوتی تھی۔

العزیٰ:(العزی کا معنی ہے بہت غالب آنے والی دیوی)

یہ قریش کی لڑائی کی دیوی تھی،اس دیوی کا بت لات ومنات کے بعد کا جدید ترین بت تھا جس کا استھان مکہ معظّمہ اور طائف کے درمیان وادی نخلہ میں حراض کے مقام پر چار دیواری میں ببول کے درخت کے نیچے تھا،بنوسلیم کے قبیلہ بنی شیبان جو بنی ہاشم کے حلیف تھے اس بت کے مجاور تھے،اس کا بت حرم میں بھی رکھا ہوا تھا۔

وَكَانَت أعظم الْأَصْنَام عِنْد قُرَيْش

یہ تمام بتوں میں قریش کی خاص دیوی تھی۔

جس کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ اللہ گرمی عزیٰ کے ہاں بسر کرتا تھا اس کی تمام بتوں سے بڑھ کر عزت وتکریم کی جاتی تھی اور کہا جاتا تھا جو عزی کو گالی دے گا اسے برص یا جذام یا جنون کا مرض ضرور ہو گا۔

جب بنی سعد بن بکر کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ثُمَّ خَرَجَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى قَوْمِهِ، فَاجْتَمَعُوا إلَيْهِ، فَكَانَ أَوَّلُ مَا تَكَلَّمَ بِهِ أَن قَالَ: بئست اللَّاتُ وَالْعُزَّى!قَالُوا: مَهْ يَا ضِمَامُ! اتَّقِ الْبَرَصَ، اتَّقِ الْجُذَامَ، اتَّقِ الْجُنُونَ!

اور اسلام قبول کرکے واپس اپنے وطن میں پہنچا تو ساری قوم ضمام کے پاس جمع ہوئی،ضمام نے پہلی بات جو کہی وہ یہ تھی کہ اے قوم!لات اور عزیٰ باطل ہو گئے،قوم نے کہا خبر دار اے ضمام!ایسی بات نہ کہہ،تو نہیں ڈرتا کہ کہیں تجھ کو برص یا جذام یا جنون نہ ہو جائے۔[1]

وَكَانُوا يزورونها، ويهدون لَهَا، ويتقربون عِنْدهَا بِالذبْحِ

کعبہ کی طرح اس کی طرف ہدی کے جانور لے جائے جاتے،اہل قریش کے علاوہ لوگ دور دراز سے اس کی زیارت کرنے آتے،اس کے سامنے ہدایا پیش کرتے،تقرب حاصل کرنے کے لئے جانوروں کی قربانی کرتے اور اپنی حاجات کے لئے گڑگڑاتے۔[2]

مدتوں اس کی پرستش جاری رہی،اسی زمانہ میں جب رسول اللہ ﷺ اہل مکہ کو بتوں کی پرستش سے منع فرماتے اور صرف ایک اللہ کی عبادت کی تلقین فرماتے تھے اس کی پرستش کرنے کے بارے میں ایک واقعہ بھی ہوا،

---

[1] ابن ہشام ۲/۵۷۴

[2] ابن ہشام ۱/۸۳

أنه لما مرض أَبُو أحيحة مَرضه الّذي مَاتَ فِيهِ دخل عَلَيْهِ أَبُو لَهب يعوده، فَوَجَدَهُ يبكى فَقَالَ: مَا يبكيك يَا أَبَا أحيحة! أَمن الْمَوْت تبكى، وَلَا بُد مِنْهُ؟ قَالَ: لَا وَالله، وَلكِن أَخَاف أَن لَا تعبد الْعُزَّى بعدِي، قَالَ أَبُو لَهب: وَالله مَا عبدت حياتك لِأَجلِك، وَلَا تتْرك عبادتها بعْدك لموتك فَقَالَ أَبُو أحيحة: الْآن علمت أَن لي لله خَليفَة

ابواحیحہ سعید بن عاصی بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف مرض الموت میں گرفتار ہوا تو ابولہب اس کی عیادت کو آیا اور ابواحیحہ کو روتے ہوئے پایا، ابولہب نے دریافت کیا اے ابواحیحہ! کیوں رو رہے ہو؟ کیا موت کے ڈر سے روتے ہو حالانکہ وہ تو ایک دن آ کر رہے گی؟ ابواحیحہ نے جواب دیا واللہ! میں موت کے خوف سے نہیں رو رہا بلکہ اس لئے رو رہا ہوں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ شاید میرے بعد عزیٰ کی پرستش نہ کی جاسکے گی، اس پر ابولہب نے کہا تمہاری زندگی میں عزیٰ کی پرستش صرف تمہاری وجہ سے نہیں ہو رہی تھی اور نہ تمہارے مرنے کے بعد اس کی عبادت متروک ہو جائے گی، ابولہب کی بات سن کر ابواحیحہ کو مسرت ہوئی اور اس نے کہا آج مجھے معلوم ہوا کہ میرا ابھی ایک قائم مقام ہے۔ [۱]

فَهَدَمَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفَتْحِ

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حکم پر خالد رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بن ولید نے اسے زمین بوس کر دیا۔ [۲]

لات، اللوات، طاغی یا ربہ:

مورخ ہیروڈوٹس نے مسیح عَلَیْہِ السَّلَام کی پیدائش سے چار سو برس پہلے جب قریش کا وجود بھی نہ تھا عرب کے ایک دیوتا کا نام الیلات (Alila=Alela) بتایا ہے، یہ عرب کے خداؤں میں سب سے بڑا خدا مانا جاتا تھا، یہ ایک گول سفید پتھر تھا جس پر عمارت بنی ہوئی تھی، طائف میں بنوثقیف اس کو پوجتے اور اسے کعبہ کے برابر سمجھتے تھے، قریش بھی سونے سے قبل لات وعزیٰ کی پوجا کرتے اور انہیں کی قسمیں کھاتے تھے، ان کا خیال تھا جو شخص لات کو گالی دے گا اسے برص یا جذام کا مرض ضرور ہو گا،

فَهَدَمَهَا الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ بِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا أَسْلَمَتْ ثَقِيفُ

جب قبیلہ ثقیف دائرہ اسلام میں داخل ہوا تو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فرمان پر مغیرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بن شعبہ اور ابوسفیان رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بن حرب نے اسے گرا کر اس کے ملبے کو آگ لگادی۔ [۳]

مناۃ: (تقدیر اور موت کی دیوی)

وَكَانَتْ مَنَاةُ لِلْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ، وَمَنْ دَانَ بِدِينِهِمْ مِنْ أَهْلِ يَثْرِبَ، عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ مِنْ نَاحِيَةِ الْمُشَلَّلِ بِقُدَيْدٍ

یہ پتھر کی ایک چٹان تھی جو بحیرہ احمر کے ساحل پر قدید کے قریب مشلل میں نصب تھی، یہ ہذیل، اوس، خزرج اور بنی خزاعہ کا مخصوص بت

[۱] ابن ہشام ۱/۸۴

[۲] فتح الباری ۸/۶۱۲

[۳] فتح الباری ۸/۶۱۲

تھا۔ (۱)

ویسے تو عرب کے تمام لوگ ہی اس کی تعظیم کرتے تھے مگر اوس، خزرج بنو ازد اور غسان خصوصاً اس کی تعظیم وتکریم میں پیش پیش تھے، وہ اس کے نام پر جانوروں کی قربانی کرتے اور بیش قیمت نذرانے اور تحائف چڑھاتے، اوس وخزرج اور نواحی بستیوں کے لوگ جب حج کرنے آتے تو دوسرے حاجیوں کی طرح تمام مواقف میں حاضر ہوتے مگر مناسک حج سے فارغ ہو کر دوسرے حاجیوں کی طرح اپنا سر نہیں منڈاتے بلکہ حج کے بعد لبیک لبیک کہتے ہوئے مناۃ کی زیارت کے لئے جاتے، اس کے پاس آکر احرام اتارتے، سر منڈاتے اور چند دن قیام کرتے ،اس کے بغیر وہ اپنا حج نامکمل تصور کرتے، نیز ان کا دستور تھا کہ جب مناۃ کا تلبیہ پڑھنا ہوتا تو حج بیت اللہ کے دوران صفا اور مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے۔

وَبَعَثَ سَعْدَ بْنَ زَيْدٍ الْأَشْهَلِيّ إِلَى مَنَاةَ بِالْمُشَلّلِ فَهَدَمَهُ

رمضان آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ بن زید کو اس بت کو منہدم کرنے کے لیے مشلل بھیجا انہوں جاکر نے اسے زمین بوس کر دیا۔ (۲)

نسر :(گدھ)

نسر دیوتا کی حیثیت سے سامی قوموں میں بہت مدت سے پوجا جاتا تھا، اہل بابل کے دیوتاوں میں ایک نسرد ک بھی تھا، اب بابل میں اس دیوتا کا مجسمہ بھی نکلا ہے، یہ گدھ کی شکل کا تھا،

وَذُو الْكُلَاعِ مِنْ حِمْيَرَ، اتَّخَذُوا نَسْرًا بِأَرْضِ حِمْيَرَ

حمیر (یمن) کے علاقہ میں نجران کے پاس قبیلہ ذی الکلاع کے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔ (۳)

ود:(بابلی میں آفتاب)

یہ بت ایک نہایت عظیم الجثہ مرد کی شکل پر تھا جس کا استھان دومتہ الجندل میں تھا اور قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنو کلب اس کی پوجا کرتے تھے، قریش بھی اس کو معبود مان کر اس کی پوجا کرتے اور اس کے نام پر عبد ود جیسے نام رکھے جاتے تھے۔

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ:

اس کی مذمت میں کعب بن مالک انصاری نے یہ شعر کہا تھا۔

وَنَنْسَى اللَّاتَ وَالْعُزَّى وَوَدًّا وَنَسْلُبُهَا الْقَلَائِدَ وَالشُّنُوفَا

---

(۱) الروض الانف ۱/۲۲۱

(۲) مغازی واقدی ۲/۸۷۰

(۳) ابن ہشام ۱/۸۰

ہم لات وعزی و ودد کو چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے قلادے اور ہار چھین لیتے ہیں۔ (۱)

یغوث:(فریاد رسی کرنے والا)

وَأَهْلُ جُرَشَ مِنْ مَذْحِجَ اتَّخَذُوا يَغُوثَ بِجُرَشَ

اس کی شکل شیر کی تھی اور یہ یمن اور حجاز کے درمیان جرش کے مقام پر نصب تھا۔ (۲)

بنو مذحج اور ہمدان اس کی پوجا کرتے تھے، قبیلہ طے کی شاخ انعم، مراد اور بنو غطیف بھی اسے پوجتے تھے، قریش کے کچھ لوگ اس کے نام پر عبدیغوث نام رکھتے تھے۔

یعوق:(مصیبتوں کو روکنے والا)

وَخَيْوَانُ بَطْنٌ مِنْ هَمْدَانَ، اتَّخَذُوا يَعُوق بِأَرْضِ هَمْدَانَ مِنْ أَرْضِ الْيَمَنِ

اس کی شکل گھوڑے کی تھی اس کا استھان یمن کے علاقہ ہمدان میں صنعاء سے دو راتوں کے فاصلے پر مکہ کی جانب ارحب کے مقام پر واقع تھا، بنو ہمدان وخولان اس کی پوجا کرتے تھے۔ (۳)

اُساف:

یہ انسانی شکل میں زمزم کے پاس تھا، اس کا طواف کیا جاتا تھا اور قربانی دی جاتی تھی۔

ذوالخلصہ:

أنه كان مروة بيضاء منقوشة، عليها كهيئة التاج

یہ عورت کی شکل میں سفید سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا اور اس کے سر پر تاج جیسی کوئی چیز نقش تھی۔ (۴)

وَكَانَ ذُو الْخَلَصَةِ لِدَوْسٍ وَخَثْعَمٍ وَبَجِيلَةَ وَمَنْ كَانَ بِبِلَادِهِمْ مِنَ الْعَرَبِ بِتَبَالَةَ وَكَانَ يُقَالَ لَهُ الْكَعْبَةُ الْيَمَانِيَةُ ،تبالَة: قرب مَكَّة على مسيرَة سبع لَيَال مِنْهَا

اس پر ایک خوب صورت عمارت بنی ہوئی تھی دوس، خثعم اور بجیلہ قبائل اس بت ذوالخلصہ کی پوجا کرتے تھے، اس کو یمن کا کعبہ کہا جاتا تھا، اس کا بت مکہ سے سات منزل یمن کی جانب تبالہ کے مقام پر نصب تھا۔ (۵)

---

(۱) ابن ہشام ۱/۷۸

(۲) ابن ہشام ۱/۷۸

(۳) ابن ہشام ۱/۷۹

(۴) المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام ۱۱/۲۷۰

(۵) ابن ہشام ۱/۸۵

اس کی وقعت اہل عرب میں اتنی تھی کہ اس کے استھان کو یمن کا کعبہ کہا جاتا تھا۔ (۱)

يذبحون عليه

اور اس کے آگے جانور ذبح کیے جاتے تھے۔ (۲)

اور تعظیم کے طور پر اس کے گلے میں ہار ڈالے جاتے تھے، شتر مرغ کے انڈے لٹکائے جاتے تھے،

وَهُوَ صَنَمٌ وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَسْتَقْسِمُ عِنْدَهُ

یہ وہ بت تھا جس کے سامنے اہل عرب تیر ڈال کر شگون لیتے تھے۔ (۳)

فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَرِيرَ ابْنَ عَبْدِ اللَّهِ الْبَجَلِيَّ فَهَدَمَهُ

اس بت کو زمین بوس کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جریر رضی اللہ عنہ بن عبد اللہ البجلی کو بھیجا تھا۔ (۴)

فخربها وحرقها

انہوں نے اسے گرا کر جلا دیا۔ (۵)

صار مكانه موضع عتبة باب مسجد تبالة

اور پھر بعد میں اسے لا کر مسجد تبالہ کے دروازے کی دہلیز پر ڈال دیا۔ (۶)

فَحَدَّثَنِي بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَيْهَا عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَهَدَمَهَا، فَوَجَدَ فِيهَا سَيْفَيْنِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا: الرَّسُوبُ، وَلِلْآخِرِ: الْمِخْذَمُ. فَأَتَى بِهِمَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَهَبَهُمَا لَهُ، فَهُمَا سَيْفَا عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ

ابن اسحاق کہتے ہیں بعض اہل علم نے مجھ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس بت کو گرانے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن ابو طالب کو بھیجا تھا جنہوں نے اسے زمین بوس کر دیا انہوں نے اس میں سے دو تلواریں پائیں جن میں سے ایک کا نام رسوب اور دوسری کا مخذم تھا، سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں تلواریں رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے، رسول اللہ ﷺ نے وہ ان کو بخش دیں، پس وہی دو تلواریں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تھیں۔ (۷)

(۱) البداية والنهاية ۲/۲۴۳

(۲) المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام ۱۲/۲۱

(۳) البداية والنهاية ۲/۲۷۸

(۴) ابن ہشام ۱/۸۷

(۵) مرآة الجنان وعبرة اليقظان في معرفة ما يعتبر من حوادث الزمان ۱/۱۰۲

(۶) المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام ۱۲/۲۱

(۷) ابن ہشام ۱/۸۷

ذوالشریٰ:

دوس اور ازد قبائل کا دیوتا تھا، عسیر کے علاقہ میں اس کی پوجا ہوتی تھی ادوم (اردن) میں ایک پہاڑی کا نام شریٰ تھا یہاں بھی خصوصا پیڑا (بطراء) میں پوجا جاتا تھا

ذوالکفین:

یہ قبیلہ دوس کا دیوتا تھا، فتح مکہ کے بعد طفیل دوسی رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت پا کر واپس گئے اور اسے جلا دیا۔

ھبل:

وكان هبل عظيم أصنام قريش بمكة

یہ قریش مکہ کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔

جس کا اصل نام بعل (قوت) تھا جو اہل شام کا دیوتا تھا، قریش کو یہ بت انسانی مورت کی شکل میں ملا تھا اور سرخ عقیق سے تراشا ہوا تھا، قریش کو یہ اس حال میں ملا تھا کہ اس کا ایک ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا بعد میں اس کا وہ ہاتھ سونے کا بنا کر لگا دیا گیا،

وكان على بئر في جوف الكعبة وكانت تلك البئر التي يجمع فيها ما يهدي للكعبة

سب سے پہلے اس بت کو خزیمہ بن مدرکہ بن یاس بن مضر نے خانہ کعبہ کے اوپر اس کنویں پر نصب کیا تھا جس میں کعبہ کے لئے نذر کیے ہوئے ہدایا رکھے جاتے تھے۔[1]

اس لئے اس کا نام ہبل خزیمہ پڑ گیا تھا، اونٹ کی قربانی اس کے لئے سب سے بہتر سمجھی جاتی تھی،

وَكَانَ عِنْدَ هُبَلَ قِداح سَبْعَةٌ، كُلُّ قِدْح مِنْهَا فِيهِ كِتَابٌ. قِدْح فِيهِ "العَقْل"، إِذَا اخْتَلَفُوا فِي الْعَقْلِ مَنْ يَحْمِلُهُ مِنْهُمْ، ضَرَبُوا بِالْقِدَاحِ السَّبْعَةِ، فَإِنْ خَرَجَ الْعَقْلُ فَعَلَى مَنْ خرج حمله. وقدح فيه "نَعَم" للأمر إذ أرادوه يُضرب به الْقِدَاحِ، فَإِنْ خَرَجَ قِدْحُ نَعَمْ، عَمِلُوا بِهِ. وَقِدْحٌ فِيهِ "لَا" إِذَا أَرَادُوا أَمْرًا ضَرَبُوا به القداح، فَإِنْ خَرَجَ ذَلِكَ الْقِدْحُ لَمْ يَفْعَلُوا ذَلِكَ الْأَمْرَ، وقِدْح فِيهِ "مِنكُمْ" وَقِدْحٌ فِيهِ "مُلصَق"، وَقِدْحٌ فِيهِ "مِنْ غَيْرِكُمْ"، وَقِدْحٌ فِيهِ "المياه"، إذا أرادوا أن يحفروا الماء ضَرَبُوا بِالْقِدَاحِ، وَفِيهَا ذَلِكَ القِدْح، فَحَيْثُمَا خَرَجَ عَمِلُوا بِهِ.وَكَانُوا إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَخْتِنُوا غُلَامًا، أَوْ يُنكحوا مَنْكحا، أَوْ يَدْفِنُوا مَيْتًا، أو شَكوا فِي نَسَبِ أَحَدِهِمْ، ذَهَبُوا بِهِ إِلَى هُبَل وبمائة دِرْهَمٍ وَجَزُورٍ، فَأَعْطَوْهَا صَاحِبَ الْقِدَاحِ الَّذِي يَضْرب بِهَا، ثُمَّ قرَّبوا صَاحِبَهُمْ الَّذِي يُرِيدُونَ بِهِ مَا يُرِيدُونَ، ثُمَّ قَالُوا: يَا إِلَهَنَا هَذَا فلان ابن فلان قد أردنا به كذا، فَأَخْرِجْ الحقَّ فِيهِ. ثُمَّ يَقُولُونَ لِصَاحِبِ القِداح: اضْرِبْ

اس بت ہبل کے پاس سات قداح (پانسے یا فال نکالنے کے تیر) رکھے رہتے تھے جن پر مخصوص الفاظ لکھے ہوئے تھے، عربوں میں جب

---

[1] سيرة ابن إسحاق-السير والمغازي ۱/۳۲

کوئی تنازعہ ہوتا تو ان قرعوں کو مخصوص انداز میں ڈال کر دیکھتے، جس کے نام پر خوں بہا والا قرعہ نکلتا اسی کے ذمہ خوں بہا کیا جاتا تھا،اور ایک تیر پر نعم لکھا ہوا تھا یعنی یہ اچھا کام ہے اس کو کرو،اور ایک تیر پر لا لکھا ہوا تھا یعنی اس کو نہ کرو اور ایک تیر پر منکم اور ایک پر ملصق اور ایک پر من غیرکم لکھا تھا یعنی جب کسی کے نسب میں شک ہوتا اور اس بات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی کہ یہ شخص ہمارے قبیلہ سے ہے یا نہیں تو ان قرعوں سے معلوم کرتے اگر ''منکم'' کا قرعہ نکلتا تو سمجھتے کہ یہ ہمارے قبیلے کا ہے اور اگر ''من غیرکم'' کا قرعہ نکلتا تو سمجھتے کہ ہم میں سے نہیں ہے اور اگر ''ملصق'' کا قرعہ نکلتا تو اس کو اسی حالت پر رہنے دیتے اور اپنے نسب میں شریک نہ کرتے،اور نکاح یا منگنی وغیرہ کے واسطے بھی قرعہ ڈالتے تھے جیسا قرعہ نکلتا اس کے موافق عمل کرتے،اور اس قرعہ اندازی کا یہ طریقہ تھا کہ جو شخص حاجت مند ہوتا وہ سو درہم اور ایک اونٹ لا کر اس قرعہ انداز کو جو ہبل کا خادم خاص تھا کی نذر کرتا اور اس شخص کو جس کے متعلق دریافت کرنا ہوتا تھا، پھر بت کے آگے کر کے سب نیازمندی سے عرض کرتے اے ہمارے معبود! یہ فلاں بن فلاں حاضر ہے اور ہم نے اس کے ساتھ ایسا ارادہ کیا ہے تو حق کو ظاہر کر دے، پھر قرعہ انداز سے کہتے قرعہ ڈال، وہ قرعہ ڈالتا اور جیسا قرعہ نکلتا اس کے موافق عمل کرتے۔[1]

عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کے لئے فال کا تیر اسی بت کے پاس پھینکا تھا،

وَهُوَ الَّذِي يَعْنِي أَبُو سُفْيَانَ ابْن حَرْبٍ يَوْمَ أُحُدٍ حِينَ قَالَ: أُعْلِ هُبَلُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُمْ يَا عُمَرُ فَأَجِبْهُ، فَقُلْ: اللَّهُ أَعْلَى وَأَجَلُّ، لَا سَوَاءَ ، قَتْلَانَا فِي الْجَنَّةِ، وَقَتْلَاكُمْ فِي النَّارِ

یہی وہ بت ہے جس کی بڑائی کا نعرہ غزوہ احد میں ابوسفیان نے لگایا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اے عمر رضی اللہ عنہ! کھڑے ہو اور اس کے جواب میں اللہ اعلی واجل کا نعرہ بلند کرو اور کہو ہمارے مقتول جنت میں اور تمہارے مقتول جہنم میں داخل ہو گئے۔[2]

فتح مکہ کے موقعہ پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے توڑ دیا۔

قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: وَكَانَ لِحِمْيَرَ وَأَهْلِ الْيَمَنِ بَيْتٌ بِصَنْعَاءَ يُقَالُ لَهُ: رِئَامٌ . وَكَانَتْ رُضَاءٌ بَيْتًا لِبَنِي رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ سَعْدِ بْنِ زَيْدِ مَنَاةَ بْنِ تَمِيمٍ وَلَهَا يَقُولُ الْمُسْتَوْغِرُ بْنُ رَبِيعَةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ سَعْدٍ حِينَ هَدَمَهَا فِي الْإِسْلَامِ:

ابن اسحاق کہتے ہیں قبیلہ حمیر اور اہل یمن کا ایک بت تھا جس کا نام رِئَامٌ تھا،اور قبیلہ ربیعہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم کی اولاد کا ایک بت خانہ تھا جس کا نام رضا تھا جب زمانہ اسلام میں اس بت کو منہدم کر دیا گیا تو اس کی مذمت میں مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن سعد نے یہ شعر کہے۔

وَلَقَدْ شَدَدْتُ عَلَى رُضَاءٍ شَدَّةً فَتَرَكْتُهَا قَفْرًا بِقَاعٍ أَسْحَمَا

میں نے رضا (بت خانہ) پر سخت حملہ کیا اور اس کو میدان میں ننگا کر دیا۔[3]

---

[1] ابن ہشام ۱/۱۵۲،سیرۃ ابن إسحاق - السیر والمغازي ۱/۳۲

[2] ابن ہشام ۲/۹۳

[3] الروض الانف ۱/۲۲۴

ان کے علاوہ یہ بت بھی تھے۔

بت کا نام	جو قبائل انہیں پوجتے تھے	بت کا نام	جو قبائل انہیں پوجتے تھے
اقیصر	جسے قضاعہ، جذام، عاملہ اور غطفان	باجر	ازد، طی وقضاعہ
رضا یا رضی	بنو ربیعہ	رمام	حمیر سعد (جو صحرا میں ایک طویل پتھر تھا) بنی لمکان بن کنانہ
سعیر	غنزہ	عائم	ازد السراۃ
عم انس یا عمیانس	خولان	قلیس	طی
مناف	قریش	نہم	مزنیہ
بعیوب	حدیلہ (بنی طی)	اشہل	بنو عبد الاشہل
اوال	بکر و تغلب	بس	غطفان
دار	عبد الدار	شمس	بنو عبد شمس
ضمار	عباس بن مرداس سلمی کا قبیلہ	ضیزن	منذر اکبر
جہار	ہوزان	عبعب	قضاعہ
عوض	بکر بن وائل	یالیل	عبد یالیل قبائل پرستش کرتے تھے

بعیم ، بلج، جبہ ، جلسد، دوار
دیویاں تھیں جن کا عورتیں اور نوجوان لڑکیاں طواف کرتی تھیں۔

ان کے علاوہ یہ بت بھی تھے،

ذوالرجل، سجہ، شارق، صدا، صمودا، عوف، غبغب، کسعہ، منہب، ہبا، ذات الوداع

الغرض مکہ مکرمہ کے ہر گھر میں ایک ایک بت رکھا ہوا تھا جس کی اس گھر والے رات کو سونے سے قبل عبادت کیا کرتے تھے، ان میں جب کوئی سفر پر روانہ ہوتا تو اس بت کو چھو کر روانہ ہوتا اور جب واپس آتا تو تب بھی اسے چھوتا، چنانچہ بڑھتے بڑھتے کعبہ میں تین سو ساٹھ بت ہو گئے،

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ، وَحَوْلَ البَيْتِ سِتُّونَ وَثَلاَثُ مِائَةِ نُصُبٍ

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں (فتح کے بعد) داخل ہوئے تو کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ

بت نصب تھے۔ (۱)

چونکہ کعبہ تمام عرب کا مرکز تھا اس لئے ہر فرقہ کے معبود اور بزرگان دین کا اس گھر میں مجمع تھا، یہ ساری پتھر کی مورتیاں نہ تھیں کہ اتنی تعداد تو کعبہ میں سما ہی نہ سکتی تھی بلکہ ان میں خاصی تعداد میں دیواروں پر بزرگوں اور دیوتاوں کی رنگین تصویریں بنی ہوئی تھیں، مشرکین جب کوئی جانور ذبح کرتے تو اس کے کئی حصہ دار ہو جاتے، پھر کئی تیر جو پہلے سے کعبہ اللہ میں رکھتے تھے جن کا جد اجد انام ہوتا تھا کسی تیر پر زیادہ حصہ دار تھے کسی پر کم حصے تھے اور کسی پر کچھ حصہ نہ ہوتا تھا، مشرکین ان تیروں کو لے کر ایک تھیلے میں ڈال لیتے تھے پھر حصہ داروں میں سے ہر ایک کے نام پر ایک ایک تیر نکالتے تھے جس کے نام کے ساتھ زیادہ حصوں والا تیر نکلتا وہ بہت سعادت مند سمجھا جاتا حتی کہ جس کے نام پر ایسا تیر نکلتا جس کا کوئی حصہ نہ ہوتا تو وہ شخص منحوس سمجھا جاتا اور پھر اس کو دوسرے ساتھی لعن طعن کرتے تھے، اس شرک وبدعت کی مشرکین کے ہاں بڑی وقعت تھی، اس لئے انھوں نے کعبہ میں بھی (نَعُوذُ بِاللّٰہِ) ابراہیم واسماعیل کی تصویروں میں یہ تیر پکڑا رکھے تھے ،رسول اللہ ﷺ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ، لَقَدْ عَلِمُوا: مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ

اللہ ان پر لعنت کرے وہ اچھی طرح جانتے بھی ہیں کہ ہمارے بزرگ (ابراہیم واسماعیل علیہما السلام) نے کبھی تیروں کے ساتھ یہ تقسیم نہیں کی۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ، وَحَوْلَ البَيْتِ سِتُّونَ وَثَلاَثُ مِائَةِ نُصُبٍ، فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ، وَيَقُولُ: جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ، إِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ جب مکہ میں (فتح کے بعد) داخل ہوئے تو کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت نصب تھے، رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ہر ایک کو چوکا مارتے اور فرماتے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔ جس سے بت منہ کے بل گر پڑتے۔ (۳)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ، أَبَى أَنْ يَدْخُلَ البَيْتَ وَفِيهِ الآلِهَةُ، فَأَمَرَ بِهَا فَأُخْرِجَتْ

اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ جب مکہ آئے تو آپ بیت اللہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہوئے جب تک اس میں بت موجود تھے، بلکہ آپ ﷺ نے حکم دیا اور بتوں کو باہر نکال کر پھینکوا دیا۔ (۴)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب تفسیرالقرآن سورۂ بنی اسرائیل بَابُ وَقُلْ جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ إِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۴۷۲۰

(۲) صحیح بخاری کتاب المغازی بابُ أَيْنَ رَكَزَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّايَةَ يَوْمَ الفَتْحِ؟ ۴۲۸۸

(۳) صحیح بخاری کتاب التفسیرسورۂ بنی اسرائیلبَابُ وَقُلْ جَاءَ الحَقُّ وَزَهَقَ البَاطِلُ إِنَّ البَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۴۷۲۰، صحیح مسلم کتاب الجہادوالسیربَابُ إِزَالَةِ الْأَصْنَامِ مِنْ حَوْلِ الْكَعْبَةِ ۴۶۲۵

(۴) صحیح بخاری کتاب المغازی بابُ أَيْنَ رَكَزَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّايَةَ يَوْمَ الفَتْحِ؟ ۴۲۸۸

چنانچہ کعبہ کے سارے بت توڑ دیئے گئے، ساری جاری رسمیں مٹادی گئیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اس طریقہ پر عبادت کرو۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ (۱)

ترجمہ: پھر جب عرفات سے چلو، تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔

ملائکہ کی عبادت:

اہل عرب فرشتوں کی ہستی کے منکر نہ تھے، وہ اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ موت کے وقت انسان کی روح فرشتے ہی نکالتے ہیں، ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ فرشتے انتہائی تیزی سے حرکت کرتے ہیں، وہ زمین سے آسمان کی بلندیوں اور ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آناً فاناً پہنچ جاتے ہیں، اور اللہ انہیں جو حکم دیتا ہے اسے فوراً سرانجام دیتے ہیں، ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ فرشتے خود مختیار اور اپنی مرضی کے مالک نہیں بلکہ اللہ کے تابع فرمان ہیں اور اللہ کے حکم سے کائنات کا انتظام چلاتے ہیں، مگر جہالت کی بنا پر قریش، جہینہ، بنی سلمہ، خزاعہ، بنی ملیح اور بعض دوسرے قبائل کا عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اس لئے انہیں معبود بنا کر ان کی پرستش کی جاتی تھی، مگر وہ یہ بھی کہتے تھے کہ اصل اختیارات ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اہل عرب اپنے گھروں میں لڑکی کی پیدائش پسند نہیں کرتے تھے تاکہ ان کی حفاظت بھی نہ کرنی پڑے اور داماد کے آگے سر بھی نہ جھکانا پڑے، اس لئے ان کی خواہش ہوتی تھی کہ بس لڑکے ہی پیدا ہوتے رہیں تاکہ ان کا قبیلہ مردانہ افرادی قوت کی وجہ سے خوب طاقتور اور مضبوط ہو، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں ان کا اعتقاد الٹا تھا، قبائل قریش میں، بہنیہ، بنی سلمہ، خزاعہ، بنی ملیح وغیرہ (نعوذ باللہ) فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے اور دیویاں مانتے تھے، ان کے عورتوں کی طرح بت بناتے، انہیں خوبصورت کپڑے اور زیور پہنا کر ان کی پرستش کرتے اور ان سے منتیں مرادیں مانگتے اور اس بات کے قائل تھے کہ یہ دیویاں اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اس اعتقاد کے بارے میں فرمایا۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (۲)

ترجمہ: انہیں نے اللہ اور ملائکہ کے درمیان نسب کا رشتہ بنا رکھا ہے، حالانکہ ملائکہ خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ مجرم کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔

پھر لوگوں کی اپنی خواہش کا حوالہ دے کر فرمایا۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ (۳)

ترجمہ: یہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ! اور ان کے لیے وہ جو یہ خود چاہیں؟۔

(۱) البقرة ۱۹۸

(۲) الصافات ۱۵۸

(۳) النحل ۵۷

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ﴿۲۱﴾ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ﴿۲۲﴾ (۱)

ترجمہ: کیا بیٹے تمہارے لیئے ہیں اور بیٹیاں اللہ کے لیے؟ یہ تو بڑی دھاندلی کی تقسیم ہوئی!۔

فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّكَ الۡبَنَاتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿۱۴۹﴾ (۲)

ترجمہ: پھر ذرا ان لوگوں سے پوچھو، کیا (ان کے دل کو یہ بات لگتی ہے کہ) تمہارے رب کے لیے تو ہوں بیٹیاں اور ان کے لیے ہوں بیٹے!۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰۤـئِكَةَ تَسۡمِيَةَ الۡاُنۡثٰى ﴿۲۷﴾ (۳)

ترجمہ: مگر جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے وہ فرشتوں کو دیویوں کے ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

پھر ان لوگوں کی کم عقلی کی بات فرمائی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ (۴)

ترجمہ: یہ کہتے ہیں رحمان اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ، وہ تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے۔

وَجَعَلُوا الۡمَلٰۤـئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ... ﴿۱۹﴾ (۵)

ترجمہ: انہوں نے فرشتوں کو جو خدائے رحمان کے خاص بندے ہیں عورتیں قرار دے لیا، کیا ان کے جسم کی ساخت انہوں نے دیکھی ہے؟۔

پھر فرشتوں کا صحیح مقام بتلایا

اِنَّ الَّذِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّكَ لَا يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ عَنۡ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوۡنَهٗ وَلَهٗ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۲۰۶﴾ (۶)

ترجمہ: جو فرشتے تمہارے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں وہ کبھی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آ کر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے، اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے جھکے رہتے ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾ (۷)

ترجمہ: یہ کہتے ہیں رحمان اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ، وہ تو بندے ہیں جنہیں عزت دی گئی ہے، اس کے حضور بڑھ کر نہیں بولتے اور بس اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

---

(۱) النجم ۲۱،۲۲

(۲) الصافات ۱۴۹

(۳) النجم ۲۷

(۴) الانبیاء ۲۶

(۵) الزخرف ۱۹

(۶) الاعراف ۲۰۶

(۷) الانبیاء ۲۶،۲۷

اور پھر قیامت کی گھڑی کی یاد دلا کر تنبیہ فرمائی کہ جن مقرب بندوں (فرشتوں) کو تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بیٹیاں قرار دے کر پرستش کرتے ہو روز قیامت تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ أَهَٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ﴿٤٠﴾ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَكَ أَنتَ وَلِيُّنَا مِن دُونِهِم ۖ بَلْ كَانُوا۟ يَعْبُدُونَ ٱلْجِنَّ ۖ أَكْثَرُهُم بِهِم مُّؤْمِنُونَ ﴿٤١﴾ [1]

ترجمہ: اور جس دن وہ تمام انسانوں کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ پاک ہے آپ کی ذات، ہمارا تعلق تو آپ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے، در اصل یہ ہماری نہیں بلکہ جنوں کی عبادت کرتے تھے، ان میں سے اکثر انہی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

کیونکہ شیاطین ہی نے ان کو یہ راستہ دکھایا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حاجت روا سمجھو اور ان کے آگے نذ و نیاز پیش کیا کرو۔

جنوں کی عبادت:

اہل عرب جنات کو بھی اللہ کا عزیز و مقرب اور اللہ کا شریک سمجھتے تھے، اس لئے ان کی بھی پوجا کی جاتی تھی، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ ہر غیر آباد یا سنسان جگہ کسی نہ کسی جن کے قبضے میں ہے، اگر ان کی اجازت کے بغیر وہاں قیام کر لیا جائے تو اول تو وہ قابض جن خود ستاتا ہے یا کسی ستانے والے جن کو ستانے دیتا ہے، چنانچہ اگر کسی وادی میں پانی اور جانوروں کا چارہ ختم ہو جاتا تو پانی اور چارے کی تلاش شروع ہوتی، پھر جہاں یہ چیزیں مل جاتیں تو وہاں چلے جاتے

أنهم كانوا إذا نزلوا الوادي، قالوا: نعوذ بسيد هذا الوادي من شر ما فيه

مگر اترنے سے پہلے زور زور سے پکار کر کہتے ہم اس وادی کے رب کی پناہ چاہتے ہیں تا کہ ہم یہاں بخیر و خوبی قیام کر سکیں۔

اسی طرح اگر دوران سفر کسی وادی میں رات ہو جاتی تو شب بسری کے لئے اسی طرح جنوں، بھوتوں، جنگلی شیروں اور شیطانوں کی شرارت سے پناہ چاہتے،

أن أحدهم كان إذا اشترى دارا أو استخرج ماء عين أو بنى بنيانا وما أشبهه، ذبح ذبيحة

اس کے علاوہ جب کوئی گھر بناتا یا کنواں کھودتا تب بھی جنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی جانور ذبح کرتے۔ [2]

مشہور مقام دراہم پر رہنے والے جنوں (مکان الدراہم) پر ان کے نام کی قربانی بھی کرتے تھے، قبیلہ خزاعہ کی شاخ بنو ملیح تو خاص طور پر جنوں کی عبادت کرتا تھا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اہل عرب کے اس عقیدے کے بارے میں جنوں کا مقولہ نقل فرمایا۔

وَأَنَّهُۥ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ ٱلْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ ٱلْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا ﴿٦﴾ [3]

[1] سبا ۴۱،۴۰

[2] المفصل فی تاریخ العرب قبل اسلام ۱۲/۳۸۴

[3] الجن ٦

ترجمہ: اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے بعض لوگوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، اس طرح انہوں نے جنوں کا غرور اور زیادہ بڑھا دیا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰ (۱)

ترجمہ: اس پر بھی لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھیرا دیا حالانکہ وہ ان کا خالق ہے، اور بے جانے بوجھے اس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تصنیف کر دیں حالانکہ وہ پاک اور بالاتر ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا انجام یہ بیان فرمایا۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰۗؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۸ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۲۹ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝۱۳۰ (۲)

ترجمہ: جس روز اللہ ان سب لوگوں کو گھیر کر جمع کرے گا اس روز وہ جنوں (یعنی شیاطین جن) سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ اے گروہ جن! تم نے تو نوع انسانی پر خوب ہاتھ صاف کیا، انسانوں میں سے جو ان کے رفیق تھے وہ عرض کریں گے پروردگار! ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو خوب استعمال کیا ہے اور اب ہم اس وقت پر آپہنچے ہیں جو تو نے ہمارے لئے مقرر کر دیا تھا، اللہ فرمائے گا اچھا اب آگ تمہارا اٹھکانا ہے اس میں تم ہمیشہ رہو گے، اس سے بچیں گے صرف وہی جنہیں اللہ بچانا چاہئے گا، بیشک تمہارا رب دانا اور علیم ہے، دیکھو اس طرح ہم آخرت میں ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنائیں گے اس کمائی کی وجہ سے جو وہ (دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر) کرتے تھے (اس موقع پر اللہ ان سے یہ بھی پوچھے گا کہ) اے گروہ جن وانس، کیا تمہارے پاس خود تم ہی میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم کو میری آیات سناتے اور اس دن کے انجام سے ڈراتے، وہ کہیں گے ہاں، ہم اپنے خلاف خود گواہی دیتے ہیں، آج دنیا کی زندگی نے ان لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیا ہے مگر اس وقت وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

کہانت:

اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں کچھ خارق عادات قوتیں ہیں جو جنوں اور شیاطین کی مدد سے دنیا پر غالب رہتی ہیں، ان کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ جادوگروں اور کاہنوں سے جنوں کا گہرا تعلق ہوتا ہے، چنانچہ یہ لوگ اپنے مستقبل کے حالات معلوم کرنے کے لئے کاہنوں کے پاس جاتے رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ سحر اور کہانت ان کی نگاہ میں بڑا معزز اور محترم پیشہ تھا، یہ کاہن اور کاہنہ بڑے ہوشیار تھے، یہ بت خانوں میں رہتے

(۱) الانعام ۱۰۰

(۲) الانعام ۱۲۸ تا ۱۳۰

اور اپنی وضع قطع ایسی بناتے کہ دوسروں سے مختلف نظر آتے، بتوں کے پجاری ہونے کی وجہ سے ان کے اثرات تمام ملک پر چھائے ہوئے تھے، ان کاہنوں کا یہ دعویٰ ہوتا تھا کہ کوئی جن اس کا دوست یا تابع ہے جو اسے آنے والے وقت کے متعلق خبریں پہنچاتا ہے، اس طرح وہ آنے والے وقت کے متعلق درست پیشین گوئی کرسکتا ہے، یہ اپنے طور طریقوں سے عوام میں فریب کاری کا جال پھیلاتے جن میں پھنس کر سادہ لوح لوگ ان کے پاس کہانت کے لئے آتے اور اس کے عوض بڑی بڑی رقومات ان کاہنوں یا کاہنہ کے نذر کرتے، یہ نذرانہ حلوان الکاہن کہلاتا (یعنی وہ تحفہ جو کاہن کا منہ میٹھا کرنے کے لئے دیا گیا) اس کے علاوہ یہ کاہن مختلف نزاعات کا فیصلہ بھی کرتے تھے۔

عراف جن کا دعویٰ ہوتا تھا کہ وہ اس بات کے اہل ہیں کہ وہ چوری کا مال برآمد کراسکتے ہیں، گم شدہ جانور کا اتہ پتہ بتاسکتے ہیں وغیرہ۔

نجومی جن کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ ستاروں کی حرکات سے معلوم کر کے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا علم دے سکتے ہیں، پر ایمان و یقین رکھتے اور اپنی ضروریات کے لئے ان کے پاس جاتے تھے۔

اس طرح لوگوں کے ذہنوں میں اوہام و خرافات جڑ پکڑ چکے تھے، اسلام نے اس دجل و فریب کے خلاف جس کو علم و ہدایت اور کتاب الٰہی سے کوئی واسطہ نہ تھا اعلان جنگ کیا، اور تعلیم دی

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔۔۔ ﴿٦٥﴾ (١)

ترجمہ: ان سے کہو، اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔

اور درحقیقت غیب کا علم نہ فرشتے رکھتے ہیں نہ جن اور نہ انسان، نبی ﷺ نے اپنے رب کا یہ فرمان سنایا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ (٢)

ترجمہ: اے محمد (ﷺ) ان سے کہو کہ میں اپنی ذات کے لیے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لیے حاصل کرلیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کے لیے جو میری بات مانیں۔

اور سلیمان علیہ السلام کے جنوں کے بارے میں واضح فرمایا۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰي مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَاۗبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿١٤﴾ (٣)

ترجمہ: پھر جب سلیمان (علیہ السلام) پر ہم نے موت کا فیصلہ نافذ کیا تو جنوں کو اس کی موت کا پتہ دینے والی کوئی چیز اس گھن کو سوا نہ تھی جو اس کے

---

(١) النمل ٦٥

(٢) الاعراف ١٨٨

(٣) سبا ١٤

عصا کو کھا رہا تھا اس طرح جب سلیمان (علیہ السلام) گر پڑا تو جنوں پر یہ بات کھل گئی کہ اگر وہ غیب کے جاننے والے ہوتے تو اس ذلت کے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

لہذا جو شخص اس بات کا مدعی ہو کہ حقیقتاً اس کو غیب کا علم ہے وہ اللہ، حقیقت اور لوگوں، سب کو فریب دینے کی کوشش کرتا ہے، اسلام نے کاہنوں اور دجالوں کی مخالفت پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کو بھی گناہ میں شریک ٹھہرایا جو ان کے پاس جا کر سوالات کرتے ہیں اور ان کے اوہام اور گمراہ کن باتوں کی تصدیق کرتے ہیں،

عَنْ بَعْضِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً

بعض ام المومنین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نجومی کے پاس گیا اور سوالات کیے پھر اس کی باتوں کی تصدیق کی اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہوگی۔[1]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَتَى كَاهِنًا، أَوْ عَرَّافًا، فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غیب کی خبر معلوم کرنے کے لئے کاہن کے پاس گیا یا عراف کے پاس گیا اور اس کی باتوں کی تصدیق کی اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہدایت (قرآن مجید) سے کفر کیا۔[2]

کفر اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ہدایت نازل کی گئی ہے کہ غیب اللہ وحدہ ہی کے لئے ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں ہے اور کسی اور کو تو بدرجہ اولیٰ نہیں ہے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۝٥٠ [3]

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے کہو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔

قرآن کی اس صریح اور واضح ترین بات کو جاننے کے باوجود اگر ایک مسلمان اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ بعض لوگ پردہ ہٹا کر تقدیر کو دیکھ

---

[1] صحیح مسلم کتاب السلام بَابُ تَحْرِيمِ الْكَهَانَةِ وَإِتْيَانِ الْكُهَّانِ ۵۸۲۱، مسند احمد ۱۶۶۳۸، السنن الکبری للبیہقی ۱۶۵۱۰، معجم الاوسط ۱۴۰۲

[2] مسند احمد ۹۵۳۶، جامع ترمذی کتاب الطھارۃ بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ إِتْيَانِ الحَائِضِ ۱۳۵، سنن ابی داود کتاب الکھانۃ والتطیر بَابٌ فِي الْكَاهِنِ ۳۹۰۴

[3] الانعام ۵۰

سکتے ہیں اور غیب کے راز ہائے سربستہ معلوم کر سکتے ہیں تو وہ اس ہدایت کے ساتھ کفر کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے۔

اسلام نے جس طرح نجومی کے پاس غیب اور راز کی باتیں معلوم کرنے کی غرض سے جانا حرام ٹھہرایا ہے اسی طرح جادو سیکھنے یا جادوگروں کے پاس کسی مرض کے علاج یا کسی مشکل کو حل کرنے کے لئے جانا بھی حرام قرار دیا ہے۔

عَنْ حَدِيثِ أَبِي مُوسَى، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ثَلَاثَةٌ لَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ خَمْرٍ وَقَاطِعُ رَحِمٍ وَمُصَدِّقٌ بِالسِّحْرِ

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین قسم کے اشخاص جنت میں داخل نہیں ہوں گے شراب پینے والا قطع رحمی کرنے والا اور جادو پر اعتقاد رکھنے والا۔[1]

یہ حرمت جادوگر ہی کی حد تک نہیں ہے بلکہ اس میں جادو پر اعتقاد رکھنے والے، اس کی حوصلہ افزائی کرنے والے اور جادوگر کی باتوں کو صحیح سمجھنے والے بھی شامل ہیں۔

بتوں کے آستانوں پر فال گری:

عرب کے لوگ بڑے ہی توہم پرست تھے انہیں جب کوئی ایسا مسئلہ پیش آجاتا جسے وہ حل کرنے سے قاصر رہتے یا سفر پر جانا ہوتا یا نکاح کرنا ہوتا، قتل کی دیت کا مسئلہ ہوتا، یا کسی کے حسب ونسب پر شک وشبہ ہوتا یا جو اکھیلنا ہوتا تو اپنے دیوتا ہبل کی رضامندی معلوم کرنے کے لئے مہنت کے ذریعہ جسے صاحب القداح کہا جاتا تھا نذرانہ پیش کر کے تیر پھینکتے، جو بھی تیر نکل آتا اسے ہبل دیوتا کا فیصلہ سمجھا جاتا تھا یہ تیر تین اقسام کے تھے۔

- سفر پر جانے اور نکاح کے لئے جو تیر تھے ان میں ایک تیر پر ہاں دوسرے پر نہیں لکھا ہوا ہوتا، اگر ہاں والا تیر پڑتا تو اسے اپنے حق میں نیک شگون تصور کرتے اور اگر ناں کا تیر پڑتا شگون بدلیتے اور ایک سال کے لئے سفر یا نکاح ملتوی کر دیتے۔
- دوسری قسم یہ تھی کہ تیروں پر قتل کی دیت وغیرہ لکھی ہوئی ہوتی، جتنی دیت کا تیر پڑتا ادا کرنی پڑتی۔
- تیسری قسم حسب ونسب کے بارے میں تھی اگر کسی کو کسی کے حسب ونسب کے بارے میں شبہ ہوتا تو سو اونٹ لے کر آتے، مہنت ایک خاص طریقہ پر تین تیر پھینکتا، ایک تیر پر لکھا ہوا ہوتا کہ یہ تم میں سے ہے دوسرے پر لکھا ہوا ہوتا تمہارے غیر سے ہے اور تیسرے تیر پر لکھا ہوا ہوتا تم سے ملحق ہے، اگر پہلا تیر نکلتا تو قبیلہ کا فرد مان لیا جاتا دوسرا تیر نکلتا تو اسے حلیف مان لیا جاتا اور تیسرا تیر نکلتا تو نہ تو اسے اپنے قبیلہ کا فرد تسلیم کرتے اور نہ ہی حلیف مانتے مگر وہ اپنی حیثیت پر برقرار رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے پانسوں، دست شناسی، علم جفر، علم اعداد اور زائچہ وغیرہ کے ذریعہ سے قسمت کا حال معلوم کرنے سے منع فرمایا۔

...وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ... ۝۳ [2]

---

[1] مسند احمد ۱۹۵۶۹، مستدرک حاکم ۷۲۳۴، صحیح ابن حبان ۵۳۴۶

[2] المائدة ۳

ترجمہ: نیز یہ بھی تمہارے لیے ناجائز ہے کہ پانسوں کے ذریعہ سے اپنی قسمت معلوم کرو، یہ سب افعال فسق ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ [1]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یہ شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی۔

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَا يَنَالُونَ الدَّرَجَاتِ الْعُلَى : مَنْ تَكَهَّنَ أَوِ اسْتَقْسَمَ، أَوْ رَجَعَ مِنْ سَفَرِهِ طِيَرَةً

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص بلند درجات کو نہیں پہنچ سکتا جو کہانت کرے یا پانسوں کے ذریعہ قسمت کا حال معلوم کرے یا بدشگونی کی وجہ سے سفر سے واپس لوٹ آئے۔ [2]

اسلام نے اس چیز کی ممانعت کی اور قرعہ کے بجائے نماز استخارہ اور اس کی مخصوص دعا کو مشروع کیا،

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَشِيرِ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهُ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهِ

ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چوسر کھیلا اس نے گویا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت اور سور کے خون سے آلودہ کیا۔ [3]

بدشگونی:

تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرنے کے علاوہ اہل عرب ایک اور طرح بھی شگون یا بدشگون لیتے تھے، اس کا طریقہ یوں ہوتا۔

كَانَ الرَّجُلُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا أَرَادَ الْحَاجَةَ أَتَى الطَّيْرَ فِي وَكْرِهِ فَنَفَّرَهُ فَإِنْ أَخَذَ ذَاتَ الْيَمِينِ مَضَى لِحَاجَتِهِ وَإِنَّ أَخَذَ ذَاتَ الشِّمَالِ رَجَعَ فَنَهَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ

دور جاہلیت میں جب کسی شخص کو کوئی حاجت ہوتی تو کسی چڑیا کو اڑاتے یا ہرن کے پاس جا کر اسے دوڑاتے، اگر وہ دائیں ہاتھ کی طرف جاتا تو نیک شگون لیتے اور اگر الٹے ہاتھ کی طرف جاتا تو شگون بد سمجھ کر اپنے ارادے سے باز رہتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ [4]

---

[1] المائدہ ۹۰

[2] المعجم الاوسط للطبرانی ۲۶۶۳، شعب الایمان ۱۰۲۵۴

[3] صحیح مسلم کتاب الشعر بَابُ تَحْرِيمِ اللَّعِبِ بِالنَّرْدَشِيرِ ۵۸۹۶، مسند احمد ۲۳۰۵۶، صحیح ابن حبان ۵۸۷۳، شعب الایمان ۶۰۷۷، السنن الکبری للبیہقی ۲۰۹۴۹

[4] المجموع شرح المہذب ۸/۴۴۶

اسی طرح پرندوں اور جانوروں کی آوازوں پر بھی بدشگون لیتے تھے،

أُمِّ كُرْزٍ الْكَعْبِيَّةِ الَّتِي تُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَقِرُّوا الطَّيْرَ عَلَى مَكِنَاتِهَا

ام کرز الکعبیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تم پرندوں کو ان کے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو (اور اللہ پر بھروسہ کر کے سفر پر روانہ ہو جاو)۔ [1]

اسی طرح اگر کوئی پرندہ یا جانور راستہ کاٹ دیتا تو اسے منحوس تصور کرتے، پالتو جانوروں کی نقل و حرکت کا بہت خیال رکھا جاتا تھا، سواری کا جانور (گھوڑا یا گدھا) کیسے کھڑا ہوتا ہے، اس کا کونسا کان ہلتا ہے، باہر نکلتے وقت کونسا پاوں پہلے دہلیز سے باہر رکھتا ہے، سواری کے وقت کونسے نتھنے سے سانس لے رہا ہے، ان سب باتوں سے سفر کے وقت اور مقصد میں کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ کیا جاتا تھا، موذی سانپ کو اس توہم کے ساتھ نہ مارتے کہ اس کا جوڑا آ کر اس کا بدلہ ضرور لے گا، ان کا ایک توہم یہ بھی تھا کہ ہر انسان کے پیٹ کے اندر ایک سانپ رہتا ہے جو بھوک کے وقت کاٹتا ہے، اسی طرح وہ الو کو منحوس جانور سمجھتے تھے انکا خیال تھا کہ یہ مردے کی کھوپڑی سے پیدا ہوتا ہے، ستاروں اور چاند و سورج کی نقل و حرکت سے انسانی قسمت معلوم کرنے کا رواج بھی دنیا کی تمام قدیم قوموں میں رہا ہے اسی طرح اہل عرب بھی وہ چاند سے شگون لیتے ،ماہ صفر کو مہینوں کو منحوس تصور کرتے اور اس میں شادی بیاہ وغیرہ نہ کرتے، بعض دنوں کو کسی کام کے شروع کرنے یا سفر پر روانہ ہونے یا نہ ہونے، بعض جانوروں کو جس کے آنے سے دوسرے جانوروں میں بیماری یا اموات واقع ہو جاتیں، بعض گھروں کو جس میں ان کے عزیز فوت ہونے لگتے اور بعض عورتوں کو جن کے آنے سے تجارت میں خسارہ یا کوئی موت وغیرہ واقع ہو جاتی تو اس کو منحوس خیال کرتے،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا عَدْوَى، وَلَا صَفَرَ، وَلَا هَامَةَ؟

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، نہ کوئی صفر کا مہینہ منحوس ہے اور نہ کسی مردے کی کھوپڑی سے الو نکلتا ہے۔ [2]

پیتل کی انگوٹھی اس غرض سے پہنتے کہ اس سے ضعف نہیں رہتا۔

عربوں میں اوہام پرستی:

اہل عرب تاجر تھے اور اس سلسلے میں ان کو دور دراز کا سفر درپیش رہتا تھا مگر یہ لوگ نہایت ہی شکی مزاج تھے، ان کو اپنی زوج پر اعتبار ہی نہ ہوتا تھا جس کی وجہ سے عورتوں کی زندگی ایک ہولناک جہنم میں گزرتی تھی، جس کی ایک مثال یوں ہے، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ان کی بیوی نے ان کی عدم موجودگی میں بدکاری تو نہیں کی سفر پر جانے سے بیشتر ایک درخت پر ڈور باندھ دیتے پھر سفر سے واپسی پر اس ڈور کو آ کر دیکھتے

---

[1] مسند احمد ۲۷۱۳۹، المجموع شرح المهذب ۸/۴۴۶

[2] سنن ابوداودکتاب الکهانة والتطیر بَابٌ فِي الطِّيَرَةِ ۳۹۱۱

کہ وہ بندھی ہوئی یا کھل گئی ہے اگر بندھی ہوئی ملتی تو یہ سمجھتے کہ ان کی بیوی نے بدکاری نہیں کی اور اگر ڈور کھلی ہوئی ملتی تو سمجھتے کہ بیوی نے بدکاری کی ہے (کیا عقل اس کو تسلیم کرتی ہے)

بدشگونی کے بارے میں قوموں میں مختلف عقائد رہے ہیں۔

صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ... ﴿۴۷﴾ (١)

ترجمہ: انہوں نے کہا ہم نے تو تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو بدشگونی کا نشان پایا ہے۔

اور فرعون اور اس کی قوم پر جب کوئی مصیبت آتی تو وہ بھی۔

...يَطَّيَّرُوا بِمُوسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ... ﴿۱۳۱﴾ (٢)

ترجمہ: موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو اپنے لیے فالِ بد ٹھہراتے۔

اکثر کفار جو گمراہی میں مبتلا رہے ہیں کسی مصیبت کے نازل ہو جانے پر یہی کہتے رہے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ... ﴿۱۸﴾ (٣)

ترجمہ: بستی والے کہنے لگے ہم تمہیں اپنے لئے شگون بد سمجھتے ہیں۔

اس کا جواب انبیاء یہ دیتے رہے ہیں۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ... ﴿۱۹﴾ (٤)

ترجمہ: تمہاری بدشگونی تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔

یعنی تمہاری مصیبت کا سبب تمہارے ساتھ لگا ہوا ہے اور وہ ہے تمہارا کفر و عناد اور تمہاری سرکشی۔

اسلام نے ان عقائد کو باطل قرار دے کر لوگوں کو عقلیت کی راہ لگایا،

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ، أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ عَقَدَ عُقْدَةً - أَوْ قَالَ: مَنْ عَقَدَ عُقْدَةً

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو برا شگون لے یا جس کے لئے برا شگون لیا جائے

---

(١) النمل ۴۷

(٢) الاعراف ۱۳۱

(٣) یٰسین ۱۸

(٤) یٰسین ۱۹

یا جس کے لئے کہانت کی جائے یا جادو کرے یا جو جادو کرائے۔[1]

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ثَلَاثًا

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔[2]

حرام مہینوں (اشہر حرم) میں ردوبدل:

عرب میں کبیسہ کا رواج ہند اور بعض دوسرے ممالک سے مدتوں بعد ہوا، ابتدا اس کا طریقہ یہ تجویز ہوا کہ ہر سال کے اختتام پر ایک سال تو دس دن کا اضافہ کر لیا جایا کرے اور اس سے اگلے سال گیارہ دن کا، اس طرح حج عموماً ایک ہی موسم میں آتا تھا، مگر کبیسہ کا یہ طریق عرب میں مقبول نہ ہو سکا، عرب کی بیشتر آبادی دیہاتی تھی جو خالصۃ قمری تقویم کا حساب رکھتے تھے، شہروں میں البتہ بعض لوگ حقیقی کلینڈر کے علاوہ مخلوط کیلنڈر کا حساب بھی رکھتے تھے، اس کے بعد دوسرا طریق یہ وضع ہوا کہ اہل ہند کی طرح ہر تین سال بعد ایک ماہ کا اضافہ کر لیا جایا کرے اور یہ اضافہ الترتیب باری باری ہر ماہ کے ساتھ ہو مثلاً تیسرے سال دو محرم شمار کر لئے جائیں، پھر چھٹے سال دو صفر، پھر نویں سال تین ربیع الاول، اس طرح بھی حج ایک ہی موسم میں آتا اور آخری مرحلہ پر ذی الحجہ کا دوسرا مہینہ فی الواقع ذی الحجہ کا ہی مہینہ ہوتا تھا، لیکن ۳۶ قمری سال کے اس چکر میں پورا ایک سال یا ایک حج گم کر دیا جاتا تھا، عرب میں ہر تیسرے سال مہینہ بڑھانے کا کام سب سے پہلے حذیفہ بن عبد کنانی مضری نے جو قلمس کے نام سے جانا جاتا ہے نے سرانجام دیا اور یہ کام بھی اپنے ذمہ لیا کہ ہر حج کے اجتماع کے موقعہ پر یہ اعلان کر دے کہ اس سال اضافہ ہو گا یا نہیں اور اگر ہو گا تو کس ماہ کے ساتھ یہ تیرھواں ماہ بڑھایا جائے گا، نیز یہ کہ آئندہ سال حج کس ماہ میں ہو گا، قلمس کے بعد یہ عہدہ اس کی اولاد میں منتقل ہو گیا، اب قلمس کا لفظ ایک شخصی نام کے بجائے اس عہدے کے نام سے معروف ہوا جو حج کے ایام میں بھرے اجتماع میں آئندہ سال ہونے والے حج کی تاریخوں کا اعلان کرتا تھا، قلمس کی اولاد میں سے جن لوگوں نے یہ فریضہ سرانجام دیا انہیں قلامسہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، قلامسہ کے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ وہ اعلان حج کے ساتھ ان مہینوں کا بھی اعلان کرے کہ آئندہ سال کون کون سے مہینے حرمت والے ہوں گے، اس تقدیم و تاخیر کو اہل عرب نسی کہتے تھے، ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ حرام مہینوں یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم جو حج کے لئے اور رجب عمرے کے لئے مخصوص تھا جس میں کسی بھی قسم کا جنگ وجدل، خونریزی، قتل و غارت ممنوع تھی تاکہ زائرین بیت اللہ کے حج علاوہ سال میں کم از کم ایک بار مزید عمرہ اور تجارت وغیرہ امن و امان کے ساتھ کسی قسم کے فکر و اندیشے کے بغیر ادا کر سکیں اور اپنے گھروں کو بحفاظت لوٹ سکیں ان چار مہینوں میں جنگ حرام خیال کی جاتی تھی اور انہیں اشہر حرم کہتے تھے، چونکہ یہ ایک پسندیدہ دستور تھا لہذا اسلام نے بھی اس حرمت کو برقرار رکھا، یہ گڑبڑ صرف حج تک ہی محدود نہ رہی، عربوں نے اللہ کی طرف سے انسانوں کی فلاح و بہبود کے لئے مقرر کردہ حرام مہینوں میں بھی اپنی من مرضیاں شامل کر دیں تھیں قلمس کے پیدا کردہ رواج کا فائدہ اٹھا کر قریش اپنی جنگی ضرورتوں کے تحت ان مہینوں میں ردوبدل اور کمی بیشی کرتے ہوئے بعض حرام مہینوں میں سے بعض کو حلال اور ان کی جگہ

[1] مسند البزار ۳۵۷۸، المعجم الکبیر للطبرانی ۳۵۵

[2] سنن ابوداودکتاب الکہانۃ والتطیر بَابٌ فِي الطِّيَرَةِ ۳۹۱۰

بعض حلال مہینوں کو حرام مہینوں میں داخل کر دیا کرتے اور اس حرام مہینے کو موخر کر دیا کرتے، جس کا اعلان فلامسہ حج کے موقعہ پر کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ عام تاجروں کے علاوہ بڑے بڑے سرداروں کے اسباب تجارت بھی بازاروں میں اسی وقت بحفاظت آسکتے تھے جب ان کی بار برداری اور صیانت کی ضمانت قرب وجوار کے قبائل نے لی ہو، اس ضمانت کے لئے انہیں ایک رقم دینا پڑتی تھی جسے خفارہ کہتے تھے، جس کے لفظی معنی معاوضہ کے ساتھ یا بلا معاوضہ پناہ لینا کے ہیں، اس کے علاوہ تاجر کو بازار کی زمین استعمال کرنے اور راہداری کے عوض ایک رقم جسے عُشُور کہتے تھے دینا پڑتی تھی۔[1] نسی کی دو صورتیں تھیں ایک تو یہ کہ جنگ وجدل، غارت گری اور خون کا انتقام لینے کے لئے کسی مہینے کو حلال قرار دے دیتے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام کر کے مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے، ایک صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی سال کے مطابق کرنے کے لئے اس میں لبیسہ کا ایک ماہ بڑھا دیتے تا کہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آتا رہے اور وہ ان زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی ہیں اس طرح تینتیس سال تک حج اپنے اصلی وقت کے خلاف دوسری تاریخوں میں ہوتا رہتا تھا اور صرف چونتیسویں سال میں ایک مرتبہ اصل ذی الحجہ کی نو دس تاریخ کو ادا ہوتا تھا رسول اللہ ﷺ نے جس سال حجۃ الوداع ادا فرمایا تھا اس سال حج اپنی اصلی تاریخوں میں آیا تھا اور اسی وقت سے اللہ نے نسی کو عین کفر قرار دیا۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ... ﴿۳۷﴾[2]

ترجمہ: نسی تو کفر میں ایک مزید کافرانہ حرکت ہے جس سے یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں کسی سال ایک مہینے کو حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال اس کو حرام کر دیتے ہیں تا کہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری بھی کر دیں اور اللہ کا حرام کیا ہوا حلال بھی کر لیں۔

اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر اس طرح کی پیوند کاری کو حرام قرار دیا گیا۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۶﴾[3]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جب سے اللہ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے اللہ کے نوشتے میں بارہ ہی ہے، اور ان میں سے چار مہینے حرام ہیں یہی ٹھیک ضابطہ ہے، لہٰذا ان چار مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ متقیوں ہی کے ساتھ ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اس پیوند کاری کو حرام قرار دے دیا اور پھر کبیسہ کا بریق حکماً اور یکسر بند کر دیا گیا، بعد ازاں

---

[1] الازمنہ والامکنہ ۳۸۵/۱

[2] التوبۃ ۳۷

[3] التوبۃ ۳۶

عرب اور دیگر اسلامی ممالک میں قمری تقویم اپنی حقیقی بنیادوں پر رائج ہوگئی جسے بعد میں ہجری تقویم کا نام دیا گیا۔

إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلاَثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو القَعْدَةِ، وَذُو الحِجَّةِ، وَالمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ، مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى، وَشَعْبَانَ

دیکھو! زمانہ گھوم پھر کر پھر اسی نقشہ پر آ گیا ہے جس پر اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے تھے، دیکھو ایک سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں تین تو لگاتار ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم ہیں اور چوتھا مضر کا رجب (قبیلہ مضر اس مہینہ کی بہت تعظیم کرتا تھا) جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہوتا تھا۔ [١]

حج کا طریقہ کار:

ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے حج بیت اللہ کا طریقہ یہ تھا کہ نو ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات جاتے رات کو وہاں سے پلٹ کر مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے، مگر جب قریش کی طاقت کا سکہ بیٹھ گیا تو انہوں نے بیت اللہ کے متولی اور کلید بردار ہونے کے ناطے عام لوگوں کی طرح عرفات میں جانا اپنی شان و مرتبہ کے خلاف جانا، چنانچہ

وَكَانَ الحُمْسُ يُفِيضُونَ مِنَ الْمُزْدَلِفَةِ

حمس (قریش نے) مزدلفہ تک جا کر ہی واپس لوٹ آتے اور وہیں افاضہ کر لیتے۔ [٢]

قریش نے عام الفیل کے بعد ایک بدعت نکالی اور اس کا نام حمس رکھا اور اس کو رواج دیا، ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا،

نَحْنُ بَنُو إِبْرَاهِيمَ وَأَهْلُ الْحُرْمَةِ، وَوُلَاةُ الْبَيْتِ، وَقُطَّانُ مَكَّةَ وَسَاكِنُهَا، فَلَيْسَ لِأَحَدٍ مِنَ الْعَرَبِ مِثْلُ حَقِّنَا، وَلَا مِثْلُ مَنْزِلَتِنَا، وَلَا تَعْرِفُ لَهُ الْعَرَبُ مِثْلَ مَا تَعْرِفُ لَنَا، فَلَا تُعَظِّمُوا شَيْئًا مِنَ الْحِلِّ كَمَا تُعَظِّمُونَ الْحَرَمَ، فَإِنَّكُمْ إِنْ فَعَلْتُمْ ذَلِكَ اسْتَخَفَّتْ الْعَرَبُ بِحُرُمَتِكُمْ، وَقَالُوا قَدْ عَظَّمُوا مِنْ الْحِلِّ مِثْلَ مَا عَظَّمُوا مِنْ الْحَرَمِ فَتَرَكُوا الْوُقُوفَ عَلَى عَرَفَةَ، وَالْإِفَاضَةَ مِنْهَا، وَهُمْ يَعْرِفُونَ وَيُقِرُّونَ أَنَّهَا مِنْ الْمَشَاعِرِ وَالْحَجِّ وَدِينِ إِبْرَاهِيمَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

ہم لوگ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور اہل حرمت اور بیت اللہ کے متولی اور اس کے رہنے والے ہیں، عرب میں کسی کو ہمارے برابر فضیلت نہیں ہے، اور جو حق اور مرتبہ ہمیں حاصل ہے اس میں کوئی ہماری برابری نہیں کر سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے آپس میں صلاح کی اور کہا کہ تم کو لازم ہے کہ جیسی تم مقامات حرم کی تعظیم و تکریم کرتے ہو ایسی تعظیم حل (حرم کے باہر کی تمام جگہ حل کہلاتی ہے) میں سے کسی مقام کی نہ کرو، اگر تم حل کے مقامات کی بھی تعظیم و تکریم کرو گے تو عرب کہیں گے کہ جب اور جگہوں کی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے تو پھر حرم کی کیا خصوصیت ہے، چنانچہ اسی قسم کے خیالات پیدا کر کے قریش نے عرفات کا وقوف اور وہاں سے افاضہ ترک کر دیا حالانکہ یہ لوگ اس بات کو جانتے اور اقرار کرتے تھے کہ

[١] صحیح بخاری کتاب التفسیر بَابُ قَوْلِهِ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ، يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَلِكَ الدِّينُ ٤٦٦٢

[٢] صحیح مسلم کتاب الحج بَابٌ فِي الْوُقُوفِ وَقَوْلُهُ تَعَالَى ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ٢٩٥٥

عرفات کا وقوف بھی مشاعر حج میں داخل ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے مگر پھر بھی اس کو ترک کر دیا،

وَيَرَوْنَ لِسَائِرِ الْعَرَبِ أَنْ يَقِفُوا عَلَيْهَا، وَأَنْ يُفِيضُوا مِنْهَا، إِلَّا أَنَّهُمْ قَالُوا: نَحْنُ أَهْلُ الْحَرَمِ، فَلَيْسَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَخْرُجَ مِنْ الْحُرْمَةِ وَلَا نُعَظِّمُ غَيْرَهَا كَمَا نُعَظِّمُهَا نَحْنُ الْحُمْسُ، وَالْحُمْسُ أَهْلُ الْحَرَمِ، ثُمَّ جَعَلُوا لِمَنْ وُلِدُوا مِنْ الْعَرَبِ مِنْ سَاكِنِ الْحِلِّ وَالْحَرَمِ مِثْلَ الَّذِي لَهُمْ، بِوِلَادَتِهِمْ إِيَّاهُمْ، يَحِلُّ لَهُمْ مَا يَحِلُّ لَهُمْ، وَيَحْرُمُ عَلَيْهِمْ مَا يَحْرُمُ عَلَيْهِمْ وَكَانَتْ كِنَانَةُ وَخُزَاعَةُ قَدْ دَخَلُوا مَعَهُمْ فِي ذَلِكَ أَنَّ بَنِي عَامِرِ بْنِ صَعْصَعَةَ بْنِ مُعَاوِيَةَ بْنِ بَكْرِ بْنِ هَوَازِنَ دَخَلُوا مَعَهُمْ فِي ذَلِكَ

اور عرب سے کہتے کہ تم جا کر عرفات میں وقوف کرو مگر ہم لوگ چونکہ اہل حرم ہیں ہم کو وہاں جانا زیبا نہیں ہے، ہم حمس ہیں اور حمس اہل حرم کو کہتے ہیں، پھر اور عرب کے واسطے بھی جو یہاں پیدا ہوئے حل کے رہنے والے یا حرم کے رہنے والے انہوں نے یہی قاعدہ مقرر کیا جو ان کے واسطے حلال ہوتا، ان کے واسطے بھی حلال ہوتا اور جو ان کے واسطے حرام ہوتا ان کے واسطے بھی حرام ہوتا اور (آہستہ آہستہ وہ قبائل جن سے قریش کی رشتہ داریاں تھیں) بنی کنانہ اور خزاعہ بھی اس کام میں ان کے شریک ہو گئے، اور بنی عامر بن صعصعہ اور قریش کے حلیف قبائل بھی قریش کی شان بن گئے اور انہوں نے بھی عرفہ جانا بند کر دیا۔[1]

لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس مسئلہ پر کبھی قریش کا ساتھ نہیں دیا۔

جبير بن مطعم قال: لقد رأيت رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وهو على دين قومه، وهو يقف على بعير له بعرفات

جبیر رضی اللہ عنہ بن مطعم کی روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو نزول وحی سے قبل عام عربوں کی طرح وقوف عرفات کرتے دیکھا ہے۔[2]

...فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ۖ وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿١٩٨﴾[3]

ترجمہ: پھر جب عرفات سے چلو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمہیں کی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے۔

دھوپ میں پاپیادہ حج:

بعض لوگ بیت اللہ تک دھوپ میں پیدل چل کر جانے کی منت مان لیتے تھے جس کو وہ بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے،

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى شَيْخًا يُهَادَى بَيْنَ ابْنَيْهِ، قَالَ: مَا بَالُ هَذَا؟ قَالُوا: نَذَرَ أَنْ يَمْشِيَ، قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ ،قَالَ: إِنَّ اللَّهَ عَنْ تَعْذِيبِ هَذَا نَفْسَهُ لَغَنِيٌّ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَرْكَبَ

[1] ابن ہشام ۱/۱۹۹،۲۰۰

[2] ابن اسحاق ۱/۹۸

[3] البقرة ۱۹۸

چنانچہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کا سہارا لے کر چل رہا ہے ،آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پوچھا ان صاحب کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے بیت اللہ تک پیدل چلنے کی نذر مانی ہے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کے اپنے آپ کو عذاب دینے سے بے پرواہ ہے اور اسے حکم دیا کہ وہ سواری پر سوار ہو جائے۔ (۱)

کھلے سر اور ننگے پاوں حج:

بعض عورتیں بیت اللہ تک کھلے سر اور ننگے پاوں جانے کی نذر مان لیتی تھیں،

أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ، سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أُخْتٍ لَهُ نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ، فَقَالَ :مُرُوهَا فَلْتَخْتَمِرْ، وَلْتَرْكَبْ، وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں انہوں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا جس نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر حج کرے گی، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اس سے کہو کہ وہ سر ڈھانکے اور سواری پر سوار ہو اور تین دن کے روزے رکھے۔ (۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ أُخْتِي نَذَرَتْ يَعْنِي أَنْ تَحُجَّ مَاشِيَةً،فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَصْنَعُ بِشَقَاءِ أُخْتِكَ شَيْئًا، فَلْتَحُجَّ رَاكِبَةً، وَلْتُكَفِّرْ عَنْ يَمِينِهَا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! میری بہن نے نذر مانی ہے کہ وہ پیدل حج کرے گی، نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تیری بہن کے مشقت اٹھانے سے کچھ نہیں کرے گا(اسے کوئی فائدہ نہیں ہوگا) اسے چاہیے کہ سوار ہو کر حج کرے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (۳)

ننگا ہو کر حج کرنا:

قریش کی جاری کردہ بدعتوں میں ایک بدعت یہ بھی تھی جسے اہل عرب نے دین کی حیثیت سے بغیر کسی چوں وچرا کے قبول کر لیا تھا حجاج پر ایک پابندی تھی کہ حرم میں داخل ہونے کے بعد پہلا طواف قریش سے کپڑے حاصل کر کے کریں،

قَالَ عُرْوَةُ: كَانَ النَّاسُ يَطُوفُونَ فِي الجَاهِلِيَّةِ عُرَاةً إِلَّا الحُمْسَ، وَالحُمْسُ قُرَيْشٌ وَمَا وَلَدَتْ، وَكَانَتِ الحُمْسُ

---

(۱) صحیح بخاری کتاب العمرة بَابُ مَنْ نَذَرَ المَشْيَ إِلَى الكَعْبَةِ ۱۸۶۵،جامع ترمذی ابواب النذور بَابُ مَا جَاءَ فِيمَنْ يَحْلِفُ بِالمَشْيِ وَلاَ يَسْتَطِيعُ ۱۵۳۷،سنن ابوداودکتاب الایمان والنذر بَابُ مَنْ رَأَى عَلَيْهِ كَفَّارَةً إِذَا كَانَ فِي مَعْصِيَةٍ۳۳۰۱،سنن ابن ماجہ کتاب الکفارت بَابُ مَنْ نَذَرَ أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا ۲۱۳۶

(۲) سنن ابوداود کتاب الایمان والنذوربَابُ مَنْ رَأَى عَلَيْهِ كَفَّارَةً إِذَا كَانَ فِي مَعْصِيَةٍ ۳۲۹۳،سنن نسائی کتاب الایمان النذورإِذَا حَلَفَتِ الْمَرْأَةُ لِتَمْشِيَ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ۳۸۴۶،سنن ابن ماجہ کتاب الکفارت بَابُ مَنْ نَذَرَ أَنْ يَحُجَّ مَاشِيًا۲۱۳۵

(۳) سنن ابوداود کتاب الایمان والنذوربَابُ مَنْ رَأَى عَلَيْهِ كَفَّارَةً إِذَا كَانَ فِي مَعْصِيَةٍ۳۲۹۵

يَحْتَسِبُونَ عَلَى النَّاسِ، يُعْطِي الرَّجُلَ الرَّجُلَ الثِّيَابَ يَطُوفُ فِيهَا وَتُعْطِي المَرْأَةُ المَرْأَةَ الثِّيَابَ تَطُوفُ فِيهَا فَمَنْ لَمْ يُعْطِهِ الحُمْسُ طَافَ بِالْبَيْتِ عُرْيَانًا

چنانچہ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حمس کے سوا بقیہ سب لوگ جاہلیت میں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے، حمس، قریش اور اس کی آل اولاد کو کہتے تھے (اور بنو کنانہ وغیرہ جیسے خزاعہ) لوگوں کو (اللہ کے واسطے) کپڑے دیا کرتے تھے (قریش) کے مرد دوسرے مردوں کو تاکہ انہیں پہن کر طواف کر سکیں اور (قریش کی) عورتیں دوسری عورتوں کو تاکہ وہ انہیں پہن کر طواف کر سکیں، اور جن کو قریش کپڑا نہ دیتے (کپڑے کم پڑ جاتے) تو مرد و عورت ننگے ہو کر طواف کر لیتے۔[1]

أَطُوفُ بِالْبَيْتِ كَمَا وَلَدَتْنِي أُمِّي

وہ کہتے تھے ہم اس حالت میں بیت اللہ کا طواف کرنے جا رہے ہیں جس حالت میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے۔[2]

اور اگر کوئی بیرونی شخص اپنے کپڑوں میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد کپڑے اتار کر پھینک دیتا پھر کوئی دوسرا بھی اس سے فائدہ حاصل نہ کرتا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو ہجری کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر مکہ روانہ فرمایا کہ وہ جا کر اعلان کر دیں،

لاَ يَحُجُّ بَعْدَ العَامِ مُشْرِكٌ، وَلاَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ

آئندہ کوئی مشرک حج بیت اللہ نہیں کر سکتا اور نہ کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف کر سکتا ہے۔[3]

اس طرح اسلام نے اس بے حیائی کی رسم کا مکمل خاتمہ کر دیا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔۔۔ ۝۳۲ [4]

ترجمہ: اے نبی! ان سے کہو کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام کر دیا ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ۔۔۔ ۝۳۱ [5]

ترجمہ: اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقعہ پر اپنی زینت سے آراستہ رہو۔

اس کے علاوہ حج یا عمرے پر آئے ہوئے حجاج باہر سے لایا ہوا کھانا نہیں کھا سکتے تھے، وہ صرف حرم کا ہی کھانا کھا سکتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحجبَابُ الوُقُوفِ بِعَرَفَةَ۱۶۶۵،صحیح مسلم کتاب الحج بَابٌ فِي الْوُقُوفِ وَقَوْلُهُ تَعَالَى ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ ۲۹۵۵

[2] عیون الاثر ۲/۲۸۴، إمتاع الأسماع ۲/۹۲،السيرة الحلبية = إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون ۳/۲۹۶،شرح الزرقاني على المواهب اللدنية ۴/۱۱۶

[3] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ لاَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَلاَ يَحُجُّ مُشْرِكٌ ۱۶۲۲

[4] الاعراف ۳۲

[5] الاعراف ۳۱

حج مصمت (گونگا حج):

حج کا ایک طریقہ یوں بھی تھا کہ جب حج کے لئے احرام باندھ لیتے تو خاموش رہتے اور بات چیت ترک کر دیتے،

دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ، فَرَآهَا لاَ تَكَلَّمُ، فَقَالَ: مَا لَهَا لاَ تَكَلَّمُ؟ قَالُوا: حَجَّتْ مُصْمِتَةً، قَالَ لَهَا: تَكَلَّمِي، فَإِنَّ هَذَا لاَ يَحِلُّ، هَذَا مِنْ عَمَلِ الجَاهِلِيَّةِ

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قبیلہ احمس کی ایک عورت سے ملے جس کا نام جسے زینب بنت مہاجر تھا، آپ نے دیکھا کہ وہ بات ہی نہیں کرتیں، آپ نے دریافت فرمایا کیا بات ہے یہ بات کیوں نہیں کرتیں؟ لوگوں نے بتایا کہ اس نے مکمل خاموشی کے ساتھ حج کرنے کی منت مانی ہوئی ہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے فرمایا بات کرو اس طرح حج کرنا تو جاہلیت کی رسم ہے۔ [1]

بھوکا حج:

بہت سے لوگ حج کے دوران کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے داخل عبادت سمجھتے تھے۔ اسلام نے جاہلیت کے اس طریقہ کو مٹا دیا۔

ناک میں نکیل ڈال کر حج کرنا:

بعض لوگ خود کو بڑا مجرم اور گنہگار سمجھ کر حج کے دنوں میں اس کا اس طرح اظہار کرتے کہ اپنی ناک میں اونٹ کی طرح نکیل ڈلوا لیتے اور ایک شخص اس نکیل میں ڈالی رسی پکڑ کر کھینچتا پھرتا،

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالكَعْبَةِ بِإِنْسَانٍ يَقُودُ إِنْسَانًا بِخِزَامَةٍ فِي أَنْفِهِ، فَقَطَعَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَقُودَهُ بِيَدِهِ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اس حالت میں دیکھا کہ دوسرا شخص اس کی ناک میں نکیل ڈال کر اس کے آگے سے اس کی رہنمائی کر رہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رسی اپنے ہاتھ سے کاٹ دی پھر حکم دیا کہ ہاتھ سے اس کی رہنمائی کرے۔ [2]

ایک دوسرے سے ہاتھ باندھ کر حج کرنا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ وَهُوَ يَطُوفُ بِالكَعْبَةِ بِإِنْسَانٍ رَبَطَ يَدَهُ إِلَى إِنْسَانٍ بِسَيْرٍ أَوْ بِخَيْطٍ أَوْ بِشَيْءٍ غَيْرِ ذَلِكَ، فَقَطَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، ثُمَّ أَمَرَهُ أَنْ يَقُودَهُ بِيَدِهِ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کا طواف کرتے ہوئے ایک شخص کے پاس سے گزرے جس نے اپنا ہاتھ ایک دوسرے شخص کے ہاتھ سے تسمہ یا رسی یا کسی اور چیز سے باندھ رکھا تھا (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے بندھی رسی کاٹ ڈالی اور

---

[1] صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار باب أَيَّامِ الجَاهِلِيَّةِ ٣٨٣٤

[2] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور بَابُ النَّذْرِ فِيمَا لاَ يَمْلِكُ وَفِي مَعْصِيَةٍ ٦٧٠٣، سنن نسائی کتاب الایمان والنذور باب النَّذْرُ فِيمَا لَا يُرَادُ بِهِ وَجْهُ اللَّهِ ٣٨٤٢

پھر فرمایا کہ اگر ساتھ ہی چلنا ہے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر چلو۔ [۱]

دو اشخاص کا ایک ساتھ بندھ کر حج کرنا:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَدْرَكَ رَجُلَيْنِ وَهُمَا مُقْتَرِنَانِ فَقَالَ مَا بَالُ الْقِرانِ قَالَا إِنَّا نَذَرْنَا لَنَقْتَرِنَنَّ حَتَّى نَأْتِيَ الْكَعْبَةَ ، فَقَالَ أَطْلِقَا أَنْفُسَكُمَا لَيْسَ هَذَا نَذْرًا إِنَّمَا النَّذْرُ مَا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ

اسی طرح ایک بار نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دیکھا کہ دو اشخاص ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے اس طریقہ کی وجہ معلوم کی تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے یہ منت مانی تھی کہ اس طرح جڑے ہوئے بیت اللہ کا حج کریں گے، یہ سن کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اس شکنجے کو دور کرو یہ نذر نہیں ہے، نذر وہ ہے جس سے اللہ کی ذات مقصود ہو۔ [۲]

حج کے لئے خالی ہاتھ روانہ ہونا:

اہل یمن کا ایک نرالا دستور تھا کہ جب وہ حج کی نیت سے بیت اللہ کی طرف سفر کرتے تو سفر کے لئے کوئی زاد راہ لے کر نہیں چلتے تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ متوکل علی اللہ ہیں، اللہ کے گھر کی طرف جا رہے ہیں پھر دنیاوی سامان ساتھ کیوں لیں، چنانچہ مکہ میں پہنچ جاتے تو بھیک مانگ کر گزارہ کرتے، اللہ نے ان کے اس طریقہ کی نفی فرمائی اور آیت نازل فرمائی۔

...وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ [۳]

ترجمہ: سفر حج کے لیے زادِ راہ ساتھ لے جاؤ، اور سب سے بہتر زادِ راہ پرہیز گاری ہے پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔ [۴]

حج اور عمرہ ایک ساتھ نہ کرنا:

اہل عرب ایام حج میں عمرہ ادا نہیں کرتے تھے، ان کا خیال تھا کہ جب سواریاں حج سے واپس آجائیں پھر ان کے کوہان کے زخم وغیرہ بھی ٹھیک ہو جائیں، اس کے بعد عمرہ جائز ہو سکتا ہے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دس ہجری میں حجۃ الوداع میں عمرہ ادا فرما کر اس رسم کو بھی مٹا دیا،

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانُوا يَرَوْنَ أَنَّ العُمْرَةَ فِي أَشْهُرِ الحَجِّ مِنْ أَفْجَرِ الفُجُورِ فِي الأَرْضِ، وَيَجْعَلُونَ المُحَرَّمَ صَفَرًا، وَيَقُولُونَ: إِذَا بَرَا الدَّبَرْ، وَعَفَا الأَثَرْ، وَانْسَلَخَ صَفَرْ، حَلَّتِ العُمْرَةُ لِمَنِ اعْتَمَرْ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ صَبِيحَةَ رَابِعَةٍ مُهِلِّينَ بِالحَجِّ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يَجْعَلُوهَا عُمْرَةً، فَتَعَاظَمَ ذَلِكَ عِنْدَهُمْ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيُّ الحِلِّ؟ قَالَ: حِلٌّ كُلُّهُ

[۱] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ الكَلَامِ فِي الطَّوَافِ ۱۶۲۰، سنن نسائی کتاب الایمان والنذور باب النَّذْرُ فِيمَا لَا يُرَادُ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ ۳۸۴۲

[۲] فتح الباری ۳/۴۸۲

[۳] البقرة ۱۹۷

[۴] صحیح بخاری کتاب الحج باب قول اللہ تعالی وتزودوا فان خیر الزاد التقوی ۱۵۲۳

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عرب سمجھتے تھے کہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا روئے زمین پر سب سے بڑا گناہ ہے ، یہ لوگ محرم کو صفر بنا لیتے اور کہتے کہ جب اونٹ کی پیٹھ ستا لے اور اس پر خوب بال اگ جائیں اور صفر کا مہینہ ختم ہو جائے (یعنی حج کے ایام گزر جائیں) تو عمرہ حلال ہوتا ہے ، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ہمراہ چوتھی کی صبح کو حج کا احرام باندھے ہوئے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ اپنے حج کو عمرہ بنالیں ، یہ حکم (عرب کے پرانے رواج کی بنا پر) عام صحابہ پر بڑا بھاری گزرا انہوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ! عمرہ کر کے ہمارے لئے کیا چیز حلال ہو گئی ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام چیزیں حلال ہو گئیں ۔ [1]

ہدیٰ کے جانور پر سواری نہ کرنا:

اہل عرب جب حج کے لئے روانہ ہوتے تو قربانی کا جانور اپنے ساتھ لے کر جاتے مگر ان کا یہ خیال تھا کہ کیونکہ یہ قربانی کے لئے مختص ہو چکا ہے اس لئے اس پر سواری کرنا جائز نہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کی تردید کی ۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ :أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً، فَقَالَ :ارْكَبْهاقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهَا بَدَنَةٌ،فَقَالَ : ارْكَبْهَا، وَيْلَكَ، فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے (جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کے اونٹ کو ہانکے جا رہا تھا (اور خود پیدل چل رہا تھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اس پر سوار ہو جا ، اس نے عرض کیا یہ قربانی کا اونٹ ہے ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا سوار ہو جا ، اس نے پھر وہی عرض کی (یہ قربانی کا اونٹ ہے) ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری یا دوسری بار فرمایا تیرے لئے خرابی ہو سوار ہو جا ۔ [2]

یعنی اگر چلنے میں مشقت ہو تو قربانی کے جانور پر سوار ہونے میں کوئی حرج نہیں ، اگر سفر لمبا ہو تو یہ بھی مشقت ہی کی ایک صورت ہے ، ضروری نہیں کہ وہ بالکل چلنے سے عاجز ہو تب ہی سوار ہو ۔

کسب معاش:

چونکہ ایام جاہلیت میں عرب کسب معاش کو دنیاداری کا فعل تصور کرتے تھے اس لئے دوران سفر حج کسب معاش کا ارتکاب مذموم سمجھتے تھے ، جس کی وجہ سے حج کی حیثیت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کے بجائے ایک میلہ سے زیادہ نہیں رہی تھی ، جس میں مختلف جگہوں سے بھانت

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناسک بَابُ التَّمَتُّعِ وَالإِقْرَانِ وَالإِفْرَادِ بِالحَجِّ، وَفَسْخِ الحَجِّ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ هَدْيٌ عن ابن عباس ۱۵۶۴، صحیح مسلم کتاب الحج بَابُ جَوَازِ الْعُمْرَةِ فِي أَشْهُرِ الْحَجِّ ۳۰۰۹ ، وبَابُ بَيَانِ وُجُوهِ الْإِحْرَامِ، وَأَنَّهُ يَجُوزُ إِفْرَادُ الْحَجِّ وَالتَّمَتُّعِ وَالْقِرَانِ، وَجَوَازِ إِدْخَالِ الْحَجِّ عَلَى الْعُمْرَةِ، وَمَتَى يَحِلُّ الْقَارِنُ مِنْ نُسُكِهِ ۲۹۱۰

[2] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ رُكُوبِ البُدْنِ ۱۶۸۹، صحیح مسلم کتاب الج بَابُ جَوَازِ رُكُوبِ الْبَدَنَةِ الْمُهْدَاةِ لِمَنِ احْتَاجَ إِلَيْهَا عن ابوہریرہ ۳۲۰۸، جامع ترمذی کتاب ابواب الحج بَابُ مَا جَاءَ فِي رُكُوبِ البَدَنَةِ عن انس بن مالک ۹۱۱، سنن ابوداودکتاب المناسک بَابٌ فِي رُكُوبِ الْبُدْنِ ۱۷۶۰، سنن نسائی کتاب الحج بَابٌ رُكُوبِ الْبُدْنِ ۲۸۰۳

بھانت کے لوگ جمع ہوجاتے، بعض لوگ عکاظ اور ذوالمجاز میلوں میں تجارت کے لئے آتے تھے، کیونکہ حج اور تجارت کا الگ الگ سلسلہ تھا اس لئے ان بیوپاری حضرات کو حج سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا بس ان کی آمد سے ایک بھیڑ جمع ہوجاتی، ان لوگوں کی وجہ سے حج میں ننگی ہوکر طواف کرنے والی عورتوں سے چھیڑ خانی ہوتی، لوگوں کا بے ہنگم شور وغل، دھکم پیلی اور لڑائی جھگڑے ہوتے، مگر اسلام نے کسب معاش اور حج کو یکجا کر دیا اور تمام بیہودہ افعال کی سخت ممانعت فرمادی گئی۔

...فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ... ﴿۱۹۷﴾ [۱]

ترجمہ: جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے اسے خبردار رہنا چاہیے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزرد نہ ہو، اور جو نیک کام تم کروگے، وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔

اور یہ اجازت بخشی کہ حج کے دوران اگر اللہ کا فضل بھی تلاش کرلیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں،

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: كَانَتْ عُكَاظُ، وَمَجَنَّةُ، وَذُو المَجَازِ أَسْوَاقًا فِي الجَاهِلِيَّةِ، فَتَأَثَّمُوا أَنْ يَتَّجِرُوا فِي المَوَاسِمِ، فَنَزَلَتْ: {لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ} [۲]. فِي مَوَاسِمِ الحَجِّ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز زمانہ جاہلیت کے بازار (میلے) تھے، اس لئے (اسلام کے بعد) موسم حج میں صحابہ کرام نے وہاں کاروبار کو برا سمجھا تو آیت نازل ہوئی، (حج کے ساتھ ساتھ) تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو (اس میں) تم پر کچھ گناہ نہیں۔ (اس طرح اللہ نے تجارت اور حج کو جمع فرمادیا جس سے تمام خبائث کا خاتمہ ہوگیا)۔ [۳]

گھر میں سامنے سے داخل نہ ہونا:

ایک توہم پرستانہ رسم یہ بھی تھی کہ جب وہ حج کے لئے احرام باندھ لیتے اور پھر کسی ضرورت کے لئے گھر جاتے تو گھر کے سامنے کے دروازے سے داخل ہونے کے بجائے گھر کے پیچھے کھڑکی سے یا دیوار پھلانگ کر یا اس میں راستہ بنا کر داخل ہوتے، اسی طرح جب وہ سفر کر کے گھر میں داخل ہوتے تو بھی ایسا ہی کرتے اور اسے وہ نیکی تصور کرتے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص جب حج کر کے واپس آیا تو دستور کے مطابق پیچھے سے اندر داخل ہونے کے بجائے سامنے دروازے سے گھر میں داخل ہوگیا اس پر لوگوں نے رواج کی خلاف ورزی پر اسے خوب لعنت ملامت کی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے اس رواج کی یوں نفی فرمائی۔

...وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾ [۴]

---

[۱] البقرة ۱۹۷

[۲] البقرة: ۱۹۸

[۳] صحیح بخاری کتاب التفسیر البقرة بَابُ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۴۵۱۹

[۴] البقرة ۱۸۹

ترجمہ: یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہوتے ہو نیکی تو اصل میں یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ناراضی سے بچے، لہٰذا تم اپنے گھروں میں دروازے ہی سے آیا کرو، البتہ اللہ سے ڈرتے رہو شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے

قریش کی ایک بدعت یہ تھی کہ حالت احرام میں چمڑے والے خیمہ میں تو سایہ حاصل کرتے مگر بالوں والے خیمہ میں داخل نہ ہوتے۔

لَا يَنْبَغِي لِلْحُمْسِ أَنْ يَأْتَقِطُوا الْأَقِطَ ، وَلَا يَسْلَئُوا السَّمْنَ وَهُمْ حُرُمٌ

احرام کی حالت میں کوئی شخص پنیر اور گھی نہ کھائے اور نہ کمبل کے خیمہ میں رہے اور نہ سایہ میں بیٹھے، مگر چمڑے کے خیمہ میں فقط آرام لے۔[1]

نذر و نیاز کے جانور:

ان کے علاوہ مخصوص منتوں اور نذر و نیاز کے بعض جانور اور کھیت ایسے بھی ہوتے جن کا دودھ دوہتے وقت یا سوار ہونے کی حالت میں اور ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا جائز نہ سمجھتے اور نہ ہی ان پر سوار ہو کر حج کو جاتے،

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يَسُوقُ بَدَنَةً،فَقَالَ: ارْكَبْهَا قَالَ: إِنَّهَا بَدَنَةٌ، قَالَ :ارْكَبْهَاقَالَ : إِنَّهَا بَدَنَةٌ ،قَالَ :ارْكَبْهَا، ثَلَاثًا

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کا ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ قربانی کا جانور (اونٹ کو بیت اللہ) کی طرف ہانکے لئے جا رہا ہے (مگر اس پر سوار نہیں ہو رہا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ، اس شخص نے جواب دیا یہ تو قربانی کا جانور ہے (میں اس پر کیسے سوار ہو سکتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار ہو جا، اس نے پھر عرض کیا کہ یہ تو قربانی کا جانور ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ پھر فرمایا کہ سوار ہو جا۔[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۔۔۔ ﴿۳۳﴾[3]

ترجمہ: تمہیں ایک وقت مقررہ تک ان (ھدی کے جانوروں) سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

قربانی:

حج کے بعد اللہ کے نام پر قربانی کرتے مگر اس خیال سے کہ (نَعُوذُ بِاللّٰهِ) خون اور گوشت اللہ کو مطلوب ہے جانور کا خون کعبے کی دیواروں سے لتھڑا جاتا اور اس کا گوشت اس کے دروازے پر ڈالا جاتا، اسلام نے اس طریقہ کو موقوف کر دیا۔

---

[1] ابن ہشام ۱/۲۰۲

[2] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ رُكُوبِ الْبُدْنِ ۱۶۹۰،صحیح مسلم کتاب الج بَابُ جَوَازِ رُكُوبِ الْبَدَنَةِ الْمُهْدَاةِ لِمَنِ احْتَاجَ إِلَيْهَا ۳۲۱۱

[3] الحج ۳۳

لَنۡ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰکِنۡ یَّنَالُهُ التَّقۡوٰی مِنۡکُمۡ... ﴿۳۷﴾ [1]

ترجمہ:(یادرکھو)اللہ تک تو نہ ان کے گوشت ہی پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون،البتہ اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

جانوروں کو دیوتاؤں کے لئے آزاد کرنا:

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب مختلف طریقوں سے جانوروں کو دیوی دیوتاؤں کے نام کر کے چھوڑ دیا کرتے تھے، جن کے مختلف نام تھے۔

بحیرہ:

اہل عرب اس اونٹنی کو کہتے تھے جو پانچ بچے دے چکی ہو اور اس نے آخری بار نر بچہ جنا ہو، اس کے بعد اس کا کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اب وہ کسی بھی کھیت یا کسی کی چراگاہ سے چرلے اور جہاں سے چاہئے پانی پی لے، اس پر اب نہ کوئی سوار ہوتا، نہ ہی کوئی اور کام لیا جاتا اور نہ ہی اس کا دودھ پیا جاتا اور نہ ہی اس کی اون کاٹی جاتی۔

وصیلہ:

اگر بکری کا پہلا بچہ نر پیدا ہوتا تو وہ اپنے دیوتاوں کی خوشنودی کے لئے ذبح کر دیا جاتا لیکن اگر بکری پہلا بچہ مادہ جنتی تو اسے ذبح نہ کیا جاتا، اگر بکری دو بچے ایک ساتھ دیتی جن میں ایک نر ہوتا اور ایک مادہ تو نر بچے کو دیوتاوں کے نام پر ذبح کرنے کے بجائے ایسے ہی آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔

سائبہ:

یہ وہ اونٹ یا اونٹنی ہوتی جسے کسی نے اپنی کسی بیماری سے شفامندی، کسی ضرورت کے پورا ہونے یا کسی بڑے خطرے سے نجات پانے کے بعد اپنی نذر کو پورا کرنے کے لئے شکرانے کے طور پر آزاد چھوڑ دیا جاتا، اسی طرح جو اونٹنی لگاتار دس مادہ ہی جنتی اسے بھی کان چیر کر آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ جو اس بات کی علامت ہوتی کہ اسے آزاد کر دیا گیا ہے۔

حام:

اگر کسی اونٹ کے نطفہ سے دس بچے ہو جاتے، یا کسی اونٹ کے بچے کا بچہ سواری کے قابل ہو جاتا تھا تو اسے بھی آزاد چھوڑ دیتے تھے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس جھوٹی تہمت پر سرزنش فرمائی۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنۡۢ بَحِیۡرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیۡلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ... ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ:اللہ نے نہ کوئی بحیرہ مقرر کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حام، مگر یہ کافر اللہ پر جھوٹی تہمت لگاتے ہیں۔

اس کے علاوہ جو اونٹنی پہلا بچہ دیتی (جسے فرع کہتے تھے) اسے بتوں کے نام پر ذبح کر دیتے اور رجب کے مہینے میں بھی قربانی کرتے تھے (جسے عتیرہ کہتے تھے) اور اس کی کھال درخت پر لٹکا دیتے۔

---

[1] الحج ۳۷

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ فَرَعَ وَلاَ عَتِيرَةَ قَالَ: وَالفَرَعُ: أَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ، كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لِطَوَاغِيَتِهِمْ، وَالعَتِيرَةُ فِي رَجَبٍ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اسلام میں) فرع اور عتیرہ نہیں ہے، بیان کیا کہ فرع سب پہلے بچے کو کہتے تھے جو ان کے یہاں (اونٹنی سے) پیدا ہوتا تھا اسے وہ اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے اور عتیرہ وہ قربانی تھی جسے وہ رجب میں کرتے تھے۔[1]

من مرضی کا حلال وحرام:

اسی طرح ان جانوروں سے جو بچہ زندہ پیدا ہوتا اس نیاز کو ہر شخص تناول نہیں کرسکتا تھا بلکہ ضابطہ کی رو سے مختلف نیازوں کو مختلف اقسام کے مخصوص لوگ ہی کھا سکتے تھے اس کا گوشت صرف مرد ہی کھا سکتے تھے عورتوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں تھا لیکن اگر بچہ مردہ پیدا ہوا ہوتا یا مرجاتا تو اس کے گوشت کھانے میں مرد وعورت دونوں شامل ہوسکتے تھے۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ۝۰ۤ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَاۗءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا افْتِرَاۗءً عَلَيْهِ۝۰ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۱۳۸ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا۝۰ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاۗءُ۝۰ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ... ۝۱۳۹ [2]

ترجمہ: کہتے ہیں یہ جانور اور یہ کھیت محفوظ ہیں انہیں صرف وہی لوگ کھا سکتے ہیں جنہیں ہم کھلانا چاہیں حالانکہ یہ پابندی ان کی خود ساختہ ہے، پھر کچھ جانور ہیں جن پر سواری اور بار برداری حرام کر دی گئی ہے اور کچھ جانور ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے، اور یہ سب کچھ انہوں نے اللہ پر افترا کیا ہے، عنقریب اللہ انہیں ان افترا پردازیوں کا بدلہ دے گا اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ان جانوروں کے پیٹ میں ہے یہ ہمارے مردوں کے لیے مخصوص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام، لیکن اگر وہ مردہ ہو تو دونوں اس کے کھانے میں شریک ہوسکتے ہیں، یہ باتیں جو انہوں نے گھڑ لی ہیں ان کا بدلہ اللہ انہیں دے کر رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو اس طرح حرام کرنے کے رسم ورواج کے بارے میں فرمایا:

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ۝۰ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ۝۰ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ۝۰ۭ نَبِّـــُٔـوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۱۴۳ۙ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ۝۰ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ۝۰ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللهُ بِھٰذَا۝۰ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ۝۰ۭ اِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝۱۴۴ۧ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰي طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ

---

[1] صحیح بخاری کتاب العقیقة بَابُ العَتِيرَةِ ۵۴۷۴، شرح السنة للبغوی ۱۱۲۹، السنن الکبری للبیہقی ۱۹۳۴۷، مصنف ابن ابی شیبة ۲۴۲۹۸

[2] الانعام ۱۳۸، ۱۳۹

خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ (۱)

ترجمہ: یہ آٹھ نر و مادہ ہیں دو بھیڑ کی قسم سے اور دو بکری کی قسم سے، اے نبی! ان سے پوچھو کہ اللہ نے ان کے نر حرام کیے ہیں یا مادہ یا وہ بچے جو بھیڑوں اور بکریوں کے پیٹ میں ہوں؟ ٹھیک ٹھیک علم کے ساتھ مجھے بتاؤ اگر تم سچے ہو، اور اسی طرح دو اونٹ کی قسم سے ہیں اور دو گائے کی قسم سے، ان سے پوچھو ان کے نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا مادہ یا وہ بچے جو اونٹنی اور گائے کے پیٹ میں ہوں؟ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے ان کے حرام ہونے کا حکم تمہیں دیا تھا؟ پھر اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی بات کہے تاکہ علم کے بغیر لوگوں کو غلط راہ نمائی کرے، یقیناً اللہ ایسے ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا، اے نبی! ان سے کہو کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو میں کوئی چیز ایسی نہیں پاتا جو کسی کھانے والے پر حرام ہو الا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہایا ہوا خون ہو یا سور کا گوشت ہو کہ وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، پھر جو شخص مجبوری کی حالت میں (کوئی چیز ان میں سے کھا لے) بغیر اس کے کہ وہ نافرمانی کا ارادہ رکھتا ہو اور بغیر اس کے کہ وہ حد ضرورت سے تجاوز کرے، تو یقیناً تمہارا رب درگزر سے کام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم خود حلال و حرام کے مختار نہ بن جاؤ حلال وہی ہو گا جو اللہ نے حلال کیا ہو گا اور حرام بھی وہی ہو گا جو اللہ حرام فرمائے گا، اگر تم اپنے اختیار سے کسی کو حلال اور کسی کو حرام کرو گے تو اللہ کے قانون کی پیروی کرنے کے بجائے اپنے نفس کے پیروکار ہو جاؤ گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ... ﴿۸۷﴾ (۲)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

اموال میں اللہ اور بتوں کا حصہ:

اہل عرب مانتے تھے کہ تمام چیزوں کا خالق اللہ ہی ہے، فصل بھی وہی اگاتا ہے اور جانور بھی اسی نے پیدا فرمائے ہیں جن سے ہم مختلف خدمات لیتے ہیں مگر ان کا تصور یہ تھا کہ اللہ ان پر اپنا فضل و کرم ہمارے دیوی، دیوتاؤں، فرشتوں، جنات، کوکب اور ہمارے بزرگوں کی ارواح کے طفیل سے ہے، جن کی ہم پر نظر کرم ہے، ان کا اپنے معبودوں کی تعظیم و تکریم کا یہ حال تھا کہ اللہ نے انہیں جو مال و دولت اور مویشی عطا فرمائے تھے ان میں سے دو حصے نکالتے ایک حصہ شکریہ کے طور پر اللہ کے نام اور دوسرا حصہ اپنے قبیلہ یا خاندان کے معبودوں کے نام جو ان کے اور اللہ کے درمیان واسطے اور وسیلے بن کر حائل تھے وقف کرتے تھے تاکہ ان کی نوازشیں اس طرح شامل حال رہیں، مگر بتوں کو پوجتے پوجتے ان کی عقلیں اتنی موٹی ہو چکی تھیں کہ اگر کسی بنا پر اونچ نیچ ہو جاتی تو اس میں طرح طرح کی چالبازیاں کر کے کمی کرتے رہتے تھے، اور ہر صورت سے اپنے خود ساختہ شریکوں کا حصہ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، مثلاً جو غلے، پھل وغیرہ اللہ کے نام پر نکالے جاتے ان میں سے اگر کچھ گر جاتا تو وہ شریکوں کے حصہ میں شامل کر دیا جاتا اور اگر شریکوں کے حصہ میں سے گرتا یا اللہ کے حصہ میں مل جاتا تو اسے انہی

---

(۱) الانعام ۱۴۳ تا ۱۴۵

(۲) المائدۃ ۸۷

کے حصہ میں واپس کیا جاتا، اگر کسی وجہ سے نذر و نیاز کا غلہ خود استعمال کرنے کی ضرورت پیش آجاتی تو اللہ کا حصہ کھا لیتے تھے مگر شریکوں کے حصہ کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں کوئی بلا نازل نہ ہو جائے، کھیت کا جو حصہ شریکوں کی نذر کے لئے مخصوص کیا جاتا اگر اس میں سے پانی اس حصہ کی طرف پھوٹ بہتا جو اللہ کی نذر کے لئے مختص ہوتا تھا تو اس کی ساری پیداوار شریکوں کے حصہ میں داخل کر دی جاتی لیکن اگر اس کے برعکس صورت حال ہوتی تو اللہ کے حصہ میں کوئی اضافہ نہ کیا جاتا تھا، اگر کسی وجہ سے شریکوں کے حصہ میں کچھ کمی آجاتی تو وہ اللہ کے حصہ میں سے پوری کی جاتی تھی، لیکن اللہ کے حصہ میں کمی ہوتی تو شریکوں کے حصہ میں سے ایک دانہ بھی اس میں نہ ڈالا جاتا، اگر کوئی اس طرز عمل پر نکتہ چینی کرتا تو جواب میں طرح طرح کی دلفریب توجیہیں کی جاتیں، چنانچہ اللہ کا حصہ تو یتیموں، مسکینوں، بیوائں، مسافروں وغیرہ کی امداد کی مد میں خرچ کیا جاتا مگر شریکوں کا حصہ آستانوں پر چڑھاوؤں کی صورت میں پیش کیا جاتا اس طرح یہ حصہ مجاوروں اور پوجاریوں تک بالواسطہ پہنچ جاتا تھا، اس لئے ان خود غرض وحریص مذہبی پیشواؤں سے یہ تلقین کی جاتی رہتی تھی کہ اللہ کے حصہ میں کچھ کمی واقع ہو جائے تو کچھ مضائقہ نہیں وہ غنی ہے اسے کیا پرواہ ہو سکتی ہے مگر اس کے پیاروں کے حصہ میں بالکل کمی نہیں ہونی چاہیے بلکہ حتی الامکان کچھ بیشی ہی ہوتی رہے تو بہتر ہے، کیونکہ یہ اللہ کی طرح غنی نہیں ہیں اس لئے معمولی سی کمی سے ان کے ہاں گرفت ہو جاتی ہے، اس طرح وہ تعصب کی حد تک کفر و شرک میں ڈوبے ہوئے تھے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ (۱)

ترجمہ: ان لوگوں نے اللہ کے لیے خود اسی کی پیدا کی ہوئی کھیتیوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ مقرر کیا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے، بزعم خود، اور یہ ہمارے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کے لیے، پھر جو حصہ ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کے لیے ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا مگر جو اللہ کے لیے ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے، کیسے برے فیصلے کرتے ہیں یہ لوگ۔

نماز کی ادائیگی:

عمرو بن لحی کی بت پرستی اور ان کی خوشنودی کے لئے رسومات شروع کرنے کی وجہ سے ان میں دین ابراہیمی تو نہ رہا اور نہ ہی ان میں توحید کی کوئی رمق رہی مگر وہ خود کو ان کے پھیلائے ہوئے دین کا پیروکار ہی سمجھتے تھے حالانکہ وہ رب کو یاد کرنے کے لئے نماز (جو ایمان کی فیصلہ کن علامت، دائرہ اسلام میں داخلہ کا ثبوت، اتباع شریعت کی ضمانت، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت کا ذریعہ، روحانی قوتوں اور صبر و استقامت کا سرچشمہ، برائیوں سے روکنے والی ہے) تک نہیں پڑھتے تھے اور اگر پڑھتے بھی تو بیت اللہ کے پاس سیٹیاں تالیاں پیٹی جاتیں، سیٹیاں بجائی جاتیں اور نرسنگھے پھونکے جاتے تھے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ... ﴿۳۵﴾ (۲)

(۱) الانعام ۱۳۶

(۲) الانفال ۳۵

ترجمہ: بیت اللہ کے پاس ان لوگوں کی نماز کیا ہوتی ہے، بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں۔

اور نہ ہی زکوۃ ادا کرتے تھے جو دین اسلام کا ہمیشہ سے خاصہ رہا ہے۔

تعویذ، گنڈے:

جس طرح آج کل بیماری سے شفایابی یا تحفظ کے اعتقاد کے ساتھ بازوؤں پر تعویذ باندھے جاتے ہیں، گلے میں منکے ڈالے جاتے ہیں اور کلائیوں میں کڑے پہنے جاتے ہیں اسی طرح اہل عرب بھی نظر بد، جادو اور مکر وفریب سے بچنے کے لئے خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی پہن لیتے تھے، اہل عرب کا یہ بھی خیال تھا کہ بعض پتھر، درختوں، حیوانوں اور بعض دھاتوں میں بھی کچھ ایسے اثرات ہوتے ہیں جو ان سے جنوں کا خطرہ یا انسانوں کی نظر بد ٹال سکتے ہیں، لہذا انہوں نے کثرت سے ان کے تعویذ لٹکائے اور اس کا عقیدہ دلوں میں بٹھالیا، بطور نمونہ ان کے بعض تعویذ یہ تھے۔

○نفرہ: نظر بد کے خوف سے کوئی چیز جس سے جنات اور انسان دونوں نفرت کرتے بچے کی گردن میں لٹکادی جاتی، ان کا خیال تھا کہ اس سے بچے کو نظر نہیں لگتی، کبھی کبھی یہ کام نجس و ناپاک چیز سے بھی کیا جاتا تھا مثلاً حیض کے گندے چیتھڑے یا ہڈیاں وغیرہ لٹکادیتے، کبھی گندے قسم کے جانوروں مثلاً قنفذ (سہیہ) وغیرہ کے نام لکھ کر لٹکادیا کرتے تھے۔

○لومڑی اور بلی کے دانت کے تعویذ بھی لٹکائے جاتے تھے۔

○عقرہ: ریٹھوں کے تعویذ تیار کیے جاتے جسے عورت اپنی کمر میں باندھ لیتی تا کہ وہ بانجھ ہوجائے اور بچہ پیدا نہ ہو۔

○ینجلب: روٹھے ہوئے شوہر کو مناتے اور ناراضگی کے بعد اس کی شفقت و محبت کو دوبارہ واپس لانے کے لئے بھی ریٹھوں کے تعویذ تیار کیے جاتے تھے۔

○تولہ: قرزحلہ، دردبیس، کحلہ، کرار اور ہمرہ یہ سب تعویذ ریٹھوں اور موتیوں کے بنے ہوتے تھے جو پریم منتر کی حیثیت رکھتے تھے اور شوہر کی محبت حاصل کرنے کے لئے لٹکائے جاتے تھے، ان کے خیال میں کرار اور ہمرہ نام کے تعویذ کا ایک خاص منتر ہے اور وہ یہ ہے، یاکرارکریه، یاهمره اهمریه، ان اقبل فسریه، وان ادبرفضریه من فرجه الی فیه ترجمہ: اے لوٹانے والے ریٹھے تو اسے لوٹادے، اے رلانے والی موتیاں تو اسے رلادے، اگر وہ واپس آتا ہے تو اسے خوش رکھ اور اگر وہ دور جاتا ہے تو اسے اس کی شرمگاہ سے لے کر اس کے منہ تک تکلیف میں مبتلا کر دے۔

○خصمہ: یہ موتیوں کے وہ تعویذ ہوتے تھے جو بادشاہ کے دربار میں حاضری کے لئے یا میدان جنگ میں جانے سے پہلے انگوٹھی کے نیچے، قمیص کے بٹن یا تلوار کے پٹہ میں رکھے جاتے تھے۔

○عطفہ: یہ موتیوں کے وہ تعویذ تھے جو پہننے والے کو شفقت و محبت دلاتے تھے۔

○قبلہ: یہ سفید دانوں کا تعویذ ہوتا تھا جو گھوڑوں کو نظر بد سے بچانے کے لئے ان کے گلے میں ڈال دیا جاتا تھا، اگر کسی شخص کے پاس ایک

ہزار اونٹ ہو جاتے تو اونٹوں کو نظر لگ جانے کے خوف سے ازالہ کے طور پر ایک اونٹ کی آنکھ پھوڑ ڈالتا۔

○ ودعہ: یہ سمندر سے حاصل ہونے والے ایک طرح کے پتھر (کوڑی، گھونگا) کا تعویذ ہوتا تھا جو آنکھ کی تکلیف دور کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔

جس شخص کو سانپ یا بچھو کاٹ لیتا تو اسے سونے کا زیور پہنا دیا جاتا، ان کا اعتقاد تھا کہ اس سے شفا ہو جاتی ہے، اس کے برعکس ان کا عقیدہ تھا کہ اس ڈسے ہوئے شخص کو اگر دھات کا زیور پہنایا گیا تو وہ مر جائے گا۔

○ تحویطہ: نظر بد سے بچنے کے لئے عورتیں سرخ وسیاہ رنگ کا بٹا ہوا دھاگہ جس میں کچھ موتیاں اور چاندی کا بنا ہوا چاند ہوتا تھا اپنی کمر میں باندھ لیتی تھیں۔

(تعویذوں کے لئے ملاحظہ فرمائیں المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے رد میں فرمایا

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷ (۱)

ترجمہ: اور اگر اللہ تمہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو تمہیں اس نقصان سے سکے اور اگر وہ تمہیں کسی بھلائی سے بہرہ مند کرے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَاۗدَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷ (۲)

ترجمہ: اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں ڈالے تو خود اس کے سوا کوئی نہیں جو اس مصیبت کو ٹال دے، اور اگر وہ تیرے حق میں کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو پھیرنے والا بھی کوئی نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے اور وہ درگزر کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

...وَعَلَي اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۳ (۳)

ترجمہ: اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم واقعی ایماندار ہو۔

...وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲ (۴)

ترجمہ: اور بھروسہ کرنے والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔

---

(۱) الانعام ۱۷

(۲) یونس ۱۰۷

(۳) المائدۃ ۲۳

(۴) ابراہیم ۱۲

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ حَدَّثَهُ: أَنَّهُ رَكِبَ خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا غُلَامُ، إِنِّي مُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ : احْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ، لَمْ يَضُرُّوكَ إِلا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ، وَجَفَّتِ الصُّحُفُ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے لڑکے! میں تجھے چند کلمات سکھاتا ہوں (اسے یاد رکھنا) اللہ کو یاد رکھو وہ تمہاری حفاظت کرے گا اللہ کو یاد رکھو تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب تم مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور یہ یقین جانو کہ اگر پوری دنیا والے تمہیں نفع پہنچانے کے لئے جمع ہو جائیں تو تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے، اور اگر ساری دنیا والے تمہیں نقصان پہنچانے پر تل جائیں تو اتنا ہی نقصان دے سکیں گے جتنا اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے، قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔ (۱)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ إِلَيْهِ رَهْطٌ، فَبَايَعَ تِسْعَةً وَأَمْسَكَ عَنْ وَاحِدٍ، فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، بَايَعْتَ تِسْعَةً وَتَرَكْتَ هَذَا؟ قَالَ :إِنَّ عَلَيْهِ تَمِيمَةً» فَأَدْخَلَ يَدَهُ فَقَطَعَهَا، فَبَايَعَهُ، وَقَالَ :مَنْ عَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ

عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے دس افراد پر مشتمل ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے نو افراد سے بیعت کی لیکن ایک شخص سے نہیں کی، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے نو افراد سے بیعت کی مگر ایک شخص کو چھوڑ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بازو میں تعویذ بندھی ہے اس شخص نے ہاتھ اندر داخل کر کے تعویذ کاٹ ڈالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کی، اور فرمایا جس نے تعویذ باندھی اس نے شرک کیا۔ (۲)

عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ، يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً، فَلَا أَتَمَّ اللّٰهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً، فَلَا وَدَعَ اللّٰهُ لَهُ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں ہے جس نے تعویذ باندھا اللہ اس کو کامیاب نہ کرے اور جس نے منکے باندھے اللہ اسے راحت وسکون نصیب نہ کرے۔ (۳)

أَخْبَرَنِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْصَرَ عَلَى عَضُدِ رَجُلٍ حَلْقَةً، أُرَاهُ قَالَ مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ :وَيْحَكَ مَا هَذِهِ؟ قَالَ : مِنَ الْوَاهِنَةِ؟ قَالَ :أَمَا إِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا انْبِذْهَا عَنْكَ؛ فَإِنَّكَ لَوْ مِتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ

---

(۱) مسند احمد ۲۶۶۹

(۲) مسند احمد ۱۷۴۲۲

(۳) مسند احمد ۱۷۴۰۴ ، مستدرک حاکم ۷۵۰۱، صحیح ابن حبان ۶۰۸۶

مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کے ہاتھ میں تانبے کا چھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟اس نے عرض کیا ریاح کی وجہ سے پہن رکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اسے نکال دو کیونکہ یہ بیماری کو زیادہ ہی کرے گا اور اگر تم اس حال میں مر گئے کہ یہ تمہارے جسم پر باقی رہا تو کبھی کامیاب نہ ہو گے۔ (۱)

عِيسَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ وَهُوَ مَرِيضٌ نَعُودُهُ فَقِيلَ لَهُ: لَوْ تَعَلَّقْتَ شَيْئًا، فَقَالَ: أَتَعَلَّقُ شَيْئًا، وَقَدْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ

عیسیٰ بن عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم عبد اللہ بن عکیم کے پاس عیادت کے لئے گئے، ان کے بدن پر سرخی تھی، ان سے کہا گیا کہ اگر آپ کوئی تعویذ لٹکا لیں (تو شاید عافیت ہو جائے) تو انہوں نے کہا کیا میں تعویذ لٹکاؤں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص (اپنے گلے میں) کوئی چیز لٹکائے اس کو اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا یعنی پھر تائید غیبی نہ ہو گی۔ (۲)

رُوَيْفِعَ بْنَ ثَابِتٍ يَقُولُ: إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: يَا رُوَيْفِعُ، لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوْ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ أَوْ عَظْمٍ، فَإِنَّ مُحَمَّدًا بَرِيءٌ مِنْهُ

رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے رویفع! شاید میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہو تو تم لوگوں کو بتا دینا کہ جس نے اپنی داڑھی میں گرہ لگائی یا تانت کا پٹہ پہنایا جانوروں کے گوبر یا ہڈی سے استنجا کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سے بری ہیں۔ (۳)

عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: دَخَلَ حُذَيْفَةُ عَلَى مَرِيضٍ، فَرَأَى فِي عَضُدِهِ سَيْرًا فَقَطَعَهُ أَوِ: انْتَزَعَهُ ثُمَّ قَالَ: {وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلا وَهُمْ مُشْرِكُونَ

حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک بیمار کے پاس گئے تو اس کے بازو میں پٹہ دیکھا تو اسے کاٹ دیا یا اتار کر پھینک دیا اور قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ ان میں سے اکثر لوگ تو اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح سے کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ (۴)

اہل عرب اپنے عقیدے کے مطابق نظر بد سے بچنے کے لئے اونٹ کی گردن میں مضبوط تانت کی مالا ڈال دیتے تھے،

عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ؛ أَنَّ أَبَا بَشِيرٍ الأَنْصَارِيَّ أَخْبَرَهُ: أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ. قَالَ: فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم رَسُولاً . فَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: وَالنَّاسُ فِي مَقِيلِهِمْ:

(۱) مسند احمد ۲۰۰۰۰

(۲) مسند احمد ۱۸۷۸۱، جامع ترمذی كتاب الطب بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّعْلِيقِ ۲۰۷۲، سنن نسائی کتاب المحاربة باب الْحُكْمُ فِي السَّحَرَةِ ۴۰۸۴

(۳) سنن نسائی كِتَابُ الزِّينَةِ من السنن عَقْدُ اللِّحْيَةِ ۵۰۷۰، مسند احمد ۱۶۹۹۶

(۴) تفسیر ابن کثیر ۴/۴۱۸

لاَ تَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلاَدَةٌ مِنْ وَتَرٍ، أَوْ قِلاَدَةٌ، إِلاَّ قُطِعَتْ.

اس کے بارے میں عباد بن تمیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھے ،عبد اللہ بن ابی بکر کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ انہوں نے کہا کہ اور لوگ سو رہے تھے، تو آپ نے قاصد بھیج کر لوگوں کو حکم فرمایا کسی اونٹ کی گردن میں تانت کی مالا یا کوئی مالا ہر گز باقی نہ رہے بلکہ کاٹ دیا جائے۔ (۱)

قَالَ يَحْيَى: سَمِعْتُ مَالِكًا يَقُولُ: أُرَى ذلِكَ مِنَ الْعَيْنِ.

یحییٰ کہتے ہیں میں نے امام مالک رحمہ اللہ کو کہتے ہوے سنا میرا خیال ہے کہ یہ تانت کی مالا نظر بد کی وجہ سے تھی۔ (۲)

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :يَدْخُلُ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لاَ يَسْتَرْقُونَ، وَلاَ يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ستر ہزار آدمی جنت میں بغیر حساب و کتاب کے داخل ہوں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو نہ بدشگونی لیں گے، نہ داغنے سے علاج کریں گے اور نہ جھاڑ پھونک کرائیں گے بلکہ اپنے رب پر کامل بھروسہ کریں گے۔ (۳)

عَنْ زَيْنَبَ، امْرَأَةِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَتْ: كَانَ عَبْدُ اللَّهِ إِذَا جَاءَ مِنْ حَاجَةٍ فَانْتَهَى إِلَى الْبَابِ، تَنَحْنَحَ وَبَزَقَ، كَرَاهِيَةَ أَنْ يَهْجُمَ مِنَّا عَلَى شَيْءٍ يَكْرَهُهُ، قَالَتْ: وَإِنَّهُ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَتَنَحْنَحَ، قَالَتْ: وَعِنْدِي عَجُوزٌ تَرْقِينِي مِنَ الْحُمْرَةِ، فَأَدْخَلْتُهَا تَحْتَ السَّرِيرِ، فَدَخَلَ، فَجَلَسَ إِلَى جَنْبِي، فَرَأَى فِي عُنُقِي خَيْطًا، قَالَ: مَا هَذَا الْخَيْطُ؟ قَالَتْ: قُلْتُ خَيْطٌ أُرْقِيَ لِي فِيهِ، قَالَتْ: فَأَخَذَهُ فَقَطَعَهُ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ آلَ عَبْدِ اللَّهِ لَأَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ الرُّقَى، وَالتَّمَائِمَ، وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں عبد اللہ جب گھر آتے تو دروازہ پر پہنچ کر کھنکھارتے اور تھوکتے تا کہ اچانک ہم میں کوئی ایسی چیز نہ دیکھ لیں جو انہیں ناپسندیدہ ہو، فرماتی ہیں کہ ایک دن وہ آئے اور حسب عادت کھنکھارا، اس وقت میرے پاس ایک بوڑھی عورت تھی جو مجھے حمرہ (ایک قسم کی وبائی بیماری جس سے بخار آجاتا ہے) کی وجہ سے جھاڑ پھونک کر رہی تھی، میں نے اس عورت کو چارپائی کے نیچے چھپادیا، عبد اللہ میرے پاس آئے اور میرے بغل میں بیٹھ گئے، انہوں نے میرے گلے میں ایک دھاگا دیکھا، پوچھا یہ کیسا دھاگا ہے؟ میں نے کہا یہ دھاگا ہے جس میں میرے لئے دم کیا گیا ہے، وہ کہتی ہیں یہ سن کر عبد اللہ نے اسے پکڑ کر کاٹ دیا اور کہا بیشک عبد اللہ کا خاندان

---

(۱) موطاامام مالک کتاب الجامع باب مَا جَاءَ فِي نَزْعِ الْمَعَالِيقِ وَالْجَرَسِ مِنَ الْعَيْنِ ۳۳ۓ

(۲) موطاامام مالک کتاب الجامع باب مَا جَاءَ فِي نَزْعِ الْمَعَالِيقِ وَالْجَرَسِ مِنَ الْعَيْنِ ۳۳ۓ

(۳) صحیح بخاری كِتَابُ الرِّقَاقِ بَابٌ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۶۴۷۲، مسند احمد ۲۹۵۲

شرک سے بے نیاز ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے جھاڑ، پھونک، تعویذ اور محبت کا منتر یہ سب شرک ہیں۔ [۱]

اور اللہ تعالیٰ نے شرک کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا [۲]

ترجمہ: اللہ بس شرک ہی کو معاف نہیں کرتا اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ تصنیف کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔

یہ تھی اہل عرب کی معاشرتی زندگی جس میں لوگوں کا خصوصا عورتوں اور لونڈی غلاموں کا سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا الغرض بتوں، ملائکہ، جنوں کی عبادات ان پر ادا کی جانے والی رسومات، ہر طرح کی توہمات، قبائل کے باہمی نزاع و قتل و غارت، کہانت، رہزنی و سرقہ، شراب و قمار بازی اور فحاشی ان کی زندگی کے لازمی جزو بن چکے تھے، مگر وہ خود کو ہر قوم کی مذہبی و معاشی اور معاشرتی حالت اور ان کی تہذیب و تمدن سے خود کو بہتر تصور کرتے تھے، یہ تھا عرب جس کو کفر و الحاد کی تاریکیوں نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا اور یہ ظلمتیں صرف عرب کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھیں بلکہ عرب کے گرداگرد ایران، ہند، مصر، یورپ اور براعظم افریقہ بھی عالمگیر اندھیروں کی زد میں گھرے ہوئے تھے اور اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت توحید کے لئے چپہ بھر زمین ڈھونڈھے سے نہیں ملتی تھی۔

عربوں کا سماجی نظام

زمانۂ جاہلیت کے عرب میں معاشرے کی ہیئت ترکیبی قبائلی نوعیت کی تھی اور قبائلی عصبیت کے باعث لوگ اپنی جان و مال کو محفوظ تصور کر سکتے تھے، عربوں کی اس قبائلی عصبیت کی اساس اتحاد نسب تھی، چنانچہ ایک باپ کی نسل سے تعلق رکھنے والے افراد ایک رشتہ اتحاد میں پروے ہوئے تھے، جب کسی قبیلے کی تعداد بڑھ جاتی تو وہ کئی حصوں میں تقسیم ہو جاتا اور یہ تمام حصے الگ الگ آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرتے اور صرف خاص خاص موقعوں پر مشترکہ مفاد و حفاظت کے لئے یا کسی غیر معمولی فوجی مہم کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو جاتے۔

قبائل کے داخلی طبقات:

شعب (جمع شعوب) یہ بعید ترین نسبی تعلق ہوتا تھا، اس کی مثال عدنان اور قحطان ہیں۔

قبیلہ (جمع قبائل) ایک شعب سے تعلق رکھنے والے مختلف نسلی گروہ الگ الگ شاخوں میں تقسیم ہو جاتے، ان میں ہر شاخ ایک قبیلہ کہلاتی تھی مثلا عدنان کی نسل سے تعلق رکھنے والے دو بڑے قبائل میں تقسیم ہوئے جن میں ایک مضر تھے اور دوسرے ربیعہ، قبائل کو جماجم کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔

عمارۃ (جمع عمائر یا عمارات) ایک قبیلہ مختلف نسلی سلسلوں میں بٹ جاتا تھا ان میں ہر سلسلہ کو عمارہ کہا جاتا تھا مثلا مضر کا قبیلہ مختلف عمائر میں تقسیم

---

[۱] مسند احمد ۳۶۱۵، سنن ابن ماجہ کتاب الطب بَابُ تَعْلِيقِ التَّمَائِمِ ۳۵۳۰

[۲] النساء۴۸

ہوا جن میں سے ایک قریش اور دوسرے بنو غفار تھے۔

بطن (جمع بطون یا ابطن) عمارہ کی نسلیں مختلف شاخوں میں پھیل جاتی تھیں ان میں سے ہر شاخ کو بطن کہتے تھے، مثلاً قریش کی متعدد شاخوں میں سے ایک بنو عبد مناف اور دوسری بنو مخزوم وغیرہ تھی۔

فخذ (جمع افخاذ) بطن کے متعدد انساب الگ الگ فخذ کہلاتے تھے، مثلاً بطن عبد مناف میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے فخذ تھے۔

فصیلہ (جمع فصائل) فخذ کی مزید تقسیم کو فصیلے کی اصطلاع سے ظاہر کرتے تھے مثلاً فخذ بنو ہاشم میں بنو ابی طالب اور بنو عباس کے فصیلے تھے۔

اسرہ یا عائلہ۔ فصیلہ متعدد خاندانوں میں تقسیم ہوتا تھا، ہر خاندان کو ایک الگ اسرہ یا عائلہ کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا مثلاً آل ابی طالب کے اسروں میں آل جعفر، آل علی اور آل عقیل کے نام ملتے ہیں۔

قبائل کی اس تقسیم میں ابن عبد ربہ نے جزوی ترمیم کی ہے، ان کے مطابق فخذ کے بعد فصیلہ نہیں بلکہ عشیرہ ہوتا تھا یعنی کسی شخص کے اہل خاندان مثلاً آل عباس وابی طالب، اس کے بعد فصیلہ تھا جو کسی شخص کے اہل خانہ (اہل بیت) سے عبارت تھا۔

قبائل کی درجہ بندی کے سلسلے میں علمائے انساب میں اختلاف ہے لہذا اس ضمن میں کوئی بات حتمی طور سے نہیں کہی جاسکتی۔

زمانہ جاہلیت میں عرب کی آبادی بہت کم تھی اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار محاربین کی جماعت فراہم ہوسکتی تھی، اہل عرب میں لاقانونیت کا چلن تھا، کوئی مربوط سیاسی نظام نہ تھا، اسی لئے ہر قبیلے کی کوشش تھی کہ وہ اپنی قوت وطاقت میں اضافہ کرے، قوت میں اضافہ، کثرت تعداد ہی کی صورت میں ممکن تھا، یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اولاد نرینہ کی کثرت انتہائی طمانیت کی بات تھی، عرب جاہلیہ میں سرداری کے لوازمات میں ایک کثیر العیال ہونا بھی تھا، جماعت کی تعداد، اکثریت کی قوت اور رشتہ داریوں کے زیادہ سے زیادہ پھیلنے کو عرب عزت وغلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے، اس مقصد کے حصول کے لئے فقر وفاقہ اور ضروری کپڑوں ولباس کی محرومی کی وباعام کے باوجود تعدد ازواج پر کوئی پابندی نہ تھی کوئی شخص جتنی بیویاں چاہتا رکھ سکتا تھا، چونکہ ان متعدد نکاحوں کا مقصد زیادہ سے زیادہ بیٹے حاصل کرنا تھا جو عزت، شرف اور طاقت میں اضافے کا باعث تھے،

كَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ قَدْ نَذَرَ حِينَ لَقِيَ مِنْ قُرَيْشٍ فِي حَفْرِ زَمْزَمَ ما لقي: لَئِنْ وُلِدَ لَهُ عَشَرَةُ نَفَرٍ ثُمَّ بَلَغُوا مَعَهُ حَتَّى يَمْنَعُوهُ، لَيَنْحَرَنَّ أَحَدَهُمْ لله عِنْدَ الْكَعْبَةِ

اس لئے جب رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے دادا عبد المطلب کا چاہ زمزم کھودنے کے معاملہ پر قریش سے جھگڑا ہوا اور ان کو دبنا پڑا تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے اور وہ ان کی زندگی میں سن بلوغ کو پہنچ کر ان کی حمایت کے قابل ہو گئے تو وہ ان میں سے ایک کو کعبہ میں اللہ کے لئے قربان کر دیں گے۔ [1]

عرب ان شادیوں کے ذریعہ ایک طرف تو بیٹے حاصل کرتے تو دوسری طرف اجنبیوں کو اپنا موالی بنا لیتے تھے، شادی کی بدولت دو قبائل کے مابین الفت ودوستی ہوجایا کرتی تھی، اس کی ایک بڑی اچھی مثال خالد بن یزید بن معاویہ کی ہے وہ سخاوت اور فصاحت میں قریش کے

[1] تاریخ الرسل والملوک ۱/۲۶۴، سیرۃ ابن اسحاق ۱/۳۲، ابن ہشام ۱/۱۵۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۹۸، الروض الانف ۲/۸۴

اکابر میں سے تھے،ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد خالد حج کے لئے گیا وہاں اس نے رملہ بنت زبیر بن العوام سے شادی کر لی (رملہ کے علاوہ اس کی دو بیویاں ام کلثوم بنت عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب اور آمنہ بنت سعید بن العاص بن امیہ بھی تھیں، بعد میں آمنہ بنت سعید بن العاص کو خالد نے طلاق دے دی تھی تو اس نے ولید بن عبد الملک سے شادی کر لی تھی) خالد کو رملہ بنت زبیر بن العوام سے بڑی محبت ہوگئی اس کا کہنا تھا میرے دل میں جس قدر آل زبیر کے خلاف بغض تھا اس قدر کسی کے خلاف نہ تھا حتی کہ میں نے انہی کی ایک دوشیزہ رملہ سے شادی کر لی چنانچہ آل زبیر میرے لئے محبوب ترین لوگ بن گئے،یوں تو عربی معاشرے میں عورتوں کی کوئی خاص عزت و مرتبہ نہیں تھا مگر صاحب اولاد خواتین کے شرف و عزت میں یقیناً اضافہ ہوجاتا تھا عربوں میں کثیر الاولاد عورت کو ناتق کہتے تھے اور یہ عورتوں میں پسندیدہ صفت سمجھی جاتی تھی۔

نکاح و تولید کے علاوہ افرادی قوت حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ رشتہ ولاء قائم کر کے زیادہ سے زیادہ موالیٰ حاصل کئے جائیں،خونی رشتہ ہی کے زمرے سے ولاء اور معاہدہ کا رشتہ تھا کیونکہ ان دونوں سے بھی قریب قریب وہی خلوص اور وہی محبت پیدا ہوجاتی تھی جو خونی رشتے سے ہوسکتی ہے،مولیٰ اپنے مولا پر اور حلیف اپنے حلیف پر ظلم برداشت نہیں کرتا۔[۱]

عرب جاہلیہ میں موالیٰ حاصل کرنے کے یہ معروف طریقے تھے۔

حلف:

تحالف یا حلف کسی ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے کے ساتھ وفاق تھا،اس کی ضرورت کئی وجوہ سے پیش آتی تھی جن میں سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ کمزور قبائل اپنی حفاظت کے لئے طاقتور قبائل سے منسلک ہونا چاہتے تھے،حلف کا طریقہ عربوں میں زمانہ قدیم سے چلا آتا تھا،اسلام سے پہلے ایک معاہدہ حلف الفضول کے نام سے ہوچکا تھا جو مکہ کے اولین آباد کاروں میں طے ہوا تھا،جس میں قبیلہ جرہم کے تین سرداروں نے حلف لے کر اقرار کیا تھا کہ اگر کسی کمزور و بے بس پر ظلم ہوا تو ہم اپنے خاندان سمیت اس وقت تک مظلوم کی حمایت کریں گے،

والأَخذ لِلضَّعِيفِ مِنَ القويِّ، وَالْغَرِيبِ مِنَ القاطِنِ

جب تک ظالم،مظلوم کا حق ادا نہ کر دے اور ضعیف کو قوی سے اور اجنبی کو مقامی سے اس کا حق نہ دلا دیں۔[۲]

اسی نام کا دوسرا معاہدہ ہجرت سے قبل کا ہے جو مشہور ہے،عرب میں قبائل کا ڈھانچہ مسلسل بدلتا رہتا تھا بعض قبائل خوشحال ہوجاتے تھے اور تعداد بڑھ جانے کے باعث جب ایک وحدت سے کام چلانا دشوار ہوجاتا تو دو یا دو سے زیادہ بطون میں تقسیم ہوجاتے،دوسری طرف جب ایک قبیلے کو خوشحالی میسر نہ ہوتی تو اس کی تعداد میں کمی واقع ہوجاتی،اس صورت میں یا تو وہ کسی طاقتور قبیلے کا سہارا ڈھونڈتا یا دوسرے کمزور قبائل کا حلیف بننے کی کوشش کرتا،یہ قبائلی معاشرے میں اس کی بقا کے لئے ازبس ضروری ہوتا اسی لئے مکہ کے قریب چند کمزور قبائل زیادہ تر قریش کے دست نگر ہو کر رہے گئے تھے،

[۱] مقدمہ ابن خلدون ۱۰۸

[۲] لسان العرب ۱۱/۵۲۷

الْحَارِثُ بْنُ عَبْدِ مَنَاةَ بْنِ كِنَانَةَ , وَالْمُصْطَلِقُ وَاسْمُهُ جَذِيمَةُ , وَالْحَيَا وَاسْمُهُ عَامِرٌ ابْنَا سَعْدٍ مِنْ خُزَاعَةَ وَعَضَلَ , وَالْقَارَةُ مِنْ وَلَدِ الْهُونِ بْنِ خُزَيْمَةَ , وَعَضَلُ هُوَ ابْنُ الدِّيشِ بْنِ مُحَلِّمٍ , وَسُمُّوا أَحَابِيشَ؛ لِأَنَّهُمْ تَحَبَّشُوا أَيْ: تَجَمَّعُوا وَهُمْ جَمِيعًا حُلَفَاءُ لِقُرَيْشٍ عَلَى بَنِي بَكْرٍ , وَيُقَالُ: تَحَالَفُوا عَلَى جَبَلٍ يُقَالُ لَهُ حُبْشِيٌّ عَلَى عَشَرَةِ أَمْيَالٍ مِنْ مَكَّةَ فَسُمُّوا بِهِ الْأَحَابِيشَ

چند قبائل حارث بن عبد المناۃ بن کنانہ، مصطلق جس کا نام جذیمہ، اور حیا جس کا نام عامر جو سعد کے بیٹے اور قبیلہ خزاعہ وعضل، قارہ جو کہ ہون بن خزیمہ کے بیٹے تھے، عضل جو کہ ابن دیش بن محلم کے بیٹے، انہیں احابیس سے موسوم کیا جاتا ہے، کیونکہ ان سارے قبائل نے جبل حبشی (یہ مکہ سے دس میل کی دوری پر ہے) پر ایک دوسرے کی مناصرت ومعاونت قسمیں کھائیں تھیں، اسی مناسبت سے ان کا نام احابیش قریش پڑ گیا تھا۔[1]

کسی قبیلے کی عددی اکثریت اس کی قوت اور اس قبائلی نظام میں اس کی حیثیت اور عزت کا سبب بنتی تھی، اس لئے اپنی عددی قوت میں اضافہ کرنے کے لئے عرب قبائل اجنبیوں کو موالی کی حیثیت سے قبول کر لیا کرتے تھے، حلیف ومولیٰ کی حفاظت کرنا اور ان کا انتقام لینا کسی بھی قبیلے کی عزت وناموس کا سوال ہوا کرتا تھا چونکہ دوسروں پر غلبہ پانے کے لئے اور اپنی تعداد کو بڑھانے کے لئے حلف وولاء کا سہارا لیا جاتا تھا لہذا معاہدہ کرنے میں اس امر کی تخصیص نہ تھی کہ حلیف قبائل کا تعلق کسی مخصوص نسلی گروہ سے ہو مثلا دونوں قبائل عدنانی ہوں یا دونوں قحطانی ہو یا دونوں کا تعلق مضر یا ربیعہ سے ہو، بلکہ بعض اوقات عربوں نے اس قسم کے معاہدے ان غیر عرب اقوام سے بھی کئے جو سرزمین عرب میں آ کر بس جاتی تھیں، جس کی مثال یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنی قینقاع، عربوں کے قبائل بنو اوس وخزرج کے حلیف تھے، بعض اوقات یہ حلف یا معاہدہ دو قبائل کے درمیان ہوتا تھا اور بعض حالات میں ایک فرد (یا چند افراد) اور ایک پورے قبیلے کے درمیان ہوتا تھا، جب کوئی آزاد شخص کسی قبیلے کی حفاظت میں آنا چاہتا تو وہ اس کا مولیٰ بن جاتا تھا، ایسے میں اس کے لئے دونوں قبائل (یعنی نسبی قبیلہ اور حلفی قبیلہ) کی طرف نسبت کرنا جائز سمجھا جاتا مثلاً

فلاں التمیمی ثم الوائلی یافلاں الوائلی ثم التمیمی وغیرہ،

ایسے حلیف جو اپنی حفاظت کی غرض سے کسی طاقتور قبیلے سے معاہدہ کر لیتے تھے یا تو عموماً اسی قبیلے کے اسیر ہوتے تھے اور آزادی کے بعد اس کے معاہد بن جاتے تھے یا پھر کسی دوسرے قبیلے کی گرفت میں ہوتے تھے اور معاہد قبیلے کا کوئی فرد انہیں آزاد کرا دیتا تھا، ان لوگوں میں ایسے آزاد افراد بھی شامل ہوتے تھے جو کسی وجہ سے اپنے قبیلے سے الگ ہو کر کسی دوسرے قبیلے کی پناہ میں آ کر ان کے پاس بس جاتے تھے مثلاً یاسر بن عامر[2] جو یمن کے قبیلے کہلان سے تعلق رکھتے تھے، مکہ مکرمہ آ کر بنو مخزوم کے حلیف ہو گئے تھے اور وہ ان کی اولاد بنو مخزوم ہی کے افراد میں شمار ہوتی تھی اور یہ بنو مخزوم کے حلیف یا مولی کہلاتے تھے، دراصل معاشرے کے قبائلی نظام کے پیش نظر کوئی شخص اپنی

---

[1] ابن سعد ۵/۵۷

[2] ابن سعد ۱۳۶/۴

زندگی، مال ودولت اور عزت وآبرو کو محفوظ نہیں سمجھ سکتا تھا جب تک کہ وہ کسی نہ کسی قبیلے سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ نہ ہوتا، پھر قبائل میں باہمی جنگ وجدل کا سلسلہ بھی چلتا رہتا تھا اس لئے بعض اوقات ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے ساتھ یا بعض قبائل آپس میں مل کر تحالف (Confederation) کا رشتہ قائم کر لیتے تا کہ دشمن قبائل کی غارت گری کے مقابلے پر حلیف قبائل متحدہ محاذ پیش کر سکیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے حلف کو ممنوع قرار دیا اور فرمایا:

لا حِلْفَ فِي الْإِسْلامِ

اس کی ممانعت کا باعث بھی یہی تھا کہ اسلام میں کل مسلمان باہم بھائی بھائی ہو گئے، اس لئے قبائل کی جزوی اور متحارب انہ عہد بندی اسلام کی نظر میں مذموم ہے، منشاء یہ تھا کہ قبائل کی اندرونی چپقلش کو ختم کر کے اسلامی اخوت کو مستحکم کیا جائے۔

استلحاق:

اس کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی شخص کسی شخص کو اپنے نسب میں داخل کر لیتا تھا اس طور سے یہ نیا شخص اس خاندان کا فرد بن جاتا تھا ایسے شخص کو مستلحق اور دعی کہتے تھے۔ یہ مستلحق اور دعی کبھی غلام، قیدی یا مولی بھی ہوتا تھا، عہد جاہلیت میں اس کی مثال ذکوان کی ہے جو بنی امیہ کے جد امیہ کا غلام تھا، امیہ نے ذکوان کا اپنے نسب سے استلحاق کر لیا اور اس کی کنیت ابو عمر رکھی اس طرح ذکوان کا نام ابا عمرو بن امیہ پڑ گیا اور اسی نام سے وہ مشہور ہوا، عرب جاہلیہ میں ایسے ادعیاء کی کمی نہیں تھی، یہ ادعیاء اس بات کے بھی مجاز ہوتے تھے کہ دوسروں کو اپنا مستلحق اور دعی بنالیں، چنانچہ زیر نظر دور میں بنو خلج کا بھی پتہ چلتا ہے جو قریش کے ادعیاء تھے اور خود بنو خلج کا دعی ابن ہرمہ تھا۔[1] یہ استلحاق انفرادی بھی ہوتا تھا اور اجتماعی بھی، آخر الذکر صورت میں پورا قبیلہ بطن یا فخذ، رشتہ استلحاق میں منسلک ہو جاتا تھا، استلحاق عموماً اس صورت میں وجود میں آتا کہ ایسا گروہ کسی قبیلے میں آکر مقیم ہو جاتا تھا یا پھر اپنے دشمنوں کے خلاف ان سے مدد طلب کرتا تھا، ایسے ادعیاء عموماً اپنے مستلحق کے خاندان کے افراد سمجھے جاتے تھے اور صریح کی طرح اپنے مستلحق کی وفات کے بعد میراث کے حقدار ہوتے تھے۔[2]

استلحاق کے ذریعہ دونوں فریق فائدے میں رہتے تھے ایک طرف تو مستلحق یا دعی اغیار کی دست برد سے محفوظ ہو جاتے تھے تو دوسری طرف استلحاق کرنے والے قبائل کو اپنی تعداد میں اضافے کا موقع ملتا تھا، استلحاق کی ایک مثال زیاد ابن ابیہ کی ہے جس کو بذریعہ استلحاق امیر معاویہ نے اپنا بھائی قرار دیا تھا۔[3]

تاہم رسول اللہ ﷺ کے حکم

الوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الحَجَرُ

کے بعد اس قسم کے استلحاق کی کوئی قانونی واخلاقی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی۔

[1] تاریخ التمدن الاسلامی ۴/۲۵

[2] تاریخ التمدن الاسلامی ۴/۲۵

[3] تاریخ ابن خلدون ۳/۷

مستلحق کی ضد خلیع تھی یعنی کسی شخص کو ناپسندیدہ امور کی وجہ سے قبیلے سے خارج کر دیا جاتا، ایسا شخص خلیع کہلاتا تھا اس بات کا اعلان خلیع کا باپ ایام حج کے موقع پر کرتا تھا کہ وہ اور اس کا قبیلہ اس شخص سے دست بردار ہوتا ہے اور اس کے کسی بھی فعل کی ذمہ داری اس پر یا اس کے قبیلے پر نہیں ہوگی، ایسے شخص کو قتل کر دینے پر قاتل کے اوپر کسی قسم کی دیت لازم نہیں آتی تھی، یہ خلیع آبادی سے دور تنہا یا گروہ بنا کے رہتے تھے ، کبھی یہ کسی کے ہتھے چڑھ جاتے تو غلام بن جاتے اور کبھی یہ لوگ بھی دوسروں کو قتل کر دیتے اور سامان تجارت لوٹ لیتے، ایسے عاق شدہ لوگ صحرا میں کسی جگہ جمع ہو کر ایک گروہ بنا لیتے اور لوٹ مار کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے حضریوں کے مقابلے میں بدویوں میں یہ رواج زیادہ تھا۔

مواخاۃ:

حلف ہی سے مشابہ ایک رواج مواخاۃ کا تھا، یہ بھائی چارہ کبھی افراد کے مابین اور کبھی قبائل کے درمیان ہوتا تھا، رشتہ مواخاۃ استوار کرنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ کمزور افراد قبائل کو حامی اور محافظ مل جائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ حامی اور محافظ قبائل و افراد کی عددی قوت میں اضافہ ہو، یوں اس مواخاۃ کا فائدہ مخصوص سماجی حالات کی وجہ سے دونوں فریقوں کو ملتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مواخاۃ مکہ مکرمہ میں کرائی تھی کیونکہ اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے بہت سے مسلمان اپنے قبیلے کی اعانت و امداد سے محروم ہو گئے تھے، اور ہجرت کے بعد مہاجرین و انصار کے مابین دوسری مواخاۃ قائم کر کے انہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا تا کہ وہ ایک دوسرے کے مد مقابل آنے کے بجائے ایک دوسرے کے دست و بازو بن جائیں۔

استرقاق (غلامی):

قبل اسلام عرب میں غلامی کا اسی طرح رواج تھا جس طرح قرون قدیمہ و وسطیٰ میں اس کا رواج باقی دنیا میں پایا جاتا تھا، عرب میں غلاموں کی اکثریت سیاہ فام حبشی الاصل لوگوں پر مشتمل تھی تاہم کچھ غلام سفید فام اور غیر حبشی النسل بھی ہوتے تھے، دیگر بڑے شہروں کی طرح مکہ مکرمہ کی منڈی میں بھی ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، اس دور میں غلاموں کا سب سے مشہور تاجر عبد اللہ ابن جدعان تھا جو قبیلہ تیم بن مرہ کا ایک ممتاز قریشی تھا، اس نے کاروانی تجارت اور غلاموں کی خرید و فروخت سے اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ مکے کے متمول اشخاص میں اس کا شمار ہونے لگا، شاندار ضیافتیں کھلانے میں اس کی دریا دلی ضرب المثل تھی، وہ اپنے عز و وقار کی وجہ سے سیاسی معاملات میں بھی دخل رکھتا تھا[۱] مکے کے قبائلی اتحاد کا جو حلف الفضول کے نام سے مشہور تھا محرک عبد اللہ ابن جدعان تھا۔

اس دور میں غلام ان تمام معلوم ذرائع سے حاصل کئے جاتے تھے جو اس عہد کی متمدن اقوام میں رائج تھے یعنی۔

- جنگ میں ہاتھ آنے والے مغلوب افراد قیدی بنا لئے جاتے تھے۔
- اکا دکا، بھولے بھٹکے اور تنہا سفر کرنے والے مسافروں کو بھی اغوا کر کے غلام بنا لینے کا رواج تھا۔
- خلیع اگر چالاک لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے تو بلا جواز ان کی پیدائشی آزادی کو سلب کر کے انہیں بھی غلام بنا لیا جاتا تھا۔

---

[۱] ابن ہشام ۱/۱۴۱

○ اس کے علاوہ لوگ اپنے بچوں کو بھی فروخت کر دیتے تھے۔

○عرب، حبشہ اور قرب وجوار کے ممالک سے جانوروں کی طرح غلاموں کی خرید وفروخت بھی کرتے تھے، قبیلہ قریش میں بھی یہ تجارت جاری تھی، جب کوئی شخص کسی غلام کو خرید لیتا تو اس کے گلے میں رسی ڈال دیتا اور اسے رسی سے پکڑ کر گھر لے جاتا تھا۔ (۱)

ایسے اسیران جنگ جو فاتح قبائل کے ہاتھ آتے تھے انہیں گرفتار کرنے والے عموماً ان کے بال کاٹ کر اپنے ترکش میں رکھ لیتے تھے اور جب تک ایسے لوگ اپنی آزادی خرید نہ لیں ان کے بال ان کے گرفتار کنندہ اپنے پاس محفوظ رکھتے تھے۔ (۲)

عرب کے جاہلی معاشرے میں غلاموں کی کثرت تھی، خصوصاً امراء اور ملوک کے یہاں اس کی کوئی حد نہیں تھی، ان کے غلاموں اور کنیزوں کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں سے متجاوز تھی چنانچہ جب ذوالکلاع حمیری کا وفد خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو اس کے خاندان اور قبیلے کے افراد کے علاوہ ایک ہزار غلام بھی اس کے ہمرکاب تھے۔ (۳)

الغرض اشراف عرب میں کسی کا گھر غلاموں سے خالی نہ تھا۔

اہل عرب باندیوں سے شادی بھی کرتے تھے اور ان سے جو اولاد ہوتی تھی انہیں بھی غلام ہی سمجھا جاتا تھا البتہ اگر وہ کوئی بڑا کام انجام دیتے تو انہیں آزاد کر کے آقا اپنا بیٹا بنا لیتے تھے، پھر ایسے بیٹوں کی حیثیت میں اور آزاد ماؤں کی اولاد میں کوئی فرق نہیں ہوتا تھا، اس کی ایک مثال مشہور جاہلی شاعر عنترہ بن شداد القبسی کی ہے جس کے باپ شداد نے اسے خاصی بڑی عمر کا ہو جانے کے بعد اپنا بیٹا تسلیم کیا کیونکہ عنترہ ایک سیاہ فام لونڈی زبیبہ کے بطن سے تولد ہوا تھا، عنترہ کے دوسرے ماں جائے بھائی سب غلام تھے، اس کی آزادی کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک بار ایک عربی قبیلے نے بنی عبس کے کچھ لوگوں پر چھاپا مارا اور ان کا مال لوٹ لیا، بنی عبس کے بعض افراد نے ان کا پیچھا کیا اور دونوں میں جنگ شروع ہوگئی، انہی میں عنترہ بھی تھا، اس کے باپ شداد نے اس سے کہا عنترہ حملہ کر، عنترہ نے جواب دیا، غلام کیا حملہ کرے گا وہ تو دودھ دوہنا جانتا ہے، اس پر اس کے باپ نے کہا حملہ کر تو آزاد ہے اس پر عنترہ نے ان سے جنگ کی اور ان کے قبضے سے تمام مال غنیمت چھڑا لیا، اس واقعہ کے بعد اس کے باپ نے اسے بیٹا تسلیم کر لیا۔ (۴)

عرب جاہلیہ میں غلاموں کی حالت بھی لونڈیوں سے کم تکلیف دہ نہ تھی، اہل عرب میں غلاموں کو آزاد کرنے کا بھی تصور تھا جو فخر ومباہات سمجھا جاتا تھا، غلاموں کے مالک از خود یا کوئی دوسرا شخص غلام خرید کر آزاد کر دیتا مگر حالت یہ تھی کہ آزاد ہونے کے باوجود غلام پر اس کے مالک کا حق ملکیت قائم رہتا جسے وہ کسی اور کو فروخت کر سکتا تھا۔

مگر غلام کو ذیل طریقوں سے اپنی آزادی حاصل کرنے کا حق تھا۔

---

(۱) تاریخ التمدن اسلامی ۴/۲۷

(۲) بلوغ الارب ۳/۱۵، تاریخ التمدن اسلامی ۴/۲۷

(۳) تاریخ التمدن اسلامی ۴/۲۷

(۴) بلوغ الارب ۲/۱۳۶، عرب جاہلیہ میں موالی ۳۷

مکاتبت:

آزادی کاایک طریقہ مکاتبت تھا، کوئی غلام یالونڈی اپنی آزادی کے لئے اپنے آقا کوایک معاوضہ اداکرنے کی پیش کش کرے اور جب آقااسے قبول کرلے تو دونوں کے درمیان شرائط طے ہوجائیں، ضروری نہیں کہ معاوضہ مال ہی کی شکل میں ہو، آقا کے لئے کوئی خدمت انجام دینابھی معاوضہ بن سکتاتھا، بشرطیکہ فریقین اس پر راضی ہوں۔

تدبیر:

آزادی کاایک طریقہ یہ تھا کہ آقااپنے غلام کی آزادی مرنے سے قبل وصیت کردے تو آقا کے مرنے پر یہ غلام آزاد ہوجاتاتھا، یہ طریقہ تدبیراور اس طریقے سے آزادی حاصل کرنے والاغلام مدبر کہلاتاتھا، غلام کو مدبر کرنے کے لئے عموماً آقااس کو نہ اپنی زندگی میں فروخت کرسکتاتھااور نہ ہی بطور ہبہ وبخشش کسی کو عطاکرسکتاتھا۔

فدیہ:

آزادی کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ غلام زرفدیہ اداکردے اور ایک صورت یہ تھی کہ آقااس کی کسی خدمت پرخوش ہوکراسے آزادکردے، حصول آزادی کے بعد یہ آزاد کردہ غلام موالی کہلاتے تھےاور ان کی نسبت ان کےآزاد کنندہ کے قبیلے کی طرف ہوتی تھی اور وہ مثل رشتہ دار کے سمجھے جاتے تھےاور وراثت میں بھی حصہ دار ہوتے تھے۔

مولیٰ (آزادکردہ غلام):

مولیٰ القرابت والولادت:

نسب ونسل سے قائم ہونے والی قرابت کادائرہ عرب کے معاشرے میں بڑاوسیع تھا، دنیاکی شاید ہی کسی قوم نے اپنے شجرہ نسب کی حفاظت میں اتنااہتمام کیاہوجتناعربوں نے کیاہے، علم انساب کی یہ اہمیت اس لئے تھی کہ اسی کے ذریعہ نسلی نجابت اور نسبی رشتوں کی حفاظت وصیانت ممکن تھی۔[۱]

اسی نسب کے محورپرعرب جاہلیہ کی معاشرتی زندگی گردش کرتی تھی اور یہی رشتے اس کے سماج کے تانے بانے تھے، چنانچہ بوقت ضرورت اس رشتے کے ناتے عرب ایک دوسرے سے مدد طلب کرتے اور بوقت مفاخرت ان تعلقات پرفخر کرتے تھے، وہ محالفت وموالات جو اس طور سے وجود میں آتی تھی دوسری تمام اقسام حلف وولاء سے زیادہ قوی اور موثر ہوتی تھی، اسی لئے چچازاد بھائی کو مولیٰ کہاجاتاتھاجوافراد کے مابین قریب ترین رشتہ اتحاد سمجھاجاتاتھا۔ اس قسم کو مزید دو درجوں میں بانٹاجاسکتاہے۔

مولیٰ قرابت، مولیٰ ولادت:

مولیٰ قرابت: یہ قرابت شادی اور نکاح کے ذریعہ قائم ہوتی تھی، عرب جاہلیہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ ایک فرد شادی بیاہ کے ناتے سے کسی

[۱] بلوغ الارب ۳/۱۸۲، تاریخ التمدن الاسلامی ۳/۳۵،عرب جاہلیہ میں موالی ۱۵۵

غیر قبیلہ کا مولیٰ بن جاتا تھا، یہ ولاء جواز واج کے تعلق سے وجود میں آتی تھی اس میں قبیلہ کے صریح اور غیر صریح دونوں ہی افراد شامل ہوتے تھے اس طور سے داماد، خسر، سالے ایک دوسرے کے مولیٰ بن جاتے تھے۔ (۱)

مولیٰ ولادت: یہ ولاء خون کے رشتے سے وجود میں آتی تھی، ایک مورث اعلیٰ کی نسل میں شامل افراد جو ابنائے عم ہوتے تھے ایک دوسرے کے مولیٰ کہلاتے تھے مثلاً بنو ہاشم اور بنو امیہ جو عبد مناف کی اولاد میں تھے باہم رشتہ موالات میں منسلک تھے اور ایک دوسرے کے مولیٰ کہلاتے تھے، محض دو بھائی کی اولاد ہی نہیں بلکہ اوپر سے سلسلہ نسب کا اتحاد بھی ولاء کے انعقاد کا باعث ہوتا تھا، چنانچہ قریش اور بنو غفار جن کا مورث اعلیٰ کنانہ تھا بنو اعمام اور موالیٰ ہوئے، ایسے موالیٰ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے تھے۔

مولیٰ الحلف والیمین :

بعض وجوہ کی بنا پر کوئی شخص کسی غیر قبیلہ کے فرد سے معاہدہ کر لیتا تھا اور اس پیمان بندی کے ذریعہ وہ اس قبیلہ کا مولیٰ بن جاتا تھا، ایسے شخص کو مولیٰ الحلف یا مولیٰ الاصطناع کہا جاتا تھا، یہ موالات متعدد طریقوں سے وجود میں آتی تھی کبھی محالفت یعنی باہمی عہد پیمان سے، کبھی مخالطت یعنی کسی فرد کے کسی قبیلہ میں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے باعث، اور کبھی ملازمت یعنی کئی پشتوں سے تعلقات کے نتیجہ میں ایک فرد کے کسی قبیلہ کے ساتھ وابستہ ہو جانے کے سبب سے ولاء کا انعقاد ہو جاتا تھا۔ (۲)

ابو البکیر بن عبد یالیل، عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دادا نفیل بن عبد العزیٰ کے حلیف اور اس رشتہ سے ان کے مولیٰ تھے۔ (۳)

عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے والد مسعود بن غافل ہذلی، عہد جاہلیت میں عبد اللہ بن الحارث کے جن کا تعلق بنی زہرہ سے تھا، حلیف تھے۔ (۴)

مرثد بن ابی مرثد الغنوی اور ان کے والد ابو مرثد دونوں حمزہ بن عبد المطلب کے حلیف تھے۔ (۵)

یہود یثرب مخالطت وملازمت کے باعث اوس وخزرج کے موالیٰ بن گئے تھے جو قینقاع اور بنو نضیر کے موالیٰ تھے جبکہ بنو قریظہ اوس کے موالیٰ تھے۔ (۶)

ان موالیٰ کے حقوق کا تعین بھی کیا جاتا تھا چنانچہ ان کی موت کے بعد صلبی وارث نہ ہونے کی صورت میں ان سے موالات کرنے والا ان کا وارث بھی ہوتا تھا، اسی طرح اگر یہ لوگ مارے جاتے تو ان کی دیت بھی ان سے موالات کرنے والا وصول کرتا تھا، حقوق وفرائض میں انہیں مساوی سمجھا جاتا تھا اور یہ اپنے موالات کنندہ خاندان میں شادی بیاہ بھی کرتے تھے اور یوں مولیٰ الحلف والیمین کے ساتھ ساتھ یہ مولیٰ القرابت بھی

---

(۱) کتاب الاغانی ۱۴/۱۵۶

(۲) کتاب الاغانی ۱۹/۹۷

(۳) ابن سعد ۳/۳۸۸، الاستیعاب ۲/۷۸۸

(۴) الاستیعاب ۳/۹۸۷

(۵) الاستیعاب ۳/۱۳۸۳، ۴/۱۷۵۵

(۶) ابن ہشام ۲/۱۸۹

بن جاتے تھے،اس کی ایک مثال عبید اللہ ابن جحش کی ہے جو بنو امیہ کے سردار ابوسفیان بن حرب کا مولیٰ الحلف تھا،عبید اللہ کا نکاح ابوسفیان کی صاحبزادی ام حبیبہ سے ہوا تھا۔ [۱]

اس طرز کی موالات میں نہ مذہب کی قید تھی نہ نسل کی،اسی لئے رشتہ ولاء میں بت پرست، یہود و نصاریٰ سبھی منسلک نظر آتے ہیں۔ [۲]

مولیٰ النعمت:

آزاد کردہ غلام مولیٰ النعمت کہلاتا تھا،غلاموں کی آزادی کے مختلف طریقے تھے،غلامی سے آزادی حاصل کرنے والے افراد کو معاشرے میں شامل کرنے کے لئے یہ طریقہ رائج کیا گیا کہ انہیں اپنے آزاد کنندہ یعنی سابق آقا کی ولاء حاصل ہوجاتی تھی اور یوں وہ بے یار و مددگار نہیں رہتے تھے بلکہ ان کی پشت پر ایک ایسی طاقت ہوتی تھی جو بوقت ضرورت ان کی حامی و ناصر ہوتی،عموماً یہ ولاء جو سابق آقا کو اپنے سابق غلام کی ملتی تھی ایک موروثی حق متصور ہوتی تھی اور نہ صرف یہ کہ آزاد کنندہ اور آزاد شدہ افراد ایک دوسرے کے مولیٰ کہلاتے بلکہ ان کے خاندان کو پشتہا پشت تک ایک دوسرے کا مولیٰ کہا جاتا تھا،چنانچہ صبیح جو ابو احیحہ سعید بن عاص بن امیہ کے مولیٰ تھے،سعید کے بعد اس کے بیٹوں کے اور ان کی اولاد سعید کے پوتوں کی مولیٰ تھی،یہ بھی قاعدہ تھا کہ سابق آقا ایسے موالی کی ولاء کسی دوسرے شخص کی جانب منتقل کر دیتے تھے اور یوں موالات ایک نئے خاندان میں قائم ہوجاتی تھی،مکاتبت کی صورت میں اگر رقم کتابت،غلام کے علاوہ کوئی دوسرا فرد ادا کرتا تھا تو آزادی کے بعد ولاء آزاد کنندہ سابق آقا کے بجائے زر کتابت ادا کرنے والے شخص کو حاصل ہوجاتی تھی،اس ضمن میں بریرہ کا واقعہ بہت مشہور ہے جن کی زر کتابت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ادا کیا تھا،زر کتابت اگر آزادی حاصل کرنے والا شخص اپنی محنت سے کمائی ہوئی رقم سے ادا کرتا تو ایسی صورت میں کبھی کبھی وہ سابق آقا سے رشتہ موالات نہ قائم کرتا، کبھی سابق آقا خود اس بات کا اعلان کر دیتا تھا کہ وہ حق ولاء سے دستبردار ہوتا ہے،ایسے آزاد شخص کو سائبہ کہتے تھے اور اسے پیمان ولاء باندھنے کی آزادی ہوتی تھی اور اس کے ترکہ سے سابق آقا کو کچھ نہ ملتا تھا،جیسے سائبہ سالم جو اصطخر کے باشندے تھے،ابوحذیفہ کی بیوی ثبیتہ انصاریہ کے غلام تھے،انہوں نے سالم کو سائبتہ آزاد کر دیا،ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا متبنیٰ اور مولیٰ بنالیا تھا اور ان کی شادی اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس سے کر دی،انہوں نے ابوحذیفہ کے ساتھ ابتداء ہی میں اسلام قبول کرلیا تھا،ہجرت کے بعد قبا میں قیام کیا اور چونکہ وہاں موجود صحابہ میں قرآن مجید کا علم سب سے زیادہ انہی کو تھا اس لئے مسجد قبا میں امامت نماز کے فرائض یہی انجام دیتے تھے،مدینہ منورہ میں جب مواخاۃ قائم کی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا،۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگ یمامہ میں مہاجرین کے علم دار یہی تھے اسی جنگ یمامہ میں اپنے آقا کے ساتھ شہید ہوئے،ان کی میراث ان کی سابق مولاۃ (آقا) کے پاس بھیجی گئی مگر انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ میں نے سالم کو سائبتہ آزاد کر دیا تھا مولیٰ ابوحذیفہ تھے جن کا نام ہشیم یا مہشم تھا،وہ سردار قریش عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس کے بیٹے اور نہایت قدیم الاسلام تھے،حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں شامل رہے،یہ ہجرت انہوں نے اپنی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو کے ساتھ کی،حبشہ میں ہی ان کا بیٹا محمد پیدا ہوا،مدینہ

---

[۱] ابن سعد ۳/۸۹،ابن ہشام ۱/۳۴۶،الاستیعاب ۳/۸۷۷

[۲] ابن ہشام ۹۳،۱/۹۱،المعارف ۱۱۹

میں ان کی مواخاۃ عبادہ بن بشیر انصاری سے کی گئی) تھے۔

ایسے موالیٰ حصول آزادی کے بعد بھی معاشرے میں دیگر آزاد افراد سے ایک طبقہ کم تر محسوب ہوتے تھے اور آزاد غلام کے درمیانی طبقے میں شمار کئے جاتے تھے، وہ اس حیثیت سے آزاد تھے کہ انہیں فروخت نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن اس اعتبار سے وہ آزاد اشخاص سے فروتر تھے کہ نکاح و میراث میں آزادوں کی طرح انہیں آزادی عمل نہ حاصل تھی، موالی کسی آزاد عورت سے شادی نہ کر سکتے تھے، اسی طرح ان کی دیت آزادوں کی دیت کے نصف کے بقدر تھی، گویا آزادی کے بعد بھی انہیں کمتر ہی سمجھا جاتا تھا، اسی طرح اگر ان پر قصاص واجب ہوتا تو آزادوں کے مقابلہ میں نصف دیت کی ادائیگی پر پابند کئے جاتے تھے، ایسے موالی کی موت کے بعد ان کے سابق آقا اور حال موالی ان کے وارث بھی ہوتے تھے، انہیں موالی النعمت کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے اگرچہ سابق آقا ایسے موالی کے وارث ہوتے تھے مگر خود یہ اپنے آقاؤں کے وارث نہ ہو سکتے تھے۔

حاصل بحث یہ کہ عرب جاہلیہ کا معاشرہ تین طبقات میں منقسم تھا، ایک آزاد یا حر دوسرے مولیٰ اور تیسرے غلام۔

آزاد کا یہ طبقہ بھی دو ذیلی طبقات میں تقسیم تھا، ایک صریح اور دوسرا غیر صریح۔

صریح وہ تھا جس کا متعلقہ قبیلے سے نسلی تعلق ہوتا تھا اور بزرگ قبیلہ سے خونی رشتہ رکھنے کی وجہ سے افراد قبیلہ سے اس کا تعلق خون کا ہوتا تھا مثلاً حرب بن امیہ اور ابوسفیان بن حرب، بنو امیہ کے صریح افراد تھے اور اس خاندان کے مورث اعلیٰ امیہ بن عبد شمس کی اولاد میں تھے، اسی طرح بنو عبد مناف اور قریش سے انہیں خونی رشتے کی بناء پر انتساب تھا، عبد اللہ بن جحش اور عبید اللہ بن جحش محالفت کے ناطے سے حرب اور ابوسفیان سے وابستہ تھے، اسی لئے بنو امیہ اور بنو عبد مناف و قریش سے ان کی وابستگی ان بنیادوں پر نہ تھی جن پر ان کے حلفاء حرب و ابوسفیان کی تھی اور وہ بنو امیہ، بنو عبد مناف اور قریش کے غیر صریح افراد تھے، ان قبائل میں ان کی حیثیت صریح افراد سے کم تر تھی گو جملہ حقوق و فرائض میں وہ ان کے مساوی محسوب ہوتے تھے، صریح و غیر صریح دونوں ہی کی حفاظت، صیانت مال اور حمایت آبرو کی خاطر قبائل کی رگ انتقام پھڑک اٹھتی تھی اور ان کی تمام قوت عمل اس نقطے پر مرکوز ہو جاتی تھی کہ اس کا انتقام لینا اور اس کی آبرو کی حفاظت کرنا ان کا انفرادی و اجتماعی فریضہ ہے، جس طرح افراد قبائل اپنے بھائی، بھتیجے اور خون کے رشتے سے وابستہ افراد کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے اسی طرح وہ اپنے موالی کی خاطر بھی اپنی جان و مال اور عزت کو داؤ پر لگانے سے دریغ نہ کرتے تھے مگر فی الجملہ صریح کے مقابلہ میں غیر صریح یا مولی کو کسی قدر کمتر حقوق حاصل تھے، مثلاً آزاد کے مقابلے میں مولیٰ کی دیت نصف ہوتی تھی، ارتکاب جرائم کی صورت میں اس پر جو قصاص لازم آتا تھا وہ بھی آزاد کے قصاص سے نصف ہوتا تھا، اگر اس کی صلبی اولاد نہ ہوتی تو اس کے تمام ترکہ کا حقدار اس کا سابق آقا اور حال مولیٰ ہوتا تھا اور صلبی اولاد کی موجودگی میں اسے ترکہ کا ایک ثلث ملتا تھا، معاشرے کا سب سے کمتر طبقہ غلاموں کا تھا جن سے جانوروں سے بڑھ کر کام لیا جاتا تھا، اور حریص مالک اپنی جوان و خوبصورت لونڈیوں کو کھلے عام زنا پر مجبور کرتے یا انہیں مواخیر (زنا گاہ) میں بٹھا کر مال حرام حاصل کرتے، اسلام سے قبل مکہ میں بھی اس قبیل کی عورتیں موجود تھیں ان میں ایک کا نام عناق تھا جس سے مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے نکاح کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی جس پر اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی کہ زنا کار مرد اور زنا کار عورت نیک مرد اور نیک عورت

کے کفو نہیں ہیں کیونکہ عملی طور پر ان دونوں میں بڑا فرق ہوگا اور میل ملاپ ہونے کی امید کم ہے۔

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ [1]

ترجمہ: زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ کے ساتھ یا مشرکہ کے ساتھ، اور زانیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک، اور یہ حرام کر دیا گیا ہے اہل ایمان پر۔

شراب ونشہ آور اشیا:

عرب میں کوئی باقاعدہ حکومت تو تھی نہیں کہ وہاں کوئی قانون یا انسانی حقوق یا زندگی گزارنے کا ضابطہ اخلاق ہوتا جس کی بنا پر کوئی مظلوم شخص کسی ظالم کا گریبان پکڑ سکتا وہاں تو بے شمار قبیلے صحرا میں بکھرے ہوئے تھے جن کے حریص سردار اپنی اپنی جگہ خود مختیار تھے جن کے خیالات وعادات میں جاہلیت وحشیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جو جنگل کے قانون کی پیروی کرتے جو قبیلہ طاقت ور ہوتا وہ کمزور کو دبالیتا اور اس کے مال واسباب پر قابض ومتصرف ہوجاتا اور انہیں اس پر کوئی ندامت یا شرمندگی نہ ہوتی، ان کے اخلاقی تصورات اور تہذیب وشائستگی کے معیار انتہائی پست تھے، صدیوں سے دنیا سے الگ تھلگ رہنے اور بے کاری کی وجہ سے ان کے ذہن جمود کا شکار تھے، جس کی وجہ سے شراب اور قمار بازی جو فسق وفجور کی جڑ ہے مقبول عام تھی، گنتی کے چند افراد کو چھوڑ کر جن میں قصی بن کلاب، عبد المطلب، ورقہ بن نوفل ولید بن مغیرہ ،قیس بن عاصم سعدی، مقیس بن صبابہ سہمی، ابوطالب، شیبہ بن ربیعہ وغیرہ شامل تھے جنہوں نے اس دور میں ہی ام الخبائث کو حرام قرار دے دیا تھا، جبکہ گھر گھر میں ہر درجہ کے لوگ شام سے درآمد شدہ شراب کی باقاعدہ محفلیں سجاتے، جن میں بدکار عورتیں گانا بجانا کرتیں اور اونٹوں پر جوابازی ہوتی، کیونکہ اہل عرب کا تمام تر سرمایہ اونٹوں کے گلوں پر ہی محدود ہوتا تھا اس لئے جوا بھی انہیں پر ہوتا جس کا طریقہ کچھ یوں تھا جوئے کا تیر اس طرح ہوتا کہ چند لوگ اکھٹے ہوتے اور ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کے دس یا اٹھائیس برابر حصے کر لیتے، مہنت دو تیر پھینکتا ایک پر جیت لکھا ہوا ہوتا اور دوسرا خالی ہوتا، جس کے نام پر جیت کا تیر نکلتا وہ کامیاب رہتا اور جس پر خالی تیر نکلتا وہ ہار جاتا چنانچہ جو جیت جاتا ان اونٹوں کو ذبح کر کے اہل محفل کو کھلا دیتا یا اہل خانہ ہی نشے میں سرشار ہو کر ایسا کر ڈالتا، اس کا اندازہ اس واقعات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو غزوہ بدر کے بعد واقعہ ہوا اور اس وقت تک شراب کی حرمت کا حکم نازل نہیں ہوا تھا،

أَنَّ عَلِيًّا قَالَ: كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيبِي مِنَ المَغْنَمِ يَوْمَ بَدْرٍ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَانِي شَارِفًا مِنَ الخُمُسِ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْتَنِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَّاغًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعَ أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِي، فَنَأْتِيَ بِإِذْخِرٍ أَرَدْتُ أَنْ أَبِيعَهُ الصَّوَّاغِينَ، وَأَسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةِ عُرْسِي، فَبَيْنَا أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِفَيَّ مَتَاعًا مِنَ الأَقْتَابِ، وَالغَرَائِرِ، وَالحِبَالِ، وَشَارِفَايَ مُنَاخَتَانِ إِلَى جَنْبِ حُجْرَةِ رَجُلٍ مِنَ الأَنْصَارِ، رَجَعْتُ حِينَ جَمَعْتُ مَا

---

[1] النور۳

جَمَعْتُ، فَإِذَا شَارِفَايَ قَدْ اجْتُبَّ أَسْنِمَتُهُمَا، وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا، فَلَمْ أَمْلِكْ عَيْنَيَّ حِينَ رَأَيْتُ ذَلِكَ المَنْظَرَ مِنْهُمَا، فَقُلْتُ: مَنْ فَعَلَ هَذَا؟ فَقَالُوا: فَعَلَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ المُطَّلِبِ وَهُوَ فِي هَذَا البَيْتِ فِي شَرْبٍ مِنَ الأَنْصَارِ،

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے غزوہ بدر کے دن مال غنیمت میں سے میرے حصہ میں ایک اونٹنی آئی تھی اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خمس میں سے مجھے ایک اونٹنی عطا فرمائی، تو جب میں نے ارادہ کیا کہ میں فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت کروں تو میں نے بنی قینقاع کے ایک سنار سے اپنے ساتھ چلنے کا وعدہ لے لیا تا کہ ہم اذخر گھاس لا کر سناروں کے ہاتھ فروخت کر دیں اور پھر اس کی رقم سے میں اپنی شادی کا ولیمہ کروں تو اسی دوران میں اپنی اونٹنیوں کا سامان (یعنی) پالان کے تختے، بوریاں اور رسیاں جمع کرنے لگا اور اس وقت میری دونوں اونٹنیاں انصاری آدمی کے گھر کے پاس بیٹھیں تھیں، جب میں نے سامان اکٹھا کر لیا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ دونوں اونٹنیوں کے کوہان کٹے ہوئے ہیں اور ان کی کوکھیں بھی کٹی ہوئی ہیں اور ان کے کلیجے نکلے ہوئے ہیں (یہ حیران کن منظر) دیکھ کر اپنے آنسوؤں پر کنٹرول نہ کر سکا، میں نے کہا کہ یہ (اس طرح) کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے کہا حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب نے، اور حمزہ رضی اللہ عنہ چند شراب خور انصاریوں کے ساتھ اسی گھر میں موجود ہیں، حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ایک گانے والی عورت نے ایک شعر سنایا تھا اے حمزہ! ان موٹی اونٹنیوں کو ذبح کرنے کے لئے اٹھو، (یہ سنکر) حمزہ رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر اٹھے اور ان اونٹنیوں کے کوہانوں کو کاٹ دیا اور ان کی کھوکھوں کو پھاڑ ڈالا، اور ان کے کلیجے نکال دیئے،

فَانْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ، فَعَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِي الَّذِي لَقِيتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَكَ؟، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ، عَدَا حَمْزَةُ عَلَى نَاقَتَيَّ، فَأَجَبَّ أَسْنِمَتَهُمَا، وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا، وَهَا هُوَ ذَا فِي بَيْتٍ مَعَهُ شَرْبٌ، فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرِدَائِهِ، فَارْتَدَى، ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتَّى جَاءَ البَيْتَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةُ، فَاسْتَأْذَنَ، فَأَذِنُوا لَهُمْ، فَإِذَا هُمْ شَرْبٌ، فَطَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ، فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ، مُحْمَرَّةً عَيْنَاهُ، فَنَظَرَ حَمْزَةُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ، فَنَظَرَ إِلَى رُكْبَتِهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ، فَنَظَرَ إِلَى سُرَّتِهِ، ثُمَّ صَعَّدَ النَّظَرَ، فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ، ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ: هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدٌ لِأَبِي؟ فَعَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ، فَنَكَصَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى عَقِبَيْهِ القَهْقَرَى، وَخَرَجْنَا مَعَهُ

میں نے یہ خطرناک منظر دیکھا تو میں اسی وقت اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اس وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس موجود تھے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ میں نے مجھے دیکھتے ہی میرے چہرے کے آثار سے میرے حالات معلوم کر لئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اے علی رضی اللہ عنہ!) تجھے کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی قسم میں نے آج کے دن کی طرح کبھی کوئی دن نہیں دیکھا، حمزہ رضی اللہ عنہ نے میری اونٹنیوں پر حملہ کر کے ان کے کوہان کاٹ لیے ہیں اور ان کی کوکھیں پھاڑ ڈالی ہیں اور حمزہ رضی اللہ عنہ اس وقت

گھر میں موجود ہیں اور ان کے ساتھ کچھ اور شراب خور بھی ہیں، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی چادر منگوائی اور اسے اوڑھ کر پیدل ہی چل پڑے اور میں اور زید بن حارثہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑے یہاں تک کہ آپ اس دروازہ میں آئے جہاں حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ تھے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اندر آنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے آپ کو اجازت دے دی (آپ اندر داخل ہوئے) تو دیکھا کہ وہ سب شراب پئے ہوئے ہیں، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کو ان کے اس فعل پر ملامت کرنا شروع کی، حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف دیکھا پھر آپ کے گھٹنوں کی طرف دیکھا پھر نگاہ بلند کی تو آپ کی ناف کی طرف دیکھا، پھر نگاہ بلند کی تو آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا پھر حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہنے لگے تم تو میرے باپ کے غلام ہو (اس وقت) رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو معلوم ہوا کہ حمزہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نشہ میں مبتلا ہیں پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم الٹے پاؤں باہر تشریف لائے اور ہم بھی آپ کے ساتھ باہر نکل آئے۔ [1]

(اس لئے اسلام رقص کے پیشہ کا بھی قائل نہیں جو صنفی جذبات کو ابھارتا ہے اور نہ کسی ایسی چیز کا قائل ہے جو طبیعت میں جنسی ہیجان پیدا کرتی ہے، مثلاً فحش گانے، حیا سوز ایکٹنگ اور اس قسم کے دوسرے بے ہودہ کام) لگ بھگ انہی ایام میں صحابہ کرام نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے شراب وجوئے کے بارے میں دریافت کیا کیونکہ شراب پی کر اور جوئے میں جیت کر خوب سخاوت کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ دونوں چیزیں اچھی ہیں تو باری تعالیٰ نے پہلا حکم نازل فرمایا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ ﴿۲۱۹﴾ [2]

ترجمہ: پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

پھر کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے دوسرا حکم نازل فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ... ﴿۴۳﴾ [3]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، نماز اس وقت پڑھنی چاہیے جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

چنانچہ جیسے ہی شراب کی حرمت کا تیسرا حکم نازل ہوا اسی وقت شراب کے مٹکے توڑ ڈالے گئے اور شراب مدینہ کی گلیوں میں بہہ رہی تھی اس کے علاوہ زنا، چوری اور قتل وغارت ان کی طبیعت ثانی بن چکی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری كِتَابُ فَرْضِ الخُمُسِ باب فَرْضِ الخُمُسِ ۳۰۹۱ ،وکتاب المغازی بَابُ شُهُودِ المَلاَئِكَةِ بَدْرًا ۴۰۰۳، وكتاب البيوع بَابُ مَا قِيلَ فِي الصَّوَّاغِ ۲۰۸۹،صحیح مسلم کتاب الاشربة بَابُ تَحْرِيمِ الْخَمْرِ، وَبَيَانِ أَنَّهَا تَكُونُ مِنْ عَصِيرِ الْعِنَبِ، وَمِنَ التَّمْرِ وَالْبُسْرِ وَالزَّبِيبِ، وَغَيْرِهَا مِمَّا يُسْكِرُ ۵۱۲۹

[2] البقرة ۲۱۹

[3] النساء ۴۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ (۱)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کر، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی۔

قمار بازی:

بڑے بڑے لوگوں کے گھر قمار بازی کے اڈے بنے ہوئے تھے، اس کے علاوہ گھوڑ دوڑ پر بھی جوا ہوتا تھا، جوا کھیلنے والے اکثر اپنی جیت کی صورت میں حاصل شدہ مال کو غریبوں، مسکینوں میں بانٹ دیتے، اور اسے اپنی سخاوت تصور کرتے مگر اللہ نے انہیں شیطانی کام قرار دے کر حرام کر دیا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ ۝۲۱۹ (۲)

ترجمہ: پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے بہت زیادہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۹۰ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ۝۹۱ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۹۲ (۳)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شراب اور جوا اور یہ آستانے اور پانسے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں، ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہو گی، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے یاد سے اور نماز سے روک دے، پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے؟ اللہ اور اس کے رسول کی بات مانو اور باز آجاؤ، لیکن اگر تم نے حکم عدولی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول پر بس صاف صاف حکم پہنچا دینے کی ذمہ داری تھی۔

سودی لین دین:

جن اہل عرب کے پاس کچھ سرمایہ جمع ہو جاتا وہ اس سرمائے کو مزید بڑھانے کے لئے سود در سود پر لین دین شروع کر دیتے، جن میں یہودیوں کے علاوہ بڑے بڑے سرمایہ دار شامل تھے جیسے عثمان رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ بن ولید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب جنہوں

(۱) المائدۃ ۹۰

(۲) البقرۃ ۲۱۹

(۳) المائدۃ ۹۰تا۹۲

نے اپنے سودی کاروبار کو کافی وسیع کر رکھا تھا اور سودی لین دین میں کافی شہرت رکھتے تھے، چنانچہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے ان ہی کے سود کو باطل قرار فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ۚ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَـكُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِكُمۡ‌ۚ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ ۝۲۷۹ وَاِنۡ كَانَ ذُوۡ عُسۡرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيۡسَرَةٍ‌ؕ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَيۡرٌ لَّـكُمۡ‌ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۲۸۰ [1]

ترجمہ: لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے، اب بھی توبہ کر لو (اور سود چھوڑ دو) تو اپنا اصل سرمایہ لینے کے تم حق دار ہو، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے، تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو، اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے، اگر تم سمجھو۔

کثرت ازواج:

تعداد ازواج کی رسم طلوع اسلام سے صدیوں پہلے کا رواج ہے، یہ ہر معاشرے میں موجود رہی ہے بلکہ انتہائی گھناؤنی شکلوں میں موجود رہی ہے، مثلاً مختلف قوموں یونانی، بابلی، اشوری، اور ہندوستان میں یہ رسم عام تھی اور اکثر قوموں کے ہاں تو تعداد کی بھی کوئی قید نہ تھی، افریقی معاشرہ میں زیادہ عورتیں رکھنے والے قبائل کو فخر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، یہاں تک کہ ایک شخص بارہ سے تین سو عورتوں تک اپنے لئے اختیار کر سکتا تھا، چین میں ایک مرد ایک بیوی رکھ سکتا تھا مگر اور بہت سی داشتائیں رکھنا بھی ثابت ہے، آریائی قوم میں تعداد ازواج کی اجازت تھی وہ بیک وقت چار عورتوں سے شادی کر سکتے تھے جبکہ ان کے مہاراجے ہر قسم کی پابندی سے بالاتر تھے، انہیں ان گنت عورتوں کے ساتھ شادی کی کھلی چھٹی تھی، ایران میں باپ کا بیٹی کو اور بھائی کا بہن کو اپنی زوجیت میں لینا کوئی غیر اخلاقی بات نہ تھی، شادی کا کوئی معروف قانون نہ تھا اگر کوئی تھا تو اسے پس پشت ڈال دیا گیا تھا، ہندوستان میں خاندان یا چند بھائیوں کی مشترکہ بیوی کا رواج بھی تھا، منوسمرتی ادھیائے ۹ نمبر ۵۹ کا خلاصہ ہے کہ برہمنوں کے یہاں نیوگ کا رواج ہے کہ اولاد نہ ہونے کی صورت میں خسر وغیرہ کا حکم پا کر عورت رشتہ دار یا دیور سے اولاد حسب دلخواہ حاصل کرے۔ [2] جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت! اولاد کی خواہش کرنے والی عورت! تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمر بستہ رہے۔۔۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تب اپنے خاوند کو اجازت دے۔۔۔ کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کر کے اولاد پیدا کیجئے۔ [3] عرب معاشرے میں بھی تعداد ازواج کا رواج عام تھا اور نکاح کی کوئی تعداد متعین نہ تھی بلکہ مردوں کا صرف ایک شادی کرنا معیوب اور زیادہ بیویاں رکھنا فخر و تکریم کی وجہ گردانا جاتا تھا، اور ان کی تعداد سے مرد کی شجاعت، قوت اور ثروت کا اندازہ لگایا جاتا تھا، عورت

[1] البقرۃ ۲۸۰، ۲۷۹

[2] حاشیہ اسلام کے معاشی نظریئے ۲۱۸

[3] ستارتھ پرکاش باب ۳ ص ۱۵۳، ۱۵۲ ع

کی حیثیت گھر کے مال واسباب کی سی تھی جنہیں خریدا، بیچا اور رہن رکھا جاسکتا تھا، محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں کعب بن اشرف کے پاس گیا اور غلہ قرض دینے کی درخواست کی تو اس نے کہا:

ارْهَنُونِي نِسَاءَكُمْ قَالُوا: كَيْفَ نَرْهَنُكَ نِسَاءَنَا وَأَنْتَ أَجْمَلُ العَرَبِ

تم اپنی عورتیں میرے پاس گروی رکھ دو انہوں نے کہا ہم آپ کے پاس اپنی عورتیں کیسے گروی رکھ سکتے ہیں جبکہ آپ عرب میں سب سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ [1]

عورتوں میں عدل وانصاف کا نام ونشان نہ تھا اور وہ مردوں کے نکاح میں مظلوم قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارتیں، مرد یہ سمجھتا تھا کہ اس نے مہر کے بدلے عورت کو خرید لیا ہے یہی وجہ تھی کہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ مال متروکہ بن جاتی تھی اور یوں عورتوں پر کئی مظالم ڈھائے جاتے تھے۔

عرب میں لاقانونیت کے چلن کی وجہ سے ہر قبیلے کی کوشش تھی کہ وہ اپنی قوت وطاقت میں اضافہ کرے، قوت میں اضافہ، کثرت تعداد ہی کی صورت میں ممکن تھا، اس مقصد کے حصول کے لئے فقر وفاقہ اور ضروری کپڑوں ولباس کی محرومی کی وباعام کے باوجود تعدادازواج پر کوئی پابندی نہ تھی کوئی شخص جتنی بیویاں چاہتا رکھ سکتا تھا، یعنی عورتیں انسان اور حیوان کے درمیان ایک مخلوق سمجھی جانے لگی تھی، جن کا مقصد نسل انسانی کی ترقی اور مرد کی خدمت کرنا تھا، جب کثرت ازواج سے مصارف بڑھ جاتے تو مجبوراً اپنے یتیم بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرتے، تمام عورتیں سوت کات کر مردوں کا ہاتھ بٹانے کی کوششیں کرتیں مگر مختلف حالات میں ان کوششوں سے کچھ بھی فائدہ نہ ہوتا اور بعض اوقات تو کپڑوں تک کی محتاجی لاحق رہتی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ مکہ میں ہم لوگ عورتوں کا بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے مدینہ میں نسبتاً عورتوں کی قدر تھی لیکن نہ اس قدر جس کی وہ مستحق تھیں، اہل کتاب یہودیوں کی مذہبی کتاب تورات میں بھی تعدد ازواج کی اجازت ہے اور تعداد کی کوئی قید نہیں، اس لئے ان کے ہاں بھی کئی کئی عورتیں نکاح میں تھیں مگر اب اس پر پابندی ہے، عیسائی مذہب میں کوئی ایسا واضح حکم موجود نہیں جس سے تعداد سے روکا گیا ہو اس لئے عیسائیت میں بھی سترھویں صدی تک تعدادازواج کا دستور تھا۔

خاندان کی تنظیم کا دارومدار مرد وعورت کے باہمی تعلق پر ہے، کسی معاشرے میں یہ تعلق جتنا منظم، مضبوط اور منضبط ہو گا وہ معاشرہ اتنا ہی پرامن اور خیر وبرکت کا حامل ہو گا چنانچہ اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جس نے مرد وعورت دونوں کی حیثیتوں کا تعین کیا، عورتوں کی حق رسی کی اور عزت ومنزلت کے دربار میں ان کو مردوں کے برابر جگہ دی، اسلام کے علاوہ کسی مذہب نے تعدد ازواج کی بیخ کنی کی کوشش نہیں کی، یہ شرف صرف اسلام کو ہی جاتا ہے کہ اس نے اس رسم کی تمام قبیح شکلوں کو ممنوع قرار دے دیا جن سے فرد یا معاشرہ کا سکون برباد ہو سکتا تھا یا جن سے مقاصد زوجیت فوت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اسلام نے تعدد ازواج کی رسم کو کلیتہ ختم نہیں کیا بلکہ اس کو ایسی شرائط اور ضوابط کا پابند بنادیا کہ ان کی موجودگی میں نہ صرف یہ کہ بہت کم معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں بلکہ یہ قوانین بے شمار معاشرتی مسائل کا حل بھی بن جاتے ہیں، اسلام میں تعدد ازواج کی اجازت میں جہاں بہت سی انفرادی اور اجتماعی مصلحتیں ہیں وہاں ایک بڑی مصلحت معاشرہ کے اخلاقی تحفظ کی بھی ہے، اسلام

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی بَابُ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ ۴۰۳۷

نے عفت وعصمت کی حفاظت کو بڑی اہمیت دی ہے اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے قوانین اور ضابطے وضع کیے، عورت کی حیثیت متعین کی اور مردوں پر واضح کیا کہ عورت تمہارے پاؤں کی جوتی نہیں بلکہ مرد وعورت ایک ہی سر چشمہ کی دو موجیں ہیں۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً... ① [1]

ترجمہ: لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑ ا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیے۔

اور اس حقیقت کو واشکاف طور پر اشکارہ کیا کہ عورت کوئی جدا گانہ مخلوق نہیں بلکہ مردوں کی طرح وہ بھی انسان ہی ہے، جب مرد وزن کا مخرج ایک ہی ہے، تو پھر دونوں میں ذاتی تفاوت کیونکر ہو سکتا ہے، اور مرد کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ مردوں کو باعزت اور عورتوں کو حقیر وذلیل سمجھے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ... ⑬ [2]

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

اور مرد کو اجازت دی کہ اگر تم انصاف کر سکتے ہو تو بیک وقت چار عورتوں کو حق مہر ادا کر کے اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہو اور اگر ایسا نہیں کر سکتے تو پھر ایک ہی عورت پر اکتفا کرو۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح اپنے ارشاد واحکام سے ان کے حقوق قائم کئے آپ ﷺ کے برتاؤ نے اور زیادہ اسی کو قوی اور نمایاں کر دیا،

عَنْ أَبِيهِ لَقِيطِ بْنِ صَبْرَةَ، قَالَ: وَلَا تَضْرِبْ ظَعِينَتَكَ كَضَرْبِكَ أُمَيَّتَكَ

لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی شریک حیات کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ مارو پیٹو۔ [3]

عَنْ إِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي ذُبَابٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللَّهِ

ایاس بن عبد اللہ بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو مت مارا کرو۔ [4]

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لاَ يَجْلِدُ أَحَدُكُمُ امْرَأَتَهُ جَلْدَ العَبْدِ، ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ اليَوْمِ

---

[1] النساء ۱

[2] الحجرات ۱۳

[3] سنن ابوداودکتاب الطهارة بَابٌ فِي الِاسْتِنْثَارِ ۱۴۲

[4] سنن ابوداودکتاب النكاح بَابٌ فِي ضَرْبِ النِّسَاءِ ۲۱۴۶،سنن ابن ماجه كتاب النكاح بَابُ ضَرْبِ النِّسَاءِ ۱۹۸۴

عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اپنی عورت کو غلاموں کی مانند کوڑے نہ لگائے بعد ازاں دن کے آخری حصہ میں اس سے مجامعت کرے۔ ①

عَنْ حَكِيمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا حَقُّ زَوْجَةِ أَحَدِنَا عَلَيْهِ؟قَالَ: أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ، أَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ

حکیم بن معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم پر بیوی کے کیا حقوق ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کھاؤ اس کو کھلاؤ اور جب تم پہنو اس کو پہناؤ اور اس کے چہرہ پر مارو اور نہ برا بھلا کہو اور سوائے گھر کے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار نہ کرو۔ ②

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا كَانَ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ، فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَشِقُّهُ سَاقِطٌ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس دو عورتیں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل نہ کرے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا۔ ③

وَقَالَ وَهْبٌ: الْأَسَدِيِّ قَالَ: أَسْلَمْتُ وَعِنْدِي ثَمَانُ نِسْوَةٍ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا

قیس بن حارث بن عمیرہ الاسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے اسلام قبول کیا تو میرے نکاح میں اٹھ بیویاں تھیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ اب کیا کیا جائے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے چار کو پسند کر لو۔ ④

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَسْلَمَ غَيْلَانُ بْنُ سَلَمَةَ وَتَحْتَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہوئے اس وقت ایک کی نو بیویاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ان میں سے چار پسند کر لو۔ ⑤

عَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الدِّيلِيِّ قَالَ: أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: فَارِقْ وَاحِدَةً،

① صحیح بخاری کتاب النکاح بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ ۵۲۰۴

② سنن ابوداود کتاب النکاح بَابٌ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ عَلَى زَوْجِهَا ۲۱۴۲

③ مستدرک حاکم ۲۷۵۹، جامع ترمذی ابواب النکاح بَابُ مَا جَاءَ فِي التَّسْوِيَةِ بَيْنَ الضَّرَائِرِ ۱۱۴۱، مشکوٰۃ المصابیح ۳۲۳۶

④ سنن ابن ماجہ کتاب النکاح بَابُ الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ نِسْوَةٍ ۱۹۵۳، سنن ابوداودکتاب الاطلاق بَابٌ فِي مَنْ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعٍ أَوْ أُخْتَانِ ۲۲۴۱

⑤ سنن ابن ماجہ کتاب النکاح بَابُ الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعِ نِسْوَةٍ ۱۹۵۴، جامع ترمذی ابواب النکاح بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّجُلِ يُسْلِمُ وَعِنْدَهُ عَشْرُ نِسْوَةٍ ۱۱۲۸

وَأَمْسِكْ أَرْبَعًا فَعَمَدْتُ إِلَى أَقْدَمِهِنَّ عِنْدِي عَاقِرٍ مُنْذُ سِتِّينَ سَنَةً فَفَارَقْتُهَا

نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں جب اسلام لایا تو میرے پاس پانچ بیویاں تھیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں سے ایک کو طلاق دے دو اور چار کو اپنے پاس رکھو، تو میں ان میں سے سب سے پرانی بیوی کے پاس آیا جو ایک بانجھ بڑھیا تھی اور ساٹھ سال سے میرے ساتھ تھی، چنانچہ میں نے اسے طلاق دے دی۔[1]

چنانچہ نسوانی حقوق کے سلسلہ میں اعلان کیا گیا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳[2]

ترجمہ: اور اگر تم کو اندیشہ ہو کہ یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کر لو لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیّت میں لاؤ جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں، بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ قرین صواب ہے۔

ایک مقام پر فرمایا

۔۔۔فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ۔۔۔ ۝۱۲۹[3]

ترجمہ: لہٰذا (قانون الٰہی کا منشا پورا کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ) ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ادھر لٹکتا چھوڑ دو۔

ایک مرد کے نکاح میں دو بہنیں:

اسی طرح دو بہنیں بھی ایک شخص کے نکاح میں آسکتی تھیں، جس سے دو بہنوں کا باہمی رشتہ محبت جس کو اسلام دائمی طور پر برقرار رکھنا چاہتا ہے ختم ہو جاتا اور سوکنوں کی دشمنی شروع ہو جاتا جس سے ایک بہن دوسری کو نیچا دیکھانے کے لئے جوڑ توڑ کرتی رہتی اور قطع رحمی ہو جاتی، قرآن مجید نے دو بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت صراحت کے ساتھ بیان کی ہے۔

۔۔۔وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ۔۔۔ ۝۲۳[4]

ترجمہ: اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا۔

عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوزَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أَسْلَمْتُ وَتَحْتِي أُخْتَانِ؟ قَالَ: طَلِّقْ أَيَّتَهُمَا شِئْتَ

فیروز رضی اللہ عنہ (دیلمی) سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے اسلام قبول کیا ہے اور میری زوجیت میں

[1] مسند الشافعی ۱؍۲۷۴، شرح السنة للبغوی ۲۲۸۹، السنن الکبری للبیہقی ۱۴۰۵۷

[2] النساء ۳

[3] النساء ۱۲۹

[4] النساء ۲۳

دو بہنیں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے کسی ایک کو طلاق دے دو۔ (۱)

بھتیجی، پھوپھی اور بھانجی، خالہ انتہائی قریبی رشتے ہیں ایسے قریبی رشتوں کو سوکناپے میں بدلنا ظلم عظیم ہے جبکہ یہ رشتے انتہائی محبت اور خلوص کے متقاضی ہیں لہٰذا انہیں بھی دو بہنوں والا حکم دیا گیا ہے کیونکہ دو بہنوں سے بیک وقت نکاح بھی اسی بنا پر حرام ہے، یہ بھی یاد رہے کہ ان سے بھی یکے بعد دیگرے نکاح جائز ہے جیسا کہ دو بہنوں سے جائز ہے بیک وقت نکاح کرنا منع ہے۔

جَابِرًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُنْكَحَ المَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے کسی ایسی عورت سے نکاح کرنے سے منع کیا جس کی پھوپھی یا خالہ اس کے نکاح میں ہو۔ (۲)

أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ، هَلْ لَكَ فِي أُخْتِي؟ قَالَ :فَأَصْنَعُ مَاذَا؟ قَالَتْ : تَزَوَّجُهَاقَالَ :فَإِنَّ ذَلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكِ؟ قَالَتْ : نَعَمْ، لَسْتُ لَكَ بِمُخْلِيَةٍ، وَأَحَبُّ مَنْ يَشْرَكُنِي فِي خَيْرٍ أُخْتِي، قَالَ : إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِي،قَالَتْ : فَإِنَّهُ قَدْ بَلَغَنِي أَنَّكَ تَخْطُبُ دُرَّةَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ،قَالَ :بِنْتُ أَبِي سَلَمَةَ،قَالَتْ : نَعَمْ قَالَ :وَاللَّهِ لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي مَا حَلَّتْ لِي، إِنَّهَا لَابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَلَا تَعْرِضْنَ عَلَيَّ بَنَاتِكُنَّ وَلَا أَخَوَاتِكُنَّ

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا آپ کو میری بہن کی طرف کچھ رغبت ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں اس کو کیا کروں؟ میں نے کہا آپ اس سے نکاح کر لیں، آپ ﷺ نے فرمایا وہ نکاح تجھ کو کیسا معلوم ہوتا ہے، اور تیرے دل کو اس کام میں خوشی ہے؟ میں نے کہا ہاں، اس میں میری خوشی ہے کیونکہ میں اس میں اکیلی نہیں ہوں، اور میں خوش ہوں کہ میری بہن بھی اس بھلائی میں شامل ہوجائے، آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرے لیے حلال نہیں ہے، میں نے کہا میں نے سنا ہے کہ آپ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی درہ سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا وہی درہ جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہے؟ میں نے کہا ہاں، آپ ﷺ نے فرمایا اگر وہ میری ربیبہ بھی نہ ہوتی تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھی کیونکہ وہ میری رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، آپ نے فرمایا میرے سامنے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کا ذکر نہ کرنا۔ (۳)

طلاق در طلاق:

الطَّلَاقُ فِي اللُّغَةِ حَلُّ الْوَثَاقِ مُشْتَقٌّ مِنَ الْإِطْلَاقِ وَهُوَ الْإِرْسَالُ وَالتَّرْكُ قَالَ إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ هُوَ لَفْظٌ جَاهِلِيٌّ وَرَدَّ

---

(۱) سنن ابوداودکتاب الاطلاق بَابٌ فِي مَنْ أَسْلَمَ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعٍ أَوْ أُخْتَانِ۲۲۴۳

(۲) صحیح بخاری کتاب النکاح بَابُ لاَ تُنْكَحُ المَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا ۵۱۰۸،صحیح مسلم کتاب انکاح بَابُ تَحْرِيمِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا أَوْ خَالَتِهَا فِي النِّكَاحِ۳۴۳۶،سنن نسائی کتاب النکاح باب الْجَمْعُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَعَمَّتِهَا۳۲۹۰،جامع ترمذی ابواب انکاح بَابُ مَا جَاءَ لاَ تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ عَلَى عَمَّتِهَا وَلاَ عَلَى خَالَتِهَا۱۱۲۵

(۳) سنن نسائی کتاب النکاح باب تَحْرِيمُ الْجَمْعِ بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ ۳۲۸۷،سنن ابوداودکتاب النکاحبَابُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۲۰۵۶،صحیح مسلم کتاب الرضاع بَابُ تَحْرِيمِ الرَّبِيبَةِ، وَأُخْتِ الْمَرْأَةِ۳۵۸۶، مسنداحمد ۲۶۴۹۳، المعجم الکبیرللطبرانی۴۱۷،معرفة السنن والآثار۱۳۴۴،مسندابی یعلی۷۰۰۱،مصنف عبدالرزاق۱۳۴۴۷

الشَّرْعُ بِتَقْرِيرِہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں لغت میں طلاق کا معنی بندھن کو کھول دینا ہے، یہ لفظ اطلاق سے مشتق ہے جس کا معنی چھوڑ دینا اور ترک کر دینا ہے، امام الحرمین کا کہنا ہے کہ جاہلیت میں بھی اس کے لئے لفظ طلاق ہی مستعمل تھا پھر شریعت نے بھی اسی کو برقرار رکھا۔ [1]

اسلام سے پہلے پوری دنیا میں طلاق کا طریقہ رائج تھا بجز ایک دو قوموں کے مرد کسی معقول وجہ سے یا ناحق جب عورت پر غصہ ہو جاتا تو اسے اس کے مکان سے باہر نکال دیتا اور عورت اپنی مدافعت میں کچھ نہ کر سکتی، نہ اس سے اس کا کوئی معاوضہ لے سکتی تھی اور نہ اس کو اور کسی قسم کا حق حاصل تھا جس زمانہ میں یونانیوں نے شہرت حاصل کی اور ان کی تہذیب کاڈنکا بج رہا تھا اس وقت ان میں بھی طلاق کسی قید اور شرط کے بغیر رائج تھی، اور رومانیوں کے نزدیک طلاق نکاح کے وجود میں آنے ہی سے معتبر سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ اگر زوجین عدم طلاق کی شرط لگاتے تو منصف نکاح کے باطل ہونے کا فیصلہ دے دیتا، رومانیوں کے قدیم قبائل کے نزدیک مذہبی نکاح کی صورت میں طلاق حرام ہو جاتی تھی البتہ شوہر کو اپنی بیوی پر لامحدود اختیارات حاصل ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ بعض حالات میں بیوی کو قتل کرنا بھی اس کے لئے روا ہو جاتا ،بعد میں ان کے مذہب نے طلاق کو اسی طرح مباح قرار دیا جس طرح کہ شہری قانون کی رو سے مباح تھی، یہودی مذہب نے بیوی کی حالت کو بہتر بنانے کا سامان کیا لیکن طلاق کو جائز قرار دے کر اس کے جواز میں بڑی وسعت پیدا کر دی، شوہر عورت پر فسق کا جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں شرعاً طلاق دینے کے لئے مجبور تھا یہاں تک کہ اگر شوہر اس کے جرم کو معاف کر دیتا تب بھی اس کے لئے طلاق دینا ضروری تھا نیز قانون کی رو سے بھی اگر دس سال گزر جانے کے باوجود عورت کو اولاد نہیں ہوئی ہے تو طلاق دینا ضروری تھا۔ [2] مسیح مذہب نے یہویوں مذہب کی مخالفت کی اور انجیل نے مسیح علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے طلاق کو حرام قرار دیا نیز طلاق دینے والے مرد اور مطلقہ عورت کا نکاح حرام ٹھہرایا، عرب میں بھی مردوں کی حکومت تھی، عورت کو علیحدگی کا کوئی حق حاصل نہ تھا، طلاق کا حق صرف مرد کو حاصل تھا جس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی جس سے بڑی معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتیں، ایک شخص اپنی بیوی کو بار بار جس کی کوئی حد مقرر نہیں تھی طلاق دیتا مگر اسے خود سے الگ کرنے کے بجائے بار بار رجوع بھی کرتا رہتا تا کہ نہ تو وہ اس کے ساتھ رہ سکے اور نہ آزاد ہو کر کسی دوسرے سے شادی کر سکے، مرد طلاق دیتا نہ تھا اور عورت کو خلع کا کوئی حق حاصل نہ تھا، مگر اسلام مرد و عورت کے تمام جذبات و احساسات کو سامنے رکھ کر ہر فریق کو ایک ایسا نظام بتلانے کے لئے آیا جن پر عمل کر کے انسان کا گھر دنیا میں جنت کا گوشہ بن سکتا ہے اور گھریلو تلخیاں محبت و راحت میں بدل جاتی ہیں، اور اگر دل نہیں ملتا تو پھر خوش اسلوبی کے ساتھ بغیر کسی لڑائی جھگڑے، الزامات کے طلاق دے کر اسے آزاد کر دے تو یہ اس کے لئے افضل و اعلیٰ اور موجب ثواب عظیم ہے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس ناانصافی کو ختم فرمایا اور ایک مرد و عورت کے لئے ایک مستقل قانون بنا کر نازل فرمایا اور عورتوں نے آزادی کی سانس لی۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ

[1] فتح الباری ۹/۳۴۶

[2] الاسلام دین عام خائد ازفرید وجدی ۱۷۲

اَنۡ یَّخَافَاۤ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا یُقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَا فِیۡمَا افۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ تِلۡکَ
حُدُوۡدُ اللّٰہِ فَلَا تَعۡتَدُوۡہَا ۚ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنۡ طَلَّقَہَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدُ
حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَہٗ ؕ فَاِنۡ طَلَّقَہَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ یُّقِیۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰہِ ؕ وَ تِلۡکَ
حُدُوۡدُ اللّٰہِ یُبَیِّنُہَا لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۳۰﴾ [1]

ترجمہ: طلاق دو بار ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورتوں کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا تمہارے لئے جائز ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس نہ لو، البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرے، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں، پھر اگر (دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لئے حلال نہ ہوگی الایہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو اور وہ اسے طلاق دے دے تب پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ حدود الٰہی پر قائم رہیں گے تو ان کے لئے ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں، یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ لوگوں کی ہدایت کے لئے واضح کر رہا ہے جو (اس کی حدوں کو توڑنے کا انجام) جانتے ہیں۔

عورتوں پر ایک اور ظلم:

اہل عرب کی نظر میں عورت کی حیثیت ایک لونڈی کی طرح تھی جو ان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی تھی اس کے فرائض تو تھے مگر حقوق کچھ نہیں تھے، اس طرح عورتوں کی زندگی جہنم سے کم ہرگز نہ تھی، ہاں اشراف طبقہ میں عورتوں کو کچھ آزادی حاصل تھی، اس کا تحفظ اور احترام کیا جاتا اور اس کی بات مانی جاتی تھی، وہ تجارت کرتی اور اپنے رشتہ کو پسند یا ناپسند کر سکتی تھی مگر اپنے ولی کے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتی تھی اس لئے اس کا نکاح اس کے ولی کے زیر نگرانی مہر ادا کر کے سرانجام پاتا جیسے اسلام میں رائج ہے، مگر یہ مہر عورت کو ملنے کے بجائے عورت کا باپ وصول کرتا، بعض شوہروں کی اپنی بیویوں سے لڑائی ہو جاتی تو شوہر غصہ میں آ کر قسم اٹھا لیتے اور بیوی کو ماں بہن بیٹی سے تشبیہ دے بیٹھتے اور شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ اَنۡتِ عَلَیَّ کَظَہۡرِ اُمِّیۡ تو میرے اوپر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پیٹھ، یعنی اب تجھ سے مباشرت کرنا میرے لئے ایسا ہے جیسے میں اپنی ماں سے مباشرت کروں (اسے ظہار کہا جاتا ہے) جب یہ بات کسی کے منہ سے نکل جاتی تو سمجھا جاتا تھا کہ اب یہ عورت اس پر حرام ہو گئی ہے کیونکہ وہ اس کو اپنی ماں جیسا کہہ چکا ہے، اصلاح معاشرت کے ذیل میں قرآن نے ان غلط خیالات کی بھی اصلاح فرمائی اور بتایا کہ بیوی کو ماں کہنے یا ماں کے ساتھ تشبیہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی، ماں تو بس وہی ہے جس سے آدمی پیدا ہوا ہے، محض زبان سے کسی کو ماں کہہ دینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی کہ جو بیوی تھی اب وہ محض تمہاری تشبیہ کے اثر سے ماں بن جائے۔

---

[1] البقرۃ ۲۲۹،۲۳۰

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ... ۴ (1)

ترجمہ: نہ اس نے تم لوگوں کی ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری ماں نہیں بنا دیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مردوں کو اس ظلم پر سرزنش فرمائی اور اس ظلم سے بھی عورت کو چھٹکارا عنایت فرمایا۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۲۶ (2)

ترجمہ: جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

بیوی کو ماں کہنے یا ماں کی پیٹھ سے تشبیہ دینے سے بیوی کی حقیقت نہیں بدل جاتی، بیوی تو بہر حال بیوی ہی ہے، ظہار سے اس کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ یہ ایک نامعقول اور ناپسندیدہ بات ہے، اور پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ ظہار کے بعد شوہر چپکے سے گھر چلا آئے اور کفارہ ادا کیے بغیر حسب سابق زوجیت کے تعلقات استوار کر لے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا چاہے دنیا میں کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہو اللہ کو تو بہر حال اس کو خبر ہے، اور اللہ کے مواخذہ سے بچ نکلنا ان کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۳ (3)

ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں ایک غلام آزاد کرنا ہوگا اس سے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

میعاد عدت:

كَانَتِ المَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، دَخَلَتْ حِفْشًا، وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا، وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا حَتَّى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ، ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ، حِمَارٍ أَوْ شَاةٍ أَوْ طَائِرٍ، فَتَفْتَضُّ بِهِ، فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ، ثُمَّ تَخْرُجُ فَتُعْطَى بَعَرَةً، فَتَرْمِي، ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ

بیوہ عورت کی تو زندگی ہی حرام تھی، زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا شوہر مر جاتا تو وہ ایک نہایت تنگ کوٹھری میں داخل ہو جاتی، سب سے برے کپڑے پہنتی اور خوشبو کا استعمال ترک کر دیتی یہاں تک کہ اسی حالت میں ایک پورا سال گزر جاتا اس کے بعد کسی چوپائے گدھے یا بکری یا کسی پرندے کو اس کے پاس لایا جاتا اور وہ عدت سے باہر آنے کے لیے اس پر ہاتھ پھیرتی، ایسا کم ہوتا تھا کہ وہ کسی جانور پر ہاتھ

---

(1) الاحزاب ۴

(2) البقرة ۲۲۶

(3) المجادلة ۳

پھیر دے اور مر نہ جائے، اس کے بعد وہ نکالی جاتی اور اسے مینگنی دی جاتی جسے وہ پھینکتی، اب وہ خوشبو وغیرہ کوئی بھی چیز استعمال کر سکتی تھی۔ (۱)

اللہ نے اس غیر محدود سوگ کے زمانے کو محدود کیا صرف اس قدر مدت رکھی تا کہ عورت کا طبعی غم ختم ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اسے حمل تو نہیں ہے، چنانچہ اللہ نے عدت (شمار کے دن) کی میعاد چار ماہ دس دن مقرر فرمائی اور ساتھ ہی عورت کو دوسری شادی کی اجازت بخشی کہ جہاں وہ چاہئے شادی کر سکے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۳۴ (۲)

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ مر جائیں ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں پھر جب عدت پوری ہو جائے تو انہیں اختیار ہے اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقہ سے جو چاہیں کریں تم پر اس کی کوئی ذمے داری نہیں، اللہ تم سب کے اعمال سے باخبر۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَاۗرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۔۔ؕ ۝۶ (۳)

ترجمہ: اُن عورتوں کو (زمانہ عدت میں) اُسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو، جیسی کچھ بھی جگہ تمہیں میسر ہو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے ان کو نہ ستاؤ۔

زبردستی کے شوہر:

اگر بیوہ عورت پر اس کے شوہر کا کوئی قریبی عزیز چادر ڈال دیتا تو وہ بیوہ اس شخص کی بیوی بن جاتی، چاہے اس کی مرضی ہوتی یا نہ ہوتی، اللہ نے اس ظلم سے بھی روکا کہ عورت کی مرضی کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہو سکتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا ۔۔۔ ۝۱۹ (۴)

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہارے لیے حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو۔

سوتیلی والدہ سے نکاح:

رینے گوگان (ReneGugan) اپنی کتاب جنسی آزادی میں لکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان ممالک میں جو اب اسلام کے زیر تسلط ہیں عورت کی حیثیت کنیزوں سے زیادہ نہ تھی اور انہیں کوئی تحفظ حاصل نہ تھا، ان کی زندگی مرد کے اشارہ ابرو سے وابستہ تھی، ان

---

(۱) صحیح بخاری كِتَابُ الطَّلَاقِ بَابُ الكُحْلِ لِلْحَادَّةِ ۵۳۳۷، صحیح مسلم كِتَابُ الطَّلَاقِ بَابُ وُجُوبِ الْإِحْدَادِ فِي عِدَّةِ الْوَفَاةِ، وَتَحْرِيمِهِ فِي غَيْرِ ذَلِكَ إِلَّا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۳۷۲۸، سنن ابوداود كِتَاب الطَّلَاقِ بَابُ إِحْدَادِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا ۲۲۹۹

(۲) البقرة ۲۳۴

(۳) الطلاق ۶

(۴) النساء ۱۹

کی حیثیت مال واسباب سے زیادہ نہ تھی، بیوہ عورت مرحوم خاوند کے خیمے اور گھوڑے کی طرح اس کی جائیداد تھی چنانچہ باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماں مال وراثت کی طرح طاقتور وارث کے حصہ میں آجاتی، اپنی حقیقی ماں کو چھوڑ کر باقی سوتیلی ماؤں سے وہ جنسی تعلقات قائم کرسکتا تھا ،اللہ نے اس فعل قبیح سے منع فرمایا کیونکہ مجوسی اپنی بیٹی تک سے شادی کرنا روا رکھتے تھے باقی رشتے تو دور کی بات تھی اس لئے اللہ نے واضح طور پر مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں اور سوتیلی بیٹیوں سے نکاح کرنا بھی حرام قرار فرمایا۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ (۱)

ترجمہ :اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کرچکے ہیں ان سے ہرگز نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہوچکا سو ہوچکا، درحقیقت یہ ایک بے حیائی کا فعل ہے، ناپسندیدہ ہے اور بُرا چلن ہے۔

اسلامی قانون میں یہ فعل فوجداری جرم اور قابل دست اندازی پولیس ہے، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور مسند احمد میں روایات ملتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس جرم کے ارتکاب کرنے والوں کو موت اور ضبطی جائیداد کی سزا دی ہے، سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کرے اسے قتل کردو، فقہاء کے درمیان اس مسلئے پر اختلاف ہے امام احمد رحمہ اللہ تو اسی بات کے قائل ہیں کہ ایسے شخص کو قتل کیا جائے اور اس کا مال ضبط کرلیا جائے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اس نے محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کیا ہو تو اس پر حد جاری ہوگی اور اگر نکاح کیا ہو تو اسے سخت عبرتناک سزا دی جائے گی۔

پھر اسلام نے عورتوں کی حرمت وعزت بڑھائی اور ماں کی تعظیم وتکریم کا حکم فرمایا اور حکم دیا کہ ماں باپ کے سامنے کبھی ہوں اور اف تک کہو ظاہر وباطن دونوں طرح ماں کی عزت کرو، زبان بھی نرم اور شریں ہو اور قلب میں بھی جھکاو ہو۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ؕ ﴿۲۴﴾ (۲)

ترجمہ: تیرے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اس کی، والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں، بوڑھے ہوکر رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو، اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن سے پالا تھا۔

---

(۱) النساء ۲۲

(۲) بنی اسرائیل ۲۴،۲۳

عورتوں کی گواہی:

عورتوں کو کسی قسم کے معاملے میں گواہی کا کوئی حق حاصل نہ تھا مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے عورتوں کی گواہی کو تسلیم فرما کر عورت کو ایک مقام عطا کیا۔

۔۔۔وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى۔۔۔ ﴿۲۸۲﴾ [۱]

ترجمہ: پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو، اور اگر دو مرد نہ ہو تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے۔

عورت کا جانوروں کا دودھ دوھنا:

جانور کا دودھ دودھنا مردوں کا کام تھا اگر کسی گھرانے کی کوئی عورت جانور کا دودھ دوھ لیتی تو اس کا پورا خاندان ہی حقیر سمجھا جاتا۔

وراثت کا ایک رواج:

لوگ ایک دوسرے سے دوستی اور بھائی چارہ کرتے تو آپس میں حقیقی بھائی کہلاتے اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو اپنا متبنیٰ بنا لیتا تو وہ سگے بیٹے ہی کی طرح تصور کیا جاتا تھا اور یہ وراثت میں حقدار سمجھے جاتے تھے مگر عورتوں کا وراثت میں کوئی حق نہیں تھا، یہ صورت حال صرف مکہ مکرمہ ہی میں نہیں تھی، مدینہ منورہ اور اس کے ارد گرد رہنے والے یہودی جو اہل کتاب تھے وہ بھی عورتوں کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں دیتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے دوستی، بھائی چارہ اور متبنیٰ کا وراثت میں حصہ ختم فرما کر عورت کو وراثت میں مرد کے ادھے کے برابر مقرر فرما کر عورت پر ایک اور احسان فرمایا اسی طرح ماں، بیٹا، بیٹی، بہن بھائی، بیوہ، کلالہ وغیرہ کا وراثت میں جتنی بھی صورتیں ہوسکتیں تھیں سب بیان فرمائیں کہ ملکیت کا اقتدار مردوں ہی کا مخصوص امتیاز نہیں ہے بلکہ اس اقتدار میں مرد کی شریک ہے، اس طرح عورت نے لڑکی ہونے کی حیثیت سے بھی حصہ لیا اور ماں ہونے کی حیثیت سے بھی اور شاید پہلی مرتبہ عورت کو موقع دیا گیا کہ اپنے مملوکہ مال وجائداد کی بدولت چاہے تو مردوں کی دستگیری کے بغیر ہی راحت وآرام کی زندگی بسر کرسکتی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۪ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۷﴾ [۲]

ترجمہ: مردوں کے لئے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور قریبی رشتہ دار نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو یا بہت، اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔

---

[۱] البقرة ۲۸۲

[۲] النساء ۷

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ اَوۡلَادِكُمۡ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ... ﴿۱۱﴾ (۱)

ترجمہ: تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ ﴿۳۳﴾ (۲)

ترجمہ: اور ہم نے ہر اس ترکے کے حقدار مقرر کر دیئے ہیں جو والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں۔

قحبہ گری اور زنا کاری:

عرب میں قحبہ گری اور زنا کاری عام سی بات تھی ماسوائے چند اشخاص کے کوئی بھی شخص چاہے وہ کسی بھی طبقہ سے تعلق رکھتا تھا اس سے مستثنیٰ نہیں تھا، جنہیں انہوں نے نکاح کا نام دیا ہوا تھا۔ اس زنا کاری (نکاح) کے کئی طریقے تھے۔

صواحبات الرایات (جھنڈیوں والیاں):

نکاح کی ایک صورت میں ایسی آزاد شدہ لونڈیاں شامل ہوتیں جن کی پشت پر کوئی خاندان یا قبیلہ نہ ہوتا، اس کا طریقہ یوں تھا

يَجْتَمِعُ النَّاسُ الْكَثِيرُ، فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ لَا تَمْتَنِعُ مِمَّنْ جَاءَهَا وَهُنَّ الْبَغَايَا كُنَّ يَنْصِبْنَ عَلَى أَبْوَابِهِنَّ رَايَاتٍ يَكُنَّ عَلَمًا لِمَنْ أَرَادَهُنَّ دَخَلَ عَلَيْهِنَّ فَإِذَا حَمَلَتْ فَوَضَعَتْ حَمْلَهَا جُمِعُوا لَهَا، وَدَعَوْا لَهُمُ الْقَافَةَ، ثُمَّ أَلْحَقُوا وَلَدَهَا بِالَّذِي يَرَوْنَ فَالْتَاطَهُ، وَدُعِيَ ابْنَهُ لَا يَمْتَنِعُ مِنْ ذَلِكَ

بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور عورت پر داخل ہوتے وہ کسی کو بھی انکار نہ کرتی اور یہ طوائفیں ہوتی تھیں، انہوں نے اپنے خواہش مندوں کے لئے بطور علامت اپنے دروازوں پر جھنڈے لگائے ہوتے تھے جو بھی ان کا خواہش مند ہوتا ان کے پاس چلا جاتا تھا جب کوئی حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو ان لوگوں کو اکٹھا کیا جاتا اور وہ لوگ اپنے لئے کسی قیافہ شناس کو طلب کرتے، پھر وہ اس بچے کو جس کے (مشابہ) دیکھتا ملحق کر دیتا اور وہ اس کے ساتھ منسوب و ملحق ہو جاتا اور اس کا بیٹا پکارا جاتا، وہ اس کا انکار نہ کر سکتا تھا، ان پیشہ ور عورتوں کو صواحبات الرایات (جھنڈیوں والیاں) کہا جاتا تھا۔ (۳)

نکاح استبضاع:

زنا کاری کی ایک قسم نکاح استبضاع تھا اس کا مقصد کسی شریف، فیاض، بہادر یا کسی وصف میں صاحب کمال شخص سے نطفہ حاصل کرنا ہوتا تھا اس کا طریقہ یوں تھا۔

كَانَ الرَّجُلُ يَقُولُ لِامْرَأَتِهِ إِذَا طَهُرَتْ مِنْ طَمْثِهَا: أَرْسِلِي إِلَى فُلَانٍ فَاسْتَبْضِعِي مِنْهُ، وَيَعْتَزِلُهَا زَوْجُهَا وَلَا يَمَسُّهَا أَبَدًا، حَتَّى يَتَبَيَّنَ حَمْلُهَا مِنْ ذَلِكَ الرَّجُلِ الَّذِي تَسْتَبْضِعُ مِنْهُ، فَإِذَا تَبَيَّنَ حَمْلُهَا أَصَابَهَا زَوْجُهَا إِذَا أَحَبَّ

(۱) النساء ۱۱

(۲) النساء ۳۳

(۳) سنن ابوداود کتاب الطلاق بَابٌ فِي وُجُوهِ النِّكَاحِ الَّتِي كَانَ يَتَنَاكَحُ بِهَا أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ ۲۲۷۲

کوئی شخص اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی تو اس کا مرد اس سے کہتا تو فلاں (صاحب کمال) شخص کے پاس چلی جا اور اس سے منہ کالا کرا لے (نطفہ حاصل کر لے) اس مدت میں شوہر اپنی بیوی سے جدا رہتا اور اسے چھوتا بھی نہیں، پھر جب اس غیر مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس سے وہ عارضی طور پر صحبت کرتی رہتی تو حمل کے ظاہر ہونے کے بعد اس کا شوہر اگر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا۔ ①

یعنی عورت اور اس کی عفت وعصمت کے متعلق جاہلی احساسات ذلت و کمینگی کی حدود تک پہنچ چکے تھے۔

نکاح کا ایک اور طریقہ:

يَجْتَمِعُ الرَّهْطُ دُونَ الْعَشَرَةِ، فَيَدْخُلُونَ عَلَى الْمَرْأَةِ كُلُّهُمْ يُصِيبُهَا فَإِذَا حَمَلَتْ وَوَضَعَتْ، وَمَرَّ لَيَالٍ بَعْدَ أَنْ تَضَعَ حَمْلَهَا، أَرْسَلَتْ إِلَيْهِمْ فَلَمْ يَسْتَطِعْ رَجُلٌ مِنْهُمْ أَنْ يَمْتَنِعَ حَتَّى يَجْتَمِعُوا عِنْدَهَا فَتَقُولُ لَهُمْ: قَدْ عَرَفْتُمُ الَّذِي كَانَ مِنْ أَمْرِكُمْ وَقَدْ وَلَدْتُ، وَهُوَ ابْنُكَ يَا فُلَانُ، فَتُسَمِّي مَنْ أَحَبَّتْ مِنْهُمْ بِاسْمِهِ، فَيَلْحَقُ بِهِ وَلَدُهَا

نکاح کا ایک طریقہ یوں تھا ایک جماعت دس افراد سے کم اکٹھے ہوتے اور ایک عورت کے پاس جاتے، ہر ایک اس سے صحبت کرتا جب وہ حاملہ ہو جاتی اور بچہ جنتی اور بچہ جننے کے بعد چند راتیں گزر جاتیں تو وہ اب سب کو بلواتی اور ان میں سے کوئی بھی آنے سے انکار نہ کر سکتا تھا جب وہ اس کے پاس جمع ہو جاتے تو وہ کہتی تمہیں اپنے معاملے کا علم ہی ہے اور میں نے بچے کو جنم دیا ہے تو یہ بچہ اے فلاں! تیرا ہے، وہ ان میں سے جس کا چاہتی نام لے دیتی اور پھر بچہ اس مرد کے ساتھ منسوب ہو جاتا۔ ②

نکاح متعہ:

نکاح کی ایک قسم نکاح متعہ تھی، یہ ایک عارضی نکاح ہوتا تھا جس میں کوئی مرد کسی عورت سے ایک متعین مدت خواہ وہ ایک گھنٹہ ہوتا یا دن یا سال تک نکاح کر لیتا اور یہ نکاح مدت ختم ہونے سے خود بخود ہی ختم ہو جاتا، طلاق دینے کی ضرورت نہیں تھی، چنانچہ اس مدت کے گزرنے کے بعد مقررہ معاوضہ ادا کر کے رخصت کر دیتا۔

جبکہ اسلام میں نکاح کی حیثیت ایک مضبوط عقد اور پختہ عہد کی ہے، جس کی پشت پر زوجین کا ابدی زندگی گزارنے کا ارادہ کارفرما ہوتا ہے تا کہ باہم نفسیاتی سکون اور مودت و رحمت کی فضا پیدا ہو، علاوہ ازیں اس کا مقصد عمرانی بھی ہے یعنی سلسلہ تناسل کو جاری رکھنا تا کہ نوع انسانی کی بقا کا سامان ہو۔ پہلے یہ نکاح مباح تھا اور اس کی اجازت شریعت کی تکمیل سے پہلے سفر اور غزوات کے موقع پر دی گئی تھی، شروع میں متعہ کو اس لئے جائز قرار دیا گیا تھا کہ مسلمان جاہلیت سے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے عبوری دور سے گزر رہے تھے، زمانہ جاہلیت میں زنا آسان اور عام تھا، جب اسلام آیا اور غزوات و جہاد کے لئے سفر کا معاملہ درپیش ہوا تو عورتوں سے دوری لوگوں پر شاق گزرنے لگی، مسلمانوں کے

---

① صحیح بخاری كتاب النكاح بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ ۵۱۲۷، سنن ابوداود كتاب الطلاق بَابٌ فِي وُجُوهِ النِّكَاحِ الَّتِي كَانَ يَتَنَاكَحُ بِهَا أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ ۲۲۷۲

② سنن ابوداود كتاب الطلاق بَابٌ فِي وُجُوهِ النِّكَاحِ الَّتِي كَانَ يَتَنَاكَحُ بِهَا أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ ۲۲۷۲

اندر ایمان کے لحاظ سے قوی اور ضعیف دونوں طرح کے لوگ تھے،ضعیف الایمان لوگوں کے زنا میں مبتلا ہو جانے اور بے حیائی کے راستہ پر جا پڑنے کا اندیشہ تھا،لیکن جو لوگ قوی الایمان تھے انہوں نے خود کو خصی کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا،

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: كُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ، فَقُلْنَا: أَلاَ نَخْتَصِي؟ فَنَهَانَا عَنْ ذَلِكَ، فَرَخَّصَ لَنَا بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ نَتَزَوَّجَ المَرْأَةَ بِالثَّوْبِ ثُمَّ قَرَأَ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ}

جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ہماری بیویاں نہیں ہوتی تھیں ،اس لئے ہم نے عرض کیا کہ ہم اپنے آپ کو خصی کیوں نہ کر لیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے روک دیا اور پھر ہمیں یہ رخصت دی کہ ہم کسی عورت سے کپڑے (یا کسی بھی چیز) کے بدلے نکاح کر سکتے ہیں پھر یہ آیت تلاوت کی اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ کر لو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ [1]

متعہ کا یہ جواز رخصت کی حیثیت رکھتا تھا تاکہ ضعیف الایمان اور قوی الایمان دونوں گروہوں کی مشکلات کا حل نکل آئے،اسلام مسلمان کی ازواجی زندگی کے لئے جو شرعی قوانین بنانا چاہتا تھا اس راہ میں ایک قدم تھا جو نکاح کے جملہ مقاصد کو پورا کرے مثلاً پاکدامنی، رشتہ نکاح کی مستقل حیثیت، سلسلہ تناسل، مودت و رحمت نیز خاندان کے دائرہ مصاہرت (سسرال) کے ذریعہ توسع وغیرہ، جس طرح قرآن نے شراب اور سود کی حرمت کے بارے میں تدریجاً احکام دیے جبکہ زمانہ جاہلیت میں ان چیزوں کا بڑا رواج اور غلبہ تھا،اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرمگاہوں کی حرمت کے سلسلہ میں بھی احکام دینے میں تدریج کا لحاظ فرمایا،چنانچہ مجبوری کی صورت میں متعہ کی اجازت دی لیکن پھر اس نکاح سے قیامت تک کے لئے روک دیا۔

أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ،إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ المُتْعَةِ، وَعَنْ لُحُومِ الحُمُرِ الأَهْلِيَّةِ، زَمَنَ خَيْبَرَ
جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے وقت نکاح متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا۔ [2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۃ المائدہ بَابُ قَوْلِهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ ۴۶۱۵،وکتاب النکاح بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ التَّبَتُّلِ وَالخِصَاءِ ۵۰۷۵، صحیح مسلم کتاب النکاح بَابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ۳۴۱۰،معجم ابن عساکر ۱۱۸۸،صحیح ابن حبان ۴۱۴۱،السنن الکبری للبیہقی ۱۳۴۶۴، مسند احمد ۳۶۵۰، مسندابی یعلی ۵۳۸۲

[2] صحیح بخاری کتاب النکاح اب نَهْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِكَاحِ المُتْعَةِ آخِرًا ۵۱۱۵،صحیح مسلم کتاب النکاح بَابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ۳۴۳۱، موطاامام مالک کتاب النکاحبَابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ، سنن نسائی کتاب النکاح تَحْرِيمُ الْمُتْعَةِ ۳۳۶۸ ، جامع ترمذی ابواب النکاح بَابُ مَا جَاءَ فِي تَحْرِيمِ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ۱۱۲۱،سنن ابن ماجہ کتاب النکاح بَابُ النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ۱۹۶۲،سنن الدارمی ۲۲۴۳،مسندالبزار ۶۴۱،معجم ابن عساکر ۹۰۰،السنن الکبری للبیہقی ۱۴۱۴۶،مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷۰۶۵،السنن الصغیرللبیہقی ۲۴۹۰

دوسری مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر اس عمل کو روکا،

عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :رَخَّصَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ أَوْطَاسٍ، فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ نَهَى عَنْهَا

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس (فتح مکہ) کے موقع پر تین روز کے لئے نکاح متعہ کی اجازت دی پھر اس سے روک دیا۔ (۱)

حَدَّثَنِي الرَّبِيعُ بْنُ سَبْرَةَ الْجُهَنِيُّ، أَنَّ أَبَاهُ، حَدَّثَهُ، أَنَّهُ كَانَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنِّي قَدْ كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الِاسْتِمْتَاعِ مِنَ النِّسَاءِ، وَإِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ربیع بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکائے غزوہ کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مکہ مکرمہ سے نکلنے سے پہلے) فرمایا اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اب اللہ تعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے۔ (۲)

یہ حدیث سبرہ رضی اللہ عنہ نے (بیت اللہ) کے رکن اور دروازے کے پاس بیان کی تھی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : لَمَّا وَلِيَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ:إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَذِنَ لَنَا فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا، ثُمَّ حَرَّمَهَا، وَاللهِ لَا أَعْلَمُ أَحَدًا يَتَمَتَّعُ وَهُوَ مُحْصَنٌ إِلَّا رَجَمْتُهُ بِالْحِجَارَةِ

چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین مرتبہ متعہ کی اجازت دی پھر اسے حرام کر دیا، اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی بھی شادی شدہ کے نکاح متعہ کا علم ہوگا تو میں اسے پتھروں کے ساتھ رجم کردوں گا۔ (۳)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ (۴)

(۱) صحيح مسلم كتاب النكاح بَابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، وَبَيَانِ أَنَّهُ أُبِيحَ، ثُمَّ نُسِخَ، ثُمَّ أُبِيحَ، ثُمَّ نُسِخَ، وَاسْتَقَرَّ تَحْرِيمُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۳۴۱۳،مسند احمد۱۶۵۵۲، السنن الكبرى للبيهقى۱۴۱۶۱،معرفة السنن والآثار۱۴۱۰۷،مصنف ابن ابى شيبة۱۷۰۶۸

(۲) صحيح مسلم كتاب النكاح بَابُ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ، وَبَيَانِ أَنَّهُ أُبِيحَ، ثُمَّ نُسِخَ، ثُمَّ أُبِيحَ، ثُمَّ نُسِخَ، وَاسْتَقَرَّ تَحْرِيمُهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۳۴۲۰،سنن ابوداودكتاب النكاح بَابٌ فِي نِكَاحِ الْمُتْعَةِ۲۰۷۲، سنن نسائى كتاب النكاح بابتَحْرِيمُ الْمُتْعَةِ۳۳۷۰،سنن ابن ماجه كتاب النكاح بَابُ النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ۱۹۶۳، مسنداحمد۱۵۳۵۱،المعجم الكبيرللطبرانى ۶۵۱۳،صحيح ابن حبان ۴۱۴۷،سنن الدارمى ۲۲۴۱،السنن الكبرى للبيهقى ۱۴۱۵۴،معرفة السنن والآثار ۱۴۱۰۴،مصنف ابن ابى شيبة۱۷۰۶۷،شرح السنة للبغوى ۲۲۹۲

(۳) سنن ابن ماجه كتاب النكاح بَابُ النَّهْيِ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ ۱۹۶۴

(۴) تلخيص الحبير ۳/۳۳۳

سیدنا علی رضی اللہ عنہ متعہ النساء کو جائز نہیں سمجھتے تھے جیسا کہ صحیح روایت میں آیا ہے،

عن الزهريّ، قال: أخبرني الحسن وعبد الله أبناء محمَّد بن علي أنَّهما أخبراه عن أبيهما محمَّد بن علي أنه سمع أباه علي بن أبي طالب ولقي ابن عباس رضي الله عنهما، وبلغه أنّه يرخص في متعة النساء، فقال له علي: إنّك امرؤ تائه

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا کہ وہ متعہ النساء کو جائز سمجھتا ہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے کہا تو بیوقوف آدمی ہے۔[1] حَدَّثَنِي الزُّهْرِيُّ، عَنْ الْحَسَنِ، وَعَبْدِ اللَّهِ، ابْنَيْ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِمَا، أَنَّ عَلِيًّا، بَلَغَهُ أَنَّ رَجُلًا لَا يَرَى بِالْمُتْعَةِ بَأْسًا، فَقَالَ: إِنَّكَ تَائِهٌ، إِنَّهُ نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا، وَعَنْ لُحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ يَوْمَ خَيْبَرَ

محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ سے مروی ہے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ بات پہنچی کہ ایک آدمی متعہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتا آپ اسے فرمانے لگے تو تو راہ راست سے بھٹکا ہوا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر (کی جنگ) کے بعد متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے روک دیا تھا۔[2]

وَبَيَّنَهُ عَلِيٌّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ مَنْسُوخٌ

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی روایت بیان کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح متعہ کی حلت منسوخ ہے۔[3]

فَتَحصَّلَ مِمَّا أَشَارَ إِلَيْهِ سِتَّةُ مَوَاطِنَ خَيْبَرُ ثُمَّ عُمْرَةُ الْقَضَاءِ ثُمَّ الْفَتْحُ ثُمَّ أَوْطَاسُ ثُمَّ تَبُوكُ ثُمَّ حَجَّةُ الْوَدَاعِ

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں رخصت کے بعد چھ مختلف مقامات پر نکاح متعہ کا منسوخ ہو جانا مروی ہے خیبر میں، عمرۃ القضاء میں، فتح مکہ کے سال، اوطاس کے سال، غزوہ تبوک میں، حجۃ الوداع میں۔[4]

وَالصَّوَابُ الْمُخْتَارُ أَنَّ التَّحْرِيمَ وَالْإِبَاحَةَ كَانَا مَرَّتَيْنِ وَكَانَتْ حَلَالًا قَبْلَ خَيْبَرَ ثُمَّ حُرِّمَتْ يَوْمَ خَيْبَرَ ثُمَّ أُبِيحَتْ يوم فتح مكة وهو يوم أوطاس لا تصالهما ثُمَّ حُرِّمَتْ يَوْمَئِذٍ بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ تَحْرِيمًا مُؤَبَّدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں درست بات یہ ہے کہ متعہ دو مرتبہ حرام ہوا اور دو ہی مرتبہ جائز ہوا، چنانچہ یہ غزوہ خیبر سے پہلے حلال تھا پھر اسے غزوہ خیبر کے موقع پر حرام کیا گیا، پھر اسے فتح مکہ کے موقع پر جائز کیا گیا اور عام اوطاس بھی اسی کو کہتے ہیں، اس کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔[5]

---

[1] مسندابی عوانہ ۴۵۰۸ ،السنن الکبری للبیہقی ۱۴۱۴۷

[2] سنن النسائی کتاب النکاح بَابٌ فِي تحريم الْمُتْعَةِ ۳۳۶۵

[3] صحیح بخاری کتاب النکاح بَابُ نَهْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِكَاحِ الْمُتْعَةِ آخِرًا ۵۱۱۹

[4] فتح الباری ۹/۱۶۹

[5] شرح نووی علی مسلم ۹/۱۸۱

تَحْرِيمُ الْمُتْعَةِ كَالْإِجْمَاعِ إِلَّا عَنْ بَعْضِ الشِّيعَةِ

خطابی رحمہ اللہ کہتے ہیں متعہ کی حرمت مسلمانوں میں اجماع کی طرح ہے الا کہ بعض شیعہ حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں۔ (۱)

أَجْمَعَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ عَلَى تَحْرِيمِهَا

جمہور سلف وخلف کے مطابق نکاح متعہ منسوخ ہو چکا ہے۔ (۲)

ثُمَّ وَقَعَ الْإِجْمَاعُ مِنْ جَمِيعِ الْعُلَمَاءِ عَلَى تَحْرِيمِهَا إِلَّا الرَّوَافِضَ

قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حرمت پر علمانے اجماع کیا ہے الا کہ روافض اسے جائز کہتے ہیں۔ (۳)

جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہا کی رائے میں یہ تحریم قطعی ہے جس میں رخصت کے لئے کوئی گنجائش شریعت کے اس حکم کو مستقل حیثیت دینے کے بعد باقی نہیں رہی، البتہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا تھا، ان کی رائے میں مجبوری کی صورت میں جائز تھا،

عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ: سُئِلَ عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَرَخَّصَ، فَقَالَ لَهُ مَوْلًى لَهُ: إِنَّمَا ذَلِكَ فِي الحَالِ الشَّدِيدِ، وَفِي النِّسَاءِ قِلَّةٌ؟ أَوْ نَحْوَهُ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ :نَعَمْ

چنانچہ ابو جمرہ نے بیان کیا میں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا ان سے عورتوں کے ساتھ متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت دی، پھر ان کے ایک غلام نے ان سے پوچھا کہ اس کی اجازت سخت مجبوری یا عورتوں کی کمی یا اس جیسی صورتوں میں ہو گی تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں۔ (۴)

وَلَمْ يَقِفْ عِنْدَ الضَّرُورَةِ، أَمْسَكَ ابْنُ عَبَّاسٍ عَنِ الْإِفْتَاءِ بِحِلِّهَا، وَرَجَعَ عَنْهُ

لیکن جب انہیں معلوم ہو گیا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں کافی گنجائش پیدا کر لی ہے اور بات مجبوری کی حد تک نہیں رہی تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواز کا فتوی دینا بند کر دیا اور اس سے رجوع کر لیا۔ (۵)

عن ابن شهاب أنّه قال: ما مات ابن عباس حتى رجع عن هذا الفتيا

ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فوت ہونے سے پہلے اس (متعہ النکاح کے) فتوے سے رجوع کر لیا تھا۔ (۶)

قال ابن جريج يومئذ: اشهدوا أني قد رجعت عنها

---

(۱) معالم السنن ۳/۱۹۰

(۲) فتح الباری ۹/۱۷۳

(۳) فتح الباری ۹/۱۷۳

(۴) صحیح بخاری كتاب النكاح بَابُ نَهْيِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِكَاحِ المُتْعَةِ آخِرًا ۵۱۱۶

(۵) زاد المعاد ۳/۴۰۳

(۶) مسند ابی عوانہ ۴۴۹۳

ابن جریج رحمہ اللہ نے فرمایا گواہ رہو کہ میں نے اس (متعہ النکاح) سے رجوع کرلیا ہے۔ (۱)

أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ الْمُتْعَةِ فَقَالَ: حَرَامٌ ، قَالَ: فَإِنَّ فُلَانًا يَقُولُ فِيهَا فَقَالَ: وَاللهِ لَقَدْ عَلِمَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ وَمَا كُنَّا مُسَافِحِينَ، قَالَ الشَّيْخُ: ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذِنَ فِي نِكَاحِ الْمُتْعَةِ زَمَنَ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ ثُمَّ حَرَّمَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

سالم بن عبد اللہ سے مروی ہے ایک آدمی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متعہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا حرام ہے، اس نے کہا فلاں تو اس بارے میں یہ کہتا ہے پس انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! وہ جانتا ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خیبر والے دن حرام قرار دیا تھا اور ہم زانی نہیں تھے، پھر فرمایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فتح مکہ کے موقع پر اجازت دی تھی پھر اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ (۲)

قَالَ: سَمِعْتُ مَكْحُولًا، يَقُولُ فِي الرَّجُلِ تَزَوَّجَ الْمَرْأَةَ إِلَى أَجَلٍ ، قَالَ: ذَلِكَ الزِّنَا

امام مکحول الشامی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا ایک آدمی نے ایک عورت سے خاص مقرر وقت تک کے لیے نکاح (یعنی متعہ) کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا یہ زنا ہے۔ (۳)

سَأَلْتُ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَنِ الْمُتْعَةِ، فَوَصَفْتُهَا فَقَالَ لِي: ذَلِكَ الزِّنَا

جعفر بن محمد سے متعہ کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے جواب دیا یہ زنا ہے۔ (۴)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ , عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , قَالَ: حَرَّمَ أَوْ هَدَمَ الْمُتْعَةَ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالْعِدَّةُ وَالْمِيرَاثُ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نکاح، طلاق، عدت اور میراث نے متعہ کو حرام اور ختم کر دیا ہے۔ (۵)

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ: نَسَخَ الْمُتْعَةَ الْمِيرَاثُ

مشہور ثقہ تابعی امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے فرمایا متعہ کو میراث نے منسوخ کر دیا۔ (۶)

نکاح البدل:

ایک نکاح نکاح البدل بھی تھا، اس کا طریقہ یوں تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہتا کہ تو میرے حق میں اپنی بیوی سے

---

(۱) مسند ابی عوانہ ۴۵۲۴

(۲) السنن الکبری للبیہقی ۱۴۱۴۸

(۳) مصنف ابن ابی شیبة ۱۷۰۷۸

(۴) السنن الکبری للبیہقی ۱۴۱۸۲

(۵) سنن دارقطنی ۳۶۶۴، صحیح ابن حبان ۴۱۳۷

(۶) السنن الکبری للبیہقی ۱۴۱۷۹، مصنف ابن ابی شیبة ۱۷۰۷۰

دستبردار ہوجا اور میں تیرے حق میں اپنی بیوی سے دستبردار ہوجاتا ہوں۔

نکاح الشغار:

ایک طریقہ نکاح الشغار کا تھا، جس میں ایک شخص اپنی بیٹی، بہن یا بھتیجی کی شادی کسی شخص کے ساتھ اس شرط پر کرتا کہ دوسرا بھی اپنی بیٹی، بہن یا بھتیجی کی شادی اس سے کر دے گا، اس طرز کے نکاح میں عورت کا مہر نہیں باندھا جاتا تھا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الشِّغَارِ، وَالشِّغَارُ أَنْ يُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهُ عَلَى أَنْ يُزَوِّجَهُ الآخَرُ ابْنَتَهُ، لَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شغار سے منع فرمایا ہے، شغار یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی لڑکی یا بہن کا نکاح اس شرط کے ساتھ کرے کہ وہ دوسرا شخص اپنی (بیٹی یا بہن) اس کو بیاہ دے اور کچھ مہر نہ ٹھہرے۔ [1]

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: لَا شِغَارَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، وَمَا الشِّغَارُ؟ قَالَ: نِكَاحُ الْمَرْأَةِ بِالْمَرْأَةِ، وَلَا صَدَاقَ بَيْنَهُمَا

ابی رضی اللہ عنہ بن کعب سے مروی ہے اسلام میں شغار نہیں ہے، میں نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! شغار کیا ہے؟ عورت کے بدلے عورت سے نکاح کر لیا جائے اور دونوں کا حق مہر نہ باندھا جائے۔ [2]

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نکاح کی ان صورتوں کو بیان کر کے فرماتی ہیں

فَلَمَّا بُعِثَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالحَقِّ، هَدَمَ نِكَاحَ الجَاهِلِيَّةِ كُلَّهُ إِلَّا نِكَاحَ النَّاسِ اليَوْمَ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حق لے کر مبعوث ہوئے تو آپ نے تمام جاہلی نکاحوں کو بند کر دیا صرف اس نکاح کو باقی رکھا جو آج رائج ہے۔ [3]

اور اسلام نے دوسرے ان تمام طریقوں کو بھی حرام قرار دے دیا جس سے عفت وعصمت پر زد پڑ سکتی تھی، جس سے نسل اور میراث میں گڑبڑ پیدا ہوتی تھی، جس سے صلہ رحمی اور مروت کی شہ رگ کٹتی تھی اور ان کو زنا کا نام دے کر لوگوں کو آگاہ کر دیا کہ

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۗ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝۳۲ [4]

ترجمہ: اور زنا کے قریب نہ پھٹکو وہ بہت برا فعل ہے اور بڑا ہی برا راستہ۔

زنا جس پر یوسف علیہ السلام نے جیل کی کال کوٹھری میں قید کی زندگی کو اس جرم کے اقدام پر ترجیح دی گو قتل نہ سہی مگر انجام کے اعتبار سے قتل سے

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح بَابُ الشِّغَارِ ۵۱۱۲، صحیح مسلم کتاب النکاح بَابُ تَحْرِيمِ نِكَاحِ الشِّغَارِ وَبُطْلَانِهِ ۳۴۶۵، سنن ابوداودکتاب النکاح بَابٌ فِي الشِّغَارِ ۲۰۷۴

[2] المعجم الصغير للطبرانی ۴۴۱

[3] صحیح بخاری کتاب النکاح بَابُ مَنْ قَالَ لاَ نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ ۵۱۲۷

[4] بنی اسرائیل ۳۲

کم بھی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے زنا کو قتل کے بعد شمار کیا۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۙ﴿۶۸﴾ [1]

ترجمہ: جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام کی ہوئی کسی جان کو ناحق ہلاک نہیں کرتے، اور نہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں، یہ کام جو کوئی کرے وہ اپنے گناہ کا بدلہ پائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لاَ يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَشْرَبُ الخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلاَ يَنْتَهِبُ نُهْبَةً، يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ، وَهُوَ مُؤْمِنٌ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زنا کار جس وقت زنا کرتا ہے اس وقت مومن نہیں ہوتا، جب بھی کوئی شراب پینے والا شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا، جب بھی کوئی چوری کرنے والا چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں رہتا، جب بھی کوئی لوٹنے والا لوٹتا ہے کہ لوگ نظریں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھنے لگتے ہیں تو وہ مومن نہیں رہتا۔ [2]

یعنی جب کوئی شخص زنا کرتا ہے اس وقت ایمان زانی کو چھوڑ کر جدا ہو جاتا ہے، گویا مومن مومن رہتے ہوئے اس جرم عظیم کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔

أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا زَنَى الرَّجُلُ خَرَجَ مِنْهُ الْإِيمَانُ كَانَ عَلَيْهِ كَالظُّلَّةِ، فَإِذَا انْقَطَعَ رَجَعَ إِلَيْهِ الْإِيمَانُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی جب زنا کرتا ہے اس وقت ایمان اس سے نکل جاتا ہے اور اس کے اوپر چھتری کی مانند رہتا ہے، پس جب وہ اپنی بدکاری سے فارغ ہوتا ہے تو ایمان اس کی طرف پلٹ آتا ہے۔ [3]

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ۔۔۔ثُمَّ قَالَ: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللَّهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللَّهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو نماز کسوف کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا اور اسی میں فرمایا اے محمد کی امت کے لوگو! اللہ کی قسم! اس بات پر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کسی کو غیرت نہیں ہوتی کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کرے، اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! واللہ! جو کچھ میں جانتا ہوں تم جانتے تو بہت کم ہنستے اور

---

[1] الفرقان ۶۸

[2] صحیح بخاری کتاب الحدود بَابُ لاَ يُشْرَبُ الخَمْرُ ۶۷۷۲

[3] سنن ابوداود کتاب السنة بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى زِيَادَةِ الْإِيمَانِ وَنُقْصَانِهِ ۴۶۹۰

بہت زیادہ روتے۔ (۱)

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ، أَنَّ يَهُودِيَّيْنِ قَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اذْهَبْ بِنَا إِلَى هَذَا النَّبِيِّ نَسْأَلُهُ، فَقَالَ: لاَ تَقُلْ لَهُ نَبِيٌّ فَإِنَّهُ إِنْ سَمِعَهَا تَقُولُ نَبِيٌّ كَانَتْ لَهُ أَرْبَعَةُ أَعْيُنٍ، فَأَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلاَهُ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ {وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ} فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لاَ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلاَ تَزْنُوا، وَلاَ تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلاَّ بِالحَقِّ، وَلاَ تَسْرِقُوا، وَلاَ تَسْحَرُوا، وَلاَ تَمْشُوا بِبَرِيءٍ إِلَى سُلْطَانٍ فَيَقْتُلَهُ، وَلاَ تَأْكُلُوا الرِّبَا، وَلاَ تَقْذِفُوا مُحْصَنَةً، وَلاَ تَفِرُّوا مِنَ الزَّحْفِ

صفوان سے مروی ہے ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ چلو میرے ساتھ اس نبی کے پاس چلو، اس کے ساتھی نے کہا نبی نہ کہو کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا تو خوشی سے ان کی آنکھیں چار ہو جائیں گی، وہ دونوں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے نو نشانیوں کے متعلق پوچھا، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جواب دیا کسی کو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک ٹھہراؤ، زنا مت کرو، کسی جاندار کو قتل نہ کرو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہے مگر قصاص وغیرہ میں، اور چوری نہ کرو اور جادو مت کرو اور کسی بے قصور کو (قتل کی تہمت لگا کر) حاکم کے پاس مت لے جاؤ کہ وہ اسے قتل کرے، اور سود مت کھاؤ اور کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ اور جہاد سے مت بھاگو۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَيُّ الذَّنْبِ أَعْظَمُ؟ قَالَ: أَنْ تَجْعَلَ لِلَّهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ مِنْ أَجْلِ أَنْ يَطْعَمَ مَعَكَ قُلْتُ: ثُمَّ أَيٌّ؟ قَالَ: أَنْ تُزَانِيَ حَلِيلَةَ جَارِكَ

اسی طرح عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے میں نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا اے اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یعنی اکبر الکبائر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنانا حالانکہ اس نے ہی پیدا کیا، میں نے پوچھا کہ اس کے بعد پھر کونسا کام؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا اپنے بچے کو اس خوف سے مار ڈالنا کہ وہ ساتھ کھائے گا، میں نے پوچھا پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا تیرا اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرنا۔ (۳)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ يَوْمَ القِيَامَةِ فِي ظِلِّهِ، يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللَّهَ فِي خَلاَءٍ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي المَسْجِدِ،

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الکسوف بَابُ الصَّدَقَةِ فِي الكُسُوفِ ۱۰۴۴

(۲) جامع ترمذی کتاب تفسیر القرآن بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۳۱۴۴

(۳) صحیح بخاری کتاب الدیات بَابُ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ ۶۸۱۱، ۷۵۲۰، ۶۸۶۱، ۴۷۷۲، ۷۵۳۲، وکتاب الاداب بَابُ قَتْلِ الوَلَدِ خَشْيَةَ أَنْ يَأْكُلَ مَعَهُ ۶۰۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ كَوْنِ الشِّرْكِ أَقْبَحَ الذُّنُوبِ، وَبَيَانِ أَعْظَمِهَا بَعْدَهُ ۸۵، سنن ابوداودکتاب بَابٌ فِي تَعْظِيمِ الزِّنَا ۲۳۱۰، جامع ترمذی ابواب تفسیرالقرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الفُرْقَانِ ۳۱۸۲

وَرَجُلاَنِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ إِلَى نَفْسِهَا، قَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا صَنَعَتْ يَمِينُهُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمیوں کو اللہ اپنے سائے میں رکھے گا جس دن کہ سوائے اس کے سائے کے اور کوئی سایہ نہ ہوگا عادل حاکم، اور وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں جوانی پائی، اور وہ شخص جس نے اللہ کو تنہائی میں یاد کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، اور وہ شخص جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہو، اور وہ دو اشخاص جو باہم صرف خدا کے لئے دوستی کریں جب جمع ہوں تو اسی کے لئے اور جب جدا ہوں تو اسی کے لئے، اور وہ شخص جس کو ایک حسین وجمیل عالی نسب عورت نے دنیا میں اپنی طرف بلایا اور زنا کی دعوت دی مگر اس اللہ کے عفیف بندہ نے اس حسین مہ جبین کو جواب میں یہ کہہ کر انکار کر دیا میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور وہ شخص جس نے اتنا پوشیدہ صدقہ کیا کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ دائیں نے کتنا اور کیا صدقہ کیا ہے۔ [1]

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَا ظَهَرَ الْغُلُولُ فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا أُلْقِيَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبُ، وَلَا فَشَا الزِّنَا فِي قَوْمٍ قَطُّ إِلَّا كَثُرَ فِيهِمُ الْمَوْتُ، وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِلَّا قُطِعَ عَنْهُمُ الرِّزْقُ، وَلَا حَكَمَ قَوْمٌ بِغَيْرِ الْحَقِّ إِلَّا فَشَا فِيهِمُ الدَّمُ، وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَهْدِ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْعَدُوَّ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قوم غنیمت کے مال میں چوری کرتی ہے ان کے دل بودے ہو جاتے ہیں، اور جس قوم میں زنا عام ہو جاتا ہے ان میں موت کی بھی کثرت ہو جاتی ہے، اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان کی روزی بند ہو جاتی ہے، اور جو قوم ناحق فیصلہ کرتی ہے ان میں خون زیادہ ہو جاتا ہے، اور جو قوم عہد توڑتی ہے ان پر دشمن غالب ہو جاتا ہے۔ [2]

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّبَا، إِلَّا أُخِذُوا بِالسَّنَةِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرُّشَا، إِلَّا أُخِذُوا بِالرُّعْبِ

ایک اور حدیث میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم میں سود عام ہو جائے وہ قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں رشوت عام ہو جائے وہ مرعوب ہو جاتی ہے۔ [3]

اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو جو عفت وعصمت کی دمکتی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ نہیں لگنے دیتے ان کے متعلق فرمایا

مَنْ تَوَكَّلَ لِي مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَمَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ، تَوَكَّلْتُ لَهُ بِالْجَنَّةِ

جس نے مجھے اپنی دونوں ٹانگوں کے درمیان (یعنی شرمگاہ) کی اور اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان (یعنی زبان) کی ضمانت دے دی تو میں اسے جنت میں جانے کا یقین دلاتا ہوں۔ [4]

---

[1] صحیح بخاری کتاب المحاربین بَابُ فَضْلِ مَنْ تَرَكَ الفَوَاحِشَ ٦٨٠٦

[2] موطا امام مالک کتاب الجہاد مَا جَاءَ فِي الْغُلُولِ

[3] مسند احمد ١٧٨٢٢

[4] صحیح بخاری کتاب المحاربین بَابُ فَضْلِ مَنْ تَرَكَ الفَوَاحِشَ ٦٨٠٧

مختلف تہذیبوں میں عورت کی حیثیت

عرب کی معاشرتی خرابیوں یا تہذیبی کمزوریوں کو مغربی مصنفین نے بار بار مختلف طریقوں سے اچھالا ہے، حالانکہ مختلف قدیم تہذیبوں اور شروع سے لے کر آخر تک یورپ کا ہر بڑے ملک کا معاشرہ عورت کے حوالے سے جن خوفناک لعنتوں، انسانیت سوز جرائم اور ظلم و تشدد کی فراوانی میں رسوا اور بدنام ہے عرب قبائل اپنے زمانہ جاہلیت میں بھی اس کا عشر عشیر نہ تھے، وہ ریگ زار عرب کے سخت کوش محنتی اور جنگ جو قبائل یورپ جیسی مسموم فضا اور اس کی زہریلی ثقافتی آب و ہوا سے بالکل محفوظ تھے، وہ لوگ اپنی ضروریات کے لئے کثرت ازواج کے قائل تھے، وہ بے شمار بتوں کی پرستش کرتے تھے، وہ جنوں اور فرشتوں کی عبادت کرتے تھے مگر وہ برہنہ مرد و عورت کی پوجا نہیں کرتے تھے، وہ لنگ پوجا نہیں کرتے تھے اور نہ ہی پجاریوں کی عیاشیوں کے لئے مندروں میں دیوداسیاں ہوتی تھیں، وہ لوگ شراب پیتے تھے مگر مذہبی رسومات میں نشے میں دھت ہو کر محرمات سے جنسی تعلق نہیں رکھتے تھے، وہ لوگ اپنی لڑکیوں کا قتل تو کرتے تھے مگر فروخت نہیں کرتے تھے، وہ لوگ اپنی بیٹیوں اور بیویوں کو اپنی معاشی ضروریات کے لئے قحبہ خانوں میں نہیں بھیجتے تھے، وہ کثرت ازدواج کے قائل تھے مگر شوہر کو اس کی اجازت تھی کہ وہ اپنی بیوی کسی کو بخش دے یا گلے میں پٹہ ڈال کر فروخت کر دے، عربوں کی لڑکیاں رشتوں کے لئے مندروں میں نہیں بیٹھی رہتی تھیں اور نہ ہی عورتیں مردوں کے سامنے ننگے ناچ ناچتی تھی، عربی عورتیں دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے بکروں کے آگے ننگی ہو کر کھڑی نہیں ہو جاتی تھیں، اور نہ ہی عرب میں عورت کو دیوتا کے حضور قربان کیا جاتا تھا، وہ باپ بیٹوں اور دوسرے مردوں کے آگے برہنہ نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی عربی مرد و عورت ایک ہی حمام میں ننگے ہو کر نہاتے تھے، یہاں ہم چند نمایاں قدیم تہذیبوں اور ممالک کا مختصر ذکر کرتے ہیں تاکہ مغربی مصنفین کے الزامات کا آپ خود جائزہ لے سکیں۔

سمیری تہذیب میں عورت کی حالت زار:

قدیم ترین اور سب سے پرانی سمیری تہذیب تسلیم کی جاتی ہے، یہ لوگ بارہ دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے، ان میں ایک دیوی بیلت یعنی زہرہ دیوی تھی جو تمام دیوتاؤں کی ملکہ کہلاتی تھی، اس کا بابل میں ایک عالیشان مندر تھا جہاں خاص و عام کا میلہ لگا رہتا تھا، اس سرزمین کی ہر نوجوان لڑکی خواہ وہ کسی بادشاہ، وزیر، جرنیل یا رئیس کی بیٹی ہو اسے خاوند کی تلاش میں زہرہ دیوی کے مندر میں آنا پڑتا تھا، رواج یہ تھا کہ ہر کنواری لڑکی ایک خاص موسم میں یہاں پہنچ جاتی اور سہرے باندھ کر قطار میں مندر کے اندر بیٹھ جاتی، زرق برق ملبوسات پہنے ہوئے تماشائی آتے اور ہر ایک لڑکی کو اس طرح دیکھتے جیسے قربانی کے لئے جانور خریدنے آئے ہیں، جب کسی کو کوئی دوشیزہ پسند آجاتی وہ اس کی جھولی میں سونے یا چاندی کا ایک سکہ ڈال دیتا اور کہتا بلیتا یعنی دیوی تیرا بھلا کرے اور عورت اس کے ساتھ جانے کے لئے مجبور ہوتی خواہ وہ مرد کیسا ہی کیوں نہ ہوتا، انکار قانونا جرم تھا، اسی طرح انطاکیہ میں فحاشی عام تھی ہزاروں عورتوں کو مندروں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا، پافوس میں سینکڑوں عورتوں کو افرودتیہ کے نام پر زناکاری کے لئے مجبور کیا جاتا تھا، یونانیوں میں ویمر نام کی دیوی تھی جس کا مندر فحاشی کے لئے استعمال ہوتا تھا، بحیرہ روم کے مشرقی سواحل پر جتنے ممالک تھے سب میں ایسے ہی دیوی دیوتاؤں کا مذہب رائج تھا، عبادت گاہوں میں فحاشی

اور زنا کاری انتہاء کو پہنچی ہوئی تھی، قدیم یورپ میں بھی ایسی ہی بے ہودہ رسم کا رواج تھا، جزیرہ سسلی نیر میں بھی اسی جزیرے کے جنوبی علاقے میں ایک خاص دیوتا جو بالکل عریاں حالت میں ہوتا تھا اس کے مندر میں نوجوان عورتوں کی بڑی تعداد جمع رہتی تھی، شہر الفی میں دیانا دیوی کا بت بالکل برہنہ تھا، مغربی افریقہ کے حصے سلور کوسٹ میں لوگ مردانہ جنسی عضو کا جلوس بازاروں میں بڑی شان وشوکت سے نکالتے تھے ، کانگو کے بانیری قوم مردانہ جنسی عضو کی پوجا کرتے تھے، تسمانیہ ۱۶۴۲ء میں دریافت ہوا وہاں عورتوں کو مرد کے سامنے بالکل ننگے ناچ کے لئے مجبور کیا جاتا تھا، ان میں تین تک بیویاں رکھنے کا رواج تھا اگر تسمانی خاوند کا مارا ہوا شکار پیٹ بھرنے کے بعد بچ جاتا تو باقی اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے پھینک دیتے تھے۔

مصر میں عورت کی حالت زار:

قبل از اسلام قدیم مصر میں ابتداً میں مرد کے عضو تناسل کو مذہبی اہمیت حاصل نہ تھی بلکہ عورت کے جنسی عضو کو جس کی شکل گائے کی اندام نہانی سے ملتی جلتی تھی بڑی اہمیت دی جاتی تھی کیونکہ قدیم مصریوں کا عقیدہ تھا کہ اس میں جادو کی طاقت پوشیدہ تھی، غالباً ہر قدیم دور میں جادو کو عورت سے منسوب کیا جاتا رہا ہے، یہ دور گزر گیا تو دوسری قدیم تہذیبوں کی طرح مصر میں بھی لنگ پوجا نے مذہبی صورت اختیار کر لی، عام مقبولیت کی وجہ سے مصر کے مندروں کے پجاریوں نے یہ فحش اور بے حیائی کی رسم اپنے مذہب میں شامل کر لی، قدیم مصریوں میں اس پرستش کے عام ہونے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آثار قدیمہ کے محکمے کے کارکنوں نے کھدائی کے دوران ایک عالی مرتبہ مصری عورت (جو غالباً حکمران خاندان سے تعلق رکھتی تھی) کی حنوط شدہ لاش کے ساتھ ایک بیل کا حنوط شدہ جنسی عضو بھی برآمد کیا، رفتہ رفتہ یہ شرمناک رسم پورے مصر اور افریقہ میں پھیل گئی جو بعد میں ہندوستان تک آپہنچی، قدیم مصر کے شہر تھیبا میں ہر رات ایک عورت پلنگ پر لٹا کر اونچی لٹکا دی جاتی تھی اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ رات کے کسی حصے میں دیوتا آئے گا اور یہ اس سے لطف اندوز ہوگی، اسی طرح لیتا کے شہر تیارہ میں یہ رواج تھا کہ کسی نوجوان لڑکی کو دیوتا کے مندر میں بند کر کے باہر سے تالا لگا دیتے، اس کے بعد اس کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا وہ ناقابل بیان ہے، قدیم مصر میں عورتوں کی ایک خاص رسم بھی تھی، عقیدہ یہ تھا کہ دیوتا یا اس کے کسی نائب دیوتا کی مورتی سے چھوا جانا باعث خیر وبرکت تھا، چنانچہ اس کام کے لئے مندر کے اندر ایک مقدس بکرا پالا جاتا تھا جو دیوتا کا مظہر تھا، عقیدت مند عورتیں مندر میں جا کر اس بکرے کی خوب خدمت کرتیں، پجاریوں کو تحائف ملتے اور رشوت بھی، عورتیں بالکل برہنہ ہو کر اس بکرے کے سامنے چوپائے کی طرح اپنے آپ کو پیش کرتی تھیں، ظاہر ہے کہ بے حیائی کے اس مکروہ منظر سے مندر کے پجاری بھی خوب لطف اندوز ہوتے تھے اور ایسے شہوت انگیز ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھاتے تھے کیونکہ وہ مقدس بکرا تو عیاشی کا محض ایک ذریعہ انہوں نے بنایا ہوا تھا جس کے نام پر گندا کھیل جاری تھا، عیاشی اور فحاشی کی ان رسوم کے علاوہ مصر میں عورتوں کی حیثیت بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی، وہ عرصہ دراز تک مردوں کے بہیمانہ ظلم وستم سہتی رہیں اور کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ تھا، انہیں سر بازار عریاں کر دیا جاتا تھا، ہر خوبصورت عورت پر بادشاہ وقت اور اس کے امراء زبردستی قبضہ کر لیتے تھے، بادشاہوں اور امراء کے محلات میں سینکڑوں عورتیں ہوتی تھیں جن کے لئے آزادی سے سانس

لینا بھی دشوار تھا، دوسرے معنوں میں عورت مردوں کے لئے حسین وجمیل کھلونے کا کام دیتی تھی، جب کسی کا عورت سے جی بھر جاتا تو وہ اسے پھر ظلم وستم کے جہنم میں دھکیل دیتا، حالانکہ عورتیں آزاد تھیں اور انہیں پورے اختیارات حاصل تھے لیکن وہ جائید اد فروخت کرنے کے حق سے محروم تھی، یہ حق صرف مردوں کو حاصل تھا، عورتوں کو دیوتاؤں کا غصہ فرو کرنے کے لئے زندہ آگ میں جلادیا جاتا تھا، یہ رسم تو آخری دور تک رہی، ہر سال اگر دریائے نیل میں طغیانی نہ آتی تو مصر کی کسی خوبصورت دوشیزہ کو بناسنوار کر دریائے نیل میں پھینک دیتے تھے، یہ رسم مصر پر مسلمانوں کے قبضے تک جاری رہی، پلوٹومیس کے زمانے تک بھائی بہنوں کی شادی کا عام رواج تھا، لیکن بعد میں یہ رسم ختم ہوگئی،، مورخ اور سیاح ہیروڈوٹس کے مطابق قدیم مصریوں میں اس بات کو سخت معیوب سمجھا جاتا تھا کہ (عورت کے نجس اور ناپاک ہونے کے عقیدے کی وجہ سے) مقدس مقامات پر عورتوں سے گفتگو کی جائے، اگر کوئی مرد غلطی سے کسی عورت سے بات کرلیتا تو اس وقت تک دوبارہ مندر میں داخل نہیں ہوسکتا تھا جب تک وہ غسل نہ کرلے۔

یونان میں عورت کی حیثیت:

یونانی اپنی تہذیب کے پر عظمت دور میں بھی طوائف کے علاوہ کسی عورت کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، گرہستی اور پاکباز عورت ان کے نزدیک ایک کمتر درجے کی انتہائی ذلیل مخلوق تھی، اگر کسی عورت کے ہاں وقت سے پہلے بچہ پیدا ہو جاتا تو اسے قتل کر ڈالتے تھے، جس وقت کسی عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو چکتا تو ملکی فوائد کے پیش نظر اسے دوسرے شخص کی نسل لینے کے لئے اس کے خاوند سے عاریتا لے جاتے تھے، مرد وصیت کے ذریعے اپنی مملوکہ عورتیں مال وراثت کے طور پر دوسروں کو منتقل کر دیتے تھے اور عورت پر مرد کے حکم کی تعمیل لازم تھی ، پر کلیزی ایتھنز میں عورتیں مکان کی بالائی منزلوں پر علیحدہ کمروں میں رہتی تھیں اور انہیں گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی، وہ تعلیم سے محروم تھیں، البتہ طوائفوں کو جو ایتھنز کے ممتاز شہریوں اور ارباب حکومت کی داشتائیں ہوتی تھیں تعلیم دی جاتی اور انہیں فنون لطیفہ سکھائے جاتے تھے، ان میں سے تھیس نامی طوائف فلسفیانہ موشگافیوں کی ماہر تھی، ایک اور طوائف لستھینیا افلاطون کی شاگرد تھی، آخری تباہی سے پہلے یونان میں طوائفیت اور قحبہ گری کو مذہبی تقدس کا درجہ نصیب ہوا، یونانیوں میں رنڈیوں کے کم از کم چالیس نام تھے، یہ قحبہ خانوں میں برہنہ رہتی تھیں یا ایسا لباس زیب تن کرتی تھیں جس سے سارا بدن نظر آتا تھا، کیونکہ رنڈیوں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے بہت کم قیمت پر جسم بکتے اور عصمت فروشی ہوتی تھی، اعلیٰ درجے کی رنڈیاں گاہک تلاش کرنے کے لئے بازاروں میں پھرتی تھیں، وہ ایک مخصوص جوتا پہنتی تھیں جس کے نچلے حصے میں لکھا ہوتا میرے پیچھے آؤ، جب وہ چلتی تو یہ الفاظ زمین پر کندہ ہو جاتے تھے، ان میں سب سے اہم طبقہ ان رنڈیوں کا تھا جنہیں ساتھی کہتے تھے، یہ مہذب، ذہین، عقل مند اور خوبصورت ہوتی تھیں اور وہ اپنے گھروں میں رہتی تھیں اور لوگ وہیں جاتے، خواص پر ان رنڈیوں کا گہرا اثر تھا (جیسے لکھنو کی طوائفیں) تیسری قسم ان رنڈیوں کی تھی جو عبادت گاہوں میں رہتی تھیں، کورنتھ میں ایک مندر تھا جس میں کم از کم ایک ہزار لڑکیاں تھیں، اسی طرح یونان کے تمام شہروں کے مندروں کا یہی حال تھا، رنڈیوں اور قحبہ خانوں پر جو ٹیکس لگائے جاتے وہ مندروں پر خرچ کیے جاتے تھے، آزادانہ میل جول اور زنا کاری کی عام اجازت تھی، اسے کوئی گناہ یا برائی نہ سمجھتا، اسے کھانے پینے کے عمل

کی طرح سمجھا جاتا تھا شادی اور نکاح کو غیر ضروری قرار دے دیا گیا، کام دیوی جو خوبصورتی اور محبت کی دیوی سمجھی جاتی تھی کے نام سے عریاں عورت کی پرستش ان کا معمول ہو گیا، حالانکہ عملی زندگی میں وہ عورت کو شیطان سے بھی زیادہ بر تر سمجھتے تھے، کورنتھ کے باشندے جب کام دیوی سے مرادیں حاصل کرنا چاہتے تو وہ اپنی کئی خوبصورت کنیزوں کو مندر کے لئے وقف کر دیتے، اپریل اور مئی میں فلوریلیا دیوی کے نام پر جو آٹھ روزہ میلہ ہوتا تھا اس کا اولین مقصد عیش پرستی اور فحاشی ہوتا تھا، کسبیاں اور طوائفیں تمام مردوں کے سامنے برہنہ ہو کر انتہائی ہیجان خیز ناچ پیش کرتیں تھیں، عمل لوط کو جس کی وجہ سے اسے فنا کیا گیا تھا یونان میں دیوتائی تقدس کا درجہ دے دیا گیا کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق یونیورس دیوتا نے اختلاط کے لئے اپنی ہی جنس کا ایک فرد پسند کیا تھا، اس دیوتا کا جذبہ عشق مردانہ تھا، چنانچہ جس شخص کے دل میں اس طرح کا دیوتائی جذبہ پیدا ہوتا وہ اسلذ بالمثل کی طرف مائل ہو جاتا، عقیدہ یہ تھا کہ دیوتاؤں کی برکت سے یہ عمل انسان کو خدا سے ملا دیتا ہے (نعوذ باللہ) آبادی کو روکنے کے لئے حکیم ارسطو نے بھی لوگوں کو یہی مشورہ دیا کہ بیویوں کو چھوڑ دیں اور عمل لوط پر عمل کریں، اس سے پہلے سقراط بھی اسے مستحسن قرار دے چکا تھا، چنانچہ یونانیوں نے بالعموم عورت سے کنارہ کشی اختیار کر لی، کریٹا، تھیبا اور بقرہ میں تو لڑکوں کے ساتھ شادی کرنے کی رسم کو مذہبی طور پر تسلیم کر لیا گیا تو ردعمل کے طور پر عورتوں میں بھی ہم جنسی کی بیماری پھیل گئی، لڑکے حکومت سے باقاعدہ لائسنس لے کر پیشہ کراتے، محرم رشتوں کے بارے میں تھوڈور بیسٹر مین نے اپنی کتاب مین اگینسٹ ومن (Man Against Xoman) میں لکھا ہے کہ چچازاد بہن بھائیوں کے علاوہ چچے بھتیجیوں سے شادی کرتے تھے، چچیاں، ممانیاں، بھتیجیوں اور بھانجوں سے جنسی طور پر وابستہ ہو کر شوہر اور بیوی کی طرح رہتے تھے، ایک باپ سے ہوتے مگر دوسری ماں سے شادی کر لیتے، شادی سے پہلے زوجین کو بات چیت کی اجازت نہ تھی، پلاٹو نے یہ بات دیکھی تو اس نے سفارش کی کہ خاوند اور بیوی شادی سے پہلے دونوں ایک دوسرے کو ننگا دیکھیں، جہیز لازمی تھا، یونانیوں کا خیال تھا کہ عورتیں بد روحوں کے زیر اثر ہوتی ہیں اس لئے بہت سے مندروں میں عورتوں کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی۔

رومتہ الکبریٰ میں عورت کی حیثیت:

سترھویں صدی عیسوی میں ایک دفعہ روم کے دانشوروں، حکماء اور فلاسفروں نے عورت کی حیثیت متعین کرنے کی غرض سے ایک بڑا جلسہ منعقد کیا، جس میں روم کے تمام طبقوں کے سر بر آوردہ لوگ بھی شامل تھے، کئی روز کی بحث و تمحیص کے بعد وہ روشن خیال لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ عورت ایک بے جان قالب ہے اور اخروی زندگی میں اس کا کوئی حصہ نہیں، عورت ناپاک ہے اس کو گوشت کھانے، ہنسنے بولنے کی ہرگز اجازت نہیں، عورت کو چاہئے کہ وہ ہمیشہ (اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لئے) عبادت اور مرد کی خدمت میں مصروف رہے، اس کے بعد عورتوں کے منہ پر ایک خاص قسم کا تالا ڈال دیا گیا جسے موزلیبر کہتے تھے، عورت خواہ کیسے ہی گھرانے سے تعلق رکھتی ہو اس کے منہ پر تالا پڑا رہتا تھا۔ پھر عورت کے استحصال کے لئے عورتوں کی مکمل آزادی کا مصنوعی اور غیر فطری آزادی کا ہتھیار استعمال کیا گیا، جو تمام حدود و قیود سے بالاتر تھی، اس آزادی کی حد یہ تھی کہ ایک رومی مدبر سنیکا کے بقول عورتیں اپنی عمر کا حساب شوہروں کی تعداد سے لگاتی

تھیں، ملک کی عام وخاص عورتوں میں طوائفیت کا رجحان اس قدر عام ہوگیا کہ ٹائبریس کے عہد میں معزز خاندانوں کی عورتوں کو طوائف بننے سے روکنے کے لئے حکومت وقت کو قانون نافذ کرنا پڑا، ان دنوں رومیوں میں فلورا نامی کھیل بہت مقبول ہوا کیونکہ اس میں بالکل برہنہ عورتوں کی دوڑ ہوتی تھی، بے حیائی کا یہ عالم ہوگیا کہ عورتیں اور مرد ننگے ہو کر ایک ہی جگہ غسل کرتے تھے، اور عام طور پر طوائفیں انہیں مقامات پر ملتی تھیں، بقول پٹرونینسن فیشن زدہ عورتیں اپنے بناؤ سنگھار اور جسمانی نمائش کے لئے ایک ایسا کپڑا استعمال کرتی تھیں جس کو ہوا کا جال کہتے تھے، امراء کی بدکاری کی کوئی حد نہ تھی مورخ گبن لکھتا ہے کہ امراء شراب پیتے تھے اور عورتوں کو سر بازار چھیڑا کرتے، جس عورت کی چاہتے راہ روک لیتے، حسین باندیوں سے پیشہ کراتے تھے جو سر بازار جسم فروخت کرتی تھیں رنڈیوں کے عروج کا یہ عالم تھا کہ شاہی تخت پر بیٹھ کر بدمعاشوں، اوباشوں اور لٹیروں کی سرپرستی کرتی تھیں، تھیوڈورا مشہور فاحشہ عورت تھی جس نے تخت شاہی پر بیٹھ کر لرزہ خیز مظالم روا رکھے، عورتوں کو گھوڑوں سے باندھ کر گھسیٹا جاتا، انہیں ستونوں سے باندھ کر چاروں طرف آگ روشن کی جاتی جس سے ان کے جسموں کا گوشت گل گل کر گرتا تھا، فاوا یٹینا جو پائیس کی بیٹی اور مار کوئیس کی بیوی تھی، حسن میں بے مثال اور کارناموں میں شہرت یافتہ تھی، پوری سلطنت میں مار کوئیس ہی ایک ایسا آدمی تھا جو اپنی بیوی کی بوالہوسی اور شہوت پرستی سے ناواقف تھا لیکن اس کی بیوی بدکار تھی ،وہ تاریخ میں بدنام ہوگیا، اس عورت نے اپنے تیس سالہ دور اقتدار میں اپنے بے شمار چاہنے والوں کو بلند مناصب عطا کیے، روم میں اسے خوسینہ کی دیوی کا درجہ دیا گیا، اسے مندروں میں جیوپٹر کی بیوی اور زہرہ دیوی کے مجسموں میں ظاہر کیا جاتا تھا، یہ حکم جاری کیا گیا کہ تمام نوجوان جوڑے شادی کے وقت اس پاک دیوی کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کریں (ہسٹری آف ڈیکلائن اینڈ فال آف رومن ایمپائر) اپنے عہد اقتدار (۱۸۹ء) میں کموڈوس کا پورا وقت تین سو خوبصورت عورتوں اور اتنے ہی ہر صوبے سے لائے گئے لڑکوں میں گزرتا تھا، جب اس کے لئے لواطت میں بھی کشش باقی نہ رہی تو اس ظالم نے ظلم و تشدد کو شعار بنالیا، شہنشاہ گابلیس (۱۶۷ء) کے پاس ان گنت داشتائیں تھیں اور بے شمار بیویاں تھیں، ان میں سے ایک ایسی عورت بھی تھی جسے اس نے ایک مقدس خانقاہ سے جبراً اغوا کیا تھا، وہ جن عورتوں کو ملکہ کا درجہ دیتا تھا انہیں بھی اپنے چاہنے والوں کو بخش دیتا تھا، روم کے معززین بے حد عیاش تھے جو ہر وقت طوائفوں اور غلاموں میں گھرے رہتے تھے یونان میں عروج کے دور میں بیسوانے جو مقام حاصل کیا تھا وہی مقام روم کی طوائفوں نے عیسائیت قبول کرنے سے پہلے حاصل کر لیا تھا، عورت مکمل طور پر آزاد اور خود مختیار مگر پرلے درجے کی بدکار اور بے حیا تھی، ایک ایک عورت بیس بیس مردوں سے رشتہ مناکحت استوار کر لیتی تھی، گبن روایات روما میں لکھتا ہے کہ اگر عورت بیس بیس مردوں سے شادی رچالیتی تو مرد بھی ان سے پیچھے نہ تھے، نکاح کی حیثیت رسمی تھی، زناکاری عام تھی، عریانی اور فحاشی تمام حدیں توڑ چکی تھی، تھیٹروں کا شوق بے حد بڑھ چکا تھا، جن میں بالکل ننگی عورتیں حصہ لیتی تھیں، جنسی تعلق ایک تماشا بن چکا تھا، بڑے بڑے پادریوں کے تہ خانوں میں ہزاروں خوبصورت کنواری لڑکیاں تھیں، رومی اپنی بیویاں وصیت کے طور پر دوسروں کو دے دیتے، رومیوں میں ایک تہوار باناڈیو (Bona Deo) خاص طور پر عورتوں کا تہوار تھا، دراصل یہ ہر قسم کے خبیث اور گندے مردوں اور عورتوں کے ملاپ کا دن تھا، لوگ اس حد تک گر جاتے تھے کہ تہذیب اور شرافت کے تقاضے اسے بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتے، عیسائیت قبول کرنے کے بعد بھی شہوت پرستی، زناکاری اور بداخلاقی ان کا معمول بن چکی تھی، گبن نے اسکندریہ کی ایک معزز

اور خوبصورت عورت کا حال لکھا ہے کہ پادریوں نے اس کی گاڑی روک کر اس کے کپڑے پھاڑ دیئے، اسے بازار میں ننگا کر کے بڑی ذلت سے قتل کر دیا، عیسائی عہد کے ابتدائی ایک ہزار سال میں مشرقی روم میں عورتوں کے ان اعضا کو مسخ کر دیتے تھے جو شہوت کا باعث بنتے تھے، اکثر چھاتیاں کاٹ کر ان کے جسم خراب کر دیتے، اسی ظلم کی وجہ سے پورا جسمانی نظام بری طرح متاثر ہوتا تھا بلکہ عورتوں کا ٹمپریچر تک گر جاتا اور جسمانی حالت خراب ہو جاتی۔ (بائیولوجیکل ٹریجڈی آف وومن)

ترقی یافتہ یورپ میں بدکاری اتنی عام تھی کہ والدین کو اپنی بیٹے و بیٹیوں پر اور شوہروں کو اپنی بیویوں کی نیک چلنی پر اعتماد ہی نہ تھا، مشہور کتاب وومن کے مصنف نے یہ انکشاف کیا ہے کہ بعض ممالک میں خاوند کی غیر حاضری میں اسے زناکاری سے بچانے کے لئے خاص قسم کے تالے استعمال ہوتے تھے جنہیں Girdle of Chastity کہا جاتا تھا، عیسائیت کے وسطی دور میں مقریزی نے Beja کی بعض رسوم کا ذکر کیا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ نوجوان لڑکیوں کے عضو مخصوص کی اندرونی جلد کاٹ دیتے تھے اور دونوں حصوں کو سی دیتے تھے، صرف پیشاب کرنے کے لئے جگہ چھوڑی جاتی تھی، یہ رسم عرصہ دراز تک موسواہ، حریر، سمالی، گال اور جنوبی نیل کے بعض قبائل میں موجود رہی ہے، وہ مزید لکھتا ہے کہ یورپ میں ہمارے امراء کے آباؤ اجداد اپنی بیویوں کے عضو مخصوصہ پر خاص قسم کے تالے لگا کر جاتے تھے، صلیبی جنگوں اور دوسری مہمات میں اس کا استعمال عام تھا، ویانا کے سلاح گھر میں پیداوار کے گورنر کرارے کے خلاف پیش ہونے والا ایک آلہ موجود ہے، یہ شخص ۱۴۰۵ء میں تھا، یہ آلہ اس کے جرم کے ثبوت کے طور پر پیش کیا گیا تھا اور سینٹ نے اسے قید کی سزا دی، یہ صرف اٹلی میں عام نہیں تھا بلکہ فرانس میں بھی عام استعمال ہوتا رہا ہے، یہ تالے نہایت نفیس طریقے سے بنائے جاتے تھے سب سے پہلے اسے ہنری دوم کے عہد میں شروع کیا گیا، ایک تاجر نے سینٹ جرمین کے میلے میں یہ آلہ پیش کیا اور اسے محافظت عفت کا نام دیا، اس وقت تو یہ مقبول نہ ہوا بلکہ خفیہ طور پر استعمال ہوتا رہا مگر بعد میں فرانس میں اس کا عام رواج ہو گیا، اکتوبر ۱۹۳۳ء میں نیوزی لینڈ کی ایک لڑکی کو اسی جرم میں پکڑا گیا، دسمبر ۱۹۳۳ء میں لیگ آف اویکنڈ میگ بارز نے اپنے قومی پروگرام میں شق ۱۹ شامل کی کہ ہنگری کی تمام وہ لڑکیاں جن کی عمریں بارہ سال سے زیادہ ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں کو یہ تالا استعمال کرنا چاہیے اور لڑکوں کی حفاظت ان کے والدین کریں، ان تالوں کا استعمال کسی نہ کسی صورت میں ۱۹۳۳ء تک جاری رہا مگر اصل بیماری کا علاج ثابت نہ ہو سکے۔

قدیم ایران میں عورت کی حیثیت:

ایران میں زرتشت مذہب رائج تھا، یہ لوگ دو خداؤں کو تسلیم کرتے تھے ایک نیکی کا اور ایک بدی کا خدا، یہ لوگ آگ کی پرستش کرتے تھے، پارسیوں کی مقدس کتاب اے زرتشر میں درج ہے، میں تجھ سے کہتا ہوں کہ رینگنے والے سانپوں، مارنے والے بھیڑیوں سے اس مادہ گرگ سے جو کھلے بندوں چھاپہ مارتی ہے اس مینڈکی سے جو اپنے بچوں کو لے کر پانی میں کودتی ہے ان سب سے زیادہ اس مخلوق (عورت) کو تباہ ہونا چاہیے، اسی فلسفہ کے تحت ایک عرصہ دراز تک عورت مجبور و بے بس قیدیوں کی زندگی بسر کرتی رہی، تاریخ سے ثابت ہے کہ ایرانی عورتوں کو ہمیشہ بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، ایران میں عورتوں کی عیاری، مکاری، بدچلنی اور بے وفائی ضرب المثل کا درجہ رکھتی

تھی، بیوی کی حیثیت کنیز سے بھی بدتر تھی، شوہر جسے چاہتا بخش دیتا تھا، قدیم دور میں ایرانی بہن اور بیٹی تک سے شادی کر لیتے تھے، ان کے نزدیک ایسا کرنے سے گناہوں کا کفارہ ادا ہوتا تھا اور سوسائٹی میں ان لوگوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، چنانچہ کئی ساسانی بادشاہ ایسے تھے جنہوں نے اپنی حقیقی بہنوں سے شادیاں کر رکھی تھیں اور اس پر فخر کرتے تھے، خسرو پرویز کے محل میں تین ہزار سے زیادہ عورتیں ایسی تھیں جن سے بادشاہ جنسی تمتع کرتا تھا۔

قدیم ہندوستان میں عورت کی حیثیت:

ہندوستان بھی عورت کی تذلیل اور اس پر ظلم وستم میں کسی سے پیچھے نہ رہا، جینی ہندو جین مت کو سب سے پرانا مذہب قرار دیتے ہیں، ان کے مہابیر سوامی کے نزدیک عورتیں بدی اور فساد کی جڑ ہیں، ان کے نزدیک مردوں کے گناہوں کا سبب صرف عورت ہے اور عورت انسان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، مرد کو چاہئے کہ عورت سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے، نہ اس کی طرف دیکھے، نہ اس سے بات کرے اور نہ اس کا کوئی کام کرے، ڈگمبر جینی تو عورت کی نجات ہی کے قائل نہیں، ان کی نجات صرف اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ وہ آئندہ یعنی دوسرے جنم میں مرد پیدا ہوں، بدھ مت کی تعلیم یہ ہے کہ عورت بدی کا سرچشمہ ہے اس کے لئے نجات نہیں، اس سے الگ رہنا ہی نیکی ہے، مہاتما بدھ نے عملی طور پر اپنے پیروکاروں کے لئے اپنی مثال قائم کی، منو مہاراج نے اپنی سب سے قدیم منوسمرتی میں عورت کو جس کی کوکھ سے وہ خود پیدا ہوئے عورت کی حیثیت کو یوں بیان کیا ہے، عورت کی ہستی اولاد پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، اس کی نجات اسی میں ہے کہ اپنی زندگی مرد کی خدمت کرنے میں فنا کر دے، عورتوں کا کوئی الگ یکیہ نہیں، نہ عبادت اور نہ برت، خاوند کی سیوا کرنا ہی اس کا دھرم ہے، چنڈال، مرغ، کتا اور حائضہ عورت کے سامنے کوئی برہمن کھانا نہ کھائے، حائضہ عورت کا بنایا ہوا یا چھوا ہوا بھوجن یعنی کھانا نہ کھایا جائے، چمار، نٹ، درزی، لوہار اور ایسی عورت جس نے دوسرا شوہر کر رکھا ہو اس کے گھر کا کھانا حرام ہے، عورت بچپن میں والدین، جوانی میں خاوند اور بڑھاپے میں اولاد کے اختیار میں ہوتی ہے، عورت کو کبھی خود مختیار بنا کر نہ رکھا جائے، عورت کے لئے قربانی اور برت لازمی نہیں صرف شوہر کی اطاعت کافی ہے، عورت دوسری شادی نہ کرے اور خاوند کے بعد باقی زندگی بہت کم غذا پر بسر کرے، عورتوں کی عقل کبھی ایک حالت پر نہیں رہتی اس لئے ان کی گواہی کو قبول نہیں کیا جاسکتا، جھوٹ بولنا عورت کی فطرت ہے، چانکیہ برہمن کا ضابطہ اخلاق کہتا ہے کہ دریا، سینگ والا جانور، بادشاہ اور عورت پر اعتماد کرنا ٹھیک نہیں، عورتوں میں سات عیب فطری طور پر پائے جاتے ہیں، جھوٹ بولنا، بغیر سوچے کام کرنا، مکر وفریب، بے وفائی، طمع، ناپاکی اور بے رحمی کے سات عیب ان کی فطرت کا حصہ ہیں، شیریں بیانی عالموں سے، جھوٹ قمار بازوں سے اور مکاری عورتوں سے سیکھنی چاہئے، تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر اور زہریلے سانپ ان میں کوئی اتنا خطرناک نہیں جتنی عورت۔

قدیم ہندوؤں میں آٹھ اقسام کی شادیاں ہوتی تھیں۔

براہم شادی۔ نیک سیرت میاں بیوی باہمی رضامندی سے شادی کریں۔

دیوشادی۔ بڑے یگ میں داماد کو زیور سے آراستہ لڑکی دینا۔

ارش شادی۔ دولہا سے کچھ لے کر شادی کرنا۔

پرجاپت شادی۔ دھرم کی ترقی کے لئے بیاہ کرنا۔

آشرشادی۔ دولہا دلہن کو کچھ دے کر بیاہ کرنا۔

گاندھرپ شادی۔ باقاعدہ ملاپ ہونا۔

راکشش شادی۔ مکر وفریب یا اغوا کر کے شادی کرنا۔

پیشاج شادی۔ سوئی ہوئی، شرابی یا پاگل لڑکی سے زبردستی کرنا۔ (سیتارتھ پرکاش)

منوسمرتی ادھیائے ۹ نمبر ۵۹ کا خلاصہ بھی یہی ہے۔ برہمنوں کے ہاں نیاگ کا رواج تھا، اگر کسی عورت سے اولاد نہ ہو تو وہ اپنے شوہر یا خسر کی اجازت سے کسی رشتہ دار یا دیور یا کسی اور سے رجوع کرے، ہندو دھرم میں نیوگ کا سلسلہ بہت وسیع ہے، البیرونی نے اپنے سفرنامے الہند میں لکھا ہے کہ کم سن لڑکیاں مندروں میں کسبیاں اور دیوداسیاں بنتی ہیں، پجاری عورتوں اور دیوداسیوں کی اخلاقی پستی حد درجہ شرمناک ہے، ہندو تمام قسم کی بد اخلاقیاں مذہب کے نام پر کرتے ہیں، ان میں ننگی عورتوں اور مردوں کی پوجا کی جاتی ہے یہ لوگ شراب پی کر اتنے بدمست ہو جاتے ہیں کہ انہیں ماں، بہن اور بیٹی میں بھی تمیز نہیں رہتی اور کئی لوگ اپنی عورتیں جوئے میں ہار دیتے ہیں، عملی طور پر ایک ایک عورت کے بیک وقت کئی شوہر ہوتے ہیں اور بیوہ عورتیں سب کی مشترکہ ملکیت خیال کی جاتی ہیں، بے اولاد عورتیں غیر مردوں کے پاس جاتی ہیں اور عورتوں کی باقاعدہ خرید وفروخت ہوتی ہے، راجاؤں کے محلات میں اتنی عورتیں ہوتی ہیں کہ ان سے پوری بستی آباد ہو سکتی ہے، مزید لکھا ہے کہ شادیاں کم عمر میں ہوتی ہیں، مرد کو کثرت ازواج کا اختیار ہے مگر عورت یا مرد کو طلاق دینے یا لینے کی اجازت نہیں ہے، بیوہ عورتوں کی شادی ممنوع ہے، جب کسی کا خاوند مر جائے تو اسے یا تو تمام عمر بیوہ رہنا پڑتا ہے یا وہ خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جل جاتی ہے کیونکہ بیوگی کی حالت میں اس سے تمام عمر بدسلوکی ہوتی ہے اور اسے منحوس خیال کیا جاتا ہے۔ ۷۳۴ ہجری میں جب ابن بطوطہ ہندوستان آیا تو اس نے ہندو عورتوں کی ستی ہونے کی رسم کو بڑی حیرت اور عبرت کی نگاہوں سے دیکھا اس نے اپنے سفرنامے میں ستی کے کئی واقعات کا ذکر کیا ہے، کئی مرتبہ اس نے خود جا کر عورتوں کے ستی ہونے کا المناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا، ۱۸۱۳ء میں وائسرائے نے ضمنی طور پر رسم روکنے کا قانون جاری کر دیا، ۱۸۱۵ء میں مزید دفعات کا اضافہ ہوا، آخر ۱۸۱۷م ء میں آخری اور حتمی قانون نافذ ہوا، اس کے بعد ۱۸۱۸ء میں جب حکومت نے جائزہ لیا تو معلوم ہوا ۱۸۱۵ء تا ۱۸۱۸ء تک ملک کے مختلف حصوں میں ۲۳۶۵ عورتوں کو زندہ جلایا گیا ہے، ۱۵۲۸ عورتیں صرف کلکتہ اور گردونواح میں جلائی گئیں، اگست ۱۸۱۸ء میں موہن رائے نے گورنر جنرل کو ستی کے خلاف یادداشت پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ ہندو لواحقین اپنی اغراض کے لئے انہیں زندہ جلا دیتے ہیں، بعض لوگ انہیں رسوں سے باندھ کر اس وقت تک لمبے لمبے بانسوں سے آگ میں دھکیلتے رہتے ہیں جب تک وہ شعلوں کی لپیٹ میں نہ آجائیں، جنہوں نے اس کے باوجود بھاگنے کی کوشش کی، رشتہ داروں نے دوبارہ انہیں پکڑ کر زندہ جلا دیا، شاشتروں کی رو سے یہ عمداً قتل کے سوا کچھ نہیں، ۱۸۲۸ء میں صرف کلکتہ شہر میں ۳۰۹ عورتوں کا زندہ جلا دیا گیا، چنانچہ اس کے بعد حکومت برطانیہ نے

قانوناً اس رسم کو ختم کر دیا۔

ہندوستان کے علاقے راجپوتانہ اور دوسرے کئی علاقوں میں لڑکیوں کو بالعموم قتل کر دیا جاتا تھا اور یہ سلسلہ بھی ستی کی طرح صدیوں سے رائج تھا، ۱۸۳۶ء میں برطانوی حکمران نے پہلی مرتبہ تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ مغربی راجپوتانہ میں دس ہزار کی آبادی میں ایک بھی لڑکی نہ تھی، مانک پور میں راجپوت معززین نے یہ تسلیم کیا کہ ان کے ضلع میں ایک صدی سے زیادہ عرصے سے ایک کے سوا کوئی لڑکی ایک سال کی عمر کے بعد زندہ نہیں رہی تاہم یہ ظلم طویل عرصے تک ختم نہ ہوسکا، کچھ عرصہ بعد دوبارہ تحققیات ہوئیں تو ایک سرکاری افسر نے یہ ثابت کیا کہ اس نے ۳۰۸ اضلاع کا دورہ کیا وہاں لڑکیوں کے قتل کا عام رواج ہے، ۱۳۶ اضلاع میں اس نے چھ سال سے کم عمر کی کوئی لڑکی نہیں دیکھی، دوسرے ۲۸ اضلاع میں اسے شادی کی عمر سے کم کوئی لڑکی دکھائی نہ دی، کچھ اضلاع ایسے بھی تھے جہاں کے باشندوں کے علم میں کوئی شادی نہ تھی، ایک ضلع میں آخری شادی اسی (۸۰) سال قبل ہوئی تھی، سب سے نمایاں حقیقت صوبہ بنارس کے ضلع میں دیکھی گئی وہاں کے باشندوں نے بتایا کہ ہمارے ہاں دو صدیوں سے کوئی شادی نہیں ہوئی، ۱۸۶۹ء میں صوبہ سرحد کے گورنر نے معلوم کیا کہ سات دیہات میں اوسطاً ایک سو لڑکیوں کے مقابلے میں ایک چھوٹی لڑکی تھی، بہرحال قدیم کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسم بد صدیوں سے جاری تھی، اور انگریز حکومت نے بتدریج بڑی مشکل سے اسے ختم کیا، صدیوں سے رواج تھا کہ وہ بچیوں کو پیدا ہوتے ہی مار دیتے تھے، مائیں فاقوں سے یا کوئی جڑی بوٹی دے کر ہلاک کر دیتیں، بنارس میں ایک مذہبی تہوار کے بعد لڑکی کو دودھ میں غوطے دے کر مار دیتے تھے، ملک کے کئی حصوں میں انہیں زندہ دفن کر دیا جاتا ہے، گھات چندریکا کے مندر میں انہیں بھینٹ چڑھا کر قتل کر دیا جاتا ان میں جوان لڑکیاں بھی ہوتی تھیں، شمسیدس کہتا ہے کہ قدیم ہندوؤں کا عقیدہ تھا کہ اگر کسی نے زندگی میں بہت زیادہ پاپ اور گناہ کیے ہیں تو دوسرے جنم میں وہ عورت پیدا ہوگا، اس فقرے کی تہ میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ عورت ایسے بدترین درجے کی مخلوق ہے کہ سزا کے طور پر پاپی مرد کو عورت بنا کر دنیا میں پیدا ہونا پڑے گا، بنگال میں عورتیں بدترین قسم کی سماجی غلامی کی زندگی بسر کرتی تھی، بہترین صفات رکھنے والی عورت سے بھی اگر خاوند کسی بات پر ناراض ہوجاتا تو وہ اسے کسی بھی وقت کسی دوسری عورت پر قربان کر دیتا تھا، ہر شادی شدہ عورت کی زندگی خاندان میں بالکل غیر محفوظ تھی، عورتیں عموماً المناک زندگی بسر کرتی تھیں۔

دیر کٹیلر نے اپنی کتاب اے ہسٹری آف کاسٹ ان انڈیا میں لکھا ہے کہ کرشن کے زمانے میں عورتیں آزاد تھیں، ہندوؤں کی تین ہزار گوتیں تھیں صرف برہمنوں کی آٹھ سو سے زیادہ گوتیں تھیں، بہت سے لوگ دوسری ذات میں شادی نہیں کرتے تھے، منو دھرم شاستر کے مطابق اگر ایک آدمی کی پہلی بیوی ہو اور وہ کسی سے مانگی ہوئی رقم سے دوسری شادی کرتا تو دوسری بیوی کی اولاد رقم دینے والے کی تصور ہوتی، حائضہ عورت سخت پلید ہوتی، اس کی نظریں اور آواز بھی پلید ہوتی، اگر کوئی برہمن شودر عورت کو بیوی بنائے تو مرنے کے بعد دوزخ میں جائے گا، اس کا بچہ برہمن نہ کہلا سکے گا بلکہ اس کے لمس اور سانس تک میں نجاست ہوتی ہے، نیچ ذات کی عورتیں اونچی ذات کے مردوں سے شادی نہیں کرسکتی تھیں، اگر کوئی عورت اپنی یا اپنے رشتے دار کی عظمت یا بلندی پر فخر کرے تو وہ بطور بیوی جرم کرتی ہے، بادشاہ یا راجہ کو اختیار ہے

کہ اسے کتوں کے آگے ڈال دے، جو شخص اپنے استاد کی بیوی سے ناجائز تعلق رکھے گا اس کا عضو مخصوص کاٹ دیا جائے گا اور عورت ہو تو لوہے کے تپتے ہوئے مجسمے سے لپٹ کر مر جائے۔

ہندوستان بھر کے بڑے بڑے مندروں میں حسین و جمیل جوان لڑکیاں مندروں کے لئے وقف ہوتی تھیں جنہیں دیو داسیاں کہا جاتا تھا، ویوفشر وارنک نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ صرف مدراس پریذیڈنسی میں تقریباً بارہ ہزار دیو داسیاں ہیں جن کی خدمات مندروں تک محدود ہیں، شمیدس نے لیمارے کے حوالے سے بتایا کہ صرف بمبئی اور بنگال کے صوبوں میں کرشن کے پجاری خاص طور پر دیہات میں رات کو جمع ہوتے اور کرشن کو بیوں کا سوانگ رچاتے، یہ کھیل جب نکتہ عروج تک پہنچ جاتا تو شہوت رانی کے مناظر تمام اخلاقی حدوں کو پھاند جاتے، لیمارے نے ایک بھگت فرقے کا ذکر کیا ہے جو بائیں ہاتھ کو متبرک سمجھتے تھے، وہ بائیں ہاتھ کی رسم کے موقع پر مردوں اور عورتوں کو ذات پات کے امتیاز کے بغیر اکٹھا کر لیتے اور خفیہ اجتماعات میں پہلے خوب کھاتے پیتے اور شراب سے بدمست ہوتے پھر عورت کے روپ میں ایک دیوی شکتی کی پوجا کرتے یہ عورت عام طور پر ان میں سے ہوتی، اسے مادر زاد برہنہ کر کے ایک لڑکی کو تخت پر بٹھا دیتے اور ایک آدمی زنا کاری سے قربانی کی ابتدا کرتا پھر عام جوڑے یہی کام شروع کر دیتے اور یہ وبا سب میں پھیل جاتی، وہاں موجود ہر جوڑا شیوا اور شکتی کی نمائندگی کرتا، ان جیسا بہروپ بھر لیتا، ایک شکتی فرقے کے متعلق شمیدس نے لکھا ہے کہ یہ کنچولی پنتھ ہے، اکثر مذہبی تقاریب میں عورتیں اور لڑکیاں اپنے شلوکے ایک صندوق میں ڈال دیتی ہیں جو گورو کی حفاظت میں رہتا ہے، تقریب کے خاتمے پر ہر مرد صندوق سے ایک شلوکا نکال لیتا ہے، وہ شلوکا جس عورت کا بھی ہو وہ خواہ اس کی بہن ہی کیوں نہ ہو وہ عورت رات بسر کرنے کے لئے اس کی ساتھی بن جاتی، ایک اور سیاح مصنف جولی (Jolly) نے پونا میں پاروتی دیوی کے مندر میں جو پہاڑ کی ترائی میں ہے دیکھا کہ یہاں عورتیں لنگ پوجا کرتی ہیں، وہ پھول چڑھا رہی تھیں اور اپنے ماتھوں پر سندور کا نشان لگا رہی تھیں، ہندوستان کے جنوب اور جنوب مشرق مثلاً مجمع جزائر میں مردانہ جنسی عضو کی عام پرستش ہوتی تھی، جزیرہ جاوا میں بھی اس کا عام رواج تھا، شمیدس کہتا ہے کہ بمبئی میں ہنومان کے مندر میں عورتیں بالکل برہنہ ہو کر جاتی ہیں اور اولاد کی خاطر دیوتا سے بغل گیر ہوتی ہیں، انفسٹن کی تاریخ تاریخ ہند حصہ اول کے مطابق تقریباً ایک ہزار قبل مسیح میں ایک ایسا مذہب پیدا ہو گیا تھا جو صرف خواہشات نفس پر مبنی تھا، اس میں شراب پی کر پوجا کی جاتی تھی، ایک برہنہ مرد کے ہاتھ میں تلوار دے کر اس کو مہادیو اور ایک مادر زاد ننگی عورت کو دیوی قرار دے کر زن و مرد کی پوجا کی جاتی تھی، پھر نشے میں بدمست ہو کر جو عورت بھی سامنے آتی خواہ وہ بہن ہو بیٹی ہو بہو یا ماں ہو اس کے ساتھ زنا کاری میں مصروف ہو جاتے، ایسے مظاہرے ہندوؤں میں عام تھے لیکن یہ سب کچھ مذہب کے نام پر روا رکھا جاتا تھا، اس کے علاوہ ایک خاص لفظ سماگم مقرر کیا گیا تھا یعنی یہ زنا کاری اور ہم بستری کی دعوت تھی جسے بہت کم رد کیا جاتا تھا، بنگال سے گجرات تک جسے بلہرا کہتے تھے شادی شدہ عورتوں کے سوا سب سے عارضی تمتع کی اجازت تھی، خواہ وہ بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی یا کوئی اور قریبی رشتہ دار ہو۔[1]

بقول ابن بطوطہ مالدیپ کے لوگ ایک دوشیزہ کو آراستہ و پیراستہ کر کے سمندر کے کنارے مندر میں چھوڑ آتے تھے تا کہ سمندر سے

[1] نزہت المشارق ۱/۸۹

برآمد ہونے والا عنقریب اسے کھاجائے۔

چین میں عورت کی حیثیت:

ہندوؤں کی طرح چینی معاشرے میں اصولی طور پر عورت کا کام صرف مرد کی غلامی تھا، جس طرح ایک ہندو بیوی اپنے شوہر کو اوتار سمجھتی ہے اور ایک بت سمجھ کر اس کی پوجا کرتی ہے اسی طرح چین میں عورت کا حال تھا، لڑکیوں کے پاؤں میں بچپن سے ہی لوہے کے جوتے پہنا دیئے جاتے تھے اور اس رواج کی اخلاقی مصلحت یہ بتائی جاتی ہے کہ عورت کے پاؤں میں پڑا ہوا لوہے کا جوتا در اصل یہ بتاتا ہے کہ اس کے پاؤں صرف گھر کی چار دیواری میں چلنے پھرنے کے لئے بنے ہیں، باہر اس کا کوئی کام نہیں، بچپن کی شادی کا رواج عام تھا، عورت کو شوہر کے انتخاب کا کوئی حق نہیں تھا، داشتائیں اصل بیویوں کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہتی تھیں، اور ان کے بچے برابر کے حقوق حاصل کرتے تھے ، چین کی ابتدائی تاریخ میں کشتیوں میں رہنے والی لڑکیاں عام طور پر طوائفوں کا کردار ادا کرتی تھیں، کہا جاتا ہے کہ ایسی لڑکیاں عموماً یونان سے آتی تھیں، باپ کو گھریلو امور یا قحبہ گری کے لئے بیٹی فروخت کر دینے کی اجازت تھی اور اکثر غریب لوگ لڑکیوں کو فروخت کر دیتے تھے، عورت کو ہر حال میں مرد کی جائیداد کا درجہ حاصل تھا، خاوند بیویوں کو بیچ دیتے تھے عورت کو تعلیم دینا کفر تھا، بقول نیر چینی عورت گواہی نہیں دے سکتی تھی۔

جاپان میں عورت کی حیثیت:

ہندوستان کی طرح جاپان میں جہیز کی لعنت پوری شدت سے موجود تھی، اس لئے جاپان میں لڑکیاں اپنا جہیز بنانے کے لئے پیشہ کرتی تھیں اور ان کے والدین اس سلسلے میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، ہندوؤں کی طرح ان میں پردے کا رواج بھی نہیں تھا اور شرم وحیا جو مشرقی ممالک میں عورت کا زیور سمجھا جاتا ہے برائے نام تھا، جاپانی عورتیں دوسروں کے سامنے بلا تکلف برہنہ ہو جاتی تھیں اور اسے معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا حتی کہ مردوں کے سامنے بھی عریاں حالت میں آجاتی تھیں، طویل عرصہ تک حماموں، حوضوں اور دوسرے مقامات پر مرد اور عورت مادرزاد برہنہ ہو کر نہاتے تھے اگر کوئی شخص لنگوٹ یا کوئی اور لباس پہن کر نہانا چاہے تو اسے سختی سے روک دیا جاتا تھا، اس طرح عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کے روزمرہ واقعات حد سے تجاوز کر گئے، پھر بڑے بڑے شہروں میں مردوں اور عورتوں کے نہانے کا الگ الگ انتظام کیا گیا، اس کی نوعیت یہ تھی کہ درمیان میں ایک دیوار حائل کر دی جاتی اور بعض اوقات رسی تان کر پردہ کر دیا جاتا، اگر نہانے کے دوران کوئی مرد کسی عورت سے ملاقات کے لئے آجاتے تو وہ کپڑے پہننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی تھی بلکہ ننگ دھڑنگ باہر آجاتی تھی خواہ ملاقاتی باپ ہو، بھائی ہو یا کوئی اجنبی، عورت کا سینہ جس کے ساتھ پوری دنیا میں شرم وحیا کے زبردست جذبات وابستہ رہے ہیں اور اب بھی ہیں لیکن جاپان میں ان تمام پابندیوں سے آزاد تھا، عورتیں انتہائی بے حیائی سے اس طرح سینہ کھول لیتی تھیں جیسے ہمارے ہاں ہاتھ اور پاؤں کھولتے ہیں، حماموں میں مرد اور عورتیں مالش کرنے کا کام کرتے تھے، اسکولوں کے معائنے کے وقت لڑکیاں اور لڑکے قطار باندھ کر ناف تک ننگے کھڑے ہو جاتے تھے لیکن ایک دوسرے کا بوسہ لینا معیوب سمجھتے تھے۔ (جاپان ان دی ورلڈ ٹوڈے، پورٹر)

بقول کریسلٹ اگر والدین کے ذرائع آمدنی محدود ہوں تولڑکی یہ ایثار کرتی ہے اور یہ عام ہے کہ وہ اپنے والدین کی رضامندی سے طوائف بن جاتی ہیں، اس مقصد کے لئے وہ اپنانام تبدیل کر لیتی ہے اور جب (معینہ مدت تک) کسی قحبہ خانے میں رہتی ہے اسی نام سے اسے پکارا جاتا ہے، جاپان کی لڑکیاں بلکہ بیویاں تک معینہ عرصے کے لئے قحبہ خانوں میں بک جاتی تھیں اور اتنا عرصہ انہیں وہیں رہنا پڑتا تھا، تاریخ بتاتی ہے کہ کسی زمانے میں کھلم کھلا مردانہ جنسی عضو کی پرستش (لنگ پوجا) ہوتی تھی، انیسویں صدی میں امریکی سیاح یہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے ،خصوصیت کے ساتھ شنتو مذہب کے پرانے مندروں میں دیوتاؤں کے بت اس طرح بنائے جاتے تھے جس میں مردانہ جنسی عضو مکمل ایستادگی کی حالت میں ہوتے تھے۔

برطانیہ اور امریکہ کی عورتیں:

قدیم زمانہ میں برطانوی عورتیں دائرہ نما کچے گھروں کے اندر محبوس رہتی تھیں، گھروں پر تنکوں کی چھت ہوتی تھی، عیسائیت اختیار کرنے سے پہلے ان کا مذہب ادہام پرستی اور مظاہر قدرت کی پرستش تھا، بعض مقدس رسومات میں عورتیں بالکل برہنہ آتی تھیں، ان کے جسموں پر سبزیوں وغیرہ کے سیاہ نشانات بنے ہوتے تھے، ذریوز انہیں دیوتاؤں کے حضور قربانی کے لئے بھی پیش کرتے تھے، برطانوی تہذیب کی تاریخ میں بتایا ہے کہ عیسائیت سے پہلے برطانوی مرد عموماً دس اور بارہ کے درمیان مشترکہ بیویاں رکھتے تھے، یہ اشتراک عموماً باپ اور بیٹوں کے درمیان ہوتا تھا، کسی عورت کے بچے اس شخص کے تصور کئے جاتے جس سے وہ سب سے پہلے ہم بستر ہوئی، ٹیوٹن اور ناروک کونسلوں میں خاوند کے ساتھ جل مرنے کا رواج عام تھا، خاوند کو بیوی فروخت کر دینے کا حق حاصل تھا اور تقریباً دو صدیاں پہلے تک انگریزی قانون بیویوں کو فروخت کرنے کی اجازت دیتا تھا، ۱۸۰۱ء میں ایک بیوی کی قیمت صرف چھ پینس تھی جس سے عورت کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوسکتا ہے، فروخت کنندہ اقرار کرتا تھا کہ آئندہ اس کا اپنی بیوی پر کوئی حق نہ ہوگا، ۱۷۶۴ء میں ہرڈم فیئر کے ایک شخص نے ایک بیل کے عوض اپنی بیوی کی پیشکش اس شرط پر کی تھی کہ چراگاہ میں وہ بیلوں کے ریوڑ سے اپنی مرضی کا بیل حاصل کرے گا، چرواہے نے یہ شرط منظور کر لی ،بیوی بھی رضامند ہوگئی، چنانچہ اس شخص نے شارع عام اپنی بیوی کے گلے میں باقاعدہ پٹہ ڈال کر اسے چرواہے کے حوالے کیا اور اس نے بیل چھ گنی قیمت میں فروخت کر دیا، ایک شخص نے اپنی عورت ایک شلینگ کے عوض فروخت کر دی، فری برج کے ایک شخص سمتھ نے اپنے گاؤں سے بہت دور ایک مقام پر اپنی بیوی کو نیلام کے لئے پیش کر دیا، بولی بارہ پنس سے شروع ہوئی اور گیارہ شلینگ پر ختم ہوئی، خریدار جب عورت کو لے کر جا رہا تھا تو لوگوں نے اس پر کیچڑ اور برف کے گولے پھینکے، ۱۸۰۶ء میں ایک شخص تھروچی نے اپنی بیوی کو اس دن فروخت کر دیا جب سینٹ ویلنٹائن کا دن منایا جا رہا تھا، لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے نیلام روکنا پڑا لیکن وہ شام کو پھر بازار میں لے آیا اور ایک شخص کے پاس جو اس کا کرایہ دار رہ چکا تھا بیس گنی میں فروخت کر دیا، اس مارکیٹ کی رپورٹ کے مطابق ایک عورت کی زیادہ سے زیادہ قیمت پاکستان کے ڈیڑھ روپے کے برابر ہوتی تھی، عام دستور تھا کہ شادی کے بعد تمام دلہنیں مادرزاد برہنہ رہتی تھیں، اینگلو سیکسن قوم میں اگرچہ نکاح کا کوئی خاص قانون نہ تھا مگر زناکاری کی سزا بہت سخت تھی، عورتوں کا ہجوم ڈنڈے، چھریاں لے کر حملہ کر دیتا اور ایسی عورت

کی تکا بوٹی کر دیتا اور اس کا چاہنے والا بھی قتل کر دیا جاتا اور لاشیں جلا دی جاتیں، یتیم لڑکیاں جاگیر داروں کے رحم و کرم پر تھیں، وہی ان کے لئے خاوند تلاش کرتے، انکار کی صورت میں لڑکی کو اتنا روپیہ ادا کرنا پڑتا جتنا مالک طلب کرتا، وہ مزارعین کی لڑکیوں کی شادی پر ٹیکس وصول کرتے تھے، یہ لوگ بھی اوہام پرستی کے شکار تھے اور عورت کو منحوس تصور کرتے تھے، انسائیکو پیڈیا آف سپر سٹشن کے مصنف ایم اے ریڈفورڈ کے مطابق اگر کوئی ماہی گیر اپنی کشتی کی طرف جاتے ہوئے راستے میں کسی عورت کو دیکھ لیتا جس نے سفید ایپرن باندھ رکھا ہو تو اسے وہم ہو جاتا کہ ضرور کوئی مصیبت آئے گی اور وہ واپس آجاتا، آئرلینڈ میں مویشی مارکیٹ کی طرف جاتے ہوئے کسی عورت کو دیکھ لیتے تو اسے یقین ہو جاتا کہ وہ ضرور بدقسمتی کا شکار ہو جائے گا، جو لوگ کوئلے کی کانوں میں کام کرنے والے جاتے ہوئے کسی عورت کی جھلک نصف رات کو بھی دیکھ لیتا تو فوراً گھر واپس آجاتا، انگریزوں میں یہ مقولہ مشہور تھا کہ اونچی آواز میں بات کرنے والی عورت اور اذان دینے والا مرغ روئے زمین پر سب سے زیادہ منحوس چیزیں ہیں، کسی مہم پر جاتے ہوئے کسی عورت سے ملنا نحوست کی علامت سمجھا جاتا تھا، یہ بھی عام عقیدہ تھا کہ اگر نئے سال کی صبح کو گھر کی چوکھٹ کو سب سے پہلے عورت عبور کر جائے تو گھر کے افراد بدنصیبی سے نہیں بچ سکتے۔ جنوں بھوتوں کے قصے عام تھے، جادو عام تھا جو جادوگرنیوں کا رہین منت تھا اور چرچ اسے تسلیم کرتا تھا کہ ارواح خبیثہ عورتوں سے زنا کرتی ہیں اور بچے پیدا کرتی ہیں ،اگر کوئی عورت شیطان کا شکار ہو جائے تو اسے مار ڈالا جائے، چنانچہ تاریخ کے مطابق دس لاکھ کے قریب عورتیں زندہ جلائی گئیں یا قتل ہوئیں ، ۱۶۶۴ء تک جادوگر عورتوں کو سزائے موت دینے کے لئے عدالتیں قائم رہیں، حالانکہ کیا مرد جادوگر نہیں ہو سکتے تھے۔

قدیم افغانستان:

انفنسٹن لکھتا ہے کہ افغانستان کے مختلف علاقوں میں لڑکیاں مقررہ نرخوں پر بکتی تھیں، اور اس وقت ایک عورت کی قیمت پاکستانی سکے ساٹھ روپے کے مساوی تھی، وہ قرضوں کی ادائیگی اور جبری طور پر سرمایہ داروں اور خواتین کے پاس گروی رکھی جاتی تھی، حتی کہ تقسیم برصغیر کے بعد جب ہندو اور سکھ مہاجن اس علاقے سے نکل گئے تو ان کے گھروں سے بے شمار ایسے تمسکات برآمد ہوئے جن کے ذریعہ نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کو ان کے پاس رہن رکھا گیا تھا، گویا مجموعی طور پر عورت کی حیثیت اس خطے میں بھی جانوروں اور بھیڑ بکریوں سے زیادہ نہ تھی حالانکہ بظاہر مسلمان کہلاتے تھے۔

کوریا:

کوریا میں بھی جہاں بدھ مت کا اثر تھا عورت ہمیشہ سامان تجارت اور سامان تعیش کے طور پر صدیوں تک استعمال ہوتی رہی، ان کے کوئی ذاتی حقوق نہ تھے، ان کی اپنی کوئی شخصیت نہ تھی اور نہ عورتوں کے اپنے نام تھے بلکہ وہ اپنے باپ کے نام کی نسبت سے پہچانی جاتی تھی، مسلمانوں کے آنے سے قبل جاوا، سماٹرا اور اس کے گردونواح کے جزائر کی وہی حالت تھی جیسا کہ دوسرے ملکوں میں پڑھ چکے ہیں، عورت ذلت اور رسوائی اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہی تھی، اسے کوئی حقوق حاصل نہ تھے، وہ مردوں کے زیر فرمان تھی، اس کی شخصیت کو بطور خاص تسلیم نہیں کیا جاتا تھا، بقول کیپٹن شول ژمے عورتوں کو عبادت گاہوں میں اس وقت تک جانے کی اجازت نہ تھی جب تک وہ راہبہ نہ بن جائیں۔

غلامی:

اسلام کی پیش رو دنیا کے وہ علاقے جو تہذیب و تمدن کا گہوارہ کہلاتے تھے غلام اور آقا کے طبقوں میں تقسیم تھے، آریائی فاتحین کی تین شاخیں تین مختلف تہذیبیں پیدا کر چکی تھیں، ایک شاخ نے ہندوستان میں برہمنی تہذیب کی تخلیق کی، دوسری نے ایران میں آتش پرستی کے گرد نور و ظلمت کے تصور پر ایک عظیم الشان تہذیب کا جنم دیا اور تیسری نے یونان اور پھر رومی تہذیب کی تشکیل کی، ان تینوں تہذیبوں کی قدر مشترک یہ ہے کہ انہوں نے مفتوحہ علاقوں کے اصلی باشندوں کو غلام بنا کر معاشرے کے انتہائی ذلیل اور نچلے درجے میں جھونک دیا، ہندوستان میں مفتوحہ قومیں اور قبائل شودر بنا دیئے گئے، یونان اور پھر روم میں انہیں غلامی کی اس پستی تک میں اتار دیا گیا کہ ان کی موت آقاؤں کا کھیل بن گئی، ان کی زندگی کیڑے مکوڑوں سے بھی ارزاں ہوگئی، تمام تہذیبوں میں یہ خیال چلا آرہا تھا کہ غلامی ایک فطری چیز ہے، ارسطو جیسا فلاسفر اور حکیم بھی یہی کہتا تھا کہ غلامی ایک فطری چیز ہے اور بعض لوگ غلام ہی بننے کے لئے پیدا ہوتے ہیں اس لئے انسان نے انسانوں کو براہ راست غلام بنا رکھا تھا۔ انہیں خریدا اور فروخت کیا جاسکتا تھا، ان پر جائز و ناجائز تشدد کیا جاتا، ان کے ذمہ اتنا کام لگایا جاتا جو ان کی بساط سے باہر ہوتا، کسی نافرمانی پر اتنا تشدد کیا جاتا کہ وہ حواس باختہ ہوجاتے یا مرجاتے مگر ان کے حق میں کوئی آواز اٹھانے والا نہیں تھا۔

اسلام نے دیکھا کہ دنیا کا تمام معاشی نظام اسی لعنت کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، چنانچہ اس ماحول میں اسلام نے دنیا میں سب سے پہلے غلامی کے خلاف اپنی آواز بلند کی اور یہ قانون بنا دیا کہ غلام کو کوئی شخص زبردستی غلام نہیں بنایا جاسکتا، چنانچہ اس سلسلہ میں فرمایا

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ :قَالَ اللَّهُ: ثَلاَثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطَى بِي ثُمَّ غَدَرَ، وَرَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ، وَرَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيرًا فَاسْتَوْفَى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِ أَجْرَهُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین قسم کے لوگوں سے میں قیامت کے دن جھگڑا کروں گا ایک وہ شخص جس نے مجھ کو عہد دیا اور پھر غداری کی اور ایک وہ شخص جس نے آزاد کو غلام بنا کر فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی اور ایک وہ جس نے کسی مزدور سے اجرت پر پورا کام کرالیا مگر اس کو اجرت نہ دی۔[1]

غلام کی جان، مال اور آبرو قانون کی نظروں میں آقا کی جان و مال اور آبرو کے برابر ہے، اور مالک کی شدید بدسلوکی کی وجہ سے غلام کو عدالت آزاد کرسکتی ہے، پھر اسلام نے ایک زبردست اخلاقی تحریک شروع کی اور تلقین و ترغیب، مذہبی احکام اور ملکی قوانین کے ذریعہ غلاموں کو آزاد کر دینے یا دوسرے سے غلام کو خرید کر آزاد کر دینے کو ایک بڑے ثواب کا کام قرار دیا اور اس کے بارے میں عملی طور پر مختلف مدارج مقرر کیے اور فَكُّ رَقَبَةٍ کہہ کر غلاموں کی آزادی کو نیکی اور حصول نجات کا ذریعہ بتایا،

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝۱۰ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝۱۱ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝۱۲ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝۱۳ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝۱۴ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝۱۵ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝۱۶ [2]

---

[1] صحیح بخاری كِتَابُ البُيُوعِ بَابُ إِثْمِ مَنْ بَاعَ حُرًّا ۲۲۲۷

[2] البلد ۱۰ تا ۱۶

ترجمہ:اور دونوں نمایاں راستے اسے (نہیں) دکھادیے مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی،اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهَا عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتَّى فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غلام کو آزاد کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو آگ سے نجات دے گا۔[1]

اور بعض تقصیرات میں بطور تعزیر و کفارہ غلاموں کی آزادی کو بہترین کفارہ قرار دیا گیا مثلاً۔

اگر مقتول مسلمان ہے ایک غلام آزاد کرنا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ... ﴿۹۲﴾[2]

ترجمہ: کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے،اِلایہ کہ اس سے چوک ہوجائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کر دے۔

مقتول مسلمان مگر دشمن کے قبیلہ کا فرد ہے ایک غلام کو آزاد کرنا۔

...فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ... ﴿۹۲﴾[3]

ترجمہ:لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔

مقتول غیر مسلم ہو لیکن معاہد قوم میں سے ہو ایک غلام کو آزاد کرنا۔

...وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ... ﴿۹۲﴾[4]

ترجمہ:اور اگر وہ کسی ایسی غیر مسلم قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خوں بہادیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہو گا۔

اس کی دوسری تقصیرات میں بھی مثلاً نقض یمین ایک غلام آزاد کرنا۔

...وَلٰكِنْ یُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْكُمْ

---

[1] شعب الایمان۴۰۲۷

[2] النساء۹۲

[3] النساء۹۲

[4] النساء۹۲

اَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ اَوۡ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ ... ﴿۸۹﴾ [۱]

ترجمہ: (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو، یا انہیں کپڑے پہناؤ یا ایک غلام آزاد کرو۔

ظہار کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا۔

وَالَّذِيۡنَ يُظٰهِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآسَّا ... ﴿۳﴾ [۲]

ترجمہ: جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کریں پھر اپنی اس بات سے رجوع کریں جو انہوں نے کہی تھی تو قبل اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، ایک غلام آزاد کرنا ہوگا۔

رمضان کے روزہ کو توڑنے کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا۔

الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، وَهُوَ أَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ كَفَّارَةُ الْوَطْءِ فِي رَمَضَانَ إِعْتَاقُ رَقَبَةٍ

امام حسن بصری اور سعید بن المسیب کے قول کے مطابق روزے کی حالت میں جان بوجھ کر مباشرت کرنے والے کے لیے ایک غلام آزاد کرنا واجب الکفارہ ہے۔ [۳]

آقا غلام کو سخت مارے تو اس کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا۔

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي، فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍقَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: مَرَّتَيْنِ اللَّهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى، قَالَ: أَمَا إِنَّكَ لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَعَتْكَ النَّارُ

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (ایک بار) میں اپنے غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے آواز سنی، ابو مسعود! خیال کرو، ابن مثنی کے الفاظ ہیں میں نے یہ آواز دو بار سنی اللہ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے جتنی کہ تم اس پر رکھتے ہو، میں نے آواز کی طرف مڑ کر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، میں نے (فوراً) عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کے لئے آزاد ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو لپیٹ میں لے لیتی۔ [۴]

اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلامی سلطنت کی آمدنی کا آٹھواں حصہ غلاموں کی آزادی کے لئے مخصوص کر دیا گیا، یہ طریقے تھے جس سے اسلام نے غلامی کو گھٹاتے گھٹاتے آزادی سے جاملایا، اس کے علاوہ اسلام نے غلاموں کو اپنی آزادی خریدنے کا حق دیا۔

---

[۱] المائدة۸۹

[۲] المجادلة۳

[۳] الموسوعة الفقهية۴۴/۵۲

[۴] سنن ابوداود كتاب الادب بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ۵۱۵۹

...وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ... ﴿۳۳﴾ [1]

ترجمہ: اور تمہارے مملوکوں میں سے جو مکاتبت کی درخواست کریں ان سے مکاتبت کرلو اگر تمہیں معلوم ہو کہ ان کے اندر بھلائی ہے، اور ان کو اس مال میں سے دو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔

اس ضمن میں کسی بھی قسم کے لیت ولعل کو ہمیشہ ناپسند کیا گیا۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ مَمْلُوكًا لِرَجُلٍ مِنْ بَنِي جُنْدَعٍ فَكَاتَبَنِي عَلَى أَرْبَعِينَ أَلْفًا وَشَاةٍ لِكُلِّ أَضْحًى. قَالَ فَتَهَيَّأَ الْمَالُ فَجِئْتُ بِهِ إِلَيْهِ فَأَبَى أَنْ يَأْخُذَهُ إِلا عَلَى النُّجُومِ. فَجِئْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ: يَا يَرْفَأُ خُذِ الْمَالَ فَضَعْهُ فِي بَيْتِ الْمَالِ ثُمَّ ائْتِنَا الْعَشِيَّةَ نَكْتُبْ عِتْقَكَ. ثُمَّ إِنْ شَاءَ مَوْلاكَ أَخَذَهُ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ. قَالَ فَحَمَلْتُ الْمَالَ إِلَى بَيْتِ الْمَالِ فَلَمَّا بَلَغَ مَوْلايَ جَاءَ فَأَخَذَ الْمَالَ.

ابوسعید المقبری نے اپنے مالک سے مکاتب کی اور مدت مقررہ سے پہلے ہی مال کتابت فراہم کر کے مالک کے پاس لے گیا، مالک نے کہا میں تو وقت مقررہ سے قبل نہیں لوں گا، ابوسعید نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے جاکر شکایت کی، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے مولیٰ یرفاء کو حکم دیا کہ مکاتبت کی رقم بیت المال میں جمع کر دے اور ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا جا تو آزاد ہے، اب تیرا مولیٰ (یعنی مالک) چاہے تو یہ مال ہم سے لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے گا، جب اس کے مالک کو علم ہوا تو اس نے اپنا مال وصول کرلیا۔ [2]

دوسرا واقعہ بھی اسی نوعیت کا ہے جو زیادہ دلچسپ ہے، مشہور فقیہ اور محدث محمد ابن سرین کے والد سیرین نے اپنے آقا انس بن مالک سے مکاتبت کی درخواست کی مگر انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا، سیرین نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر شکایت کر دی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انس پر درہ اٹھایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے مکاتبت کرلو۔

عہد جاہلیت سے دماغوں میں غلامی کا جو تصور جما ہوا تھا اس کے اثر سے کبھی کبھی صحابہ غلاموں کے ساتھ برا سلوک بھی کر بیٹھتے تھے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنے معزز ترین صحابیوں کو ڈانٹا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود غلاموں پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے۔

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جو بہت قدیم الاسلام صحابی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ انہوں نے ایک عجمی آزاد غلام کو برا بھلا کہا، غلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر شکایت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ کو زجر فرمایا

إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ هُمْ إِخْوَانُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللَّهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللَّهُ أَخَاهُ تَحْتَ يَدِهِ، فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلاَ يُكَلِّفُهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا يَغْلِبُهُ فَإِنْ كَلَّفَهُ مَا يَغْلِبُهُ فَلْيُعِنْهُ عَلَيْهِ

تم میں اب تک جہالت باقی ہے، یہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے انہیں تمہاری ماتحتی میں دیا ہے، پس اللہ تعالیٰ جس کی ماتحتی میں بھی اس

---

[1] النور ۳۳

[2] ابن سعد ۵/۶۲

کے بھائی کو رکھے اسے چاہئے کہ جو وہ خود کھائے اسے بھی کھلائے، اور جو خود پہنے وہ اس کو بھی پہنائے (یعنی آقا اور غلام کو خوراک، لباس اور رہائش میں کوئی فرق روا نہ رکھا جائے) اور ایسا کام کرنے کے لئے نہ کہے جو اس کے بس میں نہ ہو، اور اگر اسے کوئی ایسا کام کرنے کے لئے کہنا ہی پڑے تو اس کام میں اس کی مدد کرے۔ [۱]

عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ غَلِيظٌ وَعَلَى غُلَامِهِ مِثْلُهُ، قَالَ: فَقَالَ الْقَوْمُ: يَا أَبَا ذَرٍّ، لَوْ كُنْتَ أَخَذْتَ الَّذِي عَلَى غُلَامِكَ فَجَعَلْتَهُ مَعَ هَذَا فَكَانَتْ حُلَّةً وَكَسَوْتَ غُلَامَكَ ثَوْبًا غَيْرَهُ، قَالَ: فَقَالَ أَبُو ذَرٍّ إِنِّي كُنْتُ سَابَبْتُ رَجُلًا وَكَانَتْ أُمُّهُ أَعْجَمِيَّةً، فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ، فَشَكَانِي إِلَى رَسُولِ اللَّهِ فَقَالَ :يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ قَالَ :إِنَّهُمْ إِخْوَانُكُمْ فَضَّلَكُمُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ، فَمَنْ لَمْ يُلَائِمْكُمْ فَبِيعُوهُ وَلَا تُعَذِّبُوا خَلْقَ اللَّهِ

معرور بن سوید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ربذہ کے مقام پر دیکھا کہ وہ فرماتے کہ میں نے ان کے اوپر ایک موٹی چادر پڑی تھی اور ان کے غلام پر بھی لوگوں نے کہا کہ اے ابوذر رضی اللہ عنہ! کاش آپ وہ چادر بھی لے لیتے جو آپ کے غلام پر ہے اور اس سے چادر سے ملا کر اپنا ایک جوڑ ا بنا لیتے اور غلام کو دوسرے کپڑے پہنا دیتے؟ راوی کہتے ہیں کہ ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک آدمی کو برا بھلا کہا اور اس کی ماں عجمی تھی تو میں نے اسے اس کی ماں سے عیب لگایا اس نے میری شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! تو ایسا آدمی ہے جس پر جاہلیت کا اثر ہے، آپ نے مزید فرمایا بلاشبہ یہ (غلام) تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے تم کو ان پر فضیلت بخشی ہے، پس جس کے ساتھ تمہاری طبیعت نہ ملتی ہو تو اسے بیچ دو لیکن اللہ کی مخلوق کو دکھ نہ دو۔ [۲]

اہل عرب چھوٹی چھوٹی باتوں پر غلاموں پر تشدد کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: كُنْتُ أَضْرِبُ غُلَامًا لِي، فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِي صَوْتًا اعْلَمْ أَبَا مَسْعُودٍقَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى: مَرَّتَيْنِ اللَّهُ أَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ، فَالْتَفَتُّ فَإِذَا هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللَّهِ تَعَالَى،قَالَ :أَمَا إِنَّكَ لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَعَتْكَ النَّارُ

ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (ایک بار) میں اپنے غلام کو مار رہا تھا تو میں نے اپنے پیچھے آواز سنی، ابومسعود! خیال کرو، ابن مثنی کے الفاظ ہیں میں نے یہ آواز دو بار سنی اللہ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے جتنی کہ تم اس پر رکھتے ہو، میں نے آواز کی طرف مڑ کر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے، میں نے (فوراً) عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کے لئے آزاد ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو لپیٹ میں لے لیتی۔ [۳]

عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَمْ نَعْفُو عَنِ الْخَادِمِ؟

---

[۱] بخاری کتاب الادب بَابُ مَا يُنْهَى مِنَ السِّبَابِ وَاللَّعْنِ۶۰۵۰

[۲] سنن ابوداود کتاب الادب بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ ۵۱۵۷

[۳] سنن ابوداود کتاب الادب بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ۵۱۵۹

فَصمَت، ثُمَّ أَعادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ، فَصمَت، فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ، قَالَ: اعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں غلاموں کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، اس نے پھر عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر خاموشی اختیار کی، جب اس نے تیسری بار عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز ستر بار معاف کیا کرو۔[1]

عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَيَّاشِ بْنِ أَبِي رَبِيعَةَ حَدَّثَهُمْ عَمَّنْ حَدَّثَهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ لِي مَمْلُوكِينَ يَكْذِبُونَنِي وَيَخُونُونَنِي وَيَعْصُونَنِي، وَأَضْرِبُهُمْ وَأَسُبُّهُمْ، فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُحْسَبُ مَا خَانُوكَ وَعَصَوْكَ وَيُكَذِّبُونَكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ. فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُونَ ذُنُوبِهِمْ كَانَ فَضْلًا لَكَ عَلَيْهِمْ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوبِهِمْ كَانَ كَفَافًا، لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ، وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوبِهِمْ، اقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ الَّذِي بَقِيَ قِبَلَكَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَبْكِي بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَهْتِفُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لَهُ؟ مَا يَقْرَأُ كِتَابَ اللَّهِ: {وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ} فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَجِدُ شَيْئًا خَيْرًا مِنْ فِرَاقِ هَؤُلَاءِ يَعْنِي عَبِيدَهُ إِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّهُمْ أَحْرَارٌ كُلُّهُمْ

عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے مروی ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا، اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میرا کہنا نہیں مانتے، میں انہیں گالیاں دیتا ہوں، مارتا ہوں سو (قیامت کے روز) میرا اور ان کا کیا معاملہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی خیانت اور نافرمانی اور جھوٹ اور تمہاری ان کو سزا دینا شمار کیا جائے گا، اگر تمہاری سزا ان کے قصور کے برابر ہوگی تو وہ برابر ہو گئے، نہ تیرا حق ان پر رہا اور ان کا تجھ پر، اور اگر تیری سزا ان کے قصور سے کم پہنچی تو تیرا حق ان پر باقی رہا اور اگر تیری سزا ان کی تقصیر سے زیادہ ہوئی تو تجھ سے زیادتی کا بدلہ لیا جائے گا وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا گریہ وزاری کرنے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے اللہ کی کتاب کو نہیں پڑھی؟ فرماتا ہے "قیامت کے روز ہم ٹھیک تولنے والے ترازو رکھ دیں گے، پھر کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا، جس کا رائی کے دانے برابر بھی کچھ کیا دھرا ہوگا وہ ہم سامنے لے آئیں گے اور حساب لگانے کے لیے ہم کافی ہیں۔" (الانبیاء ۴۷) یہ سن کر انہوں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے لئے اس سے بہتر کوئی بات نہیں پاتا کہ میں ان کو اپنے سے جدا کر دوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ رہیں کہ اب وہ سب آزاد ہیں۔[2]

حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ، قَالَ: لَطَمْتُ مَوْلًى لَنَا فَدَعَاهُ أَبِي وَدَعَانِي، فَقَالَ: اقْتَصَّ مِنْهُ، فَإِنَّا مَعْشَرَ بَنِي

---

[1] سنن ابوداودکتاب الادب بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ ۵۱۶۴

[2] مسند احمد ۲۶۴۰۱،جامع ترمذی ابواب تفسیرالقرآن بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الأَنْبِيَاءِ ۳۱۶۴

مُقَرِّنٍ كُنَّا سَبْعَةً عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَيْسَ لَنَا إِلَّا خَادِمٌ، فَلَطَمَهَا رَجُلٌ مِنَّا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَعْتِقُوهَا قَالُوا: إِنَّهُ لَيْسَ لَنَا خَادِمٌ غَيْرَهَا، قَالَ: فَلْتَخْدُمْهُمْ حَتَّى يَسْتَغْنُوا، فَإِذَا اسْتَغْنَوْا فَلْيُعْتِقُوهَا

معاویہ بن سوید بن مقرن کا بیان ہے میں نے اپنے ایک غلام کو تھپڑ مار دیا تو میرے والد نے اس کو اور مجھے بلایا اور غلام سے کہا اس سے اپنا بدلہ لو اور بتایا کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دور میں ہم بنو مقرن کے سات افراد تھے اور ہماری ایک ہی خادمہ تھی ہمارے ایک آدمی نے اس کو تھپڑ مار دیا تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا اسے آزاد کر دو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی خادمہ نہیں ہے، فرمایا چلو جب تک کوئی اور نہیں ملتی خدمت کرتی رہے جب اس سے مستغنی ہو جائیں تو اسے آزاد کر دیں۔ (۱)

عَنْ هِلَالِ بْنِ يَسَافٍ، قَالَ: كُنَّا نُزُولًا فِي دَارِ سُوَيْدِ بْنِ مُقَرِّنٍ وَفِينَا شَيْخٌ فِيهِ حِدَّةٌ وَمَعَهُ جَارِيَةٌ لَهُ، فَلَطَمَ وَجْهَهَا؟ فَمَا رَأَيْتُ سُوَيْدًا أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ ذَاكَ الْيَوْمَ، قَالَ: عَجَزَ عَلَيْكَ إِلَّا حُرُّ وَجْهِهَا؟ لَقَدْ رَأَيْتُنَا سَابِعَ سَبْعَةٍ مِنْ وَلَدِ مُقَرِّنٍ، وَمَا لَنَا إِلَّا خَادِمٌ، فَلَطَمَ أَصْغَرُنَا وَجْهَهَا، فَأَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِتْقِهَا

ہلال بن یساف سے مروی ہے ہم سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے، ہمارے ساتھ ایک بڑی عمر کا شیخ بھی تھا جس کی طبیعت میں تیزی تھی اور اس کے ساتھ اس کی لونڈی تھی تو اس شیخ نے اپنی اس لونڈی کے چہرے پر تھپڑ مار دیا اس دن سوید رضی اللہ عنہ جس قدر غصے ہوئے میں نے اس سے بڑھ کر انہیں کبھی غضبناک نہیں دیکھا انہوں نے کہا کیا تو اتنا ہی عاجز (اور مغلوب الغضب) ہو گیا تھا کہ اس کو مارنے کے لئے تجھے صرف اس کا عزت والا چہرہ ہی ملا تھا مجھے وہ منظر یاد ہے کہ میں اولاد مقرن میں ساتواں فرد تھا اور ہماری ایک ہی خادمہ تھی ہمارے ایک چھوٹے نے اس کے چہرے تھپڑ مار دیا تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں حکم دیا کہ اس کو آزاد کر دو۔ (۲)

غلاموں کا لوگ بیاہ کر دیتے تھے اور پھر جب چاہتے جبراً ان میں تفریق کر دیتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ سَيِّدِي زَوَّجَنِي أَمَتَهُ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا، قَالَ: فَصَعِدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَا بَالُ أَحَدِكُمْ يُزَوِّجُ عَبْدَهُ أَمَتَهُ، ثُمَّ يُرِيدُ أَنْ يُفَرِّقَ بَيْنَهُمَا، إِنَّمَا الطَّلَاقُ لِمَنْ أَخَذَ بِالسَّاقِ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص سید الامم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس آیا اور عرض کی اے اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! میرے مالک نے اپنی لونڈی سے میرا نکاح کر دیا تھا اب وہ مجھ میں اور میری بیوی میں جدائی کرنا چاہتا ہے، یہ سن کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ منبر پر چڑھے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کسی کا کیا معاملہ ہے کہ وہ اپنے غلام کا نکاح اپنی لونڈی سے کر دیتا ہے پھر ان دونوں میں جدائی کرنا چاہتا ہے اور طلاق تو اسی کے اختیار میں ہے جو عورت کی پنڈلی تھامے (یعنی طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے)۔ (۳)

---

(۱) سنن ابوداودکتاب الادب بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ ۵۱۶۷

(۲) سنن ابوداودکتاب الادب بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ ۵۱۶۶

(۳) سنن ابن ماجه کتاب الطلاق بَابُ طَلَاقِ الْعَبْدِ ۲۰۸۲

یعنی غلام کو شادی کرنے اور اپنی انفرادی معاشرتی زندگی گزارنے کے حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي عَمَلًا يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ. قَالَ: لَئِنْ كُنْتَ أَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ، لَقَدْ أَعْرَضْتَ الْمَسْأَلَةَ. أَعْتِقِ النَّسَمَةَ، وَفُكَّ الرَّقَبَةَ

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دفعہ ایک اعرابی حاضر ہوا اور بولا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے میں جنت میں داخل ہوسکوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلام آزاد کر اور گردنوں کو غلامی سے چھڑا۔[1]

أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا، اسْتَنْقَذَ اللَّهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِقَالَ سَعِيدُ بْنُ مَرْجَانَةَ: فَانْطَلَقْتُ بِهِ إِلَى عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ، فَعَمَدَ عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا إِلَى عَبْدٍ لَهُ قَدْ أَعْطَاهُ بِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ أَوْ أَلْفَ دِينَارٍ، فَأَعْتَقَهُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی کسی مسلمان (غلام) کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس غلام کے جسم کے ہر عضو کی آزادی کے بدلے اس شخص کے جسم کے بھی ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کرے گا، سعید بن مرجانہ نے بیان کیا کہ پھر میں علی بن حسین (امام زین العابدین رحمہ اللہ) کے یہاں گیا (اور ان سے حدیث بیان کی) وہ اپنے غلام (مطرف) کی طرف متوجہ ہوئے جس کی عبد اللہ بن جعفر دس ہزار درہم یا ایک ہزار دینار قیمت دے رہے تھے اور آپ نے اسے آزاد کر دیا۔[2]

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً، فَهِيَ فِدَاؤُهُ مِنَ النَّارِ

عقبہ بن عامر الجہنی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے ایک نفس مسلمہ کو آزاد کیا تو وہ جہنم سے بچنے کے لیے اس کا فدیہ ہو گیا۔[3]

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، فَهِيَ فِكَاكُهُ مِنَ النَّارِ

عقبہ بن عامر الجہنی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے وہ اس کے لئے جہنم سے آزادی کا ذریعہ بن جائے گا۔[4]

عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ السِّمْطِ قَالَ: يَا كَعْبُ بْنَ مُرَّةَ حَدِّثْنَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحْذَرْ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ أَعْتَقَ امْرَأً مُسْلِمًا كَانَ فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ يُجْزَى بِكُلِّ عَظْمٍ مِنْهُ عَظْمًا مِنْهُ، وَمَنْ أَعْتَقَ امْرَأَتَيْنِ مُسْلِمَتَيْنِ كَانَتَا فِكَاكَهُ مِنَ النَّارِ، يُجْزَى بِكُلِّ عَظْمَيْنِ مِنْهُمَا عَظْمًا مِنْهُ، وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

---

[1] شعب الایمان ۴۰۲۶

[2] صحیح بخاری کتاب العتق بَابٌ فِي العِتْقِ وَفَضْلِهِ ۲۵۱۷

[3] مسند احمد ۱۷۳۵۷

[4] مسند احمد ۱۷۳۲۶

شرحبیل بن سمط کہتے ہیں میں نے کعب بن مرہ سے درخواست کی کہ بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے مجھے اللہ کے رسول ﷺ کی کوئی بات سنائیے، فرمایا کہ میں نے اللہ کے رسول کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے مسلمان غلام کو آزاد کیا تو وہ غلام اس کے دوزخ سے چھٹکارے کا باعث ہوگا اس کی ہر ہڈی کے بدلہ میں (دوزخ کی آزادی کے لیے) کافی ہے ،اور جو دو مسلمان باندیوں کو آزاد کرے تو وہ دونوں باندیاں دوزخ سے اس کی خلاصی کا باعث ہوں گی ان میں سے ہر ایک کی دو ہڈیوں کے بدلہ میں اس کی ایک ہڈی کافی ہوگی اور شخص اللہ کی راہ میں بوڑھا ہو اس کے بالوں کی وہ سفیدی قیامت کے دن روشنی کا سبب ہوگی۔ [1]

عَنْ سَعِيدِ ابْنِ مَرْجَانَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً، أَعْتَقَ اللَّهُ بِكُلِّ إِرْبٍ مِنْهَا إِرْبًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ، حَتَّى أَنَّهُ لَيَعْتِقُ بِالْيَدِ الْيَدَ، وَبِالرِّجْلِ الرِّجْلَ، وَبِالْفَرْجِ الْفَرْجَ

سعید ابن مرجانہ کہتے ہیں میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو جہنم سے آزاد فرمادیں گے حتی کہ ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ کو اور پاؤں کے بدلے میں پاؤں کو اور شرمگاہ کے بدلے میں شرمگاہ کو۔ [2]

غلاموں کو آزاد کرنے کا مزید شوق دلانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ جتنا زیادہ قیمتی اور زیادہ پسندیدہ غلام آزاد کیا جائے گا اتنا ہی زیادہ ثواب ہوگا۔

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ العَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :إِيمَانٌ بِاللَّهِ، وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ، قُلْتُ: فَأَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ؟ قَالَ :أَعْلاَهَا ثَمَنًا، وَأَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا، میں نے پوچھا اور کس طرح کا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو سب سے زیادہ قیمتی اور اور جو مالک کو زیادہ پسندیدہ ہو۔ [3]

اسی طرح لونڈی کو عمدہ تربیت دے کر آزاد کرنے اور اس سے نکاح کرنے کو بڑی نیکی (دوہرا ثواب) کا فعل قرار دیا۔

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَيُّمَا رَجُلٍ كَانَتْ لَهُ جَارِيَةٌ، فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيبَهَا، وَأَعْتَقَهَا، وَتَزَوَّجَهَا فَلَهُ أَجْرَانِ، وَأَيُّمَا عَبْدٍ أَدَّى حَقَّ اللَّهِ وَحَقَّ مَوَالِيهِ فَلَهُ أَجْرَانِ

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس کسی کے پاس بھی باندی ہو اور وہ اسے پورے حسن وخوبی کے ساتھ ادب سکھائے پھر آزاد کر کے اس سے شادی کرلے تو اسے دوگنا ثواب ملتا ہے اور جو غلام اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرلے اور اپنے آقاؤں کے

[1] مسند احمد ۱۸۰۶۴

[2] مسند احمد ۹۴۴۱

[3] صحیح بخاری کتاب العتق بَابٌ أَيُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ ۲۵۱۸

بھی تو اسے بھی دو گنا ثواب ملتا ہے۔ (۱)

قیدی عورتوں کی حفاظت اور معاشرے میں ان کی وقعت کو قائم رکھنے کے لیے اس سے بہتر صورت ان حالات میں ممکن بھی نہیں تھی۔

رسول اللہ ﷺ اس چیز کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ غلامی کی وجہ سے خاندان تقسیم ہو جائیں، خصوصاماں اور بچے کے درمیان جدائی برداشت نہیں کرتے تھے۔

أن رسول الله مَرَّ بِأُمِّ ضُمَيْرَةَ وَهِيَ تَبْكِي فَقَالَ لَهَا: مَا يُبْكِيكِ؟ أَجَائِعَةٌ أَنْتِ، أَعَارِيَةٌ أَنْتِ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ فُرِّقَ بَيْنِي وَبَيْنَ ابْنِي، فقال رسول الله لَا يُفَرَّقُ بَيْنَ الْوَالِدَةِ وَوَلَدِهَاثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى الَّذِي عِنْدَهُ ضُمَيْرَةُ فَدَعَاهُ فَابْتَاعَهُ مِنْهُ بِبَكْرٍ

ایک بار رسول اللہ ﷺ ام ضمیرہ کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہی تھیں، آپ ﷺ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے اور میرے بیٹے (ضمیرہ) کے درمیان جدائی ڈال دی گئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ماں اور بچے کے درمیان تفریق نہ کی جائے، پھر آپ ﷺ نے اس آدمی کے پاس پیغام بھیجا جس کے پاس ضمیرہ غلام تھے اور اس کو بلا کر ایک اونٹ کے بدلے ضمیرہ کو خرید کر آزاد کر دیا۔ (۲)

اس سلسلہ میں انہیں ایک باقاعدہ تحریر لکھ کر دی جسے ابی بن کعب نے تحریر کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ،

هَذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ لِأَبِي ضُمَيْرَةَ وأهل بيته، أن رسول الله أَعْتَقَهُمْ، وَأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الْعَرَبِ، إِنْ أحبوا أقاموا عند رسول الله، وَإِنْ أَحَبُّوا رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ، فَلَا يُعْرَضُ لَهُمْ إِلَّا بِحَقٍّ، وَمَنْ لَقِيَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ فَلْيَسْتَوْصِ بِهِمْ خَيْرًا، وَكَتَبَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ تحریر محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ضمیرہ اور اس کے گھر والوں کے لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کر دیا ہے، اب وہ عرب کے گھر والوں کی طرح ہیں، وہ چاہیں تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہ سکتے ہیں اور چاہیں تو اپنی قوم کی طرف چلے جائیں انہیں بلا وجہ نہیں روکا جاسکتا، اگر وہ مسلمانوں کی جماعت سے گزریں تو وہ اس سے اچھا برتاؤ کریں۔ ابی بن کعب نے تحریر کیا

قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں بھی قرض دار کو غلام بنالیا جاتا تھا، قرآن کریم نے واضح ہدایت دیں،

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَكُمْ ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ (۳)

(۱) صحيح بخاری کتاب العتق بَابُ العَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ ۲۵۴۷

(۲) البداية والنهاية ۵/۳۱۸

(۳) البقرة ۲۸۰

ترجمہ: تمہارا قرض دار تنگ دست ہو تو ہاتھ کھلنے تک اسے مہلت دو، اور جو صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

یہی نہیں بلکہ مصارف زکوۃ میں ایک مد ادائیگی قرض اور گردن چھڑانے کی بھی رکھی ہے تاکہ معاشرہ کے مقروض افراد کا قرض معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری بن جائے اور قرض کی عدم ادائیگی کی صورت میں ان کے غلام بنا لیے جانے کا امکان ختم ہو جائے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ... ﴿٦٠﴾ [1]

ترجمہ: یہ صدقات تو دراصل فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو صدقات کے کام پر مامور ہوں، اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہو، نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے میں اور راہ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کرنے کے لیے ہیں۔

ہر معلوم تہذیب میں جنگی قدیوں کو غلام بنالیا جاتا تھا اسلام نے اس کی راہ نکالی کہ ان قدیوں کو یا تو احسان کر کے بلا معاوضہ رہا کر دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو، چنانچہ فرمایا

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ... ﴿٤﴾ [2]

ترجمہ: پس جب ان کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد (تمہیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کرلو، تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دار الکفر سے نکل کر دار الاسلام میں داخل ہونے والا غلام آزاد تصور کیا جائے گا۔

چنانچہ غزوہ حدیبیہ میں صلح سے پہلے مکہ کے کچھ غلام بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس چلے آئے، ان کے آقاؤں نے آپ ﷺ کو لکھا کہ واللہ یہ لوگ آپ کے دین کی طرف رغبت رکھنے کی وجہ سے نہیں بھاگے بلکہ غلامی کی پابندیوں سے بھاگے ہیں، کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشورہ دیا کہ ان غلاموں کو واپس کر دیا جائے، رسول اللہ ﷺ یہ مشورہ سن کر ناراض ہوئے اور آپ ﷺ نے ان غلاموں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ [3]

جب یہ غلام مدینہ منورہ کے شہری بنے تو آزاد تھے۔

اسی طرح آٹھ ہجری میں محاصرہ طائف کے دوران اہل طائف کے چند غلام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا، بعد میں جب اہل طائف بھی مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اپنے غلاموں کی بابت

---

[1] التوبة۶۰

[2] محمد۴

[3] سنن ابوداود

پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں۔ (۱)

زیاد بن ابیہ کے ماں جائے بھائی ابو بکرہ ثقفی اسی طرح آزاد ہوئے تھے اور وہ خود کو مولی رسول ﷺ کہتے تھے۔ (۲)

عرب میں دستور تھا کہ غلام کو عبدی میرا بندہ اور لونڈی کو امتی میری بندی کہہ کر پکارتے تھے اور اپنے آپ کو رب کہلواتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: لاَ يَقُلْ أَحَدُكُمْ: أَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّئْ رَبَّكَ، اسْقِ رَبَّكَ، وَلْيَقُلْ: سَيِّدِي مَوْلاَيَ، وَلاَ يَقُلْ أَحَدُكُمْ: عَبْدِي أَمَتِي، وَلْيَقُلْ: فَتَايَ وَفَتَاتِي وَغُلاَمِي

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی شخص (کسی غلام یا کسی بھی شخص سے) یہ نہ کہے اپنے رب (مراد آقا) کو کھانا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، اپنے رب کو پانی پلا بلکہ صرف میرے سردار، میرے آقا کے الفاظ کہنا چاہئے، اسی طرح کوئی شخص یہ نہ کہے میرا بندہ، میری بندی بلکہ یوں کہنا چاہئے میرا چھوکرا، میری چھوکری، میرا غلام۔ (۳)

اہل عرب غلام کو اپنے پاس جگہ دینا بھی عار سمجھتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو اپنے ساتھ ایک دسترخوان پر بٹھا کر کھلاؤ اور اگر اتنا نہیں کر سکتے تو کم از کم اپنے کھانے میں سے ایک دو لقمے ہی ان کو کھلادیا کرو۔

أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَتَى أَحَدَكُمْ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ، فَإِنْ لَمْ يُجْلِسْهُ مَعَهُ، فَلْيُنَاوِلْهُ لُقْمَةً أَوْ لُقْمَتَيْنِ أَوْ أُكْلَةً أَوْ أُكْلَتَيْنِ، فَإِنَّهُ وَلِيَ عِلاَجَهُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کسی کا غلام کھانا لائے اور وہ اسے اپنے ساتھ (کھلانے کے لئے) نہ بٹھا سکے تو اسے ایک یا دو نوالے ضرور کھلادے، کیونکہ اسی نے اس کو تیار کرنے کی تکلیف اٹھائی ہے۔ (۴)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی ان تعلیمات کے نتیجہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمومی برتاؤ اپنے غلاموں کے ساتھ اس قدر مثالی تھا کہ غلام بھی اپنے آقاؤں پر جان دیتے تھے۔

افلح نامی غلام ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا غلام تھا، پہلے انہوں نے اسے مکاتب بنا کر آزاد کر دینے پر آمادگی کا اظہار کیا مگر بعد میں معاہدہ کتابت فسخ کرنا چاہا، گوکہ ابو ایوب رضی اللہ عنہ انصاری ایسا نہیں کر سکتے تھے، افلح کے اہل وعیال نے بھی افلح کو یہ فسخ نہ ماننے کی تلقین کی لیکن افلح نے

---

(۱) ابن ہشام ۴/۴۸۵

(۲) الاستیعاب ۴/۱۶۱۴

(۳) صحیح بخاری کتاب العتق بَابُ كَرَاهِيَةِ التَّطَاوُلِ عَلَى الرَّقِيقِ، وَقَوْلِهِ: عَبْدِي أَوْ أَمَتِي ۲۵۵۲، صحیح مسلم کتاب الْأَلْفَاظِ مِنَ الْأَدَبِ وَغَيْرِهَا بَابُ حُكْمِ إِطْلَاقِ لَفْظَةِ الْعَبْدِ، وَالْأَمَةِ، وَالْمَوْلَى، وَالسَّيِّدِ ۵۸۷۴، شعیب الایمان ۸۲۴۸، مسند احمد ۸۱۹۷، السنن الکبری للبیہقی ۱۵۸۱۲، شرح السنة للبغوی ۳۳۸۰

(۴) صحیح بخاری کتاب العتق بَابُ إِذَا أَتَاهُ خَادِمُهُ بِطَعَامِهِ ۲۵۵۷

بخوشی اس معاہدہ کو فسخ کر دیا اور کہا میں ان کی کسی بات کا انکار نہیں کر سکتا، تاہم اس کے چند دن بعد ہی ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے کلیتہ آزاد کر دیا اور کہا کہ جو مال تمہارے پاس ہے وہ کل تمہارا ہے۔ (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آقاؤں کے ساتھ ساتھ غلاموں کو بھی بشارت فرمائی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :العَبْدُ إِذَا نَصَحَ سَيِّدَهُ، وَأَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ، كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مَرَّتَيْنِ

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب غلام اپنے آقا کی خیر خواہی کرے اور اللہ تعالیٰ کی اچھی طرح عبادت کرے تو اس کو دوگنا اجر ملے گا۔ (۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت بہت سے غلاموں کے لیے وجہ تسکین تھی۔

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلاَ الجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَالحَجُّ وَبِرُّ أُمِّي، لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوتَ وَأَنَا مَمْلُوكٌ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سن کر کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ کی جان ہے اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج اور ماں کے ساتھ نیک سلوک کی عبادات نہ ہوتیں تو میں یہ پسند کرتا کہ مجھے غلامی کی حالت میں موت آئے۔ (۳)

عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَام، قَالَ: كَانَ آخِرُ كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الصَّلَاةَ الصَّلَاةَ، اتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بات یہی تھی، نماز! نماز! اور اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ (۴)

چنانچہ غلامی کے خاتمہ کے لیے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ غلاموں کو آزاد کیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے صرف ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ۶۷ غلاموں کو آزاد کیا، ان میں سے چالیس غلام تو آپ نے صرف اسی کفارے میں آزاد کیے کہ انہوں نے اپنے بھتیجے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو کر کبھی نہ بولنے کی قسم کھالی تھی، جب عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے دوسرے صحابہ کرام سے سفارش کرائی تو انہوں نے اس قسم کو توڑ دیا تھا اور کفارے میں چالیس غلام آزاد کیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں ستر غلاموں کو آزاد کیا۔

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے ایک سو غلام آزاد کیے تھے اور سو اونٹ سواری کے لیے دیئے تھے، جب اسلام لائے تب بھی سو غلام آزاد کیے

---

(۱) اسوہ صحابہ ۱/۲۵۸

(۲) صحیح بخاری كِتَاب العِتْقِ بَابُ العَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ ۲۵۴۶

(۳) صحیح بخاری كِتَاب العِتْقِ بَابُ العَبْدِ إِذَا أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ سَيِّدَهُ ۲۵۴۸

(۴) سنن ابوداودکتاب الادب بَابٌ فِي حَقِّ الْمَمْلُوكِ ۵۱۵۶

اور سو اونٹ سواری کے لیے دیئے۔

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار غلام آزاد کیے۔

ذوالکلاع حمیری رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہزار غلام آزاد کیے، ان میں سے چار ہزار غلام انہوں نے صرف اس دن آزاد کیے جس دن انہوں نے اسلام قبول کیا۔

اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بڑے صاحب حیثیت اور خوشحال صحابی تھے انہوں نے تیس ہزار غلاموں کو رہائی بخشی، انہوں نے صرف ایک دن میں تیس غلام آزاد کیے۔

ایسے ہی واقعات میں دوسرے صحابہ کرام کی زندگی میں بھی ملتے ہیں جن میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان ذوالنورین کے نام بہت ممتاز ہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف مکی زندگی کے دوران سات غلاموں اور باندیوں کو کفار مکہ سے منہ مانگے داموں خرید کر آزاد کیا، ان میں بلال بن ابی رباح، عامر بن فہیرہ، زنیرہ، ام عبیس، بنی عمرو بن مومل کی ایک باندی، النہد ااور اس کی بیٹی شامل ہیں۔[۱]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان نے اسلام لانے کے بعد ہمیشہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کیا اور اگر کسی جمعہ کو ایسا نہ کر پاتے رو دوسرے جمعہ کو دو غلام آزاد کرتے، دوران محاصرہ آپ نے بیس غلام آزاد کیے، یہی نہیں بلکہ دوران محاصرہ آپ نے اپنے غلاموں سے کہا کہ اس وقت جو ہتھیار رکھ دے گا وہ آزاد ہے۔[۲]

الغرض محدثین نے اندازہ لگایا ہے کہ صحابہ کرام نے انتالیس ہزار دوسو انسٹھ (۳۹۲۵۹) غلام آزاد کیے۔

ان سب باتوں کا مقصود تھا کہ غلاموں کی ذہنی آزادی کا احترام کیا جائے انہیں عزت و آرام سے رکھا جائے اور وہ خاندان کے رکن بن کر رہیں، اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے لوگ غلام خرید کر آزاد کرنے لگے انہیں اپنے برابر کا درجہ دینے لگے، اس طرح اسلامی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک نے لونڈیوں اور غلاموں کو آزادی بخشی اور انہیں معاشرے کا ایک باعزت فرد قرار دیا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی پھوپھی زاد بہن زینب رضی اللہ عنہا کو جنہیں بعد میں ام المومنین ہونے کا شرف حاصل ہوا اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے بیاہ دیا۔ سالم رحمہ اللہ بن عبداللہ اور قاسم رحمہ اللہ بن محمد بن ابی بکر دو لونڈیوں کے پیٹ سے تھے۔ امام حسن رحمہ اللہ ایک غلام کے بیٹے تھے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بنی تیم کے موالی میں سے بتائے جاتے ہیں۔ محمد بن سیرین رحمہ اللہ ایک غلام کے بیٹے تھے، ان کے باپ سیرین اور والدہ صفیہ دونوں مملوک تھے مگر اس درجہ کے مملوک تھے کہ ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو تین امہات المومنین نے دلہن بنایا تھا اور سیرین سے ان کا نکاح ابی بن کعب جیسے جلیل القدر صحابی نے پڑھایا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ کے استاد نافع، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مبارک ایک غلام کے بیٹے تھے۔ عکرمہ خود غلام تھے۔ مکہ کے امام المحدثین عطار حمہ اللہ بن رباح

[۱] کتاب المعارف ۷۷، ابن ہشام ۱/۳۴۰، ۳۴۱، الاستیعاب ۳/۹۶۶

[۲] البدایۃ والنہایۃ ۷/۱۸۱

یمن کے امام طاوس رحمہ اللہ بن کیسان، مصر کے امام یزید رحمہ اللہ بن حبیب، شام کے امام مکحول رحمہ اللہ، الجزیرہ کے امام میمون رحمہ اللہ بن مہران، خراسان کے امام ضحاک رحمہ اللہ، کوفہ کے امام ابراہیم رحمہ اللہ سب کے سب غلاموں کے گروہ سے تھے۔سلیمان فارسی رضوان اللہ علیہم اجمعین غلام تھے ان کے بارے میں فرمایا:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: سَلْمَانُ مِنَّا أَھْلَ الْبَیْتِ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سلمان رضی اللہ عنہ میرے اہل بیت میں سے ہے۔[1]

ضعیف روایت ہے۔[2]

اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ سلیمان تو ہم اہل بیت میں سے ہیں، بلال حبشی رضی اللہ عنہ غلام تھے جن کو سیدنا عمر بن خطاب کہا کرتے تھے

بِلاَل سَیِّدِنَا ومَوْلَی سَیِّدِنَا

بلال ہمارے آقا کا غلام اور ہمارا آقا ہے۔[3]

صہیب رومی رضی اللہ عنہ غلام تھے جنہیں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ مسلمانوں کی امامت کے لئے کھڑا کیا تھا، سالم رضی اللہ عنہ، ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام تھے جن کے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ اگر آج وہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلافت کے لئے منتخب کرتا، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ غلام زادے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری وقت میں اس لشکر کا سردار بنایا تھا جس میں سیدنا ابوبکر جیسے جلیل القدر صحابی شریک تھے اور جن کے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے لڑکے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کا باپ تیرے باپ سے اور اسامہ رضی اللہ عنہ خود تجھ سے رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبوب تھا، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش اور غیاث الدین بلبن جیسے جلیل القدر غلاموں نے خود ہمارے ملک ہندوستان پر حکومت کی ہے، محمود غزنوی جو اپنے وقت میں دنیا کا سب سے بڑا فاتح تھا نسلاً ترکی غلام تھا۔ مسلمان غلامی کو صفحہ ہستی سے تو نہ مٹا سکے لیکن اسلامی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ غلامی کی وہ بھیانک صورت نہ رہی جو دیگر اقوام میں پائی جاتی تھی، غلام خاندان کے رکن بن گئے، مذہبی پیشوا اور عالم دین بن گئے، امیر و وزیر بن گئے، لشکروں کے سپہ سالار اور سربراہوں کے محبوب بن گئے، رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے غلامی کو منسوخ کرنے کے لئے ایک بڑا قدم اٹھا کہ کوئی عرب غلام نہیں بنایا جا سکتا۔

الغرض دور رسالت میں غلاموں کی حیثیت میں واقعتاً بڑا تغیر آیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلام محض جنس تجارت نہ رہا بلکہ پہلی بار انسانیت کے تمام تر حقوق و احترام سے بہرہ وار ہوا، لہذا بعض یورپی مورخین کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا، ڈاکٹر گستاؤ لیبان کا کہنا ہے،

مسلمانوں میں غلامی کی حالت اس سے بالکل علیحدہ ہے جو عیسائیوں میں تھی، مشرق میں غلاموں کی حالت، یورپ کے خانگی ملازموں سے بھی بہتر ہے، وہ ہمیشہ اپنے مالک کے خاندان کے جزو سمجھے جاتے ہیں اور کبھی کبھی اپنے مالک کی بیٹی سے شادی بھی کر سکتے ہیں اور اعلیٰ درجے تک

---

[1] مستدرک حاکم ۶۵۳۹، ابن ہشام ۱/۷۰، تفسیر القرطبی ۱۴/۱۲۹، تفسیر طبری ۲۰/۲۲۳، تفسیر البغوی ۳/۶۱۲، تفسیر الخازن ۳/۴۱۱

[2] مشہور واقعات کی حقیقت ۳۹

[3] روح البیان ۱۰/۴۵۲

پہنچ سکتے ہیں، مشرق میں لفظ غلام کے ساتھ کسی قسم کا خیال حقارت شامل نہیں ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ بمقابل یورپ کے ملازمین کے، مشرق کا غلام بہت زیادہ اپنے مالک کا ہم پلہ ہے۔ [1]

موسیو گستاؤلیبان عرب مسلمانوں کے جذبہ مساوات کا اعتراف کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں

مسلمان غلام بغیر کسی وقت کے اپنے آقا کی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے اور ایسے پرانے خانگی ملازموں کی جو اعلیٰ مراتب تک پہنچے ہیں ایک بہت ہی کثیر تعداد ممالک اسلامیہ میں پایہ جاتی ہے۔ [2]

لونڈیوں پر احسان:

دور جاہلیہ میں سب سے بری حالت مجبور اور بے کس لونڈیوں کی تھی، لوندیوں کے حریص مالک دنیا کا حقیر فائدہ اور ناپاک کمائی حاصل کرنے کے لئے اپنی جوان خوبصورت لونڈیوں کو مجبور کر کے ان پر یومیہ کچھ ٹیکس عائد کر دیتے کہ وہ ہر روز اتنی رقم کما کر اپنے مالک کو دے گی، یہ ٹیکس انہیں اپنے مالکوں کو ادا کرنا پڑتا تھا خواہ کسی طریقہ سے وہ کما کر لائیں، کیونکہ وہ کسی اور طریقہ سے اتنی بڑی رقم حاصل نہیں کر سکتی تھی اس لئے اپنے مالک کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے کتنی ہی لونڈیاں زنا کا پیشہ اختیار کرتی تھیں، مکہ میں عبد اللہ بن جدعان غلاموں اور لونڈیوں کا سب سے بڑا تاجر تھا وہ اپنی لونڈیوں سے پیشہ کراتا اور ان کے بچے فروخت کر دیتا تھا۔ (المعارف) ایسی لونڈیاں ایک کھلا سا کرتا جس کے گریبان پر کوئی بند نہ ہوتا پہن کر، پاؤں میں پازیب پہن کر بازاروں میں اپنے پاؤں زمین پر مار کرتا کہ پازیب کی جھنکار لوگ سنیں اور متوجہ ہوں جسم فروشی کے لئے پھرتی رہتیں، ایک صورت یہ تھی کہ لونڈیوں کے عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین جیسے مالک سردار جس نے چھ لونڈیوں پر مشتمل مدینہ میں ایک باقاعدہ چکلہ کھول رکھا تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فِي قَوْلِ اللَّهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى وَلا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ قَالَ: نَزَلَتْ فِي عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُبَيٍّ، كَانَتْ عِنْدَهُ جَارِيَةٌ، وَكَانَ يُكْرِهُهَا عَلَى الزِّنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ کے بارے میں کہتے ہیں یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی اس کے پاس ایک لونڈی تھی اور وہ اسے زنا کاری پر مجبور کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور رحیم ہے۔ [3]

عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَتْ جَارِيَةٌ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُبَيٍّ يُقَالُ لَهَا: مُعَاذَةُ يُكْرِهُهَا عَلَى الزِّنَا فَلَمَّا جَاءَ الإِسْلامُ نَزَلَتْ {وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ} إِلَى قَوْلِهِ: {فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ}

زہری رحمہ اللہ نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے عبد اللہ بن ابی ابن سلول کی ایک لونڈی تھی جس کا نام معاذہ تھا وہ اسے بدکاری

[1] تمدن عرب ۵۱۷

[2] تمدن عرب ۵۲۳

[3] كشف الأستار عن زوائد البزار ۳/۶۱

پر مجبور کیا کرتا تھا جب اسلام آیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دینوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور و رحیم ہے۔ (۱)

عَنْ جَابِرٍ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ قَالَ: نَزَلَتْ فِي أَمَةٍ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُبَيِّ بْنِ سَلُولٍ يُقَالُ لَهَا: مُسَيْكَةُ كَانَ يُكْرِهُهَا عَلَى الْفُجُورِ وَكَانَتْ لَا بَأْسَ بِهَا فَتَأْبَى ، فَأَنْزَلَ اللَّهُ، عَزَّ وَجَلَّ، هَذِهِ الْآيَةَ إِلَى قَوْلِهِ {وَمَنْ يُكْرِهْهُنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَحِيمٌ

اور جابر سے اس آیت ''اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دینوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو۔'' کے بارے میں روایت ہے یہ آیت کریمہ عبد اللہ بن ابی سلول کی لونڈی کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کا نام مسیکہ تھا وہ اسے بدکاری پر مجبور کرتا اور وہ اچھی عورت تھی اس لیے وہ بدکاری سے انکار کر دیتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ''اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دینوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاکدامن رہنا چاہتی ہوں، اور جو کوئی ان کو مجبور کرے تو اس جبر کے بعد اللہ ان کے لیے غفور و رحیم ہے۔'' نازل فرمائی۔ (۲)

اور تفسیر طبری میں یہ اضافہ ہے۔

فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , فَشَكَتْ ذَلِكَ إِلَيْهِ

یہ لونڈی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس بارے میں شکایت کی۔ (۳)

مشرکین اپنی جوان و خوبصورت لونڈیوں (قلیقیات) کو باقاعدہ ایک گھر (مواخیر) میں بٹھا کر ان گھروں پر جھنڈے لگا دیتے تاکہ دور سے ہی حاجت مند کو معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی حاجت کہاں پوری کر سکتا ہے، اس طرح لوگ جوان لونڈیوں کے کسب سے دولت بھی حاصل کرتے، اپنے دور دراز سے آئے ہوئے معزز مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کرتے اور ان لونڈیوں سے بچے ہونے کی صورت میں لونڈیوں اور غلاموں کا اضافہ بھی ہو جاتا، ان میں بعض لونڈیاں خدمت نبوی میں حاضر ہوئیں اور اپنی حسرت انگیز کہانی سنائی، چنانچہ اسلام نے اپنے فرزندوں اور اپنی دختروں کو اس پستی سے نکالا اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان نازل فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں پر اس ظلم کو بھی روکا کہ وہ اپنا جسم بیچ کر اپنے مالک کی تجوری بھرے اور اسے موقعہ عطا فرمایا کہ وہ پاکیزہ زندگی گزار سکے۔

...وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ... ۳۳ (۴)

ترجمہ: اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتیں ہوں۔

ان کے ہمراہ دوسری آزاد عورتیں بھی نیل سے اپنے جسم گدوا اور سر پر مصنوعی بال لگا کر خوب بناو سنگار کر کے، مہکنے والی خوشبوئیں اور عطریات

(۱) كشف الأستار عن زوائد البزار ۳/۶۱

(۲) تفسیر ابن ابی حاتم ۸/۲۵۸۸، السنن الکبری للنسائی ۱۱۳۰۱

(۳) تفسیر طبری ۱۹/۱۷۴

(۴) النور ۳۳

لگا کر مجمع عام میں ان آوارہ بدکار عورتوں کے ساتھ بے حجاب گھومتی رہتیں اور اپنے جسموں کے چھپانے والے حصے خوب عیاں کر کے مردوں کو دعوت نظارا دیتیں، کیونکہ یہ حرکت شہوت پرست مردوں کے شہوانی خیالات کو شہ دیتی ہے اور عورت کے بارے میں برا خیال پیدا ہونے لگتا ہے کہ وہ مردوں کی نگاہوں کو اپنی طرف اور اپنی زینت کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے، اللہ نے ان عورتوں کو بھی بازاروں اس طرح چلنے پھرنے سے منع فرمایا۔

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى ۔۔ ﴿۳۳﴾ [۱]

ترجمہ: اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دور جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔

عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا اسْتَعْطَرَتِ الْمَرْأَةُ، فَمَرَّتْ عَلَى الْقَوْمِ لِيَجِدُوا رِيحَهَا، فَهِيَ كَذَا وَكَذَا قَالَ قَوْلًا شَدِيدًا

چنانچہ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت خوشبو لگا کر کسی قوم پر گزرتی ہے تا کہ وہ اس کی خوشبو پا لیں تو وہ ایسی اور ایسی ہے (یعنی زانیہ ہے) آپ نے بڑی سخت بات فرمائی۔ [۲]

یعنی خوشبو سے معطر عورت کا گھر سے باہر نکلنا شرعاً حرام ہے۔

عورتوں کو ناپاک سمجھنا:

اللہ نے اس دنیا کو چلانے کے لئے ہر چیز کے جوڑے جوڑے بنائے اور اسی مناسبت سے ہر ایک کے حقوق و فرائض مقرر فرما کر نر اور مادہ کو حقوق و فرائض کی مناسبت سے جوارو اعضاء عطا فرمائے، اللہ نے عورتوں کی حالت کے مطابق ان کے چند مخصوص دن مقرر فرمائے، جس کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن اور کم سے کم تین دن، دوسرا نفاس کا زمانہ ہے کہ عورت بچے کو جنم دیتی ہے تو اس کے بعد مسلسل کئی ہفتے اس کو خون آتا رہتا ہے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس یوم ہے اور کم کے لئے کوئی خاص مدت معین نہیں ہے، ان دنوں میں صحبت کرنے سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے، یہودیوں کی عورتوں میں سے جب کسی کو حیض آتا تو وہ اسکو گھر سے نکال دیتے نہ اسکو اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے اور نہ اسکے ساتھ گھر میں رہتے سہتے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو انصار نے یہودیوں کے اس طرز عمل کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیونکہ یہ گندگی کا زمانہ ہے طبعاً ایسے وقت میں عورت کے پاس جانے سے نفرت ہوتی ہے اور دوسرے مہلک امراض کے پیدا ہونے کا بھی خطرہ رہتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کے ساتھ رہو اور جماع کے علاوہ ان کے ساتھ تمام معاملات روا رکھ سکتے ہو۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ " يَا عَائِشَةُ: نَاوِلِينِي الثَّوْبَ " فَقَالَتْ:

---

[۱] الاحزاب ۳۳

[۲] سنن ابوداودکتاب الترجل بَابُ مَا جَاءَ فِي الْمَرْأَةِ تَتَطَيَّبُ لِلْخُرُوجِ ۴۱۷۳، جامع ترمذی کتاب الادب بَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ خُرُوجِ الْمَرْأَةِ مُتَعَطِّرَةً ۲۷۸۶، سنن نسائی کتاب الزنية باب مَا يُكْرَهُ لِلنِّسَاءِ مِنَ الطِّيبِ ۵۱۲۹

إِنِّي حَائِضٌ، فَقَالَ :إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ فَنَاوَلَتْهُ

چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ رضی اللہ عنہا! مجھے کپڑا اٹھا کر دو، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا میں حائضہ ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھوں میں نہیں ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو کپڑا اٹھا کر دیا۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاوِلِينِي الْخُمْرَةَ مِنَ الْمَسْجِدِ. فَقُلْتُ: إِنِّي حَائِضٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ حَيْضَتَكِ لَيْسَتْ فِي يَدِكِ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مسجد سے چٹائی پکڑاؤ، میں نے کہا مجھے حیض آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا حیض تمہارے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ (۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهُ فِي بَعْضِ طَرِيقِ المَدِينَةِ وَهُوَ جُنُبٌ، فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ، فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ، فَقَالَ :أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ: كُنْتُ جُنُبًا، فَكَرِهْتُ أَنْ أُجَالِسَكَ وَأَنَا عَلَى غَيْرِ طَهَارَةٍ، فَقَالَ :سُبْحَانَ اللَّهِ، إِنَّ المُسْلِمَ لاَ يَنْجُسُ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میری مدینہ کے کسی راستے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی اس وقت میں جبکہ میں جنبی تھا، میں پیچھے رہ کر لوٹ گیا اور جلدی سے غسل کر کے واپس آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا اے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے عرض کیا میں جنابت کی حالت میں تھا (یعنی مجھ پر نہانا فرض تھا) اس لئے مجھے یہ برا معلوم ہوا کہ نہائے بغیر آپ کے پاس بیٹھ جاؤں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ، مومن ہرگز نجس نہیں ہوسکتا۔ (۳)

یہ بات یہودیوں کے دستور کے خلاف تھی،

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ الْيَهُودَ كَانُوا إِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ فِيهِمْ لَمْ يُؤَاكِلُوهَا، وَلَمْ يُجَامِعُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ فَسَأَلَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {**وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ**} (۴) إِلَى آخِرِ الْآيَةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ فَبَلَغَ

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الحیض بَابُ جَوَازِ غُسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ وَطَهَارَةِ سُؤْرِهَا وَالِاتِّكَاءِ فِي حِجْرِهَا وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِيهِ۶۹۱، سنن ابوداودکتاب الطهارة بَابٌ فِي الْحَائِضِ تُنَاوِلُ مِنَ الْمَسْجِدِ ۲۶۱، جامع ترمذی ابواب الطهارة بَابٌ فِي الْحَائِضِ تُنَاوِلُ مِنَ الْمَسْجِدِ ۱۳۴، سنن نسائی کتاب الحائض باب بَابُ اسْتِخْدَامِ الْحَائِضِ ۳۸۶

(۲) سنن ابوداودکتاب الحیض والاستحاضة بَابُ اسْتِخْدَامِ الْحَائِضِ ۲۶۱

(۳) صحیح بخاری کتاب الغسل بَابُ عَرَقِ الجُنُبِ، وَأَنَّ المُسْلِمَ لاَ يَنْجُسُ ۲۸۳

(۴) البقرة: ۲۲۲

ذٰلِكَ الْيَهُودَ، فَقَالُوا: مَا يُرِيدُ هَذَا الرَّجُلُ أَنْ يَدَعَ مِنْ أَمْرِنَا شَيْئًا إِلَّا خَالَفَنَا فِيهِ، فَجَاءَ أُسَيْدُ بْنُ حُضَيْرٍ، وَعَبَّادُ بْنُ بِشْرٍ فَقَالَا يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ الْيَهُودَ تَقُولُ: كَذَا وَكَذَا، فَلَا نُجَامِعُهُنَّ؟ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنْ قَدْ وَجَدَ عَلَيْهِمَا، فَخَرَجَا فَاسْتَقْبَلَهُمَا هَدِيَّةٌ مِنْ لَبَنٍ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَرْسَلَ فِي آثَارِهِمَا فَسَقَاهُمَا، فَعَرَفَا أَنْ لَمْ يَجِدْ عَلَيْهِمَا

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یہود میں جب کوئی عورت حائضہ ہوتی تو اس کو اپنے ساتھ نہ کھلاتے تھے اور نہ گھر میں اس کے ساتھ رکھتے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا جس کے جواب میں سورہ بقرہ کی آیت وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ نازل ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا سوائے جماع کے اور سب کچھ حلال ہے، یہ خبر یہود کو پہنچی تو کہنے لگے یہ شخص (محمد ﷺ) کو تو ہماری ہر بات کی مخالفت سے ہی غرض ہے،

یہ سن کر اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ اور عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہود ایسا ایسا کہتے ہیں ہم حائضہ عورتوں سے جماع کیوں نہ کریں؟ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا، ہم یہ سمجھے کہ آپ ﷺ کو ان دونوں شخصوں سے ناراض ہو گئے ہیں، وہ اٹھ کر باہر جانے لگے اتنے میں کسی نے آپ ﷺ کو تحفتاً دودھ بھیجا، آپ ﷺ نے ان دونوں کے پیچھے آدمی بھیج کر انہیں بلایا اور انہیں دودھ پلایا تب انہیں تسلی ہوئی کہ آپ ان سے ناراض نہیں ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ... ﴿۲۲۲﴾[2]

ترجمہ: پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے؟ کہو: وہ ایک گندگی کی حالت ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ، جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں جب وہ پاک ہو جائیں، تو ان کے پاس جاؤ اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔

یہ کنارہ کشی صرف جماع (ہم بستری) سے ہے اس کے علاوہ عورت کے ساتھ ہر معاملہ جائز ہے اور ہر طرح کا تعلق قائم کرنا حلال ہے، اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا صحیح ہے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا پینا جائز ہے۔

لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض بَابُ جَوَازِ غُسْلِ الْحَائِضِ رَأْسَ زَوْجِهَا وَتَرْجِيلِهِ وَطَهَارَةِ سُؤْرِهَا وَالِاتِّكَاءِ فِي حِجْرِهَا وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِيهِ ۶۹۴، سنن ابوداودکتاب الطھارۃ بَابٌ فِي مُؤَاكَلَةِ الْحَائِضِ وَمُجَامَعَتِهَا ۲۵۸، جامع ترمذی ابواب تفسیرالقرآن بَابٌ وَمِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ ۲۹۷۷، سنن نسائی کتاب الطھارۃ بَابُ تَأْوِيلِ قَوْلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۲۸۹، سنن ابن ماجہ کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی مواکلۃ الحائض وسورھا ۶۴۴

[2] البقرۃ ۲۲۲

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق فرمائی تو اپنی رحمت کے سو حصوں میں سے صرف ایک حصہ تمام مخلوق میں تقسیم فرمادیا جس کی وجہ سے انسان ہو یا جانور یا کوئی درندہ ہو یا پرندہ اپنی اولاد سے محبت کرتا اور اس کی حفاظت کرتا ہے، قریش بھی انسان تھے ان میں بھی محبت کے جذبات تھے وہ بھی اپنی اولاد کی پرورش اور حفاظت کرتے تھے اس لئے بنو قریش میں اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا کوئی واقعہ نہیں ہوا،اس کے علاوہ اور کئی لوگوں کو جیسے زید بن عمرو بن نفیل، فرزوق شاعر کے داد اصعصعہ بن ناجتہ المجاشعی کو اس غیر انسانی رسم کی قباحت کا احساس تھا وہ لوگوں کو اس قبیح فعل سے روکتے اور ایسی ہر لڑکی کو دو اونٹ فدیئے میں دے کر حاصل کرتے اور جب یہ لڑکیاں جوان ہو جاتیں تو کہیں بیاہ دیتے مگر چند وجوہ کی بنا پر یہ بے رحمانہ قبیح رسم قبیلہ تمیم میں رائج تھی، خاندان قریش کا دامن اس مرض سے پاک تھا جن کی عورتوں کے بارے میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ أَحْنَاهُ عَلَى يَتِيمٍ فِي صِغَرِهِ، وَأَرْعَاهُ عَلَى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهِ

اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی عورتیں ہیں جو بچوں پر بچپنے میں بہت مہربان ہوتی ہیں اور خاوند کے مال کا بہت خیال رکھتی ہیں۔[1]

جس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ باوجود معاشی خستہ حالی کے عربوں میں متعدد شادیوں کا رواج تھا جن سے بچے بھی پیدا ہوتے تھے مگر ان میں بچوں کی پرورش کی سکت نہ ہوتی اس لئے وہ چاہتے کہ کھانے والے کم سے کم ہوں، اس لئے ان کی کوشش یہ ہوتی کہ بیٹی کو مار دیا جائے تاکہ اس کے جوان ہونے تک کفالت بھی نہ کرنی پڑے، اور نہ ہی شادی بیاہ کے اخراجات برداشت کرنے پڑیں اور نہ ہی ان کا کوئی داماد بنے گا، جبکہ بیٹوں کے بارے میں یہ خیال کر لیتے کہ یہ جوان ہو کر والدین اور قبیلے کا ہاتھ بٹائیں گے، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے قبیلوں میں ایک دوسرے پر اچانک چھاپہ، مار دھاڑ، قتل وغارت، لوٹ مار روزمرہ کا معمول تھا اس کھٹکے کی وجہ سے کہ کب غارت گر صبح سویرے ان کے قبیلے پر آپڑے اور قتل وغارت کا بازار گرم کر دے کسی بستی کا کوئی شخص رات کو سکھ چین کی نیند نہیں سو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی شخص رات کے وقت اپنے قبیلے کی حدود سے باہر جانے کی ہمت کرتا تھا کیونکہ حدود قبیلہ سے باہر جا کر واپس آنا یا گرفتار ہو کر غلام بن جانے سے محفوظ رہنا امر محال تھا اس لئے قبیلے کے لوگ اپنے حامی و مددگار حاصل کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ بیٹوں کو پال پوس کر جوان کرتے، انہیں گھڑ سواری، تلوار و تیر اندازی کے گر سکھائے جاتے تاکہ وہ اپنی اور اپنے قبیلے کی حفاظت کر سکیں، اس کے برعکس لڑکیاں ان قبائلی لڑائیوں میں کوئی مدد نہیں دے سکتی تھی بلکہ مردوں کے لئے مصیبت بن جاتیں اور ان کی حفاظت کرنی پڑتی تھی، بدقسمتی سے اگر مغلوب قبیلہ کی کوئی حاملہ عورت ہاتھ لگ جاتی تو اس کا پیٹ چاک کر ڈالتے، بچوں کو تہہ تیغ کرتے اور اگر لڑکی کسی دشمن قبیلے کے ہاتھ لگ جاتی تو میدان جنگ میں ہی سب کے سامنے اس کی عزت و ناموس کو تار تار کر دیا جاتا جیسا کہ بنو ضبہ نے بنو عامر پر غلبہ حاصل کر کے کیا، پھر اپنے دشمن کو ساری زندگی ذلیل و خوار کرنے اور آمدنی بڑھانے کے لئے اس لڑکی کو قینات میں داخل کر لیتے جو اس قبیلے کی عزت و وقار پر ہمیشہ ایک

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل بَابُ مِنْ فَضَائِلِ نِسَاءِ قُرَيْشٍ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ۶۴۵۶

بدنما دھبہ بن جاتا اور ایسی عورتوں سے پیدا ہونے والی اولاد پوری زندگی عار میں مبتلا رہتی، اور اگر صلح کی صورت بنتی تو یہ لڑکیاں اس قبیلہ کو واپس کر دی جاتیں مگر اس وقت تک ان کی عزت وعصمت برباد ہو چکی ہوتی، ان لڑکیوں کے قابض ان کے تصرف پر فخر کرتے مگر ان کے قبیلے پھر بھی کوئی عیب خیال کئے بغیر اپنی لڑکیوں کو واپس لے لیتے تھے، اس لئے جب ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو انکا سر جھک جاتا اور باپ شرم سے اپنے گھر میں رہنا چھوڑ دیتا، یہی وجہ تھی کہ لڑکیوں کی پیدائش باعث ننگ وعار تھی، پیدا ہونے کے ساتھ ان کو زندہ درگور کر دینا اسی کو بعضوں نے اپنی شرافت وافتخار کا اقتضا قرار دے رکھا تھا۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ... ﴿۵۹﴾ [۱]

ترجمہ: اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرے پڑ کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔

اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾ [۲]

ترجمہ: اور حال یہ ہے کہ جس اولاد کو یہ لوگ اس خدائے رحمان کی طرف منسوب کرتے ہیں اس کی ولادت کا مژدہ جب خود ان میں سے کسی کو دیا جاتا ہے تو اس کے منہ پر سیاہی چھا جاتی ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ... ﴿۱۳۷﴾ [۳]

ترجمہ: اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے تا کہ ان کو ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں۔

اس مسئلے کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی پہلے سے تیار ایک گڑھے میں ڈال کر دبا دیا جائے تا کہ نہ ہوگا بانس اور نہ بجے گی بانسری، اسلام نے آ کر فقر وفاقہ کا خوف ان کے دلوں سے نکالا اور الرزاق کی قوت متین پر اعتماد کا جذبہ پیدا کیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس قبیح فعل پر فرمایا۔

... وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ... ﴿۱۵۱﴾ [۴]

ترجمہ: اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی دیں گے۔

---

[۱] النحل ۵۸،۵۹

[۲] الزخرف ۱۷

[۳] الانعام ۱۳۷

[۴] الانعام ۱۵۱

وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾ (۱)

ترجمہ: اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی، درحقیقت ان کا قتل ایک بڑی خطا ہے۔

وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۙ﴿۸﴾ بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ﴿۹﴾ (۲)

ترجمہ: جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟۔

قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۔۔۔ ﴿۱۴۰﴾ (۳)

ترجمہ: یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنھوں نے اپنی اولاد کو جہالت و نادانی کی بنا پر قتل کیا۔

اگر کسی وجہ سے اس وقت ایسا نہ ہوسکتا تو باحالت مجبوری کچھ عرصہ اس لڑکی کی پرورش کی جاتی اور پھر موقعہ پا کر باپ اس ظالمانہ فعل کے ارتکاب کے لئے اسے کہیں دور صحرا میں لے جاکر زندہ دفن کر دیتا یا کسی کنویں میں دھکا دے دیتا اور لڑکی ابا ابا ہی پکارتی ہوئی ڈوب کر مر جاتی مگر باپ بیٹی کی آخری درد بھری پکار سن کر اپنے دل میں کوئی درد، کھٹک یا کسک بھی محسوس نہ کرتا اسے صرف اپنی اور اپنے قبیلے کی عزت و وقار کی فکر دامن گیر رہتی، اپنے اس فعل قبیح پر فخر کرتے اور اس عمل کو اعلیٰ شرافت کا نشان سمجھا جاتا۔

عَنِ الْوَضِينِ: أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ وَعِبَادَةِ أَوْثَانٍ، فَكُنَّا نَقْتُلُ الْأَوْلَادَ، وَكَانَتْ عِنْدِي بِنْتٌ لِي فَلَمَّا أَجَابَتْ، وَكَانَتْ مَسْرُورَةً بِدُعَائِي إِذَا دَعَوْتُهَا، فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا، فَاتَّبَعَتْنِي فَمَرَرْتُ حَتَّى أَتَيْتُ بِئْرًا مِنْ أَهْلِي غَيْرَ بَعِيدٍ، فَأَخَذْتُ بِيَدِهَا فَرَدَّيْتُ بِهَا فِي الْبِئْرِ، وَكَانَ آخِرَ عَهْدِي بِهَا أَنْ تَقُولَ: يَا أَبَتَاهُ يَا أَبَتَاهُ فَبَكَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى وَكَفَ دَمْعُ عَيْنَيْهِ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ جُلَسَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَحْزَنْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهُ: كُفَّ فَإِنَّهُ يَسْأَلُ عَمَّا أَهَمَّهُ ثُمَّ قَالَ لَهُ: أَعِدْ عَلَيَّ حَدِيثَكَ فَأَعَادَهُ، فَبَكَى حَتَّى وَكَفَ الدَّمْعُ مِنْ عَيْنَيْهِ عَلَى لِحْيَتِهِ، ثُمَّ قَالَ لَهُ: إِنَّ اللهَ قَدْ وَضَعَ عَنِ الْجَاهِلِيَّةِ مَا عَمِلُوا، فَاسْتَأْنِفْ عَمَلَكَ

وضین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم جاہلیت میں مبتلا لوگوں اور بتوں کے پجاری تھے ہم اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے، میری ایک بیٹی تھی جب وہ کچھ بڑی ہوئی تو جب بھی میں اسے بلاتا تو وہ میرے بلانے پر خوش ہوتی تھی، ایک دن میں نے اسے بلایا وہ میرے پیچھے آئی میں چلتا ہوا اپنے گھر کے کنویں کے پاس آ گیا جو زیادہ دور نہیں تھا میں نے اس بچی کا ہاتھ پکڑا اور اسے کنویں میں پھینک دیا اس نے مجھ سے آخری بات یہ کہی اے اباجان! اے اباجان! (راوی کہتے

(۱) بنی اسرائیل ۳۱

(۲) التکویر ۸،۹

(۳) الانعام ۱۴۰

ہیں) رسول اللہ ﷺ نے شقاوت قلبی کا یہ بیان سنا تو آپ کی دونوں آنکھوں سے مسلسل آنسو جاری ہو گئے، نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے حضرات میں سے ایک صاحب نے اس شخص سے کہا تم نے اللہ کے رسول کو غمگین کر دیا ہے، نبی اکرم ﷺ نے ان صاحب سے کہا رہنے دیں اس نے وہ بات دریافت کی ہے جسے اہم سمجھا ہے، پھر نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے کہا اپنی بات میرے سامنے دوبارہ بیان کرو اس شخص نے دوبارہ بیان کی، نبی اکرم ﷺ رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو کر آپ کی داڑھی مبارک پر گرنے لگے، پھر نبی اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں جو کام کیے تھے اللہ نے انہیں درگزر کر دیا ہے اب تم نئے سرے سے عمل کا آغاز کرو۔ (۱)

منقطع روایت ہے۔

مات سنة تسع وأربعين ومائة

آخری راوی وضین جو اسی ہجری میں پیدا ہوا اور ۱۴۹ ھ میں فوت ہوا ضعیف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اس کی روایت نہیں لی۔

وقال ابن سعد: ضعیف

ابن سعد کہتے ہیں ضعیف ہے۔

قال الجوزجاني: واهي الحديث

جوزجانی رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی روایت واہی ہوتی ہے۔ (۲)

سيء الحفظ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کا حافظہ بہت ردی تھا۔ (۳)

روایت میں اوپر کے دو راوی غائب ہیں۔

عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: جَاءَ قَيْسُ بْنُ عَاصِمٍ التَّمِيمِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي وَأَدْتُ ثَمَانِيَ بَنَاتٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَ: فَأَعْتِقْ عَنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ بَدَنَةً

قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے قیس بن عاصم نے (جو قبیلہ بنی تمیم کا سردار تھا) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف کیا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آٹھ لڑکیوں کو زندہ دفن کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا ہر ایک لڑکی کے لیے ایک جانور ذبح کرو۔ (۴)

---

(۱) سنن الدارمی ۲

(۲) میزان الاعتدال ۴/۳۳۴

(۳) تقریب التہذیب ۵۸۱

(۴) تفسیر طبری ۲۴/۲۴۸

ایسی ہی ایک داستان جو کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی مگر سید نا عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو زندہ دفن کیا تھا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب مبعوث فرمایا اس وقت سید نا عمر رضی اللہ عنہ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ [۱] سید نا عمر رضی اللہ عنہ کی چھ بیویاں تھیں جن سے نو لڑکے عبد اللہ رضی اللہ عنہ، عبد الرحمان، عیاض، عاصم، عبید اللہ، زید الاکبر، زید الاصغر، عبد الرحمان الاوسط اور عبد الرحمان الاصغر اور چار لڑکیاں حفصہ، رقیہ، فاطمہ اور زینب پیدا ہوئیں۔

جس ترتیب سے شادیاں کیں ان کی تفصیل اور ان پیدا ہونے والی اولاد کچھ اس طرح ہے۔

پہلی شادی زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون بن حبیب بن مناۃ بن جمح سے کی جو رسول اللہ کے رضاعی بھائی سابقین اولین عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بہن تھیں، ان کے بطن سے سید نا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک لڑکی حفصہ رضی اللہ عنہا اور دو لڑکے عبد اللہ رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمان رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، عرب میں کنیت بڑی لڑکی یا لڑکے کے نام پر ہوتی تھی اس لئے سید نا عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت بڑی بیٹی کے نام پر ابو حفص تھی، جب سید نا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب اسلام لائے اس وقت تک ان کے یہی تین بچے تھے، اور اسی بڑی لڑکی حفصہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین اور سید نا عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سسر بننے کا شرف حاصل ہوا، باقی تین لڑکیاں تو ایام جاہلیت کے بعد پیدا ہوئیں اس لئے ان کے زندہ دفن کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری شادی عاتکہ رضی اللہ عنہا بنت زید بن عمرو بن نفیل سے ہوئی جن کے بطن سے ایک لڑکا عیاض پیدا ہوا۔

تیسری شادی جمیلہ بنت ثابت بن الافلح سے ہوئی جن کے بطن سے ایک لڑکا عاصم پیدا ہوا۔

چوتھی شادی ام حکیم رضی اللہ عنہا بنت الحارث بن ہشام سے ہوئی جن کے بطن سے ایک لڑکی فاطمہ پیدا ہوئی۔

پانچویں شادی ام کلثوم بنت جرول بن مالک بن معیب سے ہوئی جن کے بطن سے دو لڑکے عبید اللہ اور زید الاکبر پیدا ہوئے۔

چھٹی شادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت سید نا علی ابن ابی طالب سے ہوئی جن کے بطن سے ایک لڑکا زید الاصغر اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئیں، ان بیویوں کے علاوہ ایک باندی فکیہ سے ایک لڑکی زینب اور دوسری باندی لہیہ سے دو لڑکے عبد الرحمان الاوسط اور عبد الرحمان الاصغر پیدا ہوئے۔

اب روایت بیان کرنے والے ہی بتلائیں ان کی کون سی بیوی سے کون سی لڑکی زندہ دفن کی گئی اور اگر سید نا عمر رضی اللہ عنہ کو لڑکیوں سے اتنی ہی نفرت تھی تو پھر ان کی کنیت ابو حفص بڑی لڑکی کے نام پر کیوں تھی۔

اسلام نے عورت کو اس کا صحیح مقام عطا کیا، لڑکیوں کا قتل بند کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکیوں کے ساتھ حسن سلوک کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتِ، فَإِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سید الامم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی بیٹیوں سے نفرت نہ کرو کہ وہ تو دکھ کی ساتھی ہیں اور بہت قیمتی ہیں۔ [۲]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ وُلِدَتْ لَهُ ابْنَةٌ، فَلَمْ يَئِدْهَا، وَلَمْ يُهِنْهَا، وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ

[۱] سیرت النبی ۱/۱۵۵

[۲] مسند احمد ۱۷۳۷۳

عَلَيْهَا - يَعْنِي الذَّكَرَ - أَدْخَلَهُ اللَّهُ بِهَا الْجَنَّةَ

اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص کے یہاں بیٹی کی پیدائش ہو، وہ اسے زندہ درگور کرے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھے اور نہ ہی لڑکے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخلہ عطاء فرمائے گا۔ (١)

عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ، يَقُولُ: أَنَّهُ حَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: يَا سُرَاقَةُ، أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَعْظَمِ الصَّدَقَةِ أَوْ مِنْ أَعْظَمِ الصَّدَقَةِ؟ قَالَ: بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ: ابْنَتُكَ مَرْدُودَةٌ إِلَيْكَ، لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ

سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے سراقہ رضی اللہ عنہ! کیا میں تمہیں سب سے عظیم صدقہ نہ بتاؤں ؟میں نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری وہ بیٹی جو اپنے شوہر کی وفات یا طلاق کی وجہ سے تمہارے پاس واپس جائے اور تمہارے علاوہ اسکا کوئی کمانے والا نہ ہو۔ (٢)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَضَمَّ أَصَابِعَهُ

اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا۔ (٣)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: دَخَلَتِ امْرَأَةٌ مَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا تَسْأَلُ، فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا، فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا، وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا، ثُمَّ قَامَتْ، فَخَرَجَتْ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا، فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ: مَنِ ابْتُلِيَ مِنْ هَذِهِ البَنَاتِ بِشَيْءٍ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لئے ہوئے مانگتی ہوئی آئی، میرے پاس ایک کھجور کے سوا اس وقت اور کچھ نہ تھا میں نے وہی دے دی، وہ ایک کھجور اس نے اس نے دونوں بچیوں میں تقسیم کر دی پھر وہ اٹھی اور چلی گئی، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ سے اس (عورت) کا حال بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ان بچیوں کی وجہ سے خود کو معمولی سی بھی تکلیف میں ڈالا تو بچیاں اس کے لئے دوزخ کی آگ سے بچاؤ کے لئے آڑ بن جائیں گی۔ (٤)

---

(١) مسند احمد ١٩٥٧

(٢) مسند احمد ١٧٥٨٦، سنن ابن ماجه كِتَابُ الْأَدَبِ بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ، وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ ٣٦٦٧

(٣) صحيح مسلم كتاب البر والصلة والاداب بَابُ فَضْلِ الْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ ٦٦٩٥، شعب الايمان ٨٣٠٧، مصنف ابن ابی شيبة ٢٥٤٣٩

(٤) صحيح بخاری كتاب الزكوة بَابُ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَالقَلِيلِ مِنَ الصَّدَقَةِ ١٤١٨، صحيح مسلم كتاب البر والصلة والاداب بَابُ فَضْلِ الْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ ٦٦٩٣، جامع ترمذی ابواب البر والصلة بَابُ مَا جَاءَ فِي النَّفَقَةِ عَلَى البَنَاتِ وَالأَخَوَاتِ ١٩١٤، مسند احمد ٢٤٠٥٥

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: جَاءَتْنِي مِسْكِينَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا، فَأَطْعَمْتُهَا ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ، فَأَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَمْرَةً، وَرَفَعَتْ إِلَى فِيهَا تَمْرَةً لِتَأْكُلَهَا، فَاسْتَطْعَمَتْهَا ابْنَتَاهَا، فَشَقَّتِ التَّمْرَةَ، الَّتِي كَانَتْ تُرِيدُ أَنْ تَأْكُلَهَا بَيْنَهُمَا، فَأَعْجَبَنِي شَأْنُهَا، فَذَكَرْتُ الَّذِي صَنَعَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ، أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں ایک فقیرنی اپنی دونوں بیٹیوں کو ہمراہ لئے میرے پاس آئی، میں نے اس کو تین کھجوریں دیں اس نے ایک ایک کھجور دونوں لڑکیوں کو دی اور تیسری خود کھانے کے لئے منہ سے لگائی، اتنے میں اس کی بیٹیوں نے (وہ کھجور بھی کھانے کے لئے مانگ لی) اس نے اس کھجور کو جس کو وہ خود کھانا چاہتی تھی دو ٹکڑے کیے اور آدھی آدھی لڑکیوں کو دے دی، اس نے جو کیا مجھے اس کا یہ حال دیکھ کر تعجب ہوا، جب سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے (ممتا کی ماری ماں کا یہ اثر انگیز قصہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس سبب سے اس (عورت) کے لئے جنت واجب کر دی یا ان کی وجہ سے اسے دوزخ سے آزاد کر دیا۔ [1]

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ، قَالَ: اتَّقُوا اللهَ فِي الضَّعِيفَيْنِ الْمَرْأَةِ الْأَرْمَلَةِ وَالصَّبِيِّ الْيَتِيمِ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت ہم قریب ہی موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! خبردار ہو جاؤ میں تم کو دو کمزوروں کے حقوق کی تاکید کرتا ہوں اور اس میں کوتاہی کرنے سے ڈراتا ہوں ایک یتیم دوسرے عورت۔ [2]

ڈاکہ زنی:

عرب میں معمولی معمولی باتوں پر جنگ وجدل، قتل وغارت، قافلوں اور مسافروں پر لوٹ مار روزمرہ کی بات تھی، اس رہزنی وقتل وغارت میں بڑے بڑے نامور شعراء بھی شامل تھے مگر قریش جن کا ذریعہ معاش تجارت تک محدود تھا اور وہ شہر کی متمدن زندگی گزارتے تھے ان چیزوں میں شامل نہ تھے، ان رہزنی کے واقعات میں بعض قبائل جن میں قبیلہ طے بھی تھا بہت مشہور تھے جن کے لوٹ مار کے خاص جتھے جنہیں لصوص کہا جاتا تھا پہاڑوں کی غاروں میں روپوش رہتے اور گزرنے والے قافلوں کو جب وہ سفر سے تھک کر صبح کے وقت قیام کے لئے اترتے لوٹ لیتے، ان رہزنوں میں ہمدردی نام کی کوئی شئے نہیں تھی وہ ہمدردی سے کمزوروں کے مال واسباب کے بارے میں یہ نہیں کہتے تھے کہ انہیں نہ لوٹا جائے بلکہ اس کے برعکس ان کا مقولہ یہ تھا کہ آخر ان لوگوں سے مال واسباب کیوں نہ لوٹا جائے، ان لڑائیوں میں کمزور، نہتے اور بے قصور لوگ مارے جاتے اور مقتول کا مال اس شخص کے وارث ہڑپ کر جاتے اور اس کے کم سن معصوم بچے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے

---

[1] صحیح مسلم کتاب البروالصلة والاداب بَابُ فَضْلِ الْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ ٦٦٩٤،سنن ابن ماجہ کتاب الادب بَابُ بِرِّ الْوَالِدِ، وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْبَنَاتِ٣٦٦٨، صحیح ابن حبان ٤٤٨، مسنداحمد٢٤٦١١

[2] شعب الایمان١٩٥٤٢

پھرتے کیونکہ ان کا یہ مقولہ تھا کہ میراث کا حقدار صرف وہ مرد ہوسکتا ہے جو لڑنے اور اپنے کنبہ کی حفاظت کرسکتا ہو، اس لئے رسول اللہ ﷺ عورتوں سے بیعت لیتے وقت اس چیز کا بھی اقرار لیتے تھے کہ وہ چوری نہ کریں گے۔

يَآيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫ [۱]

ترجمہ: اے نبی (ﷺ) جب تمہارے پاس مومن عورتیں بیعت کرنے کے لیئے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی، اپنے ہاتھ پاؤں کے آگے کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور کسی امر معرف میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی، تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کرو، یقیناً اللہ درگزفرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

چوری اور نقب زنی:

ڈاکے ڈالنے کے علاوہ چوری کرنا بھی عام رواج میں شامل تھا جو ان کی نظر میں کوئی معیوب بات نہ تھی، ایسا کام وہ لوگ سرانجام دیتے جو اپنے قبیلہ میں بہادر ہوتے اور تنہا کہیں جا کر یہ خطرناک کام کرنے کا حوصلہ رکھتے، اس کام کے لئے چوروں کی نظر میں اپنوں اور غیروں کی کوئی تمیز نہیں تھی، بلکہ ان چوروں کو جن میں مرد یا عورت ہوتی جہاں موقعہ ملتا چوری یا نقب زنی کر ڈالتے، ان قبائل میں اسلم،، مزینہ اور جھینہ جو حاجیوں کا مال واسباب چوری کیا کرتے تھے خاص طور پر بدنام تھے،

عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ أَبِي بَكْرَةَ، يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ الأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ، جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّمَا بَايَعَكَ سُرَّاقُ الْحَجِيجِ مِنْ أَسْلَمَ، وَغِفَارَ، وَمُزَيْنَةَ، وَأَحْسِبُ جُهَيْنَةَ

عبدالرحمن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں اقرع بن حابس رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ قبیلہ اسلام غفار مزنیہ اور میرا گمان ہے کہ جہینہ نے آپ ﷺ کی بیعت کی ہے یہ حاجیوں کا مال چوری کرنے والے ہیں۔ [۲]

اہل قریش تو بیت اللہ کے خزانے پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے چنانچہ کلبی نے کئی ممتاز قریشیوں کے مگر بطور خاص عبدالعزی (ابولہب) کا نام لکھا ہے،

وهو سارق غزال الكعبة. وكان الغزال من ذهب

---

[۱] الممتحنة ۱۲

[۲] صحيح بخارى كِتَابُ المَنَاقِبِ بَابُ ذِكْرِ أَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَيْنَةَ وَجُهَيْنَةَ وَأَشْجَعَ ۳۵۱۶، صحيح مسلم كتاب فَضَائِلِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ بَابُ مِنْ فَضَائِلِ غِفَارَ، وَأَسْلَمَ، وَجُهَيْنَةَ، وَأَشْجَعَ، وَمُزَيْنَةَ، وَتَمِيمٍ، وَدَوْسٍ، وَطَيِّءٍ ۶۴۴۴

جنہوں نے بیت اللہ کے خزانے سے سونے کا ایک ہرن چوری کرلیا تھا۔ (۱)

اللہ نے چوری کی سزا مقرر فرمادی۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَاۗءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؀ (۲)

ترجمہ: اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

یتامیٰ سے سلوک:

ایمانداری، حقوق و فرائض کی ان کی نظر میں کوئی اہمیت یا وقعت نہیں تھی، اگر مرنے والے کے کئی وارث ہوتے تو ان میں جو زیادہ طاقت ور اور با اثر ہوتا وہ بلا تامل تمام ملکیت پر قبضہ کر کے کمزور وارثوں کا حق ملکیت دبالیتا اسے نہ تو شرمندگی ہوتی اور نہ ہی اسے کوئی طعنہ دیتا، اس سلسلہ میں حکیم بن ہشام مخزومی (ابوجہل) کے بارے میں ایک واقعہ بطور نمونہ پیش خدمت ہے کہ عرب کے سب سے معزز اور ترقی یافتہ قبیلہ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کا یتیموں اور بے مددگار لوگوں کے ساتھ کیا سلوک تھا، ان سرداروں کی اخلاقی حالت کیا تھی باقی قبیلے اس سے زیادہ ہی گری ہوئی حالت میں ہی ہوں گے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کس بلند اخلاق کے مالک تھے اور آپ ﷺ کے اس اخلاق کا آپ کے بدترین دشمنوں تک پر کیا رعب تھا، یہ جہنمیوں کا سردار ایک یتیم ولاوارث بچے کا وصی تھا اس کے والدین کا چھوڑا ہوا ترکہ اس کے قبضہ میں تھا مگر یہ اس بچہ کو دیتا کچھ بھی نہ تھا جس سے بچے کی حالت بہت ناگفتہ بہہ تھی، نہ تو اس کے پیٹ میں کچھ تھا، نہ جسم ڈھانپنے کو لباس اور نہ ہی پاؤں میں جوتا تھا، اس بے کسی کے عالم میں وہ فرعون امت ابوجہل کے پاس آیا اور دردمندانہ التجا کی کہ وہ اسے اپنے باپ کے ترکہ میں سے کچھ دے دے جس سے اس کا جسم ڈھک جائے اور کچھ پیٹ میں چلا جائے، بچے کی یہ قابل رحم حالت دیکھ کر اس شقی القلب انسان کے دل میں جو ہر وقت بیت اللہ میں بیٹھا رہتا تھا نہ شرمندگی ہوئی اور نہ ہی ہمدردی جاگی اور نہ ہی اس نے اس بچہ کی طرف کوئی خاص توجہ کی، بچہ امید و رجاء کی کیفیت میں کافی دیر تک اس کے گھر پر کھڑا رہا کہ شاید اس کا دل پسیج جائے اور وہ کچھ دے دے مگر پتھروں میں جونک نہیں لگتی، جب بہت دیر ہوگئی اور کچھ نتیجہ نہ نکلا تو وہ مایوس ہو کر سر جھکائے کہیں جانے لگا، قریش کے دوسرے سردار جو خود بھی اس حمام میں ننگے تھے اور سخت دلی میں ابوجہل سے کم نہ تھے یہ واقعہ دیکھ رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کی ابوجہل سے جھڑپ کرانے کے لئے انہیں مذاق سوجھا انہوں نے اس بچہ کو اپنے پاس بلا کر بطور شرارت کہا کہ تم محمد ﷺ کے پاس جا کر ابوجہل کی شکایت کرو وہ تمہیں تمہارا مال دلوادیں گے، بچہ ابھی بہت کم سن اور ناسمجھ تھا اسے تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ محمد ﷺ کا ابوجہل سے کیا تعلق ہے اور یہ لوگ اسے کیوں محمد ﷺ کے پاس بھیج رہے ہیں، مگر ضرورت مند تھا اسے اپنے حق میں مفید مشورہ سمجھ کر سیدھا محمد ﷺ کے پاس جا پہنچا اور ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں اپنا دکھڑا سنایا، باوجود اس کے کہ حالات بہت سنگین تھے اور معاملہ بھی بدترین دشمن سے تھا مگر آپ ﷺ فوراً کسی

(۱) کتاب المارف لابن قتیبة ١/١٢٥ ، نشوة الطرب في تاريخ جاهلية العرب ١/٣٤١

(۲) المائدة ٣٨

بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس بچہ کے ساتھ اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے گھر چلے آئے، ابوجہل نے آپ ﷺ کا استقبال کیا اور آنے کا سبب دریافت کیا، آپ ﷺ نے اسے کہا کہ وہ فوراً اس بچے کا حق اسے لوٹا دے، اللہ نے اپنے آخری رسول کو بڑا رعب و دبدبہ عنایت کیا تھا آپ ﷺ کا مطالبہ سن کر ابوجہل کی سٹی گم ہو گئی وہ آپ ﷺ کے آگے ایک لفظ بھی نہ بول سکا اور بچے کا حق دے دینے کو تیار ہو گیا اور بچے کا مال آپ کے سامنے ہی ادا کر دیا، قریش کے سردار شرارت کی چنگاری پھینک کر ایک شاندار جھڑپ کے منتظر تھے اور خواہش مند تھے کہ کسی طرح محمد ﷺ کو ابوجہل کے ہاتھوں نیچا کیا جاسکے مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا تھا محمد ﷺ کے رعب و دبدبہ کے سامنے ان کے بڑے سردار کی گردن ہی جھک گئی تھی اور وہ محمد ﷺ کے سامنے بھیگی بلی بنا کھڑا تھا، جب معاملہ رفع دفع ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ واپس چلے گئے تو یہ شرارتی سردار ابوجہل کے پاس آئے اور طعنہ دے کر کہنے لگے کہ تم نے تو اپنے بزرگوں کا دین و دھرم چھوڑ دیا ہے، ابوجہل نے اللہ کی قسم اٹھا کر کہا دوستو میں نے اپنا دین نہیں بدلہ مگر جب محمد ﷺ تشریف لائے تو مجھے ایسے محسوس ہوا کہ آپ ﷺ کے دائیں بائیں ایک ایک حربہ ہے اگر میں نے ان کی مرضی ومنشاء کے خلاف قدم اٹھایا تو وہ میرے جسم میں داخل ہو جائے گا۔ (۱)

لیکن اگر لاوارث کم سن بچیاں ہوتیں تو اپنے عزیزوں یا لوگوں کی کفالت میں آجاتیں جب وہ جوان ہو جاتیں تو دوسروں سے ان کا نکاح کرنے کے بجائے ان کے حسن و جمال سے بہرہ مند ہونے کے لئے بغیر حق مہر ادا کئے خود ان سے نکاح کر لیتے، پھر اس کا مال بھی ہضم کر جاتے اور ان پر ناروا ظلم وستم بھی کرتے۔

اللہ سبحان وتعالیٰ نے ان لوگوں کی کیفیت کچھ اس طرح بیان فرمائی، اور یتیموں کے مال و اسباب میں ہدایات فرمائیں۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾ وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾ وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾ (۲)

ترجمہ: ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے، اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے، اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴿٢﴾ (۳)

ترجمہ: یتیموں کے مال ان کو واپس دو، اچھے مال کو برے مال سے نہ بدلو اور ان کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ، یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ... ﴿٣٤﴾ (۴)

---

(۱) اعلام النبوۃ۔قاضی ابوالحسن الماوردی

(۲) الفجر ۱۷تا۲۰

(۳) النساء ۲

(۴) بنی اسرائیل ۳۴

ترجمہ: مال یتیم کے پاس نہ پھٹکو مگر احسن طریقے سے، یہاں تک کہ وہ اپنے شباب کو پہنچ جائے۔

حق تلفی:

اس حکیم بن ہشام مخزومی (ابوجہل) کے ساتھ جو رسول اللہ ﷺ کا ہم عمر ہی تھا ایک واقعہ اس طرح ہوا،

قدم رجل من إراش بإبل له مكة، فابتاعها منه أبو جهل بن هشام فمطله بأثمانها، وأقبل الإراسيّ حتى وقف على نادي قريش ورَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جالس في ناحية المسجد فقال: يا معشر قريش من رجل يؤديني على أبي الحكم بن هشام فإني غريب ابن سبيل، وقد غلبني على حقي، وأنا غريب ابن سبيل؟ فقال أهل المجلس: ترى ذلك الرجل وهم يهزؤون به، إلى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لما يعلمون بينه وبين أبي جهل من العداوة إذهب إليه فهو يؤديك عليه

اراش (مقام یا قبیلہ کا نام ہے) سے ایک شخص اپنے اونٹ فروخت کرنے مکہ مکرمہ میں آیا، ابوجہل کو چند اونٹ پسند آئے جو اس نے خرید لئے مگر قیمت ادا کرنے کے بجائے ٹال مٹول سے کام لینے لگا آخر جب وہ شخص قیمت وصول کرنے سے عاجز ہو گیا تو سرداران قریش کے پاس حرم کعبہ میں جا پہنچا اور سب کے سامنے کہنے لگا اے گروہ قریش! میں ایک غریب مسافر ہوں اور حکیم بن ہشام (ابوجہل) نے میرا حق دبالیا ہے اور میں ایک غریب پردیسی مسافر ہوں، رسول اللہ ﷺ بھی اس وقت حرم کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے، سب سرداران قریش جو رسول اللہ ﷺ اور ابوجہل کے درمیان عداوت کا جانتے تھے کہنے لگے کہ اے فریادی! ہم تمہاری فریاد پر ابوالحکم (ابوجہل) کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے، مگر ہاں (پھر اشارہ کر کے کہنے لگے) حرم میں اس جگہ جو شخص بیٹھا ہوا ہے اس سے جا کر اپنی کہانی سناؤ وہ تمہاری واجب ادا رقم دلوا دیں گے،

فأقبل الإراشي حتى وقف على رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقال: يا عبد الله إن أبا الحكم بن هشام قد غلبني على حق لي قبله، وأنا غريب ابن سبيل، وقد سألت هؤلاء القوم عن رجل يؤديني عليه، يأخذ لي حقي منه فأشاروا لي إليك، فخذ لي حقي منه، رحمك الله؛ فقال رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إنطلق إليه، وقام معه، فلما رأوه قام معه قالوا لرجل ممن معهم: إتبعه فانظر ماذا يصنع، فخرج رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حتى جاءه، فضرب عليه بابه فقال: من هذا؟ فقال: محمد فاخرج إلي

وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، حرم میں موجود قریشی سردار آپس میں کہنے لگے آج لطف آئے گا، وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور کہا اے عبد اللہ کے بیٹے! ابوحکم بن ہشام (ابوجہل) نے میرا حق دبالیا ہے اور میں ایک غریب مسافر ہوں، میں نے اس کی قوم کے سامنے فریاد کی تو انہوں نے آپکی طرف اشارہ کر کے کہا کہ آپ میرا حق اس سے دلوا سکتے ہیں، اللہ آپ پر رحم فرمائے میرا حق مجھے دلوا دیں، ساری بات سن کر آپ ﷺ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور اس شخص کے ساتھ ابوجہل کے مکان کی طرف چل پڑے، قریشی سردار تو

اس واقعہ سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے جب آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم روانہ ہوئے تو انہوں نے ایک آدمی کو پیچھے روانہ کیا کہ وہ چھپ کر دیکھے اور جو کچھ بیتے واپس آ کر خبر دے، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ابوجہل کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی، اس نے اندر سے پوچھا کون آیا ہے؟ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا باہر آؤ.

فخرج إليه وما في وجهه رائحة قد امتقع لونه، فقال له: أعط هذا الرجل حقه، فقال :نعم، لا يبرح حتى أعطيه الذي له، فدخل، فخرج إليه بحقه فدفعه إليه ثم انصرف رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وجاء الرجل الذي بعثوا معه، فقالوا له: ويحك ماذا رأيت؟ فقال: عجباً من العجب ، واللّٰه إلا أن ضرب عليه بابه فخرج وما معه روحه فقال: أعط هذا الرجل حقه، قال: نعم لا يبرح حتى أخرج إليه حقه، فدخل فأخرج إليه حقه فأعطاه إياه؛ ثم لم يلبث أن جاء أبو جهل فقالوا له:ويلك ما لك فو اللّٰه ما رأينا مثل ما صنعت؟!قال: ويحكم واللّٰه ما هو إلا أن ضرب على بابي وسمعت صوته فملئت رعباً ثم خرجت إليه وإن فوق رأسي لفحل من الإبل ما رأيت مثل هامته ولا قصرته ولا أنيابه لفحل قط، واللّٰه لو أبيت لأكلني

محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اپنے گھر پر پا کر ابوجہل حیران و پریشان ہو کر باہر نکل آیا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابوجہل سے فرمایا کہ اس شخص کا حق ادا کر دو ،رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا حکم پا کر ابوجہل کوئی چوں و چرا نہ کر سکا فوراً گھر کے اندر گیا اور اس شخص کی اونٹوں کی قیمت لا کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی، اس مسافر کا حق دلوا کر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم واپس لوٹ گئے، قریش کا مخبر بھی یہ کاروائی دیکھ رہا تھا اس نے یہ ماجرا دیکھ کر قریش کی طرف دوڑ لگا دی جب وہ ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس سے پوچھا تم نے وہاں کیا معاملہ دیکھا؟ وہ کہنے لگا میں نے آج وہ عجیب معاملہ دیکھا ہے جو اس سے بیشتر نہیں دیکھا تھا حکیم بن ہشام (ابوجہل) محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز پر جب گھر سے نکلا تو محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ ہی اڑ گیا اور جب محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے کہا کہ اس شخص کا حق ادا کر دو تو اسے لگا جیسے کہ اس کے جسم میں جان ہی نہ ہو پھر اس نے اس شخص کی قیمت بھی فوراً ادا کر دی، کچھ دیر بعد ابوجہل بھی وہاں آ گیا تو اہل مجلس نے اس سے پوچھا تمہارا ستیاناس ہو اللہ کی قسم! جو کچھ آج تم نے کیا ہے اس سے بیشتر ہم نے یہ معاملہ نہیں دیکھا ہے؟ ابوجہل نے کہا تم سب کا ستیاناس ہو! اللہ کی قسم! جونہی انہوں نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی آواز سنی تو میں مرعوب ہو گیا، میں باہر نکلا تو میں نے ان کے سر سے اوپر ایک زبردست نر اونٹ دیکھا، میں نے اتنا بڑا سر، اتنی موٹی گردن اور اتنے خوفناک دانت کسی بڑے سے بڑے اونٹ کے کبھی بھی نہیں دیکھے، اگر میں قیمت دینے سے انکار کرتا تو وہ اونٹ مجھے کچا چبا جاتا۔[1]

اسی طرح تیسرا واقعہ یوں پیش آیا،

بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جالسا فِي الْمَسْجِدِ مَعَهُ رِجَالٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَقْبَلَ رَجُلٌ مِنْ بَنِي زُبَيْدٍ يَقُولُ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ كَيْفَ تَدْخُلُ عَلَيْكُمُ الْمَادَّةُ، أَوْ يُجْلَبُ إِلَيْكُمْ جَلَبٌ، أَوْ يَحِلُّ تَاجِرٌ بِسَاحَتِكُمْ وَأَنْتُمْ تَظْلِمُونَ مَنْ دَخَلَ

[1] السير والمغازي لابن إسحاق ١٩٦/١

عَلَيْكُمْ فِي حَرَمِكُمْ يَقِفُ عَلَى الحَلَقِ حَلَقَةً حَلَقَةً حَتَّى انْتَهى إِلَى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم صَحْبِهِ، فقال رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ ظَلَمَكَ ؟فذَكَرَ أَنَّهُ قَدِمَ بِثَلاثَةِ أجمال كَانَتْ خِيرَةَ إِبلِهِ، فَسَامَهُ بِهَا أَبُو جَهْلٍ ثُلُثَ أَثْمَانِهَا، ثُمَّ لَمْ يَسُمْهُ بِهَا لأَجْلِهِ سَائِمٌ قَالَ: فَأَكْسَدَ عَلَيَّ سِلْعَتِي وَظَلَمَنِي،

رسول اللہ ﷺ، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کے ساتھ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے کہ بنی زبید کا ایک شخص آیا اور یوں کہنے لگا قریش کے لوگو! تمہارے ہاں مال تجارت لے آنے کی ہمت وجرات کون کرے گا جبکہ باہر سے مال تجارت لے کر آنے والوں کو تم لوٹ لیتے ہو، مظلوم آدمی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آیا اور اپنا شکوہ پیش کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا کس نے تم پر ظلم کیا ہے؟ اس شخص نے کہا ابوالحکم (ابوجہل) نے، اس نے میرے تین بہترین اونٹ خریدنے کی خواہش کی مگر ان کی قیمت کم لگائی، اب صورت حال یوں ہے کہ کوئی بھی شخص اس کی لگائی ہوئی قیمت کے مقابلے میں زیادہ پر خریدنے کو تیار نہیں ہے اور اگر میں ابوالحکم کی لگائی ہوئی قیمت پر فروخت کر دوں تو میرا کافی نقصان ہوتا ہے،

فَأَخَذَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَاعَ جَمَلَيْنِ مِنْهَا بِالثَّمَنِ وَأَبُو جَهْلٍ جَالِسٌ فِي نَاحِيَةٍ مِنَ السُّوقِ لا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ أَقْبَلَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا عَمْرُو: إِيَّاكَ أَنْ تَعُودَ لِمِثْلِ مَا صَنَعْتَ بِهَذَا الأَعْرَابِيِّ فَتَرَى مِنِّي مَا تَكْرَهُ فَجَعَلَ يَقُولُ: لا أَعُودُ يَا مُحَمَّدُ، لا أَعُودُ يَا مُحَمَّدُ

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے اس کے تینوں اونٹ خرید کر لئے اور حرم میں دور بیٹھا ابوجہل بھی خاموشی سے یہ بات چیت سن رہا تھا، رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا تم نے جو حرکت اس غریب بدو کے ساتھ کی ہے خبردار آئندہ کسی اور کے ساتھ نہ ہو ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گا، آپ ﷺ کا فرمان سن کر ابوجہل کہنے لگا آئندہ میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔

فَانْصَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَقْبَلَ عَلَيْهِ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ وَمَنْ حَضَرَ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالُوا: ذُلِلْتَ فِي يَدَيْ مُحَمَّدٍ، فَإِمَّا أَنْ تَكُونَ تُرِيدُ أَنْ تَتَّبِعَهُ وَإِمَّا رُعْبٌ دَخَلَكَ مِنْهُ. قَالَ: لا أَتَّبِعُهُ أَبَدًا، إِنَّ الَّذِي رأيتم من لِمَا رَأَيْتُ مَعَهُ، لَقَدْ رَأَيْتُ رِجَالا عَنْ يمينه وشماله معهم رِمَاحٌ يَشْرَعُونَهَا إِلَيَّ، لَوْ خَالَفْتُهُ لَكَانَتْ إِيَّاهَا، لأتوا على نفسي

رسول اللہ ﷺ لوٹ گئے، ابوجہل کے اس طرح دب کر بات کرنے کو دیکھ کر امیہ بن خلف اور موجود دوسرے مشرکین ابوجہل کو شرمسار کرنے لگے کہ تم نے محمد ﷺ کے سامنے ایسی کمزوری دکھائی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کی اطاعت اختیار کرنے والے ہو، ان کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر ابوجہل بولا بخدا میں کبھی بھی ان کی پیروی اختیار نہیں کروں گا مگر میں نے دیکھا کہ ان کے دونوں اطراف کچھ نیزہ بردار کھڑے ہیں، مجھے خوف پیدا ہوا کہ اگر میں نے محمد ﷺ کے حکم سے سرتابی کی تو وہ مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے۔ [1]

الْحَكَمِ (جس کے فیصلے کو کوئی رد نہ کر سکے) اللہ تبارک وتعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور ابوجہل کو ابوالحکم کہا جاتا تھا، اس کنیت کے بارے میں ہانی کی

---

[1] عیون الاثر ۱۳۲/۱، الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم والثلاثة الخلفاء ۲۳۰/۱

یہ روایت ملاحظہ ہو:

عَنْ أَبِيهِ هَانِئٍ أَنَّهُ لَمَّا وَفَدَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِهِ سَمِعَهُمْ يَكْنُونَهُ بِأَبِي الْحَكَمِ، فَدَعَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ :إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَكَمُ، وَإِلَيْهِ الْحُكْمُ، فَلِمَ تُكْنَى أَبَا الْحَكَمِ؟فَقَالَ : إِنَّ قَوْمِي إِذَا اخْتَلَفُوا فِي شَيْءٍ أَتَوْنِي، فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِيَ كِلَا الْفَرِيقَيْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا أَحْسَنَ هَذَا، فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ؟ قَالَ : لِي شُرَيْحٌ، وَمُسْلِمٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ،قَالَ :فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ؟قُلْتُ : شُرَيْحٌ، قَالَ : فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ

ہانی سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک وفد آیا آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وفد میں شریک ایک شخص کی کنیت ابو الحکم ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حکم والی اور فیصلہ دینے والی ذات صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہے پس تم نے اپنی کنیت ابو الحکم کیوں رکھی؟ اس شخص نے جواب دیا کہ جب میری قوم کو کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو فیصلہ کے لئے میرے پاس آتے ہیں، میں جو فیصلہ کرتا ہوں اس پر دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں، اس لئے میری کنیت ابو الحکم رکھ دی گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بہت اچھی بات ہے کیا تمہارا کوئی بیٹا ہے؟ میں نے کہا میرے تین بیٹے شریح، مسلم اور عبد اللہ ہیں، آپ ﷺ نے پوچھا ان میں سب سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح سب سے بڑا ہے، فرمایا تم ابو شریح ہو یعنی اپنی کنیت ابو شریح رکھ لو۔ [1]

دیت وقصاص:

دور جاہلیت میں دیت وقصاص کا نظام تھا جس میں اگر کوئی شخص کسی قبیلے کے کسی بڑے آدمی کو قتل کر ڈالتا اور اگر معاملہ دیت پر طے ہو جاتا تو وہ محض مقتول کے بدلے میں قاتل کی جان لے کر خوش نہ ہو جاتے بلکہ مقتول شخص کے قبیلے کے لوگ جتنا قیمتی اپنا آدمی سمجھتے اتنی ہی قیمت کا خون اس خاندان یا قبیلے سے حاصل کرنا چاہتے، وہ ایک مقتول کا بدلہ بیسوں اور سینکڑوں سے لینا چاہتے اگر انکا معزز آدمی کسی چھوٹے آدمی سے مارا جاتا تو وہ محض یہ کافی نہ سمجھتے کہ اس چھوٹے آدمی کو قتل کر دیا جائے بلکہ ان کی کوشش ہوتی کہ قاتل قبیلے کا بھی کوئی ویسا ہی معزز شخص قتل کیا جائے، یا بدلہ میں کئی آدمی قتل کیے جائیں، لیکن اس کے برعکس مقتول ادنیٰ درجے کا آدمی ہوتا اور اس کا قاتل قدرو منزلت والا ہوتا تو اس بات کو ناپسند کرتے کہ مقتول کے بدلے میں اسے قتل کیا جائے، شریف قبائل کا اگر ایک آدمی قتل کر دیا جاتا تو اس شخص کا خون قاتل قبیلہ کے دو خون کے برابر تصور کر کے دو آدمیوں کو قتل کیا جاتا۔

قتل کا انتقام:

ایک قوی وشدید محرک جس نے عرب کی تاریخ کو خون سے رنگین کر دیا تھا انتقام کا جذبہ تھا، عرب یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جب کوئی شخص قتل کیا جاتا ہے تو اس کی روح پرندہ بن کر اڑ جاتی ہے اور جب تک اس کا بدلہ نہ لیا جائے وہ کوہ وبیابان میں اسْقُونِي اسْقُونِي (مجھے

---

[1] سنن ابوداود كِتَاب الْأَدَبِ بَابٌ فِي تَغْيِيرِ الِاسْمِ الْقَبِيحِ ۴۹۵۵،سنن نسائی كِتَاب آدَابِ الْقُضَاةِ باب إِذَا حَكَّمُوا رَجُلًا فَقَضَى بَيْنَهُمْ ۵۳۸۹

پلاؤ، مجھے پلاؤ) کہہ کر چیختی پھرتی ہے ان کی اصطلاح میں اس پرندے کا نام ھَامَۃ یا صُدَاء تھا، اگر قاتل اس کے درجہ سے کمتر درجہ کا آدمی ہوتا تو اس کے قبیلہ کے کسی ایسے آدمی کو قتل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی جس کا خون ان کے خیال میں مقتول کے خون کے برابر قیمت رکھتا ہو، اس طرح بسا اوقات ایک شخص کے قتل ہو جانے سے بڑے بڑے قبیلوں میں آگ لگ جاتی تھی اور ایسی خون ریزیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا کہ سالہا سال تک نہ تھمتا تھا، اگر کوئی شخص یا قبیلہ اپنے آدمی کے خون کا بدلہ (ثار) لینے میں کوتاہی کرتا یا اس کے عوض خوں بہا قبول کر لیتا تو یہ بڑی ذلت کی بات سمجھی جاتی تھی اور اس بزدلی سے اس کی شرافت کو بٹہ لگ جاتا تھا، اسی عقیدہ کی بنا پر شعرا قوموں کو جنگ کا جوش دلاتے تھے اور اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ان کے قبیلہ نے کبھی اپنے کسی مقتول کا خون رائیگاں نہ جانے دیا، اس لئے اہل عرب قبائلی عصبیت کی وجہ سے قطع رحمی نہیں کرتے تھے، ان کے اپنے کنبہ قبیلہ کے ساتھ تعلقات نہایت پختہ اور مضبوط تھے جس کے سہارے وہ جیتے اور مرتے تھے، ان کا یہ مقولہ تھا کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہئے وہ ظالم ہو یا مظلوم، مگر دوسرے قبائل کے ساتھ ان کے تعلقات بے حد کمزور تھے، وہ مصلحت اندیشی، فریب کاری اور بدعہدی سے کوسوں دور تھے، اپنے کنبہ یا قبیلہ کے دشمن کو معاف نہ کرنے کی وجہ سے اکثر قبائل کی ساری قوت وطاقت جنگ وجدل میں جو نسل در نسل ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھی ضائع ہو رہی تھی، صدیوں کے خون درج رجسٹر ہوتے جن کا بدلہ لینا قبیلوں پر فرض ہوتا جس کی وجہ سے ثار کا جذبہ رگ رگ میں سرایت کر چکا تھا جس کو اچھا اور بہادری کا لازمہ سمجھا جاتا، ہجرت کے بعد مدینہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک انصاری نے بنو ثعلبہ کو جنہوں نے ایام جاہلیت میں اوس وخزرج کے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا مگر اب ایمان لا کر مدینہ آئے تھے دیکھا تو پکار کر کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ ہمارے مجرم ہیں آپ ان سے قصاص دلوائیں، اس انصاری کے سوال پر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھا کر فرمایا لڑکے کے جرم کا بدلہ باپ سے نہیں لیا جائے گا، ایسا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص جو قبیلہ ہذیل سے تھا اور ایام جاہلیت میں اس کے ہاتھوں قبیلہ خزاعہ میں کوئی جرم ہو گیا تھا اور قبیلہ خزاعہ کے لوگ بدلہ لینے کے لئے اس کی تلاش میں تھے، یہ شخص اسلام کی دعوت پر لبیک کہنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جارہا تھا کہ ان لوگوں کے ہاتھ لگ گیا بس دیر کس چیز کی تھی بدلہ میں اسے فوراً موت کی نیند سلا دیا گیا۔

فَلَمَّا بَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضِبَ غَضَبًا شَدِيدًا، وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ غَضَبًا أَشَدَّ مِنْهُ، فَسَعَيْنَا إِلَى أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ نَسْتَشْفِعُهُمْ، وَخَشِينَا أَنْ نَكُونَ قَدْ هَلَكْنَافَلَمَّاصَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ هُوَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، وَإِنَّمَا أَحَلَّهَا لِي سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ أَمْسِ، وَهِيَ الْيَوْمَ حَرَامٌ كَمَا حَرَّمَهَا اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِنَّ أَعْتَى النَّاسِ عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ثَلَاثَةٌ: رَجُلٌ قَتَلَ فِيهَاوَرَجُلٌ قَتَلَ غَيْرَ قَاتِلِهِ وَرَجُلٌ طَلَبَ بِذَحْلٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَإِنِّي وَاللَّهِ لَأَدِيَنَّ هَذَا الرَّجُلَ، الَّذِي قَتَلْتُمْ فَوَدَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ سخت برہم ہوئے، اللہ کی قسم! میں نے نبی کریم ﷺ کو اس سے زیادہ غصے

کی حالت میں کبھی نہیں دیکھا، ہم لوگ جلدی سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تا کہ ان سے سفارش کی درخواست کریں اور ہم اپنی ہلاکت کے خوف سے لرز رہے تھے، نماز سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثناء بیان کی جو اس کے شایان شان ہو بیان فرمائی پھر امابعد کہہ کر فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرما کر ایک پر زور خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا امابعد! اللہ نے مکہ کو دار الحرام بنایا ہے، آدمیوں نے نہیں بنایا ہے، اللہ نے چند گھنٹوں کے لئے اس کو میرے لئے حلال کر دیا تھا لیکن آج اس کی حرمت دوبارہ لوٹ آئی ہے اور اللہ کے سب سے نافرمان تین بندے ہیں ایک وہ جس نے حدود حرم میں کسی کو قتل کیا دوسرا وہ جس نے اپنے قاتل کے سوا کسی دوسرے کو مار ڈالا اور تیسرا وہ جس نے زمانہ جاہلیت کا انتقام لیا، تم نے جس شخص کو قتل کر ڈالا ہے میں اس کی دیت دوں گا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت ادا فرمائی۔ [1]

سفاکی و بربریت:

جس طرح جنگ کے متعلق عرب جاہلیت کا تصور پست تھا اور جس طرح ان کے مقاصد جنگ ذلیل و ناپاک تھے اسی طرح وہ طریقے بھی جن سے وہ جنگ کیا کرتے تھے انتہا درجہ کے وحشیانہ تھے، کیونکہ ان کے ذہن میں جنگ کی خصوصیات ہی یہ تھیں کہ وہ ہولناک ہو، غیظ و غضب کا مظہر اتم ہو، بلاؤں اور مصیبتوں کا مجموعہ ہو، چکی کی طرح پیس دینے والی ہو، آگ کی طرح جھلسا دینے والی ہو، اونٹ کے سینہ کی طرح ہر چیز کو ریزہ ریزہ کر دینے والی ہو، اس لئے جنگ میں ان کے اعمال بھی اسی تصور کے مطابق ہوتے تھے، کسی قوم کے خلاف ہتھیار اٹھانے کے معنی ان کے نزدیک یہ تھے کہ جس طرح ممکن ہو اس کو تباہ و برباد اور ذلیل و خوار کیا جائے، ان کا جذبہ نبرد آزمائی کسی قسم کی اخلاقی حدود سے آشنا نہ تھا، وہ صرف ایک چیز جانتا تھا اور وہ یہ تھی کہ دشمن پامال کرنے کے لئے ہے اس لئے جنگ میں مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان کوئی امتیاز نہ تھا، دشمن قوم کے ہر فرد کو دشمن سمجھا جاتا تھا اور اعمال جنگ کا دائرہ تمام طبقوں اور جماعتوں پر یکساں محیط تھا، عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی کوئی بھی اس ہمہ گیر دست درازی سے مستثنیٰ نہ تھا، بلکہ دشمن قوم کو ذلیل و خوار کرنے کے لئے عورتیں خصوصیت کے ساتھ جنگی کاروائیوں میں تختہ مشق بنائی جاتی تھیں، مفتوح قوم کی عورتوں کو بے حرمت کرنا، ان کے پردے اٹھا دینا، ان کی تحقیر و تذلیل کرنا فاتح کے مفاخر میں شمار ہوتا تھا، دشمن کو ایذا اور ضرر پہنچانے کا حق غیر محدود تھا یہاں تک کہ آگ کا عذاب دینے میں بھی تامل نہ کیا جاتا تھا، جیسے یمن کے بادشاہ ذونواس نے ان سب لوگوں کو جو اس کے دین سے پھر گئے تھے پکڑ کر بھڑکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈلوا دیا تھا۔ منذر بن امراؤ القیس نے جنگ اوارہ میں جب بنی شیبان پر فتح پائی تو ان کی جوان لڑکیوں کو زندہ جلانا شروع کر دیا اور بنی قیس کے ایک شخص نے بمشکل ان کی جان بخشی کرائی،

وَقَدْ كَانَ حَلَفَ لَيَقْتُلَنَّ مِنْهُمْ مِائَةً فَسَارَ يَطْلُبُهُمْ حَتَّى بَلَغَ أُوَارَةَ، وَقَدْ نَذَرُوا بِهِ فَتَفَرَّقُوا. فَأَقَامَ مَكَانَهُ وَبَثَّ سَرَايَاهُ فِيهِمْ فَأَتَوْهُ بِتِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ رَجُلًا سِوَى مَنْ قَتَلُوهُ فِي غَارَاتِهِمْ فَقَتَلَهُمْ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْبَرَاجِمِ شَاعِرٌ لِيَمْدَحَهُ فَأَخَذَهُ

[1] مسند احمد ٧٦/ ١٦٣

لِيَقْتُلَهُ لِيَتِمَّ مِائَةً

عمرو بن منذر نے ایک قصور کی بنا پر منت مانی تھی کہ بنی دارم کے سو آدمیوں کو قتل کروں گا چنانچہ اس نے ان پر چڑھائی کی اور ۹۹ آدمی ہاتھ آئے جنہیں اس نے قتل کر دیا، اب منت پوری کرنے میں ایک آدمی کی کسر رہ گئی تھی، اتفاق سے اس وقت قبیلہ براجم کا ایک شخص ادھر سے گزر رہا تھا، وہ گوشت کی بو سونگھ کر سمجھا کہ کھانا پک رہا ہے اس لئے عمرو کے لشکر کی طرف آ گیا، عمرو نے اپنی منت پوری کرنے کے لئے اس کو بھی قتل کر دیا۔ [۱]

اسیران جنگ کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا اور بسا اوقات جوش انتقام میں ان کو انتہا درجہ کی اذیتیں دے دے کر مارا جاتا تھا، جیسے عکل اور عرینہ کا قصہ احادیث میں مذکور ہے کہ یہ لوگ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے چرواہوں کو پکڑ کر لے گئے، ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے، ان کی آنکھیں پھوڑیں اور انہیں تپتی ہوئی ریت پر ڈال دیا یہاں تک کہ وہ پیاس اور تکلیف سے تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ جنگ اوارہ کا واقعہ مشہور ہے

فَبَعَثَ إِلَيْهِمُ الْمُنْذِرُ يَدْعُوهُمْ إِلَى طَاعَتِهِ، فَأَبَوْا ذَلِكَ فَحَلَفَ الْمُنْذِرُ لَيَسِيرَنَّ إِلَيْهِمْ فَإِنْ ظَفِرَ بِهِمْ فَلَيَذْبَحَنَّهُمْ عَلَى قُلَّةِ جَبَلِ أُوَارَةَ حَتَّى يَبْلُغَ الدَّمُ الْحَضِيضَ وَسَارَ إِلَيْهِمْ فِي جُمُوعِهِ فَالْتَقَوْا بِأُوَارَةَ فَاقْتَتَلُوا قِتَالًا شَدِيدًا وَأَجْلَتِ الْوَاقِعَةُ عَنْ هَزِيمَةِ بَكْرٍ وَأَسْرِ يَزِيدَ بْنِ شُرَحْبِيلَ الْكِنْدِيِّ، فَأَمَرَ الْمُنْذِرُ بِقَتْلِهِ، فَقُتِلَ، وَقُتِلَ فِي الْمَعْرَكَةِ بَشَرٌ كَثِيرٌ، وَأَسَرَ الْمُنْذِرُ مِنْ بَكْرٍ أَسْرَى كَثِيرَةً فَأَمَرَ بِهِمْ فَذُبِحُوا عَلَى جَبَلِ أُوَارَةَ، فَجَعَلَ الدَّمُ يَجْمُدُ. فَقِيلَ لَهُ: أَبَيْتَ اللَّعْنَ لَوْ ذَبَحْتَ كُلَّ بَكْرِيٍّ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ لَمْ تَبْلُغْ دِمَاؤُهُمُ الْحَضِيضَ! وَلَكِنْ لَوْ صَبَبْتَ عَلَيْهِ الْمَاءَ! فَفَعَلَ فَسَالَ الدَّمُ إِلَى الْحَضِيضِ وَأَمَرَ النِّسَاءَ أَنْ يُحْرَقْنَ بِالنَّارِ

منذر بن امراؤالقیس نے بنی شیبان کی طرف وفد روانہ کیا کہ وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں مگر انہوں نے انکار کر دیا اس پر منذر بن امراؤالقیس نے حلف اٹھایا کہ اگر میں بنی شیبان پر غالب آ گیا تو میں ان سب کو جبل اوارہ پر اس وقت تک قتل کروں گا جب تک کہ ان کا خون زمین تک نہ پہنچ جائے، چنانچہ منذر بن امراؤالقیس نے پوری طاقت کے ساتھ ان پر حملہ کیا اور ان پر غلبہ پالیا، منذر بن امراؤالقیس کے ہاتھ جتنے آئے ان سب کو اس نے کوہ اوارہ کی چوٹی پر بٹھا کر قتل کرانا شروع کیا اور کہا کہ جب تک ان کا خون بہہ کر پہاڑ کی جڑ تک نہ پہنچ جائے گا قتل کا سلسلہ بند نہ کروں گا، آخر جب مقتولوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہوگئی تو مجبوراً اس نے منت پوری کرنے کے لئے خون پر پانی ڈلوا دیا اور وہ بہہ کر پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گیا اور عورتوں کے بارے میں حکم دیا کہ انہیں آگ میں ڈال دیا جائے۔ [۲]

فَأَتَاهُمْ فَأَخَذَ سَرَوَاتِهِمْ وَخِيَارَهُمْ وَجَعَلَ يَقْتُلُهُمْ بِالْعَصَا

امراؤالقیس کے باپ حجر بن حارث نے جب بنی اسد پر چڑھائی کی تو ان کے جتنے آدمی اس کے ہاتھ قید ہوئے ان سب کو اس نے قتل کرا دیا

24

[۲] الکامل فی التاریخ ۱/۴۹۷

انہیں تلواروں سے نہیں بلکہ ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کیا۔ (۱)

جوش انتقام میں دشمن کی مردہ لاشوں تک کو نہ چھوڑا جاتا تھا ان کے ناک کان کاٹے جاتے تھے، ان کے اعضا کی قطع و برید کر کے زندوں کا بدلہ مردوں سے لیا جاتا تھا، اور بسا اوقات تو ایسی ایسی وحشیانہ حرکات کی جاتی تھیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

وَأَخَذَ رَجُلٌ مِنْ سِنْبِسَ يُقَالُ لَهُ مُصْعَبٌ أُذُنَيْهِ فَخَصَفَ بِهِمَا نَعْلَيْهِ

جنگ یحامیم میں جب بنی جدیلہ کا سردار اسبع بن عمرو مارا گیا تو بنی سنبس کے ایک شخص نے جسے مصعب کہا جاتا تھا نے اس کے دونوں کان کاٹ کر اپنے جوتے میں لگا لئے۔ (۲)

جب کسی شخص سے سخت دشمنی ہوتی تو قسم کھا لیتے تھے کہ اس کو قتل کر کے اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے، حرب الفساد میں جو ۲۵ سال تک جاری رہی فریقین نے بکثرت ایک دوسرے کے مقتولوں کی کھوپڑیوں میں شراب پی تھی، جنگ یحامیم میں بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے تھے۔ حرب جاہلیت میں وفائے عہد کا بھی کوئی پاس و لحاظ نہ تھا، جب کبھی دشمن سے انتقام لینے کا کوئی اچھا موقع مل جاتا تو تمام عہد و پیمان توڑ کر رکھ دیئے جاتے تھے، چنانچہ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ سے رسول اللہ ﷺ کے معاہدے ہو چکے تھے لیکن تینوں نے وقت پر ان کو توڑ ڈالا، بنو نضیر نے خود آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی، بنو قریظہ نے جنگ احزاب میں علانیہ اسلام کے خلاف شرکت کی، بنو قینقاع نے قریش کے بھڑکانے پر سب سے پہلے اعلان جنگ کیا، قبائل رعل و ذکوان نے خود ہی رسول اللہ ﷺ سے چند آدمی مدد کے طور پر طلب کیے اور جب آپ ﷺ نے ستر صحابہ کی ایک جماعت ان کے پاس بھیجی تو انہوں نے بیر معونہ پر سب کو قتل کر دیا، بنو لحیان نے مقام رجیع میں خبیب رضی اللہ عنہ، زید بن وثنہ اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن طارق کو امان دی اور جب انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو تینوں کو پکڑ کر باندھ لیا، ایک کو قتل کیا اور دو کو مکہ لے جا کر بیچ ڈالا۔ فارس روم اور حبشہ کی سرحدوں کے قریب بسنے والے قبائل اپنے طاقتور دشمن کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے ان ممالک سے بڑی ہوشیاری سے ساز باز کرتے اور اگر ان کا دشمن ان کی گرفت میں آ جاتا تو اپنے دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر مارتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے جس کے انہوں نے کئی طریقے ایجاد کر رکھے تھے، جن میں ایک طریقہ یہ تھا کہ دو درختوں کی ٹہنیوں کو جھکا کر نیچے لایا جاتا اور مجرم کے اعضا ان دونوں ٹہنیوں سے مضبوطی سے باندھ دیئے جاتے پھر ان ٹہنیوں کو اچانک چھوڑ دیا جاتا جس سے اس شخص کا جسم دو حصوں میں چر کر ٹہنیوں کے ساتھ لٹکا رہ جاتا، ایسا ہی طریقہ گھوڑوں یا اونٹوں کے زریعہ سر انجام دیا جاتا ان میں عورت کے دونوں پیروں کو دو گھوڑوں کی دموں سے باندھ کر انہیں مخالف سمت میں سرپٹ دوڑاتے جس سے اس کا بدن دو ٹکڑوں میں بٹ جاتا، سزا دینے کا ایک طریقہ جس کا نام صبر تھا، اس کا طریقہ یوں تھا کہ اس شخص کو کسی جگہ بند کر کے اس کا کھانا پینا بند کر دیتے جس سے وہ بھوک پیاس سے سسک سسک کر دم توڑ دیتا، اہل عرب کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد مرنے والے کو سواری کی ضرورت پیش آتی ہے چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ مردوں کی قبر کے پاس اونٹ باندھ دیتے اور اس کا کھانا پینا بند کر دیتے، کچھ روز میں وہ اونٹ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو جاتا تو یہ سمجھتے کہ یہ اونٹ

---

(۱) الکامل فی التاریخ ۱/۴۶۴

(۲) الکامل فی التاریخ ۱/۵۶۷

ان کے مردہ کی سواری بنے گا، زندہ جانور کے بدن سے گوشت کالوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، ایک بے رحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھ کر اس کا نشانہ بناتے تھے اور مشق تیر اندازی کرتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس سنگدلی کی ممانعت فرمائی، جانوروں کو باہم لڑاتے، جانوروں کو دیر تک ساز میں باندھ کر کھڑا رکھتے، رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے کی ممانعت کی اور فرمایا کہ جانوروں کی پیٹھوں کو اپنی نشست گاہ اور کرسی نہ بناؤ، جانوروں سے کام تو لیتے مگر ان کی خوراک کا کوئی خاص بندوبست نہ کرتے،

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ، قَالَ: فَدَخَلَ حَائِطًا لِرَجُلٍ الْأَنْصَارِ فَإِذَا جَمَلٌ، فَلَمَّا رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ، فَقَالَ: مَنْ رَبُّ هَذَا الْجَمَلِ، لِمَنْ هَذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًى مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ: لِي يَا رَسُولَ اللَّهِ. فَقَالَ: أَفَلَا تَتَّقِي اللَّهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللَّهُ إِيَّاهَا؟، فَإِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيعُهُ وَتُدْئِبُهُ

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک بار رسول اللہ ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے تو وہاں ایک اونٹ نظر سے گزرا، جب اس نے نبی ﷺ کو دیکھا تو رونی سی آواز نکالی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، نبی ﷺ اس کے پاس آئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا، پھر آپ ﷺ نے پوچھا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟ تو ایک انصاری جوان آیا اور کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتا جس کا اس نے تجھ کو مالک بنایا ہے، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا اور بہت تھکاتا ہے۔ (۱)

جانوروں کو اپنی پہچان یا علامت یا بعض دیگر ضرورتوں کی وجہ سے اونٹوں اور بکریوں کو داغنا پڑتا تھا مگر اس طرح کے وہ بدصورت نہ ہو جائیں مگر اہل عرب اس کا کچھ خاص خیال نہیں کرتے تھے،

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِحِمَارٍ قَدْ وُسِمَ فِي وَجْهِهِ، فَقَالَ :أَمَا بَلَغَكُمْ أَنِّي قَدْ لَعَنْتُ مَنْ وَسَمَ الْبَهِيمَةَ فِي وَجْهِهَا أَوْ ضَرَبَهَا فِي وَجْهِهَا؟فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک گدھا لے جایا گیا جس کے چہرے پر داغ دیا گیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں یہ بات نہیں پہنچی کہ میں نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جو کسی جانور کو اس کے چہرے پر داغے یا اس کے منہ پر مارے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کام سے منع فرما دیا (رسول اللہ ﷺ جانوروں کے ان اعضا کو داغتے جو زیادہ نازک نہیں ہوتے)۔ (۲)

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الوَسْمِ فِي الوَجْهِ وَالضَّرْبِ.

جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کے منہ پر داغنے اور مارنے سے منع فرمایا۔ (۳)

---

(۱) سنن ابوداودکتاب الجهاد بَابُ مَا يُؤْمَرُ بِهِ مِنَ الْقِيَامِ عَلَى الدَّوَابِّ وَالْبَهَائِمِ ۲۵۴۹

(۲) سنن ابوداودکتاب الجهادبَابُ النَّهْيِ عَنِ الوَسْمِ فِي الْوَجْهِ وَالضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ ۲۵۶۴

(۳) جامع ترمذی ابواب الجهادبَابُ مَا جَاءَ فِي كَرَاهِيَةِ التَّحْرِيشِ بَيْنَ البَهَائِمِ وَالضَّرْبِ وَالوَسْمِ فِي الوَجْهِ ۱۷۰۹

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَخٍ لِي حِينَ وُلِدَ لِيُحَنِّكَهُ، فَإِذَا هُوَ فِي مِرْبَدٍ يَسِمُ غَنَمًا أَحْسَبُهُ قَالَ: فِي آذَانِهَا

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میرے بھائی (عبد اللہ بن ابی طلحہ) کی ولادت ہوئی تو میں اسے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے گھٹی دیں، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکریوں کے باڑے میں پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کو نشان لگا رہے تھے (شعبہ نے) کہا میرا خیال ہے شیخ نے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کانوں پر نشان لگا رہے تھے۔[1]

مہذب دنیا کی حالت زار:

عرب تو خیر وحشی تھے، علوم و تہذیب سے نا آشنا تھے، ان کی خونخواریوں کا نام تو دنیا نے بہت سنا، مگر ان میں اس قسم کی درندگی و بہیمیت کا موجود ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں، روم، ایران اور مصر وغیرہ ممالک جو اس زمانہ میں دنیا کی تہذیب و شائستگی اور علم و حکمت کے مرکز بنے ہوئے تھے، اس وقت سیاسی اخلاقی اور مذہبی حیثیت سے جس پستی کی حالت میں تھے اس کے ذکر سے بھی تاریخ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، ایک قوم جب دوسری قوم پر چڑھائی کرتی تھی تو تہیہ کر لیتی تھی کہ اس کو مٹا کر چھوڑے گی، مقاتلین اور غیر مقاتلین کا امتیاز عملاً مفقود تھا، دشمن کا ہر فرد کشتنی و گردن زدنی سمجھا جاتا تھا، عورتیں، بچے، بوڑھے، زخمی، بیمار، راہب، زاہد سب پر اعمال جنگ کا دائرہ یکساں حاوی تھا، فوجوں کے اقدام میں دشمن کی فصلوں کو تباہ کرنا، باغات کو تہس نہس کرنا، عمارات کو مسمار کرنا، بستیوں کو لوٹنا اور جلانا ایک عام بات تھی، کسی شہر کا شدید مزاحمت کے بعد مفتوح ہونا گویا اس کے لئے پیام موت تھا، غضبناک فاتح جب اس میں گھستے تو محض ناموری و شہرت کے حصول اور شاہانہ ہیبت و جلال کے اظہار کے لئے بے اختیار قتل عام شروع کر دیتے اور جب خون سے بھی جوش انتقام فرو نہ ہوتا تو شہر میں آگ لگا دیتے، اسیران جنگ کے لئے اس زمانہ میں قتل و غلامی کے سوا کوئی تیسری صورت نہ تھی۔ سفرا کا احترام جنگ کے اہم ترین مصالح میں سے ہے مگر اس عہد میں یہ جماعت بھی بسا اوقات تعدی سے محفوظ نہ رہتی تھی، فریق مخالف کی جانب سے کسی بادشاہ کے دربار میں کوئی ایسا پیغام لے جانا جس کو وہ اپنی توہین یا کسر شان سمجھتا ہو گویا خود اپنی موت کا پیغام لے جانا تھا، ایسے مواقع پر سفراء کا ذلیل و خوار ہونا اور قید میں پڑ جانا معمولی بات تھی اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ بے تکلف قتل کر دیئے جاتے تھے، سب سے زیادہ مصیبت مذہبی طبقہ پر آتی تھی، اگر بدقسمتی سے مفتوح ملک کے باشندے کسی دوسرے مذہب کے پیرو ہوتے تو فاتح کا پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ ان کے معابد کو تباہ کرے، متبرک مقامات کو بے حرمت کرے اور مذہبی پیشواؤں کو ذلیل و خوار کرے، اس میں بسا اوقات یہاں تک غلو کیا جاتا تھا کہ فاتح بزور شمشیر مفتوحوں کو مذہب بدلنے پر مجبور کرتا تھا مہذب اقوام کے نزدیک بھی عہد کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ روم کے کولوسیم (Colosscum) کے افسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں جس میں ہزار ہا انسان شمشیر زنی کے کمالات اور رومی امراء کے شوق تماشا کی نذر ہو گئے، مہمانوں کی تفریح کے لئے یا دوستوں کی تواضع کے لئے غلاموں کو درندوں سے بھڑوا دینا یا جانوروں کی طرح ذبح کرا دینا یا ان کے جلنے کا تماشا دیکھنا یورپ اور ایشیا کے اکثر ممالک میں کوئی معیوب کام نہ تھا، قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے دے کر مار ڈالنا اس عہد کا عام

---

[1] سنن ابوداود کتاب الْجِهَادِ بَابٌ فِي وَسْمِ الدَّوَابِّ ۲۵۶۳

دستور تھا، جاہل وخونخوار امراء سے گزر کر یونان وروما کے بڑے بڑے حکماء وفلاسفہ تک کے اجتہادات میں انسانی جانوں کو بے قصور ہلاک کرنے کی بہت سی وحشیانہ صورتیں جائز تھیں، ارسطو وافلاطون جیسے اساتذہ اخلاق ماں کو یہ اختیار دینے میں کوئی خرابی نہ پاتے تھے کہ وہ اپنے جسم کے ایک حصہ (یعنی جنین) کو الگ کر دے، چنانچہ یونان وروما میں اسقاط حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا، باپ کو اپنی اولاد کے قتل کا پورا حق تھا اور رومی مقننوں کو اپنے قانون کی اس خصوصیت پر فخر تھا کہ اس میں اولاد پر باپ کے اختیارات اس قدر غیر محدود ہیں، حکماء رواقیین کے نزدیک انسان کا خود اپنے آپ کو قتل کرنا کوئی برا کام نہ تھا بلکہ ایسا باعزت فعل تھا کہ لوگ جلسے کر کے ان میں خودکشیاں کیا کرتے تھے، حد یہ ہے کہ افلاطون جیسا حکیم بھی اسے کوئی بڑی معصیت نہ سمجھتا تھا، شوہر کے لئے اپنی بیوی کا قتل بالکل ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے اس لئے قانون یونان میں اس کی کوئی سزا نہ تھی، جیور کھشا کا گہوارہ ہندوستان ان سب سے بڑھا ہوا تھا یہاں مرد کی لاش پر زندہ عورت کو جلا دینا ایک جائز فعل تھا اور مذہباً اس کی تاکید تھی، شودر کی جان کوئی قیمت نہ رکھتی تھی اور صرف اس بنا پر کہ وہ غریب برہما کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے اس کا خون برہمن کے لئے حلال تھا، مذہبی کتاب وید کی آواز سن لینا شودر کے لئے اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسا ڈال کر اسے مار ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ ضروری تھا، جل پرواکی رسم عام تھی جس کے مطابق ماں باپ اپنے پہلے بچہ کو دریائے گنگا کی نذر کر دیتے تھے اور اس قساوت کو اپنے لئے موجب سعادت سمجھتے تھے، ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی۔

... وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ... ﴿۱۵۱﴾ [۱]

ترجمہ: اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھیرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔

یہ آواز دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچی اور اس نے انسان کو اپنی جان کی صحیح قیمت سے آگاہ کیا، ایران میں مزدکی مذہب نے سوسائٹی کے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا تھا، حرام کاری میں باپ بیٹی اور بھائی بہن تک کی تمیز نہ تھی، مذہبی پیشوا تک بدترین اخلاقی جرائم کے ارتکاب کرتے تھے، مصر وافریقہ کو رومیوں کی غلامی نے بدترین خصائل کا مجموعہ بنا دیا تھا۔

اسلام میں مقصد جنگ اور طریق جنگ کی تطہیر:

اسلام نے مقصد جنگ مال ودولت، ملک وزمین، شہرت وناموری، حمیت وعصبیت کے بجائے جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا، طریق جنگ کی تطہیر کی اور غیر اہل قتال یعنی عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین زاہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور، جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ جو لڑنے سے معذور ہیں یا وہ جو عملاً جنگ میں حصہ نہ لیں کو قتل کرنے سے منع کیا، اہل عرب کا طریقہ تھا کہ وہ راتوں کو اور خصوصاً آخر شب جب کہ لوگ بے خبر سوئے ہوتے اچانک حملہ کر دیتے تھے، اسلام نے اس طریقہ کار کو روکا، اس لئے رسول اللہ ﷺ جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے، دشمن کو آگ میں جلانے کی وحشیانہ حرکت کو ممنوع قرار دیا کیونکہ آگ کا عذاب سوائے اللہ کے کوئی نہیں دے سکتا، اسلام نے دشمن کو باندھ کر قتل کرنے اور تکلیفیں دے دے کر مارنے

[۱] الانعام۱۵۱

کی ممانعت کی، جنگ میں لوٹ مار، غارتگری، گھروں میں بلااجازت داخل ہونے اور عورتوں کو مارنے کی ممانعت کی، اسلام نے دشمن کو نقصان پہنچانے کے لئے اس کی فصلوں کو خراب کرنے، کھیتوں کو تباہ کرنا، بستیوں میں قتل عام اور آتش زنی وغیرہ کو فساد سے تعبیر کیا ہے اور سختی کے ساتھ ناجائز قرار دیا، بنی نضیر کی چند کھجوروں کو کاٹنا اور جلانا محض جنگی ضرورت (محاصرہ) پر مبنی تھا اور اللہ کے اذن سے تھا، اسلام نے دشمن کے مردوں کو بے حرمت کرنے، ان کے اعضا کی قطع وبرید سے سختی سے منع کیا، اسلام نے اسیروں کو بھی قتل کرنے سے منع کیا اور حکم دیا کہ اسیر کے ساتھ احسان وفیاضی کا برتاؤ یعنی انتہا درجہ کی نرمی وملاطفت کرو، انہیں اچھا کھانا کھلاؤ، اچھے کپڑے مہیا کرو یا فدیہ لے کر رہا کردو، جنگ بدر کے قیدی عقبہ بن ابی معیط کو اس لئے قتل کیا گیا کہ وہ فتنہ عظیم کا اصل ذمہ دار تھا، سفراء کے قتل اور پیمان شکنی کی ممانعت کی، دور جاہلیت میں اہل عرب کی عادت تھی کہ جب جنگ کو نکلتے تو راستہ میں جوملتا اسے تنگ کرتے اور جب کسی جگہ اترتے تو ساری منزل پر پھیل جاتے تھے یہاں تک کہ راستوں پر چلنا مشکل ہو جاتا اور خوب شور وہنگامہ برپا کرتے، اسلام نے اس طرح کی بدنظمی وانتشار اور شور وہنگامہ سے سختی سے روکا ہے۔ چنانچہ صرف آٹھ سال میں دنیا کی سب سے زیادہ وحشی قوم کا مقصد جنگ صرف ایک ایسی چیز رہ گئی جس میں شریف اور بہادر آدمی دشمن کو کم سے کم ممکن نقصان پہنچا کر اس کے شر کو دفع کرنے کی کوشش کرے۔

کسی کی موت پر ہتھیاروں کا توڑ دینا:

عرب جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب کسی قبیلہ کا سردار یا قبیلہ کا کوئی بہادر مر جاتا تو اس کے ہتھیار توڑ دیئے جاتے تھے، یہ اس بات کی علامت سمجھی جاتی تھی کہ اب ان ہتھیاروں کا حقیقی معنوں میں کوئی اٹھانے والا باقی نہیں رہا، اسلام نے اس عمل کو جائز نہیں رکھا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے ہتھیار وغیرہ باقی رکھے گئے۔

بے حیائی:

جسم کے قابل شرم حصوں کو چھپانا انسانی فطرت ہے، لیکن اہل عرب کے لباس پہننے کا مقصد صرف زیب وزینت اور شدید موسمی اثرات سے خود کو بچانا تھا قابل شرم حصوں کو چھپانا نہیں اس لئے وہ بلاتکلف محفلوں مجلسوں میں اپنا ستر کھول دیتے، اگر ازار کھل جاتا تو ستر کے بے پردہ ہونے کی انہیں کوئی فکر نہ ہوتی، عورتیں اور مرد سرعام برہنہ نہالیتے اور راہ چلتے قضائے حاجت کے لئے بیٹھ جاتے، مرد محفلوں میں رات کو اپنی بیوی کے ساتھ گزرے لمحات کی داستان بڑے فخر سے بیان کرتے،

أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلَ يُفْضِي إِلَى امْرَأَتِهِ، وَتُفْضِي إِلَيْهِ، ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ برا لوگوں میں وہ شخص ہے جو اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور اس کی بیوی ہم آغوش ہو اور پھر وہ اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرتا پھرے۔[1]

---

[1] صحیح مسلم كِتَابُ النِّكَاحِ بَابُ تَحْرِيمِ إِفْشَاءِ سِرِّ الْمَرْأَةِ ۳۵۴۲

مرد وعورت (قریش کے علاوہ) برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کر لیتے، اسلام نے اس بے حیائی کی رسم کا مکمل خاتمہ کر دیا،

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ، أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ بَعَثَهُ فِي الحَجَّةِ الَّتِي أَمَّرَهُ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ حَجَّةِ الوَدَاعِ يَوْمَ النَّحْرِ فِي رَهْطٍ يُؤَذِّنُ فِي النَّاسِ أَلاَ لاَ يَحُجُّ بَعْدَ العَامِ مُشْرِكٌ، وَلاَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حج کے موقع پر جس کا امیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنایا تھا انہیں دسویں تاریخ کو ایک مجمع کے سامنے یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا اس سال کے بعد کوئی مشرک حج بیت اللہ نہیں کرسکتا اور نہ کوئی شخص ننگا رہ کر طواف کرسکتا ہے۔[۱]

بلوغت کی رسم:

لڑکی کے سن بلوغ کو پہنچنے پر دار الندوہ میں ایک رسم ادا کی جاتی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ لڑکی کے قابل نکاح ہونے کا اعلان کیا جائے اور خواہشمند آگاہ ہو کر رونمائی کے لئے آسکیں اس کا طریقہ یہ تھا،

وَمَا تَدَّرِعُ جَارِيَةٌ إذَا بَلَغَتْ أَنْ تَدَّرِعَ مِنْ قُرَيْشٍ إلَّا فِي دَارِهِ، يَشُقُّ عَلَيْهَا فِيهَا دِرْعَهَا ثُمَّ تَدَّرِعُهُ، ثُمَّ يَنْطَلِقُ بِهَا إلَى أَهْلِهَا

قریش کی جب کوئی لڑکی بالغ ہوتی تو اس کو بے نقاب قصی بن کلاب کے مکان پر لایا جاتا اور اس کی پرانی اوڑھنی پھاڑ دیتے اور نئی اوڑھنی پہنا کر اس کے گھر لے جاتے، پھر وہ لڑکی بے نقاب ہی واپس گھر جاتی تھی، گھر پہنچ کر اس پر جوان لڑکیوں کی طرح پابندیاں عائد ہو جاتی تھیں۔[۲]

حشرات ارض کا کھانا:

اہل عرب کی نظر میں کوئی چیز حرام نہ تھی اس لئے وہ مردہ جانور کا گوشت زندہ جانور کا کاٹا ہوا گوشت اور گدھے کا گوشت، حشرات الارض کن کھجورا، گوہ، گرگٹ، سیہی، چھپکلی اور چمڑا وغیرہ بھی کھا لیتے تھے، جمے ہوئے خون کو کرید کرید کر بڑے شوق سے کھاتے، بھوک وقحط میں جانوروں کا خون پی جاتے۔

بہترین اوصاف:

مگر ان میں تمام طرح کی برائیوں کے باوجود کچھ قابل قدر اوصاف بھی موجود تھیں جو دنیا میں اور کہیں موجود نہ تھیں اور تھوڑی سی کوشش سے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے بہترین سرمایہ ثابت ہوسکتے تھے جیسے،

زمین کے وسط میں آباد تھے:

جزیرہ نماعرب کو ایشیا، یورپ، افریقہ اور اوقیانوس کے براعظموں میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے، یہی تین براعظم پرانی دنیا تھے، اس کے باوجود آریوں، یونانیوں اور دیگر فاتحین کے ریلے کے ریلے جزیرہ نماعرب میں داخل ہونے کے بجائے اس کے جھلسے ہوئے صحرا کے آس پاس سے گزر گئے، انہوں نے نہ تو عرب قوم کو اہمیت دی اور نہ اس کے تپتے صحرا کو کسی گنتی میں شمار کیا، جزیرہ نماعرب ایشیا میں ہوتے

[۱] صحيح بخاري كتاب الحج بَابُ لاَ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَلاَ يَحُجُّ مُشْرِكٌ ۱۶۲۲

[۲] ابن ہشام ۱/۱۲۴

ہوئے بھی افریقہ اور یورپ سے بہت قریب ہے، خاص کر مصر اور روما سے بھی مرکزیت تھی، جو عرب کے مرکز مکہ مکرمہ کو ناف زمین دینے کا موجب بنا، کیونکہ یہ شہر ناف زمین پر آباد تینوں براعظموں کے وسط میں آباد ہے تو کسی عالمگیر تحریک وتبلیغ کے لئے اس سے بہتر موزوں مرکز کوئی نہیں ہوسکتا تھا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت دین کی مرکزیت کا سہرا اسی شہر کے سر ہے، اس وقت تجارت کے تین راستے تھے، ایک راستہ تو خشکی کا تھا جو ایران کی طرف سے عراق اور شام سے ہوتا ہوا جاتا تھا دوسرا خلیج کا بحری راستہ تھا جس سے تمام تجارتی سامان عرب کے مشرقی سواحل پر اترتا اور دومتہ الجندل یا تدمر سے ہوتا ہوا جاتا تھا اور تیسرا بحر ہند کا راستہ تھا اس راستہ سے آنے والا تمام سامان تجارت حضرموت اور یمن سے گزرتا تھا، ان تینوں راستوں پر عرب ہی آباد تھے، اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر عرب کے تاجر حضرات سامان کی نقل وحمل کا کام بھی کرتے اور ساتھ ساتھ سامان تجارت خرید کر دوسری طرف فروخت بھی کر دیتے، اس کے علاوہ جو قافلہ سامان تجارت لے کر ان کے علاقوں سے گزرتا ان کو اپنے علاقوں سے بحفاظت گزرنے کا ذمہ لے کر ان پر بھاری ٹیکس بھی لگاتے، ان تجارتی تعلقات کے ساتھ ساتھ اہل عرب کے اس وقت کی مہذب دنیا سے سیاسی اور ثقافتی رابطے بھی تھے۔

آزادی:

یہ لوگ کسی ایک جگہ رہنے کے بجائے بدویانہ زندگی گزارتے اور صحرا کی ہر طرح کی تکلیفیں اور سختیاں برداشت کرتے تھے، مال ومویشی پالنا، چند علاقوں میں کھیتی باڑی اور تجارت ان کا پیشہ تھا وہ اسی میں مگن تھے، ان کے چاروں طرف بڑی بڑی حبشہ، فارس اور روم کی حکومتیں تھیں جن کی کوشش تھی کہ کسی طرح زمین کے اس ٹکڑے پر قبضہ جمایا جائے مگر یہ صدیوں سے ہمیشہ آزاد ہی رہے تھے جس سے ان میں خودسری، جرات، شجاعت وغیرت اور پختگی عزم کا جوہر پیدا ہو گیا تھا اس لئے جب وہ کسی کام کو انجام دینے پر تل جاتے تو اسے اپنی جان پر کھیل کر بھی سرانجام دیتے، وہ کسی بڑے حکمراں کو بھی خاطر میں نہ لاتے اور نہ کسی سے مرعوب ہی ہوتے تھے، ان کے لئے کسی کی اطاعت کرنے سے زیادہ دشوار کوئی اور بات نہ تھی، اس چیز نے ایک جذبہ کی حد سے گزر کر ان کی طبیعت ثانیہ کی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کی وجہ سے وہ معمولی معمولی باتوں پر ذلت واہانت کی بو محسوس کر کے فوراً بھڑک اٹھتے اور خونریز جنگ شروع کر دیتے، ان کے اکثر اخلاقی محاسن کا سرچشمہ ان کی یہی چیز تھی، مگر کوئی انسانی حقوق یا زندگی گزارنے کا ضابطہ نہ ہونے کی بنا پر یہ جوہر آپس کی بے فائدہ جنگوں، قتل وغارت، تجارتی قافلوں پر لوٹ مار، دشمنوں کو حبس بے جا میں رکھنے، یتیموں کی املاک پر ناجائز تصرف، دوسرے لوگوں یا قبیلوں میں بے جا مداخلت میں ضائع ہو رہا تھا۔

بہترین زبان:

اسماعیل علیہ السلام نے عربی بنو جرہم سے سیکھی، یہ اعلیٰ درجے کی زبان بعد میں پورے عرب کی زبان بن گئی، جس میں فصاحت وبلاغت، شیرینی اور بلند خیالات کو ادا کرنے کی غیر معمولی صلاحیت ہے جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور زبان نہیں کر سکتی قرآن کی زبان بن گئی، جس زبان میں ۱۴۰۰ سو سال گزرنے کے باوجود کوئی تغیر نہیں ہوا جبکہ دوسری زبانیں یا تو مٹ گئیں یا بالکل ہی بدل گئیں، عربوں کو اپنی زبان دانی پر بڑا ناز تھا زبان کے معاملے میں وہ اپنے مقابلہ میں سب کو گونگا سمجھتے تھے، مگر زبان کی ساری فصاحت و بلاغت صرف اپنی خودستائی اور دوسروں کی

ہجو، تحقیر اور اپنی محبوبہ کے فحش کارناموں کی تشہیر میں استعمال کرتے، مگر جب قرآن جس کی فصاحت و بلاغت کی کوئی انتہاء نہیں انہی کی زبان میں نازل ہوا تو عرب کے مشہور شعراء جو اپنے کلام میں ماہر تھے اس کا انداز بیاں، قابل غور و فکر مضامین، گذشتہ اقوام کے عبرت انگیز واقعات اور مختصر ترین الفاظ میں جامع بیان سن کر گنگ ہو گئے اور چیلنج کے باوجود اس جیسی یک آیت تک نہ بنا سکے، اور نہ اب تک بنا سکے ہیں اور نہ ہی قیامت تک بنا سکیں گے۔

حسب ونسب:

اہل مکہ اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے قیدار کی اولاد میں سے تھے، اور ایک محدود علاقہ میں الگ تھلگ رہنے اور آپس میں شادی بیاہ کرنے کی وجہ سے ان کا نسب کھرا اور خاندانی خصوصتیں موجود تھیں اس لئے وہ خود کو دوسروں کے حسب ونسب سے برتر سمجھتے اور نہ ہی کسی کو اپنے حقوق کے برابر جانتے اور اس پر جان دیتے تھے، وہ اپنے آباء واجداد کے سلسلہ وار نام اور ان کے فضائل کو فرض سمجھ کر یاد رکھتے تھے، اور ان کے ہر قبیلہ میں قبائل کے نسبی تعلقات کو یاد رکھنے والے لوگ بھی موجود ہوتے تھے، انہیں ارد گرد کے قبائل کے بارے میں معلوم رہتا تھا کہ کون ایک آزاد عورت سے پیدا ہوا ہے اور کون ایک کنیز باندی سے، کس شخص نے کس شریف عورت کا دودھ پیا ہے اور کس نے اس سے کم درجے کی عورت کا دودھ پیا ہے، نسب کے معاملہ میں وہ اتنے حساس تھے کہ ایسے جانور تک نہیں پالتے تھے جن کا ان کو حسب ونسب معلوم نہ ہو۔

مہمان نوازی:

مہمان نوازی عربوں کے بہترین خصائل میں سے رہی ہے، بیت اللہ کی تعمیر کے بعد سے انہوں نے ہمیشہ اپنی کمائی میں سے ایک حصہ نکال کر اپنے سردار کو پیش کیا تاکہ وہ حاجیوں کے لیے بغیر قیمت کھانے اور پانی کا انتظام کرے، اس کے علاوہ اگر کسی شخص کے ہاں کوئی مہمان آجاتا تو اس کی ضیافت لئے کے لئے اپنا اکلوتا سالم اونٹ، بھیڑ، بکری ذبح کر ڈالتے تھے، اگر کوئی اس کی سکت نہ رکھتا تو اپنا سادہ سا کھانا مہمان کو پیش کر دیتا اور خود بیوی بچوں سمیت بھوکا رہنا پسند کرتا، عربوں کے در سے کسی مہمان کا بھوکا چلا جانا عیب کی بات تھی، اسی جوش سخاوت میں وہ مالی ذمہ داریاں اور دیت کا بوجھ ہنسی خوشی برداشت کر کے دوسروں کے مقابل فخر کرتے۔ قدیم عرب میں یہ دستور تھا کہ اپنی طبعی فیاضی کے اقتضاء سے لوگ بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر آگ جلایا کرتے تھے تاکہ بھوکے لوگ آگ کی روشنی دیکھ کر ادھر کا رخ کریں اور انہیں کھانا کھلایا جائے، اسی لحاظ سے شاعر نے بطور افتخار کہا۔

وإنْ يَلتَقِ الحَيُّ الجَميعُ تُلاقِني　　　إلى ذِرْوَةِ البَيتِ الرَّفيعِ المُصمَّدِ

اور اگر سارا قبیلہ جمع ہو تو بلند اور مصمد مکان کی چوٹی پر مجھ سے ملاقات کر سکے گا۔[1]

عہد کی پابندی:

اہل عرب عہد کے بڑے پابند تھے، وہ جب کسی سے کوئی عہد کرتے تو اسے ہر حال میں پورا کرتے اور اس راہ میں کسی چیز کی پرواہ نہ کرتے،

---

[1] جمھرۃ اشعار العرب ۱/۳۲۲

عہد کا توڑ دینا گویا انکی موت تھا۔

تہذیب وتمدن:

عرب میں چاروں طرف بڑی بڑی حکومتیں تھیں، جنوبی عرب خصوصاً یمن میں تمدنی ترقی عروج پر تھی، شمالی علاقوں میں سرحد عراق پر حیرہ یعنی مناذرہ (آل لخم) کی حکومت تھی، جو ایرانیوں کی طفیلی ریاست تھی، یہ شہر تمدن کے ایک خاص معیار تک پہنچ گیا تھا، اور آراستگی اور خوبی میں دار السلطنت ایران اور قسطنطنیہ کا مقابلہ کرتا تھا، شام کی سرحد پر غسانسہ (آل جفنہ) کی حکومت رومیوں کے زیر اثر قائم تھی، قحطان کی ایک شاخ کہلان کے عربوں کی یہ ایک نیم خود مختار حکومت تھی، جس کا پایہ تخت بصریٰ تھا، یہ بھی اپنے وقت کی خاصی متمدن حکومت تھی، ان ممالک میں ان کا آنا جانا تھا، ان سے تجارتی مراسم اور معاہدات بھی تھے، مگر اہل عرب جو بدویانہ نظام زندگی کے خوگر تھے نے ان سے لکھنا پڑھنا سیکھنا پسند نہیں کیا اس لئے وہ علوم وفنون سے عاری اور تمدن کی آلائشوں سے ناواقف تھے، اس لئے ان میں منافقانہ عادات واطوار کے بجائے بدوی سادگی تھی، جھوٹ اور مکر وفریب کے بجائے سچ بولنا پسند کرتے، اس لئے اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی مکی دور پر نظر دوڑائیں تو آپ کو کوئی شخص ایسا نظر نہیں آئے گا کہ جس نے منافقانہ انداز سے اسلام قبول کیا ہو یہ مرض تو مدینہ منورہ میں یہودیوں کی خصلت تھی، اس لئے ان میں امانت ودیانت کے جوہر تھے۔

قوت حافظہ وذکاوت:

عرب میں نہ تو کوئی مدرسہ تھا اور نہ ہی کوئی کتب خانہ اور نہ ہی لوگوں میں تعلیم کا چرچا تھا جس کی وجہ سے اتنی بڑی آبادی میں گنتی کے چند لوگ ہی برائے نام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، وہ اپنے تمام معاملات، لین دین اور مختلف قبائل کے واقعات اپنے ذہن میں محفوظ رکھتے تھے اس لئے ان کی قوت حافظہ وذکاوت غیر معمولی طور پر تیز تھی وہ شعراء کے قبائلی تعصب میں ڈوبے، عشق ومحبت اور زن ومرد کے اختلاط کے فحش کلام سن کر زبانی یاد کر لیتے اور اسے دہرا لیتے تھے، اس لئے جیسے ہی قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا ان کے اکثر لوگوں نے اس ذہنی قوت کے بل پر بڑی بڑی سورتوں کو یاد کر لیا تھا اور کئی ایسے بھی تھے جن کو پورا قرآن حفظ تھا۔

غیرت وخودداری:

غیرت اور خودداری عربوں کی فطرت کا خاص جوہر رہی ہے، اس لئے اپنی معمولی بے عزتی یا قتل کے انتقام یا اپنے قبیلہ کے نام وناموس کے لئے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے تھے، وہ تو یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کا گھوڑا فریق مخالف سے ہار جائے، جیسا کہ عبس اور ذبیان قبائل کی سب سے مشہور لڑائی حرب داحس محض گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے آگے نکل جانے پر شروع ہوئی، اس کا واقعہ یوں ہوا، گھوڑ دوڑ عربوں میں بڑی مقبول تھی اس میں عام طور پر تین یا سات گھوڑے دوڑتے جسے رہان کہتے تھے، اور ان گھوڑوں پر بڑی بڑی بازیاں لگتیں،

عَبْسٍ الْعَبْسِيُّ، وَهُوَ وَالِدُ قَيْسِ بْنِ زُهَيْرٍ صَاحِبِ حَرْبِ دَاحِسَ وَالْغَبْرَاءِ

بنی عبس کے سردار قیس بن زہیر کے پاس داحس اور غبرا نامی دو گھوڑے تھے جن کی تیز رفتاری عرب میں مشہور تھی، بنی بدر کے سردار حذیفہ

بن بدر کو یہ بات ناگوار ہوئی کہ اس کے ایک ہم چشم کے گھوڑوں کو اتنی شہرت نصیب ہو، اس نے اپنے دو گھوڑوں سے ان کی شرط باندھی اور فریقین کے درمیان یہ بات طے ہوئی کہ جس کے گھوڑے آگے آئیں وہ سو اونٹ لے لے، شرط اور قواعد وضوابط کے مطابق دوڑ کا مقابلہ ہوا جب داحس آگے نکلنے لگا تو حذیفہ کے ایک آدمی نے اس کے منہ پر قمچی مار کر اسے ایک وادی کی طرف موڑ دیا اور حذیفہ کا گھوڑا جیت گیا اس بات پر فریقین میں جنگ شروع ہوگئی

قَدْ قَتَلْتُ نُدْبَةَ بْنَ حُذَيْفَةَثُمَّ إِنَّ بَنِي بَدْرٍ قَتَلُوا مَالِكَ بْنَ زُهَيْرٍ أَخَا قَيْسٍ

قیس نے حذیفہ کے بیٹے ندبہ کو قتل کر دیا حذیفہ نے قیس کے بھائی مالک کو مار ڈالا، نتیجہ یہ ہوا کہ بنی عبس اور بنی ذبیان میں ایسی شدید جنگ برپا ہوئی جس میں بے شمار آدمی جان سے گئے اور اس کا سلسلہ نصف صدی تک جاری رہا اور اس وقت تک نہ رکا جب تک فریقین کے گھوڑوں اور اونٹوں کی نسل منقطع ہونے کے قریب نہ پہنچ گئی۔ [۱]

اس طرح کی دوسری مشہور جنگ بسوس ہے

الْحَرْبِ الَّتِي وَقَعَتْ بَيْنَ بَكْرٍ وَتَغْلِبَ

جو بنی تغلب اور بنی بکر بن وائل کے درمیان کامل چالیس برس تک جاری رہی، جو ایک معمولی واقعہ سے شروع ہوئی، ہوا یہ کہ بنی تغلب کے سردار کلیب بن ربیعہ کی چراگاہ میں بنی بکر بن وائل کے ایک مہمان کی اونٹنی گھس گئی اور کلیب کے اونٹوں کے ساتھ چرنے لگی، کلیب کا قاعدہ تھا کہ وہ نہ اپنی چراگاہ میں کسی کے جانور چرنے دیتا نہ اپنی شکارگاہ میں کسی کو شکار کھیلنے دیتا، نہ اپنے جانوروں کے ساتھ کسی کے جانوروں کو پانی پینے دیتا حتی کہ اپنی آگ کے سامنے کسی کی آگ بھی جلتی نہ دیکھ سکتا تھا، جب اس نے ایک غیر کی اونٹنی کو اپنے جانوروں کے ساتھ چرتے دیکھا اسے واپس ہنکانے کے بجائے غصہ میں آکر ایک تیر چلایا جو اس کے تھن میں آکر لگا۔

فَلَمَّا رَأَى مَا بِهَا صَرَخَ بِالذُّلِّ

اونٹنی کے مالک نے جو اس کو زخمی دیکھا تو اس نے فریاد کی ہائے یہ کیسی ذلت ہے، اس بات پر بنی بکر میں آگ لگ گئی اور ان کے ایک نوجوان جساس بن مرہ نے جاکر کلیب کو جو اس کا حقیقی بہنوئی تھا قتل کر ڈالا، کلیب کے بھائی مہلہل کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے کھڑا ہوا اور دفعتہ دونوں قبیلوں میں ایسی جنگ ٹھن گئی کہ جب تک دونوں تباہ نہ ہوگئے تلواریں نیام میں نہ گئیں۔ [۲]

سوق عکاظ میں قبیلہ کنانہ کا ایک شخص بدر بن معشر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا اور پکار کر بولا کہ میں عرب کا سب سے معزز آدمی ہوں جس کسی کو مجھ سے زیادہ معزز ہونے کا دعویٰ ہو میرے پاؤں پر تلوار مارے، اس پر بنو دھمان کا ایک منچلا جوان آگے بڑھا اور اس نے بدر کے پاؤں پر تلوار ماردی، یہ چنگاری دونوں قبیلوں میں جنگ کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی تھی، تلواریں کھنچ گئیں اور وہ جنگ برپا ہوئی جو پہلی حرب فجار کہلاتی ہے، اس کے بعد کنانہ اور ہوزن میں کبھی صفائی نہ ہوئی اور ان کی عداوتیں یہاں تک بڑھیں کہ دونوں قبیلوں کے حلیف قبائل بھی ان میں

[۱] الکامل فی التاریخ ۵۱۰تا۵۱۸/۱

[۲] الکامل فی التاریخ ۴۷۴تا۴۸۵/۱

شریک ہو گئے، آخری حرب فجار بھی اسی جذبہ فخر و غرور کا نتیجہ تھی۔ چھبیس (۲۶) قبل بعثت میں نعمان بن منذر بادشاہ حیرہ نے اپنے ہاں سے ایک تجارتی قافلہ سوق عکاظ میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور رؤسائے عرب سے پوچھا کہ کون اس کو اپنی حفاظت میں لے جانے کا ذمہ لیتا ہے؟ براض بن قیس کنانی نے کہا کہ میں اس کو بنو کنانہ سے محفوظ رکھنے کا ذمہ لیتا ہوں، ہوزان کے ایک سردار عروۃ الرحال نے کہا کہ میں اس کو تمام عرب سے محفوظ رکھنے کا ذمہ لیتا ہوں، براض اس بات کو برداشت نہ کر سکا اور جب عروہ قافلہ لے کر چلا تو راستہ میں اس نے عروہ کا کام تمام کر دیا، اس واقعہ سے کنانہ اور ہوزان کی عداوت پھر تازہ ہو گئی، دونوں قبیلوں میں جنگ چھڑی، قریش نے کنانہ کا اور بنو ثقیف نے ہوازن کا ساتھ دیا، چار سال تک شدید خونریزی کا سلسلہ جاری رہا اور یوم شمطہ، یوم العبلاء، یوم شرب اور یوم الحریرہ کے ہولناک معرکے برپا ہوئے، جنہوں نے عرب کے تمام پچھلے معرکوں کو بھلا دیا۔ (۱)

قبائل کا سرمایہ اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہوا کرتی تھیں جو ان کی اپنی اپنی چراگاہ میں چرائی جاتی تھیں، جب وہ چراگاہ اس قابل نہ رہتی تو یہ بدو دوسری چراگاہ کا رخ کرتے چنانچہ کسی چراگاہ کے مسئلہ پر قبائل بکر اور تمیم میں ایک خوفناک جنگ برپا ہوئی اور جوانوں کا خون زمین پر بہہ گیا، مدینہ منورہ کے دونوں قبائل اوس و خزرج میں تو اکثر و بیشتر لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا مگر ان دونوں قبائل کی مشہور جنگ بعاث تھی جن کا سلسلہ کامل ایک صدی تک جاری رہا جن میں وہ لڑ لڑ کر تھک چکے تھے اور ان کے اکثر سردار مارے گئے، اوس و خزرج کی مشہور لڑائیاں محض تفاخر کے ایک نہایت ہی حقیر واقعہ سے شروع ہوئی تھیں، بنی سعد کا ایک شخص ایک خزرجی سردار مالک بن عجلان کے جوار میں رہتا تھا ایک مرتبہ اس نے بنی قینقاع کے بازار میں دعویٰ کی کہ میرا حلیف مالک بن رجلان سب سے زیادہ اشرف و افضل ہے، یہ بات قبیلہ اوس کے ایک شخص کو بہت بری معلوم ہوئی اور اس نے قائل کو قتل کر دیا، اس پر اوس اور خزرج کے درمیان قتل و خون کا ایسا خوفناک سلسلہ شروع ہوا کہ اگر اسلام نہ آتا تو دونوں قبیلے لڑ لڑ کر فنا ہو جاتے۔ (۲)

اور بالآخر جنگ کا خاتمہ انصار مدینہ کی بیعت پر ہوا مگر ان کے دلوں کا یہ عالم تھا کہ ابتدائے اسلام میں دونوں قبیلے ایک دوسرے کے پیچھے نماز تک پڑھنے کو عار سمجھتے تھے اس لئے کسی اور قبیلہ کے فرد کو بلوا کر نماز کی امامت کرائی گئی تھی۔

اہل عرب میں اپنی صدیوں کی آزادی کی وجہ سے خودسری، جرات، شجاعت و غیرت اور پختگی عزم کا جوہر پیدا ہو گیا تھا اس لئے جب وہ کسی کام کو انجام دینے پر تل جاتے تو اسے اپنی جان پر کھیل کر بھی سرانجام دیتے، وہ کسی بڑے حکمراں کو بھی خاطر میں نہ لاتے اور نہ کسی سے مرعوب ہی ہوتے تھے۔

عربوں کی معاشی حالت

قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق اللہ کے نبی ابراہیم علیہ السلام نے اس وادی غیر ذی زرع میں اللہ کے حکم سے دنیا کی پہلی مسجد تعمیر کی جس کا مقصد یہ تھا کہ ایک عام انسان یہاں آ کر اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا فریضہ ادا کرے اور دنیا میں وحدانیت کی تبلیغ ممکن ہو سکے، دنیا کی اس پہلی

(۱) الکامل فی التاریخ ۱/۵۲۹

(۲) الکامل فی التاریخ

مسجد کے پہلے متولی ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام بنے جو اس مسجد کے معماروں میں ایک تھے، ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس غیر آباد اور ناقابل زراعت زمین کو اپنے پوشیدہ خزانوں سے رزق بخشے اور اس میں آباد ہونے والوں کو اس کی کمی محسوس نہ ہو، ابوالانبیاء کی یہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس غیر آباد اور ناقابل زراعت علاقے کا ایک عجیب وغریب استعمال نکلا جو پہلے شاید کسی انسانی عقل میں نہیں آسکتا تھا، اس علاقے میں تجارتی راستے بنے جو اس زمانے کی متمدن اور مہذب دنیا کو تجارتی، ثقافتی اور تمدنی طور پر باہم ملانے اور مربوط کرنے کا باعث بنے، تاریخ کا یہ عجیب وغریب معجزہ کس طرح وقوع پذیر ہوا اس کا جواب تاریخ کے پاس نہیں لیکن تاریخی اور جغرافیائی حقائق جس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ ہے کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ کے درمیان وہ بری تجارتی راستہ جو بحری راستے کی دریافت سے پہلے متمدن دنیا کے دو یا تین طریق ہائے ارتباط میں سے ایک تھا، حجاز میں سے ہو کر گزرتا تھا، یہ راستہ حجاز میں تین راستوں میں بٹا ہوا تھا۔

○ شام سے شروع ہو کر مدینہ میں سے گزرتا ہوا جدہ پہنچتا اور یہاں سے سیدھا مکہ معظّمہ پہنچ کر دو راستوں میں بٹ جاتا، ایک یمن کو چلا جاتا تھا اور دوسرا خلیج فارس کی منزل اول نجد کو۔

○ دوسرا راستہ عراق سے شروع ہوتا اور خم کھا کر شام کو دائیں ہاتھ پر چھوڑتا ہوا بالآخر اسی راستے سے آملتا جو شام سے مکہ اور پھر یمن اور نجد کو جاتا تھا۔

○ تیسرا راستہ شام سے شروع ہو کر پہلے راستے کے مقام اتصال تک آتا، یہاں سے مشترک راستے کو بائیں ہاتھ پر چھوڑتا ہوا بحر احمر کے کنارے کنارے چلتا ہوا ینبوع میں پہنچتا، یہاں سے جدہ کو اپنے دائیں ہاتھ پر چھوڑتا ہوا سیدھا مکہ پہنچتا اور پھر نجد اور یمن کی طرف جانے والے انہی دو راستوں میں تقسیم ہو جاتا۔

خشکی کے ان راستوں کی تفصیل سے جو چیز واضح طور پر سامنے آتی ہے یہ ہے کہ مکہ جو دنیا کی پہلی مسجد کے ارد گرد آباد تھا، یورپ اور افریقہ پر کھلنے والے دروازے شام اور خلیج فارس کے ذریعے ایشیا پر کھلنے والے دروازے نجد کے درمیان چلنے والے تینوں راستوں کا مقام اتصال بنا، اس لئے حجاز میں چلنے والے تمام تجارتی کاروانوں کا اہم تین پڑاؤ اور تجارت کی بہت بڑی منڈی بن گیا، مکہ کو بیت اللہ کی سعادت حاصل تھی، اور حجاز میں بسنے والے تمام قبائل اس بات کا دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لحاظ سے مکہ پورے حجاز کا روحانی مرکز تھا، تجارتی مرکز بن جانے کے بعد اس کی اہمیت میں اور اضافہ ہو گیا اور یہ شہر پورے حجاز اور اس کی وساطت سے پورے عرب کا مذہبی مرکز اور اس علاقہ کی تجارت کا اعصابی مرکز بن گیا، انہی راستوں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ تجارت کے ان دو راستوں پر مکہ کے بعد سب سے اہم شہر مدینہ تھا، اور شام سے مکہ کو آنے والے یا مکہ سے شام کو جانے والے تجارتی کاروانوں کی حفاظت کا دارومدار اس بات پر تھا کہ مدینہ والوں کے ساتھ مکہ کی دوستی اور محالفہ قائم رہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل کی تاریخ میں اس بات کے بے شمار وضاحتیں موجود ہیں کہ مکہ کے قبیلائی حکمران اکثریت قریش اور مدینہ میں رہنے والے اوس وخزرج کے درمیان تعلقات ہمیشہ

خوشگوار رہے اور سرداران قریش ہمیشہ اس علاقے کے سرداروں کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات کرتے رہے، رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب کے ننہیال مدینہ میں تھے، خود آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب اسی شہر سے متعلق تھیں، اسی طرح دوسری شاخوں میں بھی یہ تعلقات قائم ہوئے تھے جو صدیوں سے چلے آرہے تھے، اس کے بعد حجاز کے دوسرے کمتر درجے کے تمام شہرانہی راستوں پر آباد تھے اور کیونکہ راستے ایسے علاقوں میں سے گزرتے تھے جہاں سے انسانوں اور حیوانوں کے لئے سامان خورد ونوش مل سکے، اس لئے اس راستے کے علاوہ تمام ملک بے آب وگیاہ ریگستان تھا جہاں کسی آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔

رحمت دوعالم ﷺ کی بعثت کے وقت قریش البطاح یا قریش البطح کے یہ قبائل بنوعبد الدار، بنوعبد مناف، بنوعبد قصی، بنوزہرہ بن کلاب، بنوتمیم بن مرہ، بنومخزوم بن یقظہ، بنوسہم، بنوجمح، بنوعدی بن کعب، بنوحسل بن عامر بن لوئی، بنوہلال بن اہیب بن ضبہ بن حارث بن فہر بن بلال بن مالک بن ضبہ، بنوہاشم بن عبد مناف، بنوحارث بن عبد مناف، بنوالمطلب بن عبد مناف، بنوامیہ بن عبد شمس، بنونوفل بن عبد مناف اور بنوحارث بن فہر جن کے ہاتھوں میں تجارت اور اقتصادیات کا محکمہ تھا مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح میں آباد تھے، یہ لوگ صاحب ثروت اور رئیس تھے، یہ شہری قریش اشراف اور سردار کہلاتے تھے، اور بدوی قریش جن کا ذریعہ معاش گلہ بانی تھا چراہ گاہ اور پانی کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہتے تھے۔ [۱] کیونکہ سرزمین عرب وسیع صحراؤں اور سنگلاخ پہاڑوں پر مشتمل تھی، اس لئے عرب کی بے آب وگیاہ اور سنگستانی سرزمین کبھی بھی خوراک کے معاملے میں خودکفیل نہیں رہی اور نہ ہی وہاں کسی بڑی صنعت کو فروغ حاصل ہوا اس لئے وہاں ہر چیز باہر سے ہی درآمد ہوتی تھی، تاہم ملک میں کہیں کہیں قابل کاشت زمینیں بھی تھیں، ساحلی مقامات خصوصاً سرسبز وشاداب تھے، مثلاً یمن، عمان، حضرموت وغیرہ، یہاں کے لوگ لوبان کی کاشت کرتے، جسکی وجہ سے صدیوں تک جنوبی عرب کے تاجروں کو لوبان کی تجارت کی اجارہ داری حاصل رہی، اس کے علاوہ نجد، خیبر اور حجاز میں طائف اور یثرب وہ علاقے تھے جہاں زراعت ہوتی تھی، یہاں بدویوں کی نسبت کم تعداد لوگ (حضری) گاؤں یا دیہات کی بنیاد ڈال کر مقیم بن کر رہتے تھے اور فصلیں تیار کرتے تھے، عربوں کے دوسرے گروہ (اہل بادیہ) جو کثیر تعداد میں تھے کا پیشہ قدیم زمانہ سے گلہ بانی، رہزنی اور سرقہ تھا، وہ بڑی تعداد میں اونٹ، گائے، بھیڑ بکریاں، گھوڑے گدھے اور خچر پالتے اور تجارت کرتے تھے، یہ منتشر اور مسافرت میں رہنے پر مجبور تھے، وہ اپنے مویشیوں کے لئے نئی چراگاہوں اور نئے چشموں کی تلاش میں وادیوں اور گھاٹیوں میں سرگرداں رہتے اور سخت نامساعد حالات میں زندگی بسر کرتے، اکثر اوقات خوراک کے وسائل وذرائع آبادی کے اعتبار سے کافی نہ ہوتے تو طاقتور قبیلہ کمزور قبیلہ کے ذرائع ووسائل مثلاً اونٹ، مویشی وغیرہ پر قبضہ کرلیتا، بدوی جن کی معاش کا انحصار گلہ بانی تھا چارے اور پانی کی تلاش ان کا سب سے بڑا مسئلہ تھا، چراگاہوں اور پانی کے چشموں پر قبضے کے لئے ان میں آئے دن جنگ کا بازار گرم رہتا تھا۔ [۲]

---

[۱] قلب جزیرہ العرب فوائد حمزہ صفحہ ۱۶۰

[۲] دیوان الحماسہ ۱/۳۲۹

عرب قبل اسلام کی ان قبائلی جنگوں کو ایام العرب (عرب کے دن) کہتے ہیں۔ [1]

مورخین نے ۱۳۲ ایام العرب کا ذکر کیا ہے،

چند مشہور ایام العرب میں جنگ بسوس تھی جو ربیعہ کے دو قبائل بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان ہوئی، جس کی اصل وجہ چراگاہ میں اونٹ کو چرانے کا حق تھا۔

دوسری مشہور جنگ حرب داحس والغبراء تھی جو دو گھوڑوں کی مسابقت اور شرط کی رقوم کی ہار جیت پر اختلاف ہوجانے کے باعث مضر کے دو قبائل عبس اور ذبیان کے درمیان ہوئی۔

تیسری مشہور جنگ فجار تھی جس کے فریق قریش وکنانہ اور ہوازن (قیس عیلان) تھے۔

ایام العرب میں چوتھی قابل ذکر جنگ حرب ذی قار کے نام سے مشہور ہے جو ربیعہ کے قبائل اور ایران کی شاہی فوج کے مابین، شاہان حیرہ کے امانت رکھے ہوئے سامان کی واپسی کے تنازعہ پر ہوئی۔

اگرچہ عرب جاہلیہ کی تمام جنگیں صرف معاشی اسباب کی بنا پر ہی نہیں لڑی گئیں مگر ان میں سے بیشتر لڑائیوں کا محور یہی چراگاہیں، پانی کے کنویں، مویشی اور مال تجارت کی لوٹ تھی، ان لڑائیوں سے فاتح قبائل کو نہ صرف مال غنیمت کی شکل میں معاش کے نئے ذرائع حاصل ہوتے تھے بلکہ مغلوب قبائل کے افراد قتل یا قید کے باعث کم ہو کر ان کے معاشی دباو کو کم کر دیتے تھے، یہ لوٹ مار صرف چراگاہوں اور چشموں پر قبضہ کی غرض سے ہی نہیں کی جاتی تھی بلکہ تجارتی قافلوں کو لوٹ کر اس کے سامان پر قبضہ کرنے اور اس کے معتوب افراد کو غلام بنالینے کو بھی عرب کی معاشرت کا کثیر الوقوع واقعہ خیال کیا جاتا ہے، اس صورت حال سے نبٹنے کے لئے قریش اور دیگر قبائل عرب نے تجارتی قافلوں کی بسلامت آمد و رفت کی غرض سے بیرونی ممالک اور اندرون عرب متعدد معاہدے بھی کیے تھے،

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ :كَانَ هَاشِمٌ رَجُلا شَرِيفًا. وَهُوَ الَّذِي أَخَذَ الْحِلْفَ لِقُرَيْشٍ مِنْ قَيْصَرَ لأَنْ تَخْتَلِفَ آمِنَةً. وَأَمَّا مَنْ عَلَى الطَّرِيقِ فَأَلَّفَهُمْ عَلَى أَنْ تَحْمِلَ قُرَيْشٌ بَضَائِعَهُمْ وَلا كِرَاءَ عَلَى أَهْلِ الطَّرِيقِ. فَكَتَبَ لَهُ قَيْصَرُ كِتَابًا

عبد اللہ بن نوفل بن الحارث کہتے ہیں ہاشم ایک شریف آدمی تھا انہوں قیصر سے قریش کے لیے یہ عہد لیا تھا کہ وہ اس کے ملک میں امن و امان وحفاظت کے ساتھ سفر کر سکیں، جب وہ سڑکوں اور راستوں پر مال واسباب لے کر گزریں تو انہیں چنگی ٹیکس سے معاف رکھا جائے، قیصر نے یہ اجازت نامہ لکھ دیا۔ [2]

قصی اور ہاشم نے قریش کے کاروان تجارت کو مزید منظم کیا عبد مناف کے بیٹوں میں ہاشم نے شاہان روم اور آل غسان سے، عبد شمس نے نجاشی الاکبر سے، مطلب نے ملوک حمیر سے اور نوفل نے الاسرہ ایران سے، ان کے ممالک میں تجارتی قافلوں کی بحفاظت آمد و رفت اور عربوں کی

[1] دیوان الحماسة ۱/۳۲۹

[2] ابن سعد ۱/۶۴

نوآبادیوں کے لئے اجازت حاصل کی اور معاہدے کیے، اور سال میں دو مرتبہ تجارت کا طریقہ اختیار کیا، ان کے کاروان موسم سرما میں یمن سے اور گرمیوں میں شام بلکہ ایشیائے کوچک تک تجارت کرتے تھے۔

○اس وقت تجارت کے تین راستے تھے، ایک راستہ تو خشکی کا تھا جو ایران کی طرف سے عراق اور شام سے ہوتا ہوا جاتا تھا، قرآن مجید نے اسی راستہ کو امام مبین (ظاہر راستہ) کہا ہے، عرب کی تمام بڑی بڑی آبادیاں اس راستہ کے دائیں بائیں واقع تھیں، اصحاب الایکہ (دوان) اور موتفکہ یعنی لوط علیہ السلام کا گاؤں جو بحر میت کے قریب تھا اسی راستے پر آباد تھے۔

○دوسرا خلیج کا بحری راستہ تھا جس سے تمام تجارتی سامان عرب کے مشرقی سواحل پر اترتا اور دومتہ الجندل یا تدمر سے ہوتا ہوا جاتا تھا۔

○ اور تیسرا بحر ہند کا راستہ تھا اس راستہ سے آنے والا تمام سامان تجارت حضر موت اور یمن سے گزرتا تھا۔

عرب کے آباد حصے تین بحری سواحل پر واقع ہیں، خلیج فارس پر بحرین اور عمان، شمال میں بحر عرب پر حضر موت اور یمن اور مشرق میں بحر احمر پر حجاز و مدین واقع ہوئے ہیں، یہ علاقے دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے آمنے سامنے واقع ہوئے ہیں، عمان و بحرین ایران و عراق سے متعلق ہیں، یمن اور حضر موت کو افریقہ اور ہندوستان سے تعلق ہے، حجاز کے سامنے مصر ہے اور ملک شام اس کے بازو میں ہے، جس کی وجہ سے عربوں کا زمانہ قدیم سے بین الاقوامی تجارت کے ساتھ گہرا رابطہ رہا ہے، ان طبعی سہولتوں کی وجہ سے ان تینوں راستوں پر عرب ہی آباد تھے، اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر عرب کے تاجر حضرات سامان کی نقل و حمل کا کام بھی کرتے، اور اس کے ساتھ سامان تجارت خرید کر دوسری طرف فروخت بھی کر دیتے، اس کے علاوہ جو قافلہ سامان تجارت لے کر ان کے علاقوں سے گزرتا ان کو اپنے علاقوں سے بحفاظت گزرنے کا ذمہ لے کر ان پر بھاری ٹیکس بھی لگاتے۔

عربوں کا سامان تجارت عموماً تین اقسام پر مشتمل تھا۔

○ کھانے کا مصالحہ اور خوشبودار چیزیں لوبان، زعفران (عطریات وغیرہ) جن کی یمن میں کاشت ہوتی تھی یا ان کے باغات تھے، اس کے علاوہ نجد میں قسم قسم کے پھول و نباتات پیدا ہوتے تھے۔

○عرب کی بڑی بڑی کانوں سے نکلا ہوا سونا جس کی یروشلم اور اسکندریہ کے بازاروں میں بڑی شہرت تھی، قریش کی تجارت کا بڑا حصہ چاندی کا سامان تھا، تانبا، عقیق یمن، موتی (جو بحرین و عمان کے دریاؤں سے حاصل ہوتے تھے) جس کی طرف قرآن مجید نے یوں اشارہ کیا۔

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ [1]

ترجمہ: ان سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔

○اہل یمن کھالوں کی بہت عمدہ دباغت ستارہ سہیل جو یمن کے مقابل طلوع ہوتا ہے کی روشنی میں کرتے تھے اس لئے بڑی مشہور تھیں، طائف میں بھی دباغت کا فن بہت ترقی کر چکا تھا اس لئے چمڑا، کھال، زین پوش وغیرہ بھی عربوں کی تجارت میں نظر آتا ہے (مسلمانوں کو حاصل کرنے کے لئے قریش نے شاہ حبشہ کو اور چیزوں کے ساتھ یہی کھالیں ہی تحفہ میں دیں تھیں) اور بھیڑ بکریاں۔

---

[1] الرحمن ۲۲

علامہ سید سلمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ہمارے نزدیک مصالحہ یعنی لونگ سیاہ مرچ الائچی، ڈلی، دار چینی، ناریل اور املی وغیرہ جنوبی ہند اور جزائر ہند کے سواحل سے عرب آتے تھے، گذشتہ بیانات کے علاوہ آج تک یہ چیزیں انہی مقامات سے ساری دنیا میں جاتی ہیں اور اس دعویٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ مصالحہ اور خوشبو کی اکثر چیزوں کے نام عربی میں سنسکرت سے آئے ہیں، مثلاً، مشک، فلفل، کافور، زنجبیل، صندل، نارجیل اور قرنفل، بعض ایسی چیزیں بھی ہیں جن کے نام کے ساتھ ہندی کا لفظ نام کا جزو بن گیا ہے، مثلاً عود ہندی، قسط ہندی، خوشبو دار مصالحوں میں لونگ، الائچی، سیاہ مرچ، دار چینی، ہلدی وغیرہ سب داخل ہیں اور یہ سب اشیاء جنوبی ہند اور جزائر ہند کی پیداوار ہیں ، یمن میں بہت اچھی چادریں تیار ہوتی تھیں مگر عرب واپسی میں کچھ کپڑے شاس (ململ) فوطہ (چارخانہ اور تہبند) ہندوستان سے اور کچھ شام سے لاتے تھے، تھوڑی مقدار میں غلہ یمن سے مگر زیادہ تر شام سے آتا تھا (مدینہ کے ابتدائی ایام میں جب رسول اللہ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس وقت شام کے بیوپاریوں کا ہی شور اٹھا تھا کیونکہ لوگ غلہ کے ان سوداگروں کے منتظر رہتے تھے اس لئے اٹھ کر چل دئے تھے، جس پر سورۂ جمعہ میں تنبیہ فرمائی گئی) شراب، لوہے کی تلواریں جو ہندوستان سے بن کر جایا کرتی تھیں، اور آئینہ وغیرہ آرائشی سامان درآمد کرتے تھے۔

اس بین الاقوامی تجارت پر دو گروپ چھائے ہوئے تھے، جن میں ایک گروپ امرائے قریش (آپ ﷺ کے والد عبداللہ، ابوجہل، ابوسفیان رضی اللہ عنہ، ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا تجارتی سامان لے کر آپ ﷺ شام، دوبار یمن کے بازار جرش اور بحرین میں گئے) اور بنی ثقیف تھا جو اپنے بڑے بڑے قافلوں کے ساتھ سامان تجارت لے کر دور دراز علاقوں کے سفر پر جاتے اور واپسی میں وہاں سے مال لے کر آتے، اور ذیقعدہ (بیٹھنے کا مہینہ) میں مکہ مکرمہ میں آرام کرتے تھے، اس کے بعد ذی الحجہ میں ان کا موجود رہنا ضروری تھا، عالمگیر بدامنی اور لوٹ مار کے باوجود جہاں بادشاہوں کا تجارتی مال بھی خطرہ سے خالی نہ ہوتا تھا، قریش کے تجارتی کارواں قبائل سے مختلف معاہدات کے تحت اور بیت اللہ (جس کی عظمت عربوں کے دلوں بسی ہوئی تھی) کے متولی ہونے کے ناطے (جس کی بنا پر وہ جیران اللہ اللہ کے پڑوسی سمجھے جاتے تھے) ہر طرح کی لوٹ مار، قتل وغارت سے مامون ومحفوظ تھے، بلکہ ان کا خیال رکھا جاتا تھا جس سے قریش کی تجارت کو اور بھی فروغ حاصل ہوا، قریش کی تجارتی ترقی کی یہ انتہا تھی کہ بیوہ اور لاچار عورتیں تک اپنا سرمایہ ان کے حوالے کر دیتی تھیں، قریش مکہ قبائل عرب کے اس حسن طریق کے بدلے میں ان کی ضروریات کی چیزیں ان تک خود ہی پہنچا دیا کرتے اور ان سے خرید وفروخت بھی کرتے تھے، ہجرت مدینہ کے بعد بھی اکثر مسلمان تجارت ہی کرتے تھے،

أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ يَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْأَسْوَاقِ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور مہاجروں کو بازاروں میں معاملہ کرنے سے فرصت نہ تھی۔ [1]

ان تاجروں میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کا مقام سلخ میں اپنا کپڑے کا کارخانہ تھا اور آپ اپنا تجارتی مال لے کر بصری جایا کرتے تھے، زبیر رضی اللہ عنہ بھی شام کے ساتھ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تجارت کرتے تھے اور ان کی تجارت کا سلسلہ ایران

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل بَابُ مِنْ فَضَائِلِ أَبِي هُرَيْرَةَ الدَّوْسِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ح ۶۳۹

تک پھیلا ہوا تھا۔ (۱)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مدینہ میں بنو قینقاع کی منڈیوں میں کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے،

سَعِيدَ بْنَ الْمُسَيِّبِ، يَقُولُ :سَمِعْتُ عُثْمَانَ، يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُولُ: كُنْتُ أَبْتَاعُ التَّمْرَ مِنْ بَطْنٍ مِنَ الْيَهُودِ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو قَيْنُقَاعَ، فَأَبِيعُهُ بِرِبْحٍ فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ :يَا عُثْمَانُ إِذَا اشْتَرَيْتَ فَاكْتَلْ، وَإِذَا بِعْتَ فَكِلْ

سعید بن مسیب سے مروی ہے میں نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے میں یہودیوں کے ایک خاندان اور قبیلہ سے جنہیں بنو قینقاع کہا جاتا تھا، کھجوریں خریدتا تھا اور اپنا منافع رکھ کر آگے بیچ دیتا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ! جب خریدا کرو تو اسے تول لیا کرو، اور جب بیچا کرو تو تول کر بیچا کرو۔ (۲)

عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف پنیر اور گھی فروخت کرتے تھے،

أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: فَأَتَى السُّوقَ فَرَبِحَ شَيْئًا مِنْ أَقِطٍ، وَشَيْئًا مِنْ سَمْنٍ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ بازار آئے اور یہاں آپ نے کچھ پنیر اور کچھ گھی کی تجارت کی اور نفع کمایا۔ (۳)

ان تجارتی تعلقات کے ساتھ ساتھ اہل عرب کے اس وقت کی مہذب دنیا سے سیاسی اور ثقافتی رابطے بھی تھے، قریش کے انہیں تجارتی قافلوں کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ مخاطب کر کے فرمایا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ (۴)

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! دنیا کے ملکوں میں اللہ کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾ (۵)

ترجمہ: اللہ کی آیات میں جھگڑے نہیں کرتے مگر صرف وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے، اس کے بعد دنیا کے ملکوں میں ان کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکے میں نہ ڈالے۔

کیونکہ انصار زراعت پیشہ تھے اس لئے دوسرا گروپ یہود کا تھا جو قبائل میں منقسم اور ایک دوسرے سے دست بگریباں رہتے تھے، ان کی منظم معیشت تھی اور اپنا معاشرتی نظام تھا، یہ لوگ تجارت پر قابض تھے ان کا سب سے بڑا تاجر ابن ابی الحقیق تھا جس کو لوگ تاجر التجار کہتے تھے،

(۱) مسند احمد

(۲) مسند احمد ۴۴۴

(۳) صحیح بخاری کتاب النکاح بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ لِأَخِيهِ: انْظُرْ أَيَّ زَوْجَتَيَّ شِئْتَ حَتَّى أَنْزِلَ لَكَ عَنْهَا؟ ۵۰۷۲

(۴) آل عمران ۱۹۶

(۵) المومن ۴

یہودی تاجر قافلوں کے ساتھ سفر تو نہ کرتے بلکہ سامان تجارت درآمد کر کے تھوک فروشی کرتے،اور اندرون ملک چھوٹی چھوٹی قبائلی بستیوں میں موجود خوردہ فروش ان سے لاکھوں کا مال ادھار پر جن پر سود بھی لاگو ہوتا تھا حاصل کر کے فروخت کرتے تھے۔

اہل بادیہ کے دو گروہ تھے،ایک گروہ صرف اونٹوں کو پالتا تھا اور یہی اصل میں بدوی تھے، کیونکہ ان کا مکمل انحصار اونٹوں پر ہی تھا اس لئے یہ مجبور تھے کہ صحرا کے اندر نفوذ کر کے نہ صرف وہاں کے خس وخار سے اونٹوں کو ان کی طبعی غذا مہیا کریں بلکہ کھاری پانی بھی انہیں پلائیں،اونٹوں کی صحت وعافیت کا انحصار اسی پر تھا،چونکہ اونٹ سردی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے سردیوں میں یہ گروہ سرسبز مقامات چھوڑ کر ریگستانوں اور صحراؤں کی راہ لیتے،جہاں رتیلے اور ریگستانی علاقوں میں جہاں گرم ماحول ہوتا اونٹنی آسانی سے بچے دیتی، جبکہ دوسرا گروہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پر زندگی بسر کرتا تھا،خود سید العالمین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم معمولی معاوضہ پر محلہ جیاد میں بکریاں چراتے رہے تھے، سیدنا عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بن خطاب اپنے والد کے اونٹ شہر کے قریب قریب چراتے رہے تھے،اہل بادیہ کے لوگ شہر اور قصبات کے باشندوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور انہیں غلام سمجھتے تھے،یہ بدوی آزادی کو انتہائی عزیز رکھتے تھے،ان کے نزدیک کسی خاص مقام کو مسکن بنانا گویا آزادی کو خیر باد کہنا تھا کیونکہ جہاں مسکن معین ہو وہاں غیر کا محکوم ہونا بھی لازمی ہے۔ [1]

یہ بدوی کبھی مفتوح نہیں ہوئے، چنانچہ جس زمانے میں فینقیہیہ اور فلسطین سے بیش قرار خراج ایران کے بادشاہوں کو جایا کرتا تھا اس وقت عرب ہی ایسے تھے جو خراج سے مستثنیٰ تھے،ان میں وحشت کا عنصر زیادہ تھا اور جنگجویانہ اوصاف کے حامل تھے،اسلحہ کا استعمال ان کا دن رات کا مشغلہ تھا،ریگستانی راہوں پر قافلوں اور مسافروں کو لوٹ لینا ان کی مجبوری تھی،وہ آرام وآسائش کی متمدن زندگی سے آشنا ہی نہیں تھے۔

تجارتی منڈیاں اور میلے:

بیرون ملک تجارت کے علاوہ خود عرب میں بھی تیرہ مقامات پر تجارتی میلے منعقد کیے جاتے تھے، جو حجاز کی آخری سرحد دومتہ الجندل سے شروع ہو کر حجاز سے ہو کر شام میں اختتام پذیر ہوتے تھے، جہاں دور دور سے سوداگر اپنا مال واسباب فروخت کرنے کے لئے لاتے تھے۔

دومتہ الجندل:

یہ مقام شام کے پاس حجاز کی آخری سرحد پر واقع ہے، یہاں سے میلے کا آغاز ہوتا تھا، یہ منڈی یکم ربیع الاول سے ۱۵ ربیع الاول تک منعقد ہوتا تھا جس میں خوب چہل پہل اور رونق رہتی تھی اس کے بعد گھٹنا شروع ہوجاتا اور آخر ماہ تک جاری رہتا تھا، قبائل بنو طے، بنو جدیلہ اور بنو کلب اس کے پڑوس میں رہتے تھے، جن کا رئیس قابو اس بازار کا حاکم تھا، عرب کے علاوہ عراق، شام کے تاجر بھی اس کی اجازت سے بازار لگاتے تھے، رئیس قابو خود بھی تجارت کرتا تھا جب تک اس کا مال فروخت نہیں ہوجاتا تھا کسی دوسرے کو مال بیچنے کی اجازت نہیں تھی، یہاں خرید وفروخت کا طریقہ یہ تھا کہ جسے جو مال پسند آ گیا اس پر ایک کنکری ڈال دیتا، اس میلے میں شامل ہونے کے لئے جو تاجر یمن یا حجاز سے جانا چاہتا تو وہ جب تک مضری قبائل کی سرزمین سے گزرتا رہتا تو قریشی بدرقے حاصل کرتا کیونکہ کوئی مضری قبیلہ نہ

---

[1] تمدن عرب ، مترجم سیدعلی بلگرامی صفحہ ۱۶۱

توکسی قریشی تاجر کوستاتا اور نہ کسی مضریوں کے حلیف کو، چنانچہ قبیلہ کلب والے کسی ایسے شخص کو نہیں ٹوکتے تھے؟ کیونکہ قبیلہ بنی الحھشم کے حلیف تھے، اسی طرح قبیلہ طئی والے بھی ان کو نہیں ستاتے تھے؟ کیونکہ ان کی بنی اسد والوں سے حلیفی تھی، اگر مسافر بنی عمرو بن مرثد کا خفارہ حاصل کر لیتے تو اس پورے علاقے میں جہاں قبائل ربیعہ بستے تھے انہیں حفاظت حاصل ہوتی تھی، اگر بحرین کے سوق مشقر جانا ہوتا تو قریشی خفارہ ہی حاصل کر لیا جاتا، اگر جنوبی عرب کے سوق مہرہ کو جانا ہوتا تو بنی محارب کا بدرقہ حاصل کیا جاتا، حضرموت کے سوق رابیہ کو جانے کے لئے قریش قبیلہ بنی آکل المرار کا خفارہ حاصل کرتے اور دیگر لوگ کندہ کے آل مسروق کا اس طرح دونوں ہی قبائل کو عزت حاصل تھی، لیکن قریشی سرپرستی کے باعث آکل المرار کو اپنے حریفوں پر فوقیت حاصل ہوگئی۔

مشقر:

دومتہ الجندل کے بعد مشقر اور بحرین میں یہ میلہ جمادی الثانی کے شروع سے آخر ماہ تک پورا ماہ جاری رہتا تھا عبد القیس اور تمیم کے قبائل اس کے ارد گرد مقیم تھے، اور ان کی رضامندی کے بغیر یہاں مال لانا ممکن نہ تھا کیونکہ یہ میلہ ایران کی سرحد کے قریب تھا اس لئے اس میں ایرانی تاجر بھی شامل ہوتے تھے، اس منڈی میں خرید وفروخت کا طریقہ یہ تھا کہ بائع (بیچنے والا) اور مشتری (خریدنے والا) دونوں خاموش رہتے اور صرف اشاروں سے بات چیت ہوتی تھی۔

صحار (عمان):

یہ میلہ خلیج عمان کے ساحل پر نخلستان بریمی میں اکیس رجب سے پانچ دن کے لئے لگتا تھا، پہلے دو میلوں میں جو تاجر شرکت کرنے سے قاصر رہتے وہ یہاں آجاتے، اس میں سمندر پار کے تاجر بھی شریک ہوا کرتے تھے، اس میں خرید وفروخت کا طریقہ پہلے سے بھی مختلف تھا، سامان سے انداز ہ لگایا جاتا تھا اور گاہک پتھر پھینکتے تھے جس سامان پر پتھر جا پڑا اسے اٹھا لیتے۔

دبا:

یہ میلہ رجب کی آخری تاریخ کو خلیج عمان کے ساحل پر منعقد ہوتا تھا، اس میں ہند، سندھ، چین، افریقہ کے تاجر شرکت کیا کرتے تھے، عرب اور دریا کی چیزیں یہاں فروخت ہوتی تھیں۔

شحر:

دبا سے سوداگر شحر میں منڈی مہرہ کے شمال میں اس پہاڑ کے سائے میں جس پر حضرت ہود علیہ السلام کی قبر ہے، جو عرب کے ساحل پر حضرموت اور عمان کے درمیان واقع ہے میلہ لگانے کے لئے آجاتے جو پندرہ شعبان سے شروع ہوتا تھا اس کے ارد گرد بنو محارب رہتے تھے، اس منڈی میں چمڑا، کپڑا، جڑی بوٹیاں (نباتاتی دوائیں) اور دیگر ضرورت کی اشیاء فروخت کی جاتی تھیں۔

سوق عدن:

شحر سے فارغ ہو کر سوداگر عدن میں یکم رمضان المبارک سے بیس رمضان المبارک تک ڈیرے ڈال دیتے، سلاطین یمن بڑی خوش اسلوبی سے

اس میلے کا بندوبست کرتے تھے،اس جگہ زیادہ تر دریائی سوداگر جمع ہوتے،اور عربوں کے دعویٰ کے مطابق کہ ان سے بڑھ کر خوشبو بنانے والے دنیا میں کوئی نہیں، یہاں سے سوداگر انواع واقسام کے عطریات اور خوشبوئیں بحری راستے سے ہندوستان اور سندھ تک اور بری راستے سے ایران اور روم تک پہنچاتے۔

سوق صنعا:

عدن کے بعد صنعاء کے میلے کا زمانہ آتا، جہاں یہ منڈی ۱۵ رمضان المبارک سے آخر رمضان تک جاری رہتی تھی،صنعاء یمن کا پایہ تخت تھا، یہاں روئی، زعفران، رنگ، کپڑے اور لوہے کی تجارت ہوتی تھی ۔

رابیہ (حضرموت):

یہ میلہ ۱۵ ذوالقعدہ سے آخر ماہ تک عکاظ کی منڈی کے عین ساتھ ملوک کندہ (آکل المرار) کے قریب حضرموت میں ایک ٹیلے کے پاس لگتا تھا، یہاں آکل المرار اور آل مسروق بن وائل حضری کے زیر خفارہ مال تجارت لایا جاتا تھا،صنعاء کے بعد لوگ حضرموت چلے جاتے ، مگر یہاں زیادہ گہما گہمی نہیں ہوتی تھی، یہاں سے کچھ تاجر لوٹ کر حضرموت کے میلے میں چلے جاتے مگر زیادہ تر عکاظ کے میلے میں چلے آتے۔

عکاظ:

وكانت عكاظ من أعظم أسواق العرب،

ایام جاہلیت میں عکاظ عرب کا سب سے بڑا میلہ تھا۔[1]

عكاظ مَوضِع بِقرب مَكَّة كَانَ بِهِ سوق عَظِيم

عکاظ کا میلہ مکہ مکرمہ کے نزدیک لگا کرتا تھا اور یہ سب سے بڑا میلہ ہوتا تھا۔[2]

جو پندرہ ذوالقعد سے ذی الحجہ کے چاند نظر آنے تک نجد اور عرفات کے درمیان جاری رہتا تھا، یہ بازار خفارہ سے پاک تھا،

وكانت قريش تنزلها وهوازن وطوائف من أفناء العرب: غطفان، وأسلم، والأحابيش (وهم بنو الحارث بن عبد مناة بن كنانة، وعضل، والديش، والحيا، والمصطلق)

اس میلہ میں عرب کے تمام قبائل قریش،ہوزان،غطفان،خزاعہ،حارث ابن مناۃ،عقل اور مصطلق وغیرہ شرکت کرتے تھے۔[3]

جب عرب کے تمام گوشوں سے لوگ اس جگہ جمع ہوجاتے تو قبائلی شعراء اپنا کلام سناتے،جس میں شہوانیت،عشق بازی،شراب نوشی، قبائلی منافرت، جنگ وجدل، مشرکانہ خرافات اور نسلی فخر وغرور کا ہی ذکر کیا جاتا،اس طرح قبائل ایک دوسرے پر عزت وشرف اور کمالات میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرتے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے شاعری کے متعلق فرمایا تھا۔

---

[1] الإملاء المختصر في شرح غريب السير ۶۲/۱

[2] فتح الباری ۱۵۹/۱

[3] المحبرباب اسواق العرب ۲۶۷/۱

لَأَنْ يَمْتَلِئَ جَوْفُ الرَّجُلِ قَيْحًا خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَمْتَلِئَ شِعْرًا

تم میں سے کسی شخص کا خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔ (۱)

کسی نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تقریروں میں اشعار استعمال کرتے تھے، جواب فرمایا کہ شعر سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز سے نفرت نہ تھی اسلام نے شاعری کے یہ دنگل بند کر دیئے۔

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا... ﴿۲۰۰﴾ (۲)

ترجمہ: پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے اس طرح اب اللہ کا ذکر کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

راگ ورنگ کی مجلسیں منعقد ہوتیں، جس میں ہر قسم کی فحش کاری خوب دھڑلے سے ہوتی تھی، خطباء تقریریں کرتے، حکام اپنے فیصلے سناتے اور شیوخ معاہدے کی دفعات طے کرتے تھے، فیاضی کا مقابلہ ہوتا، ہر قبیلہ اپنی بڑائی جتلانے اور دوسرے قبیلہ کو نیچا دکھلانے کے لئے اونٹ پر اونٹ کاٹتا چلا جاتا، اسلام نے دکھاوے اور ناموری کی اس فیاضی کا خاتمہ کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کے طریقہ کو پھر زندہ کیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جائیں تا کہ خوشحال لوگوں کی قربانی سے غریب حاجیوں کو کھانے کا موقعہ ملے۔

...وَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾ (۳)

ترجمہ: اور کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

...فَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا صَوَافَّ... ﴿۳۶﴾ (۴)

ترجمہ: ان جانوروں کو خالص اللہ کے لئے اسی کے نام پر قربان کرو۔

حیات محمد کا مصنف تمام میلوں کا ذکر کر کے لکھتا ہے، اس طرح مکہ مکرمہ کا تجارتی منڈی بننے کا سبب عکاظ کا میلہ اور حج تھا، جنگ فجار بھی یہیں برپا ہوئی تھی۔

ذوالمجاز:

ذُو المَجاز هُوَ سوق من أسواق الجَاهِلِيَّة

ذوالمجاز کا میلہ جاہلیت کے میلوں میں سے ایک میلہ تھا۔ (۵)

---

(۱) مسند احمد ۱۵۶۹

(۲) البقرة ۲۰۰

(۳) الاعراف ۳۱

(۴) الحج ۳۶

(۵) فتح الباری ۱/۱۲۰

عکاظ کے بعد یہ میلہ یکم ذوالحجہ سے نو ذوالحجہ (یوم ترویہ) تک عکاظ کے قریب ہی کبکب کی جانب ایک فرسخ کے فاصلے پر منعقد ہوتا تھا۔[1] یہاں سے فارغ ہو کر لوگ منیٰ کو چلے جاتے تھے،

وَمَجَنَّةٌ سُوقٌ مِنْ أَسْوَاقِ الْعَرَبِ بَيْنَ عُكَاظٍ وَفِي الْمَجَازِ

عربوں کی منڈیوں میں ایک منڈی مجنہ بھی لگتی تھی جو عکاظ اور المجاز کے درمیان تھی۔[2]

نطاۃ:

یہ میلہ دس محرم سے آخر ماہ تک مدینہ کے شمال میں خیبر کی ایک بستی میں ایک قلعہ کا نام تھا، جہاں ایک کنواں بھی تھا جاری رہتا تھا۔

حجر:

یہ میلہ دس محرم سے آخر ماہ تک یمامہ میں جو بنو حنیفہ کا مسکن تھا منعقد ہوتا تھا۔

بنو امیہ کے زیر اہتمام بصری اور اذرعات میں ایک بڑا میلہ لگتا تھا۔[3]

عرب میں اسلام پھیل جانے کے بعد تقریباً ۱۲۵ سال تک یہ تمام تجارتی منڈیاں منعقد ہوتی رہیں مگر ۱۲۹ ہجری میں رفتہ رفتہ یہ سب منڈیاں خارجیوں کی لوٹ مار کی وجہ سے بند ہو گئیں۔

عربوں کے سیاسی حالات

مکہ مکرمہ کے غیر مہذیب اور غیر تعلیم یافتہ باشندے معاشی اور سیاسی استحکام کے حصول کی غرض سے جزیرہ نما عرب کے معاشی وفاق سے منسلک تھے جو وہاں کے سالانہ میلے اور تجارتی قافلوں کا انتہائی ترقی یافتہ نظام تھا، پورے عرب میں ایک زبان بولنا، ایک طرز سے فال دیکھنا، مختلف بتوں اور دیوی دیوتاوں کی مشترک طور پر عبادت کرنا اور ان کے رسم و رواج میں یکسانیت کا پایا جانا یہ تمام چیزیں ان کے سیاسی اتحاد اور ملی یگانگت کا مظہر تھیں، مکہ پر پہلی حکومت جرہم نے قائم کی اور پانچ سو سال تک حکومت کرتے رہے، ان کے بعد خزاعہ نے ان سے بزور شمشیر حکومت چھین کر تین سو سال تک حکومت کی، پھر کسی دور میں پھر جرہم کو اقتدار حاصل ہو گیا جس کا آخری حکمران خلیل بن حبشیہ تھا جس کی بیٹی سے قصیٰ نے شادی کر لی، اس طرح قصیٰ کو ایک دو عہدے مل گئے، لیکن بعد میں اس نے بزور شمشیر حکومت پر قبضہ کر لیا اور پندرہ مختلف مذہبی، عدالتی، سیاسی اور جنگی عہدے بنا کر لوگوں کو ان پر تعینات کیا جن کی عمر کم از کم چالیس سال ہونا ضروری تھا، البتہ حاکم شہر کے بیٹے اعزازی طور پر عمر کی اس شرط سے مستثنیٰ تھے، لیکن قریش نے اپنے دور حکومت میں ان شرائط کو کافی نرم کر دیا تھا، اور ابو جہل کی اصابت رائے اور اعلیٰ صلاحیت کے پیش نظر اسے تیس سال کی عمر میں مجلس شوریٰ کا ممبر بنا لیا گیا تھا، اسی طرح حکیم بن حزام کو پندرہ یا بیس سال کی عمر میں یہ اعزاز حاصل ہو گیا تھا، علاوہ ازیں ہر قبیلہ میں ایک پنچائیت ہوتی تھی جو مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرتی تھی

(۱) تاریخ یعقوبی ۱/۳۱۴

(۲) الروض الأنف ۵/۳۲

(۳) فتح الباری ۳/۴۷۳

،البتہ جب کبھی دو قبائل کے مابین فیصلہ کرنا ہوتا تو کسی اجنبی ثالث کی طرف رجوع کرتے تھے ،ایسے مقدمات مختلف معبدوں کی دیوبانی یا مشہور پنچوں کے پاس لے جاتے تھے ، کاہن، ہاتف،عائف ،ازلام اور ایسار وغیرہ سے فیصلہ کرانے کا عام رواج بھی تھا، قصیٰ کی وفات کے بعد عدلیہ کا نظام تار تار ہوگیا اور مختلف قبائل کی باہمی رقابتوں نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا ان حالات میں ہی حلف الفضول کا معاہدہ ہوا تھا ،مورخ شہیر احمد بن ابراہیم الشریف لکھتے ہیں، مکہ میں ہمیشہ جمہوری حکومت رہی خواہ خزاعہ کا دور حکومت ہو یا قصی بن کلاب کا، شورائی طرز سے تنازعات کا فیصلہ کیا جاتا تھا، کوئی باقاعدہ مسودہ قانون تو نہیں تھا لیکن مجلس عرف اور علاقائی عادات کے مطابق فیصلہ کرتی تھی۔ [۱]

علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں قدیم زمانہ میں اشراف مکہ ہر روز عصر سے قبل کچھ دیر کے لئے دار الامارہ میں جمع ہوتے اور عوام کی شکایات و مسائل سن کر انہیں حل کرتے تھے۔ [۲]

ملک عرب جو براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ کے وسط میں واقع ہے اور خشکی وسمندری دونوں راستوں سے جڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے یہاں سے اٹھنی والی آواز ان براعظموں میں جلد پہنچ جانے کے ذرائع موجود تھے۔

عرب کے صحرا ہوں یا شہر طرز زندگی بہر حال قبائلی تھا اور جہاں قبائلیت ہوتی ہے وہاں سیاسی لامرکزیت ہوتی ہے، عرب اندرونی طور پر بے شمار قبائل میں تقسیم تھا ہر قبیلہ کا سردار ایک چھوٹا سا خود مختیار بادشاہ ہوتا تھا جو منظم حکومت نہ ہونے کے باعث کسی کے آگے جواب دہ نہیں تھا،اس کے مخصوص قسم کے امتیازی حقوق ہوتے تھے اور اس کا قبیلہ اس کی رعایا ہوتے تھے ،قبیلہ کے ہر شخص پر لازم تھا کہ وہ اپنے سردار کے صحیح یا غلط فیصلے کے آگے اپنی گردن جھکا دے ،سردار بھی دوسروں سے ممتاز رہنے کے لئے اپنی رعایا پر اپنا جود وکرم نچھاور کرتے رہتے تھے ،اس لئے قبائل کو من مانی کرنے کی یک گونہ آزادی تھی ،چاروں طرف سے بڑی طاقتوار حکومتوں ایران وروم کے درمیان گھیرا ہوا تھا، عرب کے مشرقی اور جنوبی سواحل اور عراق عرب کا علاقہ نجد کی حدود تک ایران کے پاس تھا یمن جو عرب کا سب سے زرخیز صوبہ تھا اس پر ۵۲۵ء میں پہلے حبشیوں نے قبضہ کیا لیکن ۵۷۵ء میں معدیکرب نے جو ذی یزن حمیری کا بیٹا تھا فارس کی مدد سے حبشیوں سے اقتدار چھین کر اپنی خود مختیار حکومت قائم کرلی، لیکن کچھ حبشیوں کو اپنی خدمات کے لئے روک لیا جنہوں نے موقعہ پا کر ایک دن معدیکرب کو قتل کر ڈالا، کسریٰ نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یمن کو فارس کا ایک صوبہ بنالیا اور صنعاء پر ایرانی گورنر مقرر کر دیا تھا، ۶۲۸ ء کو تقریباً پچاس برس بعد ایرانی گورنر باذان نے اسلام قبول کرلیا اس طرح یمن دوبارہ اسلامی اقتدار کے زیرنگیں آ گیا،عرب کے شمال میں تبوک تک رومی سلطنت کے اثرات پہنچے ہوئے تھے ،حجاز کی شامی حدود پر قیصر کا قبضہ تھا جو کئی مرتبہ مکہ کی چھوٹی سی حکومت میں مداخلت کر چکا تھا یہ بڑی حکومتیں اندرون ملک اپنے اپنے اغراض و مقاصد اور اثرات پھیلانے کے لئے قبائل عرب کو آپس میں لڑا کر استعمال کرتی تھیں، کوئی باضابطہ حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اندرون عرب آباد قبائل آپس میں متحد نہ تھے بلکہ ہر وقت کی معمولی معمولی باتوں پر قتل و غارت، ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کی وجہ سے ان کا شیرازہ بکھر چکا تھا اسی طرح عرب کے تینوں سرحدی علاقوں میں آباد قبائل سیاسی طور پر سخت خلفشار کا شکار رہتے

[۱] تاریخ مکه و مدینه

[۲] دائرة المعارف ۹/۳۲۵ لفظ مکه

تھے، وہ اپنی اغراض وضروریات کے لئے کبھی عراقیوں کے اور کبھی شام کے ہمنوا بن جاتے تھے، اس وقت تجارت کے تین راستے تھے جن پر یہ حکومتیں قابض ہونا چاہتی تھیں، یمن کا گورنر ابرہہ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے خدائی عذاب کا شکار ہو چکا تھا، دوسرا مقصد فوج کے لئے بہادر نفری کی بھرتی تھی، اہل عرب کا صدیوں سے صحرا میں آزاد زندگی گزارنے کی وجہ سے ان میں جرات، شجاعت وغیرت اور پختگی عزم کا جوہر پیدا ہو چکا تھا وہ نہ تو وہ کسی کو خاطر میں لاتے اور نہ ہی مرعوب ہوتے اور نہ ہی مصائب وتکلیف میں ہمت ہارتے تھے، قول کے ایسے پکے اور سچے تھے کہ جان تو چلی جائے مگر زبان نہ جائے، مہمان نواز ایسے کہ کوئی مہمان ان کے گھر سے بھوکا نہیں جا سکتا تھا کیونکہ فوجی مقاصد کے لئے اس سے بہتر نفری اور کہیں سے نہیں مل سکتی تھی اسلئے ہر ملک کی یہ کوشش تھی کہ اس بنجر علاقہ پر اپنا قبضہ جما کر اپنی فوج کو مضبوط بنائے۔

مالیاتی نظام

- حکومت اور اہل مکہ کی آمدنی کے متعدد ذرائع تھے، جب دو قبائل جرہم اور قطورا نے مکہ میں وفاقی حکومت قائم کی تو انہوں نے شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا، جس حصہ سے کوئی تاجر شہر میں داخل ہوتا اسی حصہ کے قبیلہ کو محصول یا عشر ادا کرتا تھا، لیکن قصیٰ نے اپنے عہد حکومت میں اس تقسیم کو ختم کر دیا تھا اور خود مطلق العنان حکمران بن گیا، محصول کا طریقہ عمالقہ کے ہاں بھی رائج تھا جو آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ تھا، مگر مکہ کے باشندے اس سے مستثنیٰ تھے، قصیٰ نے ایک اور سالانہ فنڈ (رفادہ) بھی قائم کیا تھا اس نے اپنی قوم کو ترغیب دی کہ حجاج کی خدمت اور ضیافت ہمارا اخلاقی فرض ہے لہذا تمام اہل مکہ اپنی آمدنی سے سالانہ کچھ رقم اس فنڈ میں جمع کرائیں تا کہ حج کے ایام میں غریب حجاج کا تعاون کیا جائے اور بلدیہ کی طرف سے ان کی ضیافت بھی ہوتی رہے۔
- عرب میں یہ عام دستور تھا کہ رؤسا اور امراء بڑی عالی شان ضیافتوں کا اہتمام کیا کرتے تھے، لیکن سب اہل مکہ مل کر ان مصارف کا بوجھ برداشت کرتے تھے اور جو رقم بچ جاتی وہ حاکم وقت کے خزانہ کو معمور کرتی تھی۔
- کوئی اجنبی زائر یا مسافر مکہ میں فوت ہو جاتا تو اس کا مال بھی حاکم وقت کو دے دیا جاتا تھا۔
- آمدن کا ایک انفرادی ذریعہ یہ بھی تھا کہ باہر کے لوگ جب حج کے لئے مکہ میں آتے تو وہ اہل مکہ سے کرایہ پر لباس حاصل کرتے تھے، اگر کسی وجہ سے لباس دستیاب نہ ہوتا تو پھر اپنے غیر مقدس اور گناہ آلود لباس کو اتار کر مرد و عورتیں سب کامل برہنگی کی حالت میں بیت اللہ کا طواف کرتے تھے، اس طرح قریش مکہ کے لئے یہ بھی ایک معقول ذریعہ آمدن بن گیا تھا۔
- پہلے پہل حجاج کرایہ کے مکان میں نہیں بلکہ بطور مہمان کسی کے ہاں ٹھہر جاتے تھے، اگرچہ وہ کرایہ کے بوجھ سے سبکدوش تھے مگر میزبان کی خاطر مدارت کے لئے وہ کپڑوں کا جوڑا، قربانی کا جانور یا کوئی اور چیز بطور معاوضہ ادا کرتے تھے۔

قریش کے بعض مذہبی، عدالتی اور سیاسی عہدے

ظہور اسلام کے وقت قریش کے بعض مذہبی، عدالتی اور سیاسی عہدے یہ تھے۔

مذہبی عہدے

عہدہ	قبیلہ	عہدہ دار
سقایہ۔ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام	بنو ہاشم کے پاس تھا	عباس بن عبد المطلب عہدے دار تھے۔
عمارہ۔ خانہ کعبہ کا انتظام	بنو ہاشم کے پاس تھا	عباس بن عبد المطلب عہدے دار تھے۔
رفادہ۔ حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام	بنو نوفل کے پاس تھا	حارث بن عامر عہدے دار تھے۔
سدانہ۔ کعبہ کی دربانی و کلید برداری	بنو عبد الدار کے پاس تھا	عثمان بن طلحہ عہدے دار تھا۔
الیسار۔ بتوں سے استخارہ کی خدمت	بنو جمح کے پاس تھا	صفوان بن امیہ عہدے دار تھا۔
اموال محجرہ۔ بتوں کے نذرانے اور جائداد کا انتظام	بنو سہم کے پاس تھا	حارث بن قیس عہدے دار تھا۔

عدالتی عہدے

عہدہ	قبیلہ	عہدہ دار
ندوہ۔ عدالت خانہ اور مشورہ گاہ کا انتظام	بنو عبد الدار کے پاس تھا	عثمان بن طلحہ عہدے دار تھا۔
مشورہ۔ امور مہمہ میں مشورہ لینا	بنو اسد کے پاس تھا	یزید بن زمعہ عہدے دار تھا۔
اشناق۔ خون بہا، جرمانہ اور مالی تاوان کا انتظام	بنو تمیم کے پاس تھا	ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ عہدے دار تھے۔

سیاسی و جنگی عہدے

عہدہ	قبیلہ	عہدہ دار
حکومہ۔ مقدمات کا فیصلہ	بنو سہم کے پاس تھا	حارث بن قیس عہدے دار تھا۔
عقاب۔ قومی نشان کا علمبردار	بنو امیہ کے پاس تھا	ابو سفیان رضی اللہ عنہ عہدے دار تھا۔
قبہ۔ فوجی کیمپ کا انتظام قومی ضرورت کے لئے چندہ جمع کرنا	بنو مخزوم کے پاس تھا	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عہدے دار تھے۔
اعنہ۔ سواروں کے لئے رسالہ کی سپہ گری	بنو مخزوم کے پاس تھا	خالد بن ولید رضی اللہ عنہ عہدے دار تھے۔
سفارہ۔ سفارت	بنو عدی کے پاس تھا	عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے پاس تھا۔

قریش کے رئیس اعظم

بعثت کے وقت قریش کے یہ چند سردار اپنی دولت میں ممتاز تھے۔

ولید بن مغیرہ مخزومی (خالد رضی اللہ عنہ کے والد)	قریش کا رئیس اعظم
حکیم بن ہشام مخزومی (ابو جہل)	اپنے قبیلہ کا سردار اور ولید بن مغیرہ مخزومی کا بھتیجا
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا)	یہ نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھے
ابو سفیان بن حرب (امیر معاویہ کے والد)	کہا جاتا ہے کہ جنگ فجار میں انہی کا والد حرب بن امیہ قریش کا سردار تھا

ابولہب آپ ﷺ کا چچا جو آپ کے ساتھ والے مکان میں رہتا تھا اور کبیر السن تھا یہ واحد شخص ہے جس کے دائمی خسران وہلاکت کا نام لیکر قرآن مجید میں پیغام سنایا۔

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّؕ ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَؕ ﴿۲﴾ سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍۚ ﴿۳﴾ [1]

ترجمہ: ٹوٹ گئے ابولہب کے ہاتھ اور نامراد ہو گیا وہ، اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا وہ اس کے کسی کام نہ آیا، ضرور وہ شعلہ زن آگ میں ڈالا جائے گا۔

عاص بن وائل سہمی (عمرو رضی اللہ عنہ بن عاص کے والد) یہ کثیر الاولاد، دولتمند اور صاحب اثر تھا۔

عرب میں دیگر مذاہب

عرب کے لوگ تاجر تھے، ان کے اطراف میں جو مختلف مذاہب کی بڑی حکومتیں تھی جن سے تعلق کی وجہ سے اور خود مکہ کے مشرک سرداروں کی بنا پر جن ہاتھوں میں اقتدار اعلیٰ تھا بت پرستوں کے علاوہ کچھ اور مذاہب اور خیال کے لوگ بھی پائے جاتے تھے، جیسے اجسام پرست، ارواح پرست، ستارہ پرست،، یہودی، نصرانی، صائبین، مجوسی ملحد و دہرئے وغیرہ، اس لئے اختلاف عقائد اور کثرت مذاہب کی وجہ سے یہ مقدس سرزمین تخیلات کی برائیوں اور مذاہب باطلہ کا گڑھ بن چکی تھی۔

یہودی:

یہودیوں کے عقائد یہ تھے۔

○ یہودیوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ وہ اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس عقیدے کی تردید فرمائی کہ اگر تم واقعی ہی اللہ کے بیٹے ہو تو پھر وہ تمہیں تمہارے اعمالوں پر سزا کیوں دیتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں دوسرے انسان ہیں تم بھی انہی جیسے ہو۔

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ وَالنَّصٰرٰى نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلۡ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمۡ بِذُنُوۡبِكُمۡ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ مِّمَّنۡ خَلَقَ ؕ يَغۡفِرُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا ۖ وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ﴿۱۸﴾ [2]

ترجمہ: اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں، ان سے) پوچھو پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان اللہ نے پیدا کیے ہیں، وہ جسے چاہتا ہے معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے سزا دیتا ہے، زمین و آسمان اور اس کی ساری موجودات اس کی ملک ہیں اور اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔

○ یہودی ابراہیم علیہ السلام کو یہودی اور عیسائی ان کو عیسائی سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے دونوں اہل کتاب کے اس عقیدے کی تردید فرمائی اور انہیں سوچنے کے لئے ایک نکتہ پیش فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ دونوں کتابیں تورات اور انجیل جو موسیٰ علیہ السلام اور

---

[1] اللھب ۱تا۳

[2] المائدۃ۱۸

عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئیں تھیں ان کے بعد نازل کی گئیں تھیں، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی عیسائی تھے بلکہ وہ وہ ایک مسلم یکسو اور اللہ کے ہر فرمان پر سر جھکا دینے والا تھا۔

يَاهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ [1]

ترجمہ: اے اہل کتاب تم ابراہیم کے (دین کے) بارے میں کیوں جھگڑتے ہو؟ تورات اور انجیل تو ابراہیمؑ کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ [2]

ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہر گز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

○ یہود ونصاری کا یہ قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تیری اولاد میری اولین اولاد ہے، میں اسے آگ میں داخل کروں گا اور وہ چالیس دن تک اس میں رہے گی، حتی کہ آگ اس کا دامن اعمال پاک کر دے گی اور اس کے گناہوں اور خطاؤں کو نگل جائے گی، پھر ندادی جائے گی کہ بنی اسرائیل میں سے ہر ایک مختون کو (آگ سے) نکال دو۔ اس لئے یہودیوں کو یہ بھی غلط فہمی تھی کہ وہ جنت کے اجارہ دار ہیں اور اگر وہ جہنم میں ڈالے بھی گئے تو چند روز کے لئے ڈالے جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا ان لوگوں نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہوا ہے کہ وہ انہیں جہنم میں نہیں ڈالے گا یا چند روز کے لئے ہی جہنم میں داخل کرے گا؟ ایسا ہر گز نہیں بلکہ جو شخص بھی ایمان لائے گا اور نیک اعمال کرے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کیا جائے گا اور جو گناہ و نافرمانی کرے گا اس کے اعمال اس کو گھیر لیں گے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۭ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْۗـــــَٔتُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۞ [3]

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں ہر گز چھونے والی نہیں الایہ کہ چند روز کی سزا مل جائے تو مل جائے، ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے کوئی عہد لے لیا ہے جس کی خلاف ورزی وہ نہیں کر سکتا؟ یا بات یہ ہے کہ تم اللہ کے ذمے ڈال کر ایسی باتیں کہہ دیتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ اس نے ان کا ذمہ لیا ہے؟ آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ جو بھی بدی کمائے گا اور اپنی خطا کاری کے چکّر میں پڑا رہے گا، وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

---

[1] آل عمران ٦٥

[2] آل عمران ٦٧

[3] البقرة ٨١،٨٠

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۠ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ (۱)

ترجمہ: ان کا یہ طرزِ عمل اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں آتش دوزخ تو ہمیں مَس تک نہ کرے گی اور اگر دوزخ کی سزا ہم کو ملے گی بھی تو بس چند روز، ان کے خود ساختہ عقیدوں نے ان کو اپنے دین کے معاملے میں بڑی غلط فہمیوں میں ڈال رکھا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کے رد میں فرمایا اگر یہ لوگ اتنے ہی وثوق سے جنت میں داخل ہونے کا اظہار کرتے ہیں تو پھر موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے تا کہ اس دنیا کی پریشانیوں وغیرہ سے نجات حاصل کر کے جلد از جلد جنت الفردوس کے مزے لوٹنے کے لئے آجائیں، مگر کیوں کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں اس لئے کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے بلکہ ہزاروں برس لمبی عمر کی دعا کریں گے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ (۲)

ترجمہ: ان سے کہو اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے، تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنّا کرو، اگر تم اس خیال میں سچّے ہو، تو یقین جانو کہ یہ کبھی اس کی تمنّانہ کریں گے، اس لیے کہ اپنے ہاتھوں جو کچھ کما کر انھوں نے وہاں بھیجا ہے اس کا اقتضا یہی ہے (کہ وہاں جانے کی تمنّانہ کریں) اللہ ان ظالموں کے حال سے خوب واقف ہے۔

○ یہودی علماء اللہ تعالیٰ کے غضب سے بے خوف ہو کر رسولوں پر نازل شدہ کتابوں کے الفاظ میں ردوبدل کر دیتے، اس میں اپنی من مانی چیزیں داخل کر دیتے یا اپنی تاویلات سے آیات کتاب کے معنی بگاڑ دیتے، اس طرح اپنی فطری شرارت سے کچھ کا کچھ بنا کر لوگوں میں مشہور کر دیتے، اور اگر تلاوت تورات کرتے تو کتاب کے الفاظ کو الٹ پھیر کر پڑھتے، تا کہ دوسرے لوگ اسے کتاب ہی کا حصہ سمجھیں، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہ ہوتے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ (۳)

ترجمہ: اے اہل کتاب! کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟ ع۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ... ﴿۴۶﴾ (۴)

ترجمہ: جن لوگوں نے یہودیت کا طریقہ اختیار کیا ہے ان میں کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ

---

(۱) آل عمران ۲۴

(۲) البقرۃ ۹۵،۹۴

(۳) آل عمران ۷۱

(۴) النساء ۴۶

عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۞ [1]

ترجمہ: ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی، وہ کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتا، وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی بہتان تراشی کی روش پر دھمکی دیتے ہوئے فرمایا۔

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ۚ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ۞ [2]

ترجمہ: پس ہلاکت اور تباہی ہے ان لوگوں کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے شرع کا نوشتہ لکھتے ہیں پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے تاکہ اس کے معاوضے میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر لیں، ان کے ہاتھوں کا یہ لکھا بھی ان کے لیے تباہی کا سامان ہے اور ان کی یہ کمائی بھی ان کے لیے موجب ہلاکت ہے۔

○ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں پر زبور، تورات اور انجیل نازل فرمائیں، مگر یہودی ان میں اپنی من پسند کی باتوں پر عمل کرتے اور جو انہیں پسند نہ ہوتیں یا جن سے ان کو نقصان کا اندیشہ ہوتا اس پر سرے سے عمل نہ کرتے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو جن کے پاس الہامی کتاب ہے ایک قانون بتا دیا کہ جو بھی اللہ کی نازل کردہ شریعتوں میں یہ طریقہ کار اختیار کرے گا کہ کچھ پر تو جو ان کا من پسند ہو عمل کریں اور کچھ کو جو ان پر بھاری ہو چھوڑ دیں، تو ایسے لوگوں کو جہنم رسید کیا جائے گا جہاں ان کے عذاب میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔

... اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ۞ [3]

ترجمہ: تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو، یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی ہے، لہٰذا نہ ان کی سزا میں کوئی تخفیف ہو گی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی۔

○ ان دونوں گروہوں کا اپنا اپنا یہ بھی خیال تھا کہ یہودی کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔

---

[1] آل عمران ۷۸

[2] البقرۃ ۷۹

[3] البقرۃ ۸۶،۸۵

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰىؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ‌ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾ (۱)

ترجمہ: یا پھر کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام)، اسماعیل (علیہ السلام)، اسحاق (علیہ السلام)، یعقوب (علیہ السلام) اور اولاد یعقوب (علیہ السلام) سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جس کے ذمے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے؟ تمہاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے۔

○ عرب میں یہود و نصاریٰ دونوں ہی اہل کتاب تھے اور دونوں ہی بنی اسرائیل کے نبیوں کو مانتے تھے مگر اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ سمجھتے تھے، اس طرح مشرکین مکہ و مدینہ بھی ان دونوں گروہوں کو گمراہ سمجھتے تھے اور اپنے دیوی دیوتاؤں کو سچا سمجھتے تھے۔

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍۙ وَّهُمۡ يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ‌ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡ‌ۚ فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ (۲)

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں، عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کچھ نہیں حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے، یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز کر دے گا۔

وَقَالُوۡا كُوۡنُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى تَهۡتَدُوۡا‌ؕ قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا‌ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۳۵﴾ (۳)

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں، یہودی ہو تو راہ راست پاؤ گے، عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی، ان سے کہو نہیں، بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم (علیہ السلام) کا طریقہ، اور ابراہیم (علیہ السلام) مشرکوں میں سے نہ تھا۔

○ بد دیانتی میں یہودیوں کی اکثریت کا کوئی ہم پلہ نہ تھا، ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر وہ غیر یہودی کے مال پر قابض ہو جائیں تو بھی اس حق تلفی پر اللہ ان سے کسی قسم کی باز پرس نہیں کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو حق تلفی کی اجازت نہیں دیتا۔

وَمِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مَنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِقِنۡطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ‌ۚ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اِنۡ تَاۡمَنۡهُ بِدِيۡنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيۡكَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَيۡهِ قَآئِمًا‌ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لَيۡسَ عَلَيۡنَا فِى الۡاُمِّيّٖنَ سَبِيۡلٌ‌ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ (۴)

(۱) البقرة ۱۴۰

(۲) البقرة ۱۱۳

(۳) البقرة ۱۳۵

(۴) آل عمران ۷۵

ترجمہ: اہل کتاب میں کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتماد پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا، اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملہ میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کرے گا الّا یہ کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ، ان کی اس اخلاقی حالت کا سبب یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں امیّوں (غیر یہودی لوگوں) کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے، اور یہ بات وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے (کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی ہے)

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ [1]

ترجمہ: ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو، یہ ان کی تمنائیں ہیں، ان سے کہو، اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

○ عام طور پر یہودی عزیر علیہ السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کا مماثل اور ہمسر قرار دینے کے لئے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ عزیر علیہ السلام (نعوذ باللہ) اللہ کے بیٹے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ ﴿٣٠﴾ [2]

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں عزیر رضی اللہ عنہ اللہ کا بیٹا ہے۔

○ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی طرف پے در پے رسول بھیجے، ان پر صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں، مگر ان کو یہ سمجھ ہی نہ آتی تھی کہ اللہ کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ ۚ إِذًا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿٩١﴾ [3]

ترجمہ: اللہ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا ہے، اور کوئی دوسرا الٰہ اس کے ساتھ نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو ہر الٰہ اپنی خلق کو لے کر الگ ہو جاتا اور پھر وہ ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے، پاک ہے اللہ ان باتوں سے جو یہ لوگ بناتے ہیں۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ [4]

ترجمہ: وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اس کا کوئی بیٹا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا

---

(۱) البقرۃ ۱۱۱

(۲) التوبۃ ۳۰

(۳) المومنون ۹۱

(۴) الانعام ۱۰۱

کیاہےاوروہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں اس عقیدے کے چند لوگ تھے،ابن حزم نے کہا ہے کہ یہودیوں کا فرقہ صدوقی جو یمن میں تھا اس کا یہ عقیدہ تھا مگر جب مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن مجید کی یہ بانگ دھل آواز بلند ہوئی تو یہودیوں کی طرف سے کسی قسم کی تکذیب اور خلاف واقعیت کی آواز بلند نہ ہوئی،اگر مدینہ میں چند لوگ ہی اس عقیدے کے تھے تو پھر اس آیت کی مخالفت میں پرزور آواز بلند ہونی چاہئے تھی جو نہیں ہوئی،اس لئے قرآن مجید کی بات ہی سچ ہے کہ مدینہ کے یہودیوں کا یہ عقیدہ تھا۔

○اللہ خالق کائنات،مالک الملک جو ہر طرح کے خزانوں کا مالک ہے،اور اپنے دونوں ہاتھوں سے ان خزانوں کو اپنی مخلوقات میں بانٹتا ہی رہتا ہے مگر ان میں کچھ کمی واقع نہیں ہوتی،اگر کسی کے پاس کچھ ہے تو اللہ ہی نے اسے اپنی مشیت ورحمت سے عطا فرمایا ہوا ہے، مگر یہودی جو تجارت کرتے تھے اور اپنے کاروبار کو ہر طرف پھیلا رکھا تھا، کاروبار کے علاوہ یہ لوگ سودی لین دین بھی کرتے تھے،اور بڑی بے رحمی سے شرح سود مقرر کرتے اور قرض لینے والے کے بچوں اور عورتوں تک کو بطور رہن اپنے پاس رکھ لیتے تھے،جس سے مدینہ کی اکثر آبادی ان کی مقروض تھی۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ١٦١ [1]

ترجمہ:اور سود لیتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں،ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں،اور جو لوگ ان میں سے کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

○اس کے ساتھ ساتھ یہ زمیندار بھی تھے اور ان زمینوں پر باغات اگا رکھے تھے،اس طرح ذرائع معاش کے تنہا اجارہ دار تھے اس لئے دولت ان کے گھر کی لونڈی بنی ہوئی تھی، مگر اس کے باوجود ان کی حرص کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے چھوٹے معصوم بچوں کو چند ٹکوں کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے،

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلَى أَوْضَاحٍ لَهَا، فَقَتَلَهَا بِحَجَرٍ، فَجِيءَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِهَا رَمَقٌ، فَقَالَ: أَقَتَلَكِ فُلاَنٌ؟ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا: أَنْ لاَ، ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا: أَنْ لاَ، ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا: أَنْ نَعَمْ، فَقَتَلَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَجَرَيْنِ

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک یہودی نے ایک لڑکی کو اس کے چاندی کے زیور کے لالچ میں مار ڈالا تھا اس نے لڑکی کو پتھر سے مارا، پھر لڑکی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی گئی تو اس کے جسم میں جان باقی تھی،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں فلاں نے مارا ہے؟اس نے سر کے اشارہ سے انکار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا کیا تمہیں فلاں نے مارا ہے؟اس مرتبہ بھی اس نے سر کے اشارے سے انکار کیا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تیسری مرتبہ پوچھا تو اس نے سر کے اشارہ سے اقرار کیا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کو دو پتھروں میں کچل کر قتل کر دیا۔ [2]

[1] النساء۱۶۱

[2] صحیح بخاری کتاب الديات بَابُ إِذَا قَتَلَ بِحَجَرٍ أَوْ بِعَصًا ۶۸۷۷،۶۸۷۹،۵۲۹۵،صحیح مسلم کتاب القسامة بَابُ ثُبُوتِ الْقِصَاصِ فِي الْقَتْلِ بِالْحَجَرِ وَغَيْرِهِ مِنَ الْمُحَدَّدَاتِ، وَالْمُثَقَّلَاتِ، وَقَتْلِ الرَّجُلِ بِالْمَرْأَةِ ۴۳۶۱،سنن ابوداودکتاب الديات بَابُ يُقَادُ

مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان میں زنا و بدکاری عروج پر تھی، کیونکہ طبقہ امراء اس میں ملوث تھا اس لئے انہیں سزا نہیں دی جا سکتی تھی جو سنگسار کرنا تھی اور ان کی شریعت میں لکھی ہوئی تھی،

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، قَالَ: مُرَّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَهُودِيٍّ مُحَمَّمًا مَجْلُودًا، فَدَعَاهُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ؟، قَالُوا: نَعَمْ، فَدَعَا رَجُلًا مِنْ عُلَمَائِهِمْ، فَقَالَ: أَنْشُدُكَ بِاللهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى، أَهَكَذَا تَجِدُونَ حَدَّ الزَّانِي فِي كِتَابِكُمْ قَالَ: لَا، وَلَوْلَا أَنَّكَ نَشَدْتَنِي بِهَذَا لَمْ أُخْبِرْكَ، نَجِدُهُ الرَّجْمَ، وَلَكِنَّهُ كَثُرَ فِي أَشْرَافِنَا، فَكُنَّا إِذَا أَخَذْنَا الشَّرِيفَ تَرَكْنَاهُ، وَإِذَا أَخَذْنَا الضَّعِيفَ أَقَمْنَا عَلَيْهِ الْحَدَّ، قُلْنَا: تَعَالَوْا فَلْنَجْتَمِعْ عَلَى شَيْءٍ نُقِيمُهُ عَلَى الشَّرِيفِ وَالْوَضِيعِ، فَجَعَلْنَا التَّحْمِيمَ، وَالْجَلْدَ مَكَانَ الرَّجْمِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللهُمَّ إِنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذْ أَمَاتُوهُ، فَأَمَرَ بِهِ فَرُجِمَ، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: {يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ}[1] إِلَى قَوْلِهِ {إِنْ أُوتِيتُمْ هَذَا فَخُذُوهُ}[2]، يَقُولُ: ائْتُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ أَمَرَكُمْ بِالتَّحْمِيمِ وَالْجَلْدِ فَخُذُوهُ، وَإِنْ أَفْتَاكُمْ بِالرَّجْمِ فَاحْذَرُوا، فَأَنْزَلَ اللهُ تَعَالَى {وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ} فِي الْكُفَّارِ كُلُّهَا

براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی نکلا جس کا منہ کوئلے سے کالا کیا گیا تھا اور اسے کوڑے لگائے گئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو بلایا اور فرمایا کیا تم اپنی کتاب میں زانی کی یہی سزا پاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عالموں میں سے ایک شخص کو بلایا اور فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کیا تمہاری شریعت میں زنا کی یہی حد ہے؟ وہ بولا نہیں، اگر آپ مجھے اللہ کی قسم نہ دیتے تو میں انکار کرتا تمہاری شریعت میں تو زنا کی حد سنگسار کرنا ہے، لیکن جب ہمارے امراء طبقہ میں زنا کی کثرت ہوگئی تو جب ہم کسی بڑے آدمی (بااثر شخص) کو زنا میں پکڑتے تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی عام یہودی پکڑا جاتا تو اس پر حد جاری کرتے (اس تضاد کو ختم کرنے کے لئے) پھر ہم نے کہا آؤ کسی ایسی بات پر متفق ہو جائیں جو ہم شریف اور کمزور سب پر نافذ کر سکیں چنانچہ سنگسار کرنے کے بدلے ہم نے کوئلے سے منہ کالا کرنا اور کوڑے لگانا مقرر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! میں وہ پہلا آدمی ہوں جو تیرے حکم کو زندہ کر رہا ہے جبکہ انہوں نے اس کو مردہ کر چھوڑا تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا اور وہ یہودی سنگسار کیا گیا، اللہ عزوجل نے سورہ المائدہ کی آیت ۴۱ نازل فرمائی ’’اے پیغمبر! تمہارے لیے باعث رنج نہ ہوں وہ لوگ جو کفر کی راہ میں بڑی تیز گامی دکھا رہے ہیں، خواہ وہ ان میں سے ہوں جو منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے مگر دل ان کے ایمان نہیں لائے یا ان میں سے ہوں جو یہودی ہیں،

مِنَ الْقَاتِلِ۴۵۲۹، سنن نسائی کتاب القسامة باب الْقَوَدُ مِنَ الرَّجُلِ لِلْمَرْأَةِ ۴۷۴۶، سنن ابن ماجه کتاب الدیات بَابُ يُقْتَادُ مِنَ الْقَاتِلِ كَمَا قَتَلَ۲۶۶۷، السنن الکبری للبیهقی ۱۵۹۸۴

[1] المائدة: ۴۱

[2] المائدة: ۴۱

جن کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کے لیے کان لگاتے ہیں، اور دوسرے لوگوں کی خاطر، جو تمہارے پاس کبھی نہیں آئے سن گن لیتے پھرتے ہیں، کتاب اللہ کے الفاظ کو ان کا صحیح محل متعین ہونے کے باوجود اصل معنی سے پھیرتے ہیں، اور لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو مانو، نہیں تو نہ مانو۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے سورہ المائدہ کی آیات ۴۴ نازل فرمائی ''جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر ہیں۔'' اور سورہ المائدہ کی آیت ۴۵ نازل فرمائی ''جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔'' سورہ المائدہ کی آیت ۴۷ نازل فرمائی ''جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔'' یہ سب آیتیں کافروں کے حق میں نازل ہوئیں۔ [1]

یہ جنگ کرنا جانتے تھے اور انہوں نے خود کو اور اپنی دولت کو محفوظ کرنے کے لئے مضبوط قلعے بنا کر ان میں سامان حرب جمع کر رکھا تھا اپنے غرور و تکبر میں اللہ کی رحمت کو بھول چکے تھے اس لئے خود کو سخی اور نعوذ باللہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں کہتے کہ عطا کرنے اور بخشش سے اس کا ہاتھ رکا ہوا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَيْتَ الْمِدْرَاسِ، فَوَجَدَ مِنْ يَهُودَ أُنَاسًا كَثِيرًا قَدِ اجْتَمَعُوا إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ: فِنْحَاص وَكَانَ مِنْ عُلَمَائِهِمْ وَأَحْبَارِهِمْ، وَمَعَهُ حَبْرٌ يُقَالُ لَهُ: أَشْيَعَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَيْحَكَ يَا فِنْحَاص اتَّقِ اللَّهَ وَأَسْلِمْ، فَوَاللَّهِ إِنَّكَ لَتَعْلَمُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، قَدْ جَاءَكُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ، تَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَكُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ، فَقَالَ فِنْحَاصُ: وَاللَّهِ -يَا أَبَا بَكْرٍ-مَا بِنَا إِلَى اللَّهِ مِنْ حَاجَةٍ مِنْ فَقْرٍ، وَإِنَّهُ إِلَيْنَا لَفَقِيرٌ. مَا نَتَضَرَّعُ إِلَيْهِ كَمَا يَتَضَرَّعُ إِلَيْنَا، وَإِنَّا عَنْهُ لَأَغْنِيَاءُ، وَلَوْ كَانَ عَنَّا غَنِيًّا مَا اسْتَقْرَضَ مِنَّا كَمَا يَزْعُمُ صَاحِبُكُمْ، يَنْهَاكُمْ عَنِ الرِّبَا وَيُعْطِنَاه وَلَوْ كَانَ غَنِيًّا مَا أَعْطَانَا الرِّبَا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دن کا واقعہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیت المدارس میں داخل ہوئے وہاں انہوں نے بہت سے یہودیوں کو موجود پایا جو اپنے عالم فخاص کے پاس آئے تھے، سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہودیوں کے اجتماع کو غنیمت جانتے ہوئے انہیں اسلام کی تبلیغ کرنی چاہی اور فخاص سے کہنے لگے، اے فخاص! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آو، اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اسی کی جانب سے تمہارے پاس وہ حق لے کر آئے ہیں جسے تم توریت میں لکھا ہوا پاتے ہو، یہ سن کر فخاص کے لبوں پر تمسخر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اے ابو بکر! ہمیں اللہ سے کسی چیز کی حاجت نہیں، خود اسے ہماری حاجت ہے، ہم اس کی طرف نہیں جھکے بلکہ وہ ہماری طرف جھکنے پر مجبور ہے، ہم اس کی مدد سے بے پرواہ ہیں لیکن وہ ہماری امداد سے مستغنیٰ نہیں، اگر وہ ہماری امداد سے مستغنیٰ ہوتا تو کبھی ہمارے مال ہم سے بطور قرض نہ مانگتا، جس طرح تمہارے رسول کا خیال ہے، اللہ تمہیں سود لینے سے منع کرتا ہے لیکن خود ہمیں سود دیتا ہے ،اگر وہ ہم سے مستغنیٰ ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا۔

اس ناپاک گفتگو سے فخاص کا مقصد دراصل اس آیت پر چوٹ کرنا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

[1] صحیح مسلم کتاب الحدودبَابُ رَجْمِ الْيَهُودِ أَهْلِ الذِّمَّةِ فِي الزِّنَى ۴۴۴۰،سنن ابوداودکتاب الحدود بَابٌ فِي رَجْمِ الْيَهُودِيَّيْنِ ۴۴۴۷،سنن ابن ماجہ کتاب الحدود بَابُ رَجْمِ الْيَهُودِيِّ وَالْيَهُودِيَّةِ۲۵۵۹

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ (۱)

ترجمہ: تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حَسَنہ دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

فَغَضِبَ أَبُو بَكْرٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَضَرَبَ وَجْهَ فِنْحَاص ضَرْبًا شَدِيدًا، وَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْلَا الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مِنَ الْعَهْدِ لَضَرَبْتُ عُنُقَكَ يَا عَدُوَّ اللَّهِ،

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ میں غیریت ایمانی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جب انہوں نے فخاص کو اللہ کے قول اور اس کی وحی کا مذاق اڑاتے دیکھا تو فخاص کو اتنے زور سے ایک تھپڑ مارا کہ اس کے حواس بجا نہ رہے اور اس کے بعد فرمایا اے اللہ کے دشمن! اگر مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کی قسم میں تیری گردن اڑا دیتا۔ (۲)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ... ﴿۶۴﴾ (۳)

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، باندھے گئے ان کے ہاتھ اور لعنت پڑی ان پر اس بکواس کی بدولت جو یہ کرتے ہیں، اللہ کے ہاتھ تو کشادہ ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

قَالَ عِكْرِمَةُ: {وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ} (۴) الْآيَةُ، نَزَلَتْ فِي فِنْحَاصٍ الْيَهُودِيِّ

عکرمہ کہتے ہیں یہ آیت یہودی کہتے ہیں ''اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔'' فنحاص یہودی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (۵)

○ یہودیوں کے یہاں سبت کی تعطیل بڑی اہمیت رکھتا ہے، جو جمعہ کے دن غروب آفتاب سے شروع ہو کر سنیچر کے دن ستاروں کے نمودار ہونے پر ختم ہوتا ہے، راسخ العقیدہ یہودی دنیاوی کاموں کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ عبادت اور مراقبے میں مشغول رہتے ہیں۔

○ یہودی جو اہل کتاب تھے، جو دین و شریعت اور آخرت کو جانتے تھے، جو بے چینی کے ساتھ اس نبی کے منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں، اور دعائیں مانگا کرتے تھے کہ وہ آخری نبی جلدی سے مبعوث ہو جائے تو کفار کا غلبہ مٹ جائے اور ہمارے عروج کا دور شروع ہو لیکن جب وہ رسول مبعوث ہو گیا تو اسے اچھی طرح جاننے اور پہچاننے کے باوجود انکار کر دیا۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى

(۱) البقرة ۲۴۵

(۲) تفسیر ابن کثیر ۲/۱۷۶، تفسیر طبری ۷/۴۴۲

(۳) المائدة ۶۴

(۴) المائدة: ۶۴

(۵) تفسیر طبری ۱۰/۴۵۳

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ (۱)

ترجمہ: اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انھوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اللہ کی لعنت ان منکرین پر۔

○ مگر جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مشرکین مکہ کے ظلم وستم کی وجہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے اور انہیں دعوت حق پہنچائی تو بجائے اس کے کہ فوراً اس دعوت پر لبیک کہتے اپنے بغض وعناد اور غرور وتکبر کی وجہ سے اس پاکیزہ دعوت کے خلاف مشرکین مکہ کے ساتھ سرگرم عمل ہو کر مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کرنے لگے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ﴿۸۲﴾ (۲)

ترجمہ: تم اہل ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں، یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدّنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور ان میں غرور نفس نہیں ہے۔

○ ان کے جرائم، اللہ کی آیات کی نافرمانیوں، فرائض سے کوتاہی، پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے، کتاب اللہ میں من مرضی کی تحریفات، بار بار حدود اللہ کو توڑنے اور وعدہ خلافی کی وجہ اللہ نے انہیں عطا کردہ بلند مرتبے سے گرا دیا اور ہمیشہ کے لئے ان پر ذلت ومسکنت مسلط کر دی۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ (۳)

ترجمہ: یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے زیادہ سے زیادہ بس کچھ ستا سکتے ہیں، اگر یہ تم سے لڑیں گے تو مقابلہ میں پیٹھ دکھائیں گے، پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے ان کو مدد نہ ملے گی، یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے، یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں، ان پر محتاجی ومغلوبی مسلط کر دی گئی ہے، اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔

○ عورتوں کے مطابق یہودیوں کی تحریف شدہ کتاب مقدس میں لکھا ہے کہ عورت موت سے زیادہ تلخ ہے، اس لئے یہودیوں کے ایک فرقے کے نزدیک عورت سے ہر قسم کی ہم بستری ناپاکی تھی (میرج اینڈ مارلز) ان میں بیٹی کی حیثیت باپ کے نزدیک زرخرید لونڈی سے

---

(۱) البقرة ۸۹

(۲) المائدة ۸۲

(۳) آل عمران ۱۱۱، ۱۱۲

زیادہ نہ تھی اور وہ اسے فروخت کر دینے کا مجاز تھے یہی اختیار بھائی کو بھی حاصل تھا، بیوہ عورت کے سلسلہ میں ایک حوالہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا، توریت باب استثناء باب ۲۵ میں آیت ۵ سے آیت ۱۰ تک میں مرقوم ہے کہ اگر دو بھائی ایک ہی جگہ رہتے ہوں اور ایک بے اولاد مر جائے تو مرنے والے بھائی کی بیوی کا نکاح کسی اجنبی سے نہ کیا جائے بلکہ اس کے دیور یا جیٹھ کو چاہئے کہ وہ اسے اپنی بیوی بنانے اور ان کے بھاوج ہونے کا حق یوں ادا کرے کہ اس سے پہلوٹھی کی جو اولاد پیدا ہو اس کا شمار مرنے والے بھائی پر کرے (یعنی وہ اسے متوفی بھائی کی اولاد سمجھے) تا کہ اس کا نام اسرائیل سے مٹ نہ جائے، اگر بیوہ عورت کے مرحوم شوہر کا بھائی شادی سے انکار کرے تو اس کے بھائی کی بیوی اس کے پاس آئے گی، بزرگوں کی موجودگی میں اس کے جوتے اتارے گی اور اس کے منہ پر تھوک دے گی، اس آدمی کے ساتھ ایسا سلوک اس لئے کیا جائے کہ اس نے اپنے بھائی کا گھر آباد نہیں کیا، اسرائیل میں اس کا نام اسی گھر کی نسبت سے لیا جائے گا جہاں اس کے جوتے اتارے گئے۔ زر پرستی اور سود خوری کی لعنت کی وجہ سے پوری دنیا میں انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ان کی عورتیں بھی بدترین اخلاقی رزائل کی حامل تھیں اور ہر برے کام میں پیش پیش رہتی تھیں لیکن اس کے باوجود اپنی سوسائٹی میں ان کا کوئی احترام نہیں تھا اور مرد انہیں جانوروں سے بدتر سمجھتے تھے، ان سے انتہائی توہین آمیز سلوک کرتے تھے، اپنے معاشرے اور گھٹیا سیاسی مفادات کے حصول کے لئے جہاں اور جس طرح چاہتے عورت کو استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے ان میں زنا کاری انتہا کو پہنچ چکی تھی، حالانکہ دوسری الہامی مذہب کی طرح زنا کی سخت ممانعت تھی، ان میں شرم وحیا کا تصور ختم ہو چکا تھا اور غیرت ان سے منہ موڑ چکی تھی۔

آخر کار ان کے جرائم کی بنا پر پہلے یہودی قبائل کو یکے بعد دیگرے مدینہ منورہ سے ذلیل وخوار ہو کر نکلنا پڑا، پھر شکست کھا کر خیبر سے نکلے، اور پھر خلیفہ دوئم سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں انہیں عرب سے ہی باہر نکال دیا اس کے بعد اگر کہیں ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب بھی ہے تو وہ ان کے اپنے بل بوتے پر قائم کیا ہوا امن و چین نہیں ہے بلکہ دوسروں کی حمایت اور مہربانی کا نتیجہ ہے کہیں کسی مسلم حکومت نے ان کو اللہ کے نام پر امان دے دی اور کہیں کسی غیر مسلم حکومت نے اپنے طور پر انہیں اپنی حمایت میں لے لیا، اسی طرح بسا اوقات انہیں دنیا میں کہیں زور پکڑنے کا موقع بھی مل گیا ہے لیکن وہ بھی اپنے زور بازو سے نہیں بلکہ محض بپائے مردی ہمسایہ۔ یہی حیثیت اس یہودی ریاست کی ہے جو اسرائیل کے نام سے محض امریکہ، برطانیہ اور روس کی حمایت سے قائم ہوئی۔

نصرانی:

اہل عرب عیسائیت کو پسند نہیں کرتے تھے اس لئے عیسائیت نے عرب میں فروغ نہیں پایا تھا اور جو تھوڑے بہت تھے وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے وقت سے ناپید ہو گئے، خاص یمن میں جہاں عیسائی حبشیوں نے ایک عرصہ تک حکومت کی تھی عیسائیت کی بجائے یہودیت نے فروغ پایا تھا کیونکہ شام میں نصرانیوں کی حکومت تھی جن کا شاہی مذہب عیسائیت تھا اس لئے شمالی عرب کے قبائل لخم، جذام، عاملہ اور تنوع جو حدود شام میں آباد ہو گئے تھے انہوں نے عیسائیت اختیار کر لی تھے، قبائل ربیعہ وغسان اور قضاعہ پر بھی اس کے اثرات موجود تھے، مکہ معظمہ میں قریش کے قبیلہ بنو اسد کے ورقہ بن نوفل جو ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے جنہوں نے شام میں تعلیم پائی تھی عیسائیت اختیار کر لی تھی اور یہ لوگ عبرانی زبان میں انجیل کو پڑھ سکتے تھے، بنو اسد کے عثمان بن حویرث بھی عیسائی

تھے، جنوبی عرب نجران میں بنو حارث، یمامہ میں بنو حنیف، اور نجد کے قریب قبیلہ بنو طے میں نصرانیت تھی، اوس وخزرج میں چند آدمی عیسائی تھے، لیکن مسیحیت بہت پہلے اپنی اصل شکل کھو چکی تھی اور اس کی جگہ جس چیز کو آسمانی مذہب کا نام دیا جاتا تھا وہ چند غیر عقلی اوہام اور کچھ غیر فطری ریاضتوں کا مجموعہ تھا، ان اوہام کے علاوہ ہر نئی فکر ارتداد اور ہر نیا خیال کفر سمجھا جاتا تھا، چوتھی صدی تک مسیحیت میں ۹۰، ۸۰ فرقے پیدا ہو چکے تھے، سینٹ آگسٹائن نے اپنے زمانے میں ۸۸ فرقت گنوائے ہیں، یہ فرقے ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت رکھتے تھے، اسکندریہ اس فرقہ ورانہ کشمکش کا ایک بڑا اکھاڑا تھا۔ عرب میں مختلف فرقے موجود تھے جیسے فرقہ نسطوری، فرقہ یعقوبی، فرقہ مارونی یا مریمی، فرقہ ملکانی (کیتھولک) اور ایک فرقہ بربرانی، ان کے عقائد میں بعض یہودی فرقوں کے عقائد پیوست ہو چکے تھے، یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو انسانیت اور الوہیت کا مرکب مانتے تھے، یہ عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے اور تین مستقل الٰہوں میں سے ایک ہونے پر زور دیتے تھے اور یعقوبی فرقہ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا جسمانی ظہور قرار دے کر انہیں عین اللہ بنا دیا اور اللہ ہونے کی حیثیت سے اس کی عبادت کی، ان کا عقیدہ تھا کہ تمام کائنات کی باگ دوڑ بیشک اللہ کے ہاتھ میں ہے مگر اسے اپنے بندوں سے بہت محبت ہے اس لئے وہ انہیں صراط مستقیم بتلانے کے لئے خود انسانی روپ اختیار کر کے دنیا میں آ جاتا ہے، یا اس مقصد کے لئے بندوں میں سے کسی کو اپنا بیٹا، بیٹی یا بیوی بنا لیتا ہے، ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ بیٹا قیامت کے روز باپ کے داہنے بازو پر بیٹھ کر خلق کا عدل وانصاف کرے گا، نسطوری فرقہ اللہ اور اس کے (نَعُوذُ بِاللّٰہِ) بیٹے کو مانتے تھے اور مریم کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے، فرقہ مارونی یا مریمی باپ، بیٹے اور اس کی ماں کو مانتے تھے، عرب میں ایک فرقہ تھا جو مریم کو الٰہ سمجھ کر پوجتا تھا (برٹانیکا لفظ مریم) بربرانی فرقہ مسیح علیہ السلام اور مریم دونوں کو الٰہ سمجھتا تھا، یہ لوگ اولیاء پرستی اور قبر پرستی میں بزرگوں کے آستانے پوجتے اور ہورس (Horus) اور آئسس (Isis) کے مجسموں کی جگہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم اور حواریوں کے مجسمے اپنے گرجوں میں رکھتے اور ان کی پوجا کرنے لگے، سیٹر نیلیا (Saturnalia) کی جگہ کرسمس کا تہوار منایا جانے لگا، عیسائی درویشوں نے قدیم زمانے کے تعویذ گنڈے، عملیات، فال گیری وغیب گوئی، جن بھوت بھگانے کے عمل شروع کر دیئے، ان کا یہ نظریہ تھا کہ نجات کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ اس زندگی کے بکھیروں سے قطع تعلق کر لیا جائے، خواہشات نفسی کو مٹایا جائے، لذات سے کنارہ کشی اختیار کی جائے، جسمانی ضروریات اور نفس کے مطالبات کو پورا کرنے سے انکار کر دیا جائے، تمام دینوی اور خونی محبتوں کو دل سے نکال دیا جائے، اور اپنے جسم ونفس کو ریاضیات ومجاہدات کے ذریعہ اتنی تکالیف دی جائیں کہ روح پر اس کا تسلط قائم نہ رہ سکے، اس طرح روح ہلکی اور پاک وصاف ہو جائے گی اور نجات کے بلند مقامات پر اڑنے کی طاقت حاصل کر لے گی، دوسرے معنوں میں نیک وپاک باز افراد دنیا کے کاروبار سے ہٹ کر گوشہ عزلت میں چلے جائیں اور اپنی نجات کی فکر میں تپسیا کیے جائیں، جبکہ بدکردار لوگ میدان میں ڈٹے رہیں اور اللہ کی زمین کے متولی بن کر آزادی کے ساتھ فتنہ وفساد کا بازار گرم کرتے رہیں اور انہیں روکنے والا کوئی نہ ہو، چنانچہ یونانی فلسفیوں میں اشراقیت، عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندوؤں میں جوگ اسی اعتقاد کا نتیجہ تھا، کوئی گوشت نہ کھانے کا عہد کر لیتا، کوئی ہفتہ میں یا چالیس دنوں میں ایک مرتبہ غذا استعمال کرتا تھا، کوئی سر تا پا برہنہ رہتا اور ہر قسم کے لباس کو تقدس کی ذلت سمجھتا تھا، کوئی چلہ کی سردی میں اپنے جسم کو برہنہ رکھتا تھا، کوئی عمر بھر یا

سالہا سال تک اپنے آپ کو کھڑا رکھتا یا بیٹھا رہتا تھا اور سونے اور لیٹنے سے قطعاً پرہیز کرتا تھا، کوئی اپنا ایک ہاتھ کھڑا رکھتا تھا کہ سوکھ جائے ، کوئی عمر بھر تاریک تہہ خانوں میں، غاروں میں چھپ کر اللہ کی روشنی تلاش کرتا تھا، چنانچہ لوگوں کے نزدیک بھی وہ شخص بڑا خدا رسیدہ تصور ہوتا تھا جو گندا اور برہنہ ہو اور کسی بھٹ یا غار میں رہے، ولایت کا یہی تصور مقبول ہوگیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں مردوں اور عورتوں نے زندگی کے اعلیٰ مشاغل ترک کردیئے اور اپنی قوتوں کو انسانیت کے فائدہ کی خاطر استعمال کرنے کی بجائے انہیں بالکل ناکارہ کردیا اور سخت ریاضتوں اور نت نئے طریقوں سے اپنے جسم کو اذیتیں دینے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔

اسکندریہ کا سینٹ مکاریوس ہر وقت اپنے جسم پر اسی (۸۰) پونڈ کا بوجھ اٹھائے رکھتا تھا، چھ مہینے تک وہ ایک دلدل میں سوتا رہا اور زہریلی مکھیاں اس کے برہنہ جسم کو کاٹتی رہیں۔

اس کے مرید یوسپیوس نے اپنے پیر سے بھی بڑھ کر ریاضت کی وہ ایک سو پچاس پونڈ کا بوجھ اٹھا کر پھرتا تھا اور تین سال تک ایک خشک کنوئیں میں پڑا رہا۔

سینٹ سابیوس صرف وہ مکئی کھاتا جو مہینہ بھر پانی میں بھیگ کر بدبودار ہوجاتی تھی۔

سینٹ بیساریون چالیس دن تک خاردار جھاڑیوں میں پڑا رہا اور چالیس سال تک اس نے زمین کو پیٹھ نہیں لگائی۔

سینٹ پاخومیوس نے پندرہ سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال زمین کو پیٹھ لگائے بغیر گزار دیئے۔

سینٹ جان تین سال تک عبادت میں کھڑا رہا، اس پوری مدت میں وہ نہ کبھی بیٹھا نہ لیٹا، آرام کے لئے بس ایک چٹان کا سہارا لے لیتا تھا، اس کی غذا صرف وہ تبرک تھا جو اتوار کو اس کے لئے لایا جاتا تھا۔

سینٹ سیمیون اسٹائلائٹ (۳۹۰ء تا ۴۴۹ء) ہر ایسٹر سے پہلے چالیس دن کا فاقہ کرتا تھا ایک دفعہ وہ پورے ایک سال تک ایک ٹانگ پر کھڑا رہا، بسا اوقات وہ اپنی خانقاہ سے نکل کر ایک کنوئیں میں جا رہتا تھا، آخر کار اس نے شمالی شام کے قلعہ سیمان کے قریب ۶۰ فٹ ایک بلند ایک ستون بنوایا جس کا بالائی حصہ صرف تین فٹ کے گھیر میں تھا اور اوپر کٹہرا بنا دیا گیا تھا، اس ستون میں اس نے پورے تیس سال گزار دیئے ، دھوپ، بارش، سردی گرمی سب اس پر سے گزرتی رہتی تھیں اور وہ کبھی ستون سے نہ اترتا تھا، اس کے مرید سیڑھی لگا کر اس کو کھانا پہنچاتے اور اس کی گندگی صاف کرتے تھے، پھر اس نے ایک رسی لے کر اپنے آپ کو اس ستون سے باندھ لیا یہاں تک کہ رسی اس کے گوشت میں پیوست ہوگئی، گوشت سڑ گیا اور اس میں کیڑے پڑ گئے، جب کوئی کیڑا اس کے پھوڑوں سے گر جاتا تو وہ اسے اٹھا کر پھر پھوڑے ہی میں رکھ لیتا اور کہتا کھا جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے۔

سینٹ اینتھنی نے مرتے دم تک کبھی اپنے پاؤں نہیں دھوئے۔

سینٹ ابراہام جب سے داخل مسیحیت ہوا پورے پچاس سال اس نے نہ منہ دھویا نہ پاؤں۔

مشہور راہبہ کنواری سلویا نے عمر بھر اپنی انگلیوں کے سوا جسم کے کسی حصے کو پانی نہیں لگنے دیا۔

سینٹ نائلس (St.Nilus) دو بچوں کا باپ تھا، جب اس پر رہبانیت کا دورہ پڑا تو اس کی بیوی روتی رہ گئی اور وہ اس سے الگ ہوگیا۔

سینٹ امون (St.Ammon) نے شادی کی پہلی رات ہی اپنی دلہن کو ازواجی تعلق کی نجاست پر وعظ سنایا اور دونوں نے بالاتفاق طے کرلیا کہ جیتے جی ایک دوسرے سے الگ رہیں گے۔

سینٹ ابراہام شادی کی پہلی رات ہی اپنی بیوی کو چھوڑ کر فرار ہوگیا۔

یہی حرکت سینٹ ایلیکسس نے کی۔

سینٹ باسل ہنسنے اور مسکرانے تک کو ممنوع قرار دیتا تھا، ان ہی تصورات کی بنا پر عورت اور مرد کے درمیان شادی کا تعلق ان کے ہاں نجس قرار دیا گیا تھا۔

سینٹ گریگوری ایک پادری کی تعریف میں لکھتا ہے کہ چالیس سال تک وہ اپنی بیوی سے الگ رہا حتی کہ مرتے وقت جب اس کی بیوی اس کے قریب گئی تو اس نے کہا، عورت دور ہٹ جا۔

سینٹ تھیوڈورس کی ماں اور بہن بہت سے پادریوں کے سفارشی خطوط لے کر اس خانقاہ میں پہنچیں جس میں وہ مقیم تھا، اور خواہش کی کہ وہ صرف ایک نظر بیٹے اور بھائی کو دیکھ لیں مگر بیٹے نے سامنے تک آنے سے انکار کر دیا۔

سینٹ مارکس (St.Marcus) کی ماں اس سے ملنے کے لئے اس کی خانقاہ میں گئی اور خانقاہ کے شیخ (Abbot) کی خوشامدیں کر کے اس کو راضی کیا کہ وہ بیٹے کو ماں کے سامنے آنے کا حکم دے، مگر بیٹا کسی طرح ماں سے نہ ملنا چاہتا تھا، آخر کار اس نے شیخ کے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ بھیس بدل کر ماں کے سامنے گیا اور آنکھیں بند کرلیں، اس طرح نہ ماں نے بیٹے کو پہچانا نہ بیٹے نے ماں کی شکل دیکھی۔

سینٹ سیمیون اسٹائلائٹس ماں باپ کو چھوڑ کر ستائیس سال تک غائب رہا، باپ اس کے غم میں مر گیا، ماں زندہ تھی، بیٹے کی شہرت کے چرچے جب دور ونزدیک پھیل گئے تو اس کو پتہ چلا کہ وہ کہاں ہے، بے چاری اس کو ملنے کے لئے اس کی خانقاہ پہنچی مگر وہاں کسی عورت کے داخلے کی اجازت نہ تھی، اس نے بہت منت سماجت کی کہ بیٹا اندر بلالے یا باہر نکل کر اپنی صورت دکھادے مگر اس عظیم راہب نے انکار کر دیا، تین راتیں اور تین دن وہ خانقاہ کے دروازے پر پڑی رہی اور وہیں لیٹ کر جان دے دی، تب وہ باہر نکلا، ماں کی لاش پر آنسو بہائے اور دعا کی۔

ایک شخص میوٹیس (Mutius) جو خوشحال آدمی تھا یکا یک اس پر مذہبی جذبہ طاری ہوا اور وہ اپنے آٹھ سال کے اکلوتے بیٹے کو لے کر ایک خانقاہ میں جا پہنچا، روحانی ترقی کے لئے پہلے اس کے بیٹے کو اس سے جدا کر دیا گیا پھر ایک مدت تک اس کی انکھوں کے سامنے اس کے معصوم بیٹے پر سختیاں کی جاتی رہیں اور وہ سب کچھ دیکھتا رہا، پھر خانقاہ کے شیخ نے اسے کہا کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے دریا میں پھینک دے، وہ اس کے لئے تیار ہوگیا مگر عین وقت پر راہبوں نے اس بچے کی جان بچالی۔

اس ترک وتجرید اور فقرودرویشی کے ساتھ دولت دنیا سمیٹنے میں بھی کمی نہ کی گئی، پانچویں صدی کے آغاز ہی میں حالت یہ ہوچکی تھی کہ روم کا بشپ بادشاہوں کی طرح اپنے محل میں رہتا تھا اور اس کی سواری جب شہر میں نکلتی تو اس کے ٹھاٹھ باٹھ قیصر کی سواری سے کم نہ ہوتے تھے، سینٹ جیروم اپنے زمانے (چوتھی صدی کے آخری دور) میں شکایت کرتا ہے کہ بہت سے بشپوں کی دعوتیں اپنی شان میں گورنروں کی دعوتوں کو شرماتی ہیں، آخر راہبات کی خانقاہیں بداخلاقی کے چکلے بن گئے، ان کی چار دیواریوں میں نوزائیدہ بچوں کا قتل عام روز کا معمول بن

گیا، پادریوں اور چرچ کے مذہبی کارکنوں میں محرمات تک سے ناجائز تعلقات اور خانقاہوں میں خلاف وضع فطری جرائم پھیل گئے، کلیساؤں میں اعتراف گناہ (Confession) کی رسم بدکاری کا ذریعہ بن کر رہ گئی۔

یہ تھا اسلام سے قبل نصاریٰ میں خدا پرستی کا اعلیٰ درجہ، روحانیت کی سب سے بڑی ترقی یافتہ شکل اور اخلاقیات کی اونچی منزلیں۔ پیغام محمدی ﷺ نے آکر انسانوں کو ان مصیبتوں سے نجات دلائی اور بتایا کہ یہ روحانیت نہیں بلکہ جسمانی تماشے ہیں، نہ ہماری غمگینی اللہ کی خوشنودی کا باعث ہے اور نہ بندوں کی اس غیر معمولی تکلیف سے اللہ کو آرام ملتا ہے، نہ اہل وعیال کی نفرت سے اللہ کی محبت نصیب ہوتی ہے نہ ترک دنیا سے دین کی دولت ملتی ہے، اللہ کا دین اتنا ہی ہے جو بندہ کی استطاعت کے اندر رہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ... ﴿۲۸۶﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ کسی متنفس پر اس کی مقدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔

اللہ نے عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کی واضح تردید فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام محض ایک انسان تھے، جو ایک عورت مریم بنت عمران کے پیٹ سے پیدا ہوا اور انسانی جسم رکھتا تھا اور ایک عام انسان کی طرح سوتا جاگتا کھاتا پیتا تھا، جو سردی و گرمی کو محسوس کرتا تھا کیا کوئی معقول انسان ان کے بارے میں یہ تصور بھی کرسکتا ہے کہ ایسا شخص اللہ یا اللہ کا شریک ہوسکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی مقامات پر عیسائیوں کے تمام فرقوں کے عقیدوں کی تردید فرما کر وضاحت فرمائی کہ۔

الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾ (۲)

ترجمہ: وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے، جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے، جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ... ﴿۱۷﴾ (۳)

ترجمہ: یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ (۴)

ترجمہ: اللہ کا فرمان ہے کہ دو خدا نہ بنالو، اللہ تو بس ایک ہی ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ

(۱) البقرۃ ۲۸۶

(۲) الفرقان ۲

(۳) المائدۃ ۱۷

(۴) النحل ۵۱

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ ⁽¹⁾

ترجمہ: یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے، حالانکہ ایک اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، اگر یہ لوگ اپنی ان باتوں سے باز نہ آئے تو ان میں سے جس جس نے کفر کیا ہے اس کو دردناک سزا دی جائے گی۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ ⁽²⁾

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے، سخت بیہودہ بات ہے جو تم گھڑ لائے ہو، قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں، اس بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لئے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا، رحمان کی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔

... اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۚ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ... ﴿۱۷۱﴾ ⁽³⁾

ترجمہ: مسیح عیسیٰ ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے (جس نے مریم کے رحم میں بچہ کی شکل اختیار کی) پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں، باز آجاؤ، یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے، اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے، وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۖ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ ⁽⁴⁾

ترجمہ: مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول تھا، اس سے پہلے اور بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے، اس کی ماں ایک راستباز عورت تھی اور وہ دونوں کھانا کھاتے تھے، دیکھو ہم کس طرح ان کے سامنے حقیقت کی نشانیاں واضح کرتے ہیں پھر دیکھو یہ کدھر الٹے پھرے جاتے ہیں۔

نہ معلوم کس وجہ سے قریش کو عیسائیوں سے نفرت تھی، ان کا کہنا تھا کہ عیسائیوں کے خدا کا بیٹا ہمارے دیوتاؤں سے کس بات میں بہتر ہے۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ ⁽⁵⁾

ترجمہ: اور جوں ہی کہ ابن مریم کی مثال دی گئی، تمہاری قوم کے لوگوں نے اس پر غل مچا دیا اور لگے کہنے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ یہ مثال

---

(1) المائدۃ ۷۳

(2) مریم ۸۸تا۹۲

(3) النساء ۱۷۱

(4) المائدۃ ۷۵

(5) الزخرف ۵۸،۵۷

وہ تمہارے سامنے محض کج بحثی کے لیے لائے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں عیسائیت کو کوئی فروغ حاصل نہ تھا بلکہ اہل عرب عیسائیوں کے بجائے پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے، اس لئے جب ایران وروم کی جنگ ہوئی جس میں ایرانیوں کو فتح حاصل ہوئی تو قریش نے اس پر خوشی کا اظہار کیا جبکہ مسلمانوں کو رنج ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمادیا کہ اے مسلمانو! جب تک کہ تم دین اسلام کا سیدھا، صاف اور روشن طریقہ چھوڑ کر ان کے گمراہ کن خیالات وعقائد میں یہود ونصاریٰ جیسے نہیں ہوجاتے، تم انہیں کبھی بھی راضی نہ کرسکو گے، اور اگر تم انہیں خوش کرنے کے لئے ان کے طریقے اختیار کروگے تو تم بھی انہیں کے ساتھ جہنم کی وادیوں میں بھٹکتے پھروگے۔

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمۡ ... ﴿۱۲۰﴾ (۱)

ترجمہ: یہودی اور عیسائی تم سے ہرگز راضی نہ ہونگے، جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔

وَدَّتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يُضِلُّوۡنَكُمۡ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۹﴾ (۲)

ترجمہ: (اے ایمان لانے والو) اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں راہ راست سے ہٹادے، حالانکہ درحقیقت وہ اپنے سوا کسی کو گمراہی میں نہیں ڈال رہے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

صابئین:

صابئین کا نام قرآن مجید کی تین سورتوں میں یہود ونصاریٰ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـــِٕيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ (۳)

ترجمہ: یقین جانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہوں یا یہودی، عیسائی یا صابی، جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا، اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالصّٰبِئُوۡنَ وَالنَّصٰرٰى مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾ (۴)

ترجمہ: (یقین جانو کہ یہاں اجارہ کسی کا بھی نہیں ہے) مسلمان ہوں یا یہودی، صابئی ہوں یا عیسائی، جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے

---

(۱) البقرة ۱۲۰

(۲) آل عمران ۶۹

(۳) البقرة ۶۲

(۴) المائدة ۶۹

گا اور نیک عمل کرے گا بے شک اس کے لئے نہ کسی خوف کا مقام ہے نہ رنج کا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰ [1]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے! اور جو یہودی ہوئے اور صابئی اور نصاریٰ اور مجوس اور جن لوگوں نے شرک کیا ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا، ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صابئی ابتدا میں یقیناً کسی دین کے پیروکار تھے، لیکن بعد میں ان کے اندر رفرشتہ اور ستارہ پرستی آ گئی یا یہ کسی دین کے پیروکار نہ رہے، اس لئے لامذہب لوگوں کو صابئی کہا جانے لگا، عام ستارہ پرست اور رصابیوں میں یہ فرق ہے کہ عام ستارہ پرست ستاروں کو خدا سمجھتے ہیں جبکہ صابئی خدا کے اقرار کے ساتھ ان ستاروں کو اللہ کا مظہر سمجھ کر ان کی عبادت کرتے ہیں، صائبین کا قدیم وطن بابل تھا جہاں مظاہر قدرت کے ساتھ ارواح اور ملائکہ کی پرستش کی جاتی تھی، وقت کے ساتھ ساتھ بابل پر مختلف اقوام بنی اسرائیل، ایرانی، یونانی اور رومی حکمرانی کرتے رہے، چنانچہ ان اقوام میں بنی اسرائیل کی یہودیت، ایرانیوں کی مجوسیت، یونانیوں کا فلسفہ اور رومیوں کی عیسائیت کے کچھ نہ کچھ اجزا ان کے اعتقاد میں شامل ہوتے گئے، یہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ کو مانتے تھے مگر شرک کرتے ہوئے ستاروں کی ارواح کو اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ سمجھتے تھے، اس لئے یہ تین اوقات میں صبح سے طلوع آفتاب تک، آفتاب کے عین زوال کے وقت اور شام کو آفتاب ڈوبنے تک ستاروں کی پوجا کرتے تھے، اور نماز کے لئے انہی اوقات میں انہیں تین مرتبہ غسل کرنا پڑتا تھا (اسلام نے انہی تین اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا تا کہ مشابہت نہ ہو سکے) ان کے اعتقاد میں یہ بھی شامل تھا کہ تمام ستاروں کا مرکز قطب شمالی ہے، چونکہ تمام ستارے کائنات کے وجود میں آنے سے ہر وقت اپنی جگہ سے ہٹتے اور بڑھتے رہتے ہیں، مگر قطب ستارہ ہمیشہ ایک حال میں اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے اس لئے وہ قبلہ ہے، چنانچہ وہ قطب ستارہ کی طرف منہ کر کے اپنی دعائیں اور مناجات پڑھتے ہیں، حافظ ابن کثیر نے سورہ البقرۃ کی آیت ۶۲ وَالصّٰبِـِٕيْنَ کی تفسیر میں چند اقوال نقل کیے ہیں جو درج کیے جاتے ہیں۔

مجاہد، عطار، سعید بن جبیر، سفیان ثوری:

الصَّابِئُونَ قَوْمٌ بَيْنَ الْمَجُوسِ وَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، لَيْسَ لَهُمْ دِينٌ

صابئی یہود و نصاریٰ اور مجوس کے درمیان میں ایک قوم ہے جس کا کوئی خاص مذہب نہیں۔

ابو العالیہ، ربیع بن انس، سدی، جابر بن زید:

الصَّابِئُونَ فِرْقَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ يَقْرَؤُونَ الزَّبُور

صابئی اہل کتاب کا ایک فرقہ تھا جو زبور پڑھتا تھا۔

---

[1] الحج ۱۷

حسن بصری رحمہ اللہ اور حکم:

إِنَّهُمْ كَالْمَجُوسِ، هُمْ قَوْمٌ يَعْبُدُونَ الْمَلَائِكَةَ

یہ گروہ مجوسیوں کے مشابہ ہیں اور یہ بھی مروی ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کے پجاری تھے۔

ابو جعفر رازی، قتادہ:

أَنَّ الصَّابِئِينَ قَوْمٌ يَعْبُدُونَ الْمَلَائِكَةَ، وَيَقْرَؤُونَ الزَّبُورَ، وَيُصَلُّونَ إِلَى الْقِبْلَةِ

صابئی فرشتہ پرست ہیں، زبور پڑھتے ہیں اور قبلہ کی طرف نماز ادا کرتے ہیں۔

ابو الزناد:

الصَّابِئُونَ قَوْمٌ مِمَّا يَلِي الْعِرَاقَ، وَهُمْ بِكُوثَى، وَهُمْ يُؤْمِنُونَ بِالنَّبِيِّينَ كُلِّهِمْ، وَيَصُومُونَ مِنْ كُلِّ سَنَةٍ ثَلَاثِينَ يَوْمًا وَيُصَلُّونَ إِلَى الْيَمَنِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ صَلَوَاتٍ

یہ لوگ عراقی ہیں، بکوثی کے رہنے والے سب نبیوں کو مانتے ہیں، ہر سال تیس روزے رکھتی ہیں، اور یمن کی طرف منہ کر کے ہر دن میں پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں۔

وہب بن منبہ:

الَّذِي يَعْرِفُ اللَّهَ وَحْدَهُ، وَلَيْسَتْ لَهُ شَرِيعَةٌ يَعْمَلُ بِهَا وَلَمْ يُحْدِثْ كُفْرًا

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قائل ہیں لیکن کسی شریعت کے پابند نہیں، اور کفار بھی نہیں۔

عبد الرحمٰن بن زید:

الصَّابِئُونَ أَهْلُ دِينٍ مِنَ الْأَدْيَانِ، كَانُوا بِجَزِيرَةِ الْمَوْصِلِ يَقُولُونَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَلَيْسَ لَهُمْ عَمَلٌ وَلَا كِتَابٌ وَلَا نَبِيٌّ

صابئی دینوں میں سے ایک دین ہے، جزیرہ موصل میں ایک قوم تھی جو لا الہ الا اللہ پڑھتی تھی، اور کسی کتاب یا نبی کو نہیں مانتے تھے اور نہ کوئی خاص شرع کے عامل تھے۔

خلیل۔

هُمْ قَوْمٌ يُشْبِهُ دِينُهُمْ دِينَ النَّصَارَى، إِلَّا أَنَّ قِبْلَتَهُمْ نحو مهب الجنوب، يزعمون أَنَّهُمْ عَلَى دِينِ نُوحٍ، عَلَيْهِ السَّلَامُ

صابئی مذہب عیسائیوں سے ملتا جلتا تھا ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا یہ لوگ اپنے آپ کو نوح علیہ السلام کی شریعت پر بتاتے تھے۔

مجاہد، حسن بصری، ابن ابی نجیح:

أَنَّهُمْ قَوْمٌ تَرَكَّبَ دِينُهُمْ بَيْنَ الْيَهُودِ وَالْمَجُوسِ، وَلَا تُؤْكَلُ ذَبَائِحُهُمْ

یہ ایک قوم ہے جس کا مذہب یہود و مجوس سے مرکب ہے، ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنا ممنوع ہے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَالَّذِي تَحَصَّلَ مِنْ مَذْهَبِهِمْ فِيمَا ذَكَرَهُ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ أَنَّهُمْ مُوَحِّدُونَ ويعتقدون تأثير النجوم

جہاں تک مجھے معلوم ہے کہ یہ لوگ مواحد تھے لیکن تاروں کی تاثیر اور نجوم کے معتقد تھے۔

ابوسعید اصطخری رحمہ اللہ:

بِكُفْرِهِمْ لِلْقَادِرِ بِاللَّهِ حِينَ سَأَلَهُ عَنْهُمْ

انہوں نے ان پر کفر کا فتویٰ صادر کیا ہے۔

امام رازی رحمہ اللہ:

أَنَّ الصَّابِئِينَ قَوْمٌ يَعْبُدُونَ الْكَوَاكِبَ؛ بِمَعْنَى أَنَّ اللَّهَ جَعَلَهَا قِبْلَةً لِلْعِبَادَةِ وَالدُّعَاءِ، أَوْ بِمَعْنَى أَنَّ اللَّهَ فَوَّضَ تَدْبِيرَ أَمْرِ هَذَا الْعَالَمِ إِلَيْهَا، قَالَ: وَهَذَا الْقَوْلُ هُوَ الْمَنْسُوبُ إِلَى الْكِشْرَانِيِّينَ الَّذِينَ جَاءَهُمْ إِبْرَاهِيمُ الْخَلِيلُ، عَلَيْهِ السَّلَامُ

صابئی ستارہ پرست قوم تھی جو ستارہ کو اس اعتقاد سے پوجتی تھی کہ خدا نے اس کو عبادت اور دعا کے لئے قبلہ بنایا ہے اور تدبیر عالم اس کے سپرد کیا ہے، اور کشرانیین کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو انہی کی طرف بھیجا گیا تھا۔

بعض علما کا قول ہے:

الصَّابِئُونَ الَّذِينَ لَمْ تَبْلُغْهُمْ دَعْوَةُ نَبِيٍّ

صابئی وہ ہیں جنہیں کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ:

وَأَظْهَرُ الْأَقْوَالِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ، قَوْلُ مُجَاهِدٍ وَمُتَابِعِيهِ، وَوَهْبِ بْنِ مُنَبِّهٍ: أَنَّهُمْ قَوْمٌ لَيْسُوا عَلَى دِينِ الْيَهُودِ وَلَا النَّصَارَى وَلَا الْمَجُوسِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ، وَإِنَّمَا هُمْ قَوْمٌ بَاقُونَ عَلَى فِطْرَتِهِمْ وَلَا دِينٌ مُقَرَّرٌ لَهُمْ يَتْبَعُونَهُ وَيَقْتَفُونَهُ؛ وَلِهَذَا كَانَ الْمُشْرِكُونَ يَنْبِزُونَ مَنْ أَسْلَمَ بِالصَّابِئِيِّ

حقیقت حال کا علم تو محض اللہ تعالیٰ کو ہے مگر بظاہر یہی قول مجاہد اور ان کے پیرووں اور وہب بن منبہ کا درست معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہ یہود نہ عیسائی نہ مجوس اور نہ مشرکین کے مذہب میں ہیں بلکہ سادہ خلقت پر قائم ہیں کسی خاص مذہب کے متبع نہیں، اس لئے مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہ کو صابئی کہتے تھے۔ [1]

ابن ندیم:

یہ خود کو نوح علیہ السلام اور شیث علیہ السلام کا پیرو کہتے ہیں، ایک صحیفہ شیث بھی ان کے پاس ہے جس میں اخلاقی باتیں درج ہیں۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۲۸۸،۲۸۷/۱

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

ان صائبین کا خاص مرکز حران تھا، ابراہیم علیہ السلام سے پہلے یہ سات ستارے زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر کے ہیکل بنا کر ان کی پرستش کرتے تھے، عیسائیت کے بعد ان میں عیسائیت پھیلی، یہاں تک کہ اسلام آ گیا، اور وہاں یہ صائبین اور فلاسفہ حکومت اسلامی میں آخر وقت تک رہے، ان ہی میں سے وہ صائبین تھے جو بغداد وغیرہ میں طبیب یا منشی تھے، ان میں سے بعض اسلام نہ لائے، چوتھی صدی میں فارابی جب حران گیا تو اس نے انہی سے فلسفہ سیکھا تھا، اہل دمشق وغیرہ کا مذہب بھی عیسائیت سے قبل یہی تھا، ان کی نماز کا قبلہ قطب شمالی تھا، اس لئے دمشق میں بہت سی مسجدیں ہیں جن کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف بھی ہے، دمشق کی جامع مسجد کے نیچے ایک بہت بڑا معبد ہے جس کا ایک قبلہ قطب شمالی کی طرف ہے یہ ان ہی لوگوں کا معبد ہے، صائبین کے دو گروہ ہیں ایک نے ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کی اور دوسرا گروہ مشرک ہی رہا، قرآن مجید نے دونوں گروہوں کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ:

صائبیت دنیا کا قدیم ترین مذہب ہے، اس کے دو گروہ ہیں پہلا گروہ خدا کا قائل اور رسالت کا قطعاً منکر ہے، صائبیت کے مطابق خدا اور بندوں کے درمیان بلاواسطہ تعلقات ممنوع ہے۔

قدیم عیسائی:

صائبین کا مذہب قدیم کلدانیوں کا مذہب ہے، قطب شمالی ان کا قبلہ ہے، تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں، پہلی نماز میں آٹھ رکعتیں طلوع آفتاب کے آدھ گھنٹہ پہلے سے طلوع آفتاب تک، دوسری نماز عین زوال آفتاب کے وقت پڑھتے ہیں جس میں پانچ رکعتیں ہیں، تیسری نماز عین غروب کے وقت پڑھتے تھے جس میں پانچ رکعتیں ہیں اور تینوں نماروں کی ہر رکعت میں تین تین سجدے ہیں، ایک دفعہ لگاتار روزے رکھنے کے بجائے مختلف مہینوں میں روزے رکھتے ہیں، پہلے ایک ساتھ تین روزے، پھر مارچ میں نو روزے اور پھر دسمبر میں سات دن کے روزے رکھتے ہیں، قربانیاں کثرت سے کرتے ہیں لیکن ان کا گوشت کھانے کے بجائے جلا دیتے ہیں، لہسن، لوبیا، کرم کلا اور دال مسور نہیں کھاتے، توحید کے مسائل ان کے ہاں نہایت مضبوط ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ گنہگار شخص ۹ ہزار دورہ میں عذاب اٹھا کر آخر رحمت الٰہی کے سایہ میں داخل ہو جائے گا۔

علمائے یورپ:

عیسائی راہبوں کی کوششوں سے ایک دو صائبین نے عیسائیت قبول کر کے اپنے پرانے مذہب کے بارے میں کہا، صائبین خود کو ماندیین کہتے ہیں، ان کی بول چال کی زبان فارسی اور عربی ہے لیکن مذہبی زبان ایک قسم کی آرامی ہے جو قدیم تدمری (پالمائرن) خط کے مشابہ ہے، اسی خط اور زبان میں ایک مذہبی صحیفہ ان کے پاس ہے جس کے بعض حصے قدیم ہیں اور کسی پرانے لٹریچر سے ماخوذ ہیں، ان میں سے سب سے طویل اور اہم ٹکڑے کا نام سدرب (یعنی بڑی کتاب) ہے اور اسی کا دوسرا نام گنتر (گنج یا گنتر) یعنی خزانہ ہے، اس کے دو حصے ہیں بڑے حصہ

کو یامین (یمین) داہنا ہاتھ کہتے ہیں، یہ حصہ زندگی کے لئے ہے، اور چھوٹے حصہ کو شمال (شمال) یعنی بایاں ہاتھ کہتے ہیں، جس میں مذہبی عہدہ داروں کی تجہیز و تکفین کی دعائیں ہیں، یامین کا آخری باب کتاب الملوک ہے جس میں ایرانی اور عرب بادشاہوں کے تذکرے ہیں، ان کی مذہبی رسوم کچھ زیادہ پرانے یعنی ساسانیوں کے عہد کے معلوم ہوتے ہیں، ان کے عقائد و اصول کلدانیوں کے قدیم مذہب ستارہ پرستی، یونان کے فرقہ ناسٹک اور ایران کے مسئلہ نور و ظلمات (مجوسی) کا ایک مخلوط مجموعہ ہے، روزے کے دن کے معنی صرف آرام کے دن کے ہیں کیونکہ فاقہ ان کے ہاں سخت ممنوع ہے، روزے کے دنوں میں حکم ہے کہ ان دنوں میں مرد و زن سب سفید کپڑے پہنیں اور تین وقت نہائیں، کسی جانور کو ان دنوں نہ ماریں اور نہ ہی گوشت کھائیں، سہ شنبہ ان کا مقدس دن ہے، مذہبی عقائد کو غیروں سے چھپانا ان کا اولین اصول ہے، ان کے مذہبی عقائد بنی اسرائیل کے عقائد اور اصول کے بالکل ضد قائم کیے گئے ہیں، ابراہیم علیہ السلام سے لیکر آخر تک تمام پیغمبروں کو کاذب اور مفتری سمجھتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون کو اپنا رہنما اور پیشوا جان کر اس کی طرفداری کرتے ہیں، ان کا یقین ہے کہ خدا کا صحیح مذہب اسی کے زمانہ میں مصر میں قائم تھا منادی جب کم ہوجاتے ہیں تو وہ آ کر ان کی تعداد بڑھا دیتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام جو نوح علیہ السلام کے چھ ہزار برس کے بعد آفتاب کے عہد حکومت میں ہوئے تھے جھوٹے پیغمبر تھے، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام، داود علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام بھی جھوٹے پیغمبر تھے، صرف یحییٰ علیہ السلام بن زکریا سچے پیغمبر تھے، جن کو یہودیوں نے قتل کر دیا اور اسی کی پاداش میں وہ زمین میں پراگندہ کر دیے گئے، اور ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت دوزخ کا نام ہے، یہوا جو بنی اسرائیل کے خدا کا نام ہے وہ یہوشمس کی صورت میں دوسرے درجہ کے خداوں میں شامل ہے۔ (۱)

ستارہ پرست:

عرب میں مختلف ستاروں خصوصا سورج اور چاند کی بھی پرستش کی جاتی تھی، ابن صاعد اندلسی نے اپنی کتاب طبقات الامم میں صفحہ ۴۳ پر لکھا ہے کہ قبیلہ حمیر سورج کو، کنانہ چاند کو، تمیم وبران کو، لخم وحذام مشتری کو، طی سہیل کو، قیس شعری العبور کو (شعریٰ آسمان کا روشن ترین تارا ہے مصر اور عرب کے لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ تارا انسانوں کی قسمت پر اثر انداز ہوتا ہے، اسی بنا پر یہ ان کے معبودوں میں شامل تھا) اور اسد عطارد کو پوجتا تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں آفتاب و مہتاب پرستی کا رواج کس قدر زیادہ تھا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں سورہ رعد، ملائکہ، زمر، عنکبوت اور ابراہیم میں اس کی بار بار نفی فرمائی اور فرمایا جس کی تم رب جان کر پوجا پاٹ اور مراسم عبودیت بجالاتے ہو وہ تو پتھر کے چند ٹکڑے ہیں جو تیر رہے ہیں اور خود ہماری مخلوق ہیں، خالق کو چھوڑ کر بے جان مخلوق کی عبادت کرنا ابلیس کا دیا ہوا دھوکا ہے

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ (۲)

ترجمہ: اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے۔

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۱۷/۵۵۵

(۲) النجم ۴۹

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷ [1]

ترجمہ: اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں یہ رات اور دن اور سورج اور چاند، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے اگر فی الواقع تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔

مجوس:

ان کا ذکر صرف سورہ حج میں کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ڰ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۱۷ [2]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابئی اور نصاریٰ اور مجوس اور جن لوگوں نے شرک کیا ان سب کے درمیان اللہ قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا، ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے۔

مجوسیت ایران کا قدیم مذہب تھا جس کا بانی زرتشت تھا جس کا صحیح زمانہ پیدائش معلوم نہیں، البتہ عیسیٰ علیہ السلام سے ساڑھے پانچ سو برس قبل اس کا وجود ملتا ہے، مجوسیوں نے زمانہ قدیم میں ایران میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی مگر اب روم کے ہاتھوں ان کا چراغ گل ہو چکا تھا اور ان کی مقدس کتاب اوستا گم اور بے نشان ہو چکی تھی، اس لئے مجوسی مذہب کا وجود تو اب باقی نہیں رہا تھا مگر اس مذہب کے ماننے والے کچھ لوگ اب بھی موجود تھے، مگر مجوسیت نے عرب میں بہت کم اثر ڈالا تھا، اس لئے بہت قلیل لوگ اس مذہب کو ماننے والے موجود تھے جیسے قبیلہ بنو تمیم زردشت کو ماننے والے مجوسی تھے، جو خیر (روشنی، یزداں) اور شر (ظلمت، اہرمن) دو خداوں کے قائل اور آگ کی پرستش کرتے تھے، زرارہ بن عدس تمیمی، اس کا بیٹا حاجب بن زرارہ، اقرع بن حابس (جو بعد میں ایمان لا کر صحابہ میں شامل ہوئے) اور وکیع بن حسان کا دادا ابو الاسود وغیرہ مجوسی ہی تھے، معاشرتی طور پر ان کے عقائد میں کوئی رشتہ محرم نہ تھا وہ کہتے تھے بیٹے کو زیادہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ماں کی شہوت پوری کرے، جب خاوند فوت ہو جائے تو اس کا بیٹا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی سگی بہن اور بیٹی تک سے نکاح کر لیتے تھے، ان کے بادشاہ یزدگرد ثانی جس کا دور حکومت پانچویں صدی عیسوی کا وسط ہے اس نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا لیکن پھر اسے قتل کر دیا۔ بہرام چوبیں جو چھٹی صدی عیسوی میں حکمران رہا تھا اس نے اپنی بہن سے نکاح کر رکھا تھا۔ [3]

اسی طرح زرارہ بن عدس تمیمی نے اپنی بیٹی سے نکاح کر لیا تھا مگر پھر اس عمل پر نادم ہوا، مجوسیوں کا دین محض چند رسوم کا نام تھا جو خاص اوقات میں مخصوص مقامات پر سرانجام دی جاتی تھیں لیکن عبادت گاہوں سے باہر اپنے گھروں میں، کاروبار میں، بازار میں، سیاست و معیشت میں

---

[1] حم السجدة ۳۷

[2] الحج ۱۷

[3] تاریخ طبری ۲/۱۷۸

اور معاشرت وغیرہ میں وہ بالکل آزاد تھے جو چاہتے تھے کرتے تھے، کسی قانون اور ضابطے کے پابند نہیں تھے جیسا کہ ہر دور کے مشرکین کا یہی دستور رہا ہے، یہ لوگ سورج اور آگ کا تقدس تسلیم کرنے پر زور دیتے تھے کیونکہ یہ دونوں چیزیں ان کے نزدیک اس عظیم قوت کی علامت تھیں جو اس دنیا میں رحمت، نور، محبت اور طہارت کا منبع ہے اور جو انسان کو مصائب سے بچانے کے لیے کوشاں ہے،

ومذهبه في الأصول والأركان أنها ثلاثة: الماء والأرض والنار

اس کے ساتھ ساتھ ان کے دین میں مٹی، پانی اور ہوا کے تقدس کا عقیدہ بھی رائج تھا کیونکہ ان چیزوں کی انسانی زندگی میں بڑی اہمیت ہے۔ (۱)
ان میں کئی فرقے ہیں ایک فرقہ کسی کو آگ میں ڈالنے اور آگ سے بدن کو جلانے کو حرام قرار دیتا ہے، ایک فرقہ آتش پرستی میں خود اور اپنی اولاد کو آگ پر قربان کر دینے کا قائل ہے، کچھ لوگ آگ کے گرد روزہ رکھ کر بیٹھتے اور چلہ کاٹتے ہیں اور سچ بولنے، وفاشعاری، امانت داری ،عفت وعصمت اور عدل وانصاف کی ترغیب دیتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مجوسیوں کے اعتقاد کا ابطال فرمایا۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ کا فرمان ہے کہ دو الٰہ نہ بنالو، اللہ تو بس ایک ہی ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو۔

اور ان رشتوں کی حرمت بیان فرمائی جن سے نکاح نہیں ہوسکتا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ (۳)

ترجمہ: تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو، اور تمہاری دودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری بیویوں کی لڑکیاں جنہوں نے تمہارے گودوں میں پرورش پائی ہے، ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا تعلق زن وشوہر ہو چکا ہو ورنہ اگر (صرف نکاح ہوا ہو اور) تعلق زن وشوہر نہ ہوا ہو تو (انہیں چھوڑ کر ان کی لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں) تم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو، مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

مذبذبین:

---

(۱) الملل والنحل ۲/۵۴

(۲) النحل ۵۱

(۳) النساء ۲۳

کچھ قلیل لوگ یہودیت اور عیسائیت کی طرف مائل تھے مگر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کر سکے تھے کہ سچ کس طرف ہے۔

دہریے:

پچھلی قوموں کی طرح کچھ قلیل التعداد دنیا پرست، دہریت پسند جو اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ترقی پسند، سمجھدار اور اعلیٰ پائے کے مفکر سمجھتے تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر شک وشبہ کیا اور گمراہی میں مبتلا ہو کر اپنے قیاس وگمان کی ایک عمارت کھڑی کر کے اللہ اور آخرت کا انکار کر دیا تھا، ان کی نظر میں یہ کائنات مادے کے ہیجان کی وجہ سے محض ایک اتفاقی طور پر خود بخود وجود میں آ گئی ہے، جس کے پیچھے کوئی حکمت ومصلحت اور کوئی مقصد کارفرما نہیں، یہ عظیم کارخانہ یونہی بن گیا ہے، یونہی چل رہا ہے اور یونہی بے نتیجہ ختم بھی ہو جائے گا ،اس میں جو تنظیم یا ترتیب نظر آتی ہے وہ بھی اتفاقی ہے، ورنہ بہ حیثیت کل نہ اس کا کوئی مقصد ہے اور نہ اس میں ہمہ گیر نظم پایا جاتا ہے، وہ اپنی جہالت کا پرچار کرتے ہوئے کہتے کہ اس کا کوئی خالق نہیں جس کی حکمت یا صناعی اس میں کارفرما ہو اور اگر ہو بھی تو اس کے ہونے یا نہ ہونے سے انسانی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے، ان کے نزدیک انسان محض گائے بھینس اور بندر کی طرح کا ایک حیوان ہے جو دوسری چیزوں کی طرح اتفاقاً پیدا ہو گیا ہے، انسان سے مافوق کوئی علم کا منبع اور ہدایت کا سرچشمہ موجود نہیں ہے جہاں سے اس کو اپنی زندگی گزارنے کا قانون مل سکتا ہے لہذا اسے اپنے گردوپیش کے آثار واحوال اور اپنے تجربات سے خود ہی ایک قابل عمل قانون اخذ کر لینا چاہیے، انسان ایک غیر ذمہ دار ہستی ہے اور وہ اپنے سوا کسی اور کے سامنے جواب دہ نہیں، وہ اپنی زندگی میں جو بھی اعمال کرتا ہے وہ اس دنیاوی زندگی تک محدود ہیں، چوں کہ کائنات مکمل نظم وانتظام سے عاری ہے اس لئے کبھی زندگی کے قیام کے بجائے زندگی کے اختتام کا سبب بنتی ہے، کبھی وہ طوفانوں کے ذریعے انسانی بستیوں کو تباہ کرتی ہے، کبھی زلزلوں کے ذریعہ زندگی کو نیست ونابود کرتی ہے اور کبھی آتش فشانی کے ذریعہ انسانی آبادیوں کو خاکستر کرتی ہے یعنی زمانے کے حوادث ہمیں ہلاک کرتے ہیں، اس لئے اس زندگی میں جو مزے اڑا سکتے ہو اڑا لو، یہی دنیا زندگی کی معراج ہے اس کے بعد کوئی زندگی نہیں جس میں کسی طرح کا حساب کتاب ہو آخرت، حیات بعد الموت، جنت ودوزخ دقیانوسی باتیں تھیں یعنی

بابر به عیش کوش که عالم دوباره نیست

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾ (۱)

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں جو ہمیں ہلاک کرتی ہو، درحقیقت اس معاملہ میں ان کے پاس کوئی علم نہیں ہے یہ محض گمان کی بنا پر یہ باتیں کرتے ہیں۔

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿٣٧﴾ (۲)

ترجمہ: زندگی کچھ نہیں ہے مگر بس یہی دنیا کی زندگی یہیں ہم کو مرنا اور جینا ہے اور ہم ہرگز اٹھائے جانے والے نہیں ہیں۔

(۱) الجاثیة ۲۴

(۲) المومنون ۳۷

مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر دنیا کو ایک اتفاقی واقعہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ آپ سے آپ وجود میں آ گئی ہے تو کیا اس کے مختلف اجزا کا ارتقاء بھی آپ سے آپ ہو رہا ہے، اس کے اجزائے مختلفہ کے اندر توافق وسازگاری کا پیدا ہو جانا بھی ایک اتفاقی واقعہ ہے، اس کا حسن وجمال بھی محض ایک حادثہ ہے، کیا نتائج کی یکسانی اور نظام کی وحدت بھی بلا منصوبہ ہیں، کیا انسانی عقل اس قسم کے حیرت انگیز اتفاقات کو ایک لمحے کے لئے بھی تسلیم کر سکتی ہے؟

اسلام کے نقطہ نظر سے یہ ساری کائنات جو انسان کے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے کوئی اتفاقی ہنگامہ نہیں، بلکہ منظم، باضابطہ سلطنت ہے، اللہ نے اس رنگ وبو والے عظیم کارخانے کو انسان کے لئے تخلیق فرمایا ہے اور وہی اس کا مالک اور وہی اس کا حاکم ہے، یہ ایک نظام کلی ہے جس میں تمام اختیارات مرکزی اقتدار کے ہاتھ میں ہیں، اس مقتدر اعلیٰ کے سوا یہاں کسی اور کا حکم نہیں چلتا، طبیعی طور پر تمام قوتیں جو اس نظام عالم میں کام کر رہی ہیں اسی کے زیر حکم ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سرتابی کر سکے، اس ہمہ گیر نظام میں کسی کی خود مختاری اور غیر ذمہ داری کے لئے کوئی جگہ نہیں اور نہ فطرتاً ہو سکتی ہے، اللہ نے انسان کو یہاں خلیفہ بنا کر بھیجا ہے، اس نے جہاں انسان کی مادی اور جسمانی ضروریات کی تکمیل کا سامان کیا ہے وہیں اس کی روحانی، اخلاقی اور تمدنی ضروریات کی تکمیل کا بھی پورا خیال رکھا ہے، اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار انبیاء ورسل بھیجے کہ وہ الہامی ہدایت کی روشنی میں انسانوں کو صحیح راستہ دکھائیں، قرآن مجید میں اس کو اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان کہا گیا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ [۱]

ترجمہ: درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

پیغمبر کا کام ایک طرف تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب لوگوں تک پہنچائیں اور دوسری طرف یہ کہ وہ خود ان تعلیمات کو اپنی زندگی میں اپنا کر لوگوں کے سامنے اس کا عملی نمونہ پیش کریں، اسی لئے اسلامی نظام حیات کے اولین ماخذ دو ہیں ایک قرآن مجید اور دوسرا سنت رسول اللہ ﷺ، قرآن ہمارے پاس کتاب کی شکل میں موجود ہے اور سنت کو ہم احادیث اور عمل صحابہ کے ذریعے سے معلوم کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کیا تم اس بڑی کائنات کے خالق کے بارے میں شک کرتے ہو۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى... ﴿۱۰﴾ [۲]

ترجمہ: ان کے رسولوں نے کہا، کیا اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے قصور معاف

[۱] آل عمران ۱۶۴

[۲] ابراہیم ۱۰

کرے اور تم کو ایک مدت مقررہ تک مہلت دے؟

خالق ارض وسماوات نے فرمایا کوئی چیز خالق کے بغیر وجود میں نہیں آتی، نہ تو انسان نے خود کو تخلیق کرلیا ہے، اور نہ ہی آسمان وزمین کا وہ خالق ہے، یہ دونوں صورتیں باطل ہیں، نہ آپ سے آپ کوئی چیز بن سکتی ہے اور نہ کوئی مفعول اپنا فاعل آپ ہوسکتا ہے، اصل بات یہ ہے کہ انہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت واختیار اور روز آخرت پر یقین نہیں ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ؕ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؕ ﴿۳۶﴾ [۱]

ترجمہ: کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہوگئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں؟ یا زمین اور آسمان کو انہوں نے پیدا کیا ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ یقین نہیں رکھتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دلفریب، رنگارنگ کائنات کے بارے میں فرمایا۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۙ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ [۲]

ترجمہ: اچھا تو کیا اِنہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا؟ کس طرح ہم نے اسے بنایا اور آراستہ کیا اور اس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں ہے، اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ جمائے؟ اور اس کے اندر ہر طرح کی خوش منظر نباتات اُگادیں، یہ ساری چیزیں، آنکھیں کھولنے والی اور سبق دینے والی ہیں، ہر اس بندے کے لیے، جو (حق کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نیل گوں تہ بہ تہ آسمان کی چھت کے بارے میں فرمایا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ﴿۲﴾ [۳]

ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں، پھر وہ اپنے تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا، اور اس نے آفتاب وماہتاب کو ایک قانون کا پابند بنایا اس سارے نظام کی ہر چیز ایک وقتِ مقرر تک کے لیے چل رہی ہے، اور اللہ ہی اس سارے کام کی تدبیر فرمارہا ہے، وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے شاید کہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

---

[۱] الطور ۳۶،۳۵

[۲] ق ۶ تا ۸

[۳] الرعد ۲

بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُومًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ۝۵ (۱)

ترجمہ: جس نے تہ بر تہ سات آسمان بنائے، تم رحمان کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہ پاؤ گے، پھر پلٹ کر دیکھو کہیں تمہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ پھر بار بار نگاہ دوڑاؤ تیری نگاہ تھک کر نا کام تیری طرف لوٹ آئے گی، ہم نے تمہارے قریب کے آسمان کو عظیم الشّان چراغوں سے آراستہ کیا ہے اور انہیں شاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ بنا دیا ہے، اِن شیطانوں کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ ہم نے مہیا کر رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بے جان زمین سے انواع اقسام کی چیزیں پیدا کرنے کے بارے میں فرمایا۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۖۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝۳۳ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝۳۴ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۵ (۲)

ترجمہ: ان لوگوں کے لیے بے جان زمین ایک نشانی ہے ہم نے اس کو زندگی بخشی اور اس سے غلہ نکالا جسے یہ کھاتے ہیں، ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس کے اندر چشمے پھوڑ نکالے تا کہ یہ اس کے پھل کھائیں، یہ سب کچھ ان کے اپنے ہاتھوں کا پیدا کیا ہوا نہیں ہے، پھر کیا یہ شکر ادا نہیں کرتے؟۔

اللہ تعالیٰ نے سورج کا روشن چراغ اور چمکتے چاند کی خوش نما قندیل کے بارے میں فرمایا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاۗءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝۶۱ (۳)

ترجمہ: بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند روشن کیا۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کے بارے میں فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳ (۴)

ترجمہ: اور وہ ہی ہے جس نے یہ زمین پھیلا رکھی ہے، اس میں پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ رکھے ہیں اور دریا بہا دیے ہیں، اُسی نے ہر طرح کے پھلوں کے جوڑے پیدا کیے ہیں، اور وہی دن پر رات طاری کرتا ہے، ان ساری چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۝۱۵ (۵)

---

(۱) الملک ۳تا۵

(۲) یسین ۳۳تا۳۵

(۳) الفرقان ۶۱

(۴) الرعد ۳

(۵) الملک ۱۵

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع کر رکھا ہے؟ چلو اس کی چھاتی پر اور کھاؤ اللہ کا رزق، اُسی کے حضور تمہیں دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

اللہ تعالیٰ معاش کے لئے روشن دن اور سکون کے لئے تاریک رات بنائی۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَعِبۡرَةً لِّاُولِى الۡاَبۡصَارِ ﴿۴۴﴾ (۱)

ترجمہ: رات اور دن کا الٹ پھیر وہی کر رہا ہے، اس میں ایک سبق ہے آنکھوں والوں کے لیے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيۡلُ ۖۚ نَسۡلَخُ مِنۡهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَۙ ﴿۳۷﴾ (۲)

ترجمہ: ان کے لیے ایک اور نشانی رات ہے، ہم نے اس کے اوپر سے دن ہٹا دیتے ہیں تو ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِبَاسًا وَّالنَّوۡمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوۡرًا ﴿۴۷﴾ (۳)

ترجمہ: اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات کو تمہارے لیے لباس اور نیند کو سکون موت اور دن کو جی اٹھنے کا وقت بنایا۔

وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ خِلۡفَةً لِّمَنۡ اَرَادَ اَنۡ يَّذَّكَّرَ اَوۡ اَرَادَ شُكُوۡرًا ﴿۶۲﴾ (۴)

ترجمہ: وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین بنایا، ہر اس شخص کے لیے جو سبق لینا چاہے یا شکر گزار ہونا چاہے۔

اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِيَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾ (۵)

ترجمہ: کیا ان کو سُجھائی نہ دیتا تھا کہ ہم نے رات ان کے لیے سکون حاصل کرنے کو بنائی تھی اور دن کو روشن کیا تھا؟ اس میں بہت نشانیاں تھیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ گردش شمس وقمر کے بارے میں فرمایا۔

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِىۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِؕ ﴿۳۸﴾ وَالۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِيۡمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمۡسُ يَنۡۢبَغِىۡ لَهَاۤ اَنۡ تُدۡرِكَ الۡقَمَرَ وَلَا الَّيۡلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾ (۶)

ترجمہ: اور سورج، وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے یہ زبردست علیم ہستی کا باندھا ہوا حساب ہے، اور چاند، اس کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کے مانند رہ جاتا ہے، نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے، سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔

(۱) النور ۴۴

(۲) یٰسین ۳۷

(۳) الفرقان ۴۷

(۴) الفرقان ۶۲

(۵) النمل ۸۶

(۶) یٰسین ۳۸تا۴۰

اللہ تعالیٰ نے پانی سے لدی ہوئی ہواؤں کے بارے میں فرمایا۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ㉒ (۱)

ترجمہ: بارآور ہواؤں کو ہم ہی بھیجتے ہیں، پھر آسمان سے پانی برساتے ہیں اور اس پانی سے تمہیں سیراب کرتے ہیں، اس دولت کے خزانہ دار تم نہیں ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَاۗءِ كَيْفَ يَشَاۗءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ
خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ㊽ (۲)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے اور وہ بادل اٹھاتی ہیں، پھر وہ ان بادلوں کو آسمان میں پھیلاتا ہے جس طرح چاہتا ہے اور انہیں ٹکڑیوں میں تقسیم کرتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ بارش کے قطرے بادل میں ٹپکے چلے آتے ہیں، یہ بارش جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے برساتا ہے تو یکایک وہ خوش وخرم ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کڑکتی ہوئی بجلیوں کے بارے میں فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ ⑫ (۳)

ترجمہ: وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلیاں چمکاتا ہے جنہیں دیکھ کر تمہیں اندیشے بھی لاحق ہوتے ہیں اور امیدیں بھی بندھتی ہیں، وہی ہے جو پانی سے لدے ہوئے بادل اٹھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک ہی پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی مختلف ذائقوں والی پیداوار کے بارے میں فرمایا۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ
وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④ (۴)

ترجمہ: اور دیکھو، زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں، انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنادیتے ہیں اور کسی کو کمتر، ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی غذا کے بارے میں فرمایا۔

(۱) الحجر ۲۲

(۲) الروم ۴۸

(۳) الرعد ۱۲

(۴) الرعد ۴

فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰی طَعَامِہٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِیْھَا
حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاکِھَۃً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّکُمْ وَلِاَنْعَامِکُمْ ﴿۳۲﴾ [1]

ترجمہ: پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے ہم نے خوب پانی لُنڈھایا، پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا، پھر اس کے اندر اگائے غلے اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل اور چارے تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے سامان زیست کے طور پر۔

اللہ تعالیٰ نے دودھ دینے والے جانوروں کے بارے میں فرمایا۔

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾ [2]

ترجمہ: اور تمہارے لیے مویشیوں میں بھی ایک سبق موجود ہے، ان کے پیٹ سے گوبر اور خون کے درمیان ہم ایک چیز تمہیں پلاتے ہیں، یعنی خالص دودھ، جو پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے بارے میں فرمایا۔

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ
فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِھَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ فِیْہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً
لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ [3]

ترجمہ: اور دیکھو، تمہارے رب نے شہد کی مکھی پر یہ بات وحی کر دی کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی بیلوں میں، اپنے چھتے بنا اور ہر طرح کا رس چوس اور اپنے رب کی ہموار کی ہوئی راہوں پر چلتی رہ، اس مکھی کے اندر سے رنگ برنگ کا ایک شربت نکلتا ہے جس میں شفا ہے لوگوں کے لیے، یقیناً اس میں بھی ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ہواؤں میں اڑتے چھوٹے بڑے پرندوں کے بارے میں فرمایا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَھُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّیَقْبِضْنَ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍۢ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾ [4]

ترجمہ: کیا یہ لوگ اپنے اُوپر اُڑنے والے پرندوں کو پر پھیلائے اور سکیڑتے نہیں دیکھتے؟ رحمان کے سوا کوئی نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو، وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بلند قامت کشتیوں کے بارے میں فرمایا۔

---

[1] عبس ۲۴تا۳۲

[2] النحل ۶۶

[3] النحل ۶۹،۶۸

[4] الملک ۱۹

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ۝۴۲ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ۝۴۳ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝۴۴ (۱)

ترجمہ: ان کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا، اور پھر ان کے لیے ویسی ہی کشتیاں اور پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں، ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور کسی طرح یہ نہ بچائے جا سکیں، پس ہماری رحمت ہی ہے جو انہیں پار لگاتی ہے اور ایک وقتِ خاص تک زندگی سے متمتع ہونے کا موقع دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہرے بھرے کھیتوں کے بارے میں فرمایا۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝۶۳ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝۶۴ لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝۶۵ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝۶۶ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝۶۷ (۲)

ترجمہ: کبھی تم نے سوچا یہ بیج جو تم بوتے ہو، اس سے کھیتیاں تم اگاتے ہو یا ان کے اگانے والے ہم ہیں؟ ہم چاہیں تو اِن کھیتیوں کو بھس بنا کر رکھ دیں اور تم طرح طرح کی باتیں بناتے رہ جاؤ کہ ہم پر تو اُلٹی چٹی پڑ گئی، بلکہ ہمارے تو نصیب ہی پھوٹے ہوئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے میٹھے پانی کے بارے میں فرمایا۔

اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاۗءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝۶۸ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝۶۹ لَوْ نَشَاۗءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۰ (۳)

ترجمہ: کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا یہ پانی جو تم پیتے ہو اسے تم نے بادل سے برسایا ہے یا اس کے برسانے والے ہم ہیں؟، ہم چاہیں تو اسے سخت کھاری بنا کر رکھ دیں، پھر کیوں تم شکر گزار نہیں ہوتے؟۔

اللہ تعالیٰ نے آگ کے بارے میں فرمایا۔

اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝۷۱ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝۷۲ (۴)

ترجمہ: کبھی تم نے خیال کیا یہ آگ جو تم سلگاتے ہو، اس کا درخت تم نے پیدا کیا ہے، یا اس کے پیدا کرنے والے ہم ہیں؟۔

اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر بوند سے تخلیق کا عظیم کارنامہ بیان فرمایا۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝۵۸ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۵۹ (۵)

---

(۱) یٰسین ۴۱ تا ۴۴

(۲) الواقعة ۶۳ تا ۶۷

(۳) الواقعة ۶۸ تا ۷۰

(۴) الواقعة ۷۱، ۷۲

(۵) الواقعة ۵۸ تا ۵۹

ترجمہ: کبھی تم نے غور کیا یہ نطفہ جو تم ڈالتے ہو، اس سے بچہ تم بناتے ہو یا اس کے بنانے والے ہم ہیں؟۔

اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں انسانی تخلیق کے مراحل کا ذکر فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ (۱)

ترجمہ: ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا، پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا، پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل دی، پھر لوتھڑے کو بوٹی بنادیا، پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر اسے ایک دوسری ہی مخلوق بنا کھڑا کیا، پس بڑا ہی بابرکت ہے اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔

اللہ تعالیٰ نے ماؤں کے پیٹ میں بہترین صورت گری کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۶﴾ (۲)

ترجمہ: اسی نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر وہی ہے جس نے اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ نر و مادہ پیدا کیے، وہ تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تین تاریک پردوں کے اندر تمہیں ایک کے بعد ایک شکل دیتا چلا جاتا ہے، یہی اللہ (جس کے یہ کام ہیں) تمہارا رب ہے، بادشاہی اسی کی ہے، کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے پھر تم کدھر سے پھرائے جارہے ہو؟۔

اللہ تعالیٰ نے حقیر بوند سے عظیم الشان صلاحیتوں والی مخلوق کی تخلیق کے بارے میں فرمایا۔

الَّذِيْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾ (۳)

ترجمہ: جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی، اس نے انسان کی تخلیق کی ابتدا گارے سے کی پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے، پھر اسے نک سک سے درست کیا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی، اور تم کو کان دیے، آنکھیں دیں اور دل دیے، تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف جنس کی مخلوق کے بارے میں فرمایا۔

---

(۱) المومنون ۱۲تا۱۴

(۲) الزمر ۶

(۳) السجدة ۷تا۹

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾ (۱)

ترجمہ: انسان کو اس نے ٹھیکری جیسے سُوکھے سڑے گارے سے بنایا اور جِنّ کو آگ کی لپٹ سے پیدا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بہترین صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں ان صلاحیتوں کا مقصد بیان فرمایا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٢﴾ (۲)

ترجمہ: ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے رنگوں اور زبانوں کے اختلاف کے بارے میں فرمایا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿٢٢﴾ (۳)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف ہے، یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں دانشمند لوگوں کے لیے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی بے بسی کے بارے میں فرمایا۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾ (۴)

ترجمہ: اب اگر تم کسی کے محکوم نہیں ہو اور اپنے اس خیال میں سچے ہو تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے اور تم آنکھوں دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے، اس وقت اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے؟۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۭ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿٣٣﴾ (۵)

ترجمہ: اے گروہِ جن وانس! اگر تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل کر بھاگ سکتے ہو تو بھاگ دیکھو، نہیں بھاگ سکتے اس کے لیے بڑا زور چاہیے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مختصر حوالوں میں اپنا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ اے انسان! ہماری ان چند نشانیوں پر غور وفکر کرو اور فیصلہ کرو کیا یہ سب انتظام کسی خالق کی قدرت کے بغیر ہو رہا ہے، اور کیا وہ قدرتوں والا رب تمہیں دوبارہ اپنے حضور جمع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، اگر تم دیکھنے والی آنکھ اور سوچنے والا دماغ رکھتے ہو تو کائنات کے حقائق کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھو گے کہ یہ کارخانہ رنگ وبو ایک ذی شعور، صاحب

(۱) الرحمٰن ۱۵،۱۴

(۲) الدہر ۲

(۳) الروم ۲۲

(۴) الواقعة ۸۳تا۸۷

(۵) الرحمٰن ۳۳

ارادہ، حکیم و دانا خالق اور فرماں روا کے بغیر نہ تو وجود میں آسکتا اور نہ قائم رہ سکتا تھا، زمین سے لے کر آسمان تک ساری کائنات ایک مکمل نظام ہے اور یہ پورا نظام ایک زبردست قانون کے تحت چل رہا ہے، جس میں ہر طرف ایک ہمہ گیر اقتدار، ایک بے عیب حکمت، ایک بے خطا علم کے آثار نظر آتے ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نظام کا ایک فرماں روا ہے، یہ کائنات جس میں حسن و توازن، ایک ہمہ گیر اخلاقی قانون کارفرما ہے ایک منصوبے کے تحت کام کر رہی ہے، جس میں ہر شے اپنی خلقت، اپنی محکم روش اور اپنے قانون فطرت سے اس کی گواہی دیتی ہے کہ

... صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ... [۱]

ترجمہ: یہ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہوگا جس نے ہر چیز کو حکمت کے ساتھ اُستوار کیا ہے۔

یہ دنیا دارالجزا نہیں بلکہ دارالامتحان ہے، یہ کائنات جس طرح ایک دھماکے کے ساتھ وجود میں آئی تھی ویسے ہی ایک مقررہ دن دھماکے کے ساتھ ختم ہوجائے گی، پھر اللہ تعالیٰ اعمال کی جزا و سزا کے لئے انسان کو قبروں سے جسم و جان کے ساتھ زندہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کے صلے میں نعمتوں بھری جنت یا دھکتی ہوئی آگ والی دوزخ میں داخل کرے گا۔

مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ نے جزیرۃ العرب کی حالت کے بارے میں یوں لکھا ہے۔

قبیلے قبیلے کا بت جدا تھا کسی کا ہبل کسی کا صفا تھا
یہ عزیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا اسی طرح گھر گھر اک خدا تھا
نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر
چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے
نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے
بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

---

[۱] النمل ۸۸

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی صدی جس میں آدھی انہوں نے گنوائی
قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ اک ان کی جہالت کا تھا وہ

اسی طرح اک اور خون ریز بیدا عرب میں لقب حرب داحس ہے جس کا
رہا ایک مدت تک آپس میں برپا بہا خون کا ہر طرف جس میں دریا
سبب اس کا لکھا ہے یہ اصمعی نے
کہ گھوڑ دوڑ میں چنید کی تھی کسی نے

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں
یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر تو خوف شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی
جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

جو اان کی دن رات کی دل لگی تھی شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی
بہت اس طرح گزری تھیں ان کو صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

دین ابراہیمی کے متلاشی حضرات

رسالت اسماعیلی کی وجہ سے اہل عرب جانتے تھے کہ اصل دین، دین ابراہیمی ہے اور بت پرستی کی ابتدا عمرو بن لحی نے کی تھی، جس کی وجہ سے سارا عرب ہی بتوں کی نجاست میں مبتلا تھا اس زمانہ جاہلیت میں جبکہ رسول اللہ ﷺ کا عہد بالکل ہی قریب تھا کچھ ایسے لوگ بھی موجود تھے جو اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات کے باقی ماندہ اثرات کی بنا پر جو بالکل مٹ نہیں گئے تھے علی الاعلان توحید کا اعلان کرتے اور اسے ہی

اصل دین تسلیم کرتے ہوئے شرک سے نفرت، بتوں کی پرستش سے کراہت، توہمات ورسم ورواج سے بیزاری، زنا کاری سے دوری، لڑکیوں کو زندہ دفن سے روکتے اور اس کے لئے عملی اقدامات اٹھاتے اور قتل وغارت سے منع کرتے، الغرض عرب میں جتنی برائیاں پھیلی ہوئی تھیں ان سے دوری کا کھلا اظہار کرتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ بت محض بے بس ہیں یہ نہ تو کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، جو نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے، یہ لوگ اللہ کو اکیلا مانتے اور قبروں سے دوبارہ اٹھنے اور روز قیامت جس روز اللہ انسان کے اعمال کے مطابق سزا یا جزا دیں گے کے قائل تھے، یہ لوگ وضو کرتے اور نماز پڑھتے تھے مگر انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ نماز پڑھتے کیسے ہیں، جیسے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے سے تین برس قبل نماز پڑھتے تھے، یہ لوگ روزہ رکھتے، استغفار کرتے اور اعتکاف کرتے تھے، یہ لوگ کہتے تھے کہ ان کی قوم کا کوئی مذہب نہیں ہے یہ دین ابراہیمی کو بالکل ہی بھلا چکے ہیں، ان توحید پرستوں میں قیس بن ساعدۃ الایادی، امیہ بن ابی الصلت، سوید بن عمرو المصطلقی، وکیع بن سلمہ بن زہیر الایادی، عمرو بن جندب الجہنی، ابوقیس صرمہ بن ابی انس، ورقہ بن نوفل بن اسد بن العزی، زید بن عمرو بن نفیل بن عبد العزی، عثمان بن الحویرث بن اسد بن عبد العزی، عبید اللہ بن جحش بن رماب، عامر بن الظرب العدوانی، علاف بن شہاب التمیمی، المتلمس بن امیہ الکنانی، زہیر بن ابی سلمیٰ، خالد بن سنان بن غیث العبسی، عبد اللہ القضاعی تھے، جنہیں حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، یہ موحدین تین گناہوں اللہ کے ساتھ شرک، قتل ناحق اور زنا سے اجتناب کرتے تھے۔

اہل مکہ سال میں ایک مرتبہ ایک بت کے پاس جمع ہو کر اس کا طواف کرتے اور رسومات عبودیت ادا کر کے اس کے نام پر جانور ذبح کرتے تھے، اسی میلے میں ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ جو ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد بھائی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبد المطلب کا بیٹا عبید اللہ بن جحش، عثمان بن حویرث بن اسد بن عبد العزیٰ اور زید بن عمرو بھی تھے یہ چاروں میلے سے دور ہٹ کر ایک دوسرے سے سچ بولنے اور راز داری کا حلف لے کر یوں بات چیت کرنے لگے، تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کسی مذہب کی پابند نہیں، انہوں نے دین ابراہیمی ترک کر کے بتوں کی پوجا شروع کر رکھی ہے، جو نہ تو سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھتے ہیں، وہ نہ تو کسی کا نقصان کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں، پھر آخر ہم ان پتھروں کا کیوں طواف کریں؟ دوستو! بخدا جس دین پر ہم چل رہے ہیں وہ دین حق نہیں آؤ ہم سب مل کر دین حق کی تلاش شروع کریں، یہ طے کر کے چاروں دین حق کی تلاش میں مختلف شہروں، علاقوں اور ملکوں کی خاک چھاننے لگے، جس کا نتیجہ یوں نکلا۔

ورقہ بن نوفل:

انہوں نے نصرانیوں کی کتابوں سے کافی علم حاصل کر لیا اور اصنام پرستی چھوڑ کر عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور مرتے دم تک اسی دین کے پیروکار رہے۔

عبید اللہ بن جحش:

وأما عبيد الله بن جحش فانه أسلم وهاجر إلى الحبشة وتنصر بها ومات على النصرانية

یہ سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کے بھانجے تھے، یہ گوں ناگوں کی کیفیت میں مبتلا رہے اور کوئی مذہب اختیار نہیں کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین دی تو مسلمان ہو گئے اور اہل مکہ کے ظلم وستم سے مجبور ہو کر اپنی اہلیہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان جو مسلمان ہو چکی تھیں کے ساتھ حبشہ ہجرت کی، مگر وہاں اسلام ترک کر کے مرتد ہو گیا اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور اسی مذہب پر حبشہ میں فوت ہوا اور اس کی اہلیہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بن سفیان کو ام المومنین بننے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔

عثمان بن الحویرث:

وَأَمَّا عُثْمَانُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فَقَدِمَ عَلَى قَيْصَرَ مَلِكِ الروم، فتنصّر وحسلت مَنْزِلَتُهُ عِنْدَهُ

یہ عبد العزیٰ (ابولہب) کے پوتے تھے، دین ابراہیمی کی تلاش میں نکلے تو شہنشاہ روم قیصر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عیسائیت قبول کر لی جس کی وجہ سے قیصر کے دربار میں ان کی اچھی قدر و منزلت ہو گئی۔ [1]

زید بن عمرو بن نفیل:

وَأَمَّا زَيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ فَوَقَفَ فَلَمْ يَدْخُلْ فِي يَهُودِيَّةٍ وَلَا نَصْرَانِيَّةٍ، وَفَارَقَ دِينَ قَوْمِهِ، فَاعْتَزَلَ الْأَوْثَانَ وَالْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَالذَّبَائِحَ الَّتِي تُذْبَحُ عَلَى الْأَوْثَانِ

یہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب کے چچا زاد بھائی تھے، یہ توقف کی حالت میں رہے اور اس وقت کے دو مذہبوں یہودیت اور عیسائیت میں سے کسی کو اختیار نہیں کیا مگر اپنی قوم کے دین بت پرستی سے بیزار و متنفر رہے اور قوم کو بتوں کی پرستش پر کھل کر مذمت کرتے، وہ نہ تو بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہ کھاتے اور نہ ہی اہل مکہ کی کسی رسم میں حصہ لیتے، وہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنے کو بڑا جرم سمجھتے۔ [2]

ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی ملاقات ہوئی تھی۔

عن زيد بن حارثة، خرجت مع رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوما حارا من أيام مكة، حَتَّى إِذَا كَانَ بِأَعْلَى الْوَادِي لَقِيَهُ زَيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ،فحيا أحدهما الآخر تحية الجاهلية فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:يا زيد! مَالِي أَرَى قَوْمَكَ قَدْ شَنِفُوا لَكَ؟قال: وَاللهِ يا محمد إن ذلك لغير نائلة لي منهم، ولكني خرجت أبتغي هذا الدين حتى أقدم على أحبار فدك، فوجدتهم يعبدون الله ويشركون به فقلت: ما هذا الدين الّذي أبتغي،فقال شَيْخٌ منهم: إنك لتسأل عن دين ما نعلم أن أحدا يعبد الله به إلا شيخا بالحيرة، فخرجت، حتى أقدم فلما رآني قال:مِمَّنْ أَنْتَ؟ قُلْتُ: مِنْ أَهْلِ بَيْتِ اللهِ، مِنْ أَهْلِ الشَّوْكِ وَالْقَرَظَةِ، فقال: إن الّذي تطلب قد ظهر ببَلَدِكَ، قد بعث نَبِيٌّ قَدْ طَلَعَ نَجْمُهُ، وجميع من رأيتهم في ضلال، فلم أحسّ بشيء بعد يا محمد وجميع من رأيتهم في ضلال،فلم أحسّ بشيء بعد يا محمد

[1] ابن ہشام ۱/۲۲۲

[2] ابن ہشام ۱/۲۲۴

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ایک روز جبکہ مکہ میں شدید گرمی تھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے باہر روانہ ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پیچھے سوار تھے، پس ہم نے زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات کی اور ہم میں سے ہر ایک نے دوسرے کو سلام کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے زید! یہ کیا بات ہے کہ تمہاری قوم کو تمہارا مخالف پاتا ہوں؟ کہا اللہ کی قسم اے محمد! یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے مجھ میں بے دینی نہیں پائی بلکہ میں صحیح دین کی جستجو میں نکلا اور خیبر کے علمائے دین کے پاس حاضر ہوا تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر دوسروں کو اس کا شریک بھی مانتے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ جس دین کی مجھے تلاش ہے یہ وہ دین نہیں، اس لئے میں وہاں سے مایوس واپس ہونے لگا تو انہی میں سے ایک بزرگ نے مجھ سے کہا کہ تم اس دین کے متعلق معلوم کرنا چاہتے ہو جس کی پیروی کرتے ہوئے ہم کسی شخص کو خدا کا عبادت گزار نہیں پاتے بجز ایک بزرگ کے جو حیرہ میں مقیم ہیں، میں وہاں سے روانہ ہو کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے مجھے دیکھ کر پوچھا تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا میں بیت اللہ والوں میں سے ہوں، انہوں نے کہا جس دین الٰہی کی تمہیں تلاش ہے وہ خود تمہارے شہر میں ظاہر ہو چکا ہے، ایک پیغمبر مبعوث ہو چکے ہیں، ان کے ستارے طلوع ہو چکے ہیں اور باقی تم نے جن لوگوں کو دیکھا ہے وہ سب کے سب گمراہ ہیں، زید بن عمرو کہتے ہیں کہ اے محمد! مجھے کوئی نئی بات محسوس نہیں ہوئی۔[1]

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، " أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلِ بَلْدَحٍ، قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الوَحْيُ، فَقُدِّمَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُفْرَةٌ، فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا، ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ: إِنِّي لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ، وَلاَ آكُلُ إِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَأَنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيبُ عَلَى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ، وَيَقُولُ: الشَّاةُ خَلَقَهَا اللَّهُ، وَأَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ المَاءَ، وَأَنْبَتَ لَهَا مِنَ الأَرْضِ، ثُمَّ تَذْبَحُونَهَا عَلَى غَيْرِ اسْمِ اللَّهِ،

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وحی نازل ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے مقام بلدح کے نشیبی علاقہ میں ملاقات ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت رکھا گیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے سے انکار فرما دیا پھر وہ دسترخوان زید بن عمرو کے سامنے پیش کیا گیا تو جن لوگوں نے دسترخوان بچھایا تھا ان سے کہا میں بھی ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جن کو تم بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہو میں صرف وہ گوشت کھاتا ہوں جن پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، اور قریش کو مذمت کرتے ہوئے کہتے تمہیں ایسا عمل کرتے ہوئے حیا نہیں آتی کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، آسمان سے اس کو پینے کے لئے پانی بہم پہنچایا اور زمین سے اس کے لئے چارہ اگایا پھر تم اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہو۔[2]

قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ كُنْتُ جَالِسًا بِفِنَاءِ الْكَعْبَةِ، وَكَانَ زَيْدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ قَاعِدًا، فَمَرَّ بِهِ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ فَقَالَ: كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ؟ قَالَ: بِخَيْرٍ قَالَ: هَلْ وَجَدْتَ؟ قَالَ: لا، وَلَمْ آلُ مِنْ طَلَبٍ، فَقَالَ:

[1] امتاع الاسماع ۲/۳۵۰، معجم الصحابة للبغوی ۲/۴۴۲، تاریخ دمشق ۱۹/۵۰۸

[2] صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار بَابُ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ ۳۸۲۶

سید نا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں صحن کعبہ میں آ کر بیٹھا، میرے قریب ہی زید بن عمرو بن نفیل بھی بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں امیہ بن ابی صلت زید بن عمرو کے پاس آیا اور ان کو مخاطب کر کے کہنے لگا اے بھلائی کے طلبگار! تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا بہتر ہے ,پوچھا جس دین کی تمہیں تلاش تھی کیا تم نے وہ دین پالیا ہے؟ جواب دیا کہ ابھی تک تو نہیں پا سکا حالانکہ اس کی تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اس پر اس نے ایک شعر کہا

كُلُّ دِينٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ　　　　إلا مَا قَضَى اللَّهُ وَالْحَنِيفَةُ بُورُ

قیامت کے دن صرف دین حنیف اور اس دین کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ حق ہونے کا فیصلہ فرمادے باقی ہر دین فاسد و باطل قرار پائے گا،

أما إن هذا النبي الذي ينتظر منا ومنكم أو من أهل فلسطين قال ولم أكن سمعت قبل ذلك بنبي ينتظر ولا يبعث قال فخرجت أريد ورقة بن نوفل فكان كثير النظر في السماء كثير همهمة الصدر قال فاستوقفته ثم اقتصصت عليه الحديث، فَقَالَ: نعم يا ابْنَ أخي، أَبَى أهل الكتاب والعلماء إلا أن هَذَا النَّبِيّ الَّذِي ينتظر من أوسط العرب نسبًا، ولي علم بالنسب، وقومك أوسط العرب نسبًا قَالَ: قلت: يا عم، وما يَقُولُ النَّبِيّ؟قلت: يَقُولُ ما قيل لَهُ، إلا أَنَّهُ لا ظلم ولا تظالم،قال فلما بعث رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمنت وصدقت

یہ نبی آخر الزمان جن کا انتظار ہو رہا ہے یا تو ہم میں سے یا تم میں سے یا پھر اہل فلسطین میں سے ہوں گے، سید نا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے قبل میں نے کسی سے یہ نہیں سنا تھا کہ کسی نبی کا انتظار کیا جا رہا ہے یا وہ مبعوث ہونے والا ہے، یہ بات سن کر میں ورقہ بن نوفل کے پاس چلا آیا جو دین کے بارے میں اچھی سمجھ بوجھ رکھتا تھا، میں نے اس سے یہ تمام سرگزشت بیان کی، جسے سن کر وہ بولا ہاں اے میرے بھتیجے! تمام اہل کتاب اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ نبی جس کے ظہور کا انتظار کیا جا رہا ہے وہ عرب کے عالی نسب خاندان سے ہو گا، مجھے حسب و نسب کے بارے میں کافی معلومات ہیں جس کی بنا پر کہتا ہوں کہ تمہاری قوم نسبی حیثیت سے تمام عرب میں اعلیٰ و ممتاز ہے، میں نے کہا عم محترم! یہ نبی کیا فرمائیں گے؟ جواب دیا انہیں بذریعہ وحی جو کچھ بتایا جائے گا وہ وہی بیان کریں گے، آپ کی بعثت کے بعد دنیا سے ظلم واستبداد کا خاتمہ ہو جائے گا، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پس جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں آپ پر ایمان لے آیا اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔ [1]

دفن ہونے والی لڑکیوں کو بچانا:

بنو تمیم میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج تھا، شاعر فرزدق کے دادا صعصعہ اور زید بن عمرو بن نفیل انہیں اس عمل سے روکتے اور ان لڑکیوں کو والدین سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے تا کہ ان کی جان ان کے شقی القلب والد سے بچ جائے، وہ ان لڑکیوں کے سنگدل باپوں سے گزارش کرتے ہوئے کہتے۔

وَكَانَ يُحْيِي الْمَوْءُودَةَ، يَقُولُ لِلرَّجُلِ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَقْتُلَ ابْنَتَهُ، لاَ تَقْتُلْهَا، أَنَا أَكْفِيكَهَا مُؤنَتَهَا فَيَأْخُذُهَا فَإِذَا تَرَعْرَعَتْ

[1] تاريخ دمشق لابن عساكر ۳۰/۳۴، اسد الغابة ۳/۳۱۰، تاريخ الخلفاء ۱/۳۱

قَالَ لِأَبِيهَا: إِنْ شِئْتَ دَفَعْتُهَا إِلَيْكَ، وَإِنْ شِئْتَ كَفَيْتُكَ مَؤُونَتَهَا

اس لڑکی کی جان مت لو میں اس کے تمام اخراجات کا ذمہ لیتا ہوں، چنانچہ وہ لڑکیوں کو اپنی آغوش شفقت میں لے لیتے، جب وہ جوان ہو تیں تو پھر ان لڑکیوں کے والدین کے پاس جاتے اور عرض کرتے کہ تمہاری بیٹی اب جوان ہو چکی ہے اگر تم پسند کرو تو اسے تمہارے حوالے کر دوں اور اگر پسند نہیں کرتے تو میں خود اس کی شادی کے تمام مصارف برداشت کر کے اس کو رخصت کر دیتا ہوں۔ (۱)

چچا کا ظلم وستم:

وَكَانَ الْخَطَّابُ قَدْ آذَى زَيْدًا، حَتَّى أَخْرَجَهُ إِلَى أَعْلَى مَكَّةَ، فَنَزَلَ حِرَاءَ مُقَابِلَ مَكَّةَ، وَوَكَّلَ بِهِ الْخَطَّابُ شَبَابًا مِنْ شَبَابِ قُرَيْشٍ وَسُفَهَاءَ مِنْ سُفَهَائِهَا، فَقَالَ لَهُمْ: لَا تَتْرُكُوهُ يَدْخُلُ مَكَّةَ، فَكَانَ لَا يَدْخُلُهَا إِلَّا سِرًّا مِنْهُمْ، فَإِذَا عَلِمُوا بِذَلِكَ آذَنُوا بِهِ الْخَطَّابَ فَأَخْرَجُوهُ وَآذَوْهُ كَرَاهِيَةَ أَنْ يُفْسِدَ عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ، وَأَنْ يُتَابِعَهُ أَحَدٌ مِنْهُمْ عَلَى فِرَاقِهِ،

مگر ان کے چچا خطاب کو اپنے معبودوں کے خلاف کھلم کھلا مخالفت پسند نہ آئی اس نے جیسا کہ ہمیشہ سے بااختیار لوگوں کا وطیرہ ہے کہ کسی طرح حق کو دھمکیوں، طاقت اور لالچ سے دبا دیا جائے مکہ کے غنڈوں کو ان کے پیچھے لگا دیا جو انہیں ہر وقت پریشان رکھتے تاکہ انہیں اتنا وقت ہی نہ ملے جو وہ بتوں کو برا بھلا کہہ سکیں، مگر سچ کبھی اس طرح کے ظلم وستم سے پسپا ہوا ہے جو اب میدان چھوڑ جاتا، خطاب نے انہیں بڑی اذیتیں پہنچائیں جس سے مجبور ہو کر وہ مکہ سے نکل کر مگر مکہ کے سامنے کوہ حرا پر رہنے لگے، مگر خطاب کا دل اب بھی ٹھنڈا نہ ہوا اسے زید بن عمرو سے خطرہ تھا کہ وہ ان کے دین کو بگاڑ دے گا اور رفتہ رفتہ لوگ اس کے ہم نوا ہو جائیں گے چنانچہ اس کے سدباب کے لئے اس نے قریش کے نوجوانوں اور اوباشوں کو ذمہ داری سونپی کی زید بن عمرو کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں، مگر زید کبھی کبھار نظر بچا کر مکہ میں آجاتے مگر جیسے ہی ان اوباشوں کو پتہ چلتا اس کی اطلاع خطاب تک پہنچا دیتے جو انہیں تکلیفیں پہنچا کر پھر مکہ سے باہر نکال دیتا، دین حق کی تلاش میں وہ مکہ مکرمہ سے نکل کر موصل اور جزیرہ خرات سے ہوتے ہوئے شام پہنچ گئے۔ (۲)

فَلَقِيَ عَالِمًا مِنَ الْيَهُودِ فَسَأَلَهُ عَنْ دِينِهِمْ، فَقَالَ: إِنِّي لَعَلِّي أَنْ أَدِينَ دِينَكُمْ، فَأَخْبِرْنِي، فَقَالَ: لاَ تَكُونُ عَلَى دِينِنَا حَتَّى تَأْخُذَ بِنَصِيبِكَ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ، قَالَ زَيْدٌ مَا أَفِرُّ إِلَّا مِنْ غَضَبِ اللَّهِ، وَلاَ أَحْمِلُ مِنْ غَضَبِ اللَّهِ شَيْئًا أَبَدًا، وَأَنَّى أَسْتَطِيعُهُ فَهَلْ تَدُلُّنِي عَلَى غَيْرِهِ، قَالَ: مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَنِيفًا، قَالَ زَيْدٌ: وَمَا الحَنِيفُ؟ قَالَ: دِينُ إِبْرَاهِيمَ لَمْ يَكُنْ يَهُودِيًّا، وَلاَ نَصْرَانِيًّا، وَلاَ يَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ، فَخَرَجَ زَيْدٌ فَلَقِيَ عَالِمًا مِنَ النَّصَارَى فَذَكَرَ مِثْلَهُ، فَقَالَ: لَنْ تَكُونَ عَلَى دِينِنَا حَتَّى تَأْخُذَ بِنَصِيبِكَ مِنْ لَعْنَةِ اللَّهِ، قَالَ: مَا أَفِرُّ إِلَّا مِنْ لَعْنَةِ اللَّهِ، وَلاَ أَحْمِلُ مِنْ لَعْنَةِ اللَّهِ، وَلاَ مِنْ غَضَبِهِ شَيْئًا أَبَدًا، وَأَنَّى أَسْتَطِيعُ فَهَلْ تَدُلُّنِي عَلَى غَيْرِهِ، قَالَ: مَا أَعْلَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ حَنِيفًا، قَالَ: وَمَا الحَنِيفُ؟ قَالَ: دِينُ إِبْرَاهِيمَ لَمْ يَكُنْ يَهُودِيًّا وَلاَ نَصْرَانِيًّا ، وَلاَ يَعْبُدُ إِلَّا اللَّهَ، فَلَمَّا رَأَى زَيْدٌ قَوْلَهُمْ فِي إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ خَرَجَ، فَلَمَّا بَرَزَ

(۱) صحيح بخاری كتاب مناقب الانصار بَابُ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ ۳۸۲۸ ،ابن سعد ۳/۲۹۱ ،البداية والنهاية ۲/۲۹۹

(۲) ابن ہشام ۱/۲۳۱

رَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَشْهَدُ أَنِّي عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ

وہاں ان کی ملاقات ایک یہودی سے ہوئی، زید بن عمرو نے یہودیت قبول کرنے سے پہلے اس سے ان کے دین کے بارے میں وضاحت چاہی ،اس یہودی نے کہا ہمارے دین میں تم اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک تم اللہ کے غضب کے ایک حصہ کے لئے تیار نہ ہو جاؤ، یہ سن کر زید بن عمرو بولے میں اس کے غضب سے بھاگ کر ہی میں یہاں آیا ہوں، پھر اللہ کے غضب کو میں اپنے اوپر کبھی نہ لوں گا اور نہ مجھ میں اسے اٹھانے کی طاقت ہے، پھر زید بن عمرو نے اس یہودی سے کہا کیا تم مجھے کسی اور دوسرے دین کا کچھ پتہ بتا سکتے ہو؟ اس عالم نے کہا مجھے کسی اور دین کا علم نہیں ہاں اگر تم حنیف ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ سکتے ہو، زید بن عمرو نے سوال کیا حنیف کیا ہے؟ اس عالم نے جواب دیا حنیف دین ابراہیم علیہ السلام ہے جو نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی وہ صرف اللہ کی عبادت کرتے تھے، یہاں سے نکل کر زید بن عمرو ایک عیسائی عالم کے پاس چلے گئے اور اس سے بھی وہی سوال کیا جو یہودی عالم سے کیا تھا اس عالم نے بھی یہی کہا کہ تم ہمارے دین میں آؤ گے تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں سے ایک حصہ لو گے، زید بن عمرو بولے میں اللہ تعالیٰ کی لعنت سے ہی بچنے کے لئے تو یہ سب کچھ کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب اٹھانے کی مجھ میں طاقت نہیں اور نہ میں اس کا غضب اٹھا سکتا ہوں، پھر اس عالم سے سوال کیا کیا تم میرے لئے اس کے سوا کوئی اور دین بتلا سکتے ہو، اس عالم نے جواب دیا میری نظر میں تو صرف ایک دین حنیف سچا دین ہے، زید بن عمرو نے اس سے بھی سوال کیا حنیف کیا ہے؟ عالم نے جواب دیا وہ دین ابراہیم علیہ السلام ہے جو نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے، چنانچہ زید بن عمرو یہودی اور نصرانی عالم سے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق یہ بات سنی تو واپس چلے آئے اور شہر سے باہر آ کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا الٰہی! گواہ رہنا میں آج سے ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم ہوں۔[1]

ثُمَّ خَرَجَ يَطْلُبُ دِينَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَيَسْأَلُ الرُّهْبَانَ وَالْأَحْبَارَ، حَتَّى بَلَغَ الْمَوْصِلَ وَالْجَزِيرَةَ كُلَّهَا، ثُمَّ أَقْبَلَ فَجَالَ الشَّامَ كُلَّهُ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى رَاهِبٍ بِمَيْفَعَةٍ مِنْ أَرْضِ الْبَلْقَاءِ كَانَ يَنْتَهِي إِلَيْهِ عِلْمُ أَهْلِ النَّصْرَانِيَّةِ فِيمَا يَزْعُمُونَ، فَسَأَلَهُ عَنِ الْحَنِيفِيَّةِ دِينِ إِبْرَاهِيمَ، فَقَالَ: إِنَّكَ لَتَطْلُبُ دِينًا مَا أَنْتَ بِوَاجِدٍ مَنْ يَحْمِلُكَ عَلَيْهِ الْيَوْمَ، وَلَكِنْ قَدْ أَظَلَّ زَمَانُ نَبِيٍّ يَخْرُجُ مِنْ بِلَادِكَ الَّتِي خَرَجْتَ مِنْهَا، يُبْعَثُ بِدِينِ إِبْرَاهِيمَ الْحَنِيفِيَّةِ، فَالْحَقْ بِهَا، فَإِنَّهُ مَبْعُوثٌ الْآنَ، هَذَا زَمَانُهُ.

زید بن عمرو بن نفیل راہبوں اور احبار سے دریافت کرتے ہوئے موصل اور جزیرہ پہنچے، پھر وہاں سے ملک شام کا گشت لگایا یہاں تک کہ ملک البقاء کے شہر میفعۃ میں ایک راہب سے ملاقات کی، نصرانیوں کے بقول یہ راہب ان کے مذہب کا ایک زبردست عالم تھا زید نے اس سے دین ابراہیم کے متعلق سوال کیا، اس عالم نے کہا اے زید! اس زمانے میں تجھ کو دین ابراہیم کا بتلانے والا کوئی فرد نہیں ملے گا مگر تو یہ بات جان لے کہ اب ایک نبی کے ظہور کا زمانہ قریب آ پہنچا ہے اور وہ نبی اس شہر میں ہوں گے جہاں سے تو آیا ہے، وہ دین ابراہیم اور ملت حنیف کے ساتھ مبعوث ہوں گے یہی ان کے ظہور کا زمانہ ہے۔[2]

[1] صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار بَابُ حَدِيثِ زَيْدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ ۳۸۲۷

[2] ابن ہشام ۲۳۱/۱

أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَتْ: لَقَدْ رَأَيْتُ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ شَيْخًا كَبِيرًا مُسْنِدًا ظَهْرَهُ إِلَى الْكَعْبَةِ، وَهُوَ يَقُولُ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، وَالَّذِي نَفْسُ زَيْدِ ابْنِ عَمْرٍو بِيَدِهِ، مَا أَصْبَحَ مِنْكُمْ أَحَدٌ عَلَى دِينِ إِبْرَاهِيمَ غَيْرِي، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهمّ لَوْ أَنِّي أَعْلَمُ أَيَّ الْوُجُوهِ أَحَبُّ إِلَيْكَ عَبَدْتُكَ بِهِ، وَلَكِنِّي لَا أَعْلَمُهُ، ثُمَّ يَسْجُدُ عَلَى رَاحَتِهِ.

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کہتی ہیں میں نے زید بن عمرو بن نفیل کو بہت بڑھاپے کی حالت میں دیکھا ہے وہ کعبہ کے ساتھ اپنی پشت لگائے بیٹھے رہتے تھے اور قریش سے کہتے تھے اے گروہ قریش!قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں زید بن عمرو کی جان ہے میرے سوا تم میں سے کوئی شخص بھی دین ابراہیمی علیہ السلام پر نہیں ہے، پھر کہتے اے اللہ!اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کس طریقے سے تیری عبادت تجھے زیادہ پسند ہے تو میں اس طریقہ پر تیری عبادت کرتا مگر افسوس کہ میں تیری عبادت کا طریقہ نہیں جانتا، پھر اپنی ہتھیلی پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا۔[1]

إذ قال إلهي أنفي لك عَانٍ رَاغِمُ، مَهمَا تُجَشِّمْنِي فَإِنِّي جَاشِمُ، الْبِرَّ أبغى لا انحال

نیز وہ مودب کھڑے ہو کر کہتے اے اللہ!میں انتہائی ذلت وعاجزی کے ساتھ تیرے سامنے اپنی ناک رگڑتا ہوں تو مجھے جتنی بھی پر مشقت عبادت کا حکم دے گا میں اسے بخوشی قبول کروں گا، میں تیری اطاعت کی توفیق چاہتا ہوں، مال و دولت کا خواہاں نہیں ہوں، وہ قریش کو مخاطب کر کے کہتے تھے اے گروہ قریش!تم ریاکاری سے بچتے رہو کیونکہ وہ افلاس پیدا کرتی ہے،اس طرح زید بن عمرو بن نفیل نے اپنی ساری زندگی اس سچ کی تبلیغ میں صرف کر دی۔[2]

عن أسماء بنت أبي بكر قالت رأيت زيد بن عمرو بن نفيل مسندا ظهره إلى الكعبة في الجاهلية وهو يقول يا معشر قريش إياكم والزنا فإنه يورث الفقر

اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں میں نے دور جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل کو کعبہ سے پشت لگا کر کہتے ہوئے سنا اے گروہ قریش!زناکاری سے بچو کیونکہ زناکاری سے افلاس پیدا ہوتا ہے۔[3]

وكان يقول: يا معشر قريش، إياكم والربا فإنه يورث الفقر

اور وہ کہتے تھے اے گروہ قریش!سود خوری سے بچو اس سے افلاس پیدا ہوتا ہے۔[4]

اس طرح زید بن عمرو بن نفیل نے اپنی ساری زندگی اس سچ کی تبلیغ میں صرف کر دی۔

تُوُفِّيَ وَقُرَيْشٌ تَبْنِي الْكَعْبَةَ قَبْلَ أَنْ يَنْزِلَ الْوَحْيِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ بِخَمْسِ سِنِينَ

---

[1] ابن ہشام۲۲۵/۱،الروض الانف ۲۳۳/۲

[2] البداية والنهاية۲۳۷/۲

[3] تاریخ دمشق۵۰۸/۱۹،تهذيب الأسماء واللغات ۲۰۵/۱

[4] اسدالغابة ۱۴۳/۲

اور نبوت سے پانچ برس قبل جب بیت اللہ کی تعمیر ہو رہی تھی زید بن عمرو بن نفیل نے انہی دنوں انتقال کیا۔ [۱]

انتقال کے وقت انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی الٰہی اگر تو نے مجھے اپنے رسول کی زیارت سے محروم رکھا ہے تو میرے بیٹے سعد کو اس خیر وبرکت سے محروم نہ رکھنا،

وَجَاءَ ابْنُهُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبِي كَانَ كَمَا رَأَيْتَ، وَكَمَا بَلَغَكَ، فَأَسْتَغْفِرُ لَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُمَّةً وَحْدَهُ

جب سلام ہر سو پھیل چکا اور مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا کی ممانعت ہو چکی تھی ان کے بیٹے سعد رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو زید کے چچازاد بھائی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ آپ جانتے ہیں یا جیسے آپ نے دیکھا ہے کیا ہم زید بن عمرو بن نفیل کے لئے مغفرت کی دعا کر سکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اور فرمایا وہ قیامت کے دن اکیلا ایک امت کے قائم مقام اٹھایا جائے گا۔ [۲]

ابوقیس صرمتہ بن ابی انس انصاری:

ان کا تعلق بنونجار سے تھا اسی زمانہ میں جب چند دوسرے لوگ دین حق کی تلاش میں تھے،

وَكَانَ رَجُلًا قَدْ تَرَهَّبَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَلَبِسَ الْمُسُوحَ، وَفَارَقَ الْأَوْثَانَ، وَاغْتَسَلَ مِنْ الْجَنَابَةِ وَتَطَهَّرَ مِنْ الْحَائِضِ مِنْ النِّسَاءِ، وَهَمَّ بِالنَّصْرَانِيَّةِ، ثُمَّ أَمْسَكَ عَنْهَا، وَدَخَلَ بَيْتًا لَهُ، فَاتَّخَذَهُ مَسْجِدًا لَا تَدْخُلُهُ عَلَيْهِ فِيهِ طَامِثٌ وَلَا جُنُبٌ، وَقَالَ: أَعْبُدُ رَبَّ إِبْرَاهِيمَ، حَيْنَ فَارَقَ الْأَوْثَانَ وَكَرِهَهَا، حَتَّى قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، فَأَسْلَمَ وَحَسُنَ إِسْلَامُهُ، وَهُوَ شَيْخٌ كَبِيرٌ

یہ بھی بتوں کی بے بسی وبے کسی کو جان کر ان کی عبادت سے تائب ہو گئے تھے، اور ٹاٹ کا لباس پہن کر رہبانیت اختیار کر لی تھی، یہ غسل جنابت کرتے، شراب اور ہر نشہ آور چیز کو ناپسند کرتے تھے، پہلے انہوں نے عیسائی ہونے کا ارادہ کیا مگر رک گئے اور کہتے تھے کہ میں صرف ابراہیم علیہ السلام کے رب کی عبادت کرتا ہوں، انہوں نے اپنے گھر کو مسجد بنا دیا جس میں جنبی اور حیض والی عورتوں کا داخلہ منع تھا اس صاف ستھری مسجد میں عبادت کرتے رہتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لائے تو بہت بوڑھے ہو چکے تھے، حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ [۳]

ان کا ایمان واسلام شک وشبہ سے بالا تھا، روزہ کی فرضیت کے بعد سحری سے متعلق یہ آیت

---

[۱] تاریخ طبری ۵۱۳/۱۱، ابن سعد ۲۹/۳ ،البداية والنهاية ۳۰۰/۲

[۲] معرفة الصحابة لابی نعيم ۱۴۶/۱

[۳] ابن ہشام ۵۱۰/۱، الاصابة فی تمیز الصحابة ۳۴۲/۳

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ [1]

ترجمہ: کھاو پیو حتی کہ فجر سے سفید دھاگہ، سیاہ دھاگے سے ممتاز ہو جائے۔

انہی کے بارے میں نازل ہوئی تھی، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں حکمت سے بھرپور کئی شعر کہے۔

يقول أبو قيس وأصبح غاديا	ألا ما استطعتم من وصاتي فافعلوا
أوصّيكم بالبرّ والخير والتّقى	وإن كنتم أهل الرّئاسة فاعدلوا
وإن أنتم أمعرتم فتعفّفوا	وإن كان فضل الخير فيكم فأفضلوا [2]۔

سواد رضی اللہ عنہ بن قارب:

كان كاهنا في الجاهلية

سواد رضی اللہ عنہ بن قارب اسلام قبول کرنے سے پہلے کہانت کا کام کرتے تھے،

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ، قال: بينما عمر بن الخطاب رضي الله عنه جالس ومعه أصحابه إذ مر رجل فسلم عليه فقال رجل من القوم: يا أمير المؤمنين أتعرف هذا المسلم؟ قال: هذا سواد بن قارب الذي أتاه رئيه من الجن بظهور رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فدعا عمر الرجل فَقَالَ: أَنْتَ سَوَادُ بْنُ قَارِبٍ؟قَالَ: نَعَمْ يا أمير المؤمنين قَالَ: أَنْتَ على ما كنت عليه من كَهَانَتِكَ؟ قال :فَغَضِبَ الرجل غضبا شديدا ثم قال: يا أمير المؤمنين: ما استقبلني بهذا منذ أسلمت أحد غيرك، فقال له عمر: ما كنا عليه من الشرك أعظم مما كنت عليه من كهانتك

محمد بن کعب القرضی سے مروی ہے ایک دن ایک شخص کا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر ہوا کسی نے کہا امیرالمومنین! کیا آپ اس گزرنے والے شخص کو جانتے ہیں، پوچھا وہ کون ہے؟ جواب ملا کہ وہ سواد بن قارب ہے جس کو اس کے ہمراز جن نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی خبر دی تھی، یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا تم سواد بن قارب ہو؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تم ابھی تک کہانت کا کام کرتے ہو؟ یہ سن کر سواد رضی اللہ عنہ بن قارب ناراض ہو گیا اور عرض کیا اے امیرالمومنین! میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی نے مجھ سے ایسی بات نہیں کہی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اس میں تعجب کیا ہے جس شرک میں ہم مبتلا تھے وہ تمہاری کہانت سے بڑا تھا،

فأخبرني بِإِتْيَانِكَ رَئِيُّكَ بِظُهُورِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ!قَالَ: نعم يا أمير المؤمنين بَيْنَا أَنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ بَيْنَ النَّائِمِ وَالْيَقْظَانِ، إِذْ أَتَانِي فَضَرَبَنِي بِرِجْلِهِ وَقَالَ: قُمْ يَا سَوَادُ بْنَ قَارِبٍ اسْمَعْ مَقَالَتِي وَاعْقِلْ، إِنْ كُنْتَ تَعْقِلُ، إِنَّهُ قَدْ بُعِثَ رَسُولٌ مِنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ يَدْعُو إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ فلما كان في الليلة الثانية أَتَانِي فَضَرَبَنِي بِرِجْلِهِ وَقَالَ: قُمْ يَا سَوَادُ بْنَ قَارِبٍ اسْمَعْ مَقَالَتِي وَاعْقِلْ، إِنْ كُنْتَ تَعْقِلُ، إِنَّهُ قَدْ بُعِثَ رَسُولٌ مِنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ يَدْعُو إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ،

---

[1] البقرة ۱۸۷

[2] الإصابة في تمييز الصحابة۳۴۲/۳، التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة۴۵۶/۱

فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الثَّانِيَةُ، أَتَانِي فَضَرَبَنِي بِرِجْلِهِ وَقَالَ : قُمْ يَا سَوَادُ بْنَ قَارِبٍ اسْمَعْ مَقَالَتِي وَاعْقِلْ، إِنْ كُنْتَ تَعْقِلُ، إِنَّهُ قَدْ بُعِثَ رَسُولٌ مِنْ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبٍ يَدْعُو إِلَى عِبَادَةِ اللَّهِ

پھر سیدنا عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے ان سے کہا کہ وہ انہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ظہور کے بارے میں اپنے ہمراز جن کی خبر سنائیں، سواد بن قارب نے عرض کیا میں ایک رات سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت میں تھا کہ میرا ہمراز جن آیا اور اپنا پاوں مار کر کہنے لگا اے سواد بن قارب! اٹھ اور میری بات سن اور اگر سمجھتا ہے تو سمجھ قبیلہ لوئی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے، اسی طرح وہ دوسری رات میرے پاس آیا اور کہا اے سواد بن قارب! اٹھ اور میری بات سن اور اگر سمجھتا ہے تو سمجھ قبیلہ لوئی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے، اسی طرح وہ تیسری رات میرے پاس آیا اور کہا اے سواد بن قارب! اٹھ اور میری بات سن اور اگر سمجھتا ہے تو سمجھ قبیلہ لوئی بن غالب سے ایک رسول مبعوث ہوا ہے جو اللہ اور اس کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہے،

فلما أصبحت شددت على راحلتي رحلها وصرت إلى مكة، فقيل لي: قد صار إلى المدينة، فأتيت المدينة فصرت إلى المسجد فعلقت ناقتي، فإذا رَسُول اللَّه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جماعة من أصحابه قال: ففرح رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وأصحابه فرحا شديدا

اس بات سے متاثر ہو کر میں نے اپنی سواری کو تیار کیا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مدینہ منورہ ہجرت کر چکے ہیں میں واپس مدینہ منورہ آ گیا اور مسجد نبوی پر پہنچا اپنی اونٹنی کو باندھا اس وقت رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مسجد میں اپنی اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے اپنے ہمراز جن کا واقعہ شعروں میں سنایا اور اسلام قبول کر لیا، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صحابہ بہت خوش ہوئے۔[1]

سواد رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بن قارب کا اپنی قوم کو بچانا:

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وصال کے بعد جب قبیلہ دوس کو اس کی خبر پہنچی تو فتنہ ارتداد نے سر اٹھایا، تو اس وقت سواد رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بن قارب نے بہترین کردار کا مظاہرہ کیا اور قوم کو وعظ ونصیحت کرتے ہوئے کہا اے گروہ ازد! کسی بھی قوم کی سعادت مندی اس میں ہے کہ وہ دوسروں سے نصیحت پکڑیں اور یہ اس کی بدبختی ہے کہ وہ اپنے آپ سے نصیحت پکڑیں، جو شخص تجربات سے فائدہ نہیں اٹھاتا وہ اس کے لئے نقصان رساں ثابت ہوتے ہیں، اور جس کی حفاظت حق نہیں کرتا باطل بھی اس کی حفاظت سے عاجز ہے، جس حقیقت کے پیش نظر تم کل مسلمان ہوئے تھے اسی حقیقت کے پیش نظر آج بھی مسلمان رہ سکتے ہو، تمہیں معلوم ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے تم سے دور قوم پر حملہ کیا تو کامیاب رہے اور تم سے زیادہ تعداد والی قوم کو دھمکی دی تو ان کو ڈرنے پر مجبور کر دیا اور تم کو تمہاری تعداد یا سامان حرب نے نہیں بچایا، ہر مصیبت بھول جاتی ہے مگر وہ مصیبت نہیں بھولتی جس کے کچھ کے لوگ دیر تک محسوس کریں، مصیبت زدہ لوگوں کو اپنی مصیبت اس سے زیادہ یاد رکھنی چاہیے جتنی کہ اہل عافیت یاد رکھتے ہیں، اللہ کے نبی عَلَیْہِ السَّلَام نے تم سے اپنا ہاتھ بند رکھا جب تک تم نے اس سے اپنا ہاتھ روکے رکھا، پس تم ہمیشہ اہل مصیبت سے

---

[1] المعجم الکبیر طبرانی ۶۴۷۵، تاریخ بغداد وذیولہ ۱۹/۱۳۲، تاریخ اسلام بشار ۱/۵۹۳

دور ہوتے اور اہل عافیت میں داخل ہوتے رہے حتی کہ تمہارے خطیب اور نقیب رسول اللہ ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے، خطباء نے وہاں موجود لوگوں کے متعلق اور نقباء نے غیر حاضر لوگوں کے بارے میں شہادت دی مجھے معلوم نہیں شاید لوگ فتنہ ارتداد کی طرف لپکیں اگر ایسا ہوا تو سلامتی سوچ و بچار اور عقل و خرد سے کام لینے میں ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو پسند کرتا ہے تم بھی اس کو پسند کرو، قوم نے ان کی بات سنی اور اسے قبول کیا اس طرح سواد رضی اللہ عنہ بن قارب نے اپنی قوم کو گمراہی سے بچایا۔

قیس بن ساعدہ الایادی:

ان کا تعلق قبیلہ ایاد بن سعد سے تھا، یہ مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کے قائل تھے،

قال: كأني به عَلَى جَمَلٍ أَحْمَرَ بِعُكَاظٍ يَقُولُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اجْتَمِعُوا، وَاسْتَمِعُوا وَعُوا، مَنْ عَاشَ مَاتَ، وَمَنْ مَاتَ فَاتَ، وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ

انہوں نے ایک موقعہ پر عکاظ کے میلے میں سرخ اونٹ پر سوار ہو کر کہا تھا جو زندہ ہے وہ ایک دن ضرور مرے گا اور جو مرا وہ فوت ہو گیا اور جو چیز آنے والی ہے وہ آنے والی ہے۔[1]

یہ حکیم عرب تھے، عربوں کے نزدیک ان کی حکمت ضرب المثل تھی،

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: لَمَّا قَدِمَ وَفْدُ إِيَادٍ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّكُمْ يَعْرِفُ قُسَّ بْنَ سَاعِدَةَ الْإِيَادِيَّ؟ قَالُوا: مَاتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رَحِمَ اللَّهُ قُسَّ بْنَ سَاعِدَةَ مَا أَنْسَاهُ، وَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ بِسُوقِ عُكَاظٍ فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ عَلَى جَمَلٍ لَهُ أَوْرَقَ أَحْمَرَ وَهُوَ يَخْطُبُ النَّاسَ، وَيَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ عَلَيْهِ حَلَاوَةٌ وَهُوَ يَقُولُ: أَيُّهَا النَّاسُ اجْتَمِعُوا وَاسْتَمِعُوا وَاحْفَظُوا وَعُوا، مَنْ عَاشَ مَاتَ، وَمَنْ مَاتَ فَاتَ، وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ، إِنَّ فِي السَّمَاءِ لَخَبَرًا، وَإِنَّ فِي الْأَرْضِ لَعِبَرًا، مِهَادٌ مَوْضُوعٌ، وَسَقْفٌ مَرْفُوعٌ، وَنُجُومٌ تَمُورُ، وَبِحَارٌ لَا تَغُورُ، أَقْسَمَ قُسٌّ قَسَمًا حَقًّا إِنَّ لِلَّهِ دِينًا هُوَ أَحَبُّ الْأَدْيَانِ إِلَيْهِ مِنْ دِينِكُمُ الَّذِي أَنْتُمْ عَلَيْهِ، مَا لِي أَرَى النَّاسَ يَذْهَبُونَ وَلَا يَرْجِعُونَ، أَرَضُوا بِالْمُقَامِ هُنَاكَ فَأَقَامُوا، أَمْ تُرِكُوا هُنَاكَ فَنَامُوا؟

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک دفعہ قبیلہ ایاد کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ان سے قیس کے بارے میں دریافت فرمایا وفد کے لوگوں نے جواب دیا کہ وہ فوت ہو گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیس پر رحم کرے میں نے اسے اونٹ پر سوار عکاظ کے میلے میں دیکھا ہے جو لوگوں سے کہہ رہا تھا لوگو! سنو اور یاد رکھو جو زندہ ہے وہ ایک دن ضرور مرے گا اور جو مرا وہ فوت ہو گیا اور جو چیز آنے والی ہے (یعنی قیامت) وہ آنے والی ہے، بلاشبہ آسمان میں خبر ہے اور زمین میں عبرت کے سامان ہیں، سمندر جوش مار رہا ہے اور ستارے ڈوب رہے ہیں، آسمان بلند ہے اور گڑھے پست ہیں، قیس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے کہ اس کا دین تمہارے دین سے پسندیدہ ہے، یہ کیا حالت ہے کہ لوگ جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے؟ کیا وہاں کی رہائش پسند کر کے وہیں رہ پڑے ہیں

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲۵۶۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱۰۱/۲

یا ان کو چھوڑ دیا گیا ہے اور وہ سو گئے ہیں؟ راستہ ہموار ہے لیکن عمل مختلف ہے،

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَنْشَدَ قُسُّ بْنُ سَاعِدَةَ أَبْيَاتًا مِنَ الشِّعْرِ لَمْ أَحْفَظْهَا عَنْهُ،فَقَامَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ : أَنَا حَضَرْتُ ذَلِكَ الْمَقَامَ، وَحَفِظْتُ تِلْكَ الْمَقَالَةَ،فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:مَا هِيَ؟فَقَالَ لَهُ أَبُو بَكْرٍ : قَالَ قُسُّ بْنُ سَاعِدَةَ فِي آخِرِ كَلَامِهِ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے کچھ اشعار بھی پڑھے تھے جو مجھے یاد نہیں رہے، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے اللہ کے رسول مجھے وہ اشعار یاد ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے کیا کہا تھا؟ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اس نے کہا تھا۔

فِي الذَّاهِبِينَ الْأَوَّلِينَ — مِنَ الْقُرُونِ لَنَا بَصَائِرْ

پہلی گزرنے والی صدیوں میں ہمارے لئے سمجھ بوجھ کے بہت سامان ہیں

لَمَّا رَأَيْتُ مَوَارِدًا — لِلْمَوْتِ لَيْسَ لَهَا مَصَادِرْ

جب میں نے موت کے گھات دیکھے کہ ان میں داخل ہونے والے واپس نہیں آتے

وَرَأَيْتُ قَوْمِي نَحْوَهَا — تَمْضِي الْأَصَاغِرُ وَالْأَكَابِرْ

اور اپنی قوم کو دیکھا کہ سب چھوٹے بڑے ادھر ہی جارہے ہیں

لَا يَرْجِعُ الْمَاضِي إِلَيَّ — وَلَا مِنَ الْبَاقِينَ غَابِرْ

کوئی جانے والا واپس نہیں آتا اور نہ باقی رہنے والوں میں سے کوئی پیچھے رہتا ہے

أَيْقَنْتُ أَنِّي لَا مَحَالَةَ — حَيْثُ صَارَ الْقَوْمُ صَائِرْ

تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ مجھے بھی لازمی طور پر وہاں جانا ہے جہاں میری قوم گئی ہے

قیس بن ساعدہ کا یہ خطبہ کئی طریقوں سے مروی ہے مگر ہر روایت میں کوئی نہ کوئی راوی وضاع اور کذاب ہے۔

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَرْحَمُ اللَّهُ قُسَّ بْنَ سَاعِدَةَ، لَأَرْجُو أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُمَّةً وَحْدَهُ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیس پر رحم فرمائے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اکیلے کو ایک امت کے قائم مقام اٹھائے گا۔[1]

عمرو رضی اللہ عنہ بن عبسہ:

ان کا بنو سلیم سے تعلق تھا، اسلام سے قبل ہی انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی تھی،

رَغِبْتُ عَنْ آلِهَةِ قَوْمِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَذَلِكَ أَنَّهَا بَاطِلٌ

کہتے ہیں میں جاہلیت میں بھی لوگوں کو گمراہی پر سمجھتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ باطل معبودوں کی پرستش کر رہے ہیں۔[2]

---

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ۱/۱۰۳، دلائل النبوة للبيهقي ۲/۱۰۱،عيون الآثر ۱/۸۳

[2] ابن سعد ۴/۱۶۴

رَغِبْتُ عَنْ آلِهَةِ قَوْمِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَرَأَيْتُ أَنَّهَا آلِهَةٌ بَاطِلَةٌ، يَعْبُدُونَ الْحِجَارَةَ، وَالْحِجَارَةُ لا تَضُرُّ وَلا تَنْفَعُ ، قَالَ: فَلَقِيتُ رَجُلا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَسَأَلْتُهُ عَنْ أَفْضَلِ الدِّينِ، فَقَالَ: يَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ مَكَّةَ يَرْغَبُ عَنْ آلِهَةِ قَوْمِهِ وَيَدْعُو إِلَى غَيْرِهَا، وَهُوَ يَأْتِي بِأَفْضَلِ الدِّينِ، فَإِذَا سَمِعْتَ بِهِ فَاتَّبِعْهُ

ان کا ایک قول ہے میں جاہلیت میں بھی لوگوں کو گمراہی پر سمجھتا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ یہ معبودوں کی پرستش کر رہیں، یہ لوگ پتھروں کی پرستش کر رہے ہیں اور پتھر جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، کہتے ہیں میں اہل کتاب کے ایک شخص سے ملا اور اس سے پوچھا سب سے افضل دین کیا ہے؟ جس پر اس شخص نے کہا مکہ میں ایک شخص ہے جو بتوں کے خلاف باتیں کرتا ہے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے وہ افضل دین ہے، چنانچہ یہ مکہ چلے آئے اور رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے مل کر اسلام کی تعلیمات دریافت کیں اور آپ کی رسالت پر ایمان لے آئے۔ [۱]

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ مَعَكَ عَلَى هَذَا الْأَمْرِ؟ قَالَ: حُرٌّ وَعَبْدٌ قُلْتُ: مَا الْإِسْلَامُ؟ قَالَ: طِيبُ الْكَلَامِ، وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ. قُلْتُ: مَا الْإِيمَانُ؟ قَالَ: الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ. قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ. قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الْإِيمَانِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: خُلُقٌ حَسَنٌ . قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: طُولُ الْقُنُوتِ. قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ الْهِجْرَةِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: أَنْ تَهْجُرَ مَا كَرِهَ رَبُّكَ عَزَّ وَجَلَّ . قَالَ: قُلْتُ: فَأَيُّ الْجِهَادِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ عُقِرَ جَوَادُهُ وَأُهْرِيقَ دَمُهُ . قَالَ: قُلْتُ: أَيُّ السَّاعَاتِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: جَوْفُ اللَّيْلِ الْآخِرِ

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس آیا اور کہا اے اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! کس کس نے اس دین کے معاملے میں آپ کی تابعداری کی ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا آزاد نے اور غلام نے، میں نے کہا اسلام کیسے کہتے ہیں؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا پاکیزہ کلام کرنا اور لوگوں کو کھانا کھلانا (اسلام ہے) میں نے کہا ایمان کیا ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا صبر کرنا اور نرم روی اختیار کرنا (ایمان ہے) میں نے کہا کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا (وہ صاحب اسلام سب سے افضل ہے) جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، میں نے کہا کون سا ایمان افضل ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا حسن اخلاق، میں نے کہا کون سی نماز افضل ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا لمبے قیام والی، میں نے کہا کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا رب کی ناپسندیدہ چیزوں کو چھوڑ دینا، میں نے کہا کون سا جہاد افضل ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا (وہ مجاہد افضل ہے) جس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دی جاتی ہیں اور جس کا خون بہادیا جاتا ہے، میں نے کہا کون سا وقت افضل ہے؟ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا رات کا آخری حصہ (یا آخری رات کا درمیانہ حصہ)۔ [۲]

النابغہ الجعدی:

ان کا تعلق بنی عامر بن صعصعہ سے تھا،

---

[۱] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۱۱۹۳/۳

[۲] مسند احمد ۱۹۴۳۵، مسند عبد بن حمید ۳۰۰

وَكَانَ يذكر فِي الجاهلية دين إِبْرَاهِيم والحنيفية، ويصوم ويستغفر فِيمَا ذكروا، وَقَالَ فِي الجاهلية كلمته التي أولها:
جب ہر طرف گمراہی پھیلی ہوئی تھی یہ دین ابراہیم اور دین حنیف کی باتیں کیا کرتے تھے، روزے رکھتے اور استغفار کرتے تھے، اور دور جاہلیت میں یہ کہا کرتے تھے

الحمد لله لا شريك لَهُ   من لم يقلهافَنَفسه ظلَما

وفيها ضروب من دلائل التوحيد، والإقرار بالبعث والجزاء، والجنة والنارعمر الجعدي بعده عمرًا طويلًا قَالَ ابْن قتيبة:عمر النابغة الجعدي مائتين وعشرين سنة، ومات بأصبهان
اپنے کلام میں توحید باری تعالیٰ، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کے مطابق جزاوسزا کا ذکر کرتے تھے، انہوں نے بھی بعد میں اسلام قبول کر لیا تھا، عمرالجعدی نے لمبی عمر پائی، ابن قتیبہ کہتے ہیں عمرالنابغہ الجعدی نے دوسوبیس سال کی عمر پائی اور اصفہان میں وفات پائی۔[1]

امیہ بن ابی صلت ثقفی:

نبوت ورسالت کسبی یا وراثتی چیز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنی ریاضت، کوشش یا علمیت سے اس منصب جلیل کو حاصل کر لے، یہ تو رب کی نظر کرم ہے کہ انسانوں میں سے بہترین انسان کو منتخب فرما کر اسے فطرت سلیم، دانائی، ضبط وتحمل اور بردباری عطا فرما کر بہترین خاندانوں میں پیدا کرتا ہے، اور جب وہ شخص پوری عمر کا ہو جاتا ہے جو زیادہ تر چالیس سال کہی جاتی ہے تو اسے باضابطہ طور پر وحی بھیج کر لوگوں کی ہدایت کے لئے کھڑا کرتا ہے، اور اگر ضرورت سمجھتا ہے تو اس پر اپنی کتاب نازل کرتا ہے تاکہ انسان ادھر اُدھر بھٹکتا نہ پھرے بلکہ ان کتابوں سے رہنمائی حاصل کر کے صراط مستقیم پر گامزن رہے، آپ نبیوں کی پوری پوری سیرتیں پڑھ لیں یہ کہیں نہ پائیں گے کہ کسی نبی نے کبھی یہ فرمایا ہو کہ کیونکہ وہ ایک اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا اس لئے اسے امید تھی کہ اسے رسول منتخب کر لیا جائے گا یا کسی نبی کی اولاد نے یہ کبھی کہا ہو کہ کیونکہ وہ نبی کی اولاد ہے اس لئے نبوت اس کا حق بن گیا ہے اگر ایسا ہوتا تو یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہی نبی ہوتے مگر نبوت صرف یوسف علیہ السلام کو ملی، اسی طرح اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے مگر رسالت کسی کو بھی نہیں ملی، الغرض کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ کیونکہ وہ رب کا بڑا عبادت گزار اور فرمابردار ہے، بڑے چلے اور بڑی ریاضت کرتا ہے اس لئے رسالت اس کے لئے لکھ دی گئی ہے، ایسا بالکل نہیں، یہ تو رب کا کام ہے جو دلوں کے بھید جانتا ہے کہ کس شخص کو اس عظیم کام کے لئے کھڑا کرنا ہے، یہ شخص امیہ بن ابی الصلت ثقفی بڑا زیرک آدمی تھا، طائف کا رئیس اور شاعر بھی تھا، تجارت کرتا تھا اور اسی سلسلہ میں اس کا شام آنا جانا رہتا تھا، یہودی عالموں اور عیسائی راہبوں نے اپنی کتابوں میں پڑھ کر جن میں آپ کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی واضح صفات لکھی ہوئی تھیں اور عربی کاہنوں نے جن کی خبروں کا دارومدار جنوں اور شیاطین پر تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ علیہ السلام کے زمانہ کے نزدیک آنے کی خبریں دینی شروع کر دی تھیں مگر عرب اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے تھے اور اپنے بتوں کی دنیا میں مگن تھے، اس شخص نے یہودیوں کی چند مذہبی کتابیں بھی پڑھ لیں اور خود کو ابلیس کی طرح بہت بڑا سمجھنے

---

[1] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ۴/۱۵۱۵

لگے،اس کے دل میں یہ خیال پختہ ہوگیا کہ آنے والے نبی یہ صاحب ہی ہوں گے،یہ اپنے اشعار میں حکمت کی باتیں،توحید کا ذکر،باری تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور جنت وجہنم کا ذکر کرتے لیکن جب اللہ نے بنو ہاشم سے محمد ﷺ بن عبد اللہ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور اسے پتہ چلا تو اس کے خیالوں کی پوری عمارت دھڑم سے گر گئی،وہ غصے سے مغلوب ہو کر کف افسوس ملنے لگا چنانچہ اس نے خاتم النبیین ﷺ پر ایمان تو کیا لاناتھا کیونکہ اس نے کسی دوسرے نبی پر ایمان لانا اپنی شان و مرتبت کے خلاف سمجھا اور ابلیس کی طرح جو آدم علیہ السلام کا مرتبہ و منزلت دیکھ کر رب کے حکم کو ٹھکرا کر راندہ درگاہ ہوگیا،اسی طرح یہ شخص بھی بغض وحسد میں مبتلا ہوگیا اور ایمان کے بجائے کفر کی راہ اختیار کی،حسد اتنی بری چیز ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ حاسد شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا یہ شخص بھی ایک مرتبہ مسلمان ہونے کے لئے مدینہ میں آیا مگر اس کے بغض وحسد نے اسے اس سعادت سے محروم رکھا اور جس طرح آیا تھا اسی طرح کائنات کی سب سے بڑی نعمت کو ٹھکرا کر خالی ہاتھ واپس چلا گیا۔

وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: وَقَالَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْت، يَرْثِي مَنْ أُصِيبَ مِنْ قُرَيْش يَوْمَ بَدْرٍ كَانَ أمية بْن أَبِي الصلت يشرب، قَالَ: فجاء غراب فنعب نعبة، ثم أقبل عَلَى أصحابه، فَقَالَ: تدرون ما قَالَ هذا الغراب؟ زعم أني أشرب هذا الكأس، ثم أتكئ، فأموت قَالَ: فشرب الكأس، ثم اتكأ، فمات

ابن اسحاق کہتے ہیں جب جنگ بدر برپا ہوئی تو امیہ بن ابو صلت نے قتل ہونے والے مشرکین سرداروں پر آنسو بہائے اور مرثیے لکھ کر دین اسلام کے خلاف اپنے بغض وعناد کا اظہار کیا،امیہ بن ابی صلت ایک مرتبہ چند نوجوانوں کے ساتھ شراب سے شغل میں مصروف تھا کہ ایک کوا اس کے سر پر آکر بیٹھا اور دو تین مرتبہ آوازیں نکال کر اڑ گیا،اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا جانتے ہو اس کوّے نے کیا کہا ہے،انہوں نے نفی میں جواب دیا،اس پر یہ کہنے لگا وہ یہ کہہ کر گیا ہے کہ امیہ شراب کا تیسرا پیالہ پینے کے بعد تکیہ لگانے پر مر جائے گا۔[1]

فَقَالَ لَهُ أَصْحَابه مَا أَكثر مَا سمعنَا مثل هَذَا مِنْك بَاطِلا، فألحوا عَلَيْهِ حَتَّى شرب الكأس فَمَال فِي شقّ وأغمي عَلَيْهِ ثمَّ أَفَاق فَقَالَ لَا بَرِيء فأعتذر وَلَا قوي فأنتصر ثمَّ خرجت نَفسه

ساتھیوں نے کہا کوّے کی بات ہم ابھی جھوٹی کر دیں گے،چنانچہ امیہ نے اپنے ساتھیوں کی باتوں میں آ کر کہا اچھا شراب کے جام بھرو اور پیو،شراب کا دور چلنے لگا،جب امیہ نے شراب کا تیسرا جام پیا تو اس پر غشی طاری ہوگئی جب ہوش آیا تو چند شعر پڑھے اور ایک لمبی سانس لے کر وہی ڈھیر ہوگیا۔[2]

أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو قَالَ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ هُوَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ کا قول،اور اے نبی!ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے اپنی آیات کا علم عطا

---

[1] تاریخ بغداد ۶/۵۰۵،تاریخ دمشق ۹/۲۸۵

[2] الوافی بالوفیات ۹/۲۲۷

کیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا۔ (الاعراف ۱۷۵)

امیہ بن ابی صلت کے بارے میں نازل ہوئی۔ [1]

ان کے لوگوں کے علاوہ سوید بن عمرو المصطلقی، وکیع بن سلمہ بن زہیر الایادی، عمرو بن جندب الجہنی، عامر بن الظرب، البعدوانی، علاف بن شہاب التمیمی، المتلمس بن امیہ الکنانی، زہیر بن ابی سلمیٰ، خالد بن سنان بن غیث العبسی، عبد اللہ القضاعی کے نام بھی تاریخ میں ملتے ہیں جنہیں حنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہ سب لوگ علی الاعلان توحید کو اصل دین کہتے تھے اور مشرکین کے مذہب سے اپنی بے تعلقی کا صاف صاف اظہار کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کا شجرہ نسب

جیسا کہ انبیاء و رسل کا ہمیشہ ہوتا ہے آپ ﷺ کا نسب تمام انساب میں اشرف و اعلیٰ ہے،

عَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِي وَدَاعَةَ، قَالَ: جَاءَ العَبَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَأَنَّهُ سَمِعَ شَيْئًا فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: مَنْ أَنَا؟ قَالُوا: أَنْتَ رَسُولُ اللهِ عَلَيْكَ السَّلَامُ. قَالَ: أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ الخَلْقَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَيْنِ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ فِرْقَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوتًا فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمْ بَيْتًا وَخَيْرِهِمْ نَفْسًا.

مطلب بن ابی وداعہ فرماتے ہیں عباس بن عبد المطلب نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے گویا کہ وہ (قریش وغیرہ سے) کچھ سن کر آئے تھے چنانچہ نبی اکرم ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، آپ پر سلامتی ہو، پھر فرمایا کہ میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو ان میں سے بہترین لوگوں سے مجھے پیدا فرمایا پھر دو گروہ کیے اور مجھے ان دونوں میں سے بہتر گروہ میں سے پیدا کیا، پھر ان کے کئی قبیلے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین قبیلے میں پیدا کیا، پھر ان میں سے کئی گھرانے بنائے اور مجھے ان میں سے بہترین گھرانے میں پیدا فرمایا اور سب سے اچھی شخصیت بنایا۔ [2]

قَالَ اِنَّ اللهَ خَلَقَ خَلْقَهُ ثُمَّ فَرَّقَهُمْ، فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ الْفِرْقَتَيْنِ، ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ، فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً، ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُيُوتًا، فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِهِمْ بَيْتًا، فَأَنَا خَيْرُكُمْ بَيْتًا، وَخَيْرُكُمْ نَفْسًا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے ان سب میں افضل بنایا، پھر قبائل میں انتخاب کیا تو مجھے سب سے اعلیٰ قبیلہ میں پیدا کیا، پس میں شخصی اور گھرانہ ہر دو کے اعتبار سے سب انسانوں سے افضل ہوں۔ [3]

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الأَسْقَعِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ، إِسْمَاعِيلَ،

---

[1] السيرة النبوية لابن كثير۱۲۲/۱،الموسوعة في صحيح السيرة النبوية۲۵۹/۱

[2] جامع ترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ بَابٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۳۶۰۸ ،فضائل الصحابة لاحمدبن حنبل ۱۸۰۳

[3] مسندابن ابی شیبة ۹۱۹ ، مسند احمد ۱۷۸۸، المعجم الكبير للطبرانی ۶۷۶ ،دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني۵۸/۱

وَاصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ بَنِي كِنَانَةَ، وَاصْطَفَى مِنْ بَنِي كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ.

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمایا پھر ان کی اولاد میں بنو کنانہ کو اور بنو کنانہ سے قریش کو منتخب فرمایا پھر قریش میں بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں مجھے منتخب فرمایا۔ ①

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إن الله اصطفى من ولد آدم إبراهيم واتخذه خليلاً، ثم اصْطَفَى مِنْ وَلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ، ثم اصْطَفَى مِنْ ولد إِسْمَاعِيلَ نزاراً، ثم اصطفى من ولد نزار مضر، واصطفى من ولد مضر كِنَانَةَ،ثم اصْطَفَى مِنْ كنانة قريشاً،، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ،وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، واصطفاني من بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی زریت سے ابراہیم کو پیدا فرمایا اور اپنا خلیل بنایا پھر ابراہیم علیہ السلام سے اسماعیل علیہ السلام کو پیدا فرمایا پھر اسماعیل علیہ السلام سے نزار کو پیدا کیا پھر نزار سے مضر کو پیدا کیا پھر مضر سے کنانہ قریش کو پیدا کیا پھر قریش سے بنی ہاشم کو پیدا کیا پھر بنی ہاشم سے بنو عبد المطلب کو بنایا اور بنو عبد المطلب سے مجھے انتخاب فرمایا۔ ②

عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَسَمَ اللَّهُ الْأَرْضَ نِصْفَيْنِ فَجَعَلَنِي فِي خَيْرِهِمَا. ثُمَّ قَسَمَ النِّصْفَ عَلَى ثَلَاثَةٍ فَكُنْتُ فِي خَيْرِ ثُلُثٍ مِنْهَا. ثُمَّ اخْتَارَ الْعَرَبَ مِنَ النَّاسِ. ثُمَّ اخْتَارَ قُرَيْشًا مِنَ الْعَرَبِ. ثُمَّ اخْتَارَ بَنِي هَاشِمٍ مِنْ قُرَيْشٍ. ثُمَّ اخْتَارَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ. ثُمَّ اخْتَارَنِي مِنْ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے عربوں کو پسندیدہ ٹھہرایا ان میں سے کنانہ یا نضر بن کنانہ کو ان میں سے قریش کو، قریشیوں میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو اپنی پسندیدگی کا شرف بخشا۔ ③

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَيْرٍ قال: قال رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللَّهَ اخْتَارَ الْعَرَبَ فَاخْتَارَ كِنَانَةَ مِنَ الْعَرَبِ وَاخْتَارَ قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاخْتَارَ بَنِي هَاشِمٍ مِنْ قُرَيْشٍ وَاخْتَارَنِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ

عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن عبید بن عمیر سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پسندیدگی عربوں کی طرف ہوئی، عربوں میں سے بنی کنانہ ، کنانیوں میں سے قریش، قریشیوں میں سے بنی ہاشم اور ہاشمیوں میں سے میرے ساتھ یہ پسندیدگی خاص کی گئی۔ ④

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدنان سے اوپر اہل نسب نے غلط بیانی کی ہے، اس لئے سب ماہرین انساب عدنان تک متفق ہیں جو اس طرح

---

① جامع ترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ بَابٌ فِي فَضْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۳۶۰۵ ،مسند احمد۱۶۹۸۷،مصنف ابن ابی شیبة۳۱۷۳۱

② مسند احمد۱۶۹۸۶

③ ابن سعد۱/۱۸

④ ابن سعد۱/۱۸

ہے، محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیٰ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، تمام اہل انساب کے نزدیک مضر اور ربیعہ قبائل اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔

عدنان:

اسماعیل کے دوسرے نامور فرزند قیدار کی اولاد میں اکیس پشت کے بعد عدنان پیدا ہوئے، یہ نہایت اولوالعزم شخص تھے، ان کے معد اور عک دو بیٹے تھے، عک نے حجاز سے اٹھ کر یمن میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی،

من حَدِيث بن عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ عَدْنَانُ وَمَعَدٍّ وَرَبِيعَةُ وَمُضَرُ وَخُزَيْمَةُ وَأَسَدُ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ فَلَا تَذْكُرُوهُمْ إِلَّا بِخَيْرٍ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں عدنان، معد اور ربیعہ اور خزیمہ اور اسد یہ سب ملت ابراہیمی پر تھے، اس لئے ان کا ذکر خیر اور بھلائی کے ساتھ کرو۔ [١]

وَرَوَى الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ مِنْ وَجْهٍ آخَرَ مَرْفُوعالَا تَسُبُّوا مُضَرَ وَلَا رَبِيعَةَ فَإِنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ

اس کے علاوہ زبیر بن بکار مرفوعا روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مضر اور ربیعہ کو برا مت کہو وہ اسلام پر تھے۔ [٢]

معد بن عدنان:

ان کی کنیت ابونزار تھی، یہ عربوں کے مورث اعلیٰ تھے، بڑے بہادر اور جنگجو تھے، ساری عمر بنی اسرائیل سے جنگ اور مقابلہ میں گزاری وہ میدانی اور چھاپہ مار جنگوں میں جس سے بھی نبرد آزما ہوئے ہمیشہ کامیاب و کامران لوٹے،

وكان معد بن عدنان على عَهْدَ بُخْتَ نَصَّرَ

معد بن عدنان بخت نصر کا ہم عصر تھا۔ [٣]

٨٨٧ قبل مسیح جب بخت نصر نے عرب پر دوسرا حملہ کیا تو معد کو شام لے جایا گیا تھا جب بخت نصر کا دباؤ عرب سے اٹھ گیا تو معد بھی واپس عرب آ گئے اور بنو جرہم کو تلاش کر کے جرہم بن جہمہ کی لڑکی سے شادی کی جن سے ایک بیٹا نزار پیدا ہوا

فقال :من قنص بن معد

نزار کا ایک بھائی قنص بھی تھا جو قنصی کہلایا، انہیں ٥٨٧ قبل مسیح بخت نصر کا ہم عصر بتایا جاتا ہے۔ [٤]

---

[١] فتح الباری ٧/١٦٤

[٢] فتح الباری ٦/٧، ١٦٤/٥٢٨، انساب الاشراف للبلاذری ١/٢٩

[٣] انساب الاشراف للبلاذری ١/٢٢، ابن سعد ١/٤٨

[٤] انساب الاشراف للبلاذری ١/٢٣

نزار:

وَقِيلَ لِأَنَّهُ كَانَ يُمَضِّرُ الْقُلُوبَ لحسنه وجماله قَوْله بن نِزَارٍ هُوَ مِنَ النَّزْر

یہ عقل و دانش اور حسن و جمال میں اپنے ہم عصروں میں فوقیت رکھتے تھے اس لئے نزار ان کا نام پڑ گیا۔ [۱]

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نحیف البدن اور لاغر تھے اس لئے ان کا نام نزار پڑ گیا

وَهُمْ مُضَرُ، وَرَبِيعَةُ، وَإِيَادٌ، وَأَنْمَارٌ وَبِهِ كَانَ يُكَنَّى نِزَارٌ

اس کے چار بیٹے مضر، ربیعہ، ایاد اور انمار تھے، ان کی کنیت نزار تھی۔

مضر:

ان کا اصل نام عمرو کنیت ابو الیاس اور لقب مضر تھا، یہ صاحب دولت و ثروت کے ساتھ حکیم و دانائی اور حسن و جمال میں بھی یکتا تھے جو بھی ان سے ملتا ان کا گرویدہ ہو جاتا ان کے والد نے اپنے ترکہ میں سے تمام سرخ رنگ کی چیزیں ان کو دی تھیں

وَكَانَ يُقَالُ لِمُضَرَ: الْحَمْرَاءُ ،كان مضر من أحسن الناس صوتا

اس لئے تاریخ میں مضر الحمرا مشہور ہوئے، یہ بہت ہی خوش الحان تھے۔ [۲]

وَهُوَ أَوَّلُ من حدا الْإِبِلِ

انہوں نے ہی سب سے پہلے اونٹوں کے لئے حدی خوانی کی ابتدا کی۔ [۳]

مِنْ مُرْسَلِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ خَالِدٍ رَفَعَهُ لَا تَسُبُّوا مُضَرَ فَإِنَّهُ كَانَ قَدْ أَسْلَمَ

عبد اللہ بن خالد سے مرسلا روایت ہے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا مضر کو برا مت کہو وہ مسلمان تھا۔ [۴]

ان کے چند حکیمانہ اقوال بھی مشہور ہیں۔

مضر کی اولاد دو بڑے قبیلوں میں تقسیم ہوئی۔

الیاس:

ان کا لقب کبیر قوم تھا، بیت اللہ کی طرف ہدی بھیجنے کی سنت سب سے پہلے انہوں نے ہی جاری کی تھی، ان کے تین بیٹے تھے۔

۱۔عمرو (مدرکہ)　　۲۔طانجہ　　۳۔قیس عیلان

۱۔عمرو (مدرکہ):

---

[۱] فتح الباری ۷/۱۶۴

[۲] انساب الاشراف للبلاذری ۱/۲۹

[۳] فتح الباری ۶/۵۲۹

[۴] فتح الباری ۶/۵۳۰، ابن سعد ۱/۴۸، انساب الاشراف للبلاذری ۱/۲۹

جمہور علما کا قول تو یہ ہے کہ ان کا نام عمرو تھا جبکہ محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ ان کا نام عامر تھا اور مدرکہ ان کا لقب تھا ان کی کنیت ابو ہذیل تھی، ایک دفعہ دونوں بھائی جنگل میں اونٹوں کی حفاظت پر مامور تھے کہ کسی وجہ سے اونٹ بھاگ گئے، عمرو نے ان کا تعاقب کیا اور ان کو پکڑ لیا، جبکہ چھوٹا بھائی وہیں انتظار کرتا رہا اور ان کے لئے کھانا تیار کیا، جس کی وجہ سے ان کے والد نے عمرو کو مدرکہ اور ان کے چھوٹے بھائی کو طانجہ کا خطاب دیا، یہ خطاب اصل نام پر غالب ہو گیا، اللہ نے ان کو ہر طرح کی عزت و رفعت عطا فرمائی، ان سے دو بیٹے خزیمہ جن کی کنیت ابو الاسد تھی اور ہذیل ہوئے۔

کنانہ:

یہ عرب میں بڑے جلیل القدر تھے جس کی وجہ سے لوگ ان سے ملاقات کے لئے دور دراز سے آتے تھے۔

نضر:

واسمه قيس ولقب بالنضر لنضارة وجهه وإشراقه وجمالها

ان کا اصل نام قیس تھا اور لقب نضر تھا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہیں نضر کہا جانے لگا۔ [1]

وكذلك النضر ليس له عقب إلا من مالك

نضر نے مالک کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ [2]

مالک بن نضر:

ان کا نام مالک اور کنیت ابو الحارث تھی، یہ عرب کے بڑے سرداروں میں شمار کیے جاتے تھے، کہا جاتا ہے کہ اس نے فہر کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔

فہر بن مالک بن نضر: (تقریباً ۳۲۵ء)

أَنّ فِهْرًا هُوَ قُرَيْشٌ، وَقَدْ قِيلَ إنّ فِهْرًا لَقَبٌ وَاسْمُهُ الّذِي سُمّيَ بِهِ قُرَيْشٌ

فہر بن مالک کا نام قریش تھا اور کہا جاتا ہے کہ فہر ان کا لقب تھا، اور ان کے نام کی وجہ سے قریش پڑ گیا۔ [3]

ان کی والدہ کا نام جندلہ بنت حرث بن مضاض الجرہمی تھا، ان پر قریشی نسب کی انتہا ہوتی ہے،

فَمَنْ كَانَ مِنْ وَلَدِهِ فَهُوَ قُرَشِيّ، وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ وَلَدِهِ فَلَيْسَ بِقُرَشِيّ

جو شخص فہر کی اولاد سے ہو گا وہ قریشی کہلائے گا اور جو اس سے پیدا نہ ہوا ہو گا وہ قریشی نہیں کہلائے گا۔

اور بعض محققین علما اور امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں قریش نضر بن کنانہ کی اولاد کو کہتے ہیں، کنانہ کے چھ بیٹے تھے جن میں صرف نضر کی اولاد

---

[1] شرح الزرقاني على الموهب ۱/۱۴۵

[2] شرح الزرقاني على المواهب ۱/۱۴۴

[3] الروض الانف ۱/۲۳۹

کو قریش کہا گیا ہے، ان کے علاوہ کنانہ کے دوسرے بیٹوں کی نسل کو کسی نے بھی قریش میں شامل نہیں کیا۔

قریش کے نام کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہیں۔

وهو دابة في البحر عظيمة من أقوى دوابه سميت به لقوتها؛ لأنها تأكل ولا تؤكل ، وتعلو ولا تعلى، وكذلك قريش

یہ ایک سمندری جانور کا نام ہے جو بڑا زبردست ہے اور ہر بڑے چھوٹے جانور کو کھالیتا ہے مگر اسے کوئی نہیں کھا سکتا، کیونکہ قریش اپنی بہادری وشجاعت کی وجہ سے سب پر غالب رہتے ہیں اور کسی سے مغلوب نہیں ہوتے اس لئے اس سمندری جانور کی مناسبت سے قبیلہ قریش کہلائے۔ [1]

النّضْرُ بْنُ كِنَانَةَ هُوَ قُرَيْشٌ، وَإِنّمَا سُمّيَ قُرَيْشًا ; لِأَنّهُ كَانَ يُقَرّشُ عَنْ خَلّةِ النّاسِ وَحَاجَتِهِمْ فَيَسُدّهَا بِمَالِهِ وَالتّقْرِيشُ. هُوَ التّفْتِيشُ عَنْ الشّعْبِيّ،وَكَانَ بَنُوهُ يُقَرِشُونَ أَهْلَ الْمَوْسِمِ عَنْ الْحَاجَةِ فَيَرْفِدُونَهُمْ بِمَا يَبْلُغُهُمْ فَسُمّوا بِذَلِكَ مِنْ فِعْلِهِمْ وَقَرْشِهِمْ قُرَيْشًا

امام شعبی رحمہ اللہ کہتے ہیں نضر بن کنانہ کا نام قریش تھا جس کی وجہ سے قریشی نام پڑ گیا تقریش بمعنی تفتیش کے ہے کیونکہ اس خاندان کے آبا وٴاجداد غریب اور نادر لوگوں کی تفتیش اور تلاش کر کے ان کی حاجات اور ضروریات کو پورا کیا کرتے تھے اس طرح حجاج کرام کے حالات دریافت کرتے اور ان کی امداد کیا کرتے تھے اس لئے انہیں قریش کہا گیا۔ [2]

قُرَيْشٌ قُرَيْشًا مِنْ التّقَرّشِ وَالتّقَرّشُ التّجَارَةُ وَالِاكْتِسَابُ

ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے قریش تقرش سے ہے جس کے معنیٰ کسب کرنے، کمانے کے ہیں، چونکہ یہ لوگ تجارت میں بہت مہارت رکھتے تھے اور ان کا یہ پیشہ عالمی شہرت کا حامل تھا اس لئے یہ خاندان اس لقب سے مشہور ہوا۔ [3]

لِأَنّ التّقَرّشَ هُوَ التّجَمّعُ، قُرَيْشًا لِتَجَمّعِهَا مِنْ بَعْدِ تَفَرّقِهَا

یہ بھی کہا جاتا ہے التقرش، التجمع کے معنیٰ میں ہے، بنوکنانہ کے متفرق ہو جانے کے بعد جب قصیٰ بن کلاب نے سب کو حرم میں یک جا کر دیا تو اس اجتماع کے باعث وہ قریش کہلائے۔ [4]

قریش کوئی ایک قبیلہ نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے دس مختلف خاندانوں ہاشم، امیہ، نوفل، عبدالدار، اسد، تیم، مخزوم، عدی، جمحہ، سہم پر مشتمل تھا، یہ غریبوں ومحتاجوں کی خبر گیری کرتے اور اپنے مال واسباب سے ان کی حاجت روائی کرتے تھے۔

فہر کے تین لڑکے غالب، محارب اور حرث تھے۔

[1] شرح الزرقانی علی المواهب ۱/۱۴۴

[2] الروض الانف ۱/۲۳۸

[3] الرروض الانف ۱/۲۳۸

[4] الروض الانف ۱/۲۳۸

غالب بن فہر:(تقریباً ۳۵۰ء):

غالب بن فہر سے دو بیٹے لوی اور تیم الاورم ہوئے۔

لوی بن غالب:(تقریباً ۳۷۵ء)

لوی بن غالب سے پانچ بیٹے عامر، کعب، قرینہ، سعد اور جشم ہوئے۔

کعب بن لوی:(تقریباً ۴۰۰ء):

کعب بن لوی بڑا عظیم القدر شخص تھا۔

كَعْبُ بْنُ لُؤَيّ هَذَا أَوّلُ مَنْ جَمَعَ يَوْمَ الْعَرُوبَةِ وَلَمْ تُسَمّ الْعَرُوبَةُ. الْجُمُعَةَ إلّا مُنْذُ جَاءَ الْإِسْلَامُ فِي قَوْلِ بَعْضِهِمْ وَقِيلَ هُوَ أَوّلُ مَنْ سَمّاهَا الْجُمُعَةَ فَكَانَتْ قُرَيْشٌ تَجْتَمِعُ إلَيْهِ فِي هَذَا الْيَوْمِ فَيَخْطُبُهُمْ وَيُذَكّرُهُمْ بِمَبْعَثِ النّبِيّ صَلّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ وَيُعْلِمُهُمْ أَنّهُ مِنْ وَلَدِهِ وَيَأْمُرُهُمْ بِاتّبَاعِهِ وَالْإِيمَانِ بِهِ وَيَنْشُدُ فِي هَذَا أَبْيَاتًا مِنْهَا قَوْلُهُ:

عربوں کا قومی دن یوم العروبہ تھا، کعب نے یہ نام بدل کر جمعہ رکھ دیا اور جمعہ کے دن لوگوں کو اپنے یہاں جمع ہونے کا طریقہ جاری کیا، جنہیں یہ وعظ و نصیحت کرتے، صلح رحمی کی ترغیب دیتے ان کا خیال تھا کہ آنے والا رسول ان کی اولاد میں سے ہوگا وہ رسول کی بعثت کی خوشخبری سناتے اور لوگوں کو رسول اللہ کی اتباع کی ہدایت کیا کرتے تھے، اس سلسلہ میں ان کی طرف یہ شعر بھی منسوب ہے۔

يَا لَيْتَنِي شَاهِدٌ فَحْوَاءَ دَعْوَتِهِ إذَا قُرَيْشٌ تُبَغّي الْحَقّ خِذْلَانًا

کاش میں ان کی اعلان دعوت کے وقت حاضر ہوتا جس وقت قریش ان کی اعانت سے دس کش ہوں گے۔[۱]

وكان كعب عظيم القدر في العرب. فأرخوا بموته إعظاما له، إلى أن كان عام الفيل فأرخوا به

کعب عرب میں عظمت وشان والا سردار تھا اس کی شان وشوکت کی پاسداری کرتے ہوئے اس کی موت سے تاریخوں کا حساب لگاتے تھے۔[۲]

ابن کثیر کی روایت کے مطابق کعب بن لوی کی موت اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ برس کی دوری ہے، ان کے چار بیٹے بنو معیص، بنو حصل، مرہ اور عدی ہوئے۔

مرہ:(تقریباً ۴۲۵ء):

یہ بہت شجاع، بہادر اور اپنے دشمنوں کے لئے بڑے تلخ تھے اس لئے مرہ کے نام سے موسوم ہوئے،

وَكُبَرَاءِ قُرَيْشٍ الْأَوَائِلِ مِنْهَا يَشْرَبُونَ، وَهِيَ رُمٌّ، وَرُمٌّ: بِئْرُ مُرّةَ ابْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيّ

قریش کے سردار رم نامی کنواں سے ہی پانی پیا کرتے تھے "رم" جو کہ مرہ بن کعب بن لوی کے نام سے مشہور تھا۔

[۱] الروض الانف ۱/۲۹

[۲] الکامل فی التاریخ ۱/۱۳، انساب الاشراف ۱/۴۱

ان کے تین بیٹے تیم، کلاب اور یقیظہ ہوے۔

کلاب بن مرہ:(تقریباً ۴۵۰ء):

ان کا اصل نام حکیم یا عروہ یا مہذب تھا کیونکہ شکاری کتے جمع رکھتے اور ان کتوں سے شکار کھیلا کرتے تھے اس لئے ان کا لقب کلاب پڑ گیا، آپ کی والدہ امنہ کے سکڑ دادا تھے، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے والد اور والدہ کا نسب ان ہی پر جا کر مل جاتا ہے، ان کے بارے میں مشہور ہے کہ موجودہ عربی مہینوں کے نام انہوں نے ہی رکھے تھے، انہوں نے خم نامی کنواں بنی مخزوم کے لئے کھدوایا تھا۔

اس کے دو بیٹے زہرہ اور قصی ہوے۔

قصیٰ بن کلاب:(تقریباً ۴۷۵ء):

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں وَاسْمُ قُصَيٍّ : زَيْدُ ان کا اصل نام زید تھا، یہ خاندان قریش کے جد اعلیٰ اور طاقت وار، سخت مزاج، ثابت قدم، بلند حوصلہ، حکیم و دانا ہونے کی وجہ سے قریش کی ایک درخشندہ و تابندہ شخصیت تھے، ابھی یہ شیر خوار ہی تھے کہ ان کے والد کلاب بن مرہ فوت ہو گئے تو ان کی والدہ فاطمہ بنت سعد نے ربیعہ بن حرام بن ضمنہ بن عبد بن کبیر بن عذرۃ بن سعد بن زید سے جو قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتے تھے عقد کر لیا، وہ انہیں اپنی قوم بنی عذرہ کے علاقہ ملک شام لے گئے، اس طرح یہ اپنے عزاء و اقرباء سے دور رہنے لگے، اس وجہ سے ان کا نام قصیٰ پڑ گیا، مگر ان کے بڑے بھائی زہرہ بن کلاب مکہ ہی میں اپنی قوم کے پاس رہ گئے، قصی جب کچھ بڑے ہوئے تو ربیعہ بن حرام ہی کو اپنا والد سمجھنے لگے، مگر ایک دن ایسا ہوا کہ قصیٰ کا ایک شخص رقیع سے جو قبیلہ قضاعہ سے تعلق رکھتا تھا تیر اندازی کا مقابلہ ہو گیا جس میں قصیٰ جیت گئے، رقیع ان کی جیت برداشت نہ کر سکا اور معاملہ جھگڑے کی صورت اختیار کر گیا اس نزاع میں رقیع نے کہا تو تو ہمارے خاندان کا ہی نہیں اگر تو اتنا ہی اچھا ہے تو اپنے خاندان میں کیوں نہیں چلا جاتا، یہ تعجب انگیز بات سن کر قصیٰ دنگ رہ گئے، گھر آ کر والدہ سے پوچھا کہ ان کے والد اور قبیلہ والے کون ہیں؟ والدہ نے کہا ربیعہ تمہارا والد ہے، قصیٰ نے کہا اگر ربیعہ میرا والد ہوتا تو مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا، بہر حال والدہ نے انہیں بتایا کہ ان کے والد کا نام کلاب بن مرہ ہے، تو اپنی ذاتی حیثیت، والد کی حیثیت اور خاندان کی حیثیت سے اس خاندان سے کہیں زیادہ اشرف اور معزز ہے، اور تیری قوم مکہ میں بیت اللہ کے پاس آباد ہے، اب قصیٰ نے اپنے لوگوں میں جانے کی ٹھان لی اور جب قضاعہ کے چند لوگ حج کے لئے روانہ ہوئے تو یہ بھی ان کے ساتھ چل پڑے، مکہ پہنچ کر اپنے بھائی زہرہ سے ملے جن کی بینائی ختم ہو چکی تھی اور انہیں اپنے مکہ میں رہنے کے بارے میں آگاہ کیا اور مکہ میں ہی مقیم ہو گئے، مکہ کا حکمران اس وقت خلیل بن حبشیہ الخزاعی تھا اور کعبہ کی حجابت یعنی پردہ داری کا منصب بھی اس کے پاس تھا قصیٰ اب جوان ہو چکے تھے انہوں نے اس کی لڑکی جس کا نام حبی بتایا جاتا ہے کے لئے شادی کا پیغام دیا، خلیل نے قصیٰ کے اوصاف دیکھ کر شادی کے پیغام کو شرف قبولیت سے نوازا، شادی کے بعد ان کی اولاد کی شرافت کا چرچا ہونے لگا اس طرح قصیٰ خلیل کے منظور نظر بن گئے اور خلیل انہیں اپنا جانشین بنانے کی سوچنے لگے، کبھی کبھی کعبہ کی چابی وہ قصیٰ کے حوالے بھی کر دیتا تھا تاکہ وہ دروازہ کھول کر لوگوں کو کعبہ کی اندر سے زیارت کرائیں، جب خلیل کا وقت وفات آیا تو اس نے مکہ کی حکومت اور کعبہ کی

تولیت انہی کے سپرد کر دی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ قصیٰ نے خلیل کے بیٹے ابو غبشان سے مکہ کی حکومت ایک مشکیزہ شراب کے بدلے میں خرید کر لی تھی، جب قصیٰ کے پاس کافی مال و دولت جمع ہو گیا اور اس کی اولاد کی شرافت مسلم مانی جانے لگی تو اس کے دل میں مکہ پر حکومت کرنے کا شوق چرانے لگا اس کا خیال تھا کہ قبائل خزاعہ اور بنی بکر کی نسبت مکہ کی حکومت اور کعبہ کی تولیت کے وہ زیادہ حقدار ہیں کیونکہ اسماعیل علیہ السلام کی خالص اولاد قریشی ہی ہیں، چنانچہ ان کی رائے سے متفق ہو کر قریش بنی کنانہ، قصیٰ کے ماں جائے بھائی رزاح بن ربیعہ اور قبیلہ قضاعہ متحد ہو کر خزاعہ اور بن بکر کے خلاف کھڑے ہو گئے، اس وقت الیاس بن مضر کے خاندان بنوغوث بن مرہ کی اولاد سے جو قبیلہ صوفہ کہلاتا تھا اسے یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ حاجیوں کو ارکان حج کی اجازت دے، تیرہ ذی الحجہ کو مزدلفہ سے رمی جمار کے لئے سب سے پہلے یہی قبیلہ صوفہ ہی آیا کرتا تھا جب یہ لوگ رمی سے فارغ ہو جاتے تو دوسرے لوگوں کو رمی کی اجازت ملتی تھی، اور منی سے روانگی ہوتی تو یہی صوفہ منی کی واحد گزر گاہ عقبہ کے دونوں جانب گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک خود گزر نہ جاتے اس وقت تک کسی کو گزرنے کی اجازت نہ تھی، ان کے راستہ خالی کر دینے کے بعد لوگ گزرتے، جب صوفہ ختم ہو گئے تو یہ اعزاز بنو تمیم کے ایک خاندان بنوسعد بن زید مناۃ کی طرف منتقل ہوا، قصیٰ جب یہ فیصلہ کر چکا کہ یہ خدمت اب وہ سرانجام دے گا تو وہ اپنے حواریوں کے ساتھ قبیلہ صوفہ کے آنے سے بیشتر منٰی میں جمرات کے پاس پہنچ گیا اور ان کے ساتھ یہ کہتے ہوئے مزاحمت کی کہ وہ ان کی نسبت اس خدمت کے زیادہ حقدار ہیں، تو تکرار میں آخر نوبت جنگ تک پہنچ گئی جس میں دونوں طرف کے بے شمار لوگ مارے گئے مگر پلڑا قصیٰ کی طرف جھک گیا اور بنوصوفہ کو شکست ہوئی اور قصیٰ کی اجازت سے لوگوں نے رمی کی، یہ دیکھ کر بنوخزاعہ اور بنوبکر کو بھی اپنے مستقبل کی فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں انہیں بھی کعبہ کی خدمت اور مناسب سے محروم نہ کر دیا جائے، اس لئے وہ بھی قصیٰ سے مقابلہ کے لئے کھڑے ہو گئے، مگر آخر کار قتل و قتال کے بعد مجبور ہو کر انہوں نے یعمر بن عوف کو حکم مقرر کیا کہ وہ قصیٰ سے صلح کرائے، یعمر بن عوف نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ کی نسبت قصیٰ بن کلاب مکہ کی حکومت اور کعبہ کی تولیت کا زیادہ حقدار ہے، اس لئے مکہ کی حکومت اس کے حوالے کر دی جائے، قصیٰ کے ہاتھوں جتنے لوگ مارے گئے ہیں ان کا خون بہا بھی اس کے ذمہ نہیں ہے، جبکہ بنوخزاعہ اور بنوبکر نے قریش، بنی کنانہ اور قضاعہ کے جتنے آدمی قتل کیئے ہیں ان کا خون بہا ان کے ذمہ واجب الادا ہے، اس فیصلہ کی وجہ سے یعمر کا لقب شداخ پڑ گیا اس طرح ۴۴۰ء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ایک سو تیس سال قبل مکہ کی حکومت بزور شمشیر قبیلہ خزاعہ سے قصیٰ بن کلاب قریشی کی طرف جو بنو اسماعیل میں عدنان دوم کی پندرہویں پشت سے تھا منتقل ہوئی، قصیٰ نے ۴۴۰ء میں مکہ میں وفاقی حکومت کی بنیاد رکھی۔

قصیٰ کے کارنامے:

قصیٰ نے بچپن میں حدود شام میں تربیت پائی تھی، جہاں اس نے تہذیب زندگی، نظم حکومت اور تاسیس قومیت کے اصول سیکھے تھے، حکومت ملنے کے بعد اس نے مکہ کی تمدنی، معاشرتی، معاشی اور سیاسی ترقی کے لئے عظیم الشان کارنامے سرانجام دیئے جس سے ان کی قوم ترقی کی راہ

پر گامزن ہو کر اوج کمال تک پہنچ گئی، قصیٰ ایک بیدار مغز حکمران تھا عرب میں اسے خاص اقتدار حاصل تھا اور لوگ اس کے مطیع و فرمابردار تھے، انہوں نے قبائل قریش کے باہمی اختلافات کو ختم کر کے ان کو متحد کر دیا، اور نظام مملکت چلانے کے لئے چودہ مختلف عہدے قائم کئے جو قریش کے دس عہدہ داروں پر منقسم تھے۔

ا۔حجابت (بیت اللہ کی دربانی اور مسجد حرام کی خدمت)

۲۔سقایت (حجاج کو زمزم کا پانی پلانا)

۳۔رفادیت (قبائل کے جمع شدہ چندے سے فقراء، مساکین، حجاج اور مسافرین کی اعانت اور امداد کرنا)

۴۔عمارت (مسجد حرام اور بیت اللہ کی حفاظت تعمیر اور مرمت)

۵۔سفارت (دو فریقوں کا کسی معاملہ میں مراسلت کرنا)

۶۔ندوہ (مشورہ کرنا)

۷۔قبہ (جنگ کے وقت لشکر کی رہائش کے لئے خیموں کا بندوبست کرنا)

۸۔بواء یا عقاب (علم برداری)

۹۔اعنہ (باوقت جنگ یا گھوڑ دوڑ کے وقت گھوڑوں اور سواروں کا انتظام کرنا)

۱۰۔اشناق (قبائل کے باہمی منافشات دور کرنے کے لئے دیت یا تاوان کا ادا کرنا، اور جس شخص میں اسے ادا کرنے کی سکت نہ ہو اس کی مدد کرنا)

۱۱۔اموال محجرہ (بتوں کے نام وقف کیے گئے اموال موقوفہ)

۱۲۔ایسار و الام (تیروں سے فال نکالنا)

قائم کیے اور سب عہدے اپنے ہاتھ میں رکھے، پھر ایک مجلس مشاورت قائم کی جو دس بڑے قبائل کے معمر، جہاں دیدہ اور تجربے کار سرداروں پر مشتمل تھی، اس کونسل میں داخلہ کے لئے کم از کم چالیس سال کی عمر کا ہونا ضروری تھا البتہ حاکم شہر کے بیٹے اعزازی طور پر عمر کی اس شرط سے مستثنیٰ تھے، بعد میں قریش نے اپنے دور میں ان شرائط کو کافی نرم کر دیا تھا جس کی وجہ سے ابو جہل کو اس کی اصابت رائے اور اعلیٰ صلاحیت کے پیش نظر تیس سال کی عمر میں اس کونسل کا ممبر بنا دیا گیا، اسی طرح حکیم بن حزام کو پندرہ یا بیس سال کی عمر میں یہ اعزاز حاصل ہو گیا، یہ کونسل مالی قوانین اور تعزیراتی احکامات صادر کرتی تھی، اہل مکہ عربی کلچر اور معاشرت کے اس قدر پابند تھے کہ ان کے نزدیک اسے چھوڑنا مذہبی، ملی اور قومی تمدن کی صریح خلاف ورزی سمجھی جاتی تھی، اس کے علاوہ ان کے سامنے بیت اللہ بھی جلوہ فگن اور رونق افروز تھا اس کے قرب و جوار میں مکان بنانا اس کی بے حرمتی سمجھتے تھے، اس لئے قصیٰ سے پہلے نہ ان کا کوئی باضابطہ مکان ہوتا تھا اور نہ ہی وہ تمدن اختیار کرتے تھے، لوگ دن تو حرم میں گزارتے مگر رات گزارنے کے لئے دور ندی نالوں کے کنارے اپنے خیموں یا کھجور کی شاخوں سے قبہ نما چار میٹر لمبی چوڑی جھونپڑیوں اور غاروں میں چلے جاتے تھے، اس لئے مجلس شوریٰ کا اجلاس کسی کھلی جگہ یا اپنے سردار کے خیمہ میں منعقد ہوتا تھا لیکن

قصیٰ نے اس میں جدت پیدا کی، ان کی قوم پراگندہ تھی اور ان کی کوئی شیرازہ بندی نہ تھی، قصیٰ نے انہیں تہذیب وتمدنی زندگی سے روشناس کرنے کے لئے شہری آبادی کی طرف بھرپور توجہ کی، اس کا خیال تھا کہ بیت اللہ کے چاروں طرف مکانات بن جانے سے یہ محفوظ ہوجائے گا مگر قریش بیت اللہ کے رعب وجلال اور بیت اللہ کی تعظیم وتکریم کے پیش نظر اس کے قریب مکان بنانے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے تھے، قصی نے عوام کو آمادہ کرنے کے لئے یہ استدلال کیا کہ اگر تم عبادت گاہ کے اطراف رہنے لگو تو لوگ تم سے ڈرا کریں گے اور لوٹ مار کے لئے تم پر حملہ کرنے سے باز آجائیں گے،

وَيَزْعُمُ النَّاسُ أَنَّ قُرَيْشًا هَابُوا قَطْعَ شَجَرِ الْحَرَمِ فِي مَنَازِلِهِمْ فَقَطَعَهَا قُصَيٌّ بِيَدِهِ وَأَعْوَانِهِ، فَسَمَّتْهُ قُرَيْشٌ مُجَمِّعًا لِمَا جَمَعَ مِنْ أَمْرِهَا، وَتَيَمَّنَتْ بِأَمْرِهِ

لیکن پھر لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ قریش اپنے گھروں میں حرم کے درخت قطع کرنے سے ڈرتے ہیں، جب قصی نے یہ سنا تو اس نے (لوگوں کے دلوں سے ڈر وخوف کو دور کرنے کے لئے پہل کرتے ہوئے) سب سے پہلے اپنے ہاتھ سے اپنے گھر کا درخت کاٹ ڈالا، قریش نے اس کی اس بات کو مبارک سمجھا اور اس کی تقلید کرنے لگے۔[1]

اور قصی نے خود ہی اپنے لئے مکان تعمیر کیا اور پھر شمال میں حطیم کے سامنے ایک بڑا وسیع مکان تعمیر کرایا جس کا کافی کشادہ صحن تھا اور دروازہ کعبہ کی طرف کھلتا تھا اس مکان کا نام دار الندوہ رکھا گیا، قریش جب کسی اہم کام کا مشورہ کرنا چاہتے بغیر کسی معینہ وقت کے اسی جگہ جمع ہوکر باہم مشورہ کرتے، یہیں اجتماعی، تجارتی، عدالتی، سیاسی احکام اور فیصلے ہوتے، یہیں جنگی تیاریوں کے انتظامات کے تمام امور طے ہوتے،

وَلَا يَعْقِدُونَ لِوَاءً لِحَرْبِ قَوْمٍ مِنْ غَيْرِهِمْ إِلَّا فِي دَارِهِ

اور دار الندوہ ہی میں جنگ کا پرچم قصیٰ کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا،

شادی بیاہ اور نکاح پڑھائے جاتے، لڑکی کی بلوغ اور قابل نکاح ہونے کا اعلان کرنے کے لئے تاکہ خواہشمند آگاہ ہوکر رونمائی کے لئے آسکیں رسومات بھی یہی ادا کی جاتی تھیں، اس کا طریقہ یہ تھا،

وَمَا تَدَّرِعُ جَارِيَةٌ إِذَا بَلَغَتْ أَنْ تَدَّرِعَ مِنْ قُرَيْشٍ إِلَّا فِي دَارِهِ، يَشُقُّ عَلَيْهَا فِيهَا دِرْعَهَا ثُمَّ تَدَّرِعُهُ، ثُمَّ يَنْطَلِقُ بِهَا إِلَى أَهْلِهَا

لڑکی کو بے نقاب یہاں لایا جاتا اور اسے ایک پوری قمیص (ورع) پہنائی جاتی پھر وہ بے نقاب ہی واپس گھر جاتی جہاں اس پر پابندیاں عائد ہوجاتیں۔[2]

قریش کی قومی تقریبات بھی یہیں ہوتیں، اور تقریب اور مجالس کے انعقاد کا ڈھنڈورا پیٹتے، بیرونی مہمان آتے تو ان کی ضیافت بھی یہیں ہوتی، الغرض ہر طرح کے اجتماعات یہیں منعقد ہوتے، اس کے علاوہ شہر میں جتنی قبائلی آبادیاں تھیں اتنے ہی مجالس محلہ بھی تھے جن کو نادی کہا جاتا تھا، ان نادیوں میں اجنبیوں کو معاہدے کے ذریعے سے مولا یعنی فرد خاندان بنانے کی رسم بھی انجام دی جاتی تھی اور کسی فرد خاندان

---

[1] ابن ہشام ۱/۱۲۵، الروض الانف ۲/۳۳، تاریخ طبری ۲/۲۵۸

[2] ابن ہشام ۱/۱۲۵، الروض الانف ۲/۳۴، تاریخ طبری ۲/۲۵۹

کو بے راہروی وغیرہ پر جات باہر (طرد یا خلع) کرنے کا اعلان بھی وہیں کیا جاتا تھا، محلے والے اور بعض وقت دیگر محلوں کے دوست بھی چاندنی راتوں میں یہاں جمع ہو کر شبانہ قصہ گوئی اور شعروشاعری کیا کرتے تھے۔ تجارتی معاملات اور کاروانوں کی آمد یا روانگی بھی انہیں نادیوں سے ہوا کرتی تھی مگر جب وہ سفر سے واپس آتے تو قصیٰ کے فضل وشرف کے اعتراف کے طور پر دار الندوہ میں اترتے، مظلوم اجنبی وہیں آ کر اہل شہر کے خلاف دہائی دیتے، قریش کی شکست کا پیشگوانہ خواب ایک عورت نے دیکھا تو اس پر بحث بھی وہیں ہوئی، عربوں کا باعزت پیشہ سوداگری اور تجارت تھا قصیٰ نے قریش کے تجارتی کاروانوں کو جو دو تین ہزار اونٹوں مشتمل ہوتے تھے منظم کیا جن پر سونا، چاندی، چمڑا، گھی اور دوسرا سامان تجارت ہوتا تھا (رسول اللہ ﷺ کے قتل کا مجرمانہ فیصلہ بھی اسی ایوان عدالت میں بیٹھ کر صادر کیا گیا تھا) اس طرح قصیٰ نے ایوان زیریں اور دوسرا ایوان بالا پر مشتمل ایک پارلیمانی نظام قائم کر دیا، اور دار الندوہ قریش کا پارلیمنٹ ہاوس تھا جو ان کی وحدت کا ضامن تھا اور یہیں ان کے ہر طرح کے الجھے ہوئے معاملات بحسن وخوبی حل ہوتے تھے اور قصیٰ جس کا کوئی حریف ومدمقابل نہ تھا اس دار الشوری کا مطلق العنان اور بااقتدار بادشاہ تھا، اس طرح وہ قومی وانفرادی نوعیت کی تمام مشکلات میں قوم کے ہیرو بنے ہوئے تھے (خلیفہ المستنصر کے دور میں یہ عمارت گرادی گئی اور نئی بنیادیں کھود کر مسجد تعمیر کی گئی) اس کی یہ سکیم نتیجہ خیز ثابت ہوئی اور قریش نے قصٰی کے حکم کے مطابق کعبہ کے چاروں طرف کھلی جگہ میں کعبہ سے کچھ فاصلہ چھوڑ کر (اس فاصلہ کو المفروش کہا جاتا تھا جسے اب حرم یا مطاف کہا جاتا ہے) کچے اور سادہ مٹی گارے اور پتھروں سے تھوڑے تھوڑے فاصلے سے چاروں طرف ایک منزلہ رہائشی مکانات مکان بنائے جن کے دروازے بیت اللہ کی طرف تھے تا کہ کعبہ تک آنے والوں کو سہولت ہو بنانے شروع کر دیئے، اور ہر دو مکانات کے بعد راستہ چھوڑا گیا تا کہ بیت اللہ میں آنے والوں کو تکلیف نہ ہو اس طرح کعبہ اور مکانات کا درمیانی فاصلہ بمنزل چار دیواری کے بن گئے، عرصہ دراز تک اسی نوعیت کے کچے اور سادہ مکانات اس شہر کا طرہ امتیاز رہا، مکانات کے ان درمیانی راستوں پر کوئی باقاعدہ دروازہ نہ تھا بعد میں جب کعبہ کی توسیع کا کام ہوا تو کعبہ کے اطراف میں کئی دروازے بنائے گئے اور بنانے والے کی نسبت سے دروازوں کے نام بھی رکھ دیئے گئے، یہی کیفیت رسول اللہ ﷺ کے عہد مقدس میں بھی تھی، بنوخزاعہ کے تین سو سال اقتدار میں زیادہ تر عدنانی قبائل مکہ اور حجاز سے نکل کر نجد، عراق کے اطراف اور بحرین وغیرہ میں پھیل گئے تھے اور صرف قریش کی چند شاخیں مکہ میں خانہ بدوشوں کی طرح الگ الگ ٹکڑیوں میں آباد رہیں، بنوکنانہ میں بھی ان کے چند متفرق گھرانے تھے مگر سب اختیارات بیت اللہ کی تولیت سمیت بنوخزاعہ کو حاصل تھے، قصیٰ نے اپنی قوم کو تمام اطراف مکہ سے بلا کر پورا شہران پر اس طرح تقسیم کر دیا بنی کعب بن لوی کی مختلف شاخوں بنی عدی،. بنی جمح،. بنی سہم،. بنی تمیم،. بنی مخزوم،. بنی زہرہ،. بنی عبد العزی،. بنی عبد الدار،. بنی المطلب،. بنی ہاشم،. بنی عبد شمس اور بنی نوفل جن کو البطاح یعنی مکہ کے اندرونی حصہ میں رہنے والے اور اصل اہل حرم تھے کو حرم کے آس پاس علاقے اور دونوں طرف کی پہاڑوں کی گھاٹیوں اور بلندیوں میں آباد کیا، اور کعب سے اوپر فہر کی اولاد کے خاندان بنی محارب،. بنی الحارث، بنی تیم الاذرم،. بنی عامر بن لوی وغیرہ جو قریش الظواہر تھے ان کو مکہ مکرمہ کے بیرونی حصہ میں لا بسایا اور خود مکہ کے بالائی حصہ میں رہائش پذیر ہوا، حرام مہینے آگے پیچھے کرنے والوں، آل صفوان، بنوعدوان اور مرہ بن عوف کو ان کے عہدے پر برقرار رکھتے ہوئے باقی عہدوں پر اپنی قوم کے لوگوں کو مامور کیا، یہ ایک بہت بڑا کارنامہ اور بڑی فضیلت کی بات تھی اس لئے انہیں مجمع بھی کہا جاتا ہے، قصٰی نے اپنے عہد حکومت

میں دس محرم کو کعبہ کو غلاف پہنانے کے لئے جو نہایت قیمتی کپڑوں مثلاً دیباج اور مخمل سے تیار کیا جاتا تھا مگر اس پر کوئی نقش و نگار نہیں بنائے جاتے تھے تمام قبائل کو مشترکہ طور پر اس کار خیر میں حصہ لینے کے لئے اس کے اخراجات سب پر تقسیم کر دیئے، بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سال میں دو مرتبہ قباطی غلاف چڑھانے کی طرح ڈالی تھی۔

محمد بن عمرو کا کہنا ہے کہ قصیٰ نے ہی سب سے پہلے مزدلفہ میں آگ روشن کرنے کی رسم ایجاد کی تھی جو برابر روشن رہتی تھی تا کہ عرفات سے واپس آنے والے رات کے اندھیرے میں راستہ سے نہ بھٹک جائیں بلکہ آگ کی روشنی دیکھ کر باآسانی اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائیں یہ رسم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دور تک جاری رہی، جرہم اور قطورہ کے دو قبائل نے جب مکہ میں وفاقی حکومت قائم کی تھی تو آمدن کی تقسیم کے لئے انہوں نے شہر کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا تھا چنانچہ جس حصہ سے کوئی تاجر شہر میں داخل ہوتا اسی حصہ کے قبیلہ کو وہ عشر ادا کرتا تھا لیکن مکہ مکرمہ کے باشندے اس سے مستثنیٰ تھے، قصیٰ نے اپنے عہد حکومت میں اس تقسیم کو ختم کر دیا اب آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ عشر یا محصول اس کے پاس جمع ہونے لگا، چونکہ بیت اللہ کی کلید برداری، حاجیوں کے پانی کا بندوبست اور کھانے کے لئے لنگر کی تقسیم خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا اس کے علاوہ عام مہمان داری کے اہم فرائض بھی قصیٰ کے ذمہ تھے اس لئے ان مقاصد کو پورا کرنے کے لئے قصیٰ نے قریش کو حاجیوں کے کھانے اور پانی کے انتظام پر اکسایا اور اس مقصد کی بجا آوری کے لئے ایک سالانہ ٹیکس لگایا جس کا قریش نے مثبت جواب دیا اور اس نیک مقصد کے لئے اپنی کمائی میں سے ایک حصہ برضا و رغبت نکال کر قصیٰ کے حوالے کر دیتے، جس سے سال بھر میں ایک معقول رقم جمع ہو جاتی جس سے حاجیوں کو عمدہ اور اعلیٰ قسم کا کھانا (رفادہ) دیا جاتا اور پینے (سقایہ) کا بندوبست کیا جاتا تھا، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں حج کے دنوں میں بلا امتیاز کھانے (گوشت پلاو) اور پانی دینے کا یہ دستور فروری ۱۹۸۰ تک جاری رہا،

ثُمَّ احْتَفَرَ قُصَيّ الْعَجُولَ فِي دَارِ أُمّ هَانِئِ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ، وَهِيَ أَوَّلُ سِقَايَةٍ احْتُفِرَتْ بِمَكَّةَ

پھر پانی کی ضرورت کے تحت قصی نے ام ہانی کے مکان کی جگہ پر ایک کنواں العجول کھدوایا یہ پہلا کنواں تھا جو مکہ میں کھودا گیا۔ [1]

قصیٰ نے سقایہ کی خدمت میں جدت پیدا کی اور حجاج کے لئے نہایت خوشگوار پانی باہر سے درآمد کیا جاتا جس میں کھجور اور انگور نچوڑ کر مزید خوشگوار ذائقہ دار بنایا جاتا تھا۔

اساف بن عمرو اور نائلہ بنت ذئب یمن کے باشندے اور قبیلہ جرہم کے فرد تھے، جنہوں نے کعبہ کے اندر بدفعلی کی اور پھر رب کے دردناک عذاب میں گرفتار ہو کر پتھر بن گئے، لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے انہیں اٹھا کر ایک کو کوہ صفا پر اور دوسرے کو کوہ مروہ پر پھینک دیا گیا تھا، ایک عرصہ تک وہ وہاں پڑے رہے اور لوگ ان کو بھول چکے تھے، عمرو بن لحی الخزاعی نے مکہ میں بت پرستی کی داغ بیل ڈال دی تھی، شرک کی نحوست سے مشرکین کا دماغ مفلوج ہو جاتا ہے، اور عقل سلیم ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے جب قصیٰ بن کلاب کا زمانہ آیا تو اس نے انہیں اپنا کوئی معبود سمجھ کر ایک کو کعبہ کے متصل اور دوسرے کو زمزم کے پاس نصب کر دیا، مشرکین نے انہیں بھی اپنے معبودوں میں شامل کر دیا وہ ان کی عبادت کرتے اور انہیں حاجت روا سمجھ کر ان کے نام کی نذریں ماننے لگے، ان سنگین جرم کے مرتکب ہو کر رب کے عذاب میں گرفتار ہونے

[1] ابن ہشام ۱/۱۴۷، الروض الانف ۲/۷۸

والوں کاتقرب حاصل کرنے کے لئے ان کے پاس قربانی کے جانور ذبح ہونے لگے،اور جب حج کرتے توطواف کعبہ کی ابتداء اساف بت سے کرتے اور نائلہ کے بت کے پاس آ کر ختم کرتے،اور ان دونوں کااستلام بھی کرتے (آخر رسول اللہ ﷺ نے دوسرے بتوں کے ساتھ ان دونوں کو بھی نیست ونابود کر دیا) جب قصیٰ بوڑھا ہوگیااور ساری ذمہ داریوں کابوجھ اٹھانادشوار ہوگیا تو اس نے تمام عہدے اپنے چھ بیٹوں عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ اور عبد بن قصیٰ، تحمز، برہ میں تقسیم کر دیئے، دارالندوہ کی حکومت، سقایہ، رفادہ اور حجابہ عبدالدار کے حوالے کیے، جس کی کسی نے مخالفت نہیں کی، وقت وفات انہوں نے شراب کی مضرتوں کو محسوس کر کے اہل تعلق کو اس سے منع کیا تھا، قصیٰ نے اسی (۸۰) سال عمر پائی اور ۴۸۰ء میں اس کا وصال ہوا اور اسے حجوں (معابدہ) میں دفن کیا گیا، ان کے بھی بعض حکیمانہ اقوال مشہور ہیں۔

اس کے تین بیٹے عبدالدار، عبدمناف اور عبدالعزی ہوئے۔

عبدمناف: (تقریباً ۵۰۰ء):

امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کا اصل نام مغیرہ تھا، پہلے پہل ماں نے مناۃ بت کے پاس بھیجا تھا اس لئے عرف عام میں عبدمناف مشہور ہوئے۔ قصیٰ کی وفات کے بعد عبدالدار (جو ان کا بڑا بیٹا تھا کے بجائے) عبدمناف ان کے جانشین بنے، کیونکہ یہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں شرف وسیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا اس لئے قریش کے تمام امور انہیں سونپ دیئے گئے، یہ حسین جمیل تھے اس لئے انہیں بطا کا چاند بھی کہا جاتا تھا، یہ بہت سخی تھے جس کی وجہ سے قریش میں فیاض کے نام سے موسوم تھے، موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ بعض پتھروں پر یہ لکھا ہوا پایا گیا میں مغیرہ قصیٰ کا بیٹا اللہ کے تقوی اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہوں، یہ چوتھی پشت پر عثمان رضی اللہ عنہ کے جد اعلیٰ تھے۔

ان کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔

بیویاں	بیٹے	بیٹیاں
○ عاتکۃ الکبریٰ بنت مرہ بن ہلال سے	مطلب، ہاشم، عبدالشمّس	غاضرہ، برہ، حنہ، ہالہ، قلابہ
○ واقد بنت عامر بن عبد سے	نوفل، ابوعمرو، ابوعبیدہ	کوئی بیٹی نہیں
○ ثقیفہ	کوئی بیٹا نہیں	ریطہ

اور ان چھ بیٹوں سے چار بیٹوں عبدالشمّس، نوفل، مطلب اور ہاشم سے قریش کے چار ذیلی قبیلے وجود میں آئے، ابوعمرو اور ابوعبیدہ کے حالات نہیں ملتے، جب عبدمناف بھی فوت ہوگیا تو ان کی اولاد بنی عبدمناف، ہاشم، عبدالشمّس، مطلب اور بنی نوفل نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ کیونکہ ہم شرف ومجد میں ہم ان پر فضیلت رکھتے ہیں اس لئے حجابہ، سقایہ، رفادہ اور لواء وغیرہ کے ہم زیادہ حقدار ہیں، اب قریش میں گروپ بن گئے، قریش کے یہ خاندانوں بنواسد بن عبدالعزیٰ، بنوزہرہ بن کلاب، بنوتیم بن مرہ اور بنوالحارث بن فہر اور اس جتھے کا سردار عبدشمس سمجھتے تھے کہ عبدمناف اس کے زیادہ حقدار ہیں، اور بنومخزوم، بنوسہم، بنوجمح اور بنوعدی، اس جتھے کا سردار عامر بن ہاشم تھا ان خاندانوں کا خیال تھا کہ کیونکہ ہمارے جد اعلیٰ نے یہ عہدے عبدالدار ہی کو دیئے ہیں اس لئے یہ ان کے پاس ہی رہیں، بنی عامر بن لوی اور بنی محارب بن فہر اس جھگڑے سے دور غیر جانبدار رہے، قریش کا یہ اختلاف جنگ پر ختم ہوا اور پھر اس بات پر صلح ہوئی کہ سقایہ اور رفادہ کے عہدے بنوعبدمناف

کو دے دیئے گئے، یہ عہدے عربوں کے ہاں بڑے ہی محترم تھے اگر ان میں سے ایک عہدہ بھی کسی کو مل جاتا یا کوئی اس عہدے میں شریک ہو جاتا تو سمجھتا تھا کہ اسے اقلیم کی دولت مل گئی، بنو عبد مناف نے حاصل شدہ منصب کے لئے قرعہ ڈالا کہ یہ کس کے پاس رہیں گے تو قرعہ ہاشم بن عبد مناف کے نام پڑا جسے سب نے تسلیم کرلیا اور ہاشم ساری زندگی سقایہ اور رفادہ کے عہدے پر فائز رہے، دارلندوہ کی سربراہی، لواء اور حجابہ بنو عبد الدار کے پاس رہے، یہ مناصب فتح مکہ تک اسی طرح قائم رہے، جس طرح یہ اس مصالحت کے موقع پر دونوں خاندانوں میں تقسیم کیے گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حجابہ اور سقایہ کے سوا باقی سب کو منسوخ کر دیا، حجابہ ابھی تک عبد الدار کی شاخ شیبہ بن عثمان کے ہاتھ چلی آرہی ہے، سقایہ عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب کے پاس رہا ان کے بعد ایک مدت تک بنی عباس کے ہاتھ میں رہا مگر پہلے عباسی خلیفہ نے اس کو خود ہی چھوڑ دیا، دار الندوہ بھی حکیم بن حزام کی ملکیت میں آیا جس نے اسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم میں فروخت کر دیا اور ساری رقم راہ اللہ تقسیم کر دی۔

ہاشم:(تقریباً ۵۲۵ء):

امام مالک رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کا اصل نام عمرو بن عبد مناف تھا، یہ بڑے زیرک اور مدبر تھے، اور اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے تھے، والد عبد مناف کی وفات کے بعد اپنی قوم کے سردار بنے، ان کے بلند مرتبہ کی وجہ سے انہیں عمرو العلا کہا جاتا تھا، یہ تجارت کیا کرتے تھے اس لئے کافی دولت مند اور غنی تھے، جبکہ ان کے بھائی عبد شمس اکثر سفر ہی میں رہتے اور مکہ میں کم ہی رہتے تھے، یہ قلیل المال اور کثیر العیال تھے، جب ایام حج آتے تو ہاشم بن عبد مناف تمام حجاج کے لئے پانی کی سبیل اور حاجیوں کے کھانے گوشت، روٹی، ستو اور کھجوروں) کا انتظام کرتے اور حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھلاتے، حاجیوں کی آسائش اور کھانے پینے کی سہولت بہم پہنچانے کے لئے آپ ہر سال بہت سامان وقف کر دیتے، قریش بھی بڑی فراخ دلی سے اس معاملہ میں ان سے تعاون کرتے اور ہر آدمی سو، سو مثقال سالانہ پیش کرتا، ان کا دستر خوان تنگی و فراغت ہر حال میں وسیع اور عام رہتا تھا، یہ غریبوں و محتاجوں کی مدد کیا کرتے، مصیبت زدہ لوگوں کو پناہ دیتے اور غریب مسافروں کو سفر کرنے کے لئے اونٹ عطا کرتے تھے،

فَحَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ الْمُغِيرَةِ النَّوْفَلِيُّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ :كَانَ إِذَا حَضَرَ الْحَجَّ قَامَ فِي قُرَيْشٍ فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِنَّكُمْ جِيرَانُ اللَّهِ. وَأَهْلُ بَيْتِهِ. وَإِنَّهُ يَأْتِيكُمْ فِي هَذَا الْمَوْسِمِ زُوَّارُ اللَّهِ يُعَظِّمُونَ حُرْمَةَ بَيْتِهِ فَهُمْ ضَيْفُ اللَّهِ. وَأَحَقُّ الضَّيْفِ بِالْكَرَامَةِ ضَيْفُهُ، وَقَدْ خَصَّكُمُ اللَّهُ بِذَلِكَ وَأَكْرَمَكُمْ بِهِ.وَحَفِظَ مِنْكُمْ أَفْضَلَ مَا حَفِظَ جَارٌ مِنْ جَارِهِ. فَأَكْرِمُوا ضَيْفَهُ وَزَوْرَهُ.يَأْتُونَ شُعْثًا غُبْرًا مِنْ كُلِّ بَلَدٍ عَلَى ضَوَامِرَ كَأَنَّهُنَّ الْقِدَاحُ. قَدْ أَزْحَفُوا وَتَفِلُوا وَقَمِلُوا وَأَرْمَلُوا فَاقْرُوهُمْ وَاسْقُوهُمْ، فَكَانَتْ قُرَيْشٌ تُرَافِدُ عَلَى ذَلِكَ. حَتَّى أَنْ كَانَ أَهْلُ الْبَيْتِ لَيُرْسِلُونَ بِالشَّيْءِ الْيَسِيرِ عَلَى قَدْرِهِمْ

یزید بن عبد الملک بن المغیرہ النوفلی کہتے ہیں ہاشم سخی دست آدمی تھے جب حج کا موسم آتا تو قریش کے مجمع میں کھڑے ہو کر تقریر کرتے اے

جماعت قریش! تم لوگ اللہ کے پڑوس میں ہو، بیت اللہ والے ہو، جو اس کے گھر کی حرمت کے ساتھ تعظیم سے پیش آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں اور سب میں پہلے عزت کے لائق وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کا مہمان ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس نعمت سے مخصوص فرمایا ہے اور تمہیں خاص کر یہ کرامت عطا فرمائی ہے، ایک ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسائے کا جتنا لحاظ کرتا ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ تمہارا خیال ولحاظ کرتا ہے لہذا تم بھی اس کے زیارت کرنے والوں کی بزرگی کی رعایت کرو جو بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ ہر ایک شہر سے ایسی ایسی کمزور سواریوں پر آتے ہیں قمار بازی کے تیر کی طرح بغیر بال وپر بے ساز وسامان ہوتے ہیں، چلتے ہیں اور چل کے تھکن سے چور ہو گئے ہیں جس سے بو آنے لگی ہے، کپڑوں میں جوئیں پڑ گئی ہیں، سفر کا سامان اور کھانے پینے کی چیزیں ختم ہو چکی ہیں، تم ان کی مہمان نوازی کرو انہیں کھانا کھلاؤ اور پانی پلاؤ، قریش اس وجہ سے حاجیوں کے آرام وراحت پہنچانے کا اس قدر سامان کرتے کہ گھر والے طاقت کے مطابق معمولی چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی فراہم کر دیتے،

وَكَانَ هَاشِمُ بْنُ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيٍّ يُخْرِجُ فِي كُلِّ عَامٍ مَالًا كَثِيرًا. وَكَانَ قَوْمٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَهْلَ يَسَارَةٍ يَتَرَافَدُونَ. وَكَانَ كُلُّ إِنْسَانٍ يُرْسِلُ بِمِائَةِ مِثْقَالٍ هِرَقْلِيَّةٍ. وَكَانَ هَاشِمٌ يَأْمُرُ بِحِيَاضٍ مِنْ أَدَمٍ فَتُجْعَلُ فِي مَوْضِعِ زَمْزَمَ ثُمَّ يَسْتَقِي فِيهَا الْمَاءَ مِنَ الْبِئَارِ الَّتِي بِمَكَّةَ فَيَشْرَبُهُ الْحَاجُّ. وَكَانَ يُطْعِمُهُمْ أَوَّلَ مَا يُطْعِمُ قَبْلَ التَّرْوِيَةِ بِيَوْمٍ بِمَكَّةَ وَبِمِنًى وَجَمْعٍ وَعَرَفَةَ. وَكَانَ يُثْرِدُ لَهُمُ الْخُبْزَ وَاللَّحْمَ. وَالْخُبْزَ وَالسَّمْنَ. وَالسَّوِيقَ وَالتَّمْرَ. وَيَجْعَلُ لَهُمُ الْمَاءَ فَيُسْقَوْنَ بِمِنًى. وَالْمَاءُ يَوْمَئِذٍ قَلِيلٌ فِي حِيَاضِ الأَدَمِ. إِلَى أَنْ يَصْدُرُوا مِنْ مِنًى فَتَنْقَطِعُ الضِّيَافَةُ وَيَتَفَرَّقُ النَّاسُ لِبِلادِهِمْ

ہاشم بن عبد مناف خود بھی ہر سال بہت سامان اسی غرض سے نکالتے اور قریش کے جو لوگ دولت مند تھے وہ بھی مدد کرتے، اور ہر شخص ہرقل (بادشاہ روم) کے سکے سو سو مثقال بھیجتا، ہاشم حوضوں کی تیاری کا انتظام کرتے جن کا محل وقوع (مقام) زمزم کا کنواں ہوتا، ان میں مکہ مکرمہ کے کنوؤں سے پانی لاتے اور حوض بھر دیتے حاجی یہی پانی پیتے تھے، یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) سے حاجیوں کی مہمان نوازی کا سامان ہوتا اور مکہ ومنیٰ اور حجاج کے جمع ہونے کے مقام جمع وعرفات پر ان کو کھانا کھلایا جاتا، گوشت روٹی اور چھوہارے اور ستو کی ثرید بنا بنا کے دی جاتی، سب کے لیے پانی کا اہتمام ہوتا اور باوجود اس کے کہ حوضوں میں پانی کی کمی ہوتی مگر پھر بھی منیٰ میں سب کو پانی پایا جاتا، ارکان حج سے فارغ ہو کر منیٰ سے جب لوگ واپس آتے تو اس وقت مہمان نوازی ختم ہوتی اور لوگ اپنے اپنے مقام پر چلے جاتے۔ [1]

امیہ بن عبد شمس پر ہاشم کا تمام عرب میں اقتدار اور حجاج پر ان کا جود وسخا گراں تھا چنانچہ امیہ نے بھی ہاشم کی طرح حجاج کو کھلانے پلانے کی کوشش کی مگر دولت وثروت ہونے کے باوجود ہاشم کا مقابلہ نہ کر سکے، یہیں سے بنی ہاشم اور بنی امیہ کے درمیان عداوت کا سلسلہ شروع ہوا، ہاشم ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے قریش کے تجارتی سفر کا طریقہ ایک سفر موسم سرما میں یمن اور حبشہ دوسرا سفر موسم گرما میں ملک شام، غزہ اور انقرہ کی طرف رائج کیا تھا اور اپنی دانائی اور حسن معاملات کی بدولت انہوں نے قریش کی تجارت کو چار چاند لگا دیئے، قیصر روم ہاشم کے ساتھ نہایت احترام کے ساتھ پیش آتا تھا، ہاشم نے شام کے غسانی بادشاہ اور شاہ حبشہ سے، مطلب نے یمنی امراء سے اور نوفل نے عراق وفارس کی حکومتوں

[1] ابن سعد ۱/۶۳

سے قریش کے سامان پر ٹیکس نہ لگانے، تجارت کی حمایت اور حفاظت کا فرمان جاری کرایا، اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی، اور یہ بھائی متجرین (تجارت پیشہ) مشہور ہو گئے، عرب میں قزاقی اور رہزنی کی بدولت تجارتی راستے محفوظ نہیں تھے، ہاشم نے مختلف قبائل کا دورہ کر کے ان سے معاہدہ کر لیا کہ ہم تمہاری ضرورتوں بہم پہنچائیں گے اور تم لوگ قریش کے تجارتی کاروانوں کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے، ہاشم کی حسن تدبیر کی بدولت تمام راستے محفوظ و مامون ہو گئے قریش کے ہزاروں اونٹوں پر مشتمل کارواں بغیر کسی خوف وخطر کے آتے جاتے رہتے اس وجہ سے ان کو اصحاب الایلاف (الفت پیدا کرنے والے) بھی کہا جاتا تھا، قریش کا ان ممالک سے روابط کی وجہ سے ان کا معیار دانش و بنیش اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ ان کا مقابل کا نہ رہا، بیت اللہ کا متولی اور مال و دولت کے اعتبار سے وہ تمام اہل عرب پر فائق ہو گئے اور مکہ سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا، ان روابط کی وجہ سے قریش میں سب سے زیادہ پڑھے لکھے لوگ موجود تھے، یہ لوگ عراق سے وہ رسم الخط لے کر آئے جو بعد میں قرآن مجید لکھنے کے لئے استعمال ہوا،

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُؤْثِرُ قُرَيْشًا عَلَى سَائِرِ النَّاسِ

اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش لوگوں کے لیڈر رہیں۔ [١]

ملک میں ایک مرتبہ شدید قحط پڑ گیا اور لوگ فاقوں میں مبتلا ہو کر لاغر و ناتواں ہو گئے، اس کے علاوہ حج کا وقت بھی قریب تھا چنانچہ قوم کا حال دیکھ کر یہ ملک شام گئے اور وہاں سے ضروریات کا سامان لے کر زمانہ حج سے پہلے پہنچ گئے، اونٹ ذبح کیے اور ثرید تیار کر کے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا اس طرح آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل مکہ کو ثرید (ایک اعلیٰ قسم کا کھانا) کھلایا، اسی مناسبت سے ان کا نام ہاشم پڑ گیا، طبری کہتے ہیں کہ ہاشم فلسطین سے بہت سا آٹا خرید کر مکہ لائے، ان کی روٹیاں پکوائیں اور بہت سے جانور ذبح کر کے گوشت تیار کرایا، پھر ان روٹیوں کا چورا بنا کر ثرید تیار کیا اور اپنی قوم کی دعوت کی،

انہوں نے صفا و مروہ کے درمیان ایک کنواں سجلہ نامی کھدوایا تھا جو بعد میں کنواں جبیر بن مطعم کے نام سے مشہور رہا، آپ نہایت حسین و جمیل تھے،

روایت ہے کہ قبائل عرب اور علماء بنی اسرائیل ہاشم کو نکاح کے لئے اپنی لڑکیاں پیش کرتے تھے حتیٰ کہ شاہ روم ہرقل نے بھی ہاشم کو خط لکھا اور شہزادی کو ان کے عقد میں دینے کا لکھا مگر ہاشم نے انکار کر دیا، ہاشم اپنے تجارتی سفروں کے سلسلے میں اکثر شام جاتے ہوئے مدینہ منورہ میں قیام کرتا تھا اور وہاں قبیلہ خزرج کی ایک عورت ہند بنت عمرو بن ثعلبہ سے وہ پہلے ہی شادی کر چکا تھا جس سے اس کے دو بچے بھی تھے، ایک دفعہ آپ شام کے سفر پر روانہ ہوئے، راستہ میں چند دن مدینہ میں قیام کیا وہاں انہوں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو حسین و جمیل تھی، جس کی حرکات وسکنات سے شرافت و فراست اور چہرے سے سنجیدگی ٹپکتی تھی اس نے اپنا مال تجارت مدینہ کے تاجروں کو دیا ہوا تھا وہ ان تاجروں سے سفر کی روداد اور اپنے تجارتی سامان کی معلومات لینے لگی، ہاشم نے اس لڑکی کی تاجروں سے بات چیت سے محسوس کیا کہ وہ بہت ہی ہوشیار، تجربہ کار اور با تدبیر ہے، ہاشم نے یہ معاملہ دیکھ کر دل ہی دل میں لڑکی کی فہم و فراست کی داد دی، ہاشم نے اس کے بارے میں معلومات لیں تو پتہ چلا کہ

---

[١] مسند احمد ۴۳۹

اس لڑکی کا نام سلمٰی بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی ہے، خزرج کے ایک خاندان بنی نجار سے تعلق ہے، اپنے یہاں معزز اور کنواری ہے، اور چاہتی ہے کہ اسے ایسا شوہر ملے جو اسے آزاد رکھے اسے اپنی آزادی مجروح کرنا گوارا نہیں، ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی، ہاشم کا اپنی قوم میں جو مقام تھا وہ اسے جانتی تھی اس لئے اس پیشکش کو فوراً قبول کرلیا چنانچہ ہاشم اور سلمٰی بنت عمرو بن زید کا نکاح ہوگیا، کچھ دنوں بعد ہاشم اپنی اہلیہ کو جو اس وقت حمل سے تھیں اپنے والدین کے پاس چھوڑ کر تجارتی سفر پر شام روانہ ہوگئے مگر غزہ کے مقام پر بیمار ہوگئے اور وہیں وصال ہوگیا اور اسی جگہ دفن کیے گئے، ہاشم نے مرتے وقت وصیت کی کہ اس کے بعد اس کا بھائی مطلب اس کی جگہ سقایہ اور رفادہ کا متولی ہوگا اور وہی اس کے خاندان کی بھی دیکھ بھال کرے گا، جس کی وجہ سے بنی ہاشم اور بنی المطلب ایک جان دو قالب بن گئے اور آخر تک رہے، اس کے برعکس بنی عبد شمس (جن سے بنی امیہ تھے) اور بنی نوفل ایک دوسرے کے حلیف بنے اور بعد تک رہے، اس لئے جب آپ ﷺ شعب بنو ہاشم میں محصور کئے گئے تو بنی ہاشم کے ساتھ بنی المطلب بھی اس محصوری میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوئے جبکہ بنی نوفل اور بنی عبد شمس نے مخالفین کا ساتھ دیا، ہاشم کی بیوی سلمٰی اس وقت حمل سے تھیں، ان کے بطن سے تقریباً ۴۹۵ء میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا جنھوں نے جوانی کی عمر کے قریب پہنچنے تک مدینہ کے بنی خزرج میں میں والدہ کے ساتھ پرورش پائی، ایک مرتبہ ثابت بن منذر (حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کا والد) کسی کام سے مکہ مکرمہ گیا اس کا مطلب سے کافی میل جول تھا اس لئے وہ مطلب سے ملا، گفتگو کے دوران ثابت بن منذر نے مطلب سے کہا کہ اگر تم اپنے بھتیجے شیبہ کو جو بڑا شاندار پر ہیبت اور خوبرو نوجوان اٹھا ہے دیکھو تو تمہارا دل خوش ہوجائے، جب ہاشم کے بھائی مطلب کو اپنے بھتیجے کے بارے میں علم ہوا تو بے تاب ہوگیا،

فَخَرَجَ الْمُطَّلِبُ فَوَرَدَ الْمَدِينَةَ فَنَزَلَ فِي نَاحِيَةٍ وَجَعَلَ يَسْأَلُ عَنْهُ حَتَّى وَجَدَهُ يَرْمِي فِي فِتْيَانٍ مِنْ أَخْوَالِهِ. فَلَمَّا رَآهُ عَرَفَ شِبْهَ أَبِيهِ فِيهِ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَضَمَّهُ إِلَيْهِ وَكَسَاهُ حُلَّةً يَمَانِيَةً وَأَنْشَأَ يَقُولُ:

مطلب مکہ سے نکل کر چلے اور مدینہ منورہ پہنچ کر ایک کونے میں ٹھہرے اور اپنے بھتیجے شیبہ کو تلاش کرتے رہے، حتی کہ اپنے ننھیالی لڑکوں میں تیراندازی کرتے ہوئے وہ مل گئے، مطلب نے دیکھا تو باپ کی شباہت ان میں نظر آئی، پہچان لیا آنکھیں رونے لگیں، گلے سے لگایا حلہ یمانی پہنایا اور کہنے لگے۔

عَرَفْتُ شَيْبَةَ وَالنَّجَّارُ قَدْ حَفَلَتْ ... أَبْنَاؤُهَا حَوْلَهُ بِالنَّبْلِ تَنْتَضِلُ

میں نے شیبہ کو پہچان لیا اور ایسی حالت میں پہچانا کہ قبیلہ بنی نجار کے لڑکے اس کے اردگرد تیراندازی کے لیے مجمع کئے ہوئے تھے

عَرَفْتُ أَجْلَادَهُ مِنَّا وَشِيمَتَهُ ... فَفَاضَ مِنِّي عَلَيْهِ وَابِلٌ سَبَلُ

میں نے پہچان لیا کہ ان کا زور بازو و ڈھنگ و طریق ہم ہی میں سے ہے اور یہ پہچان کر میری آنکھیں اس پر آنسوؤں کے ڈونگرے برسانے لگیں۔

فَأَرْسَلَتْ سَلْمَى إِلَى الْمُطَّلِبِ فَدَعَتْهُ إِلَى النُّزُولِ عَلَيْهَا. فَقَالَ: شَأْنِي أَخَفُّ مِنْ ذَلِكَ. مَا أُرِيدُ أَنْ أَحُلَّ عُقْدَةً حَتَّى

أَقْبِضَ ابْنَ أَخِي وَأُلْحِقَهُ بِبَلَدِهِ وَقَوْمِهِ، فَقَالَتْ: لَسْتُ بِمُرْسِلَتِهِ مَعَكَ. وَغَلَّظَتْ عَلَيْهِ. فَقَالَ الْمُطَّلِبُ: لا تَفْعَلِي فَإِنِّي غَيْرُ مُنْصَرِفٍ حَتَّى أَخْرُجَ بِهِ مَعِي. ابْنُ أَخِي قَدْ بَلَغَ وَهُوَ غَرِيبٌ فِي غَيْرِ قَوْمِهِ وَنَحْنُ أَهْلُ بَيْتِ شَرَفِ قَوْمِنَاوَالْمُقَامُ بِبَلَدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الْمُقَامِ هٰهُنَا وَهُوَ ابْنُكِ حَيْثُ كَانَ،فَلَمَّا رَأَتْ أَنَّهُ غَيْرُ مُقَصِّرٍ حَتَّى يَخْرُجَ بِهِ اسْتَنْظَرَتْهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

کسی طرح سلمیٰ کو بھی اطلاع ملی تو انہوں نے مطلب کو بلا بھیجا اور اپنے یہاں ٹھہرنے کی دعوت دی، جس کے جواب میں مطلب نے کہا میری حالت اس (تکلف) سے بہت ہی عاری واقع ہوئی ہے میں جب تک اپنے بھتیجے کو نہ پاؤں گا اور اسے اس کے شہر اور قوم میں نہ لے جاؤں گا اس وقت تک گرہ بھی نہیں کھولنا چاہتا، سلمی نے کہا میں تو اس کو تیرے ساتھ نہیں بھجوں گی، سلمی نے اس جواب میں مطلب کے ساتھ سختی و خشونت ظاہر کی، مطلب نے کہا ایسا نہ کر میں تو اس کو ساتھ لیے بغیر واپس نہیں جاؤں گا، میرا بھتیجا سن شعور کو پہنچ چکا ہے اور غیر قوم میں ہے اور اجنبی ہے، ہم لوگ اس خاندان کے ہیں کہ ہماری قوم کی شرافت اور اپنے قومی شہر میں قیام کرنا یہاں کی اقامت سے اس کے لیے بہتر ہے اور وہ جہاں کہیں بھی ہو بہر حال تیرا لڑکا ہے، سلمی نے جب دیکھا کہ مطلب شیبہ کو لئے بغیر واپس جانے والے نہیں تو ان سے تین دن کی مہلت چاہی، بالآخر تین دن مہمان داری کے بعد شیبہ کو ان کے ہمراہ مکہ روانہ کر دیا تا کہ وہ مدینہ میں اپنے ننھیال میں رہنے کے بجائے مکہ میں اپنے اعلیٰ نسب بزرگوں کے ساتھ رہے، مطلب جب مدینہ سے واپس ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تو کیونکہ شیبہ ان کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے، چہرے سے یتیمی ٹپکتی تھی، کپڑے بھی میلے اور گرد آلود تھے جس سے لوگوں نے سمجھا کہ یہ مطلب کے غلام ہیں اس لئے مکہ میں ان کا نام عبد المطلب (یعنی مطلب کا غلام) مشہور ہوا، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ کیونکہ مطلب نے اپنے یتیم بھتیجے کی پرورش کی تھی اسی نسبت سے عبد المطلب مشہور ہوئے، ہاشم کے چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں ہوئیں۔

بیویاں	قبیلہ	بیٹے	بیٹیاں
○ سلمیٰ بنت عمرو بن زید	بنی نجار	شیبۃ الحمد (عبد المطلب)	رقیہ (جو بچپن میں فوت ہو گئیں)
○ ہند بنت عمرو بن ثعلبہ	خزرج	ابو صیفی	حیہ
○ قیلہ بنت عامر بن مالک بن جزعہ	بنی خزاعہ	اسد	کوئی بیٹی نہیں
○ امیمہ بنت عدی بن عبد اللہ بن دینار	بنی قضاعہ	نضلہ	شفاء
○ واقدہ بنت ابی عدی	بنو مازن	کوئی بیٹا نہیں	صنعیفہ، خالدہ
○ عدی بنت حبیب	بنو ثقیف	کوئی بیٹا نہیں	حنہ

ابو صیفی، اسد اور نضلہ کے حالات برائے نام ملتے ہیں۔

مطلب:

ہاشم کی وصیت کے مطابق السقایہ اور الرفادہ کے ناظم عبد شمس اور ہاشم سے چھوٹے بھائی مطلب بن عبد مناف بنے، یہ اپنی قوم میں فضیلت

اورعزوشرف کے مالک تھے، جودوسخاکی وجہ سے قریش ان کوفیاض کے نام سے پکارتے تھے، کچھ عرصہ بعد ایک تجارتی سفر کے سلسلہ میں یمن گئےاوروہیں وفات پائی۔

عبدالمطلب:(تقریباً ۵۵۰ء):

یہ رسول اللہ ﷺ کے جداعلیٰ تھے،

عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. وَاسْمُهُ شَيْبَةُ وَأُمُّ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمٍ سَلْمَى بِنْتُ عَمْرِو بْنِ زَيْدوَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ أَحْسَنَ قُرَيْشٍ وَجْهًا وَأَمَدَّهُ جِسْمًا وَأَحْلَمَهُ حِلْمًا وَأَجْوَدَهُ كَفًّا وَأَبْعَدَ النَّاسِ مِنْ كُلِّ مُوبِقَةٍ تُفْسِدُ الرِّجَالَ. وَلَمْ يَرَهُ مَلِكٌ قَطُّ إِلا أَكْرَمَهُ وَشَفَّعَهُ. وَكَانَ سَيِّدَ قُرَيْشٍ حَتَّى هَلَكَ

عبدالمطلب کااصل نام شیبہ تھااورعبدالمطلب کی والدہ کانام سلمیٰ بنت عمروبن زید تھا،یہ ۴۹۷ءمیں پیداہوئے،ان کی کنیت بڑے بیٹے حارث کے نام پرابوالحارث تھی عبدالمطلب طویل القامت،بڑے خوبصورت،قوی وجسیم،سنجیدہ وبردبار،سب سے زیادہ سخی اوران تمام برائیوں سے دور تھے جومردوں کوبگاڑنے والی ہوتی ہیں۔[1]

وَشَرُفَ فِي قَوْمِهِ شَرَفًا لَمْ يَبْلُغْهُ أَحَدٌ مِنْ آبَائِهِ، وَأَحَبَّهُ قَوْمُهُ وَعَظُمَ خَطَرُهُ فِيهِمْ

اوران کواپنی قوم میں عزت وشرف کاایسامرتبہ حاصل ہواجس تک ان کے آباءواجداد میں سے کوئی نہیں پہنچاتھاان کی قوم ان کی مطیع اورمحب تھی اوران کی تعظیم وتکریم کواپنی سعادت سمجھتی تھی۔[2]

فَكَانَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ صَعِدَ حِرَاءَ وَأَطْعَمَ الْمَسَاكِينَ جَمِيعَ الشَّهْرِ

عبدالمطلب رمضان کے مہینہ میں ہرسال غارحرامیں جاکرعبادت کیاکرتےاوراس پورے مہینہ میں مساکین کوکھاناکھلایاکرتے تھے۔[3]

وكان يأمر أولاده بترك الظلم والبغي، ويحثهم على مكارم الأخلاق وينهاهم عن دنيات الأمور، والمنع من نكاح المحارم، وقطع يد السارق، والنهي عن قتل الموءودة وتحريم الخمر والزنا، وأن لا يطوف بالبيت عريان

عبدالمطلب کی شان عام اہل عرب سے مختلف تھی وہ اپنی اولادکوظلم وفساد سے روکتےاورانہیں مکارم اخلاق پرکاربندرہنے کی تلقین کرتے اورانہیں دنیاوی گندے کاموں سے روکتے،وہ محرم عورتوں(بہن،پھوپھی،خالہ وغیرہ) سے نکاح سے منع کرتے،اورچوروں کاہاتھ کاٹنے کاحکم دیتےاورلڑکیوں کوزندہ دفن کرنے سےاورشراب اورزناسے منع کرتےاوربیت اللہ کابرہنہ طواف کرنے سے لوگوں کوروکتے۔[4]

وَكَانَ شَرِيفًا فِي قَوْمِهِ مُطَاعًا سَيِّدًا. وَكَانَتْ قُرَيْشٌ تُسَمِّيهِ الْفَيْضَ لِسَمَاحَتِهِ

---

[1] ابن سعد ۶۹/۱

[2] ابن ہشام ۱۴۲/۱

[3] الکامل فی التاریخ ۶۱۸/۱

[4] شرح الزرقانی علی المواہب ۱۵۵/۱،المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام ۳۲۱/۱۰

وہ اپنی قوم میں شریف تھے، سردار تھے اور ان کی پیروی کی جاتی تھی، جود و کرم کی وجہ سے قریش انہیں الفیض کے نام سے یاد کرتے تھے۔ [1] حطیم میں ان کے بیٹھنے کی جگہ پر ایک غلیچہ بچھا رہتا تھا جس پر ان کے علاوہ کوئی نہیں بیٹھتا تھا، مطلب کے انتقال کے بعد ان کے بھتیجے اور رسول اللہ ﷺ کے دادا عبد المطلب السقایہ والرفادہ کے ناظم بنے، انہوں نے ان کا ایسا اعلیٰ انتظام کیا اور آباء اجداد کے مستحسن افعال کو ترقی دی کہ قوم میں تعظیم وتکریم کے بلند مرتبہ پر فائز ہوئے، شیبہ (عبد المطلب) کے چچا نوفل نے ہاشم کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں سے کچھ حصہ غصب کرلیا، عبد المطلب نے پہلے تو اپنے قبیلہ کے بڑے لوگوں سے اپنے چچا نوفل کی شکایت کی کیونکہ اس حمام میں سب ہی ننگے تھے اس لئے چچا اور بھتیجے کے جھگڑے میں کوئی بھی کودنے کو تیار نہ ہوا آخر مجبور ہو کر انہوں نے اپنی ننھیال بنی عدی بن نجار کو اپنی مدد کے لئے آواز دی، اپنے بھانجے کی آواز پر ان کے ماموں ابوسعید بن عدس اسی آدمیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آ گیا اور نوفل سے زبردستی اپنے بھانجے کا حق دلوایا جس پر نوفل بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے مل گیا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت تک اسی پارٹی میں شامل رہا جو بنی ہاشم کا مخالف اور بنی عبد شمس کا ساتھی تھا، عبد المطلب نے جب یہ صورت حال دیکھی تو انہوں نے قبیلہ خزاعہ سے بات چیت کر کے اتحاد اور امداد باہمی کا معاہدہ کرلیا اور اس معاہدہ کی کعبہ میں جا کر باقاعدہ تحریر لکھی گئی، مگر ابن سعد اور بلاذری لکھتے ہیں کہ خود بنی خزاعہ نے عبد المطلب سے باہمی دوستی ومعاونت کا معاہدہ کیا تھا اس معاہدہ میں بنی ہاشم اور بنی المطلب دونوں شامل ہوئے اور ان کے مخالف بنی عبد شمس اور بنی نوفل الگ رہے، یہ معاہدہ دار الندوہ میں تحریر ہوا اور کعبہ میں آویزاں کیا گیا، اس معاہدے کے مطابق شیبہ (عبد المطلب) نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ وہ ہمیشہ بنی خزاعہ کے ساتھ دوستی نبھائے، اس وجہ سے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب یہ شرط لکھی گئی کہ قبائل عرب میں سے جو چاہئے فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ شریک ہوجائے تو بنی خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کیا تھا، ان کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ چاہ زمزم کھودنے کا تھا، بنو اسماعیل جن کو ہاجرہ رحمہ اللہ نے چاہ زمزم کے قریب رہنے کی اجازت فرمائی تھی اور انہی میں اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہوئی تھی، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں ان کا دوسرا لڑکا قیدار جو نہایت مدبر اور نامور تھا، اس کی اولاد خاص مکہ میں آباد رہی، ان لوگوں نے اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر اس مقدس گھر کے حقوق کی ہمیشہ پاسبانی کی، ۲۰۷ء میں عدنان اور بنی جرہم میں کسی بات سے مخاصمت پیدا ہوئی جس میں بنی جرہم عدنان پر غالب ہو گئے جس کی وجہ سے مکہ پر جراہم کی حکومت قائم ہو گئی، اکثر عدنانی قبائل تو نجد، اطراف عراق اور بحرین چلے گئے مگر چند قریش اور کنانہ کے لوگ لاچار ہو کر مکہ مکرمہ کے اطراف وجوانب میں آباد ہو گئے مگر وقت کے ساتھ ساتھ جرہم کی حالت خراب ہوتی گئی اور وہ تنگ دستی کا شکار ہونے لگے، جرہم کا فسق وفجور، حدود اللہ کو توڑنے اور مکہ میں آنے والے حاجیوں پر ظلم وستم بڑھتا ہی چلا گیا، انہوں نے بیت اللہ پر چڑھائے جانے والے نذر ونیاز کو بھی تر نوالہ بنالیا اور خزانہ کعبہ پر دست تصرف دراز کیا اور حد یہ کہ کعبہ کے اندر قبیلہ جرہم کے دو یمنی مرد وعورت اساف اور نائلہ نے بدکاری جیسے قبیح جرم کا ارتکاب کیا، جب مضاض بن عمرو بن حارث بن مضاض بن عمرو الجرہمی نے دیکھا تو اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور بیت اللہ کی بے حرمتی سے باز آجاؤ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس قوم نے بھی اس مقدس گھر کی عزت وحرمت کو پامال کیا وہ تباہ وبرباد ہوا اور عمالقہ کی ذلت ورسوائی کی المناک داستان

[1] ابن سعد ۶۶/۱

تمہارے سامنے ہے ایسانہ ہوکہ افعال بد کی پاداش میں اللہ تعالیٰ تم پر کوئی دوسری قوم مسلط کر دے اور تم ذلیل ورسوا ہو جاؤ، مگر قوم مضاض کی ناصحانہ باتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہنے لگی ہم بے حد عزت والے عرب ہیں ہماری افرادی قوت زبردست ہے ہمارے پاس سامان حرب وضرب بے اندازہے، ہمیں کون شکست دے سکتاہے، مضاض نے کہاجب اللہ تعالیٰ کی گرفت آجاتی ہے توتمام تدابیر دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور نافرمان قومیں صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں، لیکن قوم بدکاری کی ایسی دلدادہ اور خوگر بن چکی تھی کہ مضاض کی نصیحت کاان پر کوئی اثر نہ ہوا، بنوعدنان اپنے آبائی گھر میں جرہم کی حرکتوں پر دل ہی دل میں کڑھتے بھڑکتے مگر کرکچھ نہیں سکتے تھے جب انہوں نے ساری حدیں توڑ ڈالیں تو قادر مطلق نے ان سے اقتدار چھیننے، ان کاجاہ وجلال اور کروفر کو ذلت وخواری میں بدلنے اور مکہ سے ذلیل وخوار ہو کر نکلنے کے اسباب مہیاکئے، دوسری صدی عیسوی کے وسط میں بنوخزاعہ نے مرالظہران میں پڑاو کیاانہوں نے بنوعدنان اور بنوجرہم کی نفرت جلد ہی محسوس کرلی، انہوں نے موقعہ کو اپنے حق میں سازگار سمجھا، بنوخزاعہ میں سے غبشان نے بنی کنانہ سے بنو بکر بن عبدمناف بن کنانہ کو اپنے ساتھ ملاکر بنوجرہم کے خلاف جنگ شروع کر دی، تین دن تک جنگ ہوتی رہی بالآخر جرہم کو شکست ہوئی اور بنوجرہم کو صدیوں مکہ پر حکومت کرنے کے بعد ذلت وخواری سے بھاگناپڑا، یہاں سے رخصت ہونے سے قبل مضاض جرہمی سے اور تو کچھ نہ بن پڑا البتہ کعبہ کے نفیس اور قیمتی تحائف چاہ زمزم میں ڈال کر اسے مٹی سے بھر کر زمین کے برابر کر دیااور اس کانشان تک مٹادیااور خود ذلیل ونامراد ہو کر اپنے اصلی وطن یمن کی طرف بھاگ گیا، بنوخزاعہ کی شاخ غبشان سربلند رہے، انہوں نے بنو بکر کو شامل کیے بغیر تنہااپنی حکومت قائم کر کے اس مقدس گھر کے متولی بن بیٹھے، اور صرف تین امتیازی مناصب مضری قبائل کو ملے۔

۱۔حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانااور یوم النضر اور حج کے آخری دن ۱۳ ذی الحجہ کو منی سے روانگی کی اجازت دینا۔

۲۔۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ کی جانب افاضہ (روانگی) یہ اعزاز بنوعدوان کو حاصل تھا۔

۳۔حرام مہینوں کو ضرورت کے وقت آگے پیچھے کرنا، یہ اعزاز بنوکنانہ کی ایک شاخ بنوتمیم کو حاصل ہوا۔

بنی جرہم کے جانے کے بعد بنی اسماعیل جولڑائی سے کنارہ کش تھے خزاعہ کے پاس آئے اور مکہ میں رہائش کا حق مانگا جسے خزاعہ نے قبول کرلیا، اس طرح بنی اسماعیل مکہ واپس آگئے، پھر عمروبن لحی کی اولاد نے پانچ سوسال مکہ معظّمہ پر حکمرانی کی اور ان کا آخری حکمران خلیل بن حبشیہ بن سلول بن کعب ہوا۔

ثُمَّ إِنَّ قُصَيَّ بْنَ كِلَابٍ خَطَبَ إِلَى حُلَيْلِ بْنِ حُبْشِيَّةَ ابْنَتَهُ حُبَّى، فَرَغِبَ فِيهِ حُلَيْلٌ فَزَوَّجَهُ

قصی بن کلاب نے اس کی بیٹی حبی سے اپنا پیغام دیااس نے بخوشی خاطران سے شادی کر دی۔[1]

عمروبن لحی سے قبل اہل عرب بت پرستی سے ناآشنا تھے، اس بدبخت نے ہی عرب میں بت پرستی کی بنیاد ڈالی تھی،

عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ صَخْرٍ یقُولُ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهُ كَانَ أَوَّلَ مَنْ غَيَّرَ دِينَ إِسْمَاعِيلَ فَنَصَبَ

---

[1] ابن ہشام ۱۱۷/۱،روض الانف ۲۱/۲

الْأَوْثَانَ وَبَحَرَ الْبَحِيرَةَ وَسَيَّبَ السَّائِبَةَ وَوَصَلَ الْوَصِيلَةَ وَحَمَى الْحَامِي

عبدالرحمٰن بن صخر سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا(عمرو بن لحی) وہ شخص تھا جس نے سب سے پہلے اسماعیل علیہ السلام کے دین کو تبدیل کیا اور بتوں کو نصب کیا اور بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامی کا طریقہ شروع کی۔[1]

عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ :أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : رَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ لُحَيٍّ يَجُرُّ قُصْبَهُ فِي النَّارِ

عمرو بن حزم سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے (معراج میں) عمرو بن لحی بن قمعہ بن خذف کو دیکھا کہ اس کی انتڑیاں آگ میں گھسیٹی جارہی تھیں۔[2]

مگر چاہ زمزم کی طرف کسی نے توجہ نہ کی،امتداد زمانہ اور سیلاب کی تباہ کاریوں کے سبب زمزم کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا اور مدتیں گزر جانے سے لوگوں کے ذہن سے بھی چاہ زمزم کا محل ووقوع نکل چکا تھا، مکہ مکرمہ میں کوئی پانی کا کنواں نہیں تھا چند منتشر کنوئیں مکہ کے اطراف میں تھے انہیں سے حاجیوں کے لئے پانی لاکر حوضوں میں بھرتے رہتے تھے جو نہایت دقت طلب کام تھا جس سے عبدالمطلب بڑے پریشان ہوتے،آخر انہیں چاہ زمزم کے بارے میں خیال آیا تو لوگوں سے اس کا محل وقوع پوچھنے لگے مگر کسی کو پتہ ہوتا تو بات بنتی،اللہ کی جب حکمت ہوئی کہ اس بند اور بے نام ونشان چشمہ سے اس کی مخلوق سیراب ہو تو عبدالمطلب کو جب وہ حطیم میں سو رہے تھے خواب میں اس کنویں کو کھودنے کا حکم دیا گیا۔

قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ : إِنِّي لَنَائِمٌ فِي الْحِجْرِ إِذْ أَتَانِي آتٍ فَقَالَ : احْفِرْ طَيْبَةَقَالَ : وَمَا طَيْبَةُ؟فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ أَتَاهُ،فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ أَتَاهُ وَهُوَ نَائِمٌ فِي مَضْجَعِهِ ذَلِكَ فَقَالَ : احْفِرِ الْمَضْنُونَةَقَالَ : وَمَا الْمَضْنُونَةُ؟قَالَ : ثُمَّ ذَهَبَ عَنِّي، قَالَ : ثُمَّ ذَهَبَ عَنِّي. فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ رَجَعْتُ إِلَى مَضْجَعِي فَنِمْتُ فِيهِ، فَجَاءَنِي فَقَالَ : احْفِرْ زَمْزَمَ قَالَ : وَمَا زَمْزَمُ؟قَالَ : لَا تَنْزِفُ أَبَدًا وَلَا تُذَمُّ ، تَسْقِي الْحَجِيجَ الْأَعْظَمَ، وَهِيَ بَيْنَ الْفَرْثِ وَالدَّمِ، عِنْدَ نُقْرَةِ الْغُرَابِ الْأَعْصَمِ ، عِنْدَ قَرْيَةِ النَّمْلِ

عبدالمطلب کا کہنا تھا کہ ایک رات میں حجر میں سویا ہوا تھا کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے کہا کہ طیبہ کو کھودو،میں نے پوچھا طیبہ کیا ہے ؟مگر وہ شخص جواب دئے بغیر چلا گیا دوسری رات بھی جب میں سویا پھر وہ شخص حاضر ہوا اور کہا مضنونہ کو کھودو،میں نے پوچھا مضنونہ کیا ہے ؟مگر وہ شخص پھر غائب ہوگیا،تیسرے روز بھی خواب میں مجھے کہنے والے نے کہا زمزم کو کھودو،میں نے پوچھا زمزم کیا ہے؟ تو اس نے بتایا زمزم وہ چشمہ ہے جس کا پانی نہ کبھی ٹوٹتا ہے اور نہ کبھی کم ہوتا ہے،اور بے شمار حجاج کو سیراب کرتا ہے،اس کے کھودنے میں تمہیں کوئی غیر معمولی مشقت بھی نہیں اٹھانی پڑے گی اور وہ اس جگہ پر ہے جہاں لوگ قربانیاں کرتے ہیں اور وہیں چیونٹیوں کی ایک بستی ہے اور تم کو وہاں ایک کوا(وہ کوا جس کے دونوں پاؤں اور چونچ سرخ رنگ کے ہوں اور اس کے پروں میں کچھ سفیدی ہو،اس زمانہ میں اسی رنگ کا ایک کوا مقام زمزم پر آکر بیٹھتا تھا،زمزم تو باقی نہ رہا تھا البتہ اس کی جگہ قریش قربانی کیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے وہ کوا وہاں سے ہٹتا نہ تھا) چونچ سے

---

[1] ابن ہشام ۷۶/۱،روض الانف ۲۰۷/۱

[2] ابن ہشام ۷۶/۱،روض الانف ۲۰۷/۱

زمین کریدتا ہوا دیکھو گے،

فَعَدَا عَبْدُ الْمُطَّلِبِ وَمَعَهُ ابْنُهُ الْحَارِثُ، وَلَيْسَ لَهُ يَوْمَئِذٍ وَلَدٌ غَيْرَهُ، فَوَجَدَ قَرْيَةَ النَّمْلِ، وَوَجَدَ الْغُرَابَ يَنْقُرُ عِنْدَهَا بَيْنَ الْوَثَنَيْنِ: إِسَافٍ وَنَائِلَةٍ، اللَّذَيْنِ كَانَتْ قُرَيْشٌ تَنْحَرُ عِنْدَهُمَا ذَبَائِحَهَافَقَامَتْ إِلَيْهِ قُرَيْشٌ حِينَ رَأَوْا جِدَّهُ، فَقَالُوا: وَاللَّهِ لَا نَتْرُكُكَ تَحْفِرُ بَيْنَ وَثَنَيْنَا هَذَيْنِ اللَّذَيْنِ نَنْحَرُ عِنْدَهُمَافَقَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ لِابْنِهِ الْحَارِثِ: ذُدْ عَنِّي حَتَّى أحفر، فو الله لَأَمْضِيَنَّ لِمَا أُمِرْتُ بِهِ، فَلَمَّا عَرَفُوا أَنَّهُ غَيْرُ نَازِعٍ ، خَلَّوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْحَفْرِ، وَكَفُّوا عَنْهُ،وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ فِيمَا يَزْعُمُونَ وَاللَّهُ أَعْلَمُ قَدْ نَذَرَ حِينَ لَقِيَ مِنْ قُرَيْشٍ مَا لَقِيَ عِنْدَ حَفْرِ زَمْزَمَ، لَئِنْ وُلِدَ لَهُ عَشَرَةُ نَفَرٍ، ثُمَّ بَلَغُوا مَعَهُ حَتَّى يَمْنَعُوهُ، لَيَنْحَرَنَّ أَحَدَهُمْ لله عِنْدَ الْكَعْبَةِ

چنانچہ دوسرے روز عبدالمطلب اپنے اکلوتے بیٹے حارث کے ساتھ کھدائی کا ضروری سامان لے کر حرم میں پہنچ گئے، بشارت کے مطابق ایک کوئے کو اساف اور نائلہ کے بتوں کے قریب زمین کو کریدتے پایا اور چیونٹیوں کے بل بھی وہاں بکثرت تھے، وہیں قریش اپنے بتوں کے نام کی قربانیاں کرتے تھے، اور ان کے آگے سجدہ میں گرتے تھے عبدالمطلب نے قریش کو اپنے خواب کا ذکر کیا اور کہا کہ میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے، مگر قریش نے کھدائی کی مخالفت کی اور مزاحم ہوئے اور کہا کہ ہم تمہیں اپنے دونوں بتوں کے درمیان ہرگز کھدائی کی اجازت نہیں دیں یہاں ہم قربانیاں کرتے ہیں، عبدالمطلب نے ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے حارث سے کہا تم کدال مجھے دو میں یہاں کھدائی کرتا ہوں میں ان کی تہدید وتخویف سے ہرگز اپنے کام کو نہیں روکوں گا جس کا مجھے عالم بالا سے حکم ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ وہاں کھدائی میں مصروف ہو گئے، قریش نے جب عبدالمطلب کا عزم دیکھا تو خاموش ہو گئے، قریش کے رویئے کے پیش نظر اس وقت انہوں نے منت مانی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے گا جو جوان ہو کر میرے دست وبازو بنیں تو ان میں سے ایک بیٹے کو قربان کر دوں گا۔[1]

فَيَحْمِلُهُ الْحَارِثُ فَيُلْقِيهِ خَارِجًا فَلَمْ يَحْفِرْ إِلَّا يَسِيرًا، حَتَّى بَدَا لَهُ الطَّيُّ، فَكَبَّرَ وَعَرَفُوا أَنَّهُ قَدْ صُدِقَ.فَلَمَّا تَمَادَى بِهِ الْحَفْرُ وَجَدَ فِيهَا غَزَالَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ، وَهُمَا الْغَزَالَانِ اللَّذَانِ دَفَنَتْ جُرْهُمُ فِيهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنْ مَكَّةَ، وَوَجَدَ فِيهَا أَسْيَافًا قَلْعِيَّةً وَأَدْرَاعًا فَقَامُوا إِلَيْهِ فَقَالُوا: يَا عَبْدَ الْمُطَّلِبِ، إِنَّهَا بِئْرُ أَبِينَا إِسْمَاعِيلَ، وَإِنَّ لَنَا فِيهَا حَقًّا فَأَشْرِكْنَا مَعَكَ فِيهَا قَالَ: مَا أَنَا بِفَاعِلٍ، إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ قَدْ خُصِصْتُ بِهِ دُونَكُمْ، وَأُعْطِيتُهُ مِنْ بَيْنِكُمْ،فَقَالُوا لَهُ: فَأَنْصِفْنَا فَإِنَّا غَيْرُ تَارِكِيكَ حَتَّى نُخَاصِمَكَ فِيهَاقَالَ: فَاجْعَلُوا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مَنْ شِئْتُمْ أُحَاكِمُكُمْ إِلَيْهِ، قَالُوا :كَاهِنَةُ بَنِي سَعْدِ هُذَيْمٌ ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَكَانَتْ بِأَشْرَافِ الشَّامِ

عبدالمطلب کنواں کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اٹھا کر دور پھینکتے جاتے تھے، عبدالمطلب کو زمین کھودتے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ پانی نمودار ہوا تو عبدالمطلب نے تکبیر کہی اور جان لیا کہ بے شک یہ سچی بشارت تھی، بہت جلد انہیں اس کنویں سے جرہم کا وہ دفینہ جو سونے کے دو ہرن، بہت سی قلعی، تلواریں اور قیمتی زرہوں پر مشتمل تھا بھی دستیاب ہو گیا اب تو ان کی ہمت اور بڑھ گئی اور وہ اپنے کام میں پوری

[1] سیرة ابن اسحاق۔السیر والمغازی ۱/۳۲

تندہی سے لگے رہے آخرخون پسینہ ایک کر کے تین دنوں میں باپ بیٹا پانی تک پہنچ گئے، جب قریش نے دیکھا کہ عبد المطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں اور انہیں بیش بہا خزانہ بھی مل گیا ہے تو انہوں نے یہ مطالبہ جڑ دیا کہ کیونکہ یہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کی میراث ہے اس لئے ہم بھی اس خزانہ میں حصہ دار ہیں اور زمزم کی حفاظت اور تقسیم میں ہمیں بھی شامل کیا جائے، مگر عبد المطلب نے ان کا مطالبہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا یہ خاص میرے واسطے ہے تمہارا اس میں کچھ حصہ نہیں ہے، قریش نے کہا جب تک تم ہمیں حصہ نہ دو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے بلکہ تم سے جھگڑا کریں گے، آخر یہ معاملہ نازک صورت حال اختیار کر گیا تو عبد المطلب نے کہا اچھا تم کوئی ثالث مقرر کر و جو ہمارا اور تمہارا فیصلہ کر دے، قریش نے کہا اس مسئلہ کے فیصلے کے لیے ہم بنی سعد بن ہذیل کی کاہنہ کو جو ملک شام کی سرحد پر رہتی ہے ثالث مقرر کرتے ہیں۔

مکہ مکرمہ میں اس وقت یہ رواج تھا کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو دیوتاؤں کی مرضی معلوم کرنے کے لئے تیروں سے فال نکلواتے، پروہت یا مہنت تیروں کو لے جاتا اور ان تیروں کو ایک خاص طریقہ پر گھماتا جس تیر کا منہ دیوتا کی طرف ہو جاتا تو سمجھتے یہی دیوتا کی پسند ہے پھر اسی کے مطابق کام کرتے،

چنانچہ ایک روایت ہے جب قریش نہ مانے تو

نَضْرِبُ عَلَيْهَا بِالْقِدَاحِ ،قَالُوا : وَكَيْفَ تَصْنَعُ؟قَالَ :أَجْعَلُ لِلْكَعْبَةِ قِدْحَيْنِ، وَلِي قِدْحَيْنِ، وَلَكُمْ قِدْحَيْنِ، فَمَنْ خَرَجَ لَهُ قِدْحَاهُ عَلَى شَيْءٍ كَانَ لَهُ، وَمَنْ تَخَلَّفَ قِدْحَاهُ فَلَا شَيْءَ لَهُ،قَالُوا : أَنْصَفْتَ، فَجَعَلَ قِدْحَيْنِ أَصْفَرَيْنِ لِلْكَعْبَةِ، وَقِدْحَيْنِ أَسْوَدَيْنِ لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَقِدْحَيْنِ أَبْيَضَيْنِ لِقُرَيْشٍ، ثُمَّ أَعْطَوْا (الْقِدَاحَ) صَاحِبَ الْقِدَاحِ الَّذِي يَضْرِبُ بِهَا عِنْدَ هُبَلَ وَقَامَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ يَدْعُو اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَضَرَبَ صَاحِبُ الْقِدَاحِ،فَخَرَجَ الْأَصْفَرَانِ عَلَى الْغَزَالَيْنِ لِلْكَعْبَةِ، وَخَرَجَ الْأَسْوَدَانِ عَلَى الْأَسْيَافِ، وَالْأَدْرَاعُ لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَتَخَلَّفَ قِدْحَا قُرَيْشٍ، فَضَرَبَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ الْأَسْيَافَ بَابًا لِلْكَعْبَةِ، وَضَرَبَ فِي الْبَابِ الْغَزَالَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ. فَكَانَ أَوَّلَ ذَهَبٍ حَلِيَتْهُ الْكَعْبَةُ، فِيمَا يَزْعُمُونَ، ثُمَّ إنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ أَقَامَ سِقَايَةَ زَمْزَمَ لِلْحُجَّاجِ.

عبد المطلب نے کہا اگر تم اس میں حصہ لینے پر مصر ہو تو اس کے لئے قرعہ اندازی کر لیتے ہیں، جس کا قرعہ نکل آئے وہ ان چیزوں (سونے کے ہرن، ڈھالیں، تلواریں وغیرہ) کا حقدار اور جس کا قرعہ نہ نکلے وہ ان چیزوں سے محروم تصور ہو گا قریش نے پوچھا یہ قرعہ اندازی کیسے ہو گی ؟عبد المطلب نے کہا دو تیر کعبہ کے دو تیر تمہارے اور دو تیر میرے ہوں گے، جس کے تیر جس چیز پر نکل آئے وہ اس کو مل جائے گی اور جس کے نہ نکلے وہ ان چیزوں سے محروم ہو گا، اس تجویز پر سب قریش متفق ہو گئے اور اس تجویز کو مبنی بر انصاف کہا اب عبد المطلب نے دو زرد تیر کعبہ کے لئے دو کالے تیر اپنے لئے اور دو سفید تیر قریش کے لئے تیار کیے اور اپنے سب سے بڑے معبود ہبل جس کا قریش نعرہ لگایا کرتے تھے کے پاس جا کر تیر قرعہ اندازی کے لئے قرعہ انداز کے حوالے کر دیئے اور خود کھڑے ہو کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے، قرعہ ڈالنے

والا قرعہ اندازی میں مصروف ہوا، سونے کے دونوں ہرنوں پر کعبہ کا قرعہ نکلا، تلواروں اور زرہوں پر عبد المطلب کا قرعہ برآمد ہوا اور قریش کے لیے کسی چیز پر قرعہ نہ نکلا، اس طرح یہ نزاع حل ہوگیا، عبد المطلب نے زرہیں اور تلواریں فروخت. کرکے بیت اللہ کا دروازہ بنادیا اور سونے کے دونوں ہرنوں کو خوبصورتی کے لئے ان دروازوں پر نصب کردیا اس طرح عبد المطلب پہلے شخص ہیں جنہوں نے کعبہ کو سونے سے مزین کیا اس کے بعد انہوں نے اس چاہ کے قریب کچھ حوض تیار کرائے جس سے حجاج کو پانی پلاتے۔ [1]

عبد المطلب نے کھدائی کے وقت جو منت مانی تھی کہ اگر وہ اپنی زندگی میں دس جوان بیٹوں کو دیکھ لیں تو ان میں سے ایک لڑکا قربان کردیں گے، اللہ نے ان کی آرزو کو پورا کردیا تھا، اور بارہ بیٹے عطا کیے تھے جن میں سے دس کے حالات ملتے ہیں۔

عبد المطلب کی چھ بیویوں سے درج ذیل اولادیں ہوئیں۔

بیویاں	قبیلہ	لڑکے	لڑکیاں
فاطمہ بنت عمرو بن عایذ بن عمران	مخزومیہ	زبیر، عبد مناف (ابوطالب) عبد اللہ، عبد الکعبۃ برہ،	ام حکیم، بیضا، عاتکہ، امیمہ اور اروٰی
تنیلہ بنت خیاب بن کلیب	بنی النمر بن قاسط	عباس رضی اللہ عنہ جن کی کنیت ابو الفضل تھی، ضرار، قثم	اور کوئی بیٹی نہیں
ہالہ بنت اہیب	بنی زہرہ	حمزہ رضی اللہ عنہ، مقوم، حجل، مغیرہ	کوئی بیٹی نہیں
لبنٰی بنت ہاجرہ	بنی خزاعہ	عبد العزی (ابولہب)	کوئی بیٹی نہیں
سمراء بنت جندب	بنی بکر بن ہوزان	حارث	کوئی بیٹی نہیں
منعمۃ بنت عمرو بن مالک	بنی خزاعہ	غیداق، مصعب	کوئی بیٹی نہیں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ، عبد المطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے نہ تھا بلکہ عبد اللہ سے بہت چھوٹے سید الشیداء حمزہ رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ غیداق دراصل حجل ہے، مقوم دراصل عبد الکعبۃ ہے، اور قثم کوئی نہیں، اس طرح پندرہ کے بجائے بارہ بیٹے ہوئے مگر دس کے حالات ملتے ہیں۔

اور چھ لڑکیاں یہ تھیں۔

ام حکیم بیضا۔ یہ کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس کے نکاح میں آئیں، ان کے بطن سے ابو عبد اللہ عامر بن عامر جو بہت سخی تھے پیدا ہوئے، یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی تھیں اروٰی ان کا نکاح عفان سے ہوا، ان کے بطن سے عثمان ذو النورین خلیفہ ثالث پیدا ہوئے، جب وہ فوت ہوگئے تو عقبہ بن ابی معیط کے نکاح میں آئیں اور ان سے ولید بن عقبہ پیدا ہوئے، یہ اپنے جلیل القدر فرزند کے دور خلافت تک بقید حیات تھیں۔

برہ۔ یہ ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی اور ابو سبزہ کی والدہ ہیں۔

[1] ابن ہشام ۱/۱۴۳

عاتکہ۔ یہ زبیر بن امیہ اور عبداللہ ابن ابی امیہ مخزومی کی والدہ ہیں۔

صفیہ۔ یہ زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ اور ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی بھاوج ہیں، انہوں نے اسلام قبول کیا تھا اور ہجرت فرما کر مدینہ چلی آئی تھیں۔

امیہ۔ یہ عبداللہ، ابواحمد، عبیداللہ، جحش اور ام المومنین زینب اور حمنہ کی والدہ ہیں۔

ان کا ایک بڑا لڑکا حارث باپ کی زندگی میں وفات پاچکا تھا، ان کا ایک بیٹا جس کا نام ربیعہ رضی اللہ عنہ تھا جنگ بدر میں ایمان لے آیا تھا، ایک بیٹا عبداللہ (ابوسفیان رضی اللہ عنہ) بھی فتح مکہ کے دن ایمان لے آیا تھا، عبدالمطلب کا ایک بیٹا زبیر بن عبدالمطلب تھا یہ بھی ان کی زندگی میں اسلام سے پہلے فوت ہوگیا تھا ان کی اولاد میں ایک لڑکے عبداللہ اور ایک لڑکی ضباعہ نے اسلام کی دعوت قبول کرلی تھی، ایک لڑکا عبدمناف (ابوطالب) تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ تو دیا مگر اسلام کی نعمت سے محروم ہی رہا، ان کے چار بیٹے طالب، عقیل، جعفر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے، جن کی پیدائش کے درمیانہ وقفہ دس دس سال کا ہے، عبدالمطلب کا ایک بیٹا ابولہب تھا جو جنگ بدر کے بعد عبرت ناک موت مرا، اس کے ایک بیٹے عتیبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی تھی اور اسے ایک درندے نے پھاڑ کھایا تھا مگر اس کے دو بیٹے عتبہ اور معتب فتح مکہ کے دن ایمان لائے، ان کا ایک بیٹا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے جو ہجرت حبشہ سے پہلے ایمان لائے، ساتواں بیٹا عباس رضی اللہ عنہ تھے جو فتح مکہ کے وقت ایمان لائے، اس وقت یہ سقایہ اور رفادہ کے عہدے پر فائز تھے، ان کا ایک بیٹا عبداللہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہیں، آپ کے علاوہ ان کی اور کوئی اولاد نہیں،

ثم نام فنودي :قال: قرب أحد أولادك الذي نذرته أي: نذرت ذبحه

ایک دن وہ خانہ کعبہ کے سامنے سو رہے تھے تو خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے اے عبدالمطلب! اس نذر کو پورا کرو جو آپ نے اس گھر کے مالک کے لئے مانی تھی یعنی ایک لڑکے کے ذبح کرنے کی نذر۔[1]

جَمَعَهُمْ ثُمَّ أَخْبَرَهُمْ بنذره ودعاهم إِلَى الْوَفَاء لله عزوجل بِذَلِكَ.فَأَطَاعُوهُ وَقَالُوا: كَيْفَ نَصْنَعُ؟قَالَ: لِيَأْخُذْ كُلُّ رَجُلٍ مِنْكُمْ قِدْحًا ثُمَّ يَكْتُبُ فِيهِ اسْمَهُ ثُمَّ ائْتُونِي فَفَعَلُوا ثُمَّ أَتَوْهُ ،أَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ لَمَّا جَاءَ يَسْتَقْسِمُ بِالْقِدَاحِ عِنْدَ هُبَلَ فَقَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ لِصَاحِبِ الْقِدَاحِ: اضْرِبْ عَلَى بَنِيَّ هَؤُلَاءِ بِقِدَاحِهِمْ هَذِهِ وَأَخْبَرَهُ بِنَذْرِهِ الَّذِي نَذَر، فَأَعْطَاهُ كُلُّ رَجُلٍ مِنْهُمْ قِدْحَهُ الَّذِي فِيهِ اسْمُهُ وَكَانَ عَبْدُ اللَّهِ فِيمَا يَزْعُمُونَ أَحَبَّ وَلَدِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ إِلَيْهِ فَلَمَّا أَخَذَ صَاحِبُ الْقِدَاحِ الْقِدَاحَ لِيَضْرِبَ بِهَا، قَامَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ عِنْدَ هُبَلَ يَدْعُو اللَّهَ فَخَرَجَ الْقِدْحُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ، فَأَخَذَهُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بِيَدِهِ وَأَخَذَ الشَّفْرَةَ، ثُمَّ أَقْبَلَ بِهِ إِلَى إِسَافٍ وَنَائِلَةٍ لِيَذْبَحَهُ فَبَكَى بَنَاتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. وَكُنَّ قِيَامًا

جب نیند سے بیدار ہوئے تو اپنے تمام بیٹوں کو جمع کرکے اپنی منت اور خواب کے بارے میں بتایا، سب بچوں نے کہا کہ وہ اپنی نذر پوری کریں اور جو چاہیں کریں، انہوں نے کہا اس کا فیصلہ کیسے ہوگا؟ عبدالمطلب نے کہا تم سب کو لازم ہے کہ ایک ایک تیر قرعہ اندازی کے لیے

[1] شرح الزرقانی علی المواهب ۱/۱۷۶

لے لواور اس پر اپنانام لکھ دو پھر میرے پاس لے آؤ، انہوں نے ایسا ہی کیا اور پھر اپنے باپ کے پاس آ گئے، چنانچہ عبد المطلب اپنی نذر کی تکمیل کے لئے تمام بچوں کو لے کر کعبہ میں آئے، اور قرعہ انداز سے کہا میرے ان فرزندوں کے لیے قرعہ ڈالو اور اپنی نذر کا حال بھی اس سے بیان کیا اور وہ تیر بھی اس کے حوالے کر دیے جن پر ان کے بیٹوں کے نام لکھے ہوئے تھے، لوگوں کے قول کے مطابق عبد المطلب کو اپنے سب بیٹوں سے زیادہ عبد اللہ سے محبت تھی، جب قرعہ انداز قرعہ اندازی میں مصروف ہوا تو عبد المطلب ہبل کے پاس جاکر دعا میں مصروف ہو گئے، اللہ کی قدرت قرعہ ان کے محبوب و منظور نظر بیٹے عبد الدار (عبد اللہ) کا نام نکلا، عبد المطلب نے ہاتھ میں چھری پکڑی اور محبوب فرزند کو لے کر چاہ زمزم کے پاس قربان گاہ کی طرف چلے، جہاں اساف اور نائلہ کے بت تھے، یہ خبر جنگل کے آگ کی طرح سارے مکہ مکرمہ میں پھیل گئی اور لوگ عبد المطلب کو اس عمل سے روکنے کے لئے قربان گاہ کی طرف دوڑ پڑے، اور انہیں اس عمل سے روکنے لگے، ان عبد المطلب کی بیٹیاں جو وہاں موجود تھیں بھی بھائی کو قربان ہوتے دیکھ کر رونے لگیں، اب عبد المطلب عجیب کشمکش میں پڑ گئے اور کہنے لگے میں نذر مان چکا ہوں جس کا پورا کرنا ضروری ہے آخر میں کیا کروں،

وَأَمّا الْكَاهِنَةُ الّتِي تَحَاكَمُوا إلَيْهَا بِالْمَدِينَةِ فَاسْمُهَا: قُطْبَةُ

ایک روایت میں ہے قریش کے کہنے پر مدینہ کے پاس حجر نامی بستی میں کاہنہ کے پاس گئے جس کا نام قطبہ تھا۔[1]

اور اس نے یہ طریقہ بتایا،

ایک روایت ہے کہ عبد اللہ کی ایک بہن نے کہا اے ابا! آپ دس اونٹوں اور عبد اللہ میں قرعہ ڈال کر دیکھیں اگر قرعہ دس اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو عبد اللہ کو چھوڑ دینا اور اونٹ ذبح کر دینا، عبد المطلب نے یہ بات مان لی،

فَقَالَ لِلسَّادِنِ: اضْرِبْ عَلَيْهِ بِالْقِدَاحِ وَعَلَى عَشْرٍ مِنَ الإِبِلِ،فَضَرَبَ. فَخَرَجَ الْقَدَحُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ،فَجَعَلَ يَزِيدُ عَشْرًا عَشْرًا. كُلُّ ذَلِكَ يَخْرُجُ الْقَدَحُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ حَتَّى كَمَلَتِ الْمِائَةُ . فَضَرَبَ بِالْقِدَاحِ فَخَرَجَ عَلَى الإِبِلِ ،وَقَدَّمَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ الإِبِلَ فَنَحَرَهَا بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، فَجَرَتْ فِي قُرَيْشٍ وَالْعَرَبِ مِائَةٌ مِنَ الإِبِلِ. وأقرها رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ

چنانچہ عبد المطلب نے پانسے ڈالنے والے سے کہا عبد اللہ پر اور دس اونٹوں پر پانسے ڈال، قرعہ ڈالا گیا تو پھر بھی عبد اللہ ہی کے نام نکلا، عبد المطلب دس دس اونٹ بڑھاتے رہے یہاں تک کہ سو کی تعداد پوری ہوگئی مگر دسویں بار قرعہ عبد اللہ کے بجائے اونٹوں کے نام نکلا، دل کی تسلی کے لئے تین دفعہ تیروں سے مزید فال لی گئی اور ہر مرتبہ فال اونٹوں کے نام نکلی تب عبد المطلب مطمئن ہوئے اور لوگ خوشی سے اچھل پڑے، چنانچہ عبد المطلب نے اپنی منت کو پورا کرنے کے لئے سو اونٹ صفا و مروہ کے مابین قربان کیے، اس کے بعد دیت یا خون بہا کے لئے اونٹوں کی تعداد سو کر دی گئی، اس کے بعد قریش اور عرب میں بھی سو اونٹوں کا قانون بن گیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے برقرار رکھا، اس واقعہ کے بعد عبد المطلب نے عبد الدار کا نام بدل کر عبد اللہ رکھ دیا اور وہ ذبیح کے لقب سے مشہور ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو ابن

[1] الروض الانف ۸۷/۲

الذبیحین (یعنی دو ذبیح کے فرزند، اسماعیل علیہ السلام اور آپ کے والد عبد اللہ) کہتے ہیں۔

لقوله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أنا ابن الذبيحين يعني: إسماعيل وعبد الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دو ذبیح کا فرزند ہوں یعنی اسماعیل علیہ السلام اور عبد اللہ۔ (۱)

عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَتِ الدِّيَةُ يَوْمَئِذٍ عَشْرًا مِنَ الإِبِلِ. وَعَبْدُ الْمُطَّلِبِ أَوَّلُ مَنْ سَنَّ دِيَةَ النَّفْسِ مِائَةً مِنَ الإِبِلِ

عکرمہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اس سے پہلے ایک آدمی کی دیت (خون بہا) دس اونٹ تھی، عبد المطلب پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایک جان کا بدلہ سو (۱۰۰) اونٹ قرار دیا۔ (۲)

عبد اللہ کی شادی:

عبد المطلب قرعہ اندازی کے بعد جب فدیہ سے فارغ ہو گئے تو اپنے محبوب بیٹے کی شادی کی فکر دامن گیر ہوئی جو جوان ہو چکے تھے، اللہ نے انہیں خداداد حسن عطا کیا تھا یہ بڑے پاکباز، حلیم الطبع اور فیاض تھے، نذر کے واقعہ سے گھر گھر ان کا چرچا تھا، جس سے ان کی عظمت اور بڑھ گئی تھی بہترین عورتیں ان سے شادی کی خواہشمند تھیں لیکن انہیں یہ شرف نہ مل سکا، عبد المطلب نے نگاہیں دوڑائیں تو قبیلہ زہرہ کے رئیس وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب کی لڑکی آمنہ پر جو اپنے چچا وہیب بن عبد مناف کی زیر تربیت تھیں اور نسبی شرافت میں ممتاز اور اپنی قوم کی بہترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھیں پر جا کر ٹھہر گئیں، عبد المطلب نے آمنہ کے لئے عبد اللہ کا پیغام نکاح بھیجا اور اس کے ساتھ عبد المطلب نے وہیب بن عبد مناف کی لڑکی ہالہ کے لئے اپنا پیغام نکاح بھی بھیجا، لڑکی والوں نے اسے اپنا شرف سمجھا اور دونوں کا رشتہ منظور ہو گیا اور ایک ہی وقت میں عبد المطلب اور عبد اللہ بن عبد المطلب کا نکاح ہو گیا، انہی ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف سے حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہدا پیدا ہوئے جو آپ علیہ السلام سے صرف چھ ماہ ہی بڑے تھے رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد اور رضائی بھائی بھی تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ سے ایک بے سند، بے اصل روایت یہ بھی ہے کہ عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دو سو عورتیں اس غم میں کہ عبد اللہ سے انہیں یہ دولت حاصل نہیں ہوئی مر گئیں مگر انہوں نے کہیں شادی نہیں کی (سوچنے کا مقام یہ ہے کہ کیا بنو زہرہ، بنو جمح، بنو اسد، بنو خویلد، بنو تمیم، بنو عدی، بنو غالب میں کیا کوئی لڑکی موجود نہ تھی کہ وہ بھی رشک وحسد کرتیں) اور قریش کی کوئی عورت ایسی نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔

ایک متروک منکر الحدیث راوی عبد العزیز بن عمران الزہری سے یہ روایت بھی ہے کہ ایک بار عبد المطلب یمن گئے وہاں ایک کاہن ان کے پاس آیا اور ان سے ان کے نتھنے دیکھنے کی درخواست کی جو انہوں نے دے دی، نتھنے دیکھ کر وہ کاہن بولا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو، یعنی دادا کی بنو زہرہ میں شادی سے یہ بات ثابت ہو گی کہ بادشاہت و نبوت اس لڑکے یا اس لڑکے کی اولاد کے حصہ میں آئے گی جس کی ماں بنو زہرہ سے تعلق رکھتی ہو۔

---

(۱) شرف المصطفیٰ ۲/۷۴

(۲) ابن سعد ۱/۷۲

ایک کاہنہ کا عبد اللہ سے لگاؤ:

ایک ضعیف روایت ابن سعد، خرائطی، ابن عساکر، بیہقی اور ابونعیم میں کئی طریقوں سے مذکور ہے جس کے راوی مشہور کذاب واقدی، کلبی اور راوی نفر بن سلمہ جو احادیث وضع کرتا تھا، احمد بن محمد، عبد العزیز بن عمرو الزہری اور تبع تابعی مسلم بن خالد الزنجی جو بنو مخزوم کے غلام تھے وغیرہ ہیں جو سب نامعتبر ہیں کہ جب عبد المطلب اونٹوں کی قربانی سے فارغ ہو کر اپنے بیٹے عبد اللہ کے ساتھ گھر واپس ہو رہے تھے تو کعبہ کے پاس کھڑی قبیلہ بنو اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ کی ایک کاہنہ عورت پر ان کا گزر ہوا، جونہی اس عورت کی نظر عبد اللہ پر پڑی اس نے عبد اللہ کی پیشانی پر چمکتے ہوئے نور کو پہچانا کہ یہ نور نبوت ہے کیونکہ وہ اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے جو نصرانی کتب سماوی کے ماہر تھے ایک نبی کے ظہور کا سنتی تھی اس لئے اس نے خواہش کی کہ وہ اس نور کی امین بن جائے چنانچہ اس نے عبد اللہ سے کہا اگر تم مجھ سے اسی وقت اختلاط کرلو تو میں تمہیں یہ کچھ دوں گی مگر عبد اللہ نے اپنے ہمراہ والد کا عذر کر دیا اور گھر چلے گئے، ان کی شادی آمنہ سے ہوئی پھر دستور کے مطابق شادی کے تین دن سسرال میں گزارنے کے بعد

ثُمَّ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا، فَأَتَى الْمَرْأَةَ الَّتِي عَرَضَتْ عَلَيْهِ مَا عَرَضَتْ فَقَالَ لَهَا: مَا لَكَ لَا تَعْرِضِينَ عَلَيَّ الْيَوْمَ مَا كُنْتِ عَرَضْتِ عَلَيَّ بِالْأَمْسِ؟ قَالَتْ لَهُ :فَارَقَكَ النُّورُ الَّذِي كَانَ مَعَكَ بِالْأَمْسِ، فَلَيْسَ (لِي) بِكَ الْيَوْمَ حَاجَةٌ

عبد اللہ اس عورت کے پاس آئے جس نے پہلے خود کو اختلاط کے لئے پیش کیا تھا مگر اس نے انکار کر دیا عبد اللہ نے کہا تجھے کیا ہو گیا ہے کہ جو پیش کش تم نے پہلے کی تھی آج نہیں کر رہی، اس عورت نے جواب دیا کہ جو نور تم میں پہلے تھا اب موجود نہیں ہے اس لئے مجھے اب تمہاری ضرورت نہیں رہی۔ [1]

والد کی وفات:

آمنہ سے شادی کے کچھ ہی دنوں بعد آپ کے والد عبد اللہ جن کی عمر اس وقت کئی روایات کے مطابق ۱۸، ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۳۰ یا ۳۵ برس تھی، تجارت کی غرض سے شام روانہ ہو گئے، کچھ عرصہ فلسطین کے شہر غزہ میں رہنے کے بعد واپسی میں اچانک بیمار ہوئے اور مدینہ میں اپنے ننھیال بنو نجار کے ہاں ایک ماہ قیام کیا، ان کے ساتھی چند روز تک ان کی صحت یابی کا انتظار کر کے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے، قافلہ جب مکہ واپس آیا اور اس نے عبد اللہ کی بیماری کی خبر دی تو عبد المطلب نے اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر کے لئے مدینہ روانہ کیا مگر حارث کے پہنچنے سے پہلے عبد اللہ کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کی تدفین نابغہ جعدی کے مکان میں ہوئی، حارث نے واپس آ کر اس پر ملال حادثہ سے عبد المطلب کو آگاہ کیا، انہیں اپنے پیارے بیٹے کے انتقال سے بے حد دکھ ہوا، اکثر مورخین کہتے ہیں اس وقت آپ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تھے،

تُوُفِّيَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بعد ما أَتَى عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةٌ وَعِشْرُونَ شَهْرًا .وَيُقَالُ سَبْعَةُ أَشْهُ

<u>جبکہ کچھ کہتے ہیں عبد اللہ</u> بن عبد المطلب نے اس وقت وفات پائی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھائیس، انتیس مہینے کے ہو چکے تھے اور یہ بھی

[1] ابن ہشام ۱/۱۵۷، ۱۵۸، ابن سعد ۱/۷۵، ۷۶

کہا جاتا ہے کہ سات مہینے ہو چکے تھے۔ (۱)

وَقَالَ الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ: حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَسَنٍ عَنْ عَبْدِ السَّلام عَنِ ابْنِ خَرَّبُوذَ. قَالَ: توفِّي عَبْدُ اللَّهِ بِالْمَدِينَةِ وَرَسُولُ اللَّهِ صلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ شَهْرَيْنِ، وَمَاتَتْ أُمُّهُ وَهُوَ ابْنُ أَرْبَعِ سِنِينَ،

اور زبیر بن بکار بیان کرتے ہیں ان سے محمد بن حسن نے عبد السلام اور ابن خربود کے حوالے سے بیان کیا کہ جب عبد اللہ بن عبد المطلب فوت ہوئے اس وقت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی عمر دو ماہ ہو چکی تھی۔ (۲)

وَالأَوَّلُ أَثْبَتُ أَنَّهُ تُوُفِّيَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمْلٌ

محمد بن سعد کہتے ہیں معتبر اور مسلم ترین روایت پہلی ہے کہ آپ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ (۳)

وَلِعَبْدِ اللَّهِ يَوْمَ تُوُفِّيَ خَمْسٌ وَعِشْرُونَ سَنَةً

عبد اللہ نے پچیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ (۴)

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴿٦﴾ (۵)

ترجمہ: اے نبی اس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانہ فراہم کیا۔

تَرَكَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أُمَّ أَيْمَنَ وَخَمْسَةَ أَجْمَالٍ أَوَارِكٍ. يَعْنِي تَأْكُلُ الأَرَاكَ. وَقِطْعَةَ غَنَمٍ

عبد اللہ بن عبد المطلب نے اپنے ترکہ میں پانچ اونٹ، چند بکریاں اور ایک حبشی النسل باندی برکہ جس کی کنیت ام ایمن تھی چھوڑی۔ (۶)

ایک روایت میں ایک اونٹ اور ایک حبشی باندی برکہ جس کی کنیت ام ایمن تھی چھوڑی۔

عام الفیل

۳۰ اگست ۵۷۰ء یا ۵۷۱ء

ابرہہ کا مکہ مکرمہ پر حملہ:

یمن کے ایک متعصب یہودی بادشاہ ذونواس نے نجران کے عیسائیوں پر حملہ کیا اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ اپنا عیسائی مذہب ترک کر کے یہودی بن جائیں، مگر عیسائی اپنا دین تبدیل کرنے پر راضی نہ ہوئے جس پر اس نے ان کا قتل عام کیا اور ایک کثیر تعداد کو بھڑکتی آگ میں

(۱) ابن سعد ۱/۸۰

(۲) البداية والنهاية ۲/۳۲۳

(۳) ابن سعد ۱/۸۰

(۴) ابن سعد ۱/۸۰

(۵) الضحیٰ ۶

(۶) ابن سعد ۱/۸۰

زندہ جھونک دیا جس سے عیسائیوں میں ذونواس یہودی کے خلاف جذبہ انتقام ابل پڑا، اپنے ہم مذہبوں کی دردناک موت کا بدلہ لینے کے لئے رومی عیسائیوں نے حبشیوں کو یمن پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا اور مدد کے لئے بحری بیڑہ بھی مہیا کیا، حبشیوں نے اپنے امیر اریاط کی سربراہی میں ستر ہزار لشکر کے ساتھ یمن پر حملہ کر دیا اور ذونواس کو شکست دے کر حکومت پر قبضہ کر لیا، امیر اریاط شاہ حبش نجاشی کے گورنر کی حیثیت سے چند ماہ حکمرانی کرتا رہا مگر اس کے ایک ماتحت کمانڈر ابرہہ نے موقعہ پا کر اسے قتل کر دیا اور شاہ حبش نجاشی کو راضی کر کے اقتدار پر اس کا نائب مقرر ہو گیا، مگر یونانی اور سریانی مورخین کا بیان ہے کہ فتح یمن کے بعد جب حبشیوں نے مزاحمت کرنے والے یمنی سرداروں کا چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا تو ان میں سے ایک سردار السمیفع اشوع (جسے یونانی مورخین Esympheeus لکھتے ہیں) نے حبشیوں کی اطاعت قبول کر کے اور جزیہ ادا کرنے کا عہد کر کے شاہ حبش سے یمن کی گورنری کا پروانہ حاصل کر لیا لیکن حبشی فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور ابرہہ کو اس کی جگہ گورنر بنا دیا یہ شخص حبش کی بندرگاہ ادولیس کے ایک یونانی تاجر کا غلام تھا جو اپنی ہوشیاری و چالاکی سے یمن پر قبضہ کرنے والی حبشی فوج میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر گیا تھا، شاہ حبش نے اس کی سرکوبی کے لئے جو فوجیں بھیجیں وہ یا تو اس سے مل گئیں یا اس نے ان کو شکست دے دی، آخر کار شاہ حبش کے مرنے کے بعد اس کے جانشین نے اس کو یمن پر اپنا نائب السلطنت تسلیم کر لیا، رفتہ رفتہ یہ شخص یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا مگر برائے نام شاہ حبش کی بالادستی تسلیم کر رکھی تھی، اور اپنے آپ کو مفوض الملک (نائب بادشاہ) لکھتا تھا اس نے جو اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا، ابرہہ جو ایک نہایت متعصب عیسائی شخص تھا اس نے حکومت حاصل کرتے ہی سب سے پہلے قتل عام کر کے یمن سے یہودیت کا بیخ و بن سے خاتمہ کر ڈالا، اپنا اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے اس مقصد کے لئے کام شروع کر دیا جو اس مہم کی ابتداء سے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے پیش نظر تھا، یعنی ایک طرف عرب میں عیسائیت کو فروغ دینا اور دوسری طرف اس تجارت پر قبضہ کرنا جو بلاد مشرق اور رومی مقبوضات کے درمیان عربوں کے ذریعہ ہوتی تھی، یہ ضرورت اس بنا پر اور بڑھ گئی تھی کہ ایران کی ساسانی سلطنت کے ساتھ روم کی کشمکش اقتدار نے بلاد مشرق سے رومی تجارت کے دوسرے تمام راستے بند کر دیئے تھے، چنانچہ اس نے اہل عرب کی اس تجارتی پٹی پر قبضہ کرنے کے لئے ایک منصوبہ تیار کیا کیونکہ عرب کعبہ کو اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر اور اپنا دینی و دنیاوی مرکز سمجھتے تھے جس کی وجہ سے خانہ کعبہ کی محبت عربوں میں گھلی ہوئی تھی ان کو اس سے ہٹانے کی ایک ہی تدبیر ممکن تھی کہ جس بیت اللہ کی وجہ سے مکہ ایک تجارتی منڈی بنا ہوا ہے اسے ہی بنیاد سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے، اور پھر عبادت کے لئے یمن میں ایک شاندار گرجا تیار کر کے لوگوں کا رخ اس طرف پھیر دیا جائے چنانچہ اس فاسد مقصد کی تکمیل کے لئے ابرہہ نے کعبہ کو ڈھانے کی منصوبہ بندی کی،

فَشَرَعَ فِي بِنَاءِ كَنِيسَةٍ هَائِلَةٍ بِصَنْعَاءَ، رَفِيعَةَ الْبِنَاءِ، عَالِيَةَ الْفِنَاءِ، مُزَخْرَفَةَ الْأَرْجَاءِ. سَمَّتْهَا الْعَرَبُ الْقُلَّيْسَ؛ لِارْتِفَاعِهَا؛ لِأَنَّ النَّاظِرَ إِلَيْهَا تَكَادُ تَسْقُطُ قُلُنْسُوَتُهُ عَنْ رَأْسِهِ مِنَ ارْتِفَاعِ بِنَائِهَا

اس نے سب سے پہلے یمن میں بڑے اہتمام اور کروفر سے بہت اونچا، بہت مضبوط، بے حد خوبصورت اور منقش و مزین کعبہ کی طرح کا چوکور گرجا بنایا جو اس قدر بلند تھا کہ چوٹی تک نظر ڈالنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی، اسی لئے عرب اسے قلیس کہتے تھے یعنی ٹوپی پھینک دینے والا اور اس کا نام کعبہ رکھا۔

فَبَنَى لَهُمْ بَيْتًا عَمِلَهُ بِالرُّخَامِ الأَبْيَضِ وَالأَحْمَرِ وَالأَصْفَرِ وَالأَسْوَدِ وَحَلاهُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ. وَحَفَّهُ بِالْجَوْهَرِ. وَجَعَلَ لَهُ أَبْوَابًا عَلَيْهَا صَفَائِحُ الذَّهَبِ. وَمَسَامِيرُ الذَّهَبِ. وَفَصَلَ بَيْنَهَا بِالْجَوْهَرِ. وَجَعَلَ فِيهَا يَاقُوتَةً حَمْرَاءَ عَظِيمَةً وَجَعَلَ لَهُ حِجَابًا. وَكَانَ يُوقَدُ فِيهِ بِالْمَنْدَلِيِّ. وَيُلَطِّخُ جَدْرَهُ بِالْمِسْكِ فَيَسْوَدُّ حَتَّى يَغِيبَ الْجَوْهَرُ وَأَمَرَ النَّاسَ فَحَجُّوهُ. فَحَجَّهُ كَثِيرٌ مِنْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ سِنِينَ. وَمَكَثَ فِيهِ رِجَالٌ يَتَعَبَّدُونَ وَيَتَأَلَّهُونَ وَنَسَكُوا لَهُ.

ابن سعد میں ہے ابرہہ نے اہل یمن کے لیے سفید و سرخ اور زرد و سیاہ پتھروں کا ایک گھر بنایا جو سونے چاندی سے مجلیٰ اور جوہر سے مزین تھا، اس میں کئی دروازے تھے جن میں سونے کے پتر اور زرین کل کیلیں لگی ہوئی تھیں اور بیچ بیچ میں جواہر تھے اس مکان میں ایک بڑا سا لال یاقوت لگا ہوا تھا، پردے پڑے ہوئے تھے، عود مندلی (یعنی مقام سندل کا جو خوشبویات کے لیے مشہور تھا) وہاں لوبان، اگر، عود سلگاتے رہتے تھے، دیواروں پر اس قدر مشک ملا جاتا تھا کہ سیاہ ہو جاتیں حتی کہ جواہر بھی نظر نہ آتے، لوگوں کو اس کان کے حج کرنے کا ابراہہ نے حکم دیا اکثر قبائل عرب کئی سال تک اس کا حج کرتے رہے، عبادت اور اللہ کی عبادت اور زہد و پاک دامنی کے لیے بہت سے لوگ اس میں اعتکاف بھی کرتے تھے اور حج کے ارکان یہیں ادا ہوتے تھے۔ [1]

وَأَرْسَلَ أَبْرَهَةُ يَقُولُ لِلنَّجَاشِيِّ: إِنِّي سَأَبْنِي لَكَ كَنِيسَةً بِأَرْضِ الْيَمَنِ لَمْ يُبْنَ قَبْلَهَا مِثْلُهَا

گرجا کی تعمیر سے فارغ ہو کر ابراہہ نے شاہ حبش نجاشی کو نامہ لکھا کہ میں نے یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا گرجا تعمیر کرایا ہے جس کی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی ہو گی۔

میں نے فیصلہ کیا ہے کہ عربوں کے حج کا رخ بھی اسی طرف پھیر دوں،

وَنَادَى بِذَلِكَ فِي مَمْلَكَتِهِ

ابن کثیر نے لکھا ہے یمن میں اس نے علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرا دی۔ [2]

وَكَانَ نُفَيْلٌ الْخَثْعَمِيُّ يُوَرِّضُ لَهُ مَا يَكْرَهُ. فَأُمْهِلَ. فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةٌ مِنَ اللَّيَالِي لَمْ يَرَ أَحَدًا يَتَحَرَّكُ فَقَامَ فَجَاءَ بِعُذْرَةٍ فَلَطَّخَ بِهَا قِبْلَتَهُ وَجَمَعَ جِيَفًا فَأَلْقَاهَا فِيهِ فَأُخْبِرَ أَبْرَهَةُ بِذَلِكَ فَغَضِبَ غَضَبًا شَدِيدًا وَقَالَ: إِنَّمَا فَعَلَتْ هَذَا الْعَرَبُ غَضَبًا لِبَيْتِهِمْ. لأَنْقُضَنَّهُ حَجَرًا حَجَرًا!

نفیل الخثعمی نے نیت کر رکھی تھی کہ اس عبادت خانے کے متعلق کوئی ناپسندیدہ حرکت کرے گا اس میں ایک زمانہ گزر گیا آخر ایک رات میں جب اس نے کسی کو حرکت کرتے نہ دیکھا تو اٹھ کر نجاست اور غلاظت اٹھا لایا صومعہ کے قبیلہ کو اس سے آلودہ کر دیا اور بہت سی گندگی جمع کر کے اس میں ڈال دی، ابرہہ کو اس کی خبر ہوئی تو سخت غضب ناک ہوا اور کہنے لگا عرب نے فقط اپنے گھر (کعبۃ اللہ) کے لیے غضب

[1] ابن سعد ۱/۷۳

[2] تفسیر ابن کثیر ۸/۴۸۳

میں آ کر یہ کاروائی کی ہے، میں اس کاڈھادوں گااور ایک ایک پتھر توڑ دوں گا۔[1]

وَأَنَّ ابْنَ ابْنَتِهِ أُكْسُومُ بْنُ الصَّبَّاحِ الْحِمْيَرِيُّ خَرَجَ حَاجًّا، فَلَمَّا انْصَرَفَ مِنْ مَكَّةَ نَزَلَ فِي كَنِيسَةٍ بِنَجْرَانَ، فَغَدَا عَلَيْهَا نَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَأَخَذُوا مَا فِيهَا مِنَ الْحُلِيِّ، وَأَخَذُوا مَتَاعَ أُكْسُومِ، فَانْصَرَفَ إِلَى جَدِّهِ مُغْضَبًا فَبَعَثَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِهِ يُقَالُ لَهُ شَهْرُ بْنُ، مَعْقُودٍ عَلَى عِشْرِينَ أَلْفًا مِنْ خَوْلَانَ وَالْأَشْعَرِيِّينَ

یا عثمان بن مغیرہ بن اخنس کی روایت کے مطابق یہ کہاجائے ابراہہ کانواسا اکسوم بن صباح حمیری حج کے لئے گیا، مکہ سے واپسی پر وہ نجران کے ایک گرجا میں اترا اہل مکہ کی ایک جماعت نے گرجے پر ڈاکاڈالااور گرجے کے سامان کے ساتھ ساتھ اکسوم کاتمام سامان بھی لوٹ کر لے گئے،اکسوم نے اپنے ناناابرہہ سے اس واقعہ کی بابت فریاد کی اس نے اپنے درباریوں میں سے ایک شخص شہر بن معقود کی قیادت میں بیس ہزار آدمی روانہ کئے۔[2]

مگر یہ کہنا کہ کسی عرب نے اس گرجا کو رات کے وقت نجس کر دیا تھااور اس چیز کا بدلہ لینے کے لئے ابراہہ مکہ پر حملہ آور ہوا تھایا یہ کہ اس کے نواسے کو لوٹا کیا تھااور اس چیز کا بدلہ لینے کے لئے ابراہہ مکہ پر حملہ آور ہوا تھاایک شاندار مذاق کے علاوہ کچھ نہیں (تاکہ ابراہہ کی برہمی کا کوئی سبب پیدا کیا جائے)اور اگر ایسا تھا بھی تو کیا ابراہہ نے مکہ مکرمہ کے اس وقت کے سردار سے اس شخص یا اشخاص کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیااور عبدالمطلب نے اسے ہاں یا نہیں میں جواب دیا؟ تاریخ اور شعراء عرب میں اس بات کا کوئی تذکرہ نہیں، چنانچہ ابرہہ قوت کے گھمنڈ اور دولت کے نشہ میں چور اللہ تعالیٰ کے قہروغضب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اتوار کے روز سترہ محرم آٹھ سو بیاسی سن رومی اسکندری، دوسولہ سن عربی اور ایرانی بادشاہ نوشیروان بن قباد کے سن چوالیس کو بیت اللہ پر چڑھ دوڑا حالانکہ یہود ونصاریٰ اس عظیم الشان گھر کی عظمت سے اپنے مذہبی صحیفوں کے ذریعہ سے اچھی طرح واقف اور اس کی عظمت تسلیم کرتے تھے، یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کو اسی طرح اپنا بزرگ مانتے تھے جس طرح اہل عرب ان کو اپنا بزرگ مانتے تھے اس لئے ان پر تو یہ فرض تھا کہ جس گھر کو ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا اس کی عزت وتکریم کرتے لیکن انہوں نے اس چیز کی کوئی پرواہ نہ کی اور خفیہ تدبیر کرتے ہوئے اس گھر کی عزت برباد کرنے کے لئے اس پر فوج لے کر چڑھ دوڑے، اللہ جو اپنے بندوں پر رحمت میں جلدی کرتا ہے لیکن عذاب میں جلدی نہیں کرتا اس نے ابرہہ جیسے کج اندیش کا ہاتھ جس نے بیت اللہ کی تخریب کی سازش کی تھی فوراً نہیں پکڑ لیا بلکہ اپنی خاص حکمت سے ایک مقررہ مدت تک کے لئے ڈھیل دی اور اس کے نو یا تیرہ دیو پیکر ہاتھیوں، ساٹھ ہزار سیاہ فام اور دیو ہیکل حبشیوں کا سیلاب ظلمت عرب کے سپید تپتے بے آب وگیاہ صحرمیں بیت اللہ کی طرف بڑھتا رہا ،ابرہہ نے اپنی مخفی چال کو پورا کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں اس وقت داخل ہونا چاہا جب تمام اہل عرب مراسم حج ادا کرنے میں مشغول تھے خاص طور پر قیام منیٰ کے دنوں میں حملہ کرنا چاہا کہ یا تو اہل عرب قربانی میں مصروف ہوں گے یا سفر کے تھکے ہارے گھروں کو واپس آرہے ہوں گے اسے یہ بھی علم تھا کہ اہل عرب ان محترم مہینوں میں جنگ وخونریزی سے احتراز کرتے ہیں کیونکہ اہل عرب ان محترم مہینوں کی وجہ

[1] ابن سعد ۷۳/۱

[2] المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام ۲۰۰/۶،تفسیرابن ابی حاتم ۱۹۴۸۱، الدرالمنثورفی التفسیر بالماثور ۶۳۷/۸

سے لڑائی وغیرہ سے اجتناب کریں گے اس طرح وہ بغیر کسی لڑائی کے مکہ معظّمہ پر قابض ہو جائے گا اور بیت اللہ کو بنیاد سے اکھیڑ پھینکے گا مگر اس کے برعکس اہل عرب اس کے مخالف اور جنگ کے لئے آمادہ تھے، چنانچہ جب اس کا لشکر مکہ مکرمہ کی طرف نکلا تو قبائل عرب وقتاً فوقتاً حسب استعداد اس کے لشکر پر تاخت کرتے رہے، ان کی جو جھڑپیں ہو رہی تھیں ان کا چرچا بھی ہر جگہ پھیلا ہوا تھا یہاں تک کہ بعض شعراء نے اس پر فخریئے بھی لکھے ہیں، قدیم اسلامی شاعر ذوالرمہ کہتا ہے۔

وابرهة اصطادت صدورماحنا جهاراوعثنون العجاجة اكدر

اور ہمارے نیزوں نے علانیہ ابرہہ کا شکار کیا اور فضا میں کثیف غبار کا ستون قائم تھا۔

تنحیٰ له عمروفشک ضلوعه بنانذة بخلائ والخيل تصبر

عمرو نے اس کی طرف لپک کر نیزے کے کاری زخم سے اس کی پسلیاں توڑ دیں اور شہسوار ثابت قدم رہے

ان شعروں سے صاف تصریح ہے کہ ذوالرمہ کی قوم کے ایک آدمی نے ابرہہ کو نیزہ مارا اور یہ واقعہ جس دن پیش آیا اس دن کثیف غبار آسمان تک بلند تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے ہوا کا طوفان بھیج کر ان پر سنگریزوں کی بارش برسائی، الغرض اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربوں نے اپنے مقدس شہر کی حفاظت کی اور یہی بات ہر پہلو سے قرین عقل معلوم ہوتی ہے، تمام عرب دل سے کعبہ کی عزت کرتے تھے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش اس قدر مرعوب ہو جائیں کہ اس کی حمایت کے لیے بھی ان کے خون میں کوئی حرارت نہ پیدا ہو جس پر ان کی تمام عظمت وسیادت کی بنیاد تھی، دین ومذہب کا سوال چھوڑیں وہ اپنے آبائی شرف کی تمام کائنات جیتے جی کیسے برباد ہوتے دیکھ سکتے تھے، سب سے پہلے یمن کے ایک سردار ذونفر نے عربوں کا ایک لشکر جمع کر کے ابرہہ کے مقابلے میں مزاحمت کی، مگر ابراہہ کی ساٹھ ہزار تجربہ کار فوج کا مقابلہ مٹھی بھر گروہ سے کرنا بہت مشکل تھا نتیجہ ظاہر ہے اس نے شکست کھائی اور گرفتار ہو گیا، ابرہہ اپنے گھمنڈ میں اور آگے بڑھا تو خثعم کے علاقہ میں ایک اور عرب سردار نفیل بن حبیب خثعمی اپنے پورے قبیلہ کو لے کر مقابلہ پر آ گیا مگر اس کا انجام بھی پہلے سردار سے مختلف نہ ہوا اس نے اپنی جان بچانے کے لئے بدرقے کی خدمات انجام دینا قبول کر لیا، جب ابرہہ طائف کے قریب پہنچا تو بنی ثقیف نے بزدلی دکھائی کہ وہ اتنی بڑی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے، ساتھ ہی انہیں ان کے دل میں یہ خیال بھی ستایا کہ کہیں ابرہہ ان کے معبود لات کا مندر بھی زمین بوس نہ کر دے ، ایک فیصلہ کر کے ان کا سردار مسعود ایک وفد کے ہمراہ ابرہہ سے ملا اور اس سے اپنے معبود لات کے مندر کو بچانے کے لئے اس طرح گزارش کی کہ ہماری عبادت گاہ وہ جگہ نہیں جسے آپ ڈھانے آئے ہیں بلکہ وہ جگہ تو مکہ مکرمہ میں ہے اس لئے براہ کرم ہمارے معبد کو چھوڑ دیں جس کے عوض ہم آپ کو مکہ مکرمہ کا راستہ بتانے کے لئے بدرقے مہیا کر دیتے ہیں، ابرہہ کو اور کیا چاہئے تھا وہ مسعود کی یہ بات مان گیا اور لات کی طرف کوئی تعرض نہ کیا، چنانچہ بنی ثقیف نے ابو رغال نامی ایک آدمی کو ابرہہ کے ساتھ کر دیا، اللہ کی قدرت جب مکہ صرف تین کوس کے فاصلہ پر رہ گیا تو المغمس یا المغس نامی مقام پر پہنچ کر ابو رغال ثقفی مر گیا، اپنی دیوی کو بچانے کے لئے بزدلی دکھانے اور مکہ مکرمہ کا راستہ دکھانے کے جرم میں اس کی قبر پر برابر سنگباری ہوتی رہی (اس کی قبر پر سنگسار کئے جانے کے اور اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں) اور عرب سالہا سال تک بنی ثقیف کو لات کا مندر بچانے اور بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں سے تعاون پر طعنے دیتے رہے، چنانچہ ضرار بن خطاب کا شعر ہے۔

وفرت ثقيف انی لاتها   بمنقلب الخائب الخاسر

اور ثقیف ایک نامراد بھاگنے والے کی طرح اپنے معبود لات کی طرف بھاگ گئے۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المغمس سے ابرہہ نے (ماہ محرم میں) اپنے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھایا اور وہ اہل تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لے گیا جن میں عبد المطلب کے دوسو اونٹ بھی تھے، اس کے بعد اس نے اپنے ایلچی کے ذریعہ اہل مکہ کو پیغام بھیجا کہ میں تم لوگوں سے لڑنے کے لئے نہیں آیا بلکہ میں صرف اس گھر (بیت اللہ) کو ڈھانے کے لئے آیا ہوں اگر تم مجھ سے نہ لڑو گے تو میں بھی تمہاری جان و مال سے کسی قسم کا تعرض نہیں کروں گا، اس نے اپنے ایلچی کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اگر اہل مکہ کوئی بات کرنا چاہیں تو ان کے سردار کو ہمارے حضور لے آنا، چنانچہ ایلچی نے مکہ کے سب سے بڑے سردار عبد المطلب کو ابرہہ کا پیغام پہنچا دیا، انہوں نے کہا ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں، یہ بیت اللہ ہے اگر وہ چاہے گا تو اپنے گھر کو بچالے گا، پھر عبد المطلب اس ایلچی کے ہمراہ ابرہہ سے ملنے کے لئے چلے گئے،

وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ رَجُلًا عَظِيمًا وَسِيمًا جَسِيمًا؛ فَلَمَّا رَآهُ أَبْرَهَةُ أَجَلَّهُ وَأَكْرَمَهُ أَنْ يَجْلِسَ تَحْتَهُ، وَكَرِهَ أَنْ تَرَاهُ الْحَبَشَةُ يُجْلِسَهُ مَعَهُ عَلَى سَرِيرِ مُلْكِهِ، فَنَزَلَ أَبْرَهَةُ عَنْ سَرِيرِهِ، فَجَلَسَ عَلَى بِسَاطِهِ، فَأَجْلَسَهُ مَعَهُ عَلَيْهِ إِلَى جَنْبِهِ ثُمَّ قَالَ لِتَرْجُمَانِهِ : قُلْ لَهُ مَا حَاجَتُكَ إِلَى الْمَلِكِ؟ فَقَالَ لَهُ ذَلِكَ التَّرْجُمَانُ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: حَاجَتِي إِلَى الْمَلِكِ أَنْ يَرُدَّ عَلَيَّ مِائَتَيْ بَعِيرٍ أَصَابَهَا لِي؛ فَلَمَّا قَالَ لَهُ ذَلِك، قَالَ أَبْرَهَةُ لِتَرْجُمَانِهِ: قُلْ لَهُ: قَدْ كُنْتَ أَعْجَبْتَنِي حِينَ رَأَيْتُكَ، ثُمَّ زَهِدْتُ فِيكَ حِينَ كَلَّمْتَنِي، أَتُكَلِّمُنِي فِي مِائَتَيْ بَعِيرٍ أَصَبْتُهَا لَكَ، وَتَتْرُكُ بَيْتًا هُوَ دِينُكَ وَدِينُ آبَائِكَ، قَدْ جِئْتُ لِهَدْمِهِ فَلَا تُكَلِّمُنِي فِيهِ؟قَالَ لَهُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: إِنِّي أَنَا رَبُّ الْإِبِلِ، وَإِنَّ لِلْبَيْتِ رَبًّا سَيَمْنَعُهُ، قَالَ: مَا كَانَ لِيُمْنَعَ مِنِّي، قَالَ: فَأَنْتَ وَذَاكَ، ارْدُدْ إِلَيَّ إِبِلِي، وَكَانَ أَبْرَهَةَ، قَدْ رَدَّ عَلَى عَبْدِ الْمُطَّلِبِ الْإِبِلَ الَّتِي أَصَابَ لَهُ

عبد المطلب بڑے وجیہ اور شاندار شخص تھے ابرہہ انہیں دیکھ کر بہت ہی متاثر ہوا اور تعظیماً اپنے پاس تخت پر بٹھایا، حبشیوں کو یہ اعزاز دینا گوارا نہ گزرا چنانچہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور فرش (قالین) پر بیٹھ گیا اور عبد المطلب کو بھی اپنے ساتھ بٹھالیا، ابرہہ نے ترجمان سے کہا کہ عبد المطلب سے ان کی درخواست کے بارے میں پوچھو؟ ترجمان نے دریافت کر کے کہا کہ یہ اپنے دوسو اونٹ واپس لینا چاہتا ہے، ابرہہ نے ترجمان سے کہا کہ عبد المطلب سے کہو کہ میں تمہاری اس درخواست پر بہت حیران ہوں تم اپنے اونٹوں کو واپس لینے کے خواہشمند ہو اور اپنے مذہبی گھر (جو تیرا اور تیرے آباؤ اجداد کا مرکز عبادت ہے) کے بارے میں کوئی بات نہیں کرتے، اور نہ اس کو گرائے جانے سے روکنے کی سفارش کرتے ہو، عبد المطلب نے کہا کہ مجھے اس گھر سے کوئی واسطہ نہیں، جو اس کا رب ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا میں تو اونٹوں کا مالک ہوں لہذا انہی کی واپسی کی بات کرتا ہوں، لہذا مجھے میرے اونٹ واپس کر دو اور تم جانو اور بیت اللہ کا رب جانے، ابرہہ نے عبد المطلب کے اونٹ واپس کر دیئے۔ [1]

ابن سعد میں یہ روایت اس طرح ہے کہ ابرہہ تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

---

[1] تاریخ طبری ۲/۱۳۶

فَقَالَ لَهُ: حَاجَتُكَ؟ قَالَ: تَرُدُّ عَلَيَّ إِبِلِي، قَالَ: مَا أَرَى مَا بَلَغَنِي عَنْكَ إِلا الْغُرُورُ وَقَدْ ظَنَنْتُ أَنَّكَ تُكَلِّمُنِي فِي بَيْتِكُمْ هَذَا الَّذِي هُوَ شَرَفُكُمْ!قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: ارْدُدْ عَلَيَّ إِبِلِي وَدُونَكَ وَالْبَيْتَ فَإِنَّ لَهُ رَبًّا سَيَمْنَعُهُ! فَأَمَرَ بِرَدِّ إِبِلِهِ عَلَيْهِ. فَلَمَّا قَبَضَهَا قَلَّدَهَا النِّعَالَ وَأَشْعَرَهَا وَجَعَلَهَا هَدْيًا وَبَثَّهَا فِي الْحَرَمِ لِكَيْ يُصَابَ مِنْهَا شَيْءٌ فَيَغْضَبَ رَبُّ الْحَرَمِ

اور پوچھا آپ کیا چاہتے ہیں؟ عبدالمطلب نے کہا میرے جو اونٹ پکڑ لئے گئے ہیں وہ مجھے واپس کر دیئے جائیں، ابرہہ نے کہا میری رائے میں تیرے متعلق جو اطلاع مجھے ملی وہ محض دھوکے پر مبنی تھی، میں تو اس گمان میں تھا کہ تو مجھ سے اپنے اس گھر کے متعلق گفتگو کرے گا جس کے ساتھ تم سب کی عزت و شرف وابستہ ہے (اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا اس طرح آپ نے خود کو میری نظروں سے گرادیا ہے) عبدالمطلب نے کہا تو مجھے میرے اونٹ واپس دے، بیت اللہ کے ساتھ جو چاہئے کر کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اس گھر کا ایک پروردگار ہے وہ خود ہی عنقریب اس کی حفاظت کرے گا، یہ کہہ کر وہ ابراہہ کے پاس سے چلے آئے اور ابرہہ نے حکم دیا کہ عبدالمطلب کے اونٹ واپس کر دیئے جائیں جب اونٹ مل گئے تو عبدالمطلب نے ان کے سموں پر چمڑے چڑھا دیئے، ان پر نشان کر دیئے اور ان کو قربانی کے لئے مخصوص کر کے حرم میں چھوڑ دیا کہ انہیں پکڑیں گے تو پروردگار غضب ناک ہوگا۔[1]

عبداللہ بن عباس کی روایت اس سے کچھ مختلف ہے اس میں عبدالمطلب کے اونٹوں کے مطالبے کا کوئی ذکر نہیں، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن مردویہ، حاکم، ابونعیم اور بیہقی نے ان سے جو روایات نقل کی ہیں ان میں ہے

جَاءَ أَصْحَابُ الْفِيلِ حَتَّى نَزَلُوا الصِّفَاحَ، فَجَاءَهُمْ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ: إِنَّ هَذَا بَيْتُ اللهِ، تَعَالَى، لَمْ يُسَلِّطِ اللهُ عَلَيْهِ أَحَدًاقَالُوا: لَا نَرْجِعُ حَتَّى نَهْدِمَهُ

جب ابراہہ الصفاح کے مقام پر جو عرفات اور طائف کے پہاڑوں کے درمیان حدود حرم کے قریب واقع ہے پہنچا تو عبدالمطلب خود اس کے پاس پہنچے اور ابراہہ سے کہا آپ کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی اگر آپ کو کوئی چیز مطلوب تھی تو پیغام بھیجوا دیتے، ہم وہ چیز خود آپ کی خدمت میں پیش کر دیتے، ابراہہ نے کہا میں نے سنا ہے کہ بیت اللہ امن کا گھر ہے میں اس کا امن ختم کرنے آیا ہوں، عبدالمطلب نے جواب دیا یہ اللہ کا گھر ہے، ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے آج تک اس نے کسی کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیا ابراہہ نے کہا مگر ہم اسے منہدم کیے بغیر واپس نہیں جائیں گے، عبدالمطلب نے کہا آپ جو چاہیں ہم سے لے لیں اور واپس چلے جائیں مگر ابراہہ نے انکار کر دیا اور عبدالمطلب کو پیچھے چھوڑ کر اپنے لشکر کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ ابراہہ کی لشکر گاہ سے واپس آ کر عبدالمطلب نے قریش والوں سے کہا کہ اپنے اہل وعیال کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تا کہ ان کا قتل عام نہ ہو جائے، پھر وہ اور قریش کے چند سردار حرم میں حاضر ہوئے، خانہ کعبہ میں اس وقت ان کے ٣٦٠ معبود موجود تھے مگر اس نازک گھڑی میں سب چھوٹ گئے،

فقال عبد المطلب، وهو آخذ حلقة باب الكعبة

---

[1] ابن سعد ۷۴/۱

عبد المطلب نے کعبے کے دروازے کا کنڈا پکڑ کر اللہ سے یوں دعا کی

لا هم إِنَّ الْمَرْءَ يَمْ نَعُ حِلَّهُ فَامْنَعْ حَلَالَكْ

الٰہی! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ عدوا محالك

کل ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے

إِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَكَعْبَتَنَا فأَمْرٌ ما بدَالَكْ

اگر تو ان کو اور ہمارے قبلے کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تو چاہے کر

وَانْصُرْ عَلَى آلِ الصَّلِيبِ وَعَابِدِيهِ الْيَوْمَ آلَكْ

صلیب کی آل اور اس کے پرستاروں کے مقابلے میں آج اپنی آل کی مدد فرما

يَا رَبِّ لَا أَرْجُو لَهُمْ سِوَاكَا يَا رَبِّ فَامْنَعْ عَنْهُمْ حِمَاكَا

اے میرے رب! تیرے سوا میں ان کے مقابلے میں کسی سے امید نہیں رکھتا، اے میرے رب ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما

إِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عادَاكا امْنَعْهُمْ أَنْ يُخَرِبُوا قُرَاكا

اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے اپنی بستی کو تباہ کرنے سے ان کو روک

تفسیر طبری میں کچھ یہ اشعار بھی ہیں۔

وَكُنْتُ إِذَا أَتَى بَاغٍ بِسِلْمٍ نُرَجِّي أَنْ تَكُونَ لَنَا كَذَلِكْ

فَوَلَّوْا لَمْ يَنَالُوا غَيْرَ خِزْيٍ وَكَانَ الْحَيْنُ يُهْلِكُهُمْ هُنَالِكْ

وَلَمْ أَسْمَعْ بِأَرْجَسَ مِنْ رِجَالٍ أَرَادُوا الْعِزَّ فَانْتَهَكُوا حَرَامَكْ

جَرُّوا جُمُوعَ بِلَادِهِمْ وَالْفِيلَ كَيْ يَسْبُوا عِيَالَكْ۔ [1]

دعائیں مانگ کر عبد المطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں میں چلے گئے، دوسرے روز ابراہہ مکہ میں داخل ہونے کے لئے آگے بڑھا مگر اس کا خاص ہاتھی محمود جو سب سے آگے تھا آگے بڑھنے کے بجائے یکا یک زمین پر بیٹھ گیا، اس کو کھڑا کرنے کے لئے بہت تبر مارے گئے، آنکھوں سے کچوکے دیئے گئے، وہ زخموں سے چور ہو گیا مگر اپنی جگہ سے نہ ہلا، جب اسے مکہ کی مخالف سمت چلانے کی کوشش کی جاتی تو دوڑنے لگتا مگر جیسے ہی مکہ مکرمہ کی طرف اس کا منہ پھیرا جاتا پھر بیٹھ جاتا اور آگے بڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتا، اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لئے ہوئے بحر احمر کی طرف سے آئے اور انہوں نے اس لشکر پر سنگریزوں کی بارش کر دی، جس پر بھی یہ کنکر گرتے اس کا جسم گلنا شروع ہو جاتا۔

[1] تفسیر طبری ۲۴/ ۶۱۳

محمد بن اسحاق اور عکرمہ کی روایت ہے کہ یہ چیچک کا مرض تھا اور بلادِ عرب میں سب سے پہلے چیچک اسی سال دیکھی گئی۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس پر کوئی کنکری گرتی اسے سخت کھجلی لاحق ہو جاتی اور کھجاتے ہی جلد پھٹتی اور گوشت جھڑنا شروع ہو جاتا۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ گوشت اور خون پانی کی طرح بہنے لگتا اور ہڈیاں نکل آتی تھیں،

وَأُصِيبَ أَبْرَهَةُ فِي جَسَدِهِ، وَخَرَجُوا بِهِ مَعَهُمْ تَسْقُطُ (أَنَامِلُهُ) أُنْمُلَةً أُنْمُلَةً، كُلَّمَا سَقَطَتْ أُنْمُلَةٌ أَتْبَعَتْهَا مِنْهُ مِدَّةٌ تَمُثُّ قَيْحًا وَدَمًا، حَتَّى قَدِمُوا بِهِ صَنْعَاءَ وَهُوَ مِثْلُ فَرْخِ الطَّائِرِ، فَمَا مَاتَ حَتَّى انْصَدَعَ صَدْرُهُ عَنْ قَلْبِهِ، فِيمَا يَزْعُمُونَ

خود ابرہہ کے ساتھ بھی یہی ہوا اس کے جسم میں بیماری نمودار ہوئی جس سے اس کی پوریاں تک جھڑ گئیں، اس کو اسی حال میں اٹھا کر صفاء تک لے گئے، اس وقت وقت وہ ایک زخمی پرندے کی طرح تھا آخر اس کا سینہ پھٹ گیا اور صفاء ہی میں جہنم واصل ہوا۔[1]

افراتفری میں ان لوگوں نے یمن کی طرف بھاگنا شروع کیا، نفیل بن حبیب خثعمی کو جسے یہ لوگ بدرقہ بنا کر بلادِ خثعم سے پکڑ کر لائے تھے تلاش کر کے کہا کہ وہ انہیں واپسی کا راستہ بتلائے مگر اس نے کورا جواب دے دیا اور کہا اب بھاگنے کی جگہ کہاں ہے جبکہ اللہ تعاقب کر رہا ہے اور نکٹا (ابراہہ) مغلوب ہے غالب نہیں، اس بھگدڑ میں جگہ جگہ لوگ گر گر کر مرتے رہے۔

عطاء بن یسار کی روایت ہے کہ سب کے سب اسی وقت ہلاک نہیں ہو گئے بلکہ کچھ تو وہیں ہلاک ہوئے اور کچھ بھاگتے ہوئے راستے بھر گرتے چلے گئے، ابرہہ بھی بلادِ خثعم پہنچ کر مرا، یہ واقعہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی محصب کے قریب محسر کے مقام پر پیش آیا تھا۔

قارئین آپ نے روایت پڑھی جو ہر سیرت کی کتاب میں کم وبیش ایسی طرح لکھی جاتی ہے مگر ابرہہ وعبد المطلب کی گفتگو سے متعلق جو حالات وبیان کیے گئے ہیں سب یک قلم بے بنیاد ہیں، مولانا امین احسن اصلاحی مجموعہ تفاسیر فراہی میں لکھتے ہیں خود واقعات کی نوعیت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ تمام باتیں قصہ گویوں کی گھڑی ہوئی ہیں، ان میں عربی غیرت وحمیت کی علانیہ تحقیر اور قریش کے غیور سردار عبد المطلب کی بیباکانہ توہین کا پہلو بالکل نمایاں ہے، نیز ابرہہ کے کردار کو بہت شاندار دکھانے کی کوشش کی گئی ہے، اس پوری داستان کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذلت ودناءت اور بے غیرتی وپست ہمتی کا کوئی ایسا الزام نہیں جو عربوں پر اور عموماً قریش اور ان کے سردار پر خصوصاً نہ تھوپا گیا ہو، ان خرافات کی تردید پر مختصر اعرض ہے کہ قریش نے جنھوں نے کسی دور میں بھی اپنے الحی القیوم اللہ کا دامن چھوڑ کر بالکلیہ علیحدگی اختیار نہیں کی تھی البتہ امتداد زمانہ کے بعد جب ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات بالکل فراموش ہوگئیں اور عرصہ دراز (۲۵۰۰ سال) سے کوئی دوسرا نبی یاددہانی کے لئے مبعوث نہیں ہوا تو انہوں نے اپنی جاہلیت میں اللہ کے دربار کے لئے بہت سے خود ساختہ سفارشی ٹھہرا لئے تھے، اور نصاریٰ کی طرح انہیں بیٹیوں اور بیٹوں کا درجہ دیتے تھے مگر اس کے باوجود ایک اچھی خاصی تعداد ان میں ایسے لوگوں کی بھی تھی جو دین حنیف پر قائم اور بت پرستی سے سخت متنفر تھے جو لوگوں کو خیر میں تعاون اور شر سے روکتے تھے، اہل عرب جو اس مقدس گھر کے قیام کے وقت سے کبھی غلامی کی ذلت سے آشنا نہیں ہوئے تھے ان کی عزت وسیادت ورزق اس گھر سے وابستہ تھا ان کا جوہر اور تمام تر سرمایہ فخر ونازش ہمیشہ شہسواری، شمشیر زنی اور قدر

[1] ابن ہشام ۱/۵۳

اندازی تھا، یہ کہنا کہ عبد المطلب نے ابراہہ کے پاس جا کر اپنے چند اونٹوں کا مطالبہ کیا اور انہیں لے کر واپس ہوئے پھر بیت اللہ کی حفاظت کرنے کے بجائے بس اس میں کھڑے ہو کر اللہ سے اس مقدس گھر کی حفاظت کی دعا کی اور بزدلوں کی طرح اپنی قوم کو لے کر پہاڑوں میں جا چھپے، قریش کے ایک ذی قدر سردار پر جن میں بے غیرتی، پست ہمتی اور بزدلی نہیں بلکہ غیرت وحمیت اور شجاعت تھی ایک کھلا تبرا ہے، اور اگر عبد المطلب بے ہمت اور پست حوصلہ ہو گئے تھے تو کیا سارا عرب ہی ان جیسا ہو گیا تھا اور اپنے مقدس گھر کو بچانے کی بجائے اپنی جانیں بچا کر گھروں کو بھاگ گئے تھے، یہ بات عربوں کے کردار سے میل نہیں کھاتی، صدیوں سے صحرا میں آزاد زندگی گزارنے کی وجہ سے اہل عرب کسی سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی صحرا کی سختیاں ان کے لئے کوئی معنی رکھتی تھیں، جنگ وجدل ان کا روزمرہ کا معمول تھا جس میں وہ مرتے اور مارتے تھے جس سے ان میں بزدلی یا بے ہمتی کی بجائے موت سے بے خوف ہو کر سفاکی، بہادری، پھرتی اور پلٹ پلٹ کر حملہ کرنا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چنانچہ حج کے لئے آئے ہوئے اہل عرب نے عبد المطلب کی سربراہی میں اللہ وحدہ لاشریک سے ابرہہ کے مقابل فتح ونصرت کی دعا مانگ کر اپنے آبائی شرف اور مقدس شہر کی حفاظت کے لئے اپنی اجتماعی قوت وطاقت کے ساتھ عین کعبہ کے سامنے بطن محسر میں (مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان لیکن منیٰ کے زیادہ قریب) جہاں ابراہہ کا ہاتھی تھک کر عاجز ہو گیا اور اصحاب الفیل کو مجبوراً یہاں روکنا پڑا تھا جبکہ اس کا مقدمتہ الجیش محصب میں تھا مدافعت کی اور محسر کے پتھروں سے اسلحہ کا کام لے کر ابرہہ کے لشکر کو بیت اللہ سے دفع کرنے کی کوشش کرنے لگے، مگر ابراہہ کے لشکر گراں کو پارہ پارہ کر دینا تو درکنار بے سروسامان اہل عرب کا اس کو پیچھے ہٹا دینا بھی اتنا آسان نہ تھا مگر اتنا ضرور ہوا کہ پہلے دن ابراہہ پر حجاج کی طرف سے جو سنگباری ہوئی اس سے اسکا نشہ جنگ ہرن ہو گیا اور ایک حد تک شکست اور پامالی اٹھا کر اس کی پیش قدمی رک گئی جس سے مقدمتہ الجیش کے حملہ آوروں کی تعداد گھٹا دی گئی مگر اس معمولی نقصان سے اس کا دم خم ختم نہیں ہو گیا جبکہ ابراہہ کی پیش قدمی رک جانے کی وجہ سے اہل عرب کا جوش مدافعت مزید فروزاں ہو گیا اور وہ دیر تک اللہ کے حضور شکر کے طور پر نہایت تضرع کے ساتھ گڑگڑاتے رہے، دوسرے روز ابرہہ کے دل بادل نے پھر مکہ مکرمہ میں داخل ہونا چاہا تو حجاج نے جن کے حوصلے بلند ہو چکے تھے آگے بڑھ کر مورچے قائم کر لئے اور لشکر پر پھر پتھروں کی بارش کر دی جس سے لشکر کی پیش قدمی ایک بار پھر رک گئی، اہل عرب نے پھر دیر تک اللہ کے حضور شکر ادا کیا اور فتح ونصرت کی دعا مانگی، اسی طرح تیسرے روز بھی ہوا اس کے بعد اللہ نے جس کے دست تصرف میں تمام کائنات ہے اور یہ تمام کارخانہ اس کے حکم کے مطابق ایک خاص نظام حکمت کے تحت چل رہا ہے، جس نے اس گھر کو اپنے نام کی نسبت سے مقدس کیا تھا اور اس لئے اس گھر کا محافظ ہے اس کی تلوار بے نیام ہوئی اور اہل عرب کی سنگباری کے پردہ میں اللہ نے ابرہہ کے لشکر پر اپنا رعب ڈالا اور اس محترم گھر کی عظمت کو بٹہ لگانے کی گستاخی کے جرم میں ان دشمنوں پر قوم لوط کی طرح آسمان سے سنگریزے برسانے والی تند وتیز آندھی بھیجی جس کا کثیف غبار آسمان تک بلند تھا اس آندھی نے اپنی زور وشدت سے زمین کی کنکریاں اور سنگریزے اٹھا کر ابرہہ اور اس کے لشکر کو سنگسار کرنا شروع کر دیا اس طرح اللہ نے ابرہہ اور اس کے لشکر کو قوم لوط کی طرح سخت ترین سزا رجم دے کر دائمی لعنت فرمائی، جس کو وہ پتھر لگا اس میں چیچک نمودار ہو گئی جن کے زخموں نے ان کے جسموں کو گھلا ڈالا جس سے اکثر کا تو وہیں خاتمہ کر دیا جن کے بھس کی طرح سے کھائے ہوئے اعضاء اور جسموں سے تمام وادی مکہ اٹی پڑی تھی، اسی دوران ذوالرمہ کی قوم کے ایک شخص نے

ابرہہ کو نیزہ مارا اور اسے وہیں ڈھیر کر دیا، اللہ کے عذاب کے بعد بغیر کمانڈر کے لشکریوں میں مزید بدحواسی پھیل گئی اور ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو کر تتر بتر ہو گئی پھر جس کا جدھر منہ ہوا اپنی جان بچانے کے لئے ادھر بھاگ پڑا مگر موت سے بھاگ کر کہاں جایا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مکہ کے مقتولین کی لاشوں سے صاف کرنے کے لیے چڑیاں بھیجیں۔

اس سلسلے میں دو فریق ہیں، ایک فریق کے بیانات ہیں کہ یہ چڑیاں شکاری قسم کی اور بڑے قد کی تھیں۔ ان کے رنگ اور صورتیں اس اس طرح کی تھیں۔ انہوں نے اصحاب فیل کی لاشوں کو کھایا۔ اصحاب فیل پر ہر سمت سے پتھر برسے۔ پتھروں کے لگنے سے ان کو چیچک ہو گئی۔ ان کی ہلاکت ایک ہی جگہ نہیں واقع ہوئی بلکہ بھاگتے ہوئے، بہت سے ان میں سے راستوں میں مرے۔

دوسرے فریق کے بیانات ہیں، چڑیاں اصحاب فیل کو پتھر مارتی تھیں۔ پتھر ان کی چونچوں اور چنگلوں میں ہوتے تھے۔ یہ پتھر سواروں کے جسموں سے گزر کر ہاتھیوں کے جسموں میں گھس گھس جاتے تھے۔ جو جہاں تھے وہیں ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ ایک سیلاب آیا جو مقتولین کی لاشوں کو بہا کر لے گیا۔

ان دونوں پہلوؤں کو تفسیر ابن جریر سے دیکھتے ہیں۔

○ عَنْ عِكْرِمَةَ، فِي قَوْلِهِ :طَيْرًا أَبَابِيلَ : قَالَ : كَانَتْ طَيْرًا خَرَجَتْ خُضْرًا، خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ، لَهَا رُءُوسٌ كَرُءُوسِ السِّبَاعِ

عکرمہ رضی اللہ عنہ سے طیرا ابابیل کے بارے میں روایت ہے کہ یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں، سمندر کی سمت سے آئی تھیں ان کے سر شکاری چڑیوں کے سر کی طرح تھے۔

○ عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :لَهَا خَرَاطِيمُ كَخَرَاطِيمِ الطَّيْرِ، وَأَكُفٌّ كَأَكُفِّ الْكِلَابِ

محمد بن سیرین سے مروی ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ نے طیرا ابابیل کے بارے میں فرمایا کہ اس سے مراد چڑیاں ہیں ان کے چڑیوں کی طرح کے سونڈ (شکاری چڑیوں کی چونچیں) اور کتے کے پنجوں کے مانند چنگل تھے۔[1]

اس میں ایک بات قابل لحاظ ہے کہ انہوں نے ان چڑیوں کی چونچوں کے لیے خرطوم (سونڈ) کا لفظ استعمال کیا ہے جو شکاری چڑیوں کی چونچوں کے لیے مستعمل ہے، جیسے امراؤ القیس کا شعر ہے۔

كَأَنَّهَا لقوةٌ طَلُوبٌ　　　كَأَنَّ خُرْطُومَهَا مِنْشَالُ

وہ اونٹنی جھپٹنے والے عقاب کی طرح　　　جس کی چونچ کرچھے کی مانند ہے۔[2]

○ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، فِي قَوْلِهِ :طَيْرًا أَبَابِيلَ قَالَ : طَيْرٌ خُضْرٌ، لَهَا مَنَاقِيرُ صُفْرٌ، تَخْتَلِفُ عَلَيْهِمْ

سعید بن جبیر نے طیرا ابابیل کے بارہ میں فرمایا یہ چڑیاں سیاہی مائل خاکی رنگ کی تھیں (مثلاً گدھ وغیرہ) اور زردگوں چونچوں سے ان کا گوشت

---

[1] تفسیر ابن کثیر ۸/۴۸۸

[2] دیوان امرئ القیس ۱/۱۴۹

کھاتی تھیں، ان روایات میں چڑیوں کے پتھر مارنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

عکرمہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے صاف واضح ہے کہ یہ چڑیاں بڑے قد کی شکاری چڑیوں کی قسم کی تھیں مثلاً گدھ وغیرہ، اور ابن جبیر کی روایت میں تصریح ہے کہ وہ ان کی لاشوں کو کھاتی تھیں۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ :طَيْرًا سُودًا تَحْمِلُ الْحِجَارَةَ فِي أَظَافِيرِهَا وَمَنَاقِيرِهَا۔[1]

اس کے بعد دو روایتیں ملتی ہیں جو قتادہ اور عبید بن عمیر سے مروی ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ چڑیاں چونچوں اور چنگلوں میں پتھر لئے ہوئے نمودار ہوئی تھیں، ان روایات میں چڑیوں کے شکاری ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔

جن لوگوں نے چڑیوں کی شکل وصورت، ان کے رنگ ان کی چونچوں کی ذردگوئی، ان کا لاشوں پر گرنا سب کچھ بیان کیا ہے ظاہر ہے کہ ان کا بیان عینی شہادت پر مبنی ہوگا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ چڑیاں چونچوں اور چنگلوں میں پتھر اٹھائے ہوئے تھیں تو یا تو انہوں نے اوپر سے پتھر برستے ہوئے دیکھے اور دوسرے یہ گمان کرلیا کہ یہ چڑیاں پھینک رہی ہیں، پھر اصل واقعہ کی تحقیق کیے بغیر آیت کی جو تاویل ان کے ذہین میں آئی اسی سانچہ میں انہوں نے قصہ کو بھی ڈھالیا اس کے بعد جب یہ سوال سامنے آیا کہ ہاتھیوں اور مقتولین کی متعفن لاشیں جن سے تمام وادی اٹ گئی تھی کس طرح دور کی گئیں تو اس کا جواب یہ دے دیا کہ اللہ تعالیٰ نے سیلاب بھیجا اور وہ سب بہالے گیا حالانکہ اس جواب کے بعد یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جو بے پناہ سیلاب ان تمام ہاتھیوں اور اتنی بے شمار لاشوں کو بہا کرلے گیا آخر اس کی ذد سے وادی مکہ کے باشندے کیسے بچ گئے، بہر حال یہ ایک رائے اور قیاس ہے۔ اس کو مشاہدہ اور ذاتی واقفیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آگے بڑھ کر ان لوگوں کو ایک اور اشکال بھی پیش آیا وہ یہ کہ ان چڑیوں کے چنگلوں اور چونچوں سے جو پتھر گرتے رہے ہوں گے ظاہر ہے وہ سیدھے گرتے رہے ہوں گے پھر ان ہاتھیوں کو کیسے لگے ہوں گے جو ہودجوں اور سواروں سے بالکل ڈھکے ہوئے تھے؟ اس کا جواب انہوں نے یہ دے دیا کہ یہ پتھر سواروں کے جسموں سے گزر کر ہاتھیوں کے جسموں تک پہنچ جاتے تھے، واقعہ کی اس حد تک پہنچ جانے کے بعد ان کو مجبوراً یہ بھی فرض کرلینا پڑا کہ ابرہہ کی پوری فوج عین موقع ہی پر تباہ ہوگئی اور یہ بربادی صرف پتھروں کے ذریعہ سے ہوئی، لیکن فریق اول کے بیان میں تصریح ہے کہ جن جن کو پتھر لگے وہ چیچک میں مبتلا ہوگئے اور سب فوراً ہی نہیں ہلاک ہوگئے بلکہ وہ نہایت بدحواسی کے ساتھ بھاگے اور راستوں میں مختلف جگہوں پر نہایت بیکسی کے عالم میں انہوں نے جانیں دیں۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسرے فریق کی رائے تمام تر اس فرض پر مبنی ہے کہ سنگباری چڑیوں کی جانب سے ہوئی، یہ چیز ایک مرتبہ فرض کرلینے کے بعد واقعہ کا پورا سلسلہ آپ سے آپ اسی سانچہ میں ڈھل گیا، یہ رائے ذاتی مشاہدہ یا مشاہدہ کرنے والوں کے بیانات پر مبنی نہیں ہے۔

جو لوگ موقع پر موجود تھے اور جنہوں نے تمام حالات کا بچشم خود مشاہدہ کیا تھا ان کے اقوال یوں ہیں۔

اب ہم اشعار عرب سے اس بیان کی تصدیق کرتے ہیں اور چونکہ یہ لوگ واقعہ کے عینی شاہد ہیں اس وجہ سے ان کے بیانات سے واقعہ کی اصلی صورت بھی سامنے آئے گی۔

[1] تفسیر ابن کثیر ۸/۴۸۸

ابو قیس کہتا ہے۔

وَمِنْ صُنْعِهِ يَوْم فيل الحبوش　　إِذْ كُلَّمَا بَعَثُوهُ رَزَمْ

اور اہل حبشہ کے ہاتھی والے دن　　اس کے عجیب کرشموں میں سے یہ ہے کہ جتنا اس کو اٹھاتے تھے اتنا ہی وہ بیٹھا جاتا تھا

مَحَاجِنُهُمْ تَحْتَ أَقْرَابِهِ　　وَقَدْ شَرَّمُوا أَنْفَهُ فَانْخَرَمْ

ان کے آنکس اس کی کمر اور پیٹ کے نیچے زخمی کر رہے تھے　　اور انہوں نے اس کی سونڈ زخمی کر ڈالی تھی

وَقَدْ جَعَلُوا سَوْطَهُ مِغْوَلًا　　إِذَا يَمَّمُوهُ قَفَاهُ كُلِمْ

انہوں نے کپتی کا کوڑا بنایا تھا　　جس سے اس کو مارتے تھے تو وہ اس کے سر کو زخمی کر دیتی تھی

فَأَرْسَلَ مِنْ فَوْقِهِمْ حَاصِبًا　　فَلَفَّهُمْ مِثْلَ لَفِّ الْقُزُمْ

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر حاصب چلی　　جو خس و خاشاک کی طرح ان کو لپیٹ لیتی تھی۔[1]

صیفی بن عامر یعنی ابو قیس بن اسلت جاہلی یثربی کہتا ہے۔

قوموا فصلوا ربكم وتعوذوا　　باركان هذا البيت بين الاغاشب

کھڑے ہو کر اپنے رب سے دعا مانگو اور اس گھر کی پناہ لو جو پہاڑوں کے درمیان ہے۔

فعندكم منه بلاءٌ مصدق　　غداة ابى يكسوم هادى الكتاب

کیونکہ خدا کی طرف سے تم پر ایسا انعام ہوا ہے جس سے تمام وعدوں کی تصدیق ہوگئی ابو یکسوم (ابرہہ) کے دن جو دستوں کی قیادت کرتا تھا۔

فلما أجازوا بطن نعمان ردهم　　جنوب مليك بين سافٍ وحاصبِ

جونہی وہ بطن نعمان سے آگے بڑھے خدا کی فوجوں نے ساف اور حاصب کے درمیان نمودار ہو کر ان کو پسپا کر دیا۔

فولّوا سراعاً نادمينَ ولم يؤبْ　　إلى أهله بالجيش غير عصائبِ

وہ نامراد الٹے پاؤں بھاگے اور فوج میں سے چند مختصر جماعت کے سوا کسی کو اپنے اہل و عیال سے ملنا نصیب نہ ہوا۔[2]

طفيلٍ الغنوى لقوله

فیل غنوی جاہلی کہتا ہے۔

ترعى مذالف وسمى اطاع له　　بالجوع حيث عصى اصحابه الفيل۔[3]

---

[1] الحیوان ۱۱۸/۷

[2] معالم مكة التأريخية والأثرية ۱/۳۰۵

[3] الحیوان ۱۱۹/۷

ابو امیہ قبیلہ ثقیف کا شاعر جو طائف کا باشندہ تھا کہتا ہے۔

ان ایات ربنابینات | لایماری بھن الاالکفور

ہمارے رب کی نشانیاں بالکل واضح ہیں صرف کافر ہی ان کا انکار کر سکتے ہیں۔

حبس الفیل بالمغمس حتی | ظل یحبوکانه معقور

اس نے ہاتھی کو مغمس میں روک دیا یہاں تک کہ وہ گھٹنوں کے بل اس طرح چلتا تھا جس طرح وہ اونٹنی جس کی کوچیں کاٹ دی گئی ہوں۔

واضعاخلفه الحوارکاقطع | صخرمن کبکب محدور

اور اس کے پیچھے اس کا بچہ تھا جیسے کوہ کبکب سے کوئی چٹان تراش لی گئی ہو۔ (۱)

کسی نے ابرہہ کو مخاطب کر کے کہا ہے۔

أَيْنَ المَفَرُّ والإِلَهُ الطَّالِبُ | والأَشْرَمُ المَغْلُوبُ غَيْرُ الْغَالِبْ

اب کہاں بھاگتے ہو خدا تعاقب میں ہے | اشرم مغلوب ہو گا غالب نہ ہو گا۔ (۲)

عبد المطلب نے کوہ حرا پر چڑھ کر کہا۔

لاهم ان المرئ یمنع رحل نامنع رحالک

اے خدا آدمی اپنے اہل کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے لوگوں کی حفاظت کر۔

لایغلبن صلیبهم | ومحالهم ابدامحالک

ان کی صلیب اور قوت تیری قوت پر غالب نہ ہو۔

ان کنت تارکهم وقبلتنا | فامرمابدالک

اگر تو ہمارے قبلہ کو ان کے زیر نگیں کرنا چاہتا ہے تو وہی کر جو تیری مرضی ہو۔ (۳)

وقال نفيل بن حبيب الخثعميّ ، وهو جاهليّ شهد الفيل وصنع الله في ذلك اليوم

نفیل بن حبیب خثعمی جاہلی جو موقع پر موجود تھا کہتا ہے۔

ألا ردي جمالك يا ردينا | نعمناكم مع الاصباح عينا

اے رونیہ اپنے اونٹوں کو واپس لا، تمہارے دیدار سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں

فإنك لو رأيت، ولن تريه | إلى جنب المحصب ما رأينا

---

(۱) الحیوان ۱۱۹/۷

(۲) تفسیر طبری ۶۱۴/۲۴

(۳) الحیوان ۱۱۹/۷

اگر تو دیکھتی اور اب ہرگز نہیں دیکھ سکتی جو محصب کے پہلو میں ہم نے دیکھا

إذا لخشيته وفزعت منه ولم تأسي على ما فات عينا

ہر شخص نفیل ہی کو پوچھتا ہے گویا حبشیوں کا میں نے قرض کھایا ہے۔

خشيت الله لما رأيت طيرا وقذف حجارة ترمي علينا

میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب چڑیوں کو دیکھا اور ہمارے اوپر پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ [1]

وقال المغيرة بن عبد الله المخرومي

مغیرہ بن عبد اللہ المغزومی نے کہا ہے۔

أنت حبست الفيل بالمغمس جسته كانه مكردس

تو نے مغمس میں ہاتھی کو روک دیا اس طرح گویا ایک آدمی کو ہاتھ پاوں باندھ کر ڈال دیا ہو۔ [2]

ان اشعار کو غور سے پڑھیں یہ لوگ جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں چڑیوں اور پتھروں کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں لیکن یہ کہیں نہیں کہتے کہ یہ پتھر چڑیوں نے پھینکے بلکہ اس سنگباری کو حاصب اور ساف کا نتیجہ قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے اب ان دونوں لفظوں کی حقیقت دریافت کرنی چاہیے۔

عربی میں حاصب اس تند ہوا کو کہتے ہیں جو کنکریاں اور سنگریزے لا کر پاٹ دیتی ہے اور اس بادل کو بھی کہتے ہیں جس سے اولوں اور برف کی بارش ہوتی ہے قوم لوط کے عذاب کے متعلق قرآن کریم میں ہے۔

إِنَّآ أَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ حَاصِبًا ﴿٣٤﴾ [3]

ترجمہ: ہم نے ان پر حاصب بھیجی۔

مفسرین نے حاصب کے معنی ایسی تند ہوا کے لیے ہیں جو زور و شدت کی وجہ سے زمین کی کنکریاں اور سنگریزے اٹھا لیتی ہے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا

اصابكم حاصب

تم پر حاصب چلے۔

اہل لغت نے اس کی تفسیر یوں کی کہ تم پر عذاب الٰہی آئے یعنی آسمان سے تم پر سنگریزوں اور کنکریوں کی بارش ہو۔

دوسرا لفظ ساف ہے، چڑیوں کے لیے اس لفظ کا استعمال کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، سافی اس ہوا کو کہتے ہیں جو گرد و غبار، خس و خاشاک

---

[1] الحیوان ۷/۱۱۹

[2] الحیوان ۷/۱۱۹

[3] القمر ۳۴

اور درختوں کی خشک پتیاں اڑاتی ہوئی چلتی ہے بلکہ غبار کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل ہے اور چڑیوں کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ چونچوں اور چنگلوں میں غبار نہیں اٹھا سکتیں۔

ان شعروں میں یہ بھی تصریح ہے کہ اصحاب فیل نہایت ابتری کے ساتھ بھاگے۔ اس وجہ سے یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ یہ پتھر ان کے جسموں میں گھس جاتے تھے اگر ایسا ہوتا تو پھر سب وہیں کے وہیں ڈھیر ہو جاتے، بھاگنے کی نوبت نہ آتی۔ عین اس دن اس اندھی کا اٹھنا ایک حیرت انگیز واقعہ تھا اس وجہ سے تمام زبانوں پر اس کا چرچا پھیل گیا۔

الغرض تمام قرائن وحالات کی شہادت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کی طرح اصحاب فیل پر بھی تند ہوا کا آسمانی عذاب بھیجا جس نے ان پر ہر طرف سے گرد وغبار کے ساتھ کنکریوں اور پتھروں کی بارش کی، یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرشتوں یا دوسرے لفظوں میں اس کی مخفی افواج کی کاروائی ہے۔

ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ ان شاعروں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ چڑیاں ان کی لاشیں کھاتی تھیں لیکن یہ شبہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایات میں کنایۃً وصراحتاً دونوں طرح اس بات کا ذکر آچکا ہے باقی رہے شعراء تو ان کا عام انداز کلام اجمال وکنایہ ہوتا ہے، وہ زیادہ تصریح وتفصیل نہیں کیا کرتے، بعض نے مجلاً چڑیوں کے دیکھنے کا ذکر کر دیا ہے اور راس قدر بس تھا کیونکہ قتل گاہوں اور جنگ کے میدانوں میں گوشت خور چڑیوں کا جمع ہونا عربوں میں ایک معلوم ومشہور بات تھی، وہ فوج کے ساتھ چڑیوں کے جھنڈ دیکھ کر فیصلہ کر لیتے تھے کہ لڑائی ضرور ہوگی، اصحاب رجیع کے قتل کی پیشین گوئی عمر بن امیہ نے اسی دلیل سے کی تھی، بعض شعراء نے فوجوں کے ذکر کے ساتھ چڑیوں کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ چڑیوں کو اندازہ ہوگیا ہے کہ میدان جنگ میں بے شمار لاشیں ملیں گی اس وجہ سے وہ بھی ساتھ ہو لی ہیں۔

مشہور شاعر نابغہ عمرو بن حارث غسانی اور راس کی قوم کی ذکر کرتا ہے۔

إذا ما غزَوْا بالجيشِ حلّق فوقَهمْ عَصائبُ طَيرٍ تهْتَدِي بعَصائِبِ

جب وہ فوج لے کر حملہ کرتے ہیں تو چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ ان کے اوپر منڈلاتے ہیں۔

تَرَاهُنَ خَلْفَ القَومِ خزراً عيونها جُلوسُ الشُّيوخِ فِي ثياب المرانب

قوم کے پیچھے چڑیاں بیٹھی کن آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں جیسے پوستین اوڑھے ہوئے شیوخ بیٹھے ہوں

جوَانحَ قد أيقنَّ أنَّ قبيلَهُ إذا ما التقى الجيشان أولُ غالِبِ

وہ گرا چاہتی ہیں کیونکہ ان کو یقین ہے کہ جب دو جماعتوں میں مڈبھیڑ ہوتی ہے تو انہی کا قبیلہ غالب رہتا ہے۔ [1]

○ چنانچہ رمی جمرہ واقعہ فیل ہی کی یادگار ہے، اسی سلسلہ میں علامہ زمخشری رحمہ اللہ لکھتے ہیں

وروى أنه هرب من إبراهيم عليه السلام عند الجمرة فرماه بسبع حصيات حتّى أخذه، فبقيت سنة في الرمي

---

[1] الحيوان ۶/۴۸۴

روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے مینڈھا چھوٹ کر بھاگا انہوں نے اس کو سات کنکریاں ماریں اور پھر پکڑ لیا اس کے بعد سے رمی کی سنت قائم ہوگئی۔[۱]

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَمَّا أُمِرَ بِالْمَنَاسِكِ عَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ عِنْدَ الْمسْعَى فَسَابَقَهُ، فَسَبَقَهُ إِبْرَاهِيمُ، ثُمَّ ذهب به جبرئيل ع إِلَى جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ، فَعَرَضَ لَهُ الشَّيْطَانُ، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، حَتَّى ذَهَبَ، ثُمَّ عَرَضَ لَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الْوُسْطَى، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ حَتَّى ذَهَبَ، ثُمَّ تَلَّهُ لِلْجَبِينِ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جب ابراہیم علیہ السلام کو مناسک حج ادا کرنے کا حکم دیا گیا تو سعی کی جگہ پر شیطان سے آمنا سامنا ہوا پھر دونوں کا دوڑ میں مقابلہ ہوا، ابراہیم علیہ السلام آگے بڑھ گئے، پھر جبرئیل علیہ السلام آپ کو جمرہ عقبہ لے گئے وہاں بھی شیطان آیا آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں پھر جمرہ وسطی میں لے گئے وہاں بھی شیطان کو سات کنکریاں ماریں، پھر آپ نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹایا (چنانچہ رمی جمرہ کی سنت اس کی یادگار ہے)[۲]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، خَرَجَ عَلَيْهِ كَبْشٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَدْ رَعَاهَا قَبْلَ ذَلِكَ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا، فَأَرْسَلَ إِبْرَاهِيمُ ابْنَهُ فَاتَّبَعَ الْكَبْشَ، فَأَخْرَجَهُ إِلَى الْجَمْرَةِ الأُولَى فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حصيات،فَأَفْلَتَهُ عِنْدَهُ، فَجَاءَ الْجَمْرَةَ الْوُسْطَى، فَأَخْرَجَهُ عِنْدَهَا، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، ثُمَّ أَفْلَتَهُ فَأَدْرَكَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ، فَأَخْرَجَهُ عِنْدَهَا، ثُمَّ أَخَذَهُ فَأَتَى بِهِ الْمَنْحَرَ مِنْ مِنًى فذبحه، فو الذى نَفْسُ ابْنِ عَبَّاسٍ بِيَدِهِ، لَقَدْ كَانَ أَوَّلَ الإِسْلامِ، وَإِنَّ رَأْسَ الْكَبْشِ لَمُعَلَّقٌ بِقَرْنَيْهِ فِي مِيزَابِ الْكَعْبَةِ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہاں ایک ایسا مینڈھا آیا جو جنت میں چالیس سال تک چرتا رہا (چونکہ مینڈھا ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ سے چھوٹ کر نکل بھاگا تھا چنانچہ) ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ذریعے اسے پکڑا اور پھر اسے جمرہ اولی لے گئے، وہاں سات کنکریاں ماریں، پھر جمرہ وسطی میں آئے اور وہاں سات کنکریاں ماریں، پھر جمرہ کبریٰ میں سات کنکریاں ماریں، پھر اسی جانور کو لے کر منیٰ میں گئے اور وہاں اسے ذبح کیا، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی جان ہے یہ اسلام میں سب سے پہلی قربانی تھی، اس مینڈھے کا سر (بیت اللہ کے) پرنالہ پر لٹکا دیا گیا۔[۳]

عَنْ عَلِيٍّ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ:بِكَبْشٍ أَبْيَضَ أَعْيَنَ أَقْرَنَ، قَدْ رُبِطَ بِسَمُرَةٍ وَجَدُوهُ مَرْبُوطًا بسمرة فِي ثَبِير

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی گئی ہے ابراہیم علیہ السلام نے مینڈھے کو ثبیر میں ایک ببول کے درخت سے بندھا ہوا پایا۔[۴]

---

[۱] تفسیرالزمحشری الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل ۴/۵۵

[۲] تاریخ طبری ۱/۲۷۶

[۳] تاریخ طبری ۱/۲۷۶

[۴] تفسیرابن کثیر ۷/۳۱

ایک روایت یہ بھی ہے۔

فَأَدْرَكَهُ عِنْدَ الْجَمْرَةِ الْكُبْرَى، فَرَمَاهُ بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ

ابراہیم علیہ السلام نے جمرہ الکبری کے پاس ابلیس کو سنگسار کیا تھا۔ (۱)

بہر حال مینڈھے کے بھاگنے کی روایت بے بنیاد ہے اور صحیح روایات میں سنت رمی جمرہ کی اصل کا کوئی ذکر نہیں، تمام مناسک حج ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چلے آتے ہیں اور بعد میں آنے والوں نے تمام مناسک حج ان سے ہی سیکھے، کلام جاہلیت میں احرام، استلام، طواف، طیر حرم ،صفاومروہ، ہدی ونحر، زیارت عرفہ، وقوف منیٰ غرض خانہ کعبہ اور حج سے متعلق ساری چیزوں کا ذکر مل جاتا ہے مگر رمی جمرات کا کوئی ذکر نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعد کی نئی چیز ہے جو واقعہ فیل کے بعد وجود پذیر ہوئی، چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ایک بہت بڑے احسان کی یادگار اور اس کی قدرت قاہرہ کی ایک عظیم نشانی تھی اس وجہ سے اسلام نے اس کو باقی رکھا اور حج کے مراسم میں شامل ہو کر اس نے تکبیر وتہلیل کی ایک مخصوص سنت کی حیثیت حاصل کر لی۔

اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کہ سید الامم صلی اللہ علیہ وسلم ایام تشریق میں منیٰ میں ٹھہرے، زوال کے بعد آپ رمی کرتے، ہر جمرہ پر سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر فرماتے، جمرہ اولی اور جمرہ ثانیہ کے پاس وقوف کر کے دیر تک دعا وتضرع فرماتے، جمرہ ثانیہ کے پاس وقوف نہ فرماتے بھی اسی طرف اشارہ ہے، یہ بات تو ثابت ہے کہ رمی کی سنت (جو محصب کے ایک حصہ میں ہوتی ہے اور محصب منیٰ میں شامل ہے، اس کو محصب اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہاں پر کنکریاں بہت زیادہ ہیں) وہیں ادا کی جاتی ہے جہاں پر اصحاب الفیل پر سنگباری ہوئی تھی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ واقعہ وادی محسر میں پیش آیا جہاں اصحاب الفیل کا ہاتھی تھک کر بیٹھ گیا اس وجہ سے اس کا نام محسر ہوا جو مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان لیکن منیٰ کے قریب ہے۔

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے نہایت وقار وسکون کے ساتھ چلے اور دوسرے لوگوں کو بھی سکون کے ساتھ چلنے کا حکم فرمایا لیکن جب وادی محسر میں پہنچے تو آپ نے رفتار تیز کر دی۔ علماء نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ محسر اصحاب الفیل کی عذاب کی جگہ تھی اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے جلد نکل جانا چاہا جس کی تائید امام شافعی رحمہ اللہ کی کتاب الام وغیرہ میں اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

أَنَّ عُمَرَ كَانَ يُحَرِّكُ فِي بَطْنِ مُحَسِّرٍ وَيَقُولُ: إِلَيْكَ تَعْدُو قَلِقًا وَضِينُهَا مُخَالِفًا دَيْنَ النَّصَارَى دِينُهَا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بطن محسر میں سواری کو تیز کر دیا کرتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے وہ تیری طرف دوڑ رہی ہے اس حالت میں کہ اس کا تنگ ڈھیلا ہو چکا ہے اس کا دین نصاری کے دین کے خلاف ہے۔ (۲)

یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ ہے کہ اے پروردگار! جس طرح ایک غلام اپنے آقا کی طرف مستعدی وسرگرمی سے بڑھتا ہے اسی طرح میں

---

(۱) تفسیر ابن کثیر ۷/۲۹

(۲) الام للشافعی ۲/۲۳۴

بھی مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ تیرے حضور حاضر ہو رہا ہوں تقاضائے ادب تو یہ تھا کہ نہایت وقار وسکون کے ساتھ قدم اٹھاتا جیسا کہ تونے تعلیم فرمایا ہے:

...فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ... [1]

ترجمہ: اللہ کے ذکر کی طرف مستعدی سے بڑھو۔

لیکن میں نے ناقہ کو تیز چلا دیا ہے کہ اس وادی سے جلد نکل جاوں جس میں تونے ان نصاریٰ کو برباد کیا جو تیرا گھر ڈھانے کے ارادے سے آئے تھے، یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ناقہ کو تیز چلانے کی دو وجہیں فرمائیں، پہلی تو یہ کہ یہ عذاب کی جگہ ہے اور ایسی جگہ سے جلد نکل جانا ہی قرین تقویٰ ہے، دوسرے یہ کہ اصحاب الفیل کو یہاں مجبوراً رکنا پڑا تھا اس وجہ سے یہاں سے جلد نکل جانے میں گویا ان کی مخالفت ہے، وادی محسر میں جلدی کرنا سلف کا مذہب رہا ہے چنانچہ وہاں ٹھہرنا جائز نہیں، موطا میں ہے

وَالْمُزْدَلِفَةُ كُلُّهَا مَوْقِفٌ، وَارْتَفِعُوا عَنْ بَطْنِ مُحَسِّرٍ

وادی محسر کے سوا تمام ٹھہرنے کی جگہ ہے۔(موطا امام مالک كِتَابُ الْحَجِّ الْوُقُوفُ بِعَرَفَةَ وَالْمُزْدَلِفَةِ)

وَلَا يَبِيتُ أَحَدٌ مِنَ الْحَاجِّ إِلَّا بِمِنًى وَمِنًى مَا بَيْنَ الْعَقَبَةِ وَلَيْسَتْ الْعَقَبَةُ مِنْ مِنًى إِلَى بَطْنِ مُحَسِّرٍ وَلَيْسَ بَطْنُ مُحَسِّرٍ

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حجاج کو صرف منیٰ میں شب بسر کرنی چاہی اور منیٰ عقبہ کے پاس اور عقبہ بطن محسر تک منیٰ میں نہیں ہے اور نہ بطن محسر منیٰ میں ہے۔ [2]

صحیح مسلم میں ہے

حَتَّى دَخَلَ مُحَسِّرًا وَهُوَ مِنْ مِنًى

یہاں تک کہ محسر میں داخل ہوئے جو منیٰ میں ہے۔ [3]

بہر حال اتنا تو ثابت ہے کہ بطن محسر منیٰ سے متصل ہے، چونکہ ابرہہ کا لشکر محسر میں تھا اور وہ مکہ مکرمہ کی طرف بڑھ رہا تھا تو لازماً اس کا مقدمتہ الجیش محصب میں ہو گا جہاں کنکریاں ماری جاتی ہیں اس قدر تسلیم کر لینے کے بعد یہ بات بہت لگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سنت رمی اعربوں کی اس سنگباری کی یادگار ہے جو انہوں نے ابرہہ کے مقدمتہ الجیش یا اس کے ہاتھیوں پر کی تھی جس کے پردے میں اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ان پر سنگباری فرمائی۔

○ یہ بات تو بالاتفاق طے شدہ ہے کہ قربانی کی سنت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے اس وجہ سے اگر رمی کی اصل وہ ہوتی جو سمجھی جاتی ہے یعنی شیطان کو سنگسار کرنا تو قربانی رمی سے فارغ ہونے کے بعد تیسرے یا چوتھے دن ہونی چاہیے تھی حالانکہ قربانی رمی کے پہلے ہی دن ہوتی

---

[1] الجمعة٩

[2] الام للشافعی ۲/۲۳۶

[3] صحیح مسلم كِتَابُ الْحَجِّ بَابُ اسْتِحْبَابِ إِدَامَةِ الْحَاجِّ التَّلْبِيَةَ حَتَّى يَشْرَعَ فِي رَمْيِ جَمْرَةِ الْعَقَبَةِ يَوْمَ النَّحْرِ٣٠٨٩

ہے، پھر شیطان کو دوسرے اور تیسرے دن کیوں سنگسار کیا جاتا ہے جبکہ ابراہیم علیہ السلام اس سے پہلے ہی شیطان کو سنگسار کر کے بیٹے کی قربانی سے فارغ اور اپنے دشمن ابلیس کے مکر وفریبوں سے مامون ومحفوظ ہو چکے تھے؟ ہاں اگر اس کو واقعہ فیل کی یادگار مانا جائے تو تمام گتھیاں آپ سے آپ سلجھ جاتی ہیں، ابرہہ پر پہلے روز جو سنگباری ہوئی ہوگی اس سے ایک حد تک نقصان اٹھا کر وہ آگے بڑھنے سے رک گئی ہوگی اور حجاج نے منیٰ میں واپس آ کر اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری اور قربانی اور تکبیر وتہلیل کے فرائض ادا کیے ہوں گے لیکن ابھی دم خم باقی رہا ہوگا اس وجہ سے دوسرے دن ابراہہ نے پھر مکہ مکرمہ پر حملہ کرنا چاہا ہوگا لیکن حجاج نے آگے بڑھ کر پھر پتھر پھینک کر روک دیا ہوگا، یہی واقعہ تیسرے روز بھی پیش آیا ہوگا یہاں تک کہ حجاج کی سنگباری اور دست غیب کی کارفرمائیوں نے پوری فوج کو بالکل پامال بلکہ نیست ونابود کر دیا۔

○ ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ رمی کے تین دنوں میں سے پہلے دن صرف اس ستون پر کنکریاں مارتے ہیں جو عقبہ کے پاس اور تینوں ستونوں میں مکہ معظّمہ سے قریب تر ہے اس روز بقیہ دونوں ستونوں کو ہاتھ نہیں لگاتے، غور کریں تو اس واقعہ کی فطری ترتیب کا تقاضا بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اصحاب الفیل پہلے جوش میں آ کر مکہ کی طرف بڑھے ہوں گے اور مذکورہ حد تک پہنچ گئے ہوں گے لیکن جب حجاج نے پتھراؤ کر کے ان کے چہرے بگاڑ دیئے ہوں گے تو لازماً ان کی طاقت کا نشہ ہرن ہو گیا ہوگا جبکہ حجاج کا جوش مدافعت اور بڑھ گیا ہوگا اور حوصلہ بڑھ جانے کے سبب دوسرے دن انہوں نے اور آگے بڑھ کر مورچہ قائم کر لیا ہوگا۔

○ جس ستون پر پہلے روز رمی کی جاتی ہے وہ تینوں ستونوں سے بڑا ہے اور فوج کے حالات کے لحاظ سے یہی ہونا بھی چاہیے، ظاہر ہے کہ پہلے دن کی شکست اور پامالی نے مقدمۃ الجیش کے حملہ آوروں کی کافی تعداد گھٹا دی ہوگی اس وجہ سے ضروری ہوا کہ دوسرے ستونوں کا حجم پہلے کے مقابلہ میں کم ہو کہ واقعہ کی پوری تصویر یادگار کے آئینہ میں محفوظ رہے، ان باتوں کو شیطان کے حالات سے کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی، جو شیطان ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے آیا تھا اس کی یادگار میں یہ ترتیبی تفاوت بالکل بے معنی معلوم ہوتے ہیں۔

○ پہلے اور دوسرے دن رمی کے بعد کعبہ کی طرف رخ کر کے کافی دیر تک دعا کی جاتی ہے لیکن تیسرے دن کی رمی وقوف اور دعا سے خالی ہوتی ہے، اگر یہ رمی شیطان پر ہوتی تو نہ تو پہلے دو دنوں میں اس درجہ اہتمام دعا کی کوئی وجہ تھی اور نہ ہی تیسرے دن بالکل ترک کرنے کی، ابراہیم علیہ السلام کے دل میں کسی قسم کا شائبہ یا تذبذب نہیں تھا اگر شیطان کو سنگسار کرنے کا واقعہ سچ بھی ہے تو بھی یہ بات محض لعنت اور تحقیر کے لئے ہو سکتی ہے، ورنہ ابراہیم علیہ السلام کا قربانی کرنے کا غیر متزلزل ارادہ تھا البتہ اگر یہ رمی ابراہہ کے لشکر پر مانی جائے تو اس طویل تضرع وزاری اور اہتمام دعا کی حکمت واضح ہو جاتی ہے کیونکہ بعض روایات کے مطابق ابرہہ کی فوج تقریباً ساٹھ ہزار تھی، ایک ایسے بڑے لشکر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت کی دعا مانگنا اور نہایت تضرع وزاری کے ساتھ دیر تک اس کے حضور دیر تک گڑگڑانا بالکل قرین عقل ہے، اس حد تک واقعات کا سلسلہ سمجھ میں آنے کے بعد یہ بات خود بخود سامنے آ جاتی ہے کہ تیسرے دن ابراہہ کی بھاری جمعیت پارہ پارہ ہو کر تتر بتر ہو گئی تو حجاج ان پر بددعا کرنے سے رک گئے ہوں گے۔

○ جمرہ ایسی جمعیت کو کہتے ہیں جس کو اپنی شان وشوکت اور قوت پر اس درجہ اعتماد ہو کہ کسی دوسری جماعت سے وابستہ ہونے کی وہ ضرورت ہی محسوس نہ کرے، اور اس کا بہترین مصداق صرف ابرہہ کا لشکر ہی ہو سکتا ہے جو تمام قبائل سے بے نیاز ہو کر صرف اپنی طاقت وقوت کے

بھروسہ پر اہل عرب پر ٹوٹ پڑا تھا اور چونکہ منی کے ستون اس کی یادگار تھے اسی وجہ سے ان کو جمرات کہا گیا۔

○ ابو رغال جس نے ابرہہ کے لشکر گراں کو راستہ بتایا تھا اس کو اسی موقع پر سنگسار کیا گیا تھا اور اس کے بعد بھی اہل عرب برابر اس کی قبر کو سنگسار کرتے رہے مگر اسلام میں ابو رغال کی قبر کو سنگسار کرنا بند کر دیا گیا ہے، کسی مخصوص قبر کو سنگسار کرنا اولاً تو اسلام کی رفعت اور بلندی کے منافی ہے، ثانیاً جب رمی جمرات واقعہ کی یادگار باقی رکھنے کے لئے کافی ہے تو پھر ابو رغال کی قبر کو سنگسار کرنے کی رسم کو باقی رکھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔

الغرض اللہ نے اپنی بے شمار فوجوں سے بحر احمر کی جانب سے بڑی بڑی زرد گوں شکاری چونچوں والی سیاہی مائل خاکی رنگ کی چڑیوں کے ٹڈی دل کی طرح جھنڈ کے جھنڈ کی شکل میں ایک فوج نمودار فرمائی جنہوں نے عظیم الحبشہ ہاتھیوں، سرکش و مغرور بادشاہ ابرہہ اور اس کے لشکر کی متعفن لاشوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھانا شروع کر دیا اور اس مقدس وادی کو انسانی تعفن سے پاک کر کے اللہ کی جلال و قدرت کی ایک دوسری نشانی کا مشاہدہ کرایا کیونکہ اگر یہ لاشیں پڑی رہتیں تو ان کے تعفن کی وجہ سے مکہ ایک مدت تک کے لئے ناقابل سکونت ہو جاتا، یہ کہنا کہ اللہ نے ایک بے پناہ سیلاب بھیجا جو ان ہاتھیوں اور انسانی لاشوں کو بہا کر لے گیا تو ایسی کوئی روایت تاریخ میں نہیں ملتی اور اگر ایسا زبردست سیلاب آیا بھی تھا تو کیا مکہ مکرمہ کے باشندے اس کی زد سے محفوظ رہے تھے کہ انہوں نے اس کا کوئی تذکرہ ہی نہیں کیا، اور جو لشکری وادی مکہ سے بچ نکلے وہ بھی واپس اپنے گھروں کو نہ پہنچ پائے بلکہ نہایت ابتری و بدحواسی میں بھاگتے ہوئے مختلف راستوں اور گھاٹوں میں بے کسی کے عالم میں گرتے اور مرتے رہے، اللہ کی طرف سے انہیں اس جنگ میں ایسی شکست فاش ہوئی کہ ان کی تمام طاقت و قوت پارہ پارہ ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے اس کے سرکشی اور غرور سے اٹھے ہوئے سر کو کچل ڈالا۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو نہایت مجمل طریقہ سے بیان کیا ہے جس سے نہ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کون تھے اور کہاں سے آئے تھے ؟ اور نہ ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے آئے تھے یا کسی اور مقصد سے آئے تھے، اس اجمال کی وجہ یہ ہے کہ یہ نہایت مشہور واقعہ تھا حتیٰ کہ عربوں نے اسی واقعہ سے اپنی تاریخ کا آغاز کیا اور ان کے اشعار میں بکثرت اس کا تذکرہ ہوا، ابراہہ کے ساتھ ساٹھ ہزار لشکریوں کا یوں ختم ہو جانا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا اس کے بعد یمن میں ان کی طاقت بالکل ٹوٹ گئی، اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر جگہ جگہ یمنی سردار علم بغاوت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے، پھر ایک یمنی سردار سیف بن ذی یزن نے ۵۷۵ء کو شاہ ایران سے فوجی مدد طلب کر لی اور ایران کی صرف ایک ہزار فوج جو چھ جہازوں کے ساتھ آئی تھی حبشی حکومت کا خاتمہ کر دینے کے لئے کافی ہو گئی، اس طرح تین چار سالوں کے اندر یمن سے حبشی اقتدار کی ہمیشہ کے لیے دھجیاں اڑ گئیں اور دنیا میں پہلا مقدس گھر جس کی جگہ کا تعین خود اللہ نے فرمایا تھا اور جو اللہ کے حکم اور کرم و توفیق سے خشیت و تقویٰ کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے اللہ کے حضور قبولیت کی نیازمندانہ اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرتے ہوئے تعمیر ہوا تھا جو کمال اسلام کی تصویر ہے، جو دین الٰہی کی اصل و اساس ہے جو دنیا میں امن، توحید، خیر و برکت اور غربا پروری کا مرکز بنا اللہ کی شان و عظمت سے محفوظ رہا اور قیامت تک قائم رہے گا۔

ولادت رحمت للعالمین

جب تک دنیا نے تمدنی واجتماعی زندگی کے وہ مسائل نہیں پیدا کر لئے جو ساری دنیا کو ایک داعی حق کی دعوت پر جمع کرنے کے لئے ضروری تھے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے الگ الگ قوموں کے اندر رسولوں کا بھیجنا جاری رکھا لیکن جب انبیاء کی تعلیم وتربیت سے قوموں کا اخلاقی واجتماعی شعور اتنا بیدار ہو گیا کہ وہ ایک عالمگیر نظام عدل کے تحت زندگی بسر کر سکیں اور اس کے ساتھ ہی دنیا کے اجتماعی وتمدنی وسائل نے بھی اس حد تک ترقی کر لی کہ ایک ہادی کا پیغام ہدایت دنیا کے ہر گوشے میں بسہولت پہنچ سکے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجے اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو وہ مکمل نظام زندگی عنایت فرمائے جو تمام بنی نوع انسان کے مزاج اور ان کے حالات وضروریات کے بالکل مطابق ہو، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے ایک حصہ کو مکہ معظّمہ کی بے آب وگیاہ وادی میں جس مقصد کے لئے لا بسایا تھا اور جس کے لئے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت انہوں نے اور اسماعیل علیہ السلام نے رب العزت سے دعا فرمائی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾ [1]

ترجمہ: اور اے رب! ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول اٹھائیو، جو انہیں تیری آیات سنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوارے، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ علیہ السلام کی دعا کو قبولیت بخشا اور فرمایا:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٢﴾ [2]

ترجمہ: وہی ہے جس نے امیوں کے اندر ایک رسول خود انہی میں سے اٹھایا جو انہیں اس کی آیات سناتا ہے ان کی زندگی سنوارتا ہے، اور ان کی کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ [3]

اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو چھ سو سال پہلے خاتم الانبیاء ﷺ کی بشارت سنائی۔

وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيلَ اِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا

---

[1] البقرة ۱۲۹

[2] الجمعة۲

[3] مستدرک حاکم ۳۵۶۶، الخصائص الکبری ۱/۱۶، تاریخ طبری ۲/۱۶۱، ابن ہشام ۱/۱۶۶، الروض الانف ۲/۱۰۸، عیون الآثر ۱/۴۳، ابن سعد ۱/۱۱۹، البدایة والنهایة ۲/۳۳۵

بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۝۶ (۱)

ترجمہ:اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل!میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں تصدیق کرنے والا ہوں اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے،اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔

اور یہ اہل کتاب تورات وانجیل میں اس بشارت کو لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۝۱۵۷ (۲)

ترجمہ:(پس آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے)جو اس پیغمبر نبی امّی کی پیروی اختیار کریں جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔

اور بنی اسرائیل کو چھوڑ کر جس میں اللہ نے پے در پے رسول بھیجے،موسیٰ علیہ السلام کی رسالت میں فرعون کی غلامی سے نجات عطافرمائی،صحرا کی ،جھلسا دینے والی دھوپ سے بچنے کے لئے ابر کا سایہ مہیا فرمایا،تپتے صحرا میں پانی کے بارہ،چشمے عنایت کئے،صحرا میں خوراک کے لئے من وسلویٰ اتارا،ان کی رشد وہدایات کے لئے کتاب نازل فرمائی الغرض ان پر بار بار احسانات کئے تھے مگر وہ اپنی بار بار کی نافرمانیوں،سرکشیوں، حدود اللہ کو توڑنے کے سبب اپنا مقام ومنصب کھو چکی تھی جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے ان پر ذلت ومسکنت طاری کر دی تھی ،اور دنیا کے انسانوں پر اپنی بے بہا رحمت نازل کرتے ہوئے اسماعیل علیہ السلام کی بعثت کے ڈھائی ہزار سال بعد یورپ،ایشیا اور افریقہ کے تقریباً وسط میں عرب کے ریت کے اونچے اونچے ٹیلوں کے درمیان صدیوں سے آزاد،تازہ دم اور علوم وفنون وتہذیب وتمدن سے عاری امی قوم جو سخت جہالت،پستی وبدحالی،جاہلانہ توہمات،وحشت وبربریت اور سرتاپا درندگی میں ڈوبے ظلمت کدہ میں قیام پذیر تھی،اور ان ظلمتوں سے نکلنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کے درمیان دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ایک آخری پیغمبر مبعوث فرمائے جو لوگوں کو کفر کی ہر صورت کا خلاف حق اور غلط ہونا سمجھا کر صراط مستقیم کو مدلل اور واضح طریقے سے بیان کرے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو اس کی اصلی اور صحیح صورت میں جو باطل کی ہر آمیزش سے پاک ہو پیش کرے،تزکیہ نفوس کرے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے تاکہ وہ پہلے اس سرزمین عرب اور پھر یہاں سے ساری دنیا کو ظلمتوں، گمراہیوں سے پاک کر کے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بابرکت نام بلند کرے،انسانوں کے ہر طرح کے خودساختہ قوانین کو توڑ کر اللہ کے قانون کے تحت کر دے،اللہ کی زمین سے فتنہ وفساد ختم کر کے عدل وانصاف قائم کرے اور بندوں کو بندوں کی غلامی سے نجات دلوا کر حقیقی مساوات قائم کر کے دنیا کی سیاہ تاریخ بدل ڈالے،تاکہ انسانوں پر اللہ کا اتمام حجت قائم ہو جائے اور روز قیامت انسان کوئی عذر پیش ہی نہ کر سکے کہ ہماری ہدایت کا کوئی انتظام ہی نہیں کیا گیا تھا،جہاں یہود ونصاریٰ اپنی کتابوں تورات وانجیل میں آنے والے پیغمبر کی بشارت،اسکا نام اور اوصاف واحوال واضح طور پر لکھا ہوا پاتے تھے،اس لئے ایک عرصہ سے نبی آخر الزمان کا انتظار کر رہے تھے اور کفار مکہ کو ڈراتے رہتے تھے کہ عنقریب جب وہ نبی آئے گا تو ہم

---

(۱) الصف۶

(۲) الاعراف۱۵۷

اس کے ساتھ مل کر تمہارا قتل عام کریں گے، جہاں اس دور کے دو کاہن شق اور سطیح رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے لوگوں کو آپ ﷺ کے ظہور کی خبریں دیا کرتے تھے، جہاں ایک فلسفی اور منجم لوگوں کو ایک رسول کے مبعوث ہونے کی خبر دیا کرتا تھا،

قال: كان قَيْسُ بْنُ نُشْبَةَ يتألّه في الجاهلية، وينظر في الكتب فلما سمع بالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قدم عليه، فقال له: أنت رَسُولَ اللَّهِ؟قال: نعم،قال: فانتسب له، فقال: أنت شريف في قومك، وفي بيت النّبوّة، فما تدعو إليه؟ فعرض عليه أمور الإسلام، وعرّفه ما يأمر به وينهى عنه، فقال: ما أمرت إلّا بحسن، وما نهيت إلا عن قبيح، فأخبرني عن كحل ما هي؟ قال:السّماء، قال: فأخبرني عن محل ما هي؟ قال: الأرض ،قال: فلمن هما؟قال:للّه،قال: ففي أيهما هو؟قال:هو فيهما وله الأمر من قبل ومن بعد، قال : أنت صادق، وأشهد أنك رَسُولَ اللَّهِ ، فقال قيس بن نشبة

قیس بن نشبہ جو جاہلیت میں لوگوں کو ایک رسول کے مبعوث ہونے کی خبر دیا کرتا تھا جب نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، کہنے لگا میں آپ سے کچھ سوالات پوچھتا ہوں، کہنے لگا آپ اپنی قوم میں سے نسب کے حوالے سے سب سے بہتر ہیں اور نبوت کے گھرانہ سے ہیں، آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے اسے اسلام کے امور کے بارے میں بیان فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کس بات کا حکم فرمایا ہے اور کس بات سے روکا ہے، وہ کہنے لگے آپ نے صحیح بات کا حکم فرمایا ہے اور بری باتوں سے روکا ہے، آپ مجھے بتلائیں کہ کحلہ کیا چیز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آسمان، پھر اس نے پوچھا محل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا زمین، کہنے لگا یہ دونوں کس کی ملکیت ہیں؟ فرمایا اللہ کی، کہنے لگا ان میں سے اس کا اختیار کہاں چلتا ہے، فرمایا دونوں میں، اللہ ہی کا اختیار ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی، یہ سن کر وہ بولا آپ نے سچ کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، پھر قیس نے اپنے قبول اسلام کے متعلق کچھ اشعار کہے

تَابَعْتِ دِيْنَ مُحَمَّدٍ ورضيتُه	كلَّ الرضا لأمانتي ولِديني
ذاك امرؤ نازعته قَوْلُ العَدُوِّ	عقدت فيه يمينه بيميني
قد كنت آمله وانظر دهره	فاللَّه قدّر أنّه يهديني
أعني ابن آمنة الأمين ومن به	أرجو السّلامة من عذاب الهون ۔[1]

جہاں یہودیوں کا ایک بڑا عالم عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن سلام بن حارث بھی تھا وہ جب مدینہ منورہ میں ایمان لے آئے تو انہوں نے بیان کیا

لَمَّا سَمِعْتُ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفْتُ صِفَتَهُ وَاسْمَهُ وَزَمَانَهُ الّذي كنّا تتوكّف لَهُ، فَكُنْتُ مُسِرًّا لِذَلِكَ، صَامِتًا عَلَيْهِ، حَتَّى قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ظہور کا سنا اور میں اس سے قبل آپ کے اوصاف، اسم مبارک اور ظہور کے زمانہ کو جس کا ہم انتظار کر رہے تھے

[1] الإصابة في تمييز الصحابة ۵/۳۸۲

بخوبی جانتا تھا، مجھے آپ کے ظہور کی خبر سے بہت مسرت ہوئی لیکن میں اس مسئلہ پر خاموش رہتا تھا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت فرما کر آ گئے۔[1] جہاں بہت سے لوگ حق کی تلاش میں سرگرداں تھے مگر حق ڈھونڈنے سے نہیں مل رہا تھا

أَنَّهُ كَانَ نَصْرَانِيًّا مِنْ أَهْلِ مَرِيسٍ. وَكَانَ يَقْرَأُ الإِنْجِيلَ. فَذَكَرَ أَنَّ صِفَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الإِنْجِيلِ. وَهُوَ مِنْ ذُرِّيَّةِ إِسْمَاعِيلَ اسْمُهُ أَحْمَدُ

جہاں لوگ یہود و نصاریٰ اور اپنے کاہنوں سے اکثر سنا کرتے تھے کہ ملک عرب میں عنقریب ایک نبی ﷺ مبعوث ہونے والا ہے جو بنی اسماعیل میں سے ہو گا جس کا اسم مبارک احمد ہو گا۔[2]

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ: كَانَتِ الْعَرَبُ تَسْمَعُ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَمِنَ الْكُهَّانِ أَنَّ نَبِيًّا يُبْعَثُ مِنَ الْعَرَبِ اسْمُهُ مُحَمَّدٌ. فَسَمَّى مَنْ بَلَغَهُ ذَلِكَ مِنَ الْعَرَبِ وَلَدَهُ مُحَمَّدًا طَمَعًا فِي النُّبُوَّةِ

سعید بن مسیب سے مروی ہے اہل عرب اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور کہانوں سے سنتے تھے کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہو گا جس کا اسم مبارک محمد ہو گا جب اہل عرب نے یہ سنا تو نبوت کے لالچ میں اپنے بچوں کا نام محمد رکھنے لگے۔[3]

مَا سَمِعُوا مِنَ الْكُهَّانِ وَالْأَحْبَارِ أَنَّ نَبِيًّا سَيُبْعَثُ فِي ذَلِكَ الزَّمَانِ يُسَمَّى مُحَمَّدًا فَرَجَوْا أَنْ يَكُونُوا هُمْ فَسَمَّوْا أَبْنَاءَهُمْ

جب لوگوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء سے سنا کہ نبی آخر الزماں مبعوث ہونے والے ہیں جن کا نام محمد ہو گا تو جس کو یہ خبر پہنچی نبوت کے لالچ میں اپنے نومولود بچوں کے نام محمد رکھنے لگے تھے۔[4]

سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَدِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ كَيْفَ سَمَّاكَ أَبُوكَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مُحَمَّدًا،قَالَ سَأَلْتُ أَبِي عَمَّا سَأَلْتَنِي،فَقَالَ خَرَجْتُ رَابِعَ أَرْبَعَةٍ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ أَنَا أَحَدُهُمْ وَسُفْيَانُ بْنُ مُجَاشِعٍ وَيَزِيدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ رَبِيعَةَ وَأُسَامَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ حَبِيبِ بْنِ الْعَنْبَرِ نُرِيدُ بن جَفْنَةَ الْغَسَّانِيَّ بِالشَّامِ فَنَزَلْنَا عَلَى غَدِيرٍ عِنْدَ دَيْرٍ فَأَشْرَفَ عَلَيْنَا الدَّيْرَانِيُّ ، فَقَالَ لَنَا إِنَّهُ يُبْعَثُ مِنْكُمْ وَشِيكًا نَبِيٌّ فَسَارِعُوا إِلَيْهِ،فَقُلْنَا مَا اسْمُهُ، قَالَ مُحَمَّدٌ،فَلَمَّا انْصَرَفْنَا وُلِدَ لِكُلٍّ مِنَّا وَلَدٌ فَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا

محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا گیا کہ زمانہ جاہلیت میں آپ کے والد نے آپ کا نام محمد کیسے رکھا، کہتے ہیں میں نے بھی اپنے والد سے یہی پوچھا تھا جو آپ نے پوچھا ہے انہوں نے کہا ہم بنی تمیم کے چار لوگ شام کے سفر میں ایک دیر (عیسائی خانقاہ) پر پہنچے، صاحب دیر نے ہم سے کہا تمہاری قوم میں ایک آخری نبی مبعوث ہونے والا ہے اس کی طرف دوڑو، ہم نے پوچھا اس کا نام کیا ہو گا، اس نے کہا محمد، اس کے

---

[1] ابن ہشام۱/۵۱۶،روض الانف ۴/۲۰۳

[2] ابن سعد۱/۸۳

[3] ابن سعد۱/۱۳۴

[4] فتح الباری۶/۵۵۶

بعد ہمارے ہاں جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام محمد رکھا گیا۔ [۱]

قَالَ وَهُمْ سِتَّةٌ

کچھ لوگوں نے ایسے بچوں کی تعداد جن کا نام محمد تھا چھ بیان کی ہے۔(قاضی عیاض)

بعض نے چار بیان کی ہے(عبدان المروزی)

وَقَالَ السُّهَيْلِيُّ فِي الرَّوْضِ لَا يُعْرَفُ فِي الْعَرَبِ مَنْ تَسَمَّى مُحَمَّدًا قَبْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا ثَلَاثَةٌ مُحَمَّدُ بْنُ سُفْيَانَ بْنِ مُجَاشِعٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ أُحَيْحَةَ بْنِ الْجُلَاحِ وَمُحَمَّدُ بْنُ حُمْرَانَ بْنِ رَبِيعَةَ

سہیلی اپنی کتاب روض الانف میں لکھتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے اہل عرب محمد نام نہیں رکھتے تھے مگر تین اشخاص کے نام ملتے ہیں، محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن احیحہ بن الجلاح اور محمد بن حمران بن ربیعہ۔

بعض نے پندرہ اشخاص کی فہرست لکھی ہے۔ [۲]

أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ أُحَيْحَةَ بْنِ الْجُلَاحِ أَوَّلُ مَنْ تَسَمَّى فِي الْجَاهِلِيَّةِ مُحَمَّدًا

محمد بن احیحہ بن الجلاح پہلا آدمی ہے جس کا جاہلیت میں محمد نام رکھا گیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں یہ نام بیان کیے ہیں۔

مُحَمَّدُ بْنُ خُزَاعِيِّ بْنِ عَلْقَمَةَ — محمد بن خزاعی بن علقمہ۔ یہ نصرانی تھا اور جب ابرہہ مکہ میں داخل ہوا تو یہ ان کے ساتھ تھا حتی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

مُحَمَّدُ بْنُ سُفْيَانَ بْنِ مُجَاشِعٍ	محمد بن سفیان بن مجاشع، یہ پادری تھا۔
مُحَمَّدُ بْنُ أُحَيْحَةَ بْنِ الْجُلَاحِ	محمد بن احیحہ بن الجلاح
مُحَمَّدُ بْنُ حُمْرَانَ بْنِ رَبِيعَةَ	محمد بن حمران بن ربیعہ
مُحَمَّدُ بْنُ عَدِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ	محمد بن عدی بن ربیعہ
مُحَمَّدَ بْنَ عَدِيٍّ	محمد بن عدی
مُحَمَّدَ بْنَ عُتْوَارَةَ	محمد بن عتوارہ
مُحَمَّدُ بْنُ الْيَحْمَدَ الْأَزْدِيُّ	محمد بن الیحمد الازدی
مُحَمّد بن خولي الْهَمدَانِي	محمد بن خولی ہمدانی
مُحَمَّدُ بْنُ حِرْمَازَ بْنِ مَالِكٍ الْيَعْمُرِيُّ	محمد بن حرماز بن مالک یعمری

[۱] فتح الباری ۶/۵۵۶

[۲] فتح الباری ۶/۵۵۶

مُحَمَّدُ بْنُ حُمْرَانَ بْنِ أَبِي حُمْرَانَ — محمد بن حمران بن ابی حمران

مُحَمَّدَ بْنَ عُقْبَةَ بْنِ أُحَيْحَةَ — محمد بن عقبہ بن احیحہ

محمد جشمی

محمد اسدی

محمد فقیمی

جہاں اس مبارک گھڑی کے آنے سے تھوڑی مدت پہلے ابرہہ ساٹھ ہزار فوج لیکر اپنی تقدیر سے لڑنے آیا تھا مگر وہ ساٹھ ہزار نہیں ساٹھ لاکھ فوج بھی لاتا تو اس کا وہی عبرت ناک انجام ہوتا جو ہوا، جہاں اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا منصوبہ کام کر رہا ہو کہ اس مقام پر وہ ہستی وجود میں لائی جائے جو دنیا کی تاریخ بدل ڈالنے والی تھی، جو تمام نبوتوں کی آخری اور سب سے بڑی نبوت تھی اور جس کے لئے ڈھائی ہزار برس پہلے سے تیاری کی جارہی تھی، وہاں کوئی بڑی سے بڑی انسانی طاقت بھی اللہ کی طاقت سے ٹکرا کر پاش پاش ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تھی، بنی اسماعیل کے سب سے بلند مرتبہ خاندان بنوہاشم میں، علامہ سید محمد سلیمان منصور پوری اور محمود پاشا فلکی کی تحقیق کے مطابق موسم بہار میں اصحاب الفیل کے بیت اللہ پر حملہ کے پچاس دن بعد بروز سوموار فجر کے وقت نو ربیع الاول، عام الفیل ۱، بمطابق بائیس اپریل ۵۷۱ ء کو مکہ مکرمہ میں مقام سوق اللیل کے اس مکان میں جو حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی کا مکان کہلاتا تھا ایک خورشید تاباں پیدا فرمایا،

عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ :وُلِدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوم الاثْنَيْنِ لِعَشْرِ لَيَالٍ خَلَوْنَ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الأَوَّلِ وَكَانَ قُدُومُ أَصْحَابِ الْفِيلِ قَبْلَ ذَلِكَ لِلنِّصْفِ مِنَ الْمُحَرَّمِ. فَبَيْنَ الْفِيلِ وَبَيْنَ مَوْلِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ وَخَمْسُونَ لَيْلَةً

ابوجعفر محمد بن علی فرماتے ہیں ماہ ربیع الاول کی دس راتیں گزریں تھیں کہ پیر کے دن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے، اصحاب فیل اس سے دس ماہ پہلے محرم میں آچکے تھے لہذا رسول اللہ ﷺ کی ولادت اور واقعہ فیل کے درمیان پچپن راتیں گزر چکی تھیں۔

قَالَ : وَأَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ قَالَ : كَانَ أَبُو مَعْشَرٍ نَجِيحٌ الْمَدَنِيُّ يقول : ولدرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوم الاثْنَيْنِ لليلتين خلتا مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الأَوَّلِ

محمد بن عمر کہتے ہیں ابومعشر نجیح المدنی کہا کرتے تھے ماہ ربیع الاول کی دو راتیں گزری تھیں کہ پیر کے دن رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے۔ [1]

قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ : وُلِدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، لِاثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيعِ الْأَوَّلِ، عَامَ الْفِيلِ

محمد بن اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ پیر کے روز بارہویں ربیع الاول کو پیدا ہوئے جس سال اصحاب فیل نے مکہ معظّمہ پر لشکر کشی کی تھی۔ [2]

---

[1] ابن سعد ۱/۷۹

[2] ابن ہشام ۱/۱۵۵

فَيَزْعُمُونَ أَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ أَخَذَهُ، فَدَخَلَ بِهِ الْكَعْبَةَ، فَقَامَ يَدْعُو اللّٰهَ، وَيَشْكُرُ لَهُ مَا أَعْطَاهُ

جب آپ کی پیدائش کاوقت ہواتوعبدالمطلب جنہوں نے خود یتیمی میں زندگی بسر کی تھی ساری رات طواف بیت اللہ میں مشغول رہے، صبح کے وقت جب ان کو اپنے مرحوم اور پیارے بیٹے عبداللہ کی نسل جاری ہونے کی خوشخبری ملی تو اسی لمحے خوشی خوشی گھر بھاگے چلے آئے، گھر آکر یتیم پوتے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھاکر بیت اللہ میں لے گئے اور آپ ﷺ کے لئے دعائے خیر اور فتنہ وفساد اور ہر طرح کے شر سے بچاؤ کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے جو عطا فرمایا اس کے لیے شکر ادا کیا۔[1]

ثويبة التي أعتقها عمه أبو لهب حين بشرته به كانت ثُوَيْبَةُ الأَسْلَمِيَّةُ مَوْلَاةُ أَبِي لَهَبٍ فَأَعْتَقَهَا

آپ کی پیدائش کی خوشخبری آپ ﷺ کے چچا عبدالعزیٰ (ابولہب) تک ان کی لونڈی ثویبہ نے پہنچائی، بھتیجے کی پیدائش پر وہ بہت خوش ہوا اور اسی خوشی میں اسے آزاد کردیا۔[2]

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَكَانَتْ ثُوَيْبَةُ بَشَّرَتْ أَبَا لَهَبٍ بِمَوْلِدِهِ فَأَعْتَقَهَا

نبی کریم ﷺ سوموار کے روز پیدا ہوئے، ثویبہ نے آپ ﷺ کی پیدائش کی خوشخبری ابولہب تک پہنچائی تو اس نے اسے آزاد کردیا۔[3]

اختلف في إسلامها

ان کے اسلام قبول کرنے یا نہ کرنے میں اختلاف ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا: أَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ خَتَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ سَابِعِهِ، وَصَنَعَ لَهُ مَأْدُبَةً وَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ساتویں دن دادا عبدالمطلب نے نبی کریم ﷺ کے عقیقہ میں ایک دنبہ ذبح کیا آپ کا ختنہ کیا (جو بقایائے ابراہیمی میں سے تھا اور زمانہ جاہلیت میں عربوں میں رائج تھا) اور آپ ﷺ کا نام محمد ؐ رکھا۔[4]

جو عربوں میں آشنا تو تھا مگر معروف نہ تھا، قریش نے تعجب سے کہا آپ نے مشہور خاندانی نام چھوڑ کر یہ جداگانہ نام کیوں رکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا میری تمنا ہے اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اور ساری مخلوق زمین میں اس کی تعریف وستائش کرے۔[5]

ایک روایت میں ہے قریش نے تعجب سے کہا یہ آپ نے کیسا نام رکھا ہے ایسا نام تو آپ کے آباء واجداد میں کسی کا نہیں تھا تو عبدالمطلب نے جواب دیا مجھے امید ہے کہ میرے پوتے کی مدح وثنا ساری دنیا کرے گی۔

کئی ایک احادیث میں مذکور رہے کہ والدہ محترمہ نے آپ ﷺ کا نام احمد رکھا،

---

[1] ابن ہشام ۱/۱۵۸

[2] التحفة اللطيفة في تاريخ المدينة الشريفة ۱/۸

[3] فتح الباری ۹/۱۴۵

[4] السيرة النبوية وأخبار الخلفاء لابن حبان ۱/۵۸، تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام ۱/۲۷

[5] فتح الباری ۳/۱۵

علي بن أبي طالب. ع. يقول: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُمِّيتُ أَحْمَدَ

ابن سعد نے حسن سند کے ساتھ سیدنا علیؓ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا نام احمد رکھا گیا تھا۔ (۱)

قرآن مجید میں آپ ﷺ کا اسم گرامی محمد چار مرتبہ ذکر کیا گیا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ... ﴿۱۴۴﴾ (۲)

ترجمہ: محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ... ﴿۴۰﴾ (۳)

ترجمہ: (لوگو) محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ۖ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ... ﴿۲۹﴾ (۴)

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم جب دیکھو گے انہیں رکوع و سُجود، اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے، سُجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾ (۵)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور اس چیز کو مان لیا جو محمد پر نازل ہوئی ہے اور ہے وہ سراسر حق ان کے رب کی طرف سے، اللہ ان کی برائیاں ان سے دور کر دیں اور ان کا حال درست کر دیا۔

اور اسم احمد ایک مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۶﴾ (۶)

ترجمہ: جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات کی صورت میں ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام احمد (بہت زیادہ حمد کرنے والا)

---

(۱) ابن سعد ۱/۸۳

(۲) آل عمران ۱۴۴

(۳) الاحزاب ۴۰

(۴) الفتح ۲۹

(۵) محمد ۲

(۶) الصف ۶

ہے، پھر جب وہ ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے اس کے علاوہ دیگر ناموں سے بھی معروف تھے۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: إِنَّ لِي خَمْسَةَ أَسْمَاءَ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللهُ بِيَ الْكُفَّارَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ

جبر بن مطعم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا میرے پانچ نام ہیں میں محمد ہوں، احمد ہوں ،ماحی ہوں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا، میں حاشر ہوں جس کے قدموں (کے نشانات) پر لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا، میں عاقب (آخری نبی) ہوں،

وَالْعَاقِبُ لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ

راوی حدیث زہری رحمہ اللہ کہتے ہیں عاقب سے مراد یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔[1]

ابن سعد کی حدیث میں ایک اور نام خاتم کا اضافہ ہے،

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنِّي خَاتَمُ

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا میں خاتم الانبیاء ہوں[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے دو اور نام بھی روایت کیے ہیں،

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَمِّي لَنَا نَفْسَهُ أَسْمَاءً، فَقَالَ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ، وَالْمُقَفِّي، وَالْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ اپنے کئی نام ہم سے بیان فرماتے تھے آپ ﷺ نے فرمایا میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں مقفی (یعنی عاقب) ہوں اور میں حاشر ہوں اور نبی التوبۃ ہوں اور نبی الرحمۃ ہوں۔[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے نبی الملاحم کا اضافہ کیا ہے،

عَنْ حُذَيْفَةَ، فقال: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَحْمَدُ، وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَالْحَاشِرُ، وَالْمُقَفِّي، وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا میں محمد ہوں، اور میں احمد ہوں اور میں نبی الرحمۃ ہوں اور نبی التوبۃ ہوں اور میں المقفی

---

[1] شعب الایمان ۱۳۳۴

[2] ابن سعد ۱۵۱/۱، صحیح مسلم کتاب الْفَضَائِلِ بَابٌ فِي أَسْمَائِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۶۱۰۵

[3] صحیح مسلم کتاب الْفَضَائِلِ بَابٌ فِي أَسْمَائِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۶۱۰۸

ہوں اور میں حاشر ہوں اور نبی الملاحم ہوں۔ (۱)

پیدائش کے سلسلہ میں چند ضعیف روایات

○ ولم يكن في ذلك الوقت لوح ولا قلم، ولا جنة ولا نار، ولا ملك ولا سماء، ولا أرض ولا شمس ولا قمر، ولا جني ولا إنسي، فلما أراد الله تعالى أن يخلق الخلق

اللہ تعالیٰ نے لوح وقلم، جنت ودوزخ، فرشتے وآسمان وزمین، سورج وچاند اور جن وانس سے قبل نور محمدی کو پیدا کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب چیزیں اسی نور سے پیدا فرمائیں۔ (۲)

ایک مشہور روایت ہے۔

أول ما خلق الله نوري

ترجمہ: سب سے قبل اللہ نے میرے نور کو پیدا کیا۔

حالانکہ یہ روایت کسی حدیث کی کتاب میں موجود نہیں ہے، البتہ مصنف عبد الرزاق بن ہمام میں یہ روایت اس طرح مروی ہے۔

قال صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يا جابر، إن الله تعالى قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر رضی اللہ عنہ! ساری اشیاء سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام زرقانی رحمہ اللہ اس حدیث سے متعلق رقمطراز ہیں

حديث جابر هذا المنسوب إلى عبد الرزاق موضوع لا أصل له، وقد عزاه غير واحد إلى عبد الرزاق خطأ فهو غير موجود في مصنفه ولا جامعه ولا تفسيره

حدیث جابر جو عبد الرزاق کی طرف منسوب کی گئی ہے من گھڑت ہے جس کی کوئی اصل نہیں، اس حدیث کو عبد الرزاق کی طرف ایک سے زیادہ لوگوں نے منسوب کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ حدیث ہذا ان کی تصانیف مصنف، جامع، تفسیر وغیرہ میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ (۳)

بلکہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے قلم تقدیر کی پیدائش کا ذکر ہے،

إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا۔ (۴)

عَنْ أَبِي حَفْصَةَ قَالَ قَالَ عُبَادَةُ بْنُ الصَّامِتِ لِابْنِهِ يَا بُنَيَّ إِنَّكَ لَنْ تَجِدَ طَعْمَ حَقِيقَةِ الْإِيمَانِ حَتَّى تَعْلَمَ أَنَّ مَا

(۱) الشمائل المحمدية للترمذی۳۶۱،مسند احمد۲۳۴۴۵،شرح السنة للبغوی۳۶۳۱

(۲) شرح الزرقانی علی المواہب ۱/۸۹،۹۰

(۳) شرح الزرقانی علی المواہب ۱/۸۹

(۴) جامع ترمذی کتاب التفسیرسورۂ ن والقلم۲۱۵۵، سیرت النبی ۳/۴۱۴

أَصَابَکَ لَمْ يَکُنْ لِيُخْطِئَکَ وَمَا أَخْطَأَکَ لَمْ يَکُنْ لِيُصِيبَکَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللَّهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهُ اكْتُبْ قَالَ رَبِّ وَمَاذَا أَكْتُبُ قَالَ اكْتُبْ مَقَادِيرَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ يَا بُنَيَّ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ مَاتَ عَلَى غَيْرِ هَذَا فَلَيْسَ مِنِّي

ابوحفصہ کہتے ہیں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! توہر گز ایمان کی حقیقت کی حلاوت نہیں پائے گا یہاں تک کہ تو یہ جان لے کہ تجھے جو کچھ (تکلیف یا مال وغیرہ) پہنچا وہ تجھ سے ہر گز چھٹنے والا نہ تھا اور جو تجھ سے رہ گیا وہ ہر گز تجھے ملنے والا نہ تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ پہلی چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ قلم ہے پھر اس سے فرمایا کہ لکھ، اس نے کہا کہ اے میرے رب! میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر چیز کی تقدیر لکھ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے اے میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو اس (اعتقاد و یقین کے بغیر) مر گیا تو وہ مجھ سے نہیں ہے (اعتقاد سے خارج ہے)۔[۱]

محدثین کی ایک کثیر تعداد عبد الرزاق بن ہمام کو رافضی اور کذاب قرار دیتی ہے،

عن زيد بن المبارك قال كان عبد الرزاق كذابا يسرق الحديث

زید بن المبارک کہتے ہیں یہ جھوٹا ہے اور احادیث چوری کرتا ہے۔[۲]

والله الذي لا إله إلا هو إن عبد الرزاق كذاب، والواقدى أصدق منه

اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں عبد الرزاق جھوٹا ہے، واقدی اس سے زیادہ سچا ہے۔[۳]

اس لئے محدثین اس کی روایات کو چند شرائط کے ساتھ ہی قبول کرتے ہیں، ۲۱۰ ہجری میں اس کا دماغ جواب دے گیا تھا لہذا ۲۱۰ ہجری کے بعد سے اس کی جو روایات نقل کی جاتی ہیں وہ تمام روایات ناقابل قبول ہیں، ان سے ان کا بھانجا جو روایات نقل کرتا ہے وہ سب منکر ہوتی ہیں، یہ معمر سے روایات غلط بیان کرنے میں مشہور ہے اور اس کی عام روایات معمر سے ہوتی ہیں، عیسائیوں نے غلو کر کے تثلیث کا نظریہ تخلیق کر ڈالا اور تین تک محدود رکھا مگر مسلمانوں نے تمام مخلوقات کو اس کے احاطہ میں شامل کر ڈالا اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو اس سے یہ ثابت ہو گا کہ اللہ تعالیٰ لامحدود اجزا و اقسام میں تقسیم ہو گیا اور کیونکہ ہر شے اللہ کے نور سے پیدا ہوئی ہے اس لئے ہر شے میں الوہیت کا مادہ موجود ہے اور کیونکہ ہر شے فانی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی فنا بھی یقینی ہو گی، حالانکہ یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے کہ اللہ بذات خود ایک نور ہے، نور تو اس رب کی ایک مخلوق ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① [۴]

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے زمین اور آسمان بنائے، روشنی اور تاریکیاں پیدا کیں پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے دعوت حق کو ماننے

[۱] سنن ابوداود كِتَاب السُّنَّةِ بَابٌ فِي الْقَدَرِ ۴۷۰۰،السنن الكبرى للبيهقى ۲۰۸۷۵

[۲] تهذيب التهذيب ۶/۳۱۵

[۳] ميزان الاعتدال ۲/۶۱۱

[۴] الانعام ۱

سے انکار کر دیا ہے دوسروں کو اپنے رب کا ہمسر ٹھہرا رہے ہیں۔

اَوَمَنۡ كَانَ مَيۡتًا فَاَحۡيَيۡنٰهُ وَجَعَلۡنَا لَهٗ نُوۡرًا يَّمۡشِىۡ بِهٖ فِى النَّاسِ كَمَنۡ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلُمٰتِ لَـيۡسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا‌ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۱۲۲ (۱)

ترجمہ: کیا وہ شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اُجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح ان سے نہ نکلتا ہو؟ کافروں کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوشنما بنا دیے گئے ہیں۔

اَوۡ كَظُلُمٰتٍ فِىۡ بَحۡرٍ لُّـجِّىٍّ يَّغۡشٰٮهُ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ سَحَابٌ‌ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ‌ؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰٮهَا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ۝۴۰ (۲)

ترجمہ: یا پھر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گہرے سمندر میں اندھیرا کہ اوپر ایک موج چھائی ہوئی ہے، اس پر ایک اور موج اور اس کے اوپر بادل، تاریکی پر تاریکی مسلط ہے، آدمی اپنا ہاتھ نکالے تو اسے بھی نہ دیکھنے پائے، جسے اللہ نور نہ بخشے اس کے لیے پھر کوئی نور نہیں۔

پس جب اللہ خود نور نہیں تو اس کے نور سے کسی کی تخلیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ قران مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمادیا۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ‌ ۝۱۲ (۳)

ترجمہ: ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا۔

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا‌ ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ‌ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝۲ (۴)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کر دی، اور ایک دوسری مدت اور بھی ہے جو اس کے ہاں طے شدہ ہے، مگر تم لوگ ہو کہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔

○ یہ بھی روایتوں میں ہے کہ یہ نور ہزاروں برس سجدے میں پڑا رہا پھر آدم علیہ السلام میں منتقل ہوا، آدم علیہ السلام نے مرتے وقت شیث علیہ السلام کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا اسی طرح یہ نور ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا رہا، یہ نور عبداللہ کے سپرد ہوا اور پھر عبداللہ سے آمنہ کو منتقل ہوا۔

نور کا سجدے میں پڑا رہنا اور اس کا موجود رہنا بالکل موضوع ہے اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہونا قطعاً بے سروپا ہے، قرآن مجید کی آیت مبارک

---

(۱) الانعام ۱۲۲

(۲) النور ۴۰

(۳) المومنون ۱۲

(۴) الانعام ۲

الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ... ﴿۲۱۹﴾ [1]

ترجمہ: جو تمہیں اس وقت دیکھ رہا ہوتا ہے جب تم اُٹھتے ہو، اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہاری نقل وحرکت پر نگاہ رکھتا ہے۔

اس تفسیر پر مجاہد رحمہ اللہ، عکرمہ رحمہ اللہ، قتادہ رحمہ اللہ، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور تمام مفسرین کا اتفاق ہے لیکن ابن سعد، طبرانی، ابو نعیم میں اس آیت مبارک کی تفسیر جو کلبی کذاب نے کی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبروں کی پشت بہ پشت منتقل ہونا اللہ تعالیٰ دیکھ رہا تھا۔ لیکن اول تو پوری آیت کے الفاظ اور سیاق وسباق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت قابل اعتبار نہیں۔ [2]

اور اگر یہ نور پیغمبروں کی پشت در پشت منتقل ہوتا رہا تھا تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں ابراہیم علیہ السلام تک کوئی نبی نہیں اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کون سا پیغمبر گزرا ہے تو پھر یہ نور کیسے منتقل ہوتا رہا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں تو بہت سے بت پرست اور مشرک بھی گزرے ہیں اس طرح تو یہ دعویٰ ہی سراسر جھوٹا ہے، اس کے علاوہ جلاء العیون میں اس کہانی کے آخر میں یہ ہے کہ عبد المطلب سے یہ نور عبد اللہ اور عبد مناف میں دو حصوں میں منقسم ہو گیا، عبد اللہ سے یہ نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اور عبد مناف سے سیدنا علی علیہ السلام کو ملا اسی باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء اور علی امام الاولیاء ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ مساوی درجہ رکھتے ہیں، حتی کہ جلاء العیون میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پیدائش کے اول دن کلام فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا تم نے مجھے پہچان لیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ہاں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی اثبات میں جواب دیا اسی روز سے اس دن کا نام عرفہ یعنی پہچان لینے کا دن ہوا (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کلام کیا جب وہ اپنی ماں کی گود میں تھے، اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مساوی درجہ رکھتے ہیں، علاوہ ازیں قرآن مجید میں مہد میں کلام کرنے کی صفت پیغمبروں میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کی بیان کی گئی ہے)

○ أن نوررَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لما وصل إلى عبد المطلب ونام في الحجر فانتبه مكحولا مدهونا فأخذه أبوه هاشم بيده ثم انطلق به إلى كهنة قريش فأخبرهم بذلك فقالوا له: اعلم أن إله السماء قد أذن لهذا الغلام أن يتزوج، تفوح منه ريح كريح المسك ، ونور محمدصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يسطع في دائرة غرة جبينه،وكانت قريش بعد ذلك إذا أصابتهم قحط وشدة يأخذون بيد عبد المطلب فيخرجونه إلى ثبير فيتقربون به إلى الله عزّ وجلّ ويسألونه أن يسقيهم بنور مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فيسقيهم الله جل جلاله به

روایت ہے یہ نور جب عبد المطلب (شیبہ) کے سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے اٹھے تو دیکھا کہ آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہوا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے، آخر کار ان کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے، اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے، اس نور کے اثر سے عبد المطلب

[1] الشعراء ۲۱۸،۲۱۹

[2] سیرت النبی ۳/۴۱۵

کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نوران کی پیشانی میں چمکتا تھا، قریش پر جب قحط وغیرہ کی کوئی مصیبت پیش آتی تھی تو وہ عبد المطلب کو لے کر مقام ثبیر پر لے جاتے تھے اور وہ نور محمد ﷺ کے وسیلے سے دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔ (۱)

یہ روایت ایک تابعی تک موقوف ہے، آگے سند نہیں، بیچ کا راوی ابو بکر بن ابی مریم جو بابلتی کے لقب سے مشہور تھا باتفاق محدثین ضعیف ہے، اس کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا۔ (۲)

کعب احبار تو ابو بکر بن ابی مریم کے وجود میں آنے سے پہلے ہی مر چکا تھا تو کیا ابو بکر بن ابی مریم کی کعب احبار کی روح سے ملاقات ہوئی تھی جس سے سن کر اس نے یہ روایت بیان کی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہی کعب احبار اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب وغریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ ہیں۔

اول تو اس طرح کے بے سروپا سیلے اور واسطے کفار کی سنت ہے، دوسرے یہ کہ روایت وضاع کرنے والے کو اتنا علم بھی نہ تھا کہ عبد المطلب (شیبہ) کے والد ہاشم کا انتقال تو ان کی پیدائش سے قبل ہی غزہ کے مقام پر ہو گیا تھا اور شیبہ نے یتیمی میں آٹھ سال مدینہ میں اپنی والدہ کے ساتھ گزارے تھے، کیا ہاشم مرنے کے پندرہ سولہ برس بعد دوبارہ زندہ ہو کر آیا تھا تا کہ اپنے بیٹے کو کاہن کے پاس لے جا سکے، تیسرا یہ کہ کفار مکہ اپنے بت ہبل کے پاس آ کر فال نکلواتے تھے تا کہ اس کی خوشنودی معلوم ہو سکے، اس طریقہ فال میں اللہ کا کوئی ذکر نہیں ہوتا تھا اور جو کچھ بھی عبد المطلب کو درپیش تھا اس سے شادی کا کیا تعلق بنتا ہے کیا کاہن کی اجازت کے بغیر شادی نہیں ہو سکتی تھی؟۔

○ الْمِسْوَرِ بْنِ مخرمة الزهري عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قال: كان عبد المطلب إِذَا وَرَدَ الْيَمَنَ نَزَلَ عَلَى عَظِيمٍ مِنْ عُظَمَاءِ حِمْيَرَ. فَنَزَلَ عَلَيْهِ مَرَّةً مِنَ الْمَرِّ فَوَجَدَ عِنْدَهُ رَجُلا مِنْ أَهْلِ الْيَمَنِ قَدْ أُمْهِلَ لَهُ فِي الْعُمُرِ. وَقَدْ قَرَأَ الْكُتُبَ، فَقَالَ لَهُ: يَا عَبْدَ الْمُطَّلِبِ! تَأْذَنُ لِي أَنْ أُفَتِّشَ مَكَانًا مِنْكَ؟ قَالَ: لَيْسَ كُلُّ مَكَانٍ مِنِّي آذَنُ لَكَ فِي تَفْتِيشِهِ، قَالَ: إِنَّمَا هُوَ مَنْخَرَاكَ، قَالَ: فَدُونَكَ، قَالَ: فَنَظَرَ إِلَى يَارٍ. وَهُوَ الشَّعْرُ فِي مَنْخَرَيْهِ. فَقَالَ: أَرَى نُبُوَّةً وَأَرَى مُلْكًا. وَأَرَى أَحَدَهُمَا فِي بَنِي زُهْرَةَ

مسور بن مخرمتہ الزہری کہتے ہیں عبد المطلب جب کبھی یمن جاتے تو حمیر کے سردار کے ہاں ٹھہرتے تھے، ایک مرتبہ کے ٹھہرنے میں ایک یمنی سے وہیں ملاقات ہوئی جو بہت ہی بڑی عمر والا تھا اور اس نے (قدیم) کتابیں پڑھی تھیں، اس نے عبد المطلب سے کہا کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں تمہارے جسم کا کوئی حصہ ٹٹولوں؟ عبد المطلب نے کہا میں تجھے اپنے جسم کے ہر حصہ کو ٹٹولنے کی اجازت نہیں دے سکتا، یمنی نے پھر کہا میں صرف تمہارے نتھنے ٹٹولنا چاہتا ہوں، عبد المطلب نے اجازت دے دی (یہی بات ہے تو بسم اللہ) یمنی نے عبد المطلب کے نتھنوں کے بال دیکھے اور کہا میں نبوت دیکھ رہا ہوں، ملک اور حکومت دیکھ رہا ہوں مگر ان دونوں میں سے ایک چیز مجھے قبیلہ

---

(۱) شرف المصطفیٰ ۱/۳۳۴، سیرت النبی ۳/۴۱۵

(۲) سیرت النبی ۳/۴۱۵

بنی زہرہ میں نظر آتی ہے (یعنی تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کرو۔ [1]

اور ایک روایت میں نتھنے نہیں ہاتھ دیکھنے کی بات ہے۔

ثنا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عِمْرَانَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ: ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ الْمُخَرِّمِيُّ، عَنْ أَبِي عَوْنٍ، مَوْلَى الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، عَنِ الْمِسْوَرِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: قَالَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ: قَدِمْتُ الْيَمَنَ فِي رِحْلَةِ الشِّتَاءِ، فَنَزَلْتُ عَلَى حَبْرٍ مِنَ الْيَهُودِ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الزَّبُورِ، يَعْنِي أَهْلَ الْكِتَابِ : مِمَّنِ الرَّجُلُ؟ قُلْتُ: مِنْ قُرَيْشٍ، قَالَ: مِنْ أَيِّهِمْ؟ قُلْتُ: مِنْ بَنِي هَاشِمٍ، قَالَ: يَا عَبْدَ الْمُطَّلِبِ، أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أَنْظُرَ إِلَى بَعْضِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَا لَمْ يَكُنْ عَوْرَةً،ع قَالَ: فَفَتَحَ أَحَدَ مَنْخِرَيَّ، ثُمَّ فَتَحَ الْآخَرَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنَّ فِي إِحْدَى يَدَيْكَ مُلْكًا، وَفِي الْأُخْرَى نُبُوَّةٌ، وَإِنَّا نَجِدُ ذَلِكَ فِي بَنِي زُهْرَةَ،فَكَيْفَ ذَلِكَ؟ قُلْتُ: لَا أَدْرِي، قَالَ: هَلْ لَكَ مِنْ شَاعَةٍ؟قُلْتُ: وَمَا الشَّاعَةُ؟قَالَ: الزَّوْجَةُ،قُلْتُ : أَمَّا الْيَوْمُ فَلَا،فَقَالَ: فَإِذَا رَجَعْتَ فَتَزَوَّجْ فِيهِمْ،فَرَجَعَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ إِلَى مَكَّةَ، فَتَزَوَّجَ هَالَةَ بِنْتَ وُهَيْبِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ زُهْرَةَ، فَوَلَدَتْ لَهُ حَمْزَةَ، وَصَفِيَّةَ

عبد العزیز بن عمران، عبد اللہ بن جعفر، ابن عون، مسعود بن مخرمہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے عبد المطلب ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں مکہ سے یمن کا سفر کر رہے تھے تو راستے میں حَبر کے پاس جس کا تعلق قوم یہود سے تھا کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئے اور وہیں اہل کتاب میں سے ایک شخص نے ان سے کہا عبد المطلب! کیا آپ مجھے اپنے بدن کے کچھ حصے دیکھنے کی اجازت دے سکتے ہیں؟ عبد المطلب نے کہا ضرور بشرطیکہ وہ ستر عورت میں سے نہ ہوں، وہ شخص بولا آپ میرے سامنے اپنے ایک ہاتھ کی ہتھیلی کھولیں، عبد المطلب نے اپنے داہنے ہاتھ کی ہتھیلی اس کے سامنے کر دی جسے وہ کچھ دیر تک دیکھتا رہا، پھر اس نے ان کے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کھلوائی اور اسے بھی خاصی دیر تک دیکھنے کے بعد بولا آپ کے ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں حکومت کے آثار پائے جاتے ہیں، اس کے بعد اس شخص نے عبد المطلب سے کہا کہ نبوت کے آثار جہاں تک میں نے دیکھا ہے آپ سے بنی زہرہ کی طرف منتقل ہوتے نظر آتے ہیں، عبد المطلب نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے کہا یہ تو مجھے معلوم نہیں، پھر عبد المطلب سے پوچھا کیا آپ شاعہ ہے؟ عبد المطلب نے پوچھا شاغہ کیا ہے؟ وہ بولا زوجہ، عبد المطلب نے کہا آج کل تو کوئی نہیں ہے، یہ سن کر وہ شخص بولا تو پھر جب اس سفر سے واپس مکہ جاؤ تو وہاں بنی زہرہ میں شادی کر لینا، چنانچہ جب عبد المطلب یمن سے مکہ واپس آئے تو انہوں نے ہالہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہری سے شادی کر لی جن کے بطن سے حمزہ اور صفیہ پیدا ہوئے۔ [2]

ان روایات کا مشترک راوی عبد العزیز بن عمران الزہری المدنی ہے،

قال البخاري: لا يكتب حديثه.وقال النسائي وغيره: متروك.قلت يحيى: قال: ليس بثقة، إنما كان صاحب شعر.

جس کی نسبت امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے، امام نسائی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ متروک ہے، یحییٰ نے کہا یہ شعرو

[1] ابن سعد ۱/۷۰

[2] دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/۱۲۹

شاعری کا آدمی ہے ثقہ نہ تھا۔ (۱)

دوسرا راوی یعقوب بن زہری ہے

قال ابن معين: ما حدث عن الثقات فاكتبوه،وقال أبو زرعة: ليس بشئ يقارب الواقدي،وقال أحمد: ليس بشئ،وقال الساجي: منكر الحديث

جس کی نسبت ابن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو، ابوزرعہ نے کہا، وہ کچھ نہیں وہ واقدی کے برابر ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے کہا وہ کچھ نہیں اس کی حدیث لاشی ہے، ساجی رحمہ اللہ نے کہا وہ منکر الحدیث ہے، علاوہ ازیں اس روایت میں بعض اور مجہول راوی بھی ہیں۔ (۲)

رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ کا تعلق بنوزہرہ سے تھا، آپ کے والد کا نام عبداللہ اور دادا کا نام شیبہ (عبدالمطلب) تھا، اگر یہ بات عبداللہ سے کہی جاتی تو یہ خلاف واقعہ نہ ہوتی لیکن اس روایت کے راوی باپ کے بجائے دادا کی بنوزہرہ میں شادی کرا رہے ہیں، جس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ نبوت وبادشاہت اس لڑکے یا اس لڑکے کی اولاد کے حصہ میں آئے گی جس کی ماں بنوزہرہ سے تعلق رکھتی ہو یعنی یہ صرف رسول اللہ کی والدہ بلکہ آپ ﷺ کی دادی کا تعلق بھی بنوزہرہ سے ہو، عبدالمطلب نے متعدد شادیاں کیں، جن میں سے ایک بیوی ہالہ بنت اہیب جو آمنہ کی چچازاد بہن تھیں بنوزہرہ سے تعلق رکھتی تھی، جس روز عبداللہ کا نکاح آمنہ سے ہوا اسی روز عبدالمطلب کا نکاح ہالہ سے ہوا جن کے بطن سے حمزہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو آپ کے خالہ زاد بھائی ہوئے، اور نبوت وبادشاہی عبداللہ کی اولاد کو ملی نہ کہ حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو، کیا یہ راوی آپ ﷺ سے نبوت وبادشاہی چھین کر حمزہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔

ایک عورت کا عبداللہ کو دعوت دینا:

ثُمَّ انْصَرَفَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ آخِذًا بِيَدِ عَبْدِ اللَّهِ، فَمَرَّ بِهِ- فِيمَا يَزْعُمُونَ- عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ بَنِي أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرٍ، وَهِيَ أُخْتُ وَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى، وَهِيَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَقَالَتْ لَهُ حِينَ نَظَرَتْ إلَى وَجْهِهِ: أَيْنَ تَذْهَبُ يَا عَبْدَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَعَ أَبِي،قَالَتْ: لَكَ مِثْلُ الْإِبِلِ الَّتِي نُحِرَتْ عَنْكَ، وَقَعْ عَلَيَّ الْآنَ،قَالَ: أَنَا مَعَ أَبِي، وَلَا أَسْتَطِيعُ خِلَافَهُ

عبدالمطلب عبداللہ کا ہاتھ تھامے ہوئے جا رہے تھے کہ بنی اسد بن عبدالعزیٰ سے ایک عورت جو واقد بن نوفل کی بہن تھی (اور کاہنہ تھی) کعبہ کے پاس بیٹھی تھی اس نے عبداللہ کے نورانی چہرے کو دیکھ کر ان سے کہا کہ اے عبداللہ! کہاں جاتے ہو؟ فرمایا اپنے والد کے ساتھ جارہا ہوں، اس نے کہا جس قدر اونٹ تمہاری طرف سے ذبح کئے گئے ہیں اسی قدر میں تمہاری نظر کرتی ہوں مجھ سے شادی کرلو، عبداللہ نے فرمایا میں اپنے والد کا مطیع فرمان ہوں ان کی منشاء کے خلاف نہیں کرسکتا۔ اور یہ شعر کہے۔

---

(۱) میزان الاعتدال ۲/۶۳۲

(۲) میزان الاعتدال ۴/۴۵۴،سیرت النبی ۳/۴۱۵

أَمَّا الْحَرَامُ فَالْمَمَاتُ دُونَهُ وَالْحِلُّ لا حِلَّ فَأَسْتَبِينَهُ

فعل حرام تو ممکن نہیں بجائے اس کے مرجانا قبول ہے اور حلال کی کوئی صورت نہیں کہ اس کا راستہ نکلے

فَكَيْفَ بِالْأَمْرِ الَّذِي تَنْوِينَهُ؟

پھر وہ معاملہ کیونکر ہو جو تیری نیت ہے؟

وَلَا فِرَاقَهُ،فَزَعَمُوا أَنَّهُ دَخَلَ عَلَيْهَا حِينَ أُمْلِكَهَا مَكَانَهُ، فَوَقَعَ عَلَيْهَا، فَحَمَلَتْ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،ثُمَّ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا، فَأَتَى الْمَرْأَةَ الَّتِي عَرَضَتْ عَلَيْهِ مَا عَرَضَتْ، فَقَالَ لَهَا: مَا لَكَ لَا تَعْرِضِينَ عَلَيَّ الْيَوْمَ مَا كُنْتِ عَرَضْتِ عَلَيَّ بِالْأَمْسِ؟ قَالَتْ لَهُ:فَارَقَكَ النُّورُ الَّذِي كَانَ مَعَكَ بِالْأَمْسِ،فَلَيْسَ (لِي) بِكَ الْيَوْمَ حَاجَةٌ

عبداللہ ،آمنہ سے منعقد ہوئے اور ان کو اپنے گھر میں لاکر ان سے ہم خلوت ہوئے،امنہ کو رسول اللہ ﷺ کا حمل مبارک ہوا، پھر عبداللہ اس عورت کے پاس تشریف لائے جس نے آپ سے شادی کرنے کا کہا تھا وہ عورت خاموش بیٹھی رہی اور آج اس نے کچھ نہ کہا،عبداللہ نے اس سے کہا کیا سبب ہے کہ تو آج مجھ سے وہ باتیں نہیں کہتی جو کل کہتی تھی،اس نے کہا کل جو نور تمہاری پیشانی میں جلوہ گر تھا آج نہیں ہے (اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا) لہذا اب مجھے آپ سے کوئی حاجت نہیں۔ (۱)

ابن سعد میں یہ روایت تین سندوں سے ہے،ایک سند میں پہلا راوی واقدی ہے،دوسری میں کلبی ہے،یہ دونوں مشہور دروغ گو ہیں،تیسری ابو یزید مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتی ہے،ابو یزید مدنی کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے

فقال: شيخ سئل مالك عنه فقال: لا أعرفه

مگر مدینہ کے شیخ الکل امام مالک رحمہ اللہ سے ان کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا میں اس کو نہیں جانتا۔ (۲)

لا اعلم له اسما

ابوزرعہ رحمہ اللہ نے کہا مجھے نہیں معلوم،

ابونعیم نے چار طرق سے اس کی روایت کی ہے لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں،ایک طرق میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبدالعزیز بن عمرو الزہری ہیں اور یہ تینوں نامعتبر ہیں،تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں اور متعدد مجاہیل ہیں،چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے اور ان کا حال بھی نہیں معلوم،بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہے،خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں۔ (۳)

اصل میں یہ راوی یہ ثابت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ ایک ہوس پرست اور بدکار شخص تھے کہ انہیں ایک فاحشہ نے اپنی جانب مائل کرنا چاہا،اس وقت والد محترم کی وجہ سے انکار کر دیا لیکن بعد میں خود اس فاحشہ کے پاس درخواست کرنے کے لئے پہنچ گئے،اس

(۱) ابن ہشام۱۵۸،۱/۱۵۷،ابن سعد۷۶،۱/۷۵

(۲) الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۹/۴۵۸

(۳) سیرت النبی ۳/۴۱۶

طرح انہیں بدکار ثابت کر کے آپ ﷺ کے والد پر ایک تبرا کر رہے ہیں۔

عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دوسو عورتوں کا مرجانا۔

عن العباس:أنه لما بنى عبد الله بآمنة أحصوا مائتي امرأة من بني مخزوم وبني عبد مناف متن ولم يتزوجن أسفًا على ما فاتهن من عبد الله، وأنه لم تبق امرأة في قريش إلا مرضت ليلة دخل عبد الله بآمنة

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دوسو عورتیں گنی گئیں جنہوں نے اس غم میں کہ عبد اللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی مر گئیں، لیکن انہوں نے شادی نہ کی (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ تھی جو اس غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔ [۱]

یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہے اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ نہیں۔ [۲]

شادی نہ ہونے کا غم صرف عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی عورتوں ہی کو کیوں ہوا اور بنوزہرہ، بنو جمح، بنو اسد، بنو خویلد، بنو تیم، بنو عدی اور بنو غالب کی عورتوں کو کیوں نہیں ہوا، ولید بن مغیرہ اور ابوجہل قبیلہ مخزوم سے تعلق رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے پکے دشمن تھے، کہیں ان کی عداوت کی وجہ یہ تو نہیں تھی کہ ان کی ماؤں اور بہنوں نے فراق عبد اللہ میں جان دے دی تھی؟ یعنی عبد اللہ کی شب وصال اہل مکہ کے لئے غم کی رات تھی، پھر تو وہ اس رات کو عبد اللہ پر تبرا کر کے محرم کی طرح مناتے ہوں گے، عبد مناف اور قبیلہ مخزوم کی دوسو عورتوں کی فہرست تیار کرنا تو بڑی ہے صرف پانچ دس نام ہی گنوا دیں، یا صرف بنی ہاشم ہی کی عورتوں کے نام بتادیں۔

پیدا ہوتے ہی آسمان کی طرف دیکھنا:

عَنْ عِكْرِمَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَلَدَتْهُ أمه وضعته تحت برمة فانفلقت عَنْهُ. قَالَتْ: فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ قَدْ شَقَّ بَصَرُهُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ

عکرمہ سے مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ کے بطن سے پیدا ہوئے تو پتھر کے ایک کونڈے کے نیچے انہیں الٹا لٹا دیا گیا مگر پتھر کا وہ کونڈا پھوٹ گیا میں نے دیکھا تو وہ آنکھ پھاڑ کر آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ [۳]

پیدائش کی رات ایوان کسریٰ میں زلزلہ کا آنا اور محل کے چودہ کنگروں کا گر جانا:

لَمَّا كَانَ لَيْلَةُ وُلِدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَجَسَ إِيوَانُ كِسْرَى وَسَقَطَتْ مِنْهُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ شُرْفَةً، وَخَمَدَتْ نَارُ فَارِسَ وَلَمْ تَخْمُدْ قَبْلَ ذَلِكَ بِأَلْفِ عَامٍ، وَغَاضَتْ بُحَيْرَةُ سَاوَةَ وَرَأَى الْمُوبَذَانُ إِبِلًا صِعَابًا تَقُودُ خَيْلًا عِرَابًا قَدْ قَطَعَتْ دِجْلَةَ وَانْتَشَرَتْ فِي بِلَادِهَا

ولادت کی رات کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کے چودہ کنگورے گر پڑے، اور فارس میں واقع سادہ کی نہر یا شام میں واقع طبریہ

[۱] شرح الزرقانی علی المواهب ۱/۱۹۳، تاریخ الخمیس ۱/۱۸۳، السیرة النبویة علی ضوء القرآن والسنة ۱/۱۶۳

[۲] سیرت النبی ۳/۴۱۶

[۳] ابن سعد ۱/۸۲

کی نہر خشک ہوگئی، فارس کا ہزاروں برس سے روشن آتش کدہ بجھ گیا، کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی۔۔۔[1]

اس روایت کا مرکزی راوی مخزوم بن ہانی ہے جو اپنے والد ہانی مخزومی سے جس کی عمر ڈیڑھ سو برس تھی سے روایت نقل کرتا ہے (اس نام کا کوئی صحابی بنو مخزوم میں نہیں رہا، اور اس کے بیٹے مخزوم بن ہانی سے محدثین میں سے کوئی بھی شناسا نہیں ہے، نیچے کے باقی راویوں کا بھی یہی حال ہے، یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف راویوں کے سرپرست بھی اس روایت کو غریب کہنے کی جرات کرتے ہیں اور ابن حجر جیسے کمزور راویوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں، ابونعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن اعین مشہور وضاع ہے۔[2]

دس محرم سولہ ہجری میں خلیفہ دوئم سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے قادسیہ کے میدان میں ایرانیوں کو شکست فاش دے کر مدائن پر قبضہ کیا اور نوشیرواں کے محل میں جمعہ پڑھایا یہ تھا وہ زلزلہ جو کسریٰ کے ایوان میں آیا، ان نہروں کا خشک ہو جانا دجال کے ظہور کی نشانیوں میں سے ہے (سعد بن ابی وقاص کے بعد عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر عہد خلافت تک مسلمان جہاں تک آگے بڑھتے رہے ہر گاؤں اور ہر شہر کے آتش کدہ بجھتے ہی رہے، سب سے بڑا آتش کدہ بہار تھا جو بخارا میں تھا جو خلیفہ ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں بجھا دیا گیا۔

مشرق ومغرب کی ساری زمین کا روشن ہونا:

لَمَّا وَلَدَتْ آمِنَةُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَعَ عَلَى يَدَيَّ، فَاسْتَهَلَّ، فَسَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ: رَحِمَكَ رَبُّكَ، قَالَتِ الشِّفَاءُ: فَأَضَاءَ لِي مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى بَعْضِ قُصُورِ الشَّامِ، قَالَتْ: ثُمَّ أَلْبَسْتُهُ، وَأَضْجَعْتُهُ، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ غَشِيَتْنِي ظُلْمَةٌ وَرُعْبٌ وَقُشَعْرِيرَةٌ، ثُمَّ أُسْفِرَ عَنْ يَمِينِي، فَسَمِعْتُ قَائِلًا يَقُولُ: أَيْنَ ذَهَبْتَ بِهِ؟ قَالَ: ذَهَبْتُ بِهِ إِلَى الْمَغْرِبِ، قَالَتْ: وَأَسْفَرَ ذَلِكَ عَنِّي، ثُمَّ عَاوَدَنِي الرُّعْبُ بِهِ؟ قَالَ: إِلَى الْمَشْرِقِ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہو چکی تو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کی والدہ شفا رضی اللہ عنہا بنت اوس باوقت ولادت وہاں موجود تھیں، ان کا بیان ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو پہلے تو غیب سے ایک آواز آئی پھر مشرق سے مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہوگئی، یہاں تک کہ شام کے محل مجھے نظر آنے لگے، میں نے آپ کو کپڑا پہنا کر لٹایا ہی تھا کہ ایک دم اندھیرا چھا گیا یہ دیکھ کر میں ڈر سے کانپنے لگی، پھر میری داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی اور یہ آواز سننے میں آئی کہ کہاں لے گئے تھے، جواب دیا گیا کہ مغرب کی سمت، ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ پھر وہی کیفیت طاری ہوگئی، میں پھر ڈر کر کانپنے لگی، پھر آواز آئی کہ کہاں لے گئے تھے جواب دیا گیا مشرق کی طرف۔[3]

---

[1] عیون الاثر ۱/۳۵ ، دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱۳۸، ۱/۸۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۱۲۶، تاریخ طبری ۲/۱۶۶

[2] سیرت النبی ۳/۴۱۶

[3] دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/۱۳۵

اس روایت میں بیچ کا ایک رواي احمد بن محمد بن عبد العزیز الزہری نامعتبر ہے، اور بقیہ راوی بھی مجہول الحال ہیں۔ (۱)

سب سے پہلے یہ بات قابل غور ہے کہ قصہ گھڑنے والے کو یہ بھی علم نہیں تھا کہ شفا کے والد کا نام اوس نہیں عبد اللہ تھا، پھر خود شفا رضی اللہ عنہ کی اس وقت کیا عمر تھی، عبد الرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف سترہ برس کی عمر میں ایمان لائے، یعنی یہ اس وقت پیدا ہوئے جب رسول اللہ ﷺ کی عمر ۲۳ سال کی تھی، اب عبد الرحمان رضی اللہ عنہ بن عوف کی پیدائش سے ۲۳ سال قبل شفا رضی اللہ عنہ بنت عبد اللہ کی کیا عمر ہوگی، اس وقت اگر وہ بیس سال کی تھیں اور کنواری تھیں تو اول کسی کنواری لڑکی کو زچگی میں کھڑا نہیں ہونے دیا جاتا، دوسرا یہ کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے بیس سال بڑی ہوئیں، جبکہ تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ صحابیات میں کوئی عورت ایسی نہیں جو آپ سے بڑی عمر کی ہو، یہ اپنے بیٹے کو اسلام قبول کرنے پر اذیتیں دیتی تھیں مگر بہت دیر کے بعد ایمان لائیں اور صحابیہ کا درجہ پایا لہذا یہ رسول اللہ ﷺ سے چھوٹی ہوئیں، تو پھر زچگی کے وقت موجود کہاں سے ہوگئیں، اس لئے یہ روایت کھلا جھوٹ ہے۔

آمنہ کو خواب میں بچے کا نام محمد اور احمد رکھنے کا کہنا:

رَأَتْ آمِنَةُ بِنْتُ وَهْبٍ أُمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنَامِهَا، فَقِيلَ لَهَا: إِنَّكِ قَدْ حَمَلْتِ بِخَيْرِ الْبَرِيَّةِ وَسَيِّدِ الْعَالَمِينَ، فَإِذَا وَلَدْتِيهِ فَسَمِّيهِ أَحْمَدَ وَمُحَمَّدًا، وَعَلِّقِي عَلَيْهِ هَذِهِ، قَالَ: فَانْتَبَهَتْ، وَعِنْدَ رَأْسِهَا صَحِيفَةٌ مِنْ ذَهَبٍ مَكْتُوبٌ فِيهَا

آمنہ نے خواب دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے، اے آمنہ تیرا بچہ تمام جہاں کا سردار ہوگا جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد اور احمد رکھنا اور یہ تعویز گلے میں ڈال دینا، جب بیدار ہوئیں تو سونے کے ایک پتر پر کچھ اشعار لکھے ملے۔ (۲)

اس روایت کا راوی ابو غزیہ محمد بن موسیٰ الانصاری ہے جو روایات وضع کر کے ثقہ راویوں کی جانب منسوب کرتا تھا،

قال البخاري: عنده مناكيروقال ابن حبان: كان يسرق الحديث .ويروى عن الثقات الموضوعات وقال أبو حاتم: ضعيف

امام بخاری اس کی روایات کو منکر کہتے ہیں، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا، ابو حاتم نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (۳)

ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کہا ہے، ابن سعد میں یہ روایت واقدی کے حوالہ سے ہے جس کی دروغ گوئی محتاج بیاں نہیں۔ (۴)

یہ تعویز کتنا عرصہ آپ کے گلے میں پڑا رہا حالانکہ مسلمانوں کا تو یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء اپنی بعثت سے قبل بھی معصوم ہوتے ہیں اور تعویز کو گلے میں ڈالنے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) سیرت النبی ۳/۴۱۶

(۲) دلائل النبوۃلابی نعیم ۱/۱۳۶،الخصائص الکبری ۱/۶۷،شرف مصطفیٰ ۱/۳۵۰

(۳) میزان الاعتدال ۴/۴۹

(۴) سیرت النبی ۳/۴۱۷

التَّمَائِمَ شِرْكٌ

تعویذات شرک ہیں۔

کیا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بعثت سے قبل شرک میں مبتلا رہے تھے۔

تاروں کا زمین پر جھک جانا:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ، قَالَ: ثنا أَحْمَدُ بْنُ عُمَرَ الْخَلَّالُ الْمَكِّيُّ، قَالَ: ثنا مُحَمَّدُ بْنُ مَنْصُورٍ، قَالَ: ثنا يَعْقُوبُ بْنُ مُحَمَّدٍ الزُّهْرِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي سُوَيْدٍ الثَّقَفِيِّ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي أُمِّي، أَنَّهَا حَضَرَتْ آمِنَةَ أُمَّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ضَرَبَهَا الْمَخَاضُ، قَالَتْ: فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَى النُّجُومِ تَدَلَّى، حَتَّى قُلْتُ: لَتَقَعَنَّ عَلَيَّ، فَلَمَّا وَضَعَتْ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَ لَهُ الْبَيْتُ وَالدَّارُ، حَتَّى جَعَلْتُ لَا أَرَى إِلَّا نُورًا

سلیمان بن احمد روایت کرتے ہیں کہ میں نے احمد بن عمر الخلال المکی سے سنا انہوں نے محمد بن منصور سے سنا، انہوں نے یعقوب بن محمد الزہری سے سنا ان سے عبد العزیز بن عمر بن عبد الرحمٰن بن عوف نے بیان کیا کہتے ہیں مجھے عبد اللہ بن عثمان بن ابی سلیمان نے بیان کیا عن ابی سوید الثقفی، عن عثمان بن ابی العاص، کہا مجھے میری والدہ نے بتلایا کہ جب آمنہ کو دردزہ پیدا ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھک آئے ہیں، یہاں تک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں، اور آپ جب پیدا ہوئے تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا۔ [1]

اس روایت میں یعقوب بن محمد زہری پایہ اعتبار سے ساقط ہے، اور دوسرا راوی عبد العزیز بن عمر بن عبد الرحمان بن عوف محض ایک داستان گو اور جھوٹا انسان تھا۔ [2]

اس کے علاوہ عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص (جو بنی ثقیف سے تھے اور طائف کے باشندے تھے) قبیلہ بنی ثقیف رجب نو بعثت نبوی کے بعد اسلام میں داخل ہوا، رجب نو بعثت نبوی سے قبل اس خاندان کے صرف دو افراد مغیرہ بن شعبہ جو صلح حدیبیہ سے قبل ایمان لائے اور عمروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود ثقفی جو آٹھ بعثت نبوی کے آخر میں ایمان لائے تھے، اپنے بزرگوں کے دین کو چھوڑ کر اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لانے کے جرم میں اہل طائف نے انہیں شہید کر دیا، یہ تمام قبیلہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا بدترین دشمن تھا جس میں عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص اور ان کی والدہ بھی شریک تھیں، اگر عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ کی ولادت کے واقعات کو دیکھتیں تو وہ بہت پہلے اسلام قبول کر چکی ہوتیں حالانکہ ان کا تو صحابیہ ہونا بھی مشکوک ہے، اس لئے کہ اسلام کی خاطر اہل ثقیف نے پانچ افراد پر مشتمل ایک وفد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں بھیجا تھا جن میں سب سے کم سن عثمان رضی اللہ عنہ بن ابی العاص بھی تھے، آپ نے انہیں طائف کا امیر متعین فرمایا اور بقیہ اہل طائف ان کے ہاتھ پر ایمان لائے۔

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱/۷۶،۱۳۵، المعجم الکبیر للطبرانی ۳۵۵

[2] سیرت النبی ۳/۴۱۷

حمل کی کوئی علامت کا ظاہر نہ ہونا:

تَقُولُ: مَا شَعَرْتُ أَنِّي حَمَلْتُ بِهِ. وَلا وَجَدْتُ لَهُ ثُقْلَةً كَمَا تَجِدُ النِّسَاءُ. إِلا أَنِّي قَدْ أَنْكَرْتُ رَفْعَ حَيْضَتِي

آمنہ کہتی ہیں مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت پیدا نہیں ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے وہ بھی نہیں ہوئی، بجز اس کے کہ معمول میں کچھ فرق آ گیا تھا۔ (۱)

قسطلانی نے مواہب لدینہ میں اس قصہ کو محمد بن اسحاق اور ابو نعیم کے حوالہ سے بیان کیا ہے لیکن ابن اسحاق کی کتاب جو آج کل ابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپی ہوئی ہے اور نیز دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخہ میں اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں، دراصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں مگر ان میں سے ہر ایک کا سر سلسلہ واقدی ہے اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں، علاوہ ازیں ان میں کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں، پہلا سلسلہ عبد اللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے جو وہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتا ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے، دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جا کر ختم کر دیتا ہے۔ (۲)

اصل میں کوئی صحابی ایسا نہیں جو آپ ﷺ سے عمر میں اتنا بڑا ہو جو اس طرح کے واقعات کو محفوظ رکھ سکے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک زندہ بھی رہا ہو، خاص طور پر وہ صحابی بنی ہاشم سے تعلق رکھتا ہو، احادیث میں کل پانچ افراد ایسے نظر آتے ہیں جو آپ ﷺ سے عمر میں بڑے تھے جو آپ پر ایمان لائے تھے، ایک تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ تھے یہ بنو ہاشم سے نہیں بلکہ قبیلہ تیم سے تعلق رکھتے تھے، ان سے کوئی روایت مروی نہیں ہے، ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم رضی اللہ عنہ بن حزام جو آپ ﷺ کے دوست تھے اور آپ سے چار پانچ برس بڑے تھے، یہ فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے، ان سے ولادت کے بارے میں کوئی روایت نہیں ہے، ایک قباث بن اشیم تھے جو آپ سے چھ ماہ ہی بڑے تھے، ان سے بھی کوئی روایت مروی نہیں ہے، آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب جو آپ سے چھ ماہ بڑے تھے، بعض روایت میں ہے کہ چار سال بڑے تھے۔ (۳)

اور یہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے، آپ ﷺ کے دوسرے چچا عباس رضی اللہ عنہ جو آپ سے ڈیڑھ برس اور بعض روایات کے مطابق تین سال بڑے تھے، ان سے بعض روایات منسوب کی جاتی ہیں لیکن اتنی کم عمر میں واقعات کو دیکھنا اور یاد رکھنا ممکن نہیں، زہری رحمہ اللہ پچاس ہجری میں پیدا ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اس وقت آپ ﷺ کی عمر ترپن برس کی تھی، اس طرح درمیان کے سو برس کے راوی گم ہیں، عبد اللہ بن وہب تو زہری کے بھی بعد پیدا ہوا اور یہ اپنی پھوپھی سے روایت کرتا ہے، ان کی پھوپھی کون تھیں، اس نے کس سے سنا کچھ علم نہیں۔

---

(۱) ابن سعد ۱/۷۸

(۲) سیرت النبی ۳/۱۷۱

(۳) الروض الانف

آمنہ کے ہاں کئی لڑکوں کا پیدا ہونا:

قَدْ حَمَلْتُ الأَوْلادَ فَمَا حَمَلْتُ سَخْلَةً أَثْقَلَ مِنْهُ

آمنہ کہا کرتی تھیں کئی بار میں حاملہ ہوئی، میرے لڑکے ہوئے لیکن اس بچہ سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی محسوس نہیں ہوا۔ (۱)

اول تو یہ روایت معروف واقعہ کے خلاف ہے آمنہ کے ایک کے سوا اور کوئی بچہ نہیں ہوا اور نہ حمل رہا دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے، اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبح کذاب، وضاع اور متروک تھا۔ (۲)

قال الدارقطني وغيره: متروك ،وقال الأزدي: كذاب

امام دار قطنی رحمہ اللہ اور دوسرے ائمہ نے اسے متروک کہا ہے، ازدی رحمہ اللہ نے اسے کذاب کہا ہے۔ (۳)

فرشتوں کا باہم بشارت دینا:

فَلَمَّا ولد النَّبِيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْتَلَأَت الدُّنْيَا كلهَا نورا وتباشرت الْمَلَائِكَة وَضرب فِي كل سَمَاء عَمُود من زبرجد وعمود من ياقوت قد استنار بِهِ فَهِيَ مَعْرُوفَة فِي السَّمَاء قد رَآهَا رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لَيْلَة الْإِسْرَاء قيل هَذَامَا ضرب لَك استبشارا بولادتك وَقد انبت الله لَيْلَة ولد على شاطئ نهر الْكَوْثَر سبعين الف شَجَرَة من الْمسك الأذفرجعلت ثمارها بخور أهل الْجنَّة وكل اهل السَّمَوَات يدعونَ الله بالسلامة ونكست الْأَصْنَام كلهَا

جب نبی کریم ﷺ کی ولادت کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور جنتوں کے دروازے کھول دیئے جائیں، فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے، سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا، اس سال دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند نرینہ جنیں، درختوں پر پھل آگئے (کیا اس سے پہلے ماضی میں ان درختوں پر پھل نہیں آیا تھا) آسمان میں زبرجد و یاقوت کے ستون کھڑے کئے گئے، نہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت اگائے گئے (خالص مشک درختوں سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ ہرن کے نافہ سے حاصل کیا جاتا ہے) مکہ کے بت اوندھے ہو گئے۔ (۴)

پھر تو مکہ میں تہلکہ مچ گیا ہو گا کہ ایسا کیوں ہوا اور جب ان کو پتہ چلتا کہ یہ عبد المطلب کے پوتے کے سبب ہوا ہے تو یقیناً سب بنی ہاشم ایمان لے آتے وغیرہ وغیرہ۔

یہ داستان مواہب لدینہ اور خصائص کبریٰ میں ابونعیم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے لیکن ابونعیم کی دلائل النبوت کے مطبوعہ نسخہ میں جہاں اس کا موقعہ ہو سکتا تھا وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی، بہرحال اس روایت کی بنیاد صرف اس قدر ہے کہ ابونعیم چوتھی صدی کے ایک راوی عمرو بن

(۱) ابن سعد ۱/۷۹

(۲) سیرت النبی ۳/۴۱۷

(۳) میزان الاعتدال ۳/۲۰۷،

(۴) الخصائص الکبری ۱/۸۰، امتاع الاسماع ۴/۵۹

قتیبہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جو بڑے فاضل تھے بیان کرتے تھے، قسطلانی نے مواہب میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ عمرو بن قتیبہ مطعون ہے، حافظ سیوطی نے خصائص میں اس روایت کو منکر کہا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام تر بے سند اور موضوع ہے۔ [1] عمرو بن قتیبہ اور ان کے والد قتیبہ چوتھی صدی کے راوی ہیں، اس لئے اگر عمرو بن قتیبہ اور والد معتبر بھی ہوتے تو تب بھی یہ روایت مردود ہوتی کیونکہ درمیان کے ساڑھے تین سو سال کے راوی کہاں ہیں۔

اس رات جانوروں کا بولنا وغیرہ:

فَكَانَ مِنْ دَلَالَاتِ حَمْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ كُلَّ دَابَّةٍ كَانَتْ لِقُرَيْشٍ نَطَقَتْ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَقَالَتْ: حُمِلَ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ وَهُوَ أَمَانُ الدُّنْيَا وَسِرَاجُ أَهْلِهَا وَلَمْ يَبْقَ كَاهِنَةٌ مِنْ قُرَيْشٍ وَلَا قَبِيلَةٌ مِنْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ إِلَّا حُجِبَتْ عَنْ صَاحِبِهَا , وَانْتُزِعَ عِلْمُ الْكَهَنَةِ وَلَمْ يَكُنْ سَرِيرُ مَلِكٍ مِنْ مُلُوكِ الدُّنْيَا إِلَّا أَصْبَحَ مَنْكُوسًا وَالْمَلِكُ مُخْرَسًا لَا يَنْطِقُ يَوْمَهُ ذَلِكَ وَمَرَّتْ وُحُوشُ الْمَشْرِقِ إِلَى وُحُوشِ الْمَغْرِبِ بِالْبِشَارَاتِ , وَكَذَلِكَ الْبِحَارُ يُبَشِّرُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا بِهِ فِي كُلِّ شَهْرٍ مِنْ شُهُورِهِ نِدَاءٌ فِي الْأَرْضِ وَنِدَاءٌ فِي السَّمَاءِ: أَنْ أَبْشِرُوا؛ فَقَدْ آنَ لِأَبِي الْقَاسِمِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الْأَرْضِ مَيْمُونًا مُبَارَكًا فَكَانَتْ أُمُّهُ تُحَدِّثُ عَنْ نَفْسِهَا وَتَقُولُ: أَتَانِي آتٍ حِينَ مَرَّ بِي مِنْ حَمْلِهِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ فَوَكَزَنِي بِرِجْلِهِ فِي الْمَنَامِ وَقَالَ: يَا آمِنَةُ إِنَّكِ قَدْ حَمَلْتِ بِخَيْرِ الْعَالَمِينَ طُرًّا فَإِذَا وَلَدْتِيهِ فَسَمِّيهِ مُحَمَّدًا وَاكْتُمِي شَأْنَكِ. قَالَ: فَكَانَتْ تَقُولُ: لَقَدْ أَخَذَنِي مَا يَأْخُذُ النِّسَاءَ وَلَمْ يَعْلَمْ بِي أَحَدٌ مِنَ الْقَوْمِ ذَكَرٌ وَلَا أُنْثَى وَإِنِّي لَوَحِيدَةٌ فِي الْمَنْزِلِ وَعَبْدُ الْمُطَّلِبِ فِي طَوَافِهِ قَالَتْ: فَسَمِعْتُ وَجْبَةً شَدِيدَةً وَأَمْرًا عَظِيمًا فَهَالَنِي ذَلِكَ وَذَلِكَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ فَرَأَيْتُ كَأَنَّ جَنَاحَ طَيْرٍ أَبْيَضَ قَدْ مَسَحَ عَلَى فُؤَادِي فَذَهَبَ عَنِّي كُلُّ رُعْبٍ وَكُلُّ فَزَعٍ وَوَجَعٍ كُنْتُ أَجِدُهُ , ثُمَّ الْتَفَتُّ فَإِذَا أَنَا بِشَرْبَةٍ بَيْضَاءَ وَظَنَنْتُهَا لَبَنًا , وَكُنْتُ عَطْشَى , فَتَنَاوَلْتُهَا فَشَرِبْتُهَا فَأَضَاءَ مِنِّي نُورٌ عَالٍ , ثُمَّ رَأَيْتُ نِسْوَةً كَالنَّخْلِ الطِّوَالِ كَأَنَّهُنَّ بَنَاتُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يُحَدِّقْنَ بِي فَبَيْنَا أَنَا أَعْجَبُ وَأَقُولُ: وَاغَوْثَاهُ مِنْ أَيْنَ عَلِمْنَ بِي هَؤُلَاءِ وَاشْتَدَّ بِيَ الْأَمْرُ وَأَنَا أَسْمَعُ الْوَجْبَةَ فِي كُلِّ سَاعَةٍ أَعْظَمَ وَأَهْوَلَ فَإِذَا أَنَا بِدِيبَاجٍ أَبْيَضَ قَدْ مُدَّ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَإِذَا قَائِلٌ يَقُولُ: خُذُوهُ عَنْ أَعْيُنِ النَّاسِ قَالَتْ: وَرَأَيْتُ رِجَالًا قَدْ وَقَفُوا فِي الْهَوَاءِ بِأَيْدِيهِمْ أَبَارِيقُ فِضَّةٍ وَأَنَا يَرْشَحُ مِنِّي عَرَقٌ كَالْجُمَانِ أَطْيَبُ رِيحًا مِنَ الْمِسْكِ الْأَذْفَرِ وَأَنَا أَقُولُ: يَا لَيْتَ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ قَدْ دَخَلَ عَلَيَّ وَعَبْدُ الْمُطَّلِبِ عَنِّي نَاءٍ قَالَتْ: فَرَأَيْتُ قِطْعَةً مِنَ الطَّيْرِ قَدْ أَقْبَلَتْ مِنْ حَيْثُ لَا أَشْعُرُ حَتَّى غَطَّتْ حُجْرَتِي مَنَاقِيرُهَا مِنَ الزُّمُرُّدِ وَأَجْنِحَتُهَا مِنَ الْيَوَاقِيتِ فَكَشَفَ لِي عَنْ بَصَرِي فَأَبْصَرْتُ سَاعَتِي مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا , وَرَأَيْتُ ثَلَاثَ أَعْلَامٍ مَضْرُوبَاتٍ: عَلَمٌ فِي الْمَشْرِقِ , وَعَلَمٌ فِي الْمَغْرِبِ , وَعَلَمٌ عَلَى ظَهْرِ الْكَعْبَةِ وَأَخَذَنِي الْمَخَاضُ وَاشْتَدَّ بِيَ الْأَمْرُ جِدًّا فَكُنْتُ كَأَنِّي مُسْتَنِدَةٌ إِلَى أَرْكَانِ النِّسَاءِ , وَكَثُرْنَ عَلَيَّ حَتَّى كَأَنَّ الْأَيْدِي مَعِي فِي الْبَيْتِ وَأَنَا لَا أَرَى شَيْئًا، فَوَلَدْتُ مُحَمَّداً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا خَرَجَ مِنْ

[1] سیرت النبی ۳/۴۱۸

بَطْنِي دُرْتُ فَنَظَرْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا أَنَا بِهِ سَاجِدٌ قَدْ رَفَعَ إِصْبَعَيْهِ كَالْمُتَضَرِّعِ الْمُبْتَهِلِ ثُمَّ رَأَيْتُ سَحَابَةً بَيْضَاءَ قَدْ أَقْبَلَتْ مِنَ السَّمَاءِ تَنْزِلُ حَتَّى غَشِيَتْهُ فَغُيِّبَ عَنْ وَجْهِي، فَسَمِعْتُ مُنَادِيًا يَقُولُ: طُوفُوا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرْقَ الْأَرْضِ وَغَرْبَهَا وَأَدْخِلُوهُ الْبِحَارَ كُلَّهَا؛ لِيَعْرِفُوهُ بِاسْمِهِ وَنَعْتِهِ وَصُورَتِهِ وَيَعْلَمُوا أَنَّهُ سُمِّيَ فِيهَا الْمَاحِيَ؛ لَا يَبْقَى شَيْءٌ مِنَ الشِّرْكِ إِلَّا مُحِيَ بِهِ فِي زَمَنِهِ ثُمَّ تَجَلَّتْ عَنْهُ فِي أَسْرَعِ وَقْتٍ فَإِذَا بِهِ مُدْرَجٌ فِي ثَوْبِ صُوفٍ أَبْيَضَ أَشَدَّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَتَحْتَهُ حَرِيرَةٌ خَضْرَاءُ قَدْ قَبَضَ عَلَى ثَلَاثِ مَفَاتِيحَ مِنَ اللُّؤْلُؤِ الرَّطْبِ الْأَبْيَضِ وَإِذَا قَائِلٌ يَقُولُ: قَبَضَ مُحَمَّدٌ عَلَى مَفَاتِيحِ النَّصْرِ وَمَفَاتِيحِ الرِّيحِ وَمَفَاتِيحِ النُّبُوَّةِ وَلِمَوْلِدِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس رات قریش کے سب جانور بولنے لگے اور کہنے لگے کہ رب کعبہ کی قسم آپ ﷺ شکم مادر میں آ گئے، وہ دنیا جہاں کی امان اور اہل دنیا کے چراغ ہیں، قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی ایسی نہ تھی کہ اس کا جن اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو اور ان سے کہانت کا علم چھین نہ لیا گیا ہو اور اس روز دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو گئے اور سلاطین اس دن گونگے ہو گئے، مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جا کر بشارت دی اسی طرح ایک دریا نے دوسرے دریا کو خوش خبری سنائی اور پورے ایام حمل میں ہر ماہ آسمان وزمین میں سے ندا سنی جانے لگی کہ بشارت ہو کہ ابو القاسم ﷺ کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا۔ رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ امنہ فرماتی تھیں کہ جب میرے حمل کے چھ ماہ گزر چکے تو خواب میں کسی نے مجھے ٹھوکر مار کر کہا اے آمنہ! تمام جہانوں کا سردار تیرے پیٹ میں ہے جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا، آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت کا وقت آیا تو ان کو وہ کچھ پیش نہ آیا جو دوسری عورتوں کو پیش آتا ہے، اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، کہتی ہیں عبد المطلب خانہ کعبہ گئے ہوئے تھے اور میں گھر میں بالکل تنہا تھی کہ میں نے ایک زوردار آواز سنی جسے سن کر میں ڈر گئی، میں نے دیکھا کہ ایک سفید رنگ کا مرغ اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے جس سے درد کی تکلیف اور دل کی دہشت دور ہو گئی، میں نے ایک طرف دیکھا جہاں سفید شربت پڑا ہوا تھا مجھے پیاس لگ رہی تھی میں اس شربت کو دودھ سمجھ کر پی گئی، اس شربت کے پیتے ہی ایک نور نکل کر مجھ سے بلند ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ چند لمبے قد کی عورتیں ہیں گویا وہ عبد المطلب کی بیٹیاں ہیں اور مجھے بڑے غور سے دیکھ رہی ہیں، میں دل میں تعجب کرنے لگی کہ ان کو میرے حال کا علم کیونکر ہوا، ایک دوسری روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم اور باقی حوریں ہیں، اب میرا درد زیادہ بڑھ گیا اسی طرح ان کی آواز بھی زیادہ بلند تھی، اسی اثنا میں دیبا کی ایک سفید چادر آسمان وزمین کے درمیان پھیلی نظر آئی اور اس میں سے آواز آئی کہ اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لو، میں نے ہوا میں معلق چند مردوں کو دیکھا جن کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے تھے، میرے جسم سے پسینے کے قطرے جن میں خالص مشک سے بہتر خوشبو تھی موتیوں کی طرح ٹپک رہے تھے، میں اپنے دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش اس وقت عبد المطلب میرے قریب موجود ہوتے (اس حالت میں کوئی شریف عورت کسی مرد کو چاہے وہ اس کا خاوند ہی کیوں نہ ہو اس کے سامنے بے حجاب ہونا پسند نہیں کرتی، سسر تو بہت دور کی بات ہے) پھر میں نے نامعلوم سمت سے آئے ہوئے پرندوں کے ایک غول کو جن کی چونچیں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے اپنے کمرے میں دیکھا، اس وقت میری آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے گئے

جس سے مشرق ومغرب میری آنکھوں کے سامنے ہو گئے، مجھے مشرق، مغرب اور خانہ کعبہ پر تین جھنڈے نظر آئے، اب میرا درد اور زیادہ بڑھ گیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کچھ عورتیں مجھے ٹیک لگائے بیٹھی ہیں اور اتنی تعداد میں عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی ،اسی اثنا میں بچہ پیدا ہوا میں نے مڑ کر دیکھا تو بچہ دو انگلیوں کو دعا کی طرح آسمان کی طرف اٹھائے سجدے میں پڑا ہوا تھا، پھر ایک سیاہ بادل آسمان سے اتر کر نیچے آیا اور مجھ پر چھا گیا جس سے بچہ میری نگاہ سے اوجھل ہو گیا اس وقت ایک آواز آئی کہ محمد ﷺ کو زمین کے مشرق و مغرب میں اور سمندروں کے اندر لے جاؤ تاکہ سب مخلوق ان کا نام اور شکل وصورت پہچان لیں اور جان جائیں کہ یہ مٹانے والے ہیں (کیا شمال اور جنوب میں مخلوق نہیں بستی ہیں) یہ اپنے دور رسالت میں شرک کا نام ونشان مٹادیں گے، پھر کچھ ہی دیر بعد بادل ہٹ گیا اور آپ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں جس کے نیچے سبز ریشم تھا لپٹے نظر آئے، آپ کے ہاتھوں میں سفید موتیوں کی تین کنجیاں تھیں اور ایک آواز آئی کہ محمد کو فتح ونصرت اور نبوت کی تین کنجیاں دی گئیں ہیں۔ [1]

اس روایت کا پہلا راوی یحییٰ بن عبداللہ البابلتی ہے جو بالکل ضعیف ہے دوسرا راوی ابوبکر بن ابی مریم ہے جو محدثین کے نزدیک ناقابل حجت ہے،ان کے بعد کے راوی عمرو الانصاری اور ان کا بیٹا سعید بن عمرو الانصاری کا کچھ پتہ نہیں۔ [2]

یہ تیسری چوتھی صدی کی وضع کی ہوئی روایت ہے جو عباس رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دی گئی ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ سے صرف ڈیڑھ دو سال ہی بڑے تھے اور ان کا بیٹا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہجرت مدینہ سے دو سال قبل پیدا ہوئے تھے اس لئے ان دونوں باپ بیٹے کا آمنہ سے ملاقات کرنا یا آپ ﷺ کی ولادت کا حال دیکھنا ممکن نہیں۔

عبدالمطلب کا ایک خواب:

قَالَ لما ولد اخي عبد الله وَهُوَ اصغرنا كَانَ فِي وَجهه نور يزهر كنور الشَّمْس فَقَالَ أَبوهُ ان لهَذَا الْغُلَام لشأنا فَرَأَيْت فِي مَنَامِي انه خرج من منخره طَائِر أَبيض فطار فَبلغ الشرق والغرب ثمَّ رَجَعَ حَتَّى سقط على الْكَعْبَة فسجدت لَهُ قُرَيْش كلهَا ثمَّ طَار بَين السَّمَاء وَالْأَرْض فَأتيت كاهنة بني مَخْزُوم فَقَالَت لي لَئِن صدقت رُؤْيَاك ليخرجن من صلبه ولد يصير أهل الْمشرق وَالْمغْرب لَهُ تبعا فَلَمَّا ولدت آمِنَة قلت لَهَا مَا الَّذِي رَأَيْت فِي ولادتك قَالَت لما جاءَنِي الطلق وَاشْتَدَّ بِي الْأَمر سَمِعت جلبة وكلاما لَا يشبه كَلَام الْآدَمِيين وَرَأَيْت علما من سندس على قضيب من ياقوت قد ضرب مَا بَين السَّمَاء والارض وَرَأَيْت نورا ساطعا من رَأسه حَتَّى بلغ السَّمَاء وَرَأَيْت قُصُور الشامات كلهَا شعلة نَار وَرَأَيْت قربي سربا من القطاء قد سجدت لَهُ ونشرت أَجْنِحَتهَا وَرَأَيْت تَابِعَة سعيرة الأَسدِية قد مرت وَهِي تَقول مَا لَقِي الْأَصْنَام والكهان من ولدك هَذَا هَلَكت سعيرة وَالْوَيْل للأصنام وَرَأَيْت شَابًّا من اتم النَّاس طولا وأشدهم بَيَاضًا فَأخذ الْمَوْلُود مني فتفل فِي فِيهِ وَمَعَهُ طاس من ذهب فشق بَطْنه شقا ثمَّ اخْرُج قلبه فشقه شقا فَأخْرج مِنْهُ

[1] دلائل النبوة لابی نعیم ۱/۶۱۰

[2] سیرت النبی ۴۱۸،۴۱۹/۳

نُكْتَة سَوْدَاء فَرمى بهَا ثمَّ أخرج صرة من حَرِير أَبيض فَفَتحهَا فَإِذا فِيهَا شَيْء كالذريرة الْبَيْضَاء فحشاه ثمَّ أخرج صرة من حَرِير أَبيض فَفَتحهَا فَإِذا فِيهَا خَاتم فَضرب على كتفه كالبيضة وَألبسهُ قَمِيصًا فَهَذَا مَا رَأَيْت

عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے چھوٹے بھائی عبد اللہ پیدا ہوئے تو ان کے چہرے پر سورج کی طرح روشنی تھی اور والد نے ایک دفعہ خواب دیکھا اور اس کا ذکر بنو مخزوم کی ایک کاہنہ سے کیا، کاہنہ نے خواب سن کر پیشین گوئی کی کہ اس لڑکے کی پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کرے گا، جب آمنہ کے بطن سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے وقت تم کو کیا کچھ نظر آیا انہوں نے جواب دیا کہ جب مجھے درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سنی جو انسانوں جیسی نہ تھی اور آسمان و زمین کے درمیان مجھے یاقوت کے ڈنڈے میں لگا ہوا سبز رنگ کا پھریرا گڑا ہوا نظر آیا، اور میں نے دیکھا کہ بچہ کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل کر آسمان تک جاتی ہیں، شام کے محل آگ کا شعلہ معلوم ہوتے تھے (عباسی خلفاء کو خوش کرنے کی کوشش ہے) اور مرغابیوں کا ایک جھنڈ نظر آیا (مرغابی گرم ملک کا نہیں سرد ملک کا پرندہ ہے) جس نے بچہ کو سجدہ کیا پھر اپنے پروں کو کھول دیا، اور سعیرہ اسدیہ کو دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گزری کہ تیرے اس بچہ نے بتوں اور کاہنوں کو بڑا صدمہ پہنچایا ہائے سعیرہ ہلاک ہوگئی، پھر سپید رنگ کا ایک بلند و بالا جوان نظر آیا جس کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا اس نے بچے کو میرے ہاتھوں سے لے کر اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن لگایا پھر بچہ کے پیٹ کو پھاڑ کر اس کا دل باہر نکالا اور اس میں سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا پھر سبز حریر کی تھیلی کھولی اور اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر مونڈھے کے برابر مہر لگائی اور اس کو ایک کرتہ پہنا دیا اے عباس رضی اللہ عنہ میں نے یہ دیکھا۔ (۱)

سیوطی کی کتابوں کا دارومدار ہی اس جیسی ضعیف روایات پر ہے وہ خود لکھتے ہیں

قلت هَذَا الاثر والاثر ان قبله فِيهَا نَكَارَة شَدِيدَة وَلم أورد فِي كتابي هَذَا اشد نَكَارَة مِنْهَا وَلم تكن نَفسِي لتطيب بايرادها لكني تبِعت الْحَافِظ أَبَا نعيم

میں نے اپنی کتاب خصائص میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن میں نے محض ابو نعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے۔ (۲)

سیوطی اس روایت کا ماخذ ابو نعیم کو بتاتے ہیں مگر یہ روایت دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملی، جب آمنہ فوت ہوئیں تو عباس رضی اللہ عنہ سات آٹھ برس کے بچے ہوں گے۔ (۳)

کیا ان کی وفات کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ، حمزہ رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ دونوں سے بڑے تھے، کیا عباس رضی اللہ عنہ اپنی پیدائش سے قبل اپنے بڑے بھائی کی

---

(۱) الخصائص الکبری ۱/۸۳

(۲) الخصائص الکبری ۱/۸۳

(۳) سیرت النبی ۳/۴۲۰

پیدائش دیکھنے چلے آئے تھے؟

محمد ﷺ کا کعبہ پر قبضہ:

وروى الحَافِظ ابو زَكَرِيَّا يحيى بن عَائِذ فِي مولده عَن ابْن عَبَّاس ان آمِنَة كَانَت تحدث عَن يَوْم ميلاده وَمَا رَأَتْ من الْعَجَائِب قَالَت بَينا أَنا أعجب إِذا بِثَلَاثَة نفر ظَنَنْت ان الشَّمْس تطلع من خلال وجههم بيد أحدهم إبريق فضَّة وَفِي ذَلِك الابريق ريح كريح الْمسك وَفِي يد الثَّانِي طست من زمردة خضراء عَلَيْهَا أَرْبَعَة نواحي على كل نَاحيَة من نَوَاحِيهَا لؤلؤة بَيْضَاء وَإِذا قَائِل يَقُول هَذِه الدُّنْيَا شرقها وغربها وبرها وبحرها فاقبض يَا حبيب الله على اي نَاحيَة شِئْت مِنْهَا قَالَت فَدرت لأنظر ايْنَ قبض من الطست فَإِذا هُوَ قد قبض على وَسطهَا فَسمِعت الْقَائِل يَقُول قبض مُحَمَّد على الْكَعْبَة وَرب الْكَعْبَة اما أَن الله قد جعلهَا لَهُ قبْلَة ومسكنا مُبَارَكًا وَرَأَيْت بيد الثَّالِث حريرة بَيْضَاء مطوية طيا شَدِيدا فنشرها فَإِذا فِيهَا خَاتم تحار أبصار الناظرين دونه ثمَّ جَاءَ إِلَيّ فتناوله صَاحب الطست فَغسل بذلك الإبريق سبع مَرَّات ثمَّ ختم بَين كَتفيهِ بالخاتم ختما وَاحِدًا ولفه فِي الحريرة مربوطا عَلَيْهِ بخيط من الْمسك الأذفر ثمَّ حمله فَأدْخلهُ بَين أجنحته سَاعَة قَالَ ابْن عَبَّاس كَانَ ذَلِك رضوَان خَازِن الْجنان وَقَالَ فِي أُذُنه كلَاما لم أفهمهُ وَقَالَ أبْشرْ يَا مُحَمَّد فَمَا بَقِي لنَبِيّ علم إِلَّا وَقد أعْطِيته فَأَنت أَكْثَرهم علما وأشجعهم قلبا مَعَك مَفَاتِيح النُّصْرَة قد ألبست الْخَوْف والرعب لَا يسمع أحُدُ بذكرك إِلَّا وَجل فُؤَاده وَخَاف قلبه وَإِن لم يرك يَا خَليفَة الله

عباس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت ہے کہ آمنہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا قصہ بیان کر رہی تھیں کہ میں حیرت میں تھی کہ تین آدمی دکھائی دیئے جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے تھے، ایک آدمی کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا جس کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ میں ایک سپید موتی رکھا ہوا تھا ایک آواز آئی اے حبیب اللہ یہ پوری دنیا مشرق مغرب خشکی وتری سب مجسم ہو کر آئی ہے اس کے جس گوشے کو دل چاہے مٹھی میں لے لیں، آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے گھوم کر دیکھا کہ بچہ کہاں ہاتھ رکھتا ہے، میں نے دیکھا کہ اس نے بیچ میں ہاتھ رکھا تو کہنے والے کی آواز سنی کہ رب کعبہ کی قسم محمد نے کعبہ پر قبضہ کر لیا ہے ،ہاں یہ کعبہ اس کا قبلہ اور مسکن رہے گا، تیسرے آدمی کے ہاتھ میں سپید حریر تھا اس نے اسے کھولا تو اس میں سے ایک انگوٹھی نکلی جس کو دیکھ کر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیران ہوتی تھیں، پھر وہ میرے پاس آیا تو طشت والے نے اس انگوٹھی کو لے کر اس آفتابہ سے سات بار دھویا اور بچہ کے مونڈھے پر مہر کر دی اور حریر میں اس کو لپیٹ کر مشک خالص کے تاگے سے باندھ دیا اور تھوڑی دیر تک اپنے بازوؤں میں لپٹائے رکھا، عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ رضوان جنت تھا پھر بچہ کے کان میں کچھ کہا آمنہ کہتی ہیں میں اسے سمجھ نہ سکی، پھر اس نے کہا اے محمد! بشارت ہو کہ کسی نبی کو کوئی ایسا علم عطا نہیں کیا گیا جو تم کو نہیں دیا گیا تم سب پیغمبروں سے زیادہ شجاع بنائے گئے ہو تم کو فتح ونصرت کی کنجی دی گئی اور رعب وداب بخشا گیا جو تمہارا نام سنے گا خواہ اس نے تم کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو وہ کانپ جائے گا اے اللہ کے خلیفہ۔[1]

[1] ادلائل النبوة لأبي نعيم ۱/۸۴ الخصائص الكبرى ۱/۸۰، شرف مصطفى ۱/۳۶۰

تمام روایت ہی بے اصل اور بے بنیاد ہے۔(۱)

رسول اللہ ﷺ کی پشت پر مونڈھے کے قریب گوشت کا ایک ٹکڑا پیدائشی طور پر موجود تھا جسے مہر نبوت کہا جاتا ہے، ایسی کوئی مہر نہ تھی جس پر پورا کلمہ طیبہ تحریر ہو اس کے علاوہ اس جان لیوا تکلیف میں عورت کو اپنی پڑی ہوتی ہے کجا یہ کہ وہ کسی تفصیلات کی طرف توجہ کر سکے۔

مختلف انبیاء کا ذکر:

أن آمنة قالت لما وضعته عليه السّلام رأيت سحابة عظيمة لها نور أسمع فيها صهيل الخيل وخفقان الأجنحة وكلام الرجال، حتى غشيته وغيب عنى فسمعت مناديا ينادى طوفوا بمحمد- صلى الله عليه وسلم- جميع الأرض وأعرضوه على كل روحانى من الجن والإنس والملائكة والطيور والوحوش وأعطوه خلق آدم، ومعرفة شيث، وشجاعة نوح، وخلة إبراهيم ولسان إسماعيل، ورضا إسحاق، وفصاحة صالح، وحكمة لوط، وبشرى يعقوب، وشدة موسى، وصبر أيوب، وطاعة يونس، وجهاد يوشع، وصوت داود وحب دانيال ووقار إلياس وعصمة يحيى وزهد عيسى، واغمسوه فى أخلاق النبيين قالت: ثم انجلت عنى فإذا به قد قبض على حريرة بيضاء خضراء مطوية طيّا شديدا ينبع من تلك الحريرة ماء وإذا قائل يقول بخ بخ قبض محمدصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على الدنيا كلها لم يبق خلق من أهلها إلا دخل طائعا فى قبضته، قالت ثم نظرت إليه فإذا به كالقمر ليلة البدر وريحه يسطع كالمسك الإذفر، وإذا بثلاثة نفر فى يد أحدهم إبريق من فضة، وفى يد الثانى طست من زمرد أخضر وفى يد الثالث حريرة بيضاء فنشرها فأخرج منها خاتما تحار أبصار الناظرين دونه فغسله من ذلك الإبريق سبع مرات ثم ختم بين كتفيه بالخاتم ولفه فى الحريرة ثم احتمله فأدخله بين أجنحته ساعة ثم رده إلى ورواه أبو نعيم عن ابن عباس وفيه نكارة

آمنہ کا بیان ہے کہ جب میرے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ایک بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑوں کے ہنہنانے ، پرندوں کے پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں، وہ ابر کا ٹکڑا بچہ کے اوپر چھا گیا جس سے بچہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا البتہ منادی کی آواز سنائی دی کہ محمد کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ کہ تمام دنیا ان کے نام ونشان کو پہچان لے اور جن وانس، چرند وپرند اور ملائکہ بلکہ ہر ذی روح کے سامنے لے جاو ان کو آدم علیہ السلام کا خلق، شیث علیہ السلام کی معرفت، نوح علیہ السلام کی شجاعت، ابراہیم علیہ السلام کی دوستی، اسماعیل علیہ السلام کی زباں، اسحاق علیہ السلام کی رضا، صالح علیہ السلام کی فصاحت، لوط علیہ السلام کی حکمت، موسیٰ علیہ السلام کی سختی، ایوب علیہ السلام کا صبر، یونس علیہ السلام کی اطاعت، یوشع علیہ السلام کا جہاد، داودؑ کی آواز، دانیال کی محبت، الیاس علیہ السلام کا وقار، یحییٰ علیہ السلام کی پاکدامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کا زہد عطا کرو اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں انہیں غوطہ دو آمنہ کہتی ہیں پھر یہ منظر ہٹ گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ سبز حریر میں لپٹے ہیں اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے آواز آئی ہاں محمد نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا (رسول اللہ ﷺ کی امت کا آج تک پوری دنیا پر قبضہ نہیں ہوا اس لحاظ سے تو فرشتے جھوٹے ہوئے) اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقہ

(۱) سیرت النبی ۳/۴۲۰

اطاعت میں نہ آ گئی ہو (فرشتے اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی کے تابع دار نہیں ہیں، اس کے علاوہ ایک بار بچھو نے آپ ﷺ کو کاٹا تھا کیا اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ درندے اور جانور آپ ﷺ کے حلقہ اطاعت میں داخل نہیں ہیں) کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے اور خالص مشک کی سی خوشبو آپ سے نکل رہی ہے، دفعتاً تین آدمی نظر آئے ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے، اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس میں سے انگوٹھی جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں نکالی، پہلے اس نے انگوٹھی کو سات مرتبہ آفتابے کے پانی سے دھویا پھر مونڈھے پر مہر کر کے بچہ کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے بازوں میں لپیٹ لیا اور پھر مجھے واپس کر دیا۔ (۱)

بے سند روایت ہے اور حافظ قسطلانی نے خود تشریح کر دی ہے

وفيه نكارة

اس میں سخت نکارت ہے۔ (۲)

اہل مکہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو اپنا جد امجد ہونے کی وجہ سے ہی جانتے تھے، باقی پیغمبروں کے بیان کیے ہوئے نام و اوصاف تو پورے عرب میں ہی کوئی نہیں جانتا تھا اس لحاظ سے تو آمنہ بڑی عالمہ و فاضلہ عورت تھیں کہ پیغمبروں کو ان کے اوصاف سے جانتی تھیں، تاریخ گواہ ہے کہ امت مسلمہ کا پوری دنیا پر کبھی بھی قبضہ نہیں ہوا اس طرح تو فرشتوں کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے اور فرشتے گناہ پر قدرت نہیں رکھتے، اس کے علاوہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے تابع دار نہیں ہوتے جو تمام مخلوق کی اطاعت کا سوال پیدا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے پیدا ہوتے ہی ایک نور کا نکلنا:

لَقَدْ عَلِقْتُ بِهِ.تَعْنِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا وَجَدْتُ لَهُ مَشَقَّةً حَتَّى وَضَعْتُهُ. فَلَمَّا فَصَلَ مِنِّي خَرَجَ مَعَهُ نُورٌ أَضَاءَ لَهُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ. ثُمَّ وَقَعَ عَلَى الأَرْضِ مُعْتَمِدًا عَلَى يَدَيْهِ ثُمَّ أَخَذَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ فَقَبَضَهَا وَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ

آمنہ کہتی ہیں میں اس بچے (یعنی رسول اللہ ﷺ) سے حمل میں ہوئی تو وضع حمل تک میں نے کوئی تکلیف محسوس نہیں کی، جب آپ پیدا ہوئے تو ان کے ساتھ ایک ایسا نور نکلا جس سے تمام مشرق و مغرب روشن ہو گئے، بعد میں آپ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے (یعنی سجدہ میں گر پڑے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (یعنی پوری زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ (۳)

یہ روایت ابن سعد، ابو نعیم، طبرانی میں ہے مگر کوئی روایت بھی قوی نہیں۔ (۴)

---

(۱) المواهب لدنيه ۱/۷۷

(۲) سيرت النبى ۳/۴۲۱

(۳) ابن سعد ۱/۸۱، البداية والنهاية ۲/۳۲۳

(۴) سيرت النبى ۳/۴۲۱

حالانکہ پندرہ سو سال گزر چکے ہیں لیکن آج تک ایک روز کے لئے بھی مسلمان پوری دنیا پر قابض نہیں ہوئے۔

ایک یہودی کا آپ کی بعثت کی اطلاع دینا:

كَانَ يَهُودِيٌّ قَدْ سَكَنَ مَكَّةَ يَتَّجِرُ بِهَا، فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فِي مَجْلِسٍ مِنْ قُرَيْشٍ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، هَلْ وُلِدَ فِيكُمُ اللَّيْلَةَ مَوْلُودٌ؟ فَقَالَ الْقَوْمُ: وَاللهِ مَا نَعْلَمُهُ. قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ، أَمَا إِذْ أَخْطَأَكُمْ فَلَا بَأْسَ: انْظُرُوا وَاحْفَظُوا مَا أَقُولُ لَكُمْ: وُلِدَ فِيكُمْ هَذِهِ اللَّيْلَةَ نَبِيُّ هَذِهِ الْأُمَّةِ الْأَخِيرَةِ، بَيْنَ كَتِفَيْهِ عَلَامَةٌ فِيهَا شَعَرَاتٌ مُتَوَاتِرَاتٌ، كَأَنَّهُنَّ عُرْفُ فَرَسٍ، لَا يَرْضَعُ لَيْلَتَيْنِ، وَذَلِكَ أَنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ أَدْخَلَ أُصْبُعَهُ فِي فَمِهِ فَمَنَعَهُ الرَّضَاعَ فَتَصَدَّعَ الْقَوْمُ مِنْ مَجْلِسِهِمْ وَهُمْ يَتَعَجَّبُونَ مِنْ قَوْلِهِ وَحَدِيثِهِ، فَلَمَّا صَارُوا إِلَى مَنَازِلِهِمْ أَخْبَرَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ أَهْلَهُ، فَقَالُوا: لَقَدْ وُلِدَ لِعَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ غُلَامٌ سَمَّوْهُ مُحَمَّدًا. فَالْتَقَى الْقَوْمُ فَقَالُوا: هَلْ سَمِعْتُمْ حَدِيثَ هَذَا الْيَهُودِيِّ؟ بَلَغَكُمْ مَوْلِدُ هَذَا الْغُلَامِ؟ فَانْطَلَقُوا حَتَّى جَاءُوا الْيَهُودِيَّ فَأَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ. قَالَ: فَاذْهَبُوا مَعِي حَتَّى أَنْظُرَ إِلَيْهِ، فَخَرَجُوا بِهِ حَتَّى أَدْخَلُوهُ عَلَى آمِنَةَ، فَقَالَ: أَخْرِجِي إِلَيْنَا ابْنَكِ، فَأَخْرَجَتْهُ، وَكَشَفُوا لَهُ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَأَى تِلْكَ الشَّامَةَ فَوَقَعَ الْيَهُودِيُّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ، فَلَمَّا أَفَاقَ قَالُوا: وَيْلَكَ مَا لَكَ؟ قَالَ: ذَهَبَتْ وَاللهِ النُّبُوَّةُ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ، أَفَرِحْتُمْ بِهِ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ؟ أَمَا وَاللهِ لَيَسْطُوَنَّ بِكُمْ سَطْوَةً يَخْرُجُ خَبَرُهَا مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

جس شب آپ پیدا ہوئے، قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا آ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے ہاں آج کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟ سب نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا، اسی یہودی نے کہا اللہ اکبر، تم کو نہیں معلوم تو خیر میں جو کچھ کہتا ہوں اس کو سن رکھو آج شب کو اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہوا ہے، اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے، اس میں گھوڑے کے ایال کی طرح کچھ اوپر تلے بال ہیں وہ دو دن تک دودھ نہ پئے گا کیونکہ ایک جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے جس سے وہ دودھ نہیں پی سکتا جب جلسہ برخاست ہو گیا اور لوگ گھروں کو لوٹے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے، لوگ اس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے، اس نے بچہ کے پیٹ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گر پڑا (اس نے کندھوں کے درمیان مہر نبوت کیوں نہیں دیکھی) جب ہوش آیا تو لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے کہا اللہ کی قسم! اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہوگئی اور ان کے ہاتھوں سے کتاب الٰہی نکل گئی وہ بنی اسرائیل کو قتل کرے گا اور ان کے احبار پر غالب آئے گا، عرب نبوت پر فائز ہوئے، اے قریش تم اس کی پیدائش سے خوش ہو ہوشیار! اللہ کی قسم یہ ایک دن تم پر ایسا حملہ کرے گا جس کی خبر چار دانگ عالم میں پھیلے گی۔[۱]

اس روایت میں ابو غسان محمد بن یحییٰ کنانی منکر الحدیث ہے، یہ اپنے والد یحییٰ بن علی سے روایت کرتا ہے جس کا کچھ پتہ نہیں کہ یہ کون تھے، ابن حزم نے اس کو مجہول کہا ہے، اسی قسم کی ایک اور روایت عیص راہب کے متعلق ابو جعفر بن ابی شیبہ سے ہے اور ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن زرقانی رحمہ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ ابو جعفر ابن ابی شیبہ نامعتبر ہے۔[۲]

---

[۱] دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/۱۰۸، السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۱/۲۱۲، خصائص الکبریٰ ۱/۸۴

[۲] سیرت النبی ۳/۴۲۲

پہلی بات تو یہ کہ کسی تل کا نبوت سے کیا تعلق ہے، دوسری یہ کہ مکہ معظّمہ میں کسی یہودی کا کوئی وجود نہ تھا، پھر جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعویٰ نبوت کیا تو کیا کبھی کسی قریشی سردار نے کہا کہ ہاں فلاں یہودی نے ہمیں تمہاری ولادت کی رات کو تمہاری نبوت کے بارے میں بتلایا تھا اور یہ کہ تم ہم پر حملہ آور ہو گے جس کی خبر چار دانگ عالم میں پھیلے گی اور یہ بات کہ یہ بچہ کسی جن کی وجہ سے دو تین دن تک دودھ نہیں پی سکے گا سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پہلے دو تین دن اپنی والدہ کا دودھ پیا تھا پھر ثویبہ کا دودھ پیا اور پھر حلیمہ سعدیہ کا دودھ پیا تھا اس طرح تو یہودی کی بشارت ہی غلط ثابت ہو گئی۔

چاند کا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے باتیں کرنا:

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، دَعَانِي إِلَى الدُّخُولِ فِي دِينِكَ أَمَارَةٌ لِنُبُوَّتِكَ، رَأَيْتُكَ فِي الْمَهْدِ تُنَاغِي الْقَمَرَ وَتُشِيرُ إِلَيْهِ بِأُصْبُعِكَ، فَحَيْثُ أَشَرْتَ إِلَيْهِ مَالَ قَالَ: إِنِّي كُنْتُ أُحَدِّثُهُ وَيُحَدِّثُنِي، وَيُلْهِينِي عَنِ الْبُكَاءِ، وَأَسْمَعُ وَجْبَتَهُ حِينَ يَسْجُدُ تَحْتَ الْعَرْشِ

عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بن عبد المطلب نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) مجھ کو جس نشانی نے آپ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا وہ یہ ہے کہ جب آپ گہوارے میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ چاند سے اور چاند آپ سے باتیں کرتا تھا اور انگلی سے آپ جدھر اشارہ کرتے تھے ادھر جھک جاتا تھا فرمایا ہاں وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور میں اس سے باتیں کرتا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے جا کر تسبیح کرتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔ [1]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے چچا عباس آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے تین سال ہی بڑے تھے جب رسول اللہ شیر خوار ہوں گے،

عَنْ الْعَبّاسِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ أَذْكُرُ مَوْلِدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثَةِ أَعْوَامٍ أَوْ نَحْوِهَا، فَجِيءَ بِي حَتّى نَظَرْت إلَيْهِ وَجَعَلَ النّسْوَةُ يَقُلْنَ لِي: قَبّلْ أَخَاك، قَبّلْ أَخَاك، فَقَبّلْته

عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ خود فرماتے ہیں جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پیدا ہوئے تو میں تین سال کا تھا مجھے خوب یاد ہے کہ گھر کی عورتیں مجھے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس لائیں اور کہا بھائی کو پیار کرو چنانچہ میں نے آپ کو پیار کیا۔ [2]

یہ روایت سند اور متن دونوں کے لحاظ سے غریب ہے، یہ احمد بن ابراہیم جبلی کی روایت ہے جو مجہول ہے۔ [3]

عرب کے دستور کے مطابق آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صرف دس گیارہ روز ہی مکہ مکرمہ میں رہے، پہلے دو تین دن والدہ نے پھر تقریباً ایک ہفتہ ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دودھ پلایا پھر حلیمہ سعدیہ آپ کو لے کر قبیلہ بنی سعد میں چلی گئیں تھیں، عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو کب چاند سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا، اگر عباس رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو چاند سے باتیں کرتے دیکھا بھی تھا تو فتح مکہ سے ایک دن پہلے تک

---

[1] الخصائص الکبری ۹۱/۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ۴۱/۲

[2] الروض الانف ۸۴/۲

[3] سیرت النبی ۴۲۲/۳

اپنے اسلام کا اظہار کیوں نہیں کیا تھا کیا یہ نشانی فتح مکہ کے روز یاد آئی تھی جبکہ ان کی اہلیہ ام الفضل رضی اللہ عنہا سابقین اولین میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند سے باتیں کرنا تو معمولی بات ہوسکتی ہے مگر کیا کوئی مکہ کا باشندہ شق قمر جیسا معجزہ دیکھ کر ایمان لایا، کوئی بھی صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی معجزہ دیکھ کر ایمان نہیں لایا بلکہ وہ اللہ کا نازل کردہ کلام قرآن مجید کے دلائل اور طرز بیاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق حسنہ اور آپ کی صداقت و دیانت اور اسلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی شان و شوکت کو دیکھ کر ایمان لاتے تھے۔

گھوارے میں کلام کرنا:

ان مهده كَانَ يَتَحرَّك بتحريك الْمَلَائِكَة وَأَن أول كَلَام تكلم بِهِ أَن قَالَ الله أكبر كَبِيرا وَالْحَمْد لله كثيرا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوارے میں کلام کیا، فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوارہ ہلاتے تھے اور پہلا کلمہ جو زبان سے ادا ہوا وہ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا تھا۔[1]

عبد الله بن عَبَّاس عَن أَبِيه عَن جده قَالَ كانت حليمة تُحَدِّثُ بأنها أول مافطَمَتْ رسول الله صلى الله عليه وسلم تكلم فقال: اللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا، وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حلیمہ کہتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سب سے پہلا کلمہ یہ نکلا تھا اللہ اکبرکبیرا، والحمد للہ کثیرا، وسبحان الله بكرة واصيلا۔[2]

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: كَانَتْ حَلِيمَةُ بِنْتُ أَبِي ذُؤَيْبٍ الَّتِي أَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تُحَدِّثُ أَنَّهَا لَمَّا فَطَمَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَكَلَّمَ، قَالَتْ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ كَلَامًا عَجِيبًا سَمِعْتُه يَقُولُ: اللهُ أَكْبَرُ كَبِيرًا، وَالْحَمْدُ لِلَّهِ كَثِيرًا، وَسُبْحَانَ اللهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حلیمہ بنت ابی ذویب جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا کہتی تھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بولنا شروع کیا تو کچھ بول رہے تھے میں نے ایک عجیب کلام سنا میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بول رہے تھے اللہ اکبر کبیرا، والحمد للہ کثیرا، وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔[3]

میلاد کی اور کتابوں میں کچھ اور فقرے بھی منسوب ہیں جیسے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ ياجَلَالُ رَبِّي الرَّفِيعُ

---

[1] الخصائص الكبرى ۱/۹۱

[2] شرح الزرقاني على المواهب ۱/۲۷۷

[3] دلائل النبوة للبيهقي ۱/۱۳۹، الخصائص الكبرى ۱/۹۳، تاريخ دمشق لابن عساكر ۳/۴۷۴، تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس ۱/۲۲۵

کسی قدیم ماخذ سے اس روایت کا علم نہیں، امام احمد بن حنبل اور دوسرے محدثین فرماتے ہیں راوی واقدی کذاب ہے۔ (۱)

آپ مختون پیدا ہوئے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَالَ: وُلِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ،مَخْتُونًا مَسْرُورًا
عبد اللہ بن عباس اپنے والد عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو ختنہ شدہ ناف کٹی ہوئی تھی۔ (۲)

یہ روایت متعدد طریق سے مروی ہے مگر ان میں کوئی طریق بھی ایسا نہیں جو ضعیف نہ ہو، مگر امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں لکھا ہے۔

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وُلِدَ مَخْتُونًا مَسْرُورًا
اس حدیث کی اسناد صحیح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے، علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس پر تنقید کی ہے،

عقب تصحيح الحاكم للحديث لا نافيا لصحته
تواتر تو کجا صحیح طریق سے ثابت نہیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مِنْ كَرَامَتِي عَلَى رَبِّي أَنِّي وُلِدْتُ مَخْتُونًا
انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا یہ مجھ پر کرم ہے کہ اس نے مجھے مختون پیدا کیا ہے۔ (۳)

لَمْ يَرْوِ هَذَا الْحَدِيثَ عَنْ يُونُسَ إِلَّا هُشَيْمٌ، تَفَرَّدَ بِهِ سُفْيَانُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَزَارِيُّ
اس روایت میں سفیان بن محمد الفزاری ضعیف روای ہے۔ (۴)

وقيل ختن يوم شق قلبه الملائكة عند ظئره حليمة
ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دن ختنہ کیا گیا جب آپ کا سینہ چیرا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلیمہ کے گھر تھے۔ (۵)

وَقَدِ اخْتُلِفَ فِيهِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَقْوَالٍ :أَحَدُهَا: أَنَّهُ وُلِدَ مَخْتُونًا مَسْرُورًا، وَرُوِيَ فِي ذَلِكَ حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ، ذَكَرَهُ أَبُو الْفَرَجِ بْنُ الْجَوْزِيِّ فِي الْمَوْضُوعَاتِ وَلَيْسَ فِيهِ حَدِيثٌ ثَابِتٌ، وَلَيْسَ هَذَا مِنْ خَوَاصِّهِ، فَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ يُولَدُ مَخْتُونًا

---

(۱) سیرت النبی ۳/۴۲۲

(۲) ابن سعد ۱/۸۲، مستدرک حاکم ۴۱۷۷، دلائل النبوة لابن نعیم ۱۵۴، ۱/۹۲، البداية والنهاية ۲/۳۲۴، السيرة النبوية وأخبار الخلفاء ۱/۵۸

(۳) المعجم الأوسط للطبرانی ۶۱۴۸، دلائل النبوة لابی نعیم ۹۱

(۴) المعجم الأوسط للطبرانی ۶۱۴۸

(۵) بهجة المحافل وبغية الأماثل ۱/۴۰

اورعلامہ ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں اس مسئلہ میں تین مختلف اقوال ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ مختون تولد ہوئے تھے لیکن اس باب میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ صحیح نہیں ہے، ابوالفرج جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے، اس بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ملتی، اور یہ بات آپ ﷺ کے خواص میں سے بھی نہیں سمجھی جاسکتی کیونکہ ایسے بچے اکثر پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ [۱]

وَحَدَّثَنِي صَاحِبُنَا أبو عبد الله محمد بن عثمان الخليلي الْمُحَدِّثُ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ أَنَّهُ وُلِدَ كَذَلِكَ، وَأَنَّ أَهْلَهُ لَمْ يَخْتِنُوهُ، وَالنَّاسُ يَقُولُونَ لِمَنْ وُلِدَ كَذَلِكَ: خَتَنَهُ الْقَمَرُ، وَهَذَا مِنْ خُرَافَاتِهِمْ ،الْقَوْلُ الثَّانِي: أَنَّهُ خُتِنَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ شَقَّ قَلْبَهُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ ظِئْرِهِ حَلِيمَةَ.الْقَوْلُ الثَّالِثُ: أَنَّ جَدَّهُ عبد المطلب خَتَنَهُ يَوْمَ سَابِعِهِ وَصَنَعَ لَهُ مَأْدُبَةً وَسَمَّاهُ مُحَمَّدًا.قَالَ أَبُو عُمَرَ بْنُ عَبْدِ الْبَرِّ: وَفِي هَذَا الْبَابِ حَدِيثٌ مُسْنَدٌ غَرِيبٌ

اور لکھتے ہیں اور مجھے ابوعبداللہ محمد بن عثمان خلیلی بیت المقدس کے محدث نے واقعہ بتایا کہ ان کے ہاں بھی ایسا ہی ایک مختون لڑکا پیدا ہوا ہے ،اس کے گھر والوں نے ختنہ نہیں کیا اور لوگوں میں مشہور ہے کہ جو اس طرح ختنہ شدہ پیدا ہوا سے چاند ختنہ کر دیتا ہے لیکن یہ سب خرافات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کا حلیمہ رضی اللہ عنہا کی بکریاں چراتے ہوئے جب فرشتے نے شق صدر کیا تو اس وقت ختنہ کیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کو آپ کے دادا عبد المطلب نے ساتویں روز ختنہ کے لیے بٹھایا اور ایک دعوت عام کی اور آپ کا نام محمد رکھا۔ یہ روایت ابوعمرو بن عبد البر کی ہے، مسند کی یہ روایت غریب ہے۔

چنانچہ کمال الدین بن عدیم نے ان پر تنقید کی ہے، انہوں نے بتایا:

وَبَيَّنَ فِيهِ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُتِنَ عَلَى عَادَةِ الْعَرَبُ، وَكَانَ عُمُومُ هَذِهِ السُّنَّةِ لِلْعَرَبِ قَاطِبَةً مُغْنِيًا عَنْ نَقْلٍ مُعَيَّنٍ فِيهَا

آپ ﷺ کا عربوں کے معمول کے مطابق ختنہ کیا گیا اور عربوں کے ہاں ختنہ کرنا ایک عمومی رواج کے علاوہ نشان شرف بھی سمجھا جاتا تھا۔ [۲]

دودھ پلانے والیاں:

أمه أرضعته تسعة أيام

سب سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب نے دو تین دن دودھ پلایا۔ [۳]

أَوَّلُ مَنْ أَرْضَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُوَيْبَةُ بِلَبَنِ ابْنٍ لَهَا. يُقَالُ لَهُ مَسْرُوحٌ. أَيَّامًا قَبْلَ أَنْ تَقْدَمَ حَلِيمَةُ. وَكَانَتْ قَدْ أَرْضَعَتْ قَبْلَهُ حَمْزَةَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. وَأَرْضَعَتْ بَعْدَهُ أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الأَسَدِ الْمَخْزُومِيَّ

پھر حلیمہ کے آنے سے پہلے (آپ کے حقیقی چچا ابولہب کو آپ علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری کے عوض آزاد ہونے والی لونڈی) ثویبہ اسلمیہ (حافظ

---

[۱] زادالمعاد ۱/۸۰، سیرت النبی ۳/۴۱۳

[۲] زادالمعاد ۱/۸۰

[۳] شرح الزرقانی علی المواهب ۱/۲۵۸

ابومندہ ثویبہ کوصحابیات میں شمار کرتے ہیں) نے جن کے بطن سے ایک لڑکا مسروح تھااس کے ساتھ آپ ﷺ کو تقریباً ایک ہفتہ دودھ پلاکر یہ سعادت حاصل کی، جوآپ ﷺ کے چچاسید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب اور ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کو بھی دودھ پلاچکی تھیں، آپ ﷺ کے بعد ثویبہ نے ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو بھی دودھ پلایا تھا۔[۱]

اس لئے یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے۔

أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ، زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ :فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ، فَوَاللهِ إِنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّكَ تُرِيدُ أَنْ تَنْكِحَ دُرَّةَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ؟فَقَالَ :بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ ،فَقُلْتُ : نَعَمْ، قَالَ :فَوَاللهِ لَوْ لَمْ تَكُنْ رَبِيبَتِي فِي حَجْرِي مَا حَلَّتْ لِي، إِنَّهَا بِنْتُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ، أَرْضَعَتْنِي وَأَبَا سَلَمَةَ ثُوَيْبَةُ

ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے ایک بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی درہ سے نکاح کاارادہ رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے بطور تعجب فرمایا کہ ام سلمہ کی بیٹی سے جومیری تربیت میں ہے، میں نے کہاہاں، آپ ﷺ نے فرمایااگر وہ میری پرورش میں نہ ہوتی تب بھی وہ میرے لیے حلال نہیں تھی وہ تومیرے رضاعی بھائی کی لڑکی ہے مجھے اور ابوسلمہ (ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کاپہلاشوہر،اس کی وفات کے بعدام سلمہ رضی اللہ عنہا کوام المومنین بننے کافخر حاصل ہوا) کوثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔[۲]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرِيدَ عَلَى ابْنَةِ حَمْزَةَ ،فَقَالَ : إِنَّهَا ابْنَةُ أَخِي مِنَ الرَّضَاعَةِ وَإِنَّهَا لا تَحِلُّ لِي وَإِنَّهُ يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کی بیٹی سے نکاح فرمالیں توکیساہے؟ توآپ ﷺ نے فرمایاوہ میری رضاعی بھتیجی ہے،وہ میرے لیے حلال نہیں ہے رضاعت وہ تمام رشتے حرام ہوجاتے ہیں جونسب سے ہوتے ہیں۔[۳]

جب آپ ﷺ کی ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوگئی توثویبہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہواکرتی تھی،ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی عزت وتکریم کرتیں اوراس کے ساتھ احسان کابرتاوکرتیں تھیں،اوراسی خدمت کے صلے میں رسول اللہ ﷺ بھی ہمیشہ ثویبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حسن سلوک فرماتے رہتے تھے،ہجرت مدینہ کے بعدبھی آپ ﷺ ثویبہ رضی اللہ عنہا کے لئے کبھی ہدیہ میں کپڑے اورخرچہ بھیجتے تھے،جب مکہ فتح ہواتوآپ ﷺ نے ثویبہ رضی اللہ عنہا اوراس کے بیٹے مسروح کے بارے میں دریافت فرمایامعلوم ہواکہ دونوں ماں بیٹے کاانتقال ہوچکاہے،پھرفرمایاکہ اس کے اقارب میں کوئی زندہ ہے تاکہ اس کے ساتھ کچھ حسن سلوک اوراحسان فرمائیں،معلوم ہواکہ اس کے خویش واقارب میں بھی کوئی زندہ نہیں۔

---

[۱] ابن سعد۸۷/۱،دلائل النبوۃ لابی نعیم۱۵۷/۱

[۲] صحیح بخاری کتاب النفقات بَابُ المَرَاضِعِ مِنَ المَوَالِيَاتِ وَغَيْرِهِنَّ ۵۳۷۲

[۳] ابن سعد۸۸/۱

سعدیہ حلیمہ کی رضاعت:

شرفاء عرب اپنے بچوں کی بہتر نشو نما، بہتر عادات واطوار، لسانی فصاحت وشستگی جو کہ شہری باشندوں کی نسبت دیہاتی لوگوں کی زبان زیادہ فصیح اور خالص ہوتی تھی، عرب کے اصلی تمدن اور عربی خصوصیات کے لئے اپنے قبیلہ کو چھوڑ کر دیہات کے کسی دوسرے قبیلہ کی اچھی انا کا انتخاب کرتے تھے، جو سال میں دو مرتبہ مکہ آتی تھیں، اس سال شدید خشک سالی تھی، اس سال دستور کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت کے چند دن بعد بنو سعد (ہوزان) جو اپنی فصاحت وبلاغت میں مشہور ہے کی دس عورتیں بچوں کی تلاش میں مکہ معظّمہ آئیں، ان عورتوں کے ساتھ حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ بھی اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ جس کی کنیت ابوکبشہ تھی اور اپنے بچے کے ہمراہ آئی تھیں،

قال النووي رحمه الله تعالى: كنية حليمة أم كبشة

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حلیمہ سعدیہ کی کنیت ام کبشہ تھی۔[1]

سب عورتیں بچوں کی تلاش میں مکہ میں پھیل گئیں اور بچوں کو حاصل بھی کرلیا مگر محمد ﷺ کو یتیم سمجھ کر لینے کو کوئی تیار نہ ہوئی کہ نامعلوم اس یتیم کی والدہ اور دادا ہمیں رضاعت کا معقول معاوضہ دے بھی سکیں گے یا نہیں جبکہ ہر خاتون اس خدمت کے عوض معقول معاوضہ حاصل کرنا چاہتی تھی (ان دایوں کو چند سکوں کی چمک میں اس گوہر نایاب کی قیمت کا اندازہ ہی نہ ہوسکا جس کے ہاتھ میں قیصر وکسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں تھیں) اب صرف حلیمہ بنت ابی ذویب سعدیہ خالی ہاتھ رہ گئیں تھیں، وقت روانگی دوسری عورتوں کی طعن وتشنیع کی وجہ سے خالی ہاتھ واپس جانا انہیں ناگوار ہوا تو بالآخر حلیمہ سعدیہ نے اپنے شوہر کی اجازت سے اس یتیم کو حاصل کرلیا اور رضاعت کے لئے آپ ﷺ کو لے کر اپنے قبیلہ بنی سعد میں لے گئیں سب سے زیادہ انہوں نے ہی دودھ پلایا، عبداللہ، انیسہ، حذافہ یا جذامہ جس کا لقب شیما تھا حارث بن عبدالعزیٰ کے بچے تھے جو آپ ﷺ کی رضاعی بہن بھائی تھے، شیما آپ ﷺ کو گود میں لئے لئے پھرتی اور کھلایا کرتی تھی، حلیمہ سعدیہ نے آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب کو بھی دودھ پلایا تھا اس طرح یہ بھی آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تھے،

ما رأيت أفصح منك يا رسول الله، فقال له: ما يمنعني وأنا من قريش، وأرضعت في بني سعد؟

ایک بار عبداللہ (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ کی زبان نہایت فصیح ہے آپ ﷺ نے فرمایا اول تو میں قریش میں سے ہوں اور پھر بنی سعد بن بکر میں میں نے دودھ پیا ہے۔[2]

قَالَ ابْنُ إسْحَاقَ: وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لِأَصْحَابِهِ: أَنَا أَعْرَبُكُمْ، أَنَا قُرَشِيٌّ، وَاسْتُرْضِعْتُ فِي بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ

ابن اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا میں عربوں میں سے ہوں میں قریشی ہوں اور میں نے سعد بن بکر میں رضاعت

---

[1] سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد ۱/۳۷۸

[2] السيرة الحلبية ۱/۱۳۱

ہوئی ہے۔ (۱)

ان کے علاوہ سیرت کی کتابوں میں خولہ بنت منذر، حبشی خادمہ ام ایمن برکہ کے نام بھی ملتے ہیں، رسول اللہ ﷺ ثویبہ کی طرح حلیمہ سعدہ کے ساتھ بھی نہایت محبت اور احسان کا برتاو کرتے رہے،

أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ اللَّيْثِيُّ عَنْ شَيْخٍ مِنْ بَنِي سَعْدٍ قَالَ: قَدِمَتْ حَلِيمَةُ بِنْتُ عَبْدِ اللَّهِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم مَكَّةَ. وَقَدْ تَزَوَّجَ خَدِيجَةَ. فَتَشَكَّتْ جَدْبَ الْبِلادِ وَهَلاكَ الْمَاشِيَةِ. فَكَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَدِيجَةَ فِيهَا فَأَعْطَتْهَا أَرْبَعِينَ شَاةً وَبَعِيرًا مُوَقَّعًا لِلظَّعِينَةِ وَانْصَرَفَتْ إِلَى أَهْلِهَا

اسامہ بن زید اللیثی قبیلہ بنی سعد کے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں حلیمہ بنت عبداللہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچیں، یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر چکے تھے، حلیمہ نے رسول اللہ ﷺ سے خشک سالی، گرانی اور مویشیوں کے ہلاک ہوجانے کی شکایت کی، رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اس بارے میں گفتگو کی تو انہوں نے حلیمہ کو چالیس بکریاں اور سواری کے لئے ایک اونٹ عنایت کیا جو سامان ومتاع سے لدا ہوا تھا، حلیمہ یہ سب لے کر اپنے خاندان میں واپس آگئیں۔ (۲)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةٌ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ كَانَتْ أَرْضَعَتْهُ. فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَالَ: أُمِّي أُمِّي! وَعَمَدَ إِلَى رِدَائِهِ فَبَسَطَهُ لَهَا فَقَعَدَتْ عَلَيْهِ

محمد بن المنکدر کہتے ہیں نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک عورت جس نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا تھا نے آنے کی اجازت طلب کی، جب یہ خاتون حاضر ہوئیں تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میری ماں، میری ماں، اپنی چادر مبارک لے کر ان کے لئے بچھادی جس پر وہ بیٹھیں۔ (۳)

وأخبرته بوفاة حليمة فذرفت عيناه،فأمر لها بكسوة وجمل ومائتي درهم

فتح مکہ کے موقعہ پر حلیمہ سعدیہ کی بہن نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلیمہ سعدیہ کے انتقال کی خبر سنائی، یہ خبر سن کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، اور پھر اسے سواری کے لئے کجاوے سمیت ایک اونٹ، کپڑے اور دوسو درہم عطا فرمائے۔ (۴)

اسی طرح حلیمہ سعدیہ کے غزوہ ہوزان میں گرفتار لوگوں کے بارے میں روایت ہے۔

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ عَنْ مَعْمَرٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ جَعْفَرٍ وَابْنِ أَبِي سَبْرَةَ وَغَيْرِهِمْ قَالُوا: قَدِمَ وَفْدُ هَوَازِنَ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ بعد ما قَسَّمَ الْغَنَائِمَ وَفِي الْوَفْدِ عَمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ أَبُو ثَرْوَانَ. فَقَالَ يَوْمَئِذٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ. إِنَّمَا فِي هَذِهِ الْحَظَائِرِ مَنْ كَانَ يَكْفُلُكَ مِنْ عَمَّاتِكَ وَخَالاتِكَ

---

(۱) ابن ہشام۱۶۷/۱،الروض الانف۱۱۶/۲،السيرة النبوية لابن كثير۲۳۲/۱،حياة محمد ﷺ ۸۱/۱

(۲) ابن سعد۹۲/۱،تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس۲۲۸/۱

(۳) ابن سعد۹۲/۱،سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد۳۸۲/۱

(۴) امتاع الاسماع۵/۲

وَحَوَاضِنِكَ. وَقَدْ حَضَنَّاكَ فِي حُجُورِنَا وَأَرْضَعْنَاكَ بِثَدْيِنَا. وَلَقَدْ رَأَيْتُكَ مُرْضَعًا فَمَا رَأَيْتُ مُرْضَعًا خَيْرًا مِنْكَ. وَرَأَيْتُكَ فَطِيمًا فَمَا رَأَيْتُ فَطِيمًا خَيْرًا مِنْكَ. ثُمَّ رَأَيْتُكَ شَابًّا فَمَا رَأَيْتُ شَابًّا خَيْرًا مِنْكَ. وَقَدْ تَكَامَلَتْ فِيكَ خِلَالُ الْخَيْرِ. وَنَحْنُ مَعَ ذَلِكَ أَصْلُكَ وَعَشِيرَتُكَ. فَامْنُنْ عَلَيْنَا مَنَّ اللَّهُ عَلَيْكَ! فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قَدِ اسْتَأْنَيْتُ بِكُمْ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّكُمْ لا تَقْدَمُونَ] . وَقَدْ قَسَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّبْيَ وَجَرَتْ فِيهِ السُّهْمَانُ. وَقَدِمَ عَلَيْهِ أربعة عشر رجلا من هوازن مسلمين وجاؤوا بِإِسْلامِ مَنْ وَرَاءَهُمْ مِنْ قَوْمِهِمْ

زہری، عبد اللہ بن جعفر اور ابن سبرہ وغیرہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی پیش گاہ میں قبیلہ بنی ہوزان کا وفد جعرانہ کے مقام پر پیش ہوا، جب کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت تقسیم کر چکے تھے، اس وفد میں ابوثروان بھی تھے جو رشتہ رضاعت سے رسول اللہ ﷺ کے چچا ہوتے تھے ،اس موقعہ پر انہوں نے عرض کیا ان خطیروں میں وہ ہیں جنہوں نے آپ کی کفالت کی تھی، آپ کی چچی ہیں، خالائیں ہیں، دائیاں ہیں، ہم اپنی آغوش میں آپ کو پالتے رہے ہیں، اپنی چھاتیوں سے آپ کو دودھ پلاتے رہے ہیں، میں نے آپ کو دودھ پیتے دیکھا ہے مگر کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہیں دیکھا، آپ کو دودھ چھوڑتے دیکھا ہے مگر کوئی دودھ چھڑایا ہوا بچہ آپ سے بہتر نہیں دیکھا، آپ کو جوان دیکھا کہ کوئی جوان آپ سے اچھا نہیں دیکھا، تمام نیک عادت آپ میں درجہ کمال تک پہنچ چکی ہیں اب سب باتوں کے باوجود آپ کی جڑ بنیاد ہم ہیں، آپ کے خاندان کے لوگ ہم ہیں ہم پر احسان کیجئے اللہ آپ پر احسان کرے گا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں نے اتنی سستی اور دیر کی کہ میں نے گمان کیا کہ اب تم لوگ نہیں آؤ گے، حالت یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ غلام (جو غزوہ ہوزان میں غلام بنائے گئے) تقسیم کر چکے تھے اور ان کے حصے بھی لگ چکے تھے، ہوزان کے چودہ آدمی مسلمان ہو کر آئے تھے اور جو لوگ رہ گئے تھے ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر لائے تھے،

وَكَانَ رَأْسُ الْقَوْمِ وَالْمُتَكَلِّمُ أَبُو صُرَدٍ زُهَيْرُ بْنُ صُرَدٍ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا أَصْلٌ وَعَشِيرَةٌ. وَقَدْ أَصَابَنَا مِنَ الْبَلاءِ مَا لا يَخْفَى عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. إِنَّمَا فِي هَذِهِ الْحَظَائِرِ عَمَّاتُكَ وَخَالاتُكَ وَحَوَاضِنُكَ اللاتِي هُنَّ يَكْفُلْنَكَ. وَلَوْ أَنَّا مَلَحْنَا لِلْحَارِثِ بْنِ أَبِي شَمِرٍ أو للنعمان بن الْمُنْذِرِ ثُمَّ نَزَلا مِنَّا بِمِثْلِ الَّذِي نَزَلْتَ بِهِ رَجَوْنَا عَطْفَهُمَا وَعَائِدَتَهُمَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْمَكْفُولِينَ. وَيُقَالُ إِنَّهُ قَالَ يَوْمَئِذٍ أَبُو صُرَدٍ: إِنَّمَا فِي هَذِهِ الْحَظَائِرِ أَخَوَاتُكَ وَعَمَّاتُكَ وَخَالاتُكَ وَبَنَاتُ عَمِّكَ وَبَنَاتُ خَالاتِكَ وَأَبْعَدُهُنَّ قَرِيبٌ مِنْكَ. بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي! إِنَّهُنَّ حَضَنَّكَ فِي حُجُورِهِنَّ وَأَرْضَعْنَكَ بِثُدِيِّهِنَّ وَتَوَرَّكْنَكَ عَلَى أَوْرَاكِهِنَّ. وَأَنْتَ خَيْرُ الْمَكْفُولِينَ،رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ أَصْدَقُهُ وَعِنْدِي مَنْ تَرَوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَفَأَبْنَاؤُكُمْ وَنِسَاؤُكُمْ أَحَبُّ إِلَيْكُمْ أَمْ أَمْوَالُكُمْ؟ فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ خَيَّرْتَنَا بَيْنَ أَحْسَابِنَا وَأَمْوَالِنَا. وَمَا كُنَّا لِنَعْدِلَ بِالأَحْسَابِ شَيْئًا. فرد علينا أبناءنا ونساءنا . فقال النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أما ما لي ولبني عبد المطلب فهو لَكُمْ وَأَسْأَلُ لَكُمُ النَّاسَ فَإِذَا صَلَّيْتُ بِالنَّاسِ الظُّهْرَ فَقُولُوا

ان لوگوں کے سردار اور خطیب ابومروز ہیر بن صعد تھے، جنہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم لوگ ہی آپ کے خاندان والے ہیں، ہم جس مصیبت میں مبتلا ہیں وہ آپ سے پوشیدہ نہیں، انہیں خطیروں میں آپ کی پھوپیاں ہیں خالائیں ہیں اور دائیاں ہیں، پرورش

کرنے والیاں ہیں جو آپ کی کفالت کر چکی ہیں، اگر ہم حارث بن ابی شمر (غسان کا بادشاہ) یا نعمان بن منذر (حیرہ کا بادشاہ) سے یہی سلوک اختیار کرتے اور جو مرتبہ آپ کا ہے ہم میں یہی محل ومقام ان کو حاصل ہوا ہوتا تو ہم ان کی رحمت وشفقت اور طلب کے بھی امیدوار ہوتے اور آپ تو بہترین کفیل ہیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اس دن ابوصرد نے یہ تقریر کی اے اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! یہی خطیرے ہیں جن میں آپ کی بہنیں ہیں، پھوپیاں ہیں، خالائیں ہیں، چچیری اور خالازاد بہنیں ہیں اور ان میں جو دور کے رشتے کے بھی ہیں وہ بھی آپ سے قریبی تعلق رکھتی ہیں، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں انہیں نے اپنے کنار وآغوش میں آپ کو لیا ہے، اپنی چھاتیوں کا دودھ آپ کو پلایا ہے اور اپنے زانوؤں پر آپ کو کھلایا ہے اور اب آپ ہی بہترین کفیل ہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا سب سے اچھی بات وہی ہے جو سچائی میں سب سے اچھی ہو، مسلمانوں میں جو میرے پاس ہیں انہیں تم دیکھ رہے ہو، اب بتاؤ تمہیں اپنی عورتیں اور اولاد زیادہ محبوب ہیں یا مال ومتاع؟ وفد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! نسب ومال دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی آپ نے ہمیں اجازت دی ہے ہم تو نسب کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھتے، آپ ہمارے بال بچوں کو واپس فرما دیں، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا جو میرے لئے اور اولاد عبدالمطلب کے لئے ہے وہ تمہارے لئے ہے مسلمانوں سے میں بھی تمہارے لئے مسالت کروں گا جب میں لوگوں کے ساتھ نماز ظہر ادا کر چکوں تو تم یہ کہنا

نَسْتَشْفِعُ بِرَسُولِ اللَّهِ إِلَى الْمُسْلِمِينَ وَبِالْمُسْلِمِينَ ،فَإِنِّي سَأَقُولُ لَكُمْ مَا كَانَ لِي وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَهُوَ لَكُمْ. وَسَأَطْلُبُ لَكُمْ إِلَى النَّاسِ ،فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ. قَامُوا فَتَكَلَّمُوا بِالَّذِي قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ لَهُ وَلِبَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. وَرَدَّ الْمُهَاجِرُونَ وَرَدَّ الأَنْصَارُ. وَسَأَلَ لَهُمْ قَبَائِلَ الْعَرَبِ فَاتَّفَقُوا عَلَى قَوْلٍ وَاحِدٍ بِتَسْلِيمِهِمْ وَرِضَاهُمْ وَدَفْعِ مَا كَانَ فِي أَيْدِيهِمْ مِنَ السَّبْيِ إِلا قَوْمًا تَمَسَّكُوا بِمَا فِي أَيْدِيهِمْ فَأَعْطَاهُمْ إِبِلا عِوَضًا مِنْ ذَلِكَ،

مسلمانوں سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طفیل میں اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مسلمانوں کی بدولت ہم طلب گار شفاعت ہیں، اس پر میں تم سے کہوں گا کہ میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے میں جو ہیں وہ تمہارے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ میں تمہارے لئے لوگوں سے بھی کہوں گا، جب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ظہر کی نماز ادا کر چکے تو ان لوگوں نے اٹھ کر جو باتیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمائی تھیں عرض کیں، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے اور بنی عبدالمطلب کے حصے کے لونڈی غلام ان کو واپس کر دیئے اور مہاجرین اور انصار نے بھی اپنے حصے واپس کر دیئے اور قبائل عرب سے بھی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خواہش ظاہر فرمائی، جانثار کب پیچھے رہنے والے تھے سب نے اسی ایک بات پر اتفاق کیا کہ تسلیم ورضا پر راضی ہیں، جتنے غلام قبضہ میں ہیں سب واپس کر دیں گے البتہ کچھ لوگوں نے غلاموں کے دینے سے ہاتھ روک لئے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں بدلے میں اونٹ دے دیدے۔[۱]

اس طرح چھ ہزار قیدی رہا ہو گئے اور غنیمت میں آئے ہوئے پانچ کروڑ درہم بھی واپس کر دیئے،

فلما توفي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وفدت على أبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما فصنعا بها مثل ذلك

[۱] ابن سعد ۹۱،۹۲/۱

رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس خاندان کے ساتھ خاص طور پر حسن سلوک اور تکریم کے ساتھ پیش آتے تھے۔ [۱]

روایت ہے غزوہ ہوزان میں کچھ لوگ قیدی بن کر آئے جن میں آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیما بھی تھی جسے آپ ﷺ نے فورا پہچان لیا اور اس کے ساتھ نہایت مہربانی کے ساتھ پیش آئے پھر عزت کے ساتھ اسے اس کے خاندان والوں کے پاس بھیج دیا، ابن حجر کہتے ہیں یہ مسلمان ہوگئیں تھیں۔

کچھ ضعیف روایات:

وهو راقد على قفاه يغط، فأشفقت أن أوقظه من نومه لحسنه وجماله،فدنوت منه رويدا فوضعت يدى على صدره فتبسم ضاحكا وفتح عينيه ينظر الىّ فقبلته بين عينيه فَأَخَذْتُهُ،ثُمَّ رَجَعْتُ إِلَى رَحْلِي. فَقَالَ لِي زَوْجِي: قَدْ أَخَذْتِهِ. قَالَتْ: قُلْتُ: نَعَمْ، وَذَاكَ أَنِّي لَمْ أَجِدْ غَيْرَهُ.قَالَ: قَدْ أَصَبْتِ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ لَنَا فِيهِ خَيْرًا

حلیمہ کا بیان ہے کہ جب میں سیدہ آمنہ کے گھر اس دریتیم کو لینے گئی آپ گدی کے بل سو رہے تھے ماں نے اشارے سے بتایا، میں قریب گئی ،چہرہ مبارک کی تابانی دیکھی تو جگانے کی ہمت نہ ہوئی، محبت میں آہستگی کے ساتھ میں اس کے سینہ پر ہاتھ رکھا آپ نے آنکھیں کھول دیں مجھے دیکھا اور مسکرائے، آنکھوں کا نور اور معصومانہ مسکراہٹ دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ اگرچہ یہ بچہ یتیم ہے مگر اپنی عظمت وشرافت میں مکہ کے بچوں کا سردار معلوم ہوتا ہے، اس کی برکتوں سے نہ صرف میری پریشانیاں دور ہوں گی بلکہ بہت سے یتیم بچے اور نادر انسان فیض حاصل کرلیں گے (کیا حلیمہ کو کشف حاصل ہوگیا تھا) مجھ سے ضبط نہ ہوسکا فرط محبت سے جھکی، پیشانی کو چوما اور گود میں اٹھالیا، تھوڑی دیر سیدہ آمنہ کے پاس بیٹھی پھر ان کی اجازت سے مولود مسعود کو گود میں لے کر اپنے خیمہ میں آئی، شوہر (حارث بن عبد العزیٰ) نے جمال جہاں آرا کو دیکھا اور کہا حلیمہ یہ تو اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس بچے کو گود لے لو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں ہمارے لئے بہتری کرے۔ [۲]

حلیمہ کا گود میں اٹھاتے ہی چھاتیوں میں دودھ بھر آنا:

فَذَهَبْتُ إِلَيْهِ فَأَخَذْتُهُ، وَمَا حَمَلَنِي عَلَى أَخْذِهِ إِلَّا أَنِّي لَمْ أَجِدْ غَيْرَهُ. قَالَتْ: فَلَمَّا أَخَذْتُهُ، رَجَعْتُ بِهِ إِلَى رَحْلِي، فَلَمَّا وَضَعْتُهُ فِي حِجْرِي أَقْبَلَ عَلَيْهِ ثَدْيَايَ بِمَا شَاءَ مِنْ لَبَنٍ، فَشَرِبَ حَتَّى رَوِيَ، وَشَرِبَ مَعَهُ أَخُوهُ حَتَّى رَوِيَ ، ثُمَّ نَامَا، وَمَا كُنَّا نَنَامُ مَعَهُ قَبْلَ ذَلِكَ، وَقَامَ زَوْجِي إِلَى شَارِفِنَا تِلْكَ، فَإِذَا إِنَّهَا لَحَافِلٌ، فَحَلَبَ مِنْهَا مَا شَرِبَ، وَشَرِبْتُ مَعَهُ حَتَّى انْتَهَيْنَا رِيًّا وَشِبَعًا، فَبِتْنَا بِخَيْرِ لَيْلَة

حلیمہ کہتی ہیں میں اسی وقت گئی اور آپ ﷺ کو اپنی گود میں لے کر آئی، جس وقت میں نے آپ کو اپنی گود میں لٹایا اسی وقت میرے سوکھے ہوئے سینے میں دودھ کی فراوانی ہوگئی، اور آپ ﷺ نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور آپ کا (رضاعی) بھائی بھی آپ کی برکت سے ہی شکم

---

[۱] سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد ۱/۴۴۷

[۲] المنتظم فى تاريخ الملوک والأمم ۲/۲۶۲، الخصائص الكبرى ۱/۹۷

سیر ہوااور دونوں نے بعافیت تمام آرام فرمایااور ہمارا جو دودھ دینے والا جانور تھااس نے بھی اس قدر دودھ دیا کہ ہم دونوں میاں بیوی نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیااور خیر وعافیت کے ساتھ ہم نے رات گزاری۔ (۱)

لاغر ونحیف اونٹنی کا تیز رو ہو جانا:

قَالَتْ: ثُمَّ خَرَجْنَا وركبتُ أَتَانِي، وَحَمَلْتُهُ عَلَيْهَا مَعِي، فَوَاللَّهِ لقطعتْ بالرَّكْبِ مَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا شَيْءٌ مِنْ حُمُرِهِم، حَتَّى إِنَّ صَوَاحِبِي لِيَقُلْنَ لِي: يَا ابْنَةَ أَبِي ذُؤَيْب، وَيحكِ! ارْبَعِي عَلَيْنَا، أليستْ هَذِهِ أتانكَ الَّتِي كنتِ خَرَجْتُ عَلَيْهَا؟ فَأَقُولُ لَهُنَّ: بَلَى وَاللَّهِ . إِنَّهَا لَهِيَ هِيَ فيقلْنَ: وَاللَّهِ إِنَّ لَهَا لشأنًا

حلیمہ کہتی ہیں صبح کو جب ہم روانہ ہونے کے لئے اپنی اس نحیف ولاغر اونٹنی پر بیٹھے،اور آپ ﷺ کو میں نے اپنی گود میں لے لیا تو اس نحیف اور لاغر اونٹنی کو اس قدر تیز رو پایا کہ تمام قافلہ سے آگے آگے دوڑ رہی تھی، میری ہمراہی عورتیں یہ دیکھ کر کہنے لگیں اے حلیمہ! کیا یہ تیری وہی اونٹنی ہے جو پہلے تھی، میں نے کہا ہاں وہی ہے،وہ کہنے لگیں اب تو یہ بہت تیز رو ہو گئی ہے۔ (۲)

خشک سالی میں بکریوں کا جنگل سے پیٹ بھر کر آنا:

ثُمَّ قَدِمْنَا مَنَازِلَنَا مِنْ بِلَادِ بَنِي سَعْدٍ وَمَا أَعْلَمُ أَرْضًا مِنْ أَرْضِ اللَّهِ أَجْدَبَ مِنْهَا، فَكَانَتْ غَنَمِي تَرُوحُ عَلَيَّ حِينَ قَدِمْنَا بِهِ مَعَنَا شِبَاعًا لُبَّنًا، فَنَحْلُبُ وَنَشْرَبُ، وَمَا يَحْلُبُ إِنْسَانٌ قَطْرَةَ لَبَنٍ، وَلَا يَجِدُهَا فِي ضَرْعٍ، حَتَّى كَانَ الْحَاضِرُونَ مِنْ قَوْمِنَا يَقُولُونَ لِرُعْيَانِهِمْ: وَيْلَكُمْ اسْرَحُوا حَيْثُ يَسْرَحُ رَاعِي بِنْتِ أَبِي ذُؤَيْبٍ، فَتَرُوحُ أَغْنَامُهُمْ جِيَاعًا مَا تَبِضُّ بِقَطْرَةِ لَبَنٍ، وَتَرُوحُ غَنَمِي شِبَاعًا لُبَّنًا. فَلَمْ نَزَلْ نَتَعَرَّفُ مِنْ اللَّهِ الزِّيَادَةَ وَالْخَيْرَ حَتَّى مَضَتْ سَنَتَاهُ وَفَصَلْتُه

حلیمہ کہتی ہیں (آپ کی برکتیں صرف مکہ میں یا راستہ تک محدود نہیں رہیں) غرضیکہ اسی برکت اور فرحت کے ساتھ ہم اپنے وطن پہنچے اور باوجود خشک سالی کے جنگل میں ایک گھاس کا پتہ نہ تھا مگر آپ ﷺ کی برکت قدم سے ہماری بکریاں جنگل سے پیٹ بھر کے آتی تھیں اور خوب دودھ دیتی تھیں، حالانکہ ہماری ساری قوم کی بکریاں بھوکی جنگل سے آتیں اور ایک قطرہ دودھ کا نہ دیتی تھیں، میری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم بھی اپنی بکریاں وہیں کیوں نہیں چراتے جہاں حلیمہ کی بکریاں چرتی ہیں مگر پھر بھی ان کی بکریاں بھوکی اور میری پیٹ بھری آتیں، غرضیکہ ہم نے اللہ کی طرف سے اسی طرح کی بہت سی برکتیں مشاہدہ کیں۔ (۳)

پہلا کلام لاالہ الااللہ بولنا:

قالت حلیمة ومن العجائب انی ما رأیت له بولا ولا غسلت له وضوء اقط وکانت له طهارة ونظافة وکان له فی

(۱) ابن ہشام ۱/۱۶۳،روض الانف ۲/۱۰۶،عیون الاثر ۱/۴۲

(۲) ابن ہشام ۱/۱۶۴ ،الروض الانف ۲/۱۴۶ ،عیون الآثر ۱/۴۲،سیرة ابن اسحاق ۱/۴۹، دلائل النبوة للبیهقی ۱/۱۳۲،الخصائص الکبری ۱/۹۲، سبل الهدی والرشدفی سیرة خیرالعباد ۱/۳۸۷،السیرة النبوة لابن کثیر ۱/۲۲۷

(۳) ابن ہشام ۱/۱۶۴ ،الروض الانف ۲/۱۰۶،عیون الاثر ۱/۴۲

كل يوم وقت واحد يتوضأ فيه ولا يعود حتى يكون وقته من الغد ولم يكن شيء أبغض اليه من ان يرى جسده مكشوفا فكنت اذا كشفت عن جسده يصيح حتى أستره عليه وكان لا يبكى قط ولم يسوء خلقه ان رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لما صار ابن شهرين كان يتزحلف مع الصبيان الى كل جانب وفى ثلاثة أشهر كان يقوم على قدميه وفى أربعة أشهر كان يمسك الجدار ويمشى وفى خمسة أشهر حصل له القدرة على المشى ولماتم له ستة أشهر كان يسرع فى المشى وفى سبعة أشهر كان يسعى ويعد والى كل جانب ولما مضى عليه ثمانية أشهر كان يتكلم بحيث يفهم كلامه وفى تسعة أشهر شرع يتكلم بكلام فصيح وفى عشرة أشهر كان يرمى السهام مع الصبيان قالت وانتبهت ليلة من الليالى فسمعته يتكلم بكلام لم أسمع كلاما قط أحسن منه يقول لا اله الا اللّٰه قدّوسا قدّوسا نامت العيون والرحمن لا تأخذه سنة ولا نوم وهو أوّل ما تكلم به فلما ترعرع كان يخرج فينظر الى الصبيان يلعبون فيجتنبهم وكان أخواه من الرضاعة يخرجان فيمرّان بالغلمان فيلعبان معهم فاذا رآهم محمد صلّى اللّٰه عليه وسلم اجتنبهم وأخذ بيدى أخويه وقال لهما انا لم نخلق لهذا

حلیمہ کہتی ہیں کہ گہوارے میں بھی عدل وانصاف پر اس درجہ عمل پیرا تھے کہ میں آپ کو کبھی دوسری سمت سے دودھ پلانا چاہتی تو آپ نہ پیتے تھے، اسکی وجہ صرف ایک ہی ہوسکتی تھی کہ آپ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے حق کا لحاظ رکھتے تھے، اسی طرح مزاج میں شروع ہی سے اس قدر نفاست اور شرم تھی کہ آپ نے کبھی کپڑوں میں پیشاب پاخانہ نہیں فرمایا، اگر حاجت ہوتی تو روتے تھے، جب میں کپڑا اوڑھا دیا کرتی تھی تو خاموش ہوجاتے تھے، اگر میں کسی کام میں مصروف ہوتی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی آپ کو بہلا رہا ہے اور آپ اطمینان سے لیٹے ہوئے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدرت نے آپ کی فطرت میں شرم وحیا اور عدل وانصاف کو دویعت فرمایا تھا، دو مہینے کی عمر میں آپ بیٹھنے لگے تھے، تیسرے مہینہ میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہوسکتے تھے چوتھے مہینہ میں دیوار کے سہارے چلتے پھرتے، پانچویں مہینہ کی عمر میں پیروں پر چلنے لگے تھے چھٹے اور ساتویں ماہ کی عمر میں تیز چلتے تھے، آٹھ مہینے کی عمر ہوئی تو آپ اچھی طرح بولنے لگے تھے نو ماہ کی عمر میں زیادہ صراحت کے ساتھ کلام کیا کرتے تھے اور دس ماہ کی عمر میں محلے کے بچوں کے ساتھ تیر اندازی کیا کرتے تھے، مزید فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے ان سے کچھ اس طرح کلمات سنے جس میں ان کا پہلا کلام لاالہ الا اللہ تھا اور رب رحمان کی پاکیزگی، آدمی سوجاتے ہیں لیکن رب رحمان کو نہ نیند آتی ہے نا اونگھ اس جیسے فصیح وبلیغ کلمات آپ کی زبان پر رواں تھے، اسی اثناء میں وہ جب گھر سے باہر محلے کے لڑکوں کو کھیلتا دیکھتے تو ان کے ساتھ کھیلنے سے گریز کیا کرتے، آپ کبھی بچوں کے ساتھ نہیں کھیلے بلکہ اپنے رضاعی بھائی کو کھیلتے ہوئے دیکھتے تو ان کو منع فرماتے تھے کہ ہم اسی مقصد کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔ [1] بعض تاریخوں میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ذکر پایا جاتا ہے (مگر شاہ عبدالحق دہلوی نے اسے غلط قرار دیا ہے)

---

[1] تاریخ الخمیس ۱/۲۲۵

ضَرْعَ شَاةٍ :
آپ کی ذات فیض و برکات کا ایسا منبع تھی کہ جو بیمار بچے پاس آ کر بیٹھ جاتے وہ تندرست ہو جاتے تھے، بیمار بکریوں پر اگر آپ ہاتھ پھیرتے تو شفا مل جاتی تھی، آپ دیکھتے تھے تو میرے اوپر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو جاتی تھی اور یہ کیفیت مجھ پر اس درجہ غالب تھی کہ میں آپ کی موجودگی میں کبھی اپنے شوہر سے بھی ملاقات نہ کر سکی۔

کم سن ہونے کے باوجود بڑا دکھائی دینا:

حَتَّى بلغ سنتَيْن فَكَانَ يشب شبَابًا لَا تشبه الغلمان، فو اللّٰہ مَا بَلَغَ السَّنَتَيْنِ حَتَّى كَانَ غُلَامًا جفْرًا فقدمنا بِهِ على أمه وَنحن أضن شئ بِهِ مِمَّا رَأَيْنَا فِيهِ مِنَ الْبَرَكَةِ، فَلَمَّا رَأَتْهُ أمه، قلت لَهَا: دَعِينَا نَرْجِعُ بِابْنِنَا هَذِهِ السَّنَةَ الْأُخْرَى، فَإِنَّا نخشى عَلَيْهِ وباء مَكَّة.فو اللّٰہ مازلنا بهَا حَتَّى قَالَت: نعم.فَاحْتَمَلْنَاهُ فَلَمْ تُرَعْ أُمُّهُ إِلَّا بِهِ، فَقَدِمْنَا بِهِ عَلَيْهَا فَقَالَت: مَا رد كمَا بِهِ ياظئر، فَقَدْ كُنْتُمَا عَلَيْهِ حَرِيصَيْنِ؟ فَقَالَا: لَا وَاللَّهِ، إِلَّا أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَدَّى عَنَّا وَقَضَيْنَا الَّذِي عَلَيْنَا وَقُلْنَا نَخْشَى الْإِتْلَافَ وَالْأَحْدَاثَ نَرُدُّهُ إِلَى أَهْلِهِ.

حلیمہ سعدیہ کا بیان ہے کہ جب آپ دو سال کے تھے تو اچھے خاصے بڑے معلوم ہوتے تھے، میرا دل تو نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو اپنے گھر سے جدا کیا جائے اور ماں کو واپس کیا جائے مگر دستور کے مطابق مجھے دودھ چھڑانے کے بعد آپ کو مکہ لے جانا پڑا تا کہ میں آپ کو آپ کی والدہ کے سپرد کردوں، مگر اتفاق سے جب مکہ پہنچی تو وہاں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی، لوگ پریشان تھے مجھے آپ کو واپس لانے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ آ گیا، چنانچہ میں نے آپ کے دادا اور والدہ سے کہا کہ مکہ میں طاعون کی وبا کے زمانہ میں آپ کا رہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا اگر آپ کہیں تو میں اپنے ہمراہ واپس لے جاؤں، اللہ کی عنایت کہ میرا مشورہ قبول ہوا، سب راضی ہو گئے اور میں آپ کو اپنے ساتھ واپس لے آئی، ماں کا دل نہیں چاہتا تھا کہ بچہ علیحدہ رکھا جائے مگر حلیمہ کے اصرار اور وبا کے زور نے واپس کرنا ہی مناسب سمجھا، آپ جانے لگے تو ماں نے پیار کیا اور فرمایا بیٹا تھوڑے دن کے لئے ابھی اپنی مشفقہ دائی حلیمہ کے پاس اور رہو پھر ہم بلا لیں گے، آپ نے محبت سے ماں کو دیکھا اور دوبارہ قبیلہ بنی سعد میں واپس آ گئے۔ [1]

اور کچھ عرصہ کے بعد اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل میں بکریاں چرانے کے لئے جانے لگے، جب آپ پانچ سال کے ہو گئے تو حلیمہ سعدیہ آپ کو پھر آپ کی والدہ کے پاس لے آئیں جنہوں نے اپنے فرزند ارجمند کو اپنے پاس رکھ لیا۔

قارین کرام آپ نے یہ داستان پڑھی جو تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں یہ داستان ضرور نظر آتی ہیں، جنہیں ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی، بیہقی، ابونعیم، ابن عساکر اور ابن سعد میں کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً ذکور ہے، یہ تمام واقعات دو طریقوں سے مروی ہیں، ایک طریق کا مشترک راوی جہم بن ابی جہم ایک مجہول شخص ہے اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی کذاب ہے، پہلے طریق سے اس کو ابن اسحاق، ابن راہویہ، ابویعلیٰ، طبرانی اور ابونعیم نے روایت کیا ہے جس کا سلسلہ سندیوں ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے جہم بن ابی جہم مولی حارث

[1] السيرة النبوة لابن كثير ۱/۲۲۷

بن حاطب جمحی نے بیان کیا اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر سے سنا اور عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر نے حلیمہ سعدیہ سے سنا، اس روایت میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم کا اس روایت کو خود عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں بلکہ کہتا ہے کہ عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر کہا، معلوم نہیں وہ کون تھا اور کیسا شخص تھا؟ ابو نعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا (یا عمداً گرا دیا گیا ہے) اگر بالفرض جہم بن ابی جہم نے عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے سنا تو عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے اور سات ہجری میں ملک حبشہ سے مدینہ طیبہ آئے تھے، ان کا حلیمہ سے ملنا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے، بلکہ علمائے سیر و رجال میں خود حلیمہ کے اسلام یا نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات میں اختلاف ہے، صرف ایک دفعہ غزوہ ہوزان کے موقعہ پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہے (حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ حلیمہ کی بیٹی شیما اور ان کا خاندان حالت کفر میں گرفتار ہو کر آیا تھا کیونکہ جنگ ہوزان حلیمہ کے خاندان ہی سے ہوئی تھی) مگر اس موقعہ پر عبد اللہ بن جعفر کا جو کم سن تھے موجود ہونا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہے (بلکہ فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات میں کوئی بچہ آپ کے ہمراہ نہ تھا) جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا سر بنیاد ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی روایت کی تقریب سے اس کا نام لکھ کر لکھا ہے لایعرف یعنی معلوم نہیں یہ کون شخص تھا؟ (جہم کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ کوئی وجود ہے) دوسرا طریق جس کا مرکزی راوی واقدی ہے اس سلسلہ سے ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقدی کے سلسلہ سے موقوف ہے یعنی یہ سلسلہ کسی صحابی تک نہیں پہنچتا، اس کو واقدی، زکریا بن یحیٰ بن یزید سعدی سے اور وہ اپنے باپ یحیٰ بن یزید سعدی سے نقل کرتا ہے، ابن سعد نے دوسری جگہ پر ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہے اور واقدی، عبد اللہ بن زید بن اسلم سے، اور عبد اللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتا ہے، یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اس کا پہلا راوی واقدی ہے اور روایت بھی موقوف ہے، زید مذکور کی نسبت اہل مدینہ کلام کرتے تھے اور ان کے بیٹے عبد اللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے، اس لئے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں (زید بن اسلم تابعی کے تین بیٹے عبد اللہ، عبد الرحمان اور اسامہ تھے، محدثین کی ایک جماعت عبد اللہ کو ضعیف اور دوسروں کو معتبر قرار دیتی ہے، کچھ محدثین عبد الرحمان کو ضعیف اور بقیہ دونوں کو معتبر کہتے ہیں، کچھ محدثین اسامہ کو نامعتبر اور بقیہ کو معتبر کہتا ہے،

قال الجوزجاني: الثلاثة ضعفاء في الحديث من غير بدعة ولا زيغ

جوزجانی رحمہ اللہ کہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ تینوں ہی ضعیف ہیں۔[1]

ابو نعیم نے تیسری روایت میں واقدی کے سلسلہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے۔[2]

قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا:

فَقُلْنَ: وَاللّٰهِ إِنَّا لَنَرْجُو أَنْ يَكُونَ مُبَارَكًا. قَالَتْ حَلِيمَةُ: قَدْ رَأَيْنَا بَرَكَتَهُ. كُنْتُ لا أُرْوِي ابْنِي عَبْدَ اللّٰهِ وَلا يَدَعُنَا نَنَامُ

---

[1] میزان الاعتدال ۲/۴۲۵

[2] سیرت النبی ۳/۴۲۴

مِنَ الْغَرَثِ. فَهُوَ وَأَخُوهُ يَرْوِيَانِ مَا أَحَبَّا وَيَنَامَانِ وَلَوْ كَانَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ لَرَوِيَ. وَلَقَدْ أَمَرَتْنِي أُمُّهُ أَنْ أَسْأَلَ عَنْهُ. فَرَجَعَتْ بِهِ إِلَى بِلادِهَا. فَأَقَامَتْ بِهِ حَتَّى قَامَتْ سُوقُ عُكَاظٍ. فَانْطَلَقَتْ بِرَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - حَتَّى تَأْتِيَ بِهِ إِلَى عَرَّافٍ مِنْ هُذَيْلٍ يُرِيهُ النَّاسُ صِبْيَانَهُمْ. فَلَمَّا نَظَرَ إِلَيْهِ صَاحَ: يَا مَعْشَرَ هُذَيْلٍ! يَا مَعْشَرَ الْعَرَبِ! فَاجْتَمَعَ إِلَيْهِ النَّاسُ مِنْ أَهْلِ الْمَوْسِمِ. فَقَالَ: اقْتُلُوا هَذَا الصَّبِيَّ! وَانْسَلَّتْ بِهِ حَلِيمَةُ. فَجَعَلَ النَّاسُ يَقُولُونَ: أَيَّ صَبِيٍّ؟ فَيَقُولُ: هَذَا الصَّبِيُّ! وَلا يَرَوْنَ شَيْئًا قَدِ انْطَلَقَتْ بِهِ أُمُّهُ. فَيُقَالُ لَهُ: مَا هُوَ؟ قَالَ: رَأَيْتُ غُلامًا. وَآلِهَتِهِ لَيَقْتُلَنَّ أَهْلَ دِينِكُمْ. وَلَيُكَسِّرَنَّ آلِهَتَكُمْ. وَلَيَظْهَرَنَّ أَمْرُهُ عَلَيْكُمْ. فَطُلِبَ بِعُكَاظٍ فَلَمْ يُوجَدْ. وَرَجَعَتْ بِهِ حَلِيمَةُ إِلَى مَنْزِلِهَا. فَكَانَتْ بَعْدُ لا تَعْرِضُهُ لِعَرَّافٍ وَلا لأَحَدٍ مِنَ النَّاسِ

حلیمہ سعدیہ آپ کو پہلے پہل مکہ معظّمہ سے لے کر عکاظ کے میلے میں آئیں (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ربیع الاول میں پیدا ہوئے، جبکہ عکاظ کا میلہ ذی الحجہ میں لگا کرتا تھا، یہ دس ماہ کا وقفہ میں کیا حلیمہ مکہ میں قیام پذیر رہیں) وہاں قبیلہ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا بھی تھا، عورتیں اپنے بچوں کو اس کے پاس لے کر آتیں اور فال نکلواتی تھیں، حلیمہ سعدیہ نے بھی آپ کو اس بڈھے قیافہ شناس کے سامنے کیا جب اس بڈھے کی نظر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اسے قتل کر ڈالو مگر آپ لوگوں کی نظروں سے غائب ہو چکے تھے، حلیمہ سعدیہ آپ کو لے کر چل پڑی تھیں، لوگوں نے اس بڈھے سے واقعہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کرے گا اور تمہارے بتوں کو توڑے گا اور کامیاب رہے گا، اس کے بعد لوگوں نے آپ کو بہت ڈھونڈا مگر آپ نہ ملے، حلیمہ سعدیہ نے اس کے بعد آپ کو پھر کسی قیافہ شناس اور فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہیں کیا۔ [1]

قیافہ شناس علم الغیب نہیں ہوتا، وہ تو قیافہ شناس اپنے قیافہ سے کسی کے بارے میں کچھ اچھی یا بری رائے تو دے دیتا ہے مگر وہ آنے والی کل کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کل کوئی شخص کیا فعل سرانجام دے گا، کل کیا ہو گا یہ صرف اللہ رب العالمین ہی جانتا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ واقعہ کچھ یوں ہے۔

أَنَّ أُمَّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا دَفَعَتْهُ إِلَى السَّعْدِيَّةِ الَّتِي أَرْضَعَتْهُ قَالَتْ لَهَا: احْفَظِي ابْنِي. وأخبرتها بما رَأَتْ. فَمَرَّ بِهَا الْيَهُودُ. فَقَالَتْ: أَلا تُحَدِّثُونِي عَنِ ابْنِي هَذَا فَإِنِّي حَمَلْتُهُ كَذَا وَوَضَعْتُهُ كَذَا وَرَأَيْتُ كَذَا كَمَا وَصَفَتْ أُمُّهُ. قَالَ: فَقَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ: اقْتُلُوهُ. فَقَالُوا: أَيَتِيمٌ هُوَ؟ فَقَالَتْ: لا. هَذَا أَبُوهُ وَأَنَا أُمُّهُ. فَقَالُوا: لَوْ كَانَ يَتِيمًا لَقَتَلْنَاهُ! قَالَ: فَذَهَبَتْ بِهِ حَلِيمَةُ وَقَالَتْ: كِدْتُ أُخَرِّبُ أَمَانَتِي

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو جب نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی والدہ نے دودھ پلانے کے لئے (حلیمہ) سعدیہ کے حوالے کیا تو یہ بھی کہا کہ میرے بچے کی حفاظت کرتی رہنا، اسی ساتھ وہ تمام باتیں بھی حلیمہ کو بتا دیں (جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے متعلق انہوں نے دیکھی تھیں) کچھ دن گزرے کہ حلیمہ کے پاس یہودیوں کا گزر ہوا، جس سے حلیمہ نے کہا میرے اس بچے کی نسبت تم مجھے کچھ باتیں نہیں بتاتے، یہ پیٹ میں رہا، اس طرح

---

[1] ابن سعد ۱/۱۲۰

پیدا ہوا تو یوں ہوا، اور میں نے یہ یہ کچھ اس کی نسبت دیکھا ہے، غرض کہ نبی کریم ﷺ کی والدہ نے جو باتیں بتائی تھیں سن کہہ دیں، ان میں سے ایک یہودی نے کہا اس کو قتل کر ڈالو، دوسرے نے دریافت کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہ سعدیہ نے کہا نہیں، یہ (اپنے شوہر کی طرف اشارہ کرکے) اس کا باپ ہے اور میں اس کی ماں ہوں، یہودیوں نے کہا اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے، جب یہ واقعہ پیش آیا تو حلیمہ آپ کرلے کر چلی گئیں اور کہنے لگیں قریب تھا کہ میں اپنی امانت ہی کو خراب اور ضائع کر چکی تھی۔ [۱]

پہلی روایتوں کا ماخذ واقدی کی ناتمام سلسلے کی داستانیں ہیں، جبکہ دوسری روایت موقوف ہے۔

ابو نعیم نے دلائل میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

فَقَدِمُوا بِهِ عَلَى أُمِّهِ زَائِرِينَ لَهَا وَهُمْ أَحْرَص شَيْءٍ عَلَى مَكَانِهِ؛ لِمَا رَأَوْا مِنْ عِظَمِ بَرَكَتِهِ فَلَمَّا كَانُوا بِوَادِي السُّرَرِ لَقِيَتْ نَفَرًا مِنَ الْحَبَشَةِ وَهُمْ خَارِجُونَ مِنْهَا فَرَافَقَتْهُمْ، فَسَأَلُوهَا، فَنَظَرُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَظَرًا شَدِيدًا، ثُمَّ نَظَرُوا إِلَى خَاتَمِ النُّبُوَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ وَإِلَى حُمْرَةٍ فِي عَيْنَيْهِ، فَقَالُوا: يَشْتَكِي أَبَدًا عَيْنَيْهِ لِلْحُمْرَةِ الَّتِي فِيهِمَا؟ قَالَتْ: لَا، وَلَكِنْ هَذِهِ الْحُمْرَةُ لَا تُفَارِقُهُ، فَقَالُوا: هَذَا وَاللَّهِ نَبِيٌّ، فَغَالَبُوهَا عَلَيْهِ فَخَافَتْهُمْ أَنْ يَغْلِبُوهَا فَمَنَعَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ

جب حلیمہ آپ کو مکہ سے لے کر روانہ ہوئیں تو ایک وادی میں پہنچ کر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے، حلیمہ ان کے ساتھ ہو گئیں، انہوں نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ کی نسبت کچھ دریافت کیا اس کے بعد آپ کو خوب غور سے دیکھنا شروع کیا، دونوں مونڈھوں کے بیچ مہر نبوت تھی وہ دیکھی، آپ کی آنکھوں میں تھوڑی سرخی تھی اس کو دیکھتے رہے (آپ ﷺ اکحل العینین تھے، یعنی آپ کی آنکھوں میں سپیدی کی جگہ خوب گہری سپیدی اور سیاہی کی جگہ خوب گہری سیاہی تھی، ایسی آنکھیں بڑی حسین تصور کی جاتی ہیں، آنکھوں میں سرخی کا ہونا حسن کی علامت نہیں) پھر پوچھا کہ کیا بچے کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے یا ہمیشہ سے اسی طرح ہے، حلیمہ سعدیہ نے کہا نہیں ہمیشہ سے اسی طرح ہے، انہوں نے کہا اللہ کی قسم یہ پیغمبر ہے یہ کہہ کر انہوں نے چاہا کہ بچے کو حلیمہ سعدیہ سے چھین لیں لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت کی۔ [۲]

(اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف و کمزور ہے، راوی مجہول الحال لوگ ہیں۔ [۳]

بادلوں کا سایہ کرنا:

وَكَانَتْ حَلِيمَةُ بَعْدَ رُجُوعِهَا مِنْ مَكَّةَ لَا تَدَعُهُ أَنْ يَذْهَبَ مَكَانًا بَعِيدًا، فَغَفَلَتْ عَنْهُ يَوْمًا فِي الظَّهِيرَةِ، فَخَرَجَتْ تَطْلُبُهُ حَتَّى تَجِدَهُ مَعَ أُخْتِهِ، فَقَالَتْ: فِي هَذَا الْحَرِّ؟ فَقَالَتْ أُخْتُهُ: يَا أُمَّهْ، مَا وَجَدَ أَخِي حَرًّا، رَأَيْتُ غَمَامَةً تُظِلُّ عَلَيْهِ، إِذَا وَقَفَ وَقَفَتْ، وَإِذَا سَارَ سَارَتْ، حَتَّى انْتَهَى إِلَى هَذَا الْمَوْضِعِ

---

[۱] ابن سعد ۱/۹۱

[۲] دلائل النبوة لابی نعیم ۱/۱۵۹

[۳] سیرت النبی ۳/۴۲۵

حلیمہ سعدیہ مکہ سے لوٹنے کے بعد محمد ﷺ کو دور جانے کیلئے نہ چھوڑتی لیکن ایک دفعہ دوپہر کے وقت جبکہ وہ آپ کی طرف سے غافل تھی (آپ باہر نکل گئے) تو تلاش کرنے کے لیے نکلی دیکھا کہ وہ اپنی (رضاعی) بہن کی معیت انہیں پایا، تو کہنے لگی: اس دھوپ میں کیا کر رہے ہو؟ بیٹی بولی، امی جان! میں نے بھائی کو دھوپ میں نہیں پایا، میں نے دیکھا کہ ایک بادل دیکھا جو ان پر سایہ کیے رہا، جب وہ چلتے تو وہ بھی چلتا جب آپ ٹھہر جاتے تو وہ بھی ٹھہر جاتا یہاں تک کہ اس مکان پر آپہنچے۔ [1]

ثُمَّ رَأَتْ غَمَامَةً تُظِلُّهُ إِذَا وَقَفَ وَقَفَتْ. وَإِذَا سَارَ سَارَتْ. فَأَفْزَعَهَا ذَلِكَ أَيْضًا مِنْ أَمْرِهِ. فَقَدِمَتْ بِهِ إِلَى أُمِّهِ لِتَرُدَّهُ وَهُوَ ابْنُ خَمْسِ سِنِينَ

کچھ دن گزرے تھے کہ حلیمہ سعدیہ نے دیکھا کہ ایک بادل آپ ﷺ پر سایہ ڈالے ہوئے ہے، جب آپ ٹھہر جاتے ہیں تو وہ بھی ٹھہر جاتا ہے اور جب چلتے ہیں تو وہ بھی چلتا ہے، حلیمہ اس بات سے بھی ڈریں اور آپ ﷺ کو لے کر چلیں کہ آپ کو آپ کی والدہ کے حوالے کر دیں، اس وقت آپ پانچ سال کے تھے۔ [2]

یہ واقعہ دو طریقوں سے ہے ایک میں صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اس کے آگے کوئی نام نہیں، دوسرے طریق میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطا سے اور عطا نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے سنا، اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتبر ہے۔ [3]

واقعہ شق الصدر

علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ سیرت النبی میں شق صدر کے بارے میں لکھتے ہیں، شق الصدر کا واقعہ جو ہر سیرت کی کتاب میں لکھا جاتا ہے ابن ہشام ۱۶۵، ۱/۱۶۴ کے مطابق تیسرے سال واقع ہوا تھا لیکن عام مورخین کے مطابق یہ واقعہ حلیمہ سعدیہ کے قبیلہ بنو سعد میں چوتھے یا پانچویں سال میں پیش آیا،

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ جِبْرِيلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ، فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ، فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً، فَقَالَ: هَذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ، ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ لَأَمَهُ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ، وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ يَعْنِي ظِئْرَهُ فَقَالُوا: إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ، فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو پکڑا اور چت لٹادیا اور پھر آپ کا سینہ مبارک چیر کر دل نکالا، پھر دل میں سے خون کی ایک پھٹکی باہر نکالی اور کہا یہ تمہارے

---

[1] عیون الاثر ۱/۴۵، الخصائص الکبریٰ ۱/۱۰۰، ابن سعد ۱/۱۲۱

[2] ابن سعد ۱/۹۰

[3] سیرت النبی ۳/۴۲۵

جسم میں اتنا حصہ شیطان کا تھا، پھر سونے کے ایک طشت میں قلب اطہر کو آب زمزم سے دھویا پھر اس کو جوڑ کر اس کے مقام پر رکھ دیا، بچوں نے جو یہ واقعہ دیکھا تو ڈر گئے اور چیختے چلاتے آپ کی رضاعی والدہ کو خبر کرنے کے لئے دوڑ لگا دی، جب ان کے قریب پہنچے تو زور زور سے کہنے لگے بیشک محمد قتل کر دئے گئے، یہ سن کر سب رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف دوڑ پڑے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا (ڈر وخوف سے) آپ کے چہرہ کی رنگت بدلی ہوئی تھی۔[1]

فَالْتَمِسَا (فِيهِ) شَيْئًا لَا أَدْرِي مَا هُوَ

دوسری روایت میں یہ ہے وہ میرے پیٹ میں کوئی چیز تلاش کرتے رہے، معلوم نہیں وہ کیا چیز تھی،

توحلیمہ سعدیہ کے شوہر نے کہا اے حلیمہ! مجھے ڈر ہے کہ اس بچے کو کچھ ہو نہ جائے ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ اس بچے کو اس کے گھر پہنچا دیا جائے، چنانچہ یہ فیصلہ کر کے انہوں نے مکہ جا کر آپ کو ان کی والدہ کے پاس پہنچا دیا جہاں آپ کی پرورش کی ذمہ داری ام ایمن کے سپرد ہوئی،

فَكَانَتْ أُمُّ أَيْمَنَ تَحْضُنُهُ حَتَّى كَبِرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْتَقَهَاثُمَّ أَنْكَحَهَا زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ

ام ایمن آپ کو کھلاتیں یہاں تک کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بڑے ہوئے تو انہیں آزاد کر دیا تھا، پھر ان کا نکاح زید بن حارثہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے پڑھا دیا۔[2]

جَاءَنِي رَجُلَانِ عَلَيْهِمَا ثِيَابٌ بِيضٌ، فَأَضْجَعَانِي وَشَقَّا بَطْنِي، فَالْتَمِسَا (فِيهِ) شَيْئًا لَا أَدْرِي مَا هُوَ. قَالَتْ: فَرَجَعْنَا (بِهِ) إلَى خِبَائِنَاقَالَتْ: وَقَالَ لِي أَبُوهُ يَا حَلِيمَةُ، لَقَدْ خَشِيتُ أَنْ يَكُونَ هَذَا الْغُلَامُ قَدْ أُصِيبَ فَأَلْحِقِيهِ بِأَهْلِهِ قَبْلَ أَنْ يَظْهَرَ ذَلِكَ بِهِ، قَالَتْ: فَاحْتَمَلْنَاهُ، فَقَدِمْنَا بِهِ عَلَى أُمّه

ابن ہشام میں ہے فرمایا دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آئے اور مجھ کو لٹا کر انہوں نے میرا سینہ چاک کیا اور اس میں کچھ ڈھونڈنے لگے، مجھے نہیں معلوم کہ میرے سینے میں وہ کیا ڈھونڈتے تھے؟ حلیمہ کہتی ہیں پس میں آپ کو گھر پر لائی اور میرے خاوند نے مجھ سے کہا اے حلیمہ! اس بچے کو اس کے گھر پہنچا دینا مناسب ہے کیونکہ اس کے یہاں رہنے سے ہم کو اندیشہ ہے کہ کسی قسم کی خرابی اس کو نہ پہنچے ورنہ ہمیں اس کی جوابدہی کرنی ہوگی، حلیمہ کہتی ہیں پس آپ کو لے کر آپ کی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔[3]

قَالَ أَنَسٌ: وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذَلِكَ الْمَخِيطِ فِي صَدْرِهِ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمانبَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ۴۱۳، مسند احمد۱۲۵۰۶،ابن سعد ۱/۹۰

[2] صحیح مسلم كِتَابُ الْجِهَادِ وَالسِّيَرِ بَابُ رَدِّ الْمُهَاجِرِينَ إِلَى الْأَنْصَارِ مَنَائِحَهُمْ مِنَ الشَّجَرِ وَالثَّمَرِ حِينَ اسْتَغْنَوْا عَنْهَا بِالْفُتُوحِ۴۶۰۳

[3] ابن ہشام ۱/۱۶۴

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سینہ میں سلائی کے نشان کو دیکھا کرتا تھا۔ [۱]

قَالَ أَنَسٌ :وَكُنْتُ أَرَى أَثَرَ الْمَخِيطِ فِي صَدْرِهِ

انس رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت میں ہے سینہ میں سلائی کے نشان ہم کو نظر آتے تھے۔ [۲]

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی ۲۶۸ تا۲۷۸/۳ پر لکھتے ہیں، منجملہ نبوت کے ان خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں شق صدر یا شرح صدر بھی ہے، چنانچہ یہ رتبہ خاص پیش گاہ الٰہی سے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو مرحمت ہوا، شق صدر سے مراد یہ ہے کہ سینہ مبارک کو چاک کر کے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک اور ایمان وحکمت کے نور سے منور کیا گیا، بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر گزری تھی، ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلاف ہے، چنانچہ تمام روایتوں کو جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اس کیفیت کا گزرنا ظاہر ہوتا ہے، ایک جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چار پانچ سال کے تھے اور حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پرورش پا رہے تھے، دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بیس برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب جبرائیل علیہ السلام سب سے پہلی دفعہ وحی لے کر آئے، پانچویں معراج کے موقعہ پر۔

یہ مسئلہ کہ شق صدر واقع ہوا تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں البتہ وقت کے تعیین اور بعض [۳] جزئیات کی تفصیل میں روایتیں مختلف ہیں، تیسری دفعہ کی روایت جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گزرنا بیان کیا گیا ہے محدثین بلکہ خود ارباب سیر [۴] کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے، باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلاف روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے، امام سہیلی صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں ایک دفعہ صغر سنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں،

فِي حَالِ الطُّفُولِيَّةِ لِيُنَقَّى قَلْبُهُ مِنْ مَغْمَزِ الشَّيْطَانِ وَلِيُطَهَّرَ وَيُقَدَّسَ مِنْ كُلِّ خُلُقٍ ذَمِيمٍ ،لِتُفْرَضَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَلِيُصَلِّيَ بِمَلَائِكَةِ السَّمَوَاتِ وَمِنْ شَأْنِ الصَّلَاةِ الطَّهُورُ فَقُدِّسَ ظَاهِرًا وَبَاطِنًا، وَغُسِلَ بِمَاءِ زَمْزَمَ

اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغر سنی میں اس لئے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے آپ کے قلب مبارک سے ذمائم کے حصہ کو نکال دیا جائے اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے، اس لئے تا کہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوۃ کا جو طہارت محض ہے تحمل کیا جائے اور ملائکہ الٰہی کی امامت نماز میں فرما سکیں اور آب زمزم سے دھویا گیا۔ [۵]

لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینہ مبارک کا آلودگیوں سے پاک وصاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہوسکتا ہے اور وہ ایک دفعہ

[۱] صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ ۴۱۳

[۲] مسنداحمد ۱۲۵۰۶

[۳] فتح الباری ۱/۸۹

[۴] زرقانی برمواہب ۱/۱۸۰

[۵] الروض الانف ۲/۱۱۱

پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا،

وَرَجَّحَ عِيَاضٌ أَنَّ شَقَّ الصَّدْرِ كَانَ وَهُوَ صَغِيرٌ عِنْدَ مُرْضِعَتِهِ حَلِيمَةَ

اس بنا پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاض وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں اور وہ صغر سنی میں جب آپ ﷺ حلیمہ کے یہاں پرورش پا رہے تھے اور معراج کے موقع پر شق صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں۔ [۱]

لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ شق صدر کی روایت جن طریق کے ساتھ آئی ہے ان میں سب سے صحیح سب سے مستند اور معتبر طریق وہی ہے جس میں اس کا شب معراج میں ہونا بیان ہوا ہے، اس لئے اس موقع کو راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصول روایت سے صحیح نہیں۔

شق صدر کی ضعیف روایتیں

اصل یہ ہے کہ شق صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا مکرر اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کر دینے سے نہیں ہو سکتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے اور قسطلانی رحمہ اللہ اور زرقانی رحمہ اللہ نے اس کی تقلید کی ہے بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلہ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت وضعف پر بھی تنقید کی جائے، دس برس کے سن میں شق صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ ﷺ پر نبوت کی یہ علامت طاری ہوئی، حسب ذیل ہے۔

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَرِيصًا أَنْ يَسْأَلَهُ عَنِ الَّذِي لَا يَسْأَلُهُ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَوَّلُ مَا ابْتُدِئْتَ بِهِ مِنْ أَمْرِ النُّبُوَّةِ؟ فَقَالَ: إِذْ سَأَلْتَنِي إِنِّي لَفِي صَحْرَاءَ أَمْشِي ابْنَ عَشْرِ حِجَجٍ إِذَا أَنَا بِرَجُلَيْنِ فَوْقَ رَأْسِي يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: أَهُوَ هُوَ؟قَالَ: نَعَمْ، فَأَخَذَانِي فَلَصَقَانِي بِحَلَاوَةِ الْقَفَا ثُمَّ شَقَّا بَطْنِي فَكَانَ جِبْرِيلُ يَخْتَلِفُ بِالْمَاءِ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ وَكَانَ مِيكَائِيلُ يَغْسِلُ جَوْفِي،فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: افْلِقْ صَدْرَهُ فَإِذَا صَدْرِي فِيمَا أَرَى مَفْلُوقًا لَا أَجِدُ لَهُ وَجَعًا ثُمَّ قَالَ: اشْقُقْ قَلْبَهُ فَشَقَّ قَلْبِي، فَقَالَ: أَخْرِجِ الْغِلَّ وَالْحَسَدَ مِنْهُ، فَأَخْرَجَ شِبْهَ الْعَلَقَةِ فَنَبَذَهُ ،ثُمَّ قَالَ: أَدْخِلِ الرَّأْفَةَ وَالرَّحْمَةَ فِي قَلْبِهِ فَأَدْخَلَ شَيْئًا كَهَيْئَةِ الْفِضَّةِ ثُمَّ أَخْرَجَ ذَرُورًا كَانَ مَعَهُ فَذَرَّ عَلَيْهِ ثُمَّ نَقَرَ إِبْهَامِي ،ثُمَّ قَالَ: اغْدُ فَرَجَعْتُ بِمَا لَمْ أَغْدُ بِهِ مِنْ رَحْمَتِي عَلَى الصَّغِيرِ وَرِقَّتِي عَلَى الْكَبِيرِ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے نبوت کی ابتدائی نشانیاں پوچھیں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے، ان میں سے ایک بولا یہ وہی ہیں، دوسرے نے اس کی تائید کی، پھر دونوں نے مجھے پکڑ کر پیٹھ کے بل پچھاڑ کر میرے پیٹ کو چاک کیا، ان میں ایک جبریل علیہ السلام ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا ہے اور دوسرے میکائیل اس پانی سے پیٹ کو دھوتے رہے، پھر ان میں سے ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو تو اچانک میں نے دیکھا کہ میرا سینہ چاک ہے مگر مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں

---

[۱] فتح الباری ۱/۴۶۰، شرح الزرقانی علی المواہب ۵/۵۵۳

ہوئی، پھران میں سے ایک بولادل کوچاک کرو، دوسرے آدمی نے دل چاک کردیا، پھراس نے کہااس میں سے کینہ اورحسد نکال دو، تواس نے دل میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز نکال دی، پھرایک بولااس میں رحمت ومہربانی رکھ دو، تواس نے دل میں چاندی کی سی کوئی چیز رکھ دی، پھراس نے اپنے پاس سے چند گھنڈیاں نکالیں اور میرے سینہ پر لگادیں، پھر میرے انگوٹھے کو دبا کر مجھے کہا، جاؤ جب میں لوٹا تواپنے اندر وہ لے کرلوٹا جولے کر نہیں آیا تھا یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں پر نرمی۔ [1]

ان تمام کتابوں میں مرکزی سلسلہ سند ایک ہی ہے یعنی معاذ بن محمد اپنے والد محمد بن معاذ یہ اپنے والد معاذ بن محمد سے اور وہ اپنے دادا ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں،

محدث ابن المدینی اپنی کتاب العلل میں اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں۔

حديث مدني وإسناده مجهول كله ولا نعرف محمدا ولا أباه ولا جده

اس کی سند تمام ترمجہول ہے ہم لوگ محمد اس کے والد اور دادا کو نہیں جانتے ہیں۔ [2]

حافظ ابونعیم نے جہاں یہ حدیث نقل کی ہے صاف لکھ دیا ہے۔

وَهَذَا الْحَدِيثُ مِمَّا تَفَرَّدَ بِهِ مُعَاذُ بْنُ مُحَمَّدٍ وَتَفَرَّدَ بِذِكْرِ السِّنِّ الَّذِي شُقَّ فِيهِ عَنْ قَلْبِهِ

یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے اور وہی اس عمر کی تعیین کے بیان میں جس میں شق صدر ہوا منفرد ہیں (یعنی اس روایت کی کسی اور نے تائید نہیں کی)۔ [3]

بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہ ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کے ساتھ ان ہی الفاظ میں زوائد احمد، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، بیہقی اور مختار ضیاء میں ہے۔ [4]

لیکن اس سلسلہ روایت کا حال آپ سن چکے ہیں کہ وہ معتبر نہیں۔

آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں دلائل ابونعیم، دلائل بیہقی، مسند طیالسی، مسند حارث میں ہیں یہ روایتیں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ہیں، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آغاز وحی والی حدیث صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل صحیح اور محفوظ ہے لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق الصدر کا مطلق ذکر نہیں، اس سے واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے،

عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ، قَالَ: دَخَلْنَا عَلَى عَائِشَةَ

[1] دلائل النبوة لأبی نعیم ۱۶۶، کنز العمال ۳۵۴۳۰

[2] تہذیب التہذیب ۱۰/۱۹۴

[3] دلائل النبوة لابی نعیم ۱/۲۱۹

[4] کنزالعمال ۶/۹۶

علاوہ بریں ابونعیم، بیہقی، طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابوعمران الجونی عن یزید بن بابنوس کہتے ہیں کہ ہم عائشہ کے پاس گئے۔ [۱]

قال أبو حاتم: مجهول

امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ یزید بن بابنوس مجہول ہے۔ [۲]

اور اس سے صرف ابوعمران الجونی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ، ابوعمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے اور وہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہے، معلوم نہیں کہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابوعمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا؟ اس روایت کا جو سلسلہ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بابنوس کے نام سے پر کی گئی ہے،

ثنا حَمَّادٌ، عَنْ أَبِي عِمْرَانَ الْجَوْنِيِّ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ بَابَنُوسَ، عَنْ عَائِشَةَ ۔ [۳]

جو مجہول ہے، علاوہ ازیں ابونعیم کی روایت میں اس کے نیچے داود بن المجر ایک شخص آتا ہے جس کو اکثر محدثین ضعیف بلکہ دروغ گو تک کہتے ہیں، اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں۔

ایک اور روایت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم !جب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں، فرمایا اے ابو ذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا، ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے پھر دس سے پھر سو سے پھر ہزار سے مجھ کو تولا گیا لیکن میرا پلہ بھاری رہا تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں، بعد ازاں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر ہے اس کے بعد ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانے پر مہر کی۔

اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بنو ہوزان میں قیام کے زمانہ سے بہت بعد کا واقعہ ہے،

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ قَالَ: حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عُثْمَانَ الْقُرَشِيُّ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ عَلِمْتَ أَنَّكَ نَبِيٌّ حَتَّى اسْتَيْقَنْتَ؟ فَقَالَ: يَا أَبَا ذَرٍّ أَتَانِي مَلَكَانِ وَأَنَا بِبَعْضِ بَطْحَاءِ مَكَّةَ فَوَقَعَ أَحَدُهُمَا عَلَى الْأَرْضِ، وَكَانَ الْآخَرُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: أَهُوَ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ زِنْهُ بِرَجُلٍ، فَوُزِنْتُ بِهِ فَوَزَنْتُهُ، ثُمَّ قَالَ: فَزِنْهُ بِعَشَرَةٍ، فَوُزِنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ، ثُمَّ قَالَ: زِنْهُ بِمِائَةٍ فَوُزِنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ، ثُمَّ قَالَ: زِنْهُ بِأَلْفٍ فَوُزِنْتُ بِهِمْ فَرَجَحْتُهُمْ، كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَنْتَثِرُونَ عَلَيَّ مِنْ خِفَّةِ

---

[۱] مسند ابی داؤد الطیالسی ۱/۱۳۱

[۲] تہذیب التہذیب ۱۱/۳۱۶

[۳] دلائل النبوۃ لابی نعیم ۱۶۳

الْمِيزَانِ ، قَالَ : فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: لَوْ وَزَنْتَهُ بِأُمَّتِهِ لَرَجَحَهَا

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو کیسے علم ہے کہ آپ نبی ہیں تا کہ مجھے یقین ہو جائے، تو فرمایا اے ابو ذر! میں مکہ کی وادی بطحاء میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے ان میں سے ایک زمین پر جبکہ دوسرے آسمان وزمین کے مابین تھا ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ کیا یہ وہی ہیں؟ اس نے جواباً کہا جی ہاں، تو ایک نے کہا کہ ان کا ایک آدمی کے ساتھ وزن کرو اور میرا وزن کیا گیا تو میں بھاری ہوا پھر ایک نے کہا انہیں دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو، مجھے دس آدمیوں کے ساتھ تولا گیا پھر بھی میں بھاری رہا، پھر اس نے کہا ان کا سو آدمیوں کے ساتھ وزن کرو چنانچہ میرا سو آدمیوں کے ساتھ وزن کیا گیا پھر بھی میں ان پر بھاری رہا، پھر اس نے کہا ان کا ایک ہزار آدمیوں کے ساتھ وزن کرو، میرا ہزار آدمیوں کے ساتھ میرا وزن کیا گیا تو بھی میں بھاری رہا، جیسا کہ میں ان کی طرف دیکھتا ہی رہا کہ وہ ہلکے میزان میں منتشر ہیں، پھر اس نے اپنی ساتھی سے کہا اگر انہیں پوری امت کے ساتھ بھی تولا جائے تو بھی آپ بھاری رہیں گے۔ [۱]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے،

حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ، حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ عُثْمَانَ الْقُرَشِيُّ، عَنْ عُمَرَ بْنِ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ أَبِيهِ، وقال العقيلي: في حديثه وهم واضطراب

ان کے مشترک راوی بہ ترتیب ابو داود، جعفر بن عثمان القرشی، عمر بن عروہ بن زبیر، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جعفر بن عبد اللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تنقید کی ہے کہ اس میں وہم تھا، الفاظ کی صحیح یاداشت نہ تھی اور اضطراب تھا۔ یعنی ایک واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا، پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے۔ [۲]

پھر بعینہ یہی واقعات شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ابو نعیم، ابو یعلٰی اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلا) بچپن کے شق صدر میں بیان کیا ہے جن سے ان کا باہمی تعارض واضح ہے۔

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شق صدر کا ذکر ہے، یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت سے تمام تر خالی ہیں اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجہ اعتبار سے گرا دیتی ہیں۔

○ اس روایت کا سب سے پہلا طریق یہ ہے جہم بن ابی جہم عبد اللہ بن جعفر سے اور عبد اللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ سے راوی ہیں، اس طریق سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل لابی نعیم میں ہے، جہم بن ابی جہم مجہول ہے اور عبد اللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت

[۱] سنن الدارمی ۱۴، دلائل النبوة لابی نعیم ۱۶۷

[۲] میزان الاعتدال ۱/۴۱۴

نہیں اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتا ہے، اس نے کہا کہ عبد اللہ ابن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا، دلائل ابو نعیم میں گو شک مذکور نہیں بلکہ اس میں تصریحا عبد اللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں۔

○ دوسرا طریق واقدی کا ہے، ابن سعد نے اس روایت کا اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے [1] مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں، اس کی تفصیلی سند تک اس میں مذکور نہیں، اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے۔

○ ابو نعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے جو یہ ہے عبد الصمد بن محمد السعدی اپنے والد سے، وہ اپنے والد سے اور وہ اس شخص سے جو حلیمہ کا چرواہا تھا بیان کرتا ہے، یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

○ بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے، اس کا شمار قصہ گو لوگوں میں ہوتا ہے۔

○ ابن عساکر نے شداد رضی اللہ عنہ بن اوس کے واسطے سے ایک نہایت طویل داستان نقل کی ہے جس میں مذکور ہے کہ قبیلہ بنی عامر کے ایک بوڑھے شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے ابتدائی حالات دریافت کئے، اور آپ نے پورا حال بیان فرمایا، منجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شق صدر کا بیان کیا لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو غریب (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں، اس کے سوا اس کے سلسلہ سند کے بیچ میں ایک بے نام و نشان راوی ہے، اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی ابو العجفا ہے جو شداد رضی اللہ عنہ بن اوس سے سننا بیان کرتا ہے،

قال البخاري: في حديثه نظر.

امام بخاری نے اس کی نسبت لکھا ہے اس کی حدیث بحث طلب ہے،

وقال أبو أحمد الحاكم: ليس حديثه بالقائم.

امام حاکم رحمہ اللہ کہتے ہیں اس کی حدیث ٹھیک نہیں۔ [2]

○ شداد رضی اللہ عنہ بن اوس سے مکحول شامی کے واسطہ سے ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا مگر اس میں کمی یہ ہے کہ، مکحول اور شداد رضی اللہ عنہ بن اوس کے درمیان میں ایک راوی چھوٹ گیا ہے یا چھوڑ دیا گیا ہے ، یعنی روایت منقطع ہے کیونکہ مکحول نے شداد رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا ہے، مکحول شامی تدلیس میں بدنام تھا یعنی ان کی عادت یہ تھی کہ درمیان میں اگر کوئی کمزور راوی آجاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے یا درمیان سے اس کو حذف کر کے اگلے سلسلہ سے جوڑ دیتے تھے، میرا خیال ہے کہ مکحول اور شداد رضی اللہ عنہ کے بیچ میں دراصل وہی ابو العجفاء تھا، مکحول نے یہ دیکھ کر وہ مجروح ہے اس کو درمیان سے نکال دیا ہے اس لئے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے۔

---

[1] ابن سعد ۱/۹۰

[2] تہذیب التہذیب ۱۲/۱۶۵، میزان الاعتدال ۴/۵۵۰

○ عتبہ رضی اللہ عنہ بن عبد السلمی ایک کم سن صحابی ہیں، ان سے ایک ہی سلسلہ سند کے زریعہ سے حاکم، دارمی، ابویعلیٰ، ابن عساکر اور ابن حنبل نے اس واقعہ کی یوں روایت کی ہے۔

أَنَّ رَجُلًا، سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ كَانَ أَوَّلُ شَأْنِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: كَانَتْ حَاضِنَتِي مِنْ بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ فَانْطَلَقْتُ أَنَا، وَابْنٌ لَهَا فِي بَهْمٍ لَنَا، وَلَمْ نَأْخُذْ مَعَنَا زَادًا فَقُلْتُ: يَا أَخِي اذْهَبْ فَأْتِنَا بِزَادٍ مِنْ عِنْدِ أُمِّنَا فَانْطَلَقَ أَخِي، وَكُنْتُ عِنْدَ الْبَهْمِ، فَأَقْبَلَ طَيْرَانِ أَبْيَضَانِ كَأَنَّهُمَا نَسْرَانِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: أَهُوَ هُوَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَأَقْبَلَا يَبْتَدِرَانِي فَأَخَذَانِي فَبَطَحَانِي لِلْقَفَاءِ فَشَقَّا بَطْنِي، ثُمَّ اسْتَخْرَجَا قَلْبِي فَشَقَّاهُ فَأَخْرَجَا مِنْهُ عَلَقَتَيْنِ سَوْدَاوَيْنِ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: حِصْهُ يَعْنِي خُطَّهُ وَاخْتَتِمْ عَلَيْهِ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ اجْعَلْهُ فِي كِفَّةٍ وَاجْعَلْ أَلْفًا مِنْ أُمَّتِهِ فِي كِفَّةٍ فَإِذَا أَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْأَلْفِ فَوْقِي أُشْفِقُ أَنْ يَخِرُّوا عَلَيَّ، فَقَالَا: لَوْ أَنَّ أُمَّتَهُ وُزِنَتْ بِهِ لَمَالَ بِهِمْ ،ثُمَّ انْطَلَقَا وَتَرَكَانِي وَفَرِقْتُ فَرَقًا شَدِيدًا ثُمَّ انْطَلَقْتُ إِلَى أُمِّي فَأَخْبَرْتُهَا بِالَّذِي رَأَيْتُ فَأَشْفَقَتْ أَنْ يَكُونَ قَدِ الْتُبِسَ بِي، فَقَالَتْ أُعِيذُكَ بِاللّٰهِ ،فَرَحَّلَتْ بَعِيرًا لَهَا فَجَعَلَتْنِي عَلَى الرَّحْلِ، وَرَكِبَتْ خَلْفِي حَتَّى بَلَغْنَا أُمِّي فَقَالَتْ أَدَّيْتُ أَمَانَتِي وَذِمَّتِي وَحَدَّثَتْهَا بِالَّذِي لَقِيتُ فَلَمْ يَرُعْهَا ذَلِكَ فَقَالَتْ: إِنِّي رَأَيْتُ خَرَجَ مِنِّي نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ

ایک آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی نبوت کا سب سے پہلے علم کیسے ہوا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرا رہا تھا اور کھانا ہمارے ساتھ نہ تھا، میں نے اسے ماں (حلیمہ سعدیہ) کے پاس کھانا لانے کے لئے بھیجا، اس کے جانے کے بعد گدھ کی طرح کے دو پرندے میرے قریب آئے، ایک نے دوسرے سے کہا کیا یہی ہیں، دوسرے نے کہا ہاں، پھر دونوں نے مجھے جھپٹ کر پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور ٹھنڈے پانی اور برف سے دھویا یہ حاکم کے الفاظ ہیں، دارمی وغیرہ میں اس کے بعد اتنا اضافہ ہے کہ دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تسکین قلبی لاؤ، چنانچہ اس کو لا کر اس نے میرے سینے پر چھڑک دیا، پھر دونوں مجھے چھوڑ کر چلے گئے، میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور سارا حال کہہ سنایا، وہ یہ سن کر ڈر گئیں کہ بچے کی عقل ٹھیک نہیں رہی، اس نے کہا میں تم کو اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں، پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائیں، میری والدہ نے کہا تم نے پوری طرح امانت ادا کی، حلیمہ نے میرا سارا حال اور اپنا خوف بیان کیا، لیکن والدہ نے یہ واقعہ سن کر کوئی خوف و تعجب نہیں کیا بلکہ فرمایا جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا تھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ [1]

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلہ کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے جس کو گو بذات خود بعضوں نے ثقہ کہا ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے

---

[1] مستدرک حاکم ۴۲۳۰

کہ وہ سخت بے احتیاط تھا،

قال ابن المبارك: صدوقلكن يكتب عمن أقبل وأدبر،قال ابن عيينة: لا تسمعوا من بقية ما كان في سنة واسمعوا منه ما كان في ثواب وغيره،وقال أبو حاتم: يكتب حديثه ولا يحتج به، قال النسائي: إذا قال حدثنا وأخبرنا فهو ثقة وإذا قال عن فلان فلا يؤخذ عنه لأنه لا يدري عمن أخذه ، قال ابن عدي: وبقية يخالف في بعض حديثه الثقات.أحمد بن حنبل يقول توهمت أن بقية لا يحدث المناكير إلا عن المجاهيل، فإذا هو يحدث المناكير عن المشاهير، فعلمت من أين أتى قلت: أتي من التدليس، قال أبو أحمد الحاكم: ثقة في حديثه إذا حدث عن الثقات لا يعرف لكنه ربما روى عن أقوام مثل الأوزاعي،قال الخطيب :في حديثه مناكير إلا أن أكثرها عن المجاهيل وكان صدوقا قال ابن القطان: بقية يدلس عن الضعفاء ويستبيح ذلك

ابن مبارک کہتے ہیں وہ راست گو ہے مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا،ابن عیینہ کہتے ہیں بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو، ثواب (فضائل) کی روایتیں لے لیا کرو،امام ابن حنبل اور امام یحییٰ کا قول ہے کہ اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر ورنہ مت کرو،ابوحاتم کہتے ہیں اس کی حدیث لکھی جائے مگر وہ دلیل میں نہ پیش کی جائے،امام نسائی فرماتے ہیں جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن کر کے بیان کرے تو نہ لو (یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ میں طریق عن عن ہی ہے) ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں،امام احمد بن حنبل ایک شخص سے فرماتے ہیں میں سمجھتا تھا کہ بقیہ مجھول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے لیکن دیکھا تو وہ مشہور لوگوں سے بھی اس قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے، تم نے جانا کہ وہ کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟ مخاطب نے جواب دیا ہاں تدلیس کے ذریعہ سے (یعنی درمیان کے کمزور راوی کو حذف کر کے آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابواحمد حاکم کہتے ہیں کہ اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ ایسی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں اور اس کی صورت یہ ہے کہ درمیان کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے، خطیب کہتے ہیں کہ اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں، گو وہ بذات خود راست گو تھا،ابن قطان کا قول ہے کہ وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کر کے بیان کرتا ہے اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے، یہ الزام اگر اس پر سچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔ [1]

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم:

بچپن میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلہ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت البنانی انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم، مسند احمد،ابن سعد اور دلائل ابونعیم میں ایک ہی سلسلہ سند سے مذکور ہے یعنی انس رضی اللہ عنہ سے۔

حَدَّثَنَا ثَابِتٌ الْبُنَانِيُّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاهُ جِبْرِيلُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَهُ فَصَرَعَهُ، فَشَقَّ عَنْ قَلْبِهِ، فَاسْتَخْرَجَ الْقَلْبَ، فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ عَلَقَةً، فَقَالَ: هَذَا حَظُّ

[1] ميزان الاعتدال ۱/۳۳۱تا۱/۳۳۹،تهذيب التهذيب ۱/۴۷۳تا۱/۴۷۸

الشَّيْطَانِ مِنْكَ، ثُمَّ غَسَلَهُ فِي طَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ لَأَمَهُ، ثُمَّ أَعَادَهُ فِي مَكَانِهِ، وَجَاءَ الْغِلْمَانُ يَسْعَوْنَ إِلَى أُمِّهِ يَعْنِي ظِئْرَهُ فَقَالُوا: إِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ، فَاسْتَقْبَلُوهُ وَهُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ ، قَالَ أَنَسٌ: وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذَلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ.

ثابت البنانی اور ان سے حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، جبرائیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھاڑا اور دل کو چیر کر اس میں سے جمے ہوئے خون کا ایک لوتھڑا نکالا اور کہا کہ یہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا پھر اس دل کو سونے کے طشت میں زم زم کے پانی سے دھویا پھر اسے جوڑ کر اس جگہ میں رکھ دیا، بچوں نے جو یہ واقعہ دیکھا تو ڈر گئے اور چیختے چلاتے آپ کی رضاعی والدہ کو خبر کرنے کے لئے دوڑ لگا دی، جب ان کے قریب پہنچے تو زور زور سے کہنے لگے بیشک محمد قتل کر دئے گئے ہیں، یہ سن کر سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا آپ کے چہرہ کی رنگت بدلی ہوئی تھی، دریافت کرنے پر آپ نے پوری سرگزشت کہہ سنائی، انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں سینہ میں سلائی کے نشان کو دیکھا کرتا تھا۔ [1]

یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے یعنی یہ کہ مجھ کو نظر آتے تھے کی جگہ پر یہ ہے

وَكُنْتُ أَرَى أَثَرَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ

ہمیں سینہ میں سلائی کے نشان نظر آتے تھے۔ [2]

اس سلسلہ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شق صدر کی جتنی بھی روایات ہیں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، جن کے دوسرے راوی تابعین میں انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے قتادہ، زہری، شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں، ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں سلیمان بن مغیرہ اور حماد بن سلمہ۔ حماد بن سلمہ کے علاوہ اور جو طریق اوپر مذکور ہوئے ان سب میں معراج کے آغاز میں شق صدر کا ذکر ہے، لیکن حماد بن سلمہ اپنی روایت میں معراج کے سلسلہ میں شق صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں حالانکہ انس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں کوئی بلکہ حماد کے دوسرے ہم درس طلبہ میں سے کوئی ان کی تائید نہیں کرتا، غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث حماد بن سلمہ کے واسطہ سے نقل نہیں کی، حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس کا حافظہ اخیر عمر میں خراب ہو گیا تھا اس وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے روایات نہیں لیں، امام مسلم رحمہ اللہ اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ہیں انہی کو چن کر اپنی کتاب میں لائے ہیں، میرا میلان تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت بھی اس کے حافظہ خراب ہونے کے زمانہ کی ہے، انہوں

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ ۴۱۳

[2] مسند احمد ۱۲۵۰۶

نے تمام معتبر راویوں کے خلاف شق صدر اور معراج کے مشترک واقعہ کو رد کر دیا، میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم رحمہ اللہ بھی اپنی ترتیب بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شق صدر کو دو الگ الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے، چنانچہ واقعات معراج کے ذکر میں امام مسلم رحمہ اللہ یہ کرتے ہیں کہ پہلے انس رضی اللہ عنہ سے ثابت کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں معراج کے شق صدر کا ذکر نہیں پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے جس میں شق صدر کے ساتھ معراج کا ذکر ہے، اس کے بعد حماد بن سلمہ کی وہ روایت ہے جس میں تنہا بچپن کے شق صدر کا تذکرہ ہے بعد ازاں انس رضی اللہ عنہ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں جس میں شق صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے، حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کسی بھی عمر میں گزری ہو مگر بہر حال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا گزشتہ تمام مستند اور مجروح روایتوں میں حسد، بغض، حصہ شیطانی، سکینت، تسلی، رحمت، شفقت، ایمان اور حکمت وغیرہ جن امور کا سینہ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں،

بایں ہمہ حماد بن سلمہ، انس رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے کہتے ہیں۔

وَقَدْ كُنْتُ أَرَى أَثَرَ ذَلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ

آپ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو نظر آتے تھے۔ (۱)

وَكُنْتُ أَرَى أَثَرَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ

یا ہمیں سینہ میں سلائی کے نشان نظر آتے تھے۔ (۲)

اگر یہ جسمانی واقعہ بھی تھا تو انس رضی اللہ عنہ بن مالک کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد بن سلمہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں یہ مذکور نہیں، علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل شمائل کا ایک ایک حرف، جسم اطہر کے ایک ایک خد وخال کی مکمل کیفیت صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیان کی ہے مگر کسی نے بھی سینہ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا ذکر نہیں کیا ایسی حالت میں اس واقعہ کو کیوں کر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

دو دفعہ شق صدر ہونا اس کی دلیل

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد بن سلمہ کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہوتا تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینہ مبارک سے حصہ شیطانی جو ہر انسان کے اندر رہے اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے، ابھی علم وحکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہوئی تو وہ دھو کر علم وحکمت سے معمور کیا گیا جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ ۴۱۳

(۲) مسند احمد ۱۲۵۰۶

شق صدر کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت حالت معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے،

حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَيْنَا أَنَا عِنْدَ البَيْتِ بَيْنَ النَّائِمِ، وَاليَقْظَانِ وَذَكَرَ: يَعْنِي رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ، مُلِئَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا فَشُقَّ مِنَ النَّحْرِ إِلَى مَرَاقِّ البَطْنِ، ثُمَّ غُسِلَ البَطْنُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ مُلِئَ حِكْمَةً وَإِيمَانًا وَأُتِيتُ بِدَابَّةٍ أَبْيَضَ، دُونَ البَغْلِ وَفَوْقَ الحِمَارِ ،البُرَاقُ، فَانْطَلَقْتُ مَعَ جِبْرِيلَ۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ مالک بن صعصعہ سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ایک دفعہ بیت اللہ کے قریب نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کے درمیان لیٹے ہوئے ایک تیسرے آدمی کا ذکر فرمایا، اس کے بعد میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو حکمت اور ایمان سے بھرپور تھا، میرے سینے کو پیٹ کے آخری حصے تک چاک کیا گیا، پھر میرا پیٹ زمزم کے پانی سے دھویا گیا اور اسے حکمت اور ایمان سے بھر دیا گیا، اس کے بعد میرے پاس ایک سواری لائی گئی، سفید خچر سے چھوٹی اور گدھے سے بڑی یعنی براق، میں اس پر سوار ہو کر جبریل کے ساتھ چلا۔[1]

شق صدر کی حقیقت

علمائے ظاہر بین اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادھے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینہ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے لیکن صوفیائے حقیقت بین اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام ترغیر متحمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں، چنانچہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں۔

أما شق الصَّدْر وملؤه إِيمَانًا فحقيقته غَلَبَة أنوار الملكية وانطفاء لَهب الطبيعة وخضوعها لما يفِيض عَلَيْهَا من حَظِيرَة الْقُدس

لیکن سینہ کا چاک کرنا اور اس کو ایمان سے بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب ہو جانا اور طبعیت (بشری) کے شعلہ کا بجھ جانا اور عالم بالا سے جو فیضان ہوتا تو اس کے قبول کے لئے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے۔[2]

---

[1] صحیح بخاری کتاب بدئ الخلق بَابُ ذِكْرِ المَلاَئِكَةِ ۳۲۰۷ ،صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ الْإِسْرَاءِ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّمَاوَاتِ، وَفَرْضِ الصَّلَوَاتِ۴۱۶،سنن نسائی کتاب الصلوٰۃ فَرْضُ الصَّلَاةِ , وَذِكْرُ اخْتِلَافِ النَّاقِلِينَ فِي إِسْنَادِ حَدِيثِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ , وَاخْتِلَافِ أَلْفَاظِهِمْ فِيهِ۴۴۹ ،مسند احمد۱۷۸۳۳

[2] حجۃ اللہ البالغۃ۲/۳۲۰

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی اس لئے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہو گا۔

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے جیسا کہ مسلم باب الاسراء میں مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکورہ ہے۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ صَعْصَعَةَ، قَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَشُرِحَ صَدْرِي إِلَى كَذَا وَكَذَا

مالک بن صعصعہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا۔

اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ جامع ترمذی میں ہے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳ [1]

ترجمہ: (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟ اور تم پر سے وہ بھاری بوجھ اتار دیا جو تمہاری کمر توڑ رہا تھا۔

قرآن مجید میں سینہ کھولنے کا لفظ جن مواقع پر آیا ہے ان کو دیکھتے ہوئے اس کے دو معنی لگتے ہیں۔

ایک یہ کہ ہر قسم کے ذہنی خلجان اور تردد سے پاک ہو کر انسان اس بات پر پوری طرح مطمئن ہو جائے کہ اسلام کا راستہ ہی برحق ہے۔

دوسرا یہ کہ آدمی کا حوصلہ بلند ہو جائے، کسی بڑی سے بڑی مہم پر جانے اور کسی سخت سے سخت کام کو انجام دینے میں بھی اسے تامل نہ ہو اور نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کی ہمت اس میں پیدا ہو جائے۔

عربی میں شرح کے لغوی معنی چیرنے پھاڑنے کے ہیں، اسی سے طب کی اصطلاح علم تشریح اور تشریح اجسام نکلی ہے، چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے اس لئے اس سے تشریح امر اور تشریح کلام، شرح بیان اور شرح کتاب وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ،اسی سے ایک اور محاورہ شرح صدر کا پیدا ہوا جس کے معنی سینہ کھول دینے کے ہیں اور کلام عرب میں اس سے مقصود بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا ہوتا ہے، قرآن اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے، موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝۲۵ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۝۲۶ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝۲۷ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝۲۸ [2]

ترجمہ: اس نے عرض کیا پروردگار! میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔

انبیاء علیہم السلام کا علم و فہم انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک و مبرا ہوتا ہے اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثبات دعویٰ کے لئے گزشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیب مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی، القائے ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے، اس کا نام علم لدنی ہے، عربی زبان میں لدن کے معنی پاس و نزدیک کے ہیں، چونکہ یہ علم ان کو کسب و تحصیل کے بغیر اللہ کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے اس لئے عرف عام میں علم لدنی کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں

---

[1] الم نشرح ا تا ۳

[2] طٰہٰ ۲۵ تا ۲۸

خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ (۱)

ترجمہ: اور وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی رحمت سے نوازا تھا اور اپنی طرف سے ایک خاص علم عطا کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾ (۲)

ترجمہ: اے نبی علیہ السلام! اس طرح ہم پچھلے گزرے ہوئے حالات کی خبریں تم کو سناتے ہیں، اور ہم نے خاص اپنے ہاں سے تم کو ایک ذکر (درس نصیحت) عطا کیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے قصہ کے آغاز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ (۳)

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرایہ میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے تو (ان چیزوں سے) تم بالکل ہی بے خبر تھے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾ (۴)

ترجمہ: اور اسی طرح (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے اپنے حکم سے ایک روح تمہاری طرف وحی کی ہے، تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے، مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں، یقیناً تم سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر رہے ہو۔

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہوتا ہے، ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے کہتے ہیں۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ (۵)

ترجمہ: اباجان! میرے پاس (اللہ کی طرف سے) وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا پس آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو (دین کا)

(۱) الکهف ۶۵

(۲) طه ۹۹

(۳) یوسف ۳

(۴) الشوری ۵۲

(۵) مریم ۴۳

سیدھا راستہ بتاؤں گا۔

داود علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾ (۱)

ترجمہ: (دوسری طرف) ہم نے داوٗد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام کو علم عطا کیا اور انہوں نے کہا کہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہم کو اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا کی۔

یوسف علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ (۲)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم عطا کیا، اس طرح ہم نیک لوگوں کو جزا دیتے ہیں۔

یوسف کہتے ہیں۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ... ﴿۳۷﴾ (۳)

ترجمہ: یوسف علیہ السلام نے کہا یہاں جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتادوں گا یہ علم ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کیے ہیں۔

لوط علیہ السلام کے متعلق ہے۔

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا... ﴿۷۴﴾ (۴)

ترجمہ: اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا بخشا۔

سلیمان علیہ السلام اور چند دیگر انبیاء علیہم الاسلام کے ذکر کے بعد ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا... ﴿۷۹﴾ (۵)

ترجمہ: اس وقت ہم نے صحیح فیصلہ سلیمان کو سمجھادیا حالانکہ حکم اور علم ہم نے دونوں ہی کو عطا کیا تھا۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور وفکر، تجربہ وامتحان، تحصیل واکتساب اور جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آجاتی ہیں، صرف فہم وتمثیل کے لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ کبھی کبھی

---

(۱) النمل ۱۵

(۲) یوسف ۲۲

(۳) یوسف ۳۷

(۴) انبیاء ۷۴

(۵) انبیاء ۷۹

شعرائ، مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ یک بیک کھل گیا اور ایک چیز اندر داخل ہوگئی لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے، اس منصب خاص کے سینکڑوں مدارج ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو اولیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ... ﴿۱۲۵﴾ [1]

ترجمہ: پس (یہ حقیقت ہے کہ) جسے اللہ ہدایت بخشنے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہی میں ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور ایسا بھینچتا ہو کہ (اسلام کا تصور کرتے ہی) اُسے یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اس کی روح آسمان کی طرف پرواز کر رہی ہے۔

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے صحیح بخاری میں ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں مشورہ دیا اور بہ اصرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق و مصاحف میں لکھوا دیجئے لیکن سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مخالفت کی اور فرمایا:

كَيْفَ أَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں؟

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر اصرار اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو انکار رہا مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آ گئی، اس موقع پر انہوں نے فرمایا۔

حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدْرِي لِلَّذِي

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے لئے میرا بھی سینہ کھول دیا۔ [2]

مفسر ابن جریر نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے،

قَالُوا: كَيْفَ يُشْرَحُ صَدْرُهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: نُورٌ يُقْذَفُ فِيهِ فَيَنْشَرِحُ لَهُ وَيَنْفَسِحُ ،قَالُوا: فَهَلْ لِذَلِكَ مِنْ أَمَارَةٍ يُعْرَفُ بِهَا؟قَالَ :الْإِنَابَةُ إِلَى دَارِ الْخُلُودِ، وَالتَّجَافِي عَنْ دَارِ الْغُرُورِ، وَالِاسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ الْمَوْتِ

صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا، قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے پھر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد ہوا حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق اور اس

---

[1] الانعام ۱۲۵

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر بَابُ قَوْلِهِ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ، حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۴۶۷۹

فریب کدہ عالم سے دل بر داشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری۔[1]

یہ توحقیقت ہے اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینہ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور وحکمت کا بھرا جانا ہے۔

شرح صدر کے لئے مناسب موقع ومصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہ السلام کو عطیہ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے ان میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم وحکومت اور فیصلہ احکام کے لئے بے غور وفکر کے بدیہی، صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے، چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا جس کے بعد آپ ﷺ کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی اس لئے شرح صدر کے عطیہ کے لئے یہی مناسب موقع تھا، علاوہ ازیں معراج کے حقائق ومناظر جو نفوس نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں ان کے احاطہ کے لئے بھی شرح صدر کی ضرورت تھی۔

والدہ کی وفات

ابن سعد اور ابن اسحاق کے مطابق جب آپ ﷺ چھ سال کے ہوئے، ایک روایت میں ہے چھ سال تین ماہ اور دس دن کے ہوئے[2] اور ابن حزم وابن القیم کے مطابق ابھی آپ کا ساتواں سال پورا نہ ہوا تھا کہ آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ آپ کو اپنے ہمراہ لے کر مدینہ منورہ آپ کی دادی (عبد المطلب کی والدہ) کے خاندان بنی عدی بن نجار سے ملانے کے لئے گئیں، مگر کئی مورخین لکھتے ہیں یہ دور کا رشتہ تھا صرف اتنے سے تعلق کی بنا پر اتنا لمبا سفر اختیار کرنا قیاس میں نہیں آتا، بلکہ مورخین لکھتے ہیں آمنہ درحقیقت اپنے بے وطن متوفی شوہر کی قبر کو دیکھنے کے لئے گئی تھیں، اور اس سفر میں سواری کے لئے دو اونٹ اور عبداللہ کی ترکے میں چھوڑی ہوئی باندی ام ایمن برکہ حبشیہ بھی ان کے ہمراہ تھیں، مدینہ منورہ میں ایک ماہ قیام فرمایا جہاں آمنہ نے آپ کو وہ مکان دکھایا جہاں آپ کے والد عبداللہ فوت ہوئے تھے اور وہ جگہ بھی دکھائی جہاں وہ مدفون تھے، اس سفر کے واقعات آپ ﷺ کو اچھی طرح یاد رہے، اس واقعہ کے ۴۷ برس بعد اللہ کے حکم سے ہجرت فرما کر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ صحابہ کرام کو چھوٹی عمر میں اپنی والدہ کے ہمراہ سفر مدینہ کے حالات سناتے تھے،

لَمَّا نظَرَ إِلَى أُطُمِ بَنِي عَدِيِّ بْنِ النَّجَّارِ عَرَفَهُ وَقَالَ :كُنْتُ أُلاعِبُ أُنَيْسَةَ جَارِيَةً مِنَ الأَنْصَارِ عَلَى هَذَا الأُطُمِ وَكُنْتُ مَعَ غِلْمَانٍ مِنْ أَخْوَالِي نُطَيِّرُ طَائِرًا كَانَ يَقَعُ عَلَيْهِ، وَنَظَرَ إِلَى الدَّارِ فَقَالَ : هَهُنَا نَزَلَتْ بِي أُمِّي وَفِي هَذِهِ الدَّارِ قَبْرَ أَبِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَأَحْسَنْتُ الْعَوْمَ فِي بئر بني عدي ابن النَّجَّارِ

بنی عدی بن نجار کا اطم (مربع گھر) دیکھا تو فوراً پہچان لیا اور فرمایا میں یہاں انصار کی ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور اپنے ننھیالی لڑکوں کے ساتھ ہم ایک چڑیا کو اڑایا کرتے تھے جو اس گھر پر آ کر بیٹھا کرتی تھی، دار النابغہ کو دیکھ کر فرمایا یہاں میں اپنی والدہ کے ساتھ اترا تھا اور اسی گھر میں میرے والد عبداللہ بن عبد المطلب کی قبر ہے، اس گھر میں میری والدہ یہاں بیٹھا کرتی تھیں، میں نے بنی عدی بن نجار کے کنویں

[1] تفسیرطبری ۱۲/۱۰۰ ، مستدرک حاکم ۷۸۶۳

[2] الفصول فی سیرۃ الرسول ازعلامہ ابن کثیر صفحہ ۹۳

میں تیراکی کی خوب مشق کی تھی۔ (١)

پیارے شوہر کی مفارقت کا وہ غم واندوہ جو قبر دیکھنے سے تازہ ہوگیا تھا قلب پر چھا کر اپنا کام کر گیا۔

تُوُفِّيَتْ أُمُّهُ آمِنَةُ بِالأَبْوَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ

مدینہ منورہ سے واپسی میں ابواء کے مقام پر جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تقریبا درمیان میں ہے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ مختصر علالت کے بعد (بیس سال کی عمر میں) اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔ (٢)

اور انہیں وہیں ابواء کے مقام پر ایک چھوٹی سی پہاڑی کی چوٹی پر جہاں زمین کچھ نرم تھی قبر کھود کر دفن کر دیا گیا، ابن سعد کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کو وہ جگہ بھی یاد تھی جہاں آپ کی والدہ دفن ہوئیں،

فَلَمَّا مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمْرَةِ الْحُدَيْبِيَةِ بِالأَبْوَاءِ قَالَ: إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّهِ فَأَتَاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَصْلَحَهُ وَبَكَى عِنْدَهُ ،وَبَكَى الْمُسْلِمُونَ لِبُكَاءِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقِيلَ لَهُ، فَقَالَ: أَدْرَكَتْنِي رَحْمَتُهَا فَبَكَيْتُ

چنانچہ عمرہ حدیبیہ کے موقع پر جب آپ ابواء کے مقام سے گزرے تو فرمایا اللہ نے محمد ﷺ کو اپنی ماں کی قبر پر جانے کی اجازت دے دی ہے، پھر آپ والدہ کی قبر پر آئے، قبر کو درست کیا اور بے اختیار آپ ﷺ رو پڑے، آپ کو دیکھ کر صحابہ کرام بھی رو پڑے، صحابہ نے عرض کیا کہ آپ نے تو رونے سے منع فرماتے ہیں، جواب دیا ان کی ممتا مجھے یاد آگئی اور میں رو دیا۔ (٣)

حبشی خادمہ ام ایمن برکہ نے آپ کو ابواء سے مکہ تک بحفاظت آپ کے دادا عبدالمطلب کے پاس پہنچادیا، ظہور اسلام کے وقت پہلے مشرف اسلام ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی، انہوں نے دوبارہ ایک بار حبشہ کی طرف اور ایک بار مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے ام ایمن میری والدہ کے بعد میری ماں ہیں، رسول اللہ ﷺ ان سے ملنے کے لئے ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے،

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ :انْطَلِقْ بِنَا إِلَى أُمِّ أَيْمَنَ نَزُورُهَا، كَمَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُورُهَا

انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ملاقات کے لئے ہمارے ساتھ چلو، ہم بھی ان سے ملاقات کریں گے جیسے رسول اللہ ﷺ ان سے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے۔ (٤)

---

(١) ابن سعد ٩٤،٩٣/١

(٢) عیون الأثر ٤٧/١

(٣) ابن سعد ٩٤/١

(٤) صحیح مسلم کتاب الفضائل بَابُ مِنْ فَضَائِلِ أُمِّ أَيْمَنَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا ٦٣١٨

عبد المطلب کی کفالت

يَكُونُ مَعَ أُمِّهِ آمِنَةَ بِنْتِ وَهْبٍ. فَلَمَّا تُوُفِّيَتْ قَبَضَهُ إِلَيْهِ جَدُّهُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ وَضَمَّهُ وَرَقَّ عَلَيْهِ رِقَّةً لَمْ يَرِقَّهَا عَلَى وَلَدِهِ. وَكَانَ يُقَرِّبُهُ مِنْهُ وَيُدْنِيهِ. وَيَدْخُلُ عَلَيْهِ إِذَا خَلا وَإِذَا نَامَ، وَكَانَ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ لا يَأْكُلُ طَعَامًا إِلا قَالَ: عَلَيَّ بِابْنِي. فَيُؤْتَى بِهِ إِلَيْه،كَانَ يُفْرَشُ لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فِرَاشٌ وَيَأْتِي بَنُوهُ فَيَجْلِسُونَ حَوَالَي الْفِرَاشِ يَنْتَظِرُونَ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ وَيَأْتِي النَّبِيُّ صلّى الله عليه وسلم وَهُوَ غُلَامٌ جَفْرٌ حَتَّى يَرْقَى الْفِرَاشَ فَيَجْلِسَ عَلَيْهِ، فَيَقُولُ أَعْمَامُهُ: مَهْلًا يَا مُحَمَّدُ عَنْ فِرَاشِ أَبِيكَ فَيَقُولُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ إِذَا رَأَى ذَلِكَ مِنْهُ: إِنَّ ابْنِي لَيُؤْنِسُ مُلْكًا أَوْ أَنَّهُ لَيُحَدِّثُ نَفْسَهُ بِمُلْكٍ دَعُوا ابْنِي إِنَّهُ لَيُؤْنِسُ مُلْكًا

رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ آمنہ بنت وہب کے ساتھ رہتے تھے، جب وہ انتقال کر گئیں تو آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب نے آپ کو اپنی شفقت بھری گود میں لے لیا اور اپنی صلبی اولاد سے بڑھ کر آپ کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آئے، کمال تقریب کا برتاؤ کرتے، ہمیشہ آپ ﷺ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے، عبد المطلب چاہے سو رہے ہوتے یا وہ تخلیہ میں ہوتے آپ ﷺ ہر وقت بے تکلف ان کے پاس چلے جاتے اور ان کے بستر پر بیٹھ جاتے جبکہ ان کی اولاد اپنے والد کی ہیبت کی وجہ سے یہ جرات نہیں کرسکتی تھی، اور عبد المطلب جب کھانا تناول کرنے کے لئے بیٹھتے تو کہتے میرے بیٹے کو میرے پاس لاؤ، جب تک آپ نہ آتے کھانا تناول نہ کرتے، جب آپ آجاتے تب کھانا کھاتے اور کھلاتے، کبھی کبھی تو فرط محبت سے اٹھا کر اپنی پرشفقت گود میں بٹھا لیتے، عبد المطلب کے لئے خانہ کعبہ کے سائے میں ایک خاص مسند بچھائی جاتی تھی عبد المطلب کے ادب کی وجہ سے اس پر کوئی نہیں بیٹھتا تھا بلکہ اس کے ارد گرد بیٹھ جاتے مگر آپ ﷺ جو اس وقت خوب تنومند لڑکے تھے آ کر بے تکلف مسند پر بیٹھ جاتے، یہ دیکھ کر آپ ﷺ کے چچا آپ کو وہاں سے ہٹانا چاہتے اور کہتے اپنے باپ کے بچھونے سے ہٹ کر بیٹھو، مگر عبد المطلب (اور آپ کی غیر معمولی جاذبیت وکشش کو دیکھ کر) کہتے میرے اس بیٹے کو چھوڑ دو میرے بیٹے سے حکومت ومملکت کی بو آتی ہے یا یہ کہتے کہ وہ اپنے جی میں حکومت کی باتیں کر رہا ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے اگر کبھی کوئی آپ ﷺ کو ہٹانے کی کوشش کرتا تو عبد المطلب کہتے

دعوا ابْنِي، فو الله إِنَّ لَهُ لَشَأْنًا، ثُمَّ يُجْلِسُهُ مَعَهُ عَلَى الْفِرَاشِ، وَيَمْسَحُ ظَهْرَهُ بِيَدِهِ، وَيَسُرُّهُ مَا يَرَاهُ يَصْنَعُ

میرے بیٹے کو یوں ہی بیٹھے رہنے دو کیونکہ اللہ کی قسم! اس کی تو شان بڑی نرالی ہے اور ساتھ ہی فرط محبت سے آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرتے اور آپ کے اس انداز شاہانہ اور استغناء کو دیکھ کر خوش ہوا کرتے۔[2]

○ رسول اللہ ﷺ کا ہر کام میں کامیاب وکامران لوٹنا۔

عَنْ كِنْدِيرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: حَجَجْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَإِذَا أَنَا بِرَجُلٍ، يَطُوفُ بِالْبَيْتِ وَهُوَ يَرْتَجِزُ وَيَقُولُ:

---

[1] ابن سعد ١/١٢١، دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ١/١٦٤

[2] ابن ہشام ١/١٦٨

رَبِّ رُدَّ إِلَيَّ رَاكِبِي مُحَمَّدًا رُدَّهُ إِلَيَّ وَاصْطَنِعْ عِنْدِي يَدَا

فَقُلْتُ: مَنْ هَذَا؟ فَقَالُوا: عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ بَعَثَ بِابْنِ ابْنِهِ مُحَمَّدٍ فِي طَلَبِ إِبِلٍ لَهُ وَلَمْ يَبْعَثْهُ فِي حَاجَةٍ، إِلَّا أَنْجَحَ فِيهَا وَقَدْ أَبْطَأَ عَلَيْهِ فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ مُحَمَّدٌ وَالْإِبِلُ فَاعْتَنَقَهُ وَقَالَ: يَا بُنَيَّ لَقَدْ جَزِعْتُ عَلَيْكَ جَزَعًا لَمْ أَجْزَعْهُ عَلَى شَيْءٍ قَطُّ وَاللَّهِ لَا أَبْعَثُكَ فِي حَاجَةٍ أَبَدًا، وَلَا تُفَارِقُنِي بَعْدَ هَذَا أَبَدًا

کندیر بن سعید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں زمانہ جاہلیت میں اسلام سے قبل حج کے لئے مکہ مکرمہ حاضر ہوا، میں نے وہاں ایک شخص کو بیت اللہ کے طواف کے دوران یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا اے میرے پروردگار! میرے سوا محمد کو واپس بھیج اور مجھ پر ایک احسان فرما، میں نے لوگوں سے پوچھا یہ شخص کون ہے؟ لوگوں نے بتلایا یہ عبد المطلب ہیں، ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، اس اونٹ کی تلاش کے لئے انہوں نے اپنے پوتے محمد بن عبد اللہ کو بھیجا ہے کیونکہ جب بھی عبد المطلب نے انہیں کسی کام سے روانہ کیا ہے اس میں وہ کامیاب و کامران ہی لوٹا ہے مگر وہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا، اس لئے عبد المطلب بے چین ہو کر شعر پڑھ رہے ہیں کچھ دیر نہ گزری تھی کہ آپ ﷺ اس اونٹ کی مہار پکڑے واپس آتے نظر آ گئے، دیکھتے ہی عبد المطلب نے آپ کو سینے سے لگا لیا اور کہا بیٹا میں تمہاری وجہ سے بے حد پریشان تھا اب میں تمہیں کبھی اپنے سے جدا نہیں کروں گا۔ [1]

○ قبیلہ بنی مدلج جو قیافہ شناسی میں مشہور تھا۔

وَقَالَ قَوْمٌ مِنْ بَنِي مُدْلِجٍ لِعَبْدِ الْمُطَّلِبِ: احْتَفِظْ بِهِ فَإِنَّا لَمْ نَرَ قَدَمًا أَشْبَهَ بِالْقَدَمِ الَّتِي فِي الْمَقَامِ مِنْهُ ،فقال عَبْدُ الْمُطَّلِبِ لِأَبِي طَالِبٍ: اسْمَعْ مَا يَقُولُ هؤلاء فكان أبو طالب يحتفظ به

قبیلہ بنی مدلج جو قیافہ شناسی میں مشہور تھا کے چند لوگوں نے عبد المطلب سے کہا اس بچے کی خاص حفاظت کرنا کیونکہ ہم نے کوئی نشان قدم ایسا نہیں دیکھا جو مقام ابراہیم پر ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم سے اس قدر مشابہت رکھتا ہو جیسی اس بچے کا نشان قدم ہے، اس موقعہ پر ابو طالب موجود تھے عبد المطلب نے ان سے کہا کہ جو بات یہ لوگ کہہ رہے ہیں اسے غور سے سنو اور اس کی حفاظت کرو، اسی وجہ سے ابو طالب آپ ﷺ کی حفاظت کیا کرتے تھے۔ [2]

یہ بات صرف اس قیافہ شناس ہی کی نہیں تھی آپ کے چچا، پھوپھیاں، دوست احباب آپ ﷺ کی پاکیزہ سیرت کو دیکھ کر یہی کہتے تھے وہ بہت بڑا آدمی بننے والا ہے۔ [3]

○ أَنَّ رَجُلًا مِنْ لَهَبٍ قَالَ ابْنُ هِشَامٍ: وَلَهَبٌ مِنْ أَزْدَشَنُوءَةَ- كَانَ عَائِفًا، فَكَانَ إِذَا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَاهُ رِجَالُ قُرَيْشٍ بِغِلْمَانِهِمْ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَيَعْتَافُ لَهُمْ فِيهِمْ. قَالَ: فَأَتَى بِهِ أَبُو طَالِبٍ وَهُوَ غُلَامٌ، مَعَ مَنْ يَأْتِيهِ، فَنَظَرَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى

[1] مستدرک حاکم ۴۱۸۴، ابن سعد ۱/۹۱، المعجم الکبیر للطبرانی ۵۵۲۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ۲/۲۰، مسند ابی یعلی ۱۴۷۸، عیون الاثر ۱/۴۸

[2] ابن سعد ۱/۹۵

[3] ابن ہشام

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ شَغَلَهُ عَنْهُ شَيْءٌ، فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ : الْغُلَامُ عَلَيَّ بِهِ، فَلَمَّا رَأَى أَبُو طَالِبٍ حِرْصَهُ عَلَيْهِ غَيَّبَهُ عَنْهُ، فَجَعَلَ يَقُولُ : وَيْلَكُمْ، رُدُّوا عَلَيَّ الْغُلَامَ الَّذِي رَأَيْت آنِفا، فو الله لَيَكُونَنَّ لَهُ شَأْنٌ. قَالَ : فَانْطَلَقَ أَبُو طَالِبٍ

(از دشنواہ کی شاخ قبیلہ) بنی لہب میں سے ایک شخص مکہ مکرمہ آیا، یہ شخص علم قیافہ میں ماہر تھا، وہ جب کبھی آتا قریش کے لوگ اپنے بچوں کو لے کر اس شخص کے پاس آئے تا کہ اس سے ان بچوں کے آئندہ حالات معلوم کریں، ابوطالب بھی آپ ﷺ کو لے کر اس کے پاس آئے، اس قیافہ شناس شخص نے آپ ﷺ کو ایک نظر دیکھا مگر پھر کسی اور طرف مشغول ہو گیا جب وہ ادھر سے فارغ ہوا تو اس نے کہا اس لڑکے کو لاؤ جسے ابھی تھوڑی دیر قبل میں نے دیکھا تھا، اس کو مجھ سے جلد ملاؤ، وہ لڑکا ہونہار معلوم ہوتا ہے اور ضرور اس کی شان ظاہر ہو گی ،ابوطالب نے جب دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کو دیکھنے کی بڑی بے تابی کا اظہار کر رہا ہے تو انہوں نے آپ ﷺ کو غائب کر دیا۔[1]

لیکن دادا کی یہ محبت و شفقت آپ ﷺ کو زیادہ دیر تک میسر نہ رہی، آپ ﷺ کی دو سال کفالت کے بعد جبکہ واقعہ الفیل کو آٹھ یا نو سال گزر چکے تھے، مختلف اقوال کے مطابق عبدالمطلب بیاسی، پچاسی، ایک سو دس، ایک سو بیس کی عمر میں ۵۷۸ء کو انتقال کر گئے اور حجون میں اپنے دادا قصیٰ کی قبر کے قریب مدفون ہوئے، ان کی موت نے بنو ہاشم کا جو رتبہ امتیاز تھا دفعتہ گھٹا دیا اور دینوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آ گیا، اور امیہ کا نامور فرزند حرب عبدالمطلب کی مسند پر جا بیٹھا صرف سقایہ کا عہدہ عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے عباس رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہا۔

قَالَتْ أُمُّ أَيْمَنَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ يَبْكِي خَلْفَ سَرِيرِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ام ایمن کہتی ہیں جب عبدالمطلب کا انتقال ہوا تو میں نے دیکھا آپ ﷺ عبدالمطلب کے تابوت کے پیچھے پیچھے رو رہے تھے۔[2]

وسئل رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتذكر موت عبد المطلب؟قال: نعم، أنا يومئذ ابن ثماني سنين.

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو عبدالمطلب کی وفات یاد ہے، آپ نے فرمایا میری عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی۔[3]

ایک روایت میں ہے اس وقت آپ کی عمر آٹھ سال دو ماہ اور دس دن کی تھی۔[4]

ابوطالب کی کفالت

عبدالمطلب کی وفات کے بعد سقایہ کا منصب عبدمناف (ابوطالب) کو ملا مگر کیونکہ یہ عیال دار تھے اور اپنی معذوری کی وجہ سے تجارتی سفر نہ کر سکتے تھے، بس مکہ میں ہی عطر بنا کر فروخت کر دیا کرتے تھے اس بنا پر مالدار نہ تھے اور اپنی گھریلو ضروریات کو پورا کرنے کے لئے یہ

---

[1] ابن ہشام۱۷۹/۱

[2] ابن سعد ۹۵/۱

[3] ابن سعد۹۵/۱،دلائل النبوة لابی نعیم ۱۲۶، ۱۰۳/۱

[4] البداية والنهاية

اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ سے قرض لے لیا کرتے تھے جسے یہ ادا نہ کر سکے اور شرط کے مطابق انہیں سقایہ کا منصب اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دینا پڑا جو زمانہ اسلام میں بھی ان کے پاس رہا،

لأن أبا طالب كان كثير العيال، فقير الحال

احمد غلوش اور منیر محمد العضبان لکھتے ہیں ابو طالب کثیر العیال اور فقیر الحال تھے۔ (١) تاریخوں اور سیرت کی کتابوں میں لکھا جاتا ہے کہ عبد المطلب کے انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت آپ کے چچا عبد مناف (اپنے بڑے بیٹے طالب کی وجہ سے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عمر تھا اور آپ سے بہت محبت کرتا تھا کنیت ابو طالب اتنی مشہور ہوئی کہ اصل نام دب گیا، قریش مکہ جب جنگ بدر کے لئے گئے تو مجبور کر کے طالب کو بھی لڑنے کے لئے ساتھ لے گئے مگر اس نے جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا بعد میں نہ وہ زخمیوں میں ملا نہ مقتولوں میں اور نہ ہی واپس مکہ پہنچا اس کا کچھ پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں گم ہو گیا) نے کی، اس سلسلے میں ہم کچھ تاریخی مواد پیش کرتے ہیں فیصلہ آپ خود کر لیں کہ کفالت کس نے کی۔

جب عبد المطلب فوت ہوئے اس وقت ان کے چھ بیٹے زندہ تھے، زبیر، حارث، عبد مناف (ابو طالب) عبد العزیٰ (ابو لہب) عباس رضی اللہ عنہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ۔ زبیر، عبد اللہ اور عبد مناف تینوں ایک ماں فاطمہ بنت عمرو کے بطن سے سگے بھائی تھے، ان میں زبیر سب سے بڑے اور اپنے زمانہ کے تاجر اور صاحب ثروت شخص تھے،

وَالزُّبَيْرَ. وَكَانَ شَاعِرًا شَرِيفًا. وَإِلَيْهِ أَوْصَى عَبْدُ الْمُطَّلِبِ

زبیر شاعر اور باعزت شخص تھے اور ان ہی کو عبد المطلب نے اپنا وصی کیا تھا۔ (٢)

لیکن زبیر بن عبد المطلب تو وہ قریش کے معزز اور باوقار سرداروں میں سے تھا۔ (٣)

عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بن هاشم. و الزبير بن عَبْدِ الْمُطَّلِبِ.و أبو طالب بن عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

بنی ہاشم میں عبد المطلب کے بعد زبیر اور ان کے بعد عبد مناف (ابو طالب) سردار ہوئے۔ (٤)

الزّبير بن عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فكان من رجالات قريش

زبیر بن عبد المطلب قریش کے جواں مردوں میں سے تھے۔ (٥)

وكان الزبير أحد حكام قريش

اور زبیر قریش کے ایک سردار تھے۔ (٦)

---

(١) السيرةالنبوية والدعوة في العهد المكي١/٢٠٦،المنهج الحركى للسيرة النبوية١/٤١

(٢) ابن سعد١/٧٥

(٣)شرح ابن ابى الحديد

(٤) المحبر١/١٣٢

(٥) المعارف١/١٢٠

(٦) انساب الاشراف للبلاذرى ١/٨٨

فكان في بني هاشم :الزُّبَيْرِ، وأبوطَالِبٍ،وَحَمْزَةَ، والْعَبَّاسَ بنوعَبْدُ الْمُطَّلِبِ
حرب بن امیہ کے مرنے کے بعد جب عہدوں کی تقسیم ہوئی تو ہاشمی خاندان میں بالترتیب زبیر، ابوطالب، حمزہ رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ سردار ہوئے۔ (١)

كفله الزُّبَيْرِ حين مات عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، ثم كفله أبوطَالِبٍ : أي بعد موت الزُّبَيْرِ
عبدالمطلب کی وفات کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت زبیر نے کی اور ان کی موت کے بعد ابوطالب نے کفالت کی۔ (٢)

ولرَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من العمر نيف وعشرون سنة
جب ۵۸۱ عیسوی میں جنگ فجار ہوئی جس میں تقریباً بعمر بیس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے تھے۔ (٣)
اس جنگ میں بنوہاشم کے سردار زبیر تھے۔ (٤)
ابوطالب کا اس لڑائی میں کہیں ذکر نہیں، شرح ابن ابی الحدید میں ہے کہ زبیر رحیم کریم اور انصاف پرور تھے۔
عرب کے چند نیک فطرت لوگوں نے کبھی ایک عہد کیا تھا جو مظلوموں کی اعانت کے سلسلہ پر محیط تھا لوگوں کو اس کی یاد تو تھی مگر اس پر عمل متروک ہو چکا تھا، جنگ فجار (یہ جنگ حرمت والے مہینہ یعنی محرم الحرام میں لڑی گئی تھی) کے بعد

أن الزُّبَيْرَ بن عَبَدُ الْمُطَّلِبِ وعَبْدَ اللَّه ابن جدعان ورؤساء هذه القبائل اجتمعوا فاحتلفوا لا يدعوا أحدا يظلم بمكة أحدا إلا نصروا الْمَظْلُومَ على الظالم وأخذ وا له بحقه
زبیر بن عبدالمطلب نے عبداللہ بن جدعان کے مکان پر تمام قبائل کو جمع کیا اور اس عہد کی از سر نو تجدید کی کہ مکہ مکرمہ میں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیا جائے گا اور مظلوم کو اس کا حق دلوایا جائے گا، اس حلف کو حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ (٥)

ثم مات عمه الزُّبَيْرَ وله من العمر أربع عشرة سنة
حلف الفضول کے بعد جب زبیر فوت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چودہ برس تھی۔ (٦)
اب اس پہلو پر غور کریں زبیر کے مرنے کے بعد

عَبْدُ مَنَافٍ. وَعَبْدَ الْكَعْبَةِ وزعمت الروافض أن اسمه عمران
عبدمناف، عبدکعبہ (ابوطالب) اور روافض کہتے ہیں ان کا نام عمران تھا، جو کثیر العیال انسان تھا خاندان کا سردار ہوا، اور ایک پاؤں سے پیدائشی

---

(١) المحبر ١/١٦٥
(٢) السيرة الحلبية ١/١٦٥
(٣) السيرة الحلبية ١/١٦٥
(٤) اشراف قريش ١٦٥
(٥) المحبر ١/١٦٧
(٦) السيرة الحلبية ١/١٦٥

لنگڑے تھے۔

المعارف میں قریش کے مختلف خاندانوں کے جسمانی نقائص والوں کی ایک فہرست دی ہے جس میں العرج (لنگڑے) کے عنوان کے تحت فہرست میں پہلا نمبر عبد مناف (ابو طالب) کا ہے۔

العرج :وأبو طَالِبٍ، عَمُّ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

لنگڑے:ابو طالب، رسول اللہ ﷺ کا چچا۔ [۱]

قریش کا ذریعہ معاش تجارت ہی تھا، قریش تجارت کی غرض سے اپنے قافلے سردیوں اور گرمیوں میں دور دراز ملکوں شام اور یمن کی طرف بھیجتے تھے ابو طالب اپنی جسمانی معذوری کے باعث اتنے لمبے سفر کی صعوبت برداشت کرنے سے معذور تھے، اس لئے اپنی گزر اوقات کے لئے گھر پر ہی خوشبوئیں بنا کر بیچ لیتے تھے جس کی وجہ سے ان کی مالی حالت اپنے باپ کی زندگی ہی سے بہت کمزور چلی آتی تھی۔ (ابن قتيبه)

یہی وجہ ہے کہ عبد المطلب کی سرداری یا ان کے بعد زبیر کی سرداری کے زمانہ میں اور نہ ہی عہد جاہلیت کے کسی اہم واقعات جیسے جنگ فجار اور حلف الفضول وغیرہ میں ان کا ذکر نہیں ملتا، یہاں تک کہ اپنی مالی کمزوری کے باعث وہ اپنے خاندانی عہدے کو بھی نبھانے سے قاصر تھے اس لئے سقایہ اور رفادہ وغیرہ کے امور ان کی جگہ انکے بھائی عباس رضی اللہ عنہ سرانجام دیتے تھے۔

فیصلہ آپ خود کریں عبد المطلب نے مرتے وقت محمد رسول اللہ ﷺ کی کفالت کس کے سپرد کی ہوگی، ایک طرف صاحب حیثیت ،بلند کردار، غریبوں کا ہمدرد اور جرات مند، خاندان میں نہایت عزیز اور محبوب بڑا بیٹا ہے، جو خاندان کا سردار ہوا، جنہیں اپنے یتیم بھتیجے سے بے پناہ محبت اور غیر معمولی انس تھا۔

إنّ الزُّبَيْرَ بن عَبْدِ الْمُطَّلِبِ كان يرقص النبيّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هو صغير ويقول : مُحَمَّد بن عبدم. عشت بِعَيْشٍ أنعم. في عزّ فرع أسنم

زبیر بن عبد المطلب آپ ﷺ کو جب آپ بچے تھے گود میں اٹھائے اور ہاتھوں پر جھلائے پھرتے تھے اور کہتے تھے یہ محمد میرے بھائی عبد اللہ کی نشانی ہے بڑے آرام سے جئے اور بڑی اعلیٰ عزت و توقیر پائے۔ [۲]

کیا زبیر نے صاحب ثروت ہوتے ہوئے اپنے چہیتے بھتیجے کو فاقوں مرنے کے لئے عبد مناف کے سپرد کر دیا تھا۔

زبیر کا ایک بیٹا جس کا نام اپنے بھائی کے نام پر عبد اللہ رکھا گیا تھا یہ رسول اللہ ﷺ کے عہد رسالت میں جوان تھے،

أنّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ أتى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فكساه حلّة، وأقعده إلى جنبه ، وقال :إنّه ابن أمّي ، وكان أبوه بي برّا

جب عبد اللہ بن زبیر رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے تو آپ ﷺ ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے اور نہایت محبت سے پیش آتے اور فرماتے

[۱] المعارف ۱/۵۸۳

[۲] الاصابة فی تمیز الصحابة ۴/۷۸

یہ میرا بھائی اور میری ماں (دادی) کا بیٹا ہے اس کا باپ مجھ سے بڑا نیک سلوک کرتا تھا۔ ⁽¹⁾

اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے کا نام طاہر، زبیر کے ایک بیٹے طاہر کے نام پر رکھا تھا اسی طرح صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کا نام اپنے بھائی کے نام پر جن کے مرنے پر انہوں نے مرثیہ کہا تھا زبیر رکھا تھا، صفیہ رضی اللہ عنہا نے زبیر کے علاوہ اپنے کسی اور بھائی پر مرثیہ نہیں کہا۔ زبیر کی چار بیٹیاں تھیں جن کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا بچپن اور آغاز شباب گزر رہا تھا جو سب دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور دوسری طرف معمولی حیثیت کا ایک اپاہج اور کثیر العیال چھوٹا بیٹا ہے، واقدی نے مختلف سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے

وَكَانَ إِذَا أَكَلَ عِيَالُ أَبِي طَالِبٍ جَمِيعًا أَوْ فُرَادَى لَمْ يَشْبَعُوا. وَإِذَا أَكَلَ مَعَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَبِعُوا ،فَيُأْتِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَأْكُلُ مَعَهُمْ فَكَانُوا يُفْضِلُونَ مِنْ طَعَامِهِمْ . وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُمْ لَمْ يَشْبَعُوا

عبد مناف (ابو طالب) کو مال کی ایسی تنگی تھی کہ ان کے گھرانے والے کھانا خواہ سب مل کر کھاتے یا جدا جدا، کسی کا پیٹ نہیں بھرتا تھا لیکن جب نبی ﷺ کے ساتھ کھاتے تو سب سیر ہو جاتے، رسول اللہ ﷺ آتے اور ساتھ کھانا کھاتے تو کھانا بچ بھی جاتا اور اگر آپ ﷺ ساتھ کھانا نہ کھاتے تو لڑکوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہوتا۔ ⁽²⁾

یعنی کبھی کبھی رسول اللہ اپنے چچا کو ملنے کے لئے جاتے ہوں اور ہوسکتا ہے وہ آپ ﷺ کو کھانے پر روک لیتے ہوں اور آپ ﷺ ان کے ہمراہ کھانا کھاتے ہوں تو اس وقت ان کا پیٹ بھی بھر جاتا تھا لیکن اگر مستقل طور پر رہتے ہوتے تو پھر گھر والوں کو کبھی بھی فاقہ کی نوبت نہ آتی، یعنی یہ کہانی تو خود ثابت کر رہی ہے کہ آپ ﷺ عبد مناف کے گھر نہیں رہتے تھے

وقيل اقترع أبو طالب هو والزُّبَيْرِ شقيقه فيمن يكفله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ منهما، فخرجت القرعة لأبي طالب

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عبد المطلب نے کفالت کے لئے زبیر اور عبد مناف (ابو طالب) کے درمیان قرعہ اندازی کی اور قرعہ (عبد مناف) ابو طالب کے نام نکلا۔ ⁽³⁾

مگر قرعہ اندازی صرف ان دو بیٹوں کے ہی درمیان کیوں ہوئی کیا عبد المطلب کے ان دو کے علاوہ اور بیٹے نہیں تھے؟ قرعہ اندازی تو پھر چھ بیٹوں کے درمیان ہونی چاہیے تھی،

فسيأتي أنه كان مشاركا له في كفالته

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ چچا زبیر اور عبد مناف دونوں نے آپ ﷺ کی کفالت کی۔ ⁽⁴⁾

لیکن غور طلب مقام یہ ہے کہ زبیر تو ایک رئیس تھے اور کفالت کرنے کے اہل بھی تھے پھر عبد مناف کو جو غریب آدمی تھا کفالت میں ساتھ

⁽¹⁾ الاصابة فی تمیز الصحابة ۴/۷۷

⁽²⁾ ابن سعد ۱/۹۵

⁽³⁾ السيرة الحلبية ۱/۱۶۵

⁽⁴⁾ السيرة الحلبية ۱/۱۶۵

شامل کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی تھی، ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ زبیر کے مرنے کے بعد آپ ﷺ کی کفالت چچا عبدمناف نے کی، مگر زبیر جنگ فجار کے بعد معاہدہ حلف الفضول کے بعد فوت ہوئے،

يَوْمَئِذٍ ابْنُ عِشْرِينَ سَنَةً

اور اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً بیس (۲۰) سال کی تھی۔ [1]

اور آپ ﷺ آزادانہ تجارت کا شغل اپنا چکے تھے، اس وقت عبدمناف (ابوطالب) کو آپ ﷺ کی کفالت کی ضرورت ہی نہ تھی، رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ کا سلسلہ شروع کرتے ہی قریش مکہ سے اذیتیں پہنچتی ہیں، آپ تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کر لیں آپ اس میں اشارہ تک نہیں پائیں گے کہ عبدمناف (ابوطالب) نے یا اس کی اولاد میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ کی جسمانی معاونت یا مدد کے لئے ہاتھ بڑھایا ہو ابوطالب کی اعانت صرف زبانی حد تک محدود تھی، آپ کو صرف عبداللہ (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کا نام نظر آئے گا یا پھر چند سال بعد ابوجہل کی بدکلامی کے سلسلہ میں حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہدا کا نام نظر آئے گا۔

چچا سے رشتہ طلب کرنا

اب آپ ﷺ بھرپور جوان ہو چکے تھے،

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ إِلَى عَمِّهِ أَبِي طَالِبٍ أُمَّ هَانِئٍ قَبْلَ أَنْ يُوحَى إِلَيْهِ، وَخَطَبَهَا مَعَهُ هُبَيْرَةُ بْنُ أَبِي وَهْبٍ فَزَوَّجَهَا هُبَيْرَةَ،

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس لئے اپنا گھر بسانے کے لئے وحی سے قبل رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا عبدمناف (ابوطالب) کو ان کی بیٹی ام ہانی (جن کا نام ابن ہشام کے مطابق ہند، البرقی کی رائے کے مطابق رملہ اور ابن وضاح جو قرطبہ کے عظیم محدث تھے کے مطابق فاختہ تھا)

وأم هاني، واسمها: فاختة، ويقولون: هند

اور مصعب بن عبداللہ کے مطابق اور ام ہانی جن کا نام فاختہ تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام ہند تھا۔ [2]

کے لئے پیغام نکاح بھیجا مگر شفیق چچا نے انکار کر دیا اور ام ہانی کا نکاح اپنے ماموں کے بیٹے ہبیرۃ بن ابی وہب سے کر دیا (ابوطالب کا یہی داماد رسول اللہ ﷺ کی شان میں ہجو بکتا رہا، ہر غزوہ میں مقابلے پر آتا رہا اور بالآخر فتح مکہ کے روز نجران کی طرف بھاگ گیا اور حالت کفر ہی میں مر گیا)

فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَمُّ، زَوَّجْتَ هُبَيْرَةَ وَتَرَكْتَنِي، فَقَالَ: يَا ابْنَ أَخِي أَنَا صَاهَرْتُ إِلَيْهِمْ وَالْكَرِيمُ يُكَافِئُ الْكَرِيمَ

---

[1] ابن سعد ۱۰۳/۱

[2] نسب قريش ۳۹/۱

نبی کریم ﷺ نے جب اپنے تایا سے شکوہ کیا کہ آپ نے ام ہانی کا نکاح ہبیرہ سے کر دیا اور مجھے چھوڑ دیا تو اس شفیق تایا نے جواب دیا، اے بھتیجے! ہم نے ان لوگوں کے ساتھ سسرالی روابط قائم کیے ہیں اور اشراف کا میل اشراف سے ہی ہوتا ہے۔ (۱)

مگر تو تو ایک محتاج آدمی ہے (اپنی حالت پر توجہ نہیں کی کہ گھر میں کھانے تک کو نہیں) کیا ایسے تایا سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی کفالت کی ہوگی، جبکہ اس کے اپنے بچے بھوک کا شکار تھے، رسول اللہ ﷺ کی ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوچکی تھی، جس روز سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب پیدا ہوئے اس روز رسول اللہ ﷺ نے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا آپ تو جانتے ہیں میرا چچا ابو طالب تنگ دست ہے کیوں نہ ہم اس سے ایک ایک بیٹا لے کر اس بیٹے کی ذمہ داری اپنے اپنے ذمہ لے لیں، عباس رضی اللہ عنہ اس پر تیار ہو گئے ،ابوطالب کے دو بیٹے طالب اور عقیل جوان ہو چکے تھے، چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ نے جعفر رضی اللہ عنہ کو اور آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو لے لیا، اس طرح ابوطالب پر اب اپنی بیوی کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہ رہی تھی۔

اب ایک اور پہلو کی طرف توجہ کریں، آپ نے چچا زبیر اور عبدمناف کے حالات پڑھے مگر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ سے ڈیڑھ دو سال اور حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء بھی آپ ﷺ سے صرف چھ ماہ بڑے تھے، عبدالمطلب کے مرنے کے بعد وہ بھی تو یتیم ہوئے تھے، محمد ﷺ کی طرح ان کو بھی کفالت کی ضرورت تھی ان کی کفالت کس نے کی، کیا زبیر نے جو ایک بہادر، سخی، فیاض اور صاحب ثروت تھا کیا اس نے اپنے بھائیوں کی کفالت کا بوجھ اٹھایا؟ کیا عبدالعزیٰ (ابولہب) نے جو ایک سرمایہ دار شخص تھا نے اپنے بھائیوں کی کفالت کی؟ نہیں زبیر ہو یا عبدالعزیٰ دونوں نے اپنے بھائیوں تک کی کفالت کرنا تو گوارہ نہیں کی وہ بھتیجے کی دس بارہ سال کفالت کیوں کرتے، تاریخ کی کسی کتاب میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ عباس رضی اللہ عنہ کی کفالت کس نے کی البتہ جمهرة أنساب العرب میں علامہ ابن حزم نے حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی پرورش ان کی نانی نے کی تھی جو رسول اللہ ﷺ کی بھی نانی تھیں، تو پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ دس بارہ سال کیسے گزارے کیا ان کے والد عبداللہ نے کافی ترکہ چھوڑا تھا جس کے سہارے زندگی کے یہ دن گزارے، ایسا بھی نہیں ہے عبداللہ کوئی بڑے سرمایہ دار نہیں تھے،

تَرَكَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أُمَّ أَيْمَنَ وَخَمْسَةَ أَجْمَالٍ أَوَارِكٍ. يَعْنِي تَأْكُلُ الأَرَاكَ. وَقِطْعَةَ غَنَمٍ. فَوَرِثَ ذٰلِكَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فكانت أُمُّ أَيْمَنَ تَحْضُنُهُ وَاسْمُهَا بَرَكَةُ

اس نے تو صرف ایک مکان، پانچ اونٹ چند بکریاں ایک حبشی لونڈی ام ایمن برکہ ترکہ میں چھوڑی تھی اور یہ وراثت آپ کو مل گئی تھی۔ (۲)

اگر کوئی بڑی وراثت ہوتی بھی تو بھی عرب کے قانون کے مطابق آپ ﷺ کو نہ ملتی کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب نہ تو عورتوں کو وراثت دیتے تھے اور نہ چھوٹے بچوں کو چاہے وہ لڑکا ہی کیوں نہ ہوتا البتہ رہائشی مکان پر قبضہ نہیں کیا جاتا تھا، اس کی وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ مال وراثت اس شخص کے علاوہ کسی کو نہیں دیا جاسکتا جو گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر جنگ کرے نیزے سے کسی کو زخمی کرے، تلوار سے لڑے

(۱) مستدرك حاكم ۶۸۷۱ ، ابن سعد ۸/۱۲۰، تاریخ طبری ۶۱۹/۱۱، المحبر ۹۸

(۲) ابن سعد ۱/۸۰

اور مال غنیمت حاصل کرے، اس صورت میں اگر عبداللہ نے کوئی بڑا سرمایہ چھوڑا تھا تو وہ ایسے شخص کے قبضہ میں چلا گیا ہو گا جو لڑنے کی طاقت وقوت رکھتا ہو گا، یعنی زبیر بن عبدالمطلب یا پھر عبدالعزیٰ (ابولہب) ہضم کر گئے لیکن قرآن مجید کے مطابق ایسا بھی نہیں ہوا، قرآن مجید تو یہ کہہ رہا ہے،

اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی [١]

ترجمہ: کیا اللہ نے آپ کو یتیم نہیں پایا تو پھر آپ کو ٹھکانہ دیا۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی [٢]

ترجمہ: اور اللہ نے آپ کو محتاج پایا تو غنی کیا۔

یعنی عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ ﷺ پر تنگ دستی اور فقر وفاقہ کا وقت بھی گزرا اور آپ ﷺ کے دونوں سرمایہ دار چچاؤں نے نہ تو اپنے بھائیوں اور نہ ہی اپنے بھتیجے کی کوئی مدد کی، اور اللہ نے جو ٹھکانہ عطا فرمایا وہ کسی غیر کی ملکیت نہ تھا بلکہ آپ کا اپنا تھا، رسول اللہ ﷺ اب ہوش مند ہو چکے تھے بچپن میں حلیمہ سعدیہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرا چکے تھے، اس لئے گزراوقات کے لئے کسی کا احسان اٹھانا گوارا نہ فرمایا بلکہ اپنی گزراوقات کا ذریعہ خود پیدا کیا اور وہ ذریعہ کیا تھا،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ: وَأَنْتَ؟ فَقَالَ :نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، صحابہ کرام نے پوچھا رسول اللہ کیا آپ نے بھی، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں میں بھی چند قیراط (اس زمانہ کا سکہ جو دینار یا اشرفی کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتا تھا) کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔[٣]

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ نَبِيٍّ إِلا قَدْ رَعَى الْغَنَمَ.قَالُوا : وَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: وَأَنَا

عبید بن عمیر سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں، لوگوں نے عرض کیا کیا آپ نے بھی چرائی ہیں؟ فرمایا ہاں میں نے بھی چرائی ہیں۔[٤]

بُعِثَ مُوسَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاعِي غَنَمٍ وَبُعِثَ دَاوُدُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاعِي غَنَمٍ وَبُعِثْت، وَأَنَا

---

[١] الضحیٰ ٦

[٢] الضحیٰ ٨

[٣] صحیح بخاری کتاب الاجارہ باب رعی الغنم علی قراریط ٢٢٦٢،سنن ابن ماجہ کتاب التجارات باب الصناعات ٢١٥٠،السنن الکبری للبیہقی ١١٦٤١،شرح السنۃ للبغوی ٢١٨٧،الروض الانف ١٠٧/٢

[٤] ابن سعد ١٠٠/١

رَاعِي غَنَمٍ أَهْلِي بِأَجْيَادِ

اللہ تعالیٰ نے موسی علیہ السلام کو مبعوث کیا انہوں نے بکریاں چرائیں،اور داودؑ کو مبعوث کیا وہ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے اور میں نے جیاد والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔[۱]

تو کیا ابو طالب آپ ﷺ سے اہل مکہ کی بکریاں چرواکر اپنا پیٹ بھرتا تھا پھر تو آپ ﷺ کا چچا پر احسان ہوا نہ کہ چچا کا بھتیجے پر۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ :كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بمر الظَّهْرَانِ، ونحن نَجْنِي الْكَبَاثَ، فَقَالَ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :عَلَيْكُمْ بِمَا اسْوَدَّ مِنْهُ،فَإِنَّهُ أَطْيَبُهُ فإني كنت أجنيه إذ كنت أرعى الغنم ، فقلنا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، كأنك رَعَيْتَ الْغَنَمَ؟قَالَ :نَعَمْ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَاهَا

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک مرتبہ ہم مقام الطہران میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور وہاں پیلو کے پھل چن رہے تھے آپ نے فرمایا کہ تمہیں کالے پھل چننے چاہئیں کیونکہ وہ زیادہ خوش ذائقہ اور لذیذ ہوتے ہیں جب میں بکریاں چرایا کرتا تھا تو وہی چنا کرتا تھا،لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ بکریاں چرایا کرتے تھے؟فرمایا ہاں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔[۲]

منصب نبوت کے فریضہ کی ادائیگی جن اوصاف وخصوصیات کی حامل ہوتی ہے یا یوں کہئے کہ نبی کو اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے معاشرہ اور سماج سے جو قریبی ربط وتعلق رکھنا پڑتا تھا اس کے لئے چونکہ یہ ضروری تھا کہ دعوت وتبلیغ اور اصلاح اور رہنمائی کے کسی بھی موڑ پر پورے معاشرے کے افراد اور نبی کے درمیان اجنبیت اور غیریت کی دیوار حائل نہ رہے،اس لئے قدرت کی طرف سے ابتداء میں نبی کو ایک ایسے تربیتی اور آزمائشی دور سے گزارا جاتا تھا جسکے بعض مرحلے بظاہر تو بہت نچلی سطح کے معلوم ہوتے تھے لیکن نتائج واثرات کے اعتبار سے وہی مرحلے بہت ہی دور رس اور کارآمد ثابت ہوتے تھے،ایسا ہی ایک مرحلہ بکریوں کا چرانا بھی ہے جو اگرچہ بہت معمولی درجہ کی چیز معلوم ہوتی ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی بکریوں کا چرانا محبت وشفقت محنت ومشقت باہمی ربط وتعلق اور عام خیر خواہی ونگہداشت کا ایک بہترین سبق ہے جو کسی رہبر ومصلح کی حیات کا ایک بنیادی وصف ہے،چنانچہ ہر نبی اسی لئے بکریاں چراتا تھا تاکہ اس تجربہ سے گزرنے کے بعد امت کی نگہبانی وشفقت اور معاشرے سے ربط وتعلق کا حقیقی جذبہ پوری زندگی میں سرایت کئے رہے اور قوم کی طرف سے پیش آنیوالی ہر سختی ومشقت پر صبر وتحمل کی قوت حاصل رہے نیز اس ذریعے سے وہ حقیقی خلوت وتنہائی بھی حاصل ہوجاتی تھی جو نبی کی ابتدائی زندگی کا ایک مطلوب ہوتی تھی،مذکورہ بالا نکتہ زیادہ واضح ہوجاتا ہے اگر یہ تجزیہ پیش نظر ہو کہ ایک رہبر اور ایک بادشاہ اپنی قوم یا اپنی رعایا کے ساتھ وہی نسبت وتعلق رکھتا ہے جو ایک چرواہا اپنی بکریوں کے ساتھ رکھتا ہے۔ بہرحال بکریاں چراتے چراتے آپ بارہ سال کے ہوگئے۔

[۱] الروض الانف ۲/۱۱۷،تاریخ طبری ۱۱/۵۶۷،السیرة الحلبیة ۱/۱۸۴

[۲] السیرة الحلبیة ۱/۱۸۵ ، سبل الهدى والرشادفي سيرة خير العباد ۲/۱۵۶،السيرة النبوية والدعوة في العهد المكي ۱/۲۱۵،منتهى السؤل على وسائل الوصول إلى شمائل الرسول صلى الله عليه وآله وسلم ۲/۱۴۶

جامع ترمذی میں بحیرا راہب کا قصہ

اب یہ ایک لمبا واقعہ ملاحظہ فرمائیں جو حدیث کی کتاب جامع ترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی بدء نبوة النبی ﷺ میں اور کمی بیشی کے ساتھ ہر تاریخ اور سیرت کی کتاب میں لکھا جاتا ہے، پہلے جامع ترمذی کی روایت ملاحظہ فرمائیں۔

عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: خَرَجَ أَبُو طَالِبٍ إِلَى الشَّامِ وَخَرَجَ مَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَشْيَاخٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَلَمَّا أَشْرَفُوا عَلَى الرَّاهِبِ هَبَطُوا فَحَلُّوا رِحَالَهُمْ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمُ الرَّاهِبُ وَكَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ يَمُرُّونَ بِهِ فَلاَ يَخْرُجُ إِلَيْهِمْ وَلاَ يَلْتَفِتُ. قَالَ: فَهُمْ يَحُلُّونَ رِحَالَهُمْ، فَجَعَلَ يَتَخَلَّلُهُمُ الرَّاهِبُ حَتَّى جَاءَ فَأَخَذَ بِيَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: هَذَا سَيِّدُ العَالَمِينَ، هَذَا رَسُولُ رَبِّ العَالَمِينَ، يَبْعَثُهُ اللَّهُ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ، فَقَالَ لَهُ أَشْيَاخٌ مِنْ قُرَيْشٍ: مَا عِلْمُكَ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ حِينَ أَشْرَفْتُمْ مِنَ العَقَبَةِ لَمْ يَبْقَ شَجَرٌ وَلاَ حَجَرٌ إِلاَّ خَرَّ سَاجِدًا وَلاَ يَسْجُدَانِ إِلاَّ لِنَبِيٍّ، وَإِنِّي أَعْرِفُهُ بِخَاتَمِ النُّبُوَّةِ أَسْفَلَ مِنْ غُضْرُوفِ كَتِفِهِ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ، ثُمَّ رَجَعَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا، فَلَمَّا أَتَاهُمْ بِهِ وَكَانَ هُوَ فِي رِعْيَةِ الإِبِلِ،قَالَ: أَرْسِلُوا إِلَيْهِ، فَأَقْبَلَ وَعَلَيْهِ غَمَامَةٌ تُظِلُّهُ، فَلَمَّا دَنَا مِنَ القَوْمِ وَجَدَهُمْ قَدْ سَبَقُوهُ إِلَى فَيْءِ الشَّجَرَةِ، فَلَمَّا جَلَسَ مَالَ فَيْءُ الشَّجَرَةِ عَلَيْهِ، فَقَالَ: انْظُرُوا إِلَى فَيْءِ الشَّجَرَةِ مَالَ عَلَيْهِ، قَالَ: فَبَيْنَمَا هُوَ قَائِمٌ عَلَيْهِمْ وَهُوَ يُنَاشِدُهُمْ أَنْ لاَ يَذْهَبُوا بِهِ إِلَى الرُّومِ، فَإِنَّ الرُّومَ إِنْ رَأَوْهُ عَرَفُوهُ بِالصِّفَةِ فَيَقْتُلُونَهُ، فَالتَفَتَ فَإِذَا بِسَبْعَةٍ قَدْ أَقْبَلُوا مِنَ الرُّومِ فَاسْتَقْبَلَهُمْ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكُمْ؟ قَالُوا: جِئْنَا، إِنَّ هَذَا النَّبِيَّ خَارِجٌ فِي هَذَا الشَّهْرِ، فَلَمْ يَبْقَ طَرِيقٌ إِلاَّ بُعِثَ إِلَيْهِ بِأُنَاسٍ وَإِنَّا قَدْ أُخْبِرْنَا خَبَرَهُ فَبُعِثْنَا إِلَى طَرِيقِكَ هَذَا، فَقَالَ: هَلْ خَلْفَكُمْ أَحَدٌ هُوَ خَيْرٌ مِنْكُمْ؟ قَالُوا: إِنَّمَا أُخْبِرْنَا خَبَرَهُ بِطَرِيقِكَ هَذَا. قَالَ: أَفَرَأَيْتُمْ أَمْرًا أَرَادَ اللَّهُ أَنْ يَقْضِيَهُ هَلْ يَسْتَطِيعُ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ رَدَّهُ؟ قَالُوا: لاَ، قَالَ: فَبَايَعُوهُ وَأَقَامُوا مَعَهُ قَالَ: أَنْشُدُكُمْ بِاللَّهِ أَيُّكُمْ وَلِيُّهُ؟ قَالُوا: أَبُو طَالِبٍ، فَلَمْ يَزَلْ يُنَاشِدُهُ حَتَّى رَدَّهُ أَبُو طَالِبٍ وَبَعَثَ مَعَهُ أَبُو بَكْرٍ بِلاَلاً وَزَوَّدَهُ الرَّاهِبُ مِنَ الكَعْكِ وَالزَّيْتِ.

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ابو طالب قریش کے سرداروں کے ساتھ شام گیا آپ کے ساتھ نبی کریم ﷺ بھی تھے یہ لوگ جب راہب کے قریب پہنچے تو اس جگہ ان لوگوں نے منزل کی اور اپنے کجاوے کھول دیئے، راہب انہیں دیکھ کر نیچے اترا، اس سے قبل یہ لوگ جب ادھر سے گزرتے تھے تو قطعاً نیچے نہ اترتا اور نہ ان لوگوں کی جانب کوئی توجہ دیتا، یہ لوگ تو کجاوے کھولنے میں مشغول تھے اور وہ راہب ان کے درمیان سے گزرتا ہوا آپ تک پہنچا اور آپ کا ہاتھ تھام کر بولا یہ سید العالمین ہیں، رب العالمین کے رسول ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گا، سرداران قریش نے استفسار کیا تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟ کہنے لگا جب تم گھاٹی سے اتر رہے تھے تو کوئی پتھر اور کوئی درخت ایسا نہ تھا جو سجدہ میں نہ گر گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتیں، اور میں ختم نبوت کو پہچانتا ہوں جو سیب کی طرح مونڈھے پر ہوگی، پھر واپس لوٹ گیا اور ان کے لئے کھانا تیار کیا جب وہ کھانا لے کر ان لوگوں کے پاس آیا تو اونٹوں کے گلہ میں پہنچتے ہی اس نے لوگوں سے کہا کہ اس لڑکے کو بلاؤ. آپ جب آئے تو آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا، جب آپ لوگوں کے قریب پہنچے

تو آپ نے دیکھا کہ لوگ درخت کے سایہ میں بیٹھ چکے تھے جب آپ بیٹھے تو سایہ نے ادھر ہی رخ کر لیا راہب یہ دیکھ کر بولا دیکھو سایہ ادھر ہی ہو گیا ہے، ابھی وہ درمیان میں کھڑا انہیں قسمیں دے رہا تھا کہ اس بچہ کو روم نہ لے جاو کیونکہ رومی اسے دیکھیں گے تو اسے صفات سے پہچان لیں گے اور اسے قتل کر دیں گے، اچانک روم کی جانب سے سات آدمی آتے نظر آئے وہ ان کی جانب متوجہ ہوا اور ان سے دریافت کیا کس لئے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہونے والا نبی اس شہر میں آیا ہے لہذا ہر طرف آدمی اس کی تلاش میں روانہ کئے گئے ہیں ہمیں اس کی آمد کی یہاں خبر ملی تھی تو ہمیں اس جانب روانہ کیا گیا، اس نے سوال کیا کہ کیا تمہارے پیچھے تم سے بہتر کوئی فرد نہیں؟ وہ بولے ہمیں تو اس راہ کی جانب بھیجا گیا تھا، اس نے سوال کیا اگر اللہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کر لے کیا کوئی شخص اسے روک سکتا ہے؟ وہ بولے نہیں، راہب نے کہا اچھا تو لوٹ جاؤ اور خود بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور جاتے جاتے بولا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ اس کا ولی کون ہے ؟ ابو طالب نے کہا میں، وہ ابو طالب کو قسمیں دیتا رہا حتی کہ ابو طالب نے آپ کو مکہ لوٹا دیا اور آپ کے ساتھ ابو بکر اور بلال کو بھیج دیا اس راہب نے آپ کے زاد راہ کے لئے کیک اور زیتون دیا۔ [1]

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ، لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هَذَا الوَجْهِ.

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے اور ہمیں اس سند کے علاوہ اس کی اور سند معلوم نہیں۔

امام البانی رحمہ اللہ اس حدیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں

صحيح لكن ذكر بلال فيه منكر

یہ حدیث صحیح مگر سیدنا بلال کا ذکر (محدثین کے ہاں) محل نظر ہے۔

شام کی جانب سفر اور بحیرا راہب کی داستان

۵۸۲ ء

شیخ محمد رضا سابق مدیر مکتبہ جامعہ فواد قاہرہ اپنی تصنیف محمد رسول اللہ ﷺ میں لکھتے ہیں جب آپ ﷺ کی عمر مبارک بارہ سال ہوئی تو ۵۸۲ ء کو آپ اپنے چچا عبد مناف (ابو طالب) کے ہمراہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ شام کے سفر پر روانہ ہوئے، یہ قافلہ شام کے ایک قصبہ بصری میں جا ٹھہرا اس وقت اس عرب علاقہ کا حصہ تھا جو رومانیہ کی حکومت کے تحت تھا، اس زمانہ میں بصری کے گرجا میں بحیرا نامی ایک پادری رہتا تھا جو عیسائی مذہب کا بڑا عالم تھا اور عرصہ سے اسی گرجا میں پادری چلا آ رہا تھا نسل در نسل منتقل ہونے والی مذہبی کتاب مقدس کا یہی بڑا عالم رہ گیا تھا، عرب کے تجارتی قافلے اکثر ادھر سے گزرا کرتے تھے لیکن بحیرا نے کبھی ان سے کوئی گفتگو کی تھی نہ کسی بات پر انہیں ٹوکا تھا، لیکن اس سال جب یہ قافلہ اس کے گرجا کے قریب فروکش ہوا تو اس نے اپنے گرجا کے اندر بیٹھے ہوئے ہی کوئی خاص بات دیکھ کر اس قافلہ والوں کے لئے بہت عمدہ سا کھانا تیار کرایا اور انہیں مدعو کیا، جب قافلہ والے آ رہے تھے تو اس نے دیکھا کہ صرف ایک لڑکے پر بادل اپنا سایہ

---

[1] جامع ترمذی أَبْوَابُ الْمَنَاقِبِ بَابُ مَا جَاءَ فِي بَدْءِ نُبُوَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ۳۶۲۰، مستدرک حاکم ۴۲۲۹، مسند البزار ۳۰۹۶، تاریخ طبری ۲/۲۷۸

کیے ہوئے ہیں پھر یہ لوگ اس کے گرجا کے قریب ہی ایک سایہ دار درخت کے سایہ تلے فروکش ہوئے تو اس نے دیکھا کہ ایک بادل کے ٹکڑے نے اس درخت پر اپنا سایہ کرلیا اور درخت کی ٹہنیاں خود بخود آپ پر جھک گئیں اور آپ اس کے سایہ تلے آرام کرنے لگے جب بحیرا نے یہ منظر دیکھا تو اس نے گرجا سے باہر آ کر کھانا تیار کرنے کا حکم دیا پھر اہل قافلہ کو کہلا بھیجا کہ اے جماعت قریش! میں نے آپ کے لئے کھانا تیار کرایا ہے میری دلی خواہش ہے کہ آپ میں کا ہر شخص چھوٹا بڑا، آزاد و غلام سب کے سب میرے یہاں آ کر کھانا تناول کریں، ان میں سے ایک شخص نے کہا، واللہ اے بحیرا! آج تو تیرا طرز عمل نرالا ہے اس سے پہلے کبھی تم ہماری دعوت نہ کیا کرتے تھے حالانکہ ہم اکثر تمہارے پاس سے گزرتے تھے پھر آج اس کا کیا خاص سبب پیش آیا ہے؟ بحیرا نے کہا تم نے صحیح کہا ہے واقعہ یہی تھا جیسا تم کہہ رہے ہو لیکن تم لوگ مہمان ہو اس لئے میں نے چاہا کہ میں تمہارا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے تمہارے لئے کھانا تیار کراوں تاکہ تم سب اسے تناول کرو، چنانچہ سب کھانے پر جمع ہو گئے مگر محمد ﷺ اپنی کمسنی کی وجہ سے قافلہ کے پڑاؤ ہی میں درخت کے نیچے بیٹھے رہے جب بحیرا نے ان لوگوں پر نظر ڈالی اور وہ علامات نہ دیکھیں جنھیں وہ جانتا اور اپنی کتابوں میں پاتا تھا تو کہا اے جماعت قریش! تم میں سے کوئی بھی میری دعوت سے غیر حاضر نہ رہے، انھوں نے جواب دیا اے بحیرا! تمہاری دعوت میں شرکت کے اہل لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہا صرف ایک سب سے کمسن لڑکا ہے جو اپنے پڑاؤ میں ہی رہ گیا ہے، بحیرا نے کہا ایسا نہ کیجئے اسے بھی بلا لیجئے تاکہ وہ بھی کھانے میں آپ کے ساتھ شریک ہو سکے، اس پر ایک قریشی اٹھا اور آپ کو گود میں اٹھا لایا اور دوسرے مہمانوں کے ساتھ آپ کو بھی دسترخوان پر لا بٹھایا، جب بحیرا کی نظر آپ پر پڑی تو آپ کو غور سے دیکھنے لگا اور آپ کے جسم مبارک میں ان علامات کی جستجو کرنے لگا جو آپ کے اوصاف کے متعلق اس کے علم میں تھیں، جب سب لوگ کھانے سے فراغت پا کر دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوئے تو بحیرا آپ کے پاس آیا اور کہا اے صاحبزادے! میں تمہیں لات و عزیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کیا تم میرے سوالات کا صحیح جواب دو گے؟ بحیرا نے یہ طرز تخاطب اس لئے اختیار کیا تھا کہ اس نے سنا تھا کہ آپ کی قوم والے لات و عزیٰ کی قسم کھایا کرتے تھے، مگر آپ نے بتوں کی قسم کھانے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، تب بحیرا نے کہا اللہ کی قسم! کیا تم مجھے میرے سوالات کا جواب دو گے؟ آپ نے فرمایا جو دریافت کرنا چاہتے ہو دریافت کرو، چنانچہ اس نے آپ کے چند حالات زندگی، آپ کی نیند اور سونے کی کیفیت پوچھی اور بعض دوسرے سوالات کیے، آپ بچپن سے پیش آنے والے واقعات بتاتے رہے جو بحیرا کی معلومات کے بالکل مطابق نکلے، پھر آپ نے اس کی حسب فرمائش پشت مبارک کھول کر اسے دکھائی، اس نے آپ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی جو ابھرے ہوئے گوشت کی مانند (ایک پھڑیا سی) تھی جب وہ آپ سے سوالات کر چکا تو آپ کے چچا ابو طالب کی طرف متوجہ ہو کر بولا کیا یہ لڑکا آپ کا رشتہ دار ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ میرا فرزند ہے، بحیرا نے کہا یہ آپ کا بیٹا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس لڑکے کی خصوصیات میں سے یہ امر بھی ہے کہ اس کے والد زندہ نہ ہوں، تب انھوں نے فرمایا یہ میرا بھتیجا ہے، اس نے کہا اس لڑکے کے والد کیا ہوئے؟ فرمایا یہ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ اس کے والد انتقال کر گئے تھے، اس پر بحیرا نے کہا آپ نے سچ کہا اپنے اس بھتیجے کو فوراً اپنے وطن واپس لے جائیں اور ان کے متعلق یہودیوں سے ہوشیار رہیں۔ (محمد رسول اللہ ﷺ تالیف شیخ محمد رضا سابق مدیر مکتبہ جامعہ فواد قاہرہ صفحہ ۵۱)

○ قاری احمد بھیتی قادری اپنی تالیف تاریخ مسلمانان عالم میں لکھتے ہیں ابو طالب کی آخری منزل وہ جگہ تھی جسے بصریٰ کہتے تھے، عرب

سے شام کو آنے والے تجارتی قافلے اسی شہر بصریٰ میں ٹھہرے ہوئے تھے، قیام گاہ سے تھوڑے فاصلہ پر بحیرا راہب کی مشہور خانقاہ تھی بحیرا دین مسیح کا بہت بڑا متقی اور عبادت گزار شخص تھا، توریت، انجیل اور دیگر آسمانی کتابیں اس کے ذہن میں محفوظ تھیں، وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ نبی آخر الزماں کے پیدا ہونے کی علامتیں کیا ہیں وہ اکثر قریش کے تجارتی قافلوں کو خانقاہ سے دیکھنے کے لئے آتا تھا کہ معلوم کر سکے کہ نبی آخر الزماں اس میں موجود ہیں یا نہیں، اتفاق کی بات کہ ابو طالب کا قافلہ گھاٹی سے اتر کر قیام کرنا چاہتا ہی تھا کہ بحیرا کی نظریں پڑ گئیں، اور وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ابر کا ٹکڑا قافلہ کے ایک بچہ پر سایہ کئے ہوئے ہے اور تمام حجر و شجر سجدے کے لئے جھک رہے ہیں اور السلام علیک یا رسول اللہ کہہ رہے ہیں ابھی قافلہ والے اچھی طرح سے دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ بحیرا خانقاہ سے ابو طالب کے قریب آ گیا اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا کہ یہ بچہ سید العالمین اور رسول پروردگار ہے، مورخین کا بیان ہے کہ بحیرا نے اہل قافلہ کی اپنی خانقاہ میں دعوت بھی کی تھی، جب سب لوگ بیٹھ گئے تو وہ آپ کو بڑے غور سے دیکھتا رہا، کھانے سے فارغ ہو کر سب کو رخصت کر دیا مگر ابو طالب اور آپ کو روک لیا اور ابو طالب سے آپ کے متعلق بہت سے سوالات کئے، خواب و بیداری کے حالات پوچھے، رشتہ دریافت کیا، ابو طالب نے والد کی وفات کا حال بتایا، شانہ مبارک دیکھا اور مہر نبوت کو کتب سماویہ کے مطابق پا کر ابو طالب سے کہا میں آپ کو ہمدردانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ جلدی واپس گھر چلے جائیں، یہود کو نبی عربی سے سخت عداوت ہے مجھے ان کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ ان کو دیکھیں گے تو ضرور نقصان پہنچانے کی تدبیریں کریں گے، ابو طالب نے بحیرا کے مشورے کو قبول کیا اور بصریٰ ہی میں خرید و فروخت کر کے واپس آ گئے، بحیرا نے آپ کی مہر نبوت کو بوسہ دیا یعنی قبل از وقت آپ پر ایمان لائے۔ [1]

بحیرا جس وقت آپ کو خانقاہ میں دیکھ رہا تھا اور ابو طالب سے کہہ رہا تھا کہ ان کو یہود سے بچانا کہ اس وقت سات رومی عیسائی آڑ میں کھڑے ہوئے سن رہے تھے، بحیرا نے ان سے معلوم کیا کہ تم لوگ یہاں کیوں آئے؟ تو انھوں نے کہا کہ ہم کو اطلاع ملی تھی کہ نبی عربی اس ماہ میں یہاں آنے والے ہیں، بحیرا نے کئی دنوں تک ان کو اپنی خانقاہ ہی میں ٹھہرائے رکھا۔ (تاریخ مسلمانان عالم تالیف قاری احمد بھیتی قادری ۲/۱۰۹)

○ حکیم عبد الروف داناپوری اپنی تالیف اصح السیر میں لکھتے ہیں حضور کی عمر جب بارہ سال دو ماہ ہوئی (ابن عبد البر نے تیرہ سال لکھی ہے) اس وقت خواجہ ابو طالب نے تجارت کی غرض سے شام کا سفر کیا اور حضور کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، جب مقام تیما میں پہنچے تو وہاں بحیرا راہب ملا بعض روایتوں میں ہے کہ یہ یہود عالم تھا اور بعض روایتوں میں ہے کہ یہ نصرانی عالم تھا، اس نے کتب قدیمہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق آپ میں نبوت کی کچھ علامات دیکھیں اور خواجہ ابو طالب سے پوچھا کہ یہ لڑکا جو تمہارے ساتھ ہے کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ میرا بھتیجا ہے، بحیرا نے کہا کیا آپ کو اس کے ساتھ محبت ہے؟ انہوں نے کہا بے شک، بحیرا نے کہا میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں بخدا آپ اگر انہیں شام لے گئے تو یہود ان کے دشمن ہو جائیں گے اور قتل کرنا چاہیں گے، آپ انہیں واپس لے جایئے بخدا آپ انہیں اگر شام لے گئے تو یہود ان کے دشمن ہو جائیں گے اور قتل کرنا چاہیں گے آپ ان کو واپس لے جایئے، خدا کی قسم! اگر انھوں نے انہیں دیکھ لیا اور جو علامات میں نے پہچان لی ہیں اگر وہ بھی پہچان گئے تو ضرور ان کے درپے آزار ہو جائیں گے کیونکہ ان کا ایک عظیم الشان مستقبل ہونے والا ہے اس لئے انھیں آپ جلدی

---

[1] دلائل النبوة لابی نعیم ۱/۱۶۹

سے اپنے وطن لئے جائیے،اصح السیر صفحہ ۵۱ پر ہے چنانچہ خواجہ ابوطالب وہیں سے حضور انور ﷺ کو ساتھ لے کر واپس چلے آئے،اور بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کو کسی غلام کے ساتھ واپس کیا۔ (۱)

○ مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اپنی تالیف الرحیق المختوم میں لکھتے ہیں بعض روایات کے مطابق جن کی استنادی حیثیت مشکوک ہے، جب آپ کی عمر مبارک بارہ برس اور ایک تفصیلی قول کے مطابق بارہ برس دو مہینے دس دن کی ہوگئی تو ابوطالب آپ کو ساتھ لے کر تجارت کے لئے ملک شام کے سفر پر نکلے اور بصریٰ پہنچے،بصریٰ ملک شام کا ایک مقام اور حوران کا مرکزی شہر ہے،اس وقت یہ جزیرۃ العرب کے رومی مقبوضات کا دار الحکومت تھا،اس شہر میں جرجیس نامی ایک راہب رہتا تھا جو بحیرا کے لقب سے معروف تھا،جب قافلے نے وہاں پڑاو ڈالا تو یہ راہب اپنے گرجا سے نکل کر قافلے کے اندر آیا اور اس کی میزبانی کی حالانکہ اس سے پہلے وہ کبھی نہیں نکلتا تھا،اس نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے اوصاف کی بنا پر پہچان لیا اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا یہ سید المرسلین ہیں،یہ سید العالمین ہیں،اللہ انہیں رحمۃ العالمین بنا کر بھیجے گا،ابوطالب اور قریش کے شیوخ نے پوچھا! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا تم لوگ جب گھاٹی کے اس جانب نمودار ہوئے تو کوئی بھی درخت یا پتھر ایسا نہیں تھا جو سجدہ کے لئے جھک نہ گیا ہو اور یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی اور انسان کو سجدہ نہیں کرتیں،پھر میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو کندھے کے نیچے کری (نرم ہڈی) کے پاس سیب کی طرح ہے اور ہم انہیں اپنی کتابوں میں بھی پاتے ہیں،اس کے بعد بحیرا راہب نے ابوطالب سے کہا کہ انہیں واپس کر دو ملک شام نہ لے جاؤ کیونکہ یہود سے خطرہ ہے اس پر ابوطالب نے بعض غلاموں کی معیت میں آپ کو مکہ واپس بھیج دیا۔ (۲)

قارئین آپ نے جامع ترمذی اور سیرت کی چند کتابوں میں یہ واقعہ ملاحظہ فرمایا اب ان روایات کی سند پر سیرت النبی صفحہ ۱۳۰،۱/۱۳۱ پر علامہ شبلی نعمانی کا تبصرہ ملاحظہ کریں۔

○ روایت میں حسن کا درجہ صحیح سے کم ہوتا ہے اور جب وہ روایت غریب بھی ہو تو اس کا رتبہ اور بھی گھٹ جاتا ہے۔ (۳)

○ اس روایت کا ایک راوی عبد الرحمان بن غزوان ہے جس کی نسبت علامہ ذہبی لکھتے ہیں

قال حديثاً منكرا .قلت: أنكر ماله حديثه في سفر النبي صلى الله عليه وسلم، وهو مراهق مع أبي طالب إلى الشام، وقصة بحيرا

عبد الرحمان بن غزوان منکر حدیثیں بیان کرتا ہے جن میں سب سے بڑھ کر منکر روایت وہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ابوطالب کے ساتھ شام جانے کا ذکر ہے اور بحیرا کا واقعہ مذکور ہے۔ (۴)

(۱) اصح السیر تالیف حکیم عبدالروف داناپوری صفحہ ۵۱

(۲) الرحیق المختوم ۸۵

(۳) سیرت النبی ۱/۱۳۰

(۴) میزان الاعتدال ۲/۵۸۱

○ بحیرا راہب کی اس روایت کی نسبت حاکم نے اپنی مستدرک میں لکھا ہے

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرائط کے مطابق ہے لیکن علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے تخلیص مستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے

أظنه موضوعا فبعضه باطل

میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا اور خود ساختہ خیال کرتا ہوں۔

○ اس روایت میں مذکور ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی شریک سفر تھے حالانکہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ خود بچے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ کا وجود ہی نہ تھا۔

○ اس روایت کے آخری راوی (جن سے جامع ترمذی، دلائل النبوۃ للبیہقی، ابن عساکر، مستدرک حاکم، دلائل النبوۃ لابی ابونعیم، ابوبکر الخرائطی اور ابن شیبہ نے روایت نقل کی ہے) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خود شریک واقعہ نہ تھے مگر وہ اوپر کے راویوں کے نام نہیں بتاتے، اس کے علاوہ طبقات ابن سعد میں جو سلسلہ سند مذکور ہے وہ مرسل یا معضل ہے (مرسل یہ ہے کہ جس میں تابعی شریک واقعہ نہیں ہے کسی صحابی کا نام نہیں لیتا اور معضل یہ ہے کہ اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں ان کا نام نہیں لیتا ہے۔

○ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کے پہلے حصہ کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر مجبوراً آخری حصہ کے بارے میں اقرار کرتے ہیں جس میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ اس قدر حصہ غلط ہے جو غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے، حالانکہ حافظ ابن حجر کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ اس روایت کی تمام روایات قابل سند ہیں کیونکہ تہذیب التہذیب میں خود ہی عبد الرحمان بن غزوان کے بارے میں لکھا ہے

قال كان يخطىء يتخالج في القلب منه لروايته عن الليث عن مالك عن الزهري عن عروة عن عائشة قصة المكاكيك

وہ خطا کرتا تھا اس کی طرف سے اس وجہ سے بھی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے لیث عن مالک عن زہری عن عروہ عن عائشہ ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔[1]

ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں۔

ان کے شاگرد سید سلیمان ندوی سیرت النبی میں اس روایت پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں مذکور ہے مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتب سیر میں اس کے متعلق جس قدر روائتیں ہیں سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں اس قصہ کا سب سے محفوظ طریق سند وہ ہے جس میں عبد الرحمان بن غزوان جو ابو نوح قرار کے نام سے مشہور ہے یونس بن اسحاق سے اور وہ ابو بکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کرتے ہیں، یہ قصہ اس سلسلہ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، دلائل النبوۃ بیہقی اور دلائل النبوۃ لابی نعیم میں مذکور ہے، ترمذی

[1] تہذیب التہذیب ۶/۲۴۸

نے اس کو حسن غریب اور حاکم نے صحیح کہا ہے استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد طبع اول صفحہ ۱۳۰ وطبع دوم صفحہ ۱۶۸ میں اس روایت پر پوری تنقید کی ہے اور عبد الرحمان بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے ہیں، سب سے اول یہ کہ ابوموسیٰ اشعری سات ہجری میں مسلمان ہو کر مدینہ آئے اور یہ واقعہ اس سے پچاس برس پہلے کا ہے، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں اس لئے یہ روایت مرسل ہے، اس واقعہ کو ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ان کے صاحبزادے ابوبکر روایت کرتے ہیں مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں۔

قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَهَذَا الْحَدِيثُ لَا نَعْلَمُ رَوَاهُ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى عَنْ أَبِيهِ

ابوبکر کہتے ہیں اس حدیث کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ ابوبکر نے اسے اپنے والد سے سنا ہے۔ [1]

چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں بہت کچھ شک ہے، امام احمد بن حنبل نے تو اس سے قطعی انکار کیا ہے بنابریں یہ روایت منقطع ہے،

ابن سعد، فإنه قال: يستضعف

اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔ [2]

ابوبکر سے یونس بن ابی اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں گو متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ ان میں سخت بے پروائی تھی، شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے، امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور عام روایتوں کو مضطرب اور ایسی ویسی کہتے ہیں، ابوحاتم کی رائے ہے کہ گو وہ راست گو ہیں لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں، ساجی کا قول ہے کہ وہ سچے ہیں اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے، ابوحاکم کا بیان ہے کہ ان کو اکثر اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا، چوتھا راوی عبد الرحمان بن غزوان ہے اس کا نام مستدرک اور ابونعیم میں ابونوح قرار ہے اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے ممالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے۔

قال أبو أحمد الحاكم: روى عن الليث حديثاً منكرا

ابواحمد حاکم رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے۔ [3]

قال ابن حبان: كان يخطىء، يتخالج في القلب منه لروايته عن الليث، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة قصة المماليك

ابن حبان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ غلطیاں کرتا تھا اور امام مالک اور لیث کی طرف سے ممالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی

---

[1] مسند البزار ۳۰۹۶

[2] میزان الاعتدال ۴/۴۹۹

[3] میزان الاعتدال ۲/۵۸۱

طرف سے دل خلجان میں ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں عبد الرحمان بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر بحیرا راہب کا قصہ ہے،

وما يدل على أنه باطل قوله / ورده أبو طالب، وبعث معه أبو بكر بلالا بلال لم يكن خلق بعد، وأبو بكر كان صبيا

اس قصہ کے غلط ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس روایت میں ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا، حالانکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ اس وقت بچہ تھے اور بلال رضی اللہ عنہ پیدا ابھی نہ ہوئے تھے۔ ①

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے،

أظنه موضوعا فبعضه باطل

حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص میں لکھتے ہیں میں اس روایت کو خود ساختہ خیال کرتا ہوں کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اس کی صحت کو صرف اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے۔سیوطی نے خصائص الکبری میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں اس لئے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کئے ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں۔

وَوَقَعَ فِي كِتَابِ الترمذي وَغَيْرِهِ أَنَّهُ بَعَثَ مَعَهُ بلالا، وَهُوَ مِنَ الْغَلَطِ الْوَاضِحِ، فَإِنَّ بلالا إِذْ ذَاكَ لَعَلَّهُ لَمْ يَكُنْ مَوْجُودًا، وَإِنْ كَانَ فَلَمْ يَكُنْ مَعَ عَمِّهِ وَلَا مَعَ أَبِي بكر

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں جامع ترمذی کی روایت کہ چچا نے واپس کرتے وقت آپ کے ساتھ بلال کو بھیجا تھا، یہ صریح غلطی ہے اول تو اس وقت بلال رضی اللہ عنہ نہ ابو طالب کے پاس تھا اور نہ ہی سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس، دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دونوں موجود ہی نہ ہوں۔ ②

وَذَكَرَ البزار فِي مُسْنَدِهِ هَذَا الْحَدِيثَ وَلَمْ يَقُلْ: وَأَرْسَلَ مَعَهُ عَمُّهُ بلالا، وَلَكِنْ قَالَ: رَجُلًا

بزار نے بھی اس حدیث کا اپنی مسند میں ذکر کیا ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو طالب نے بلال کو بھیجا بلکہ ایک آدمی لکھا ہے۔ ③

عبد الحق محدث دہلوی مشکوۃ کی شرح اللمعات میں لکھتے ہیں کہ محدثین کہتے ہیں یہ واقعہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے اس لئے کہ بلال رضی اللہ عنہ تو اس وقت تک پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ سے دو سال چھوٹے تھے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض محدثین کہتے ہیں یہ روایت باطل ہے۔ ④

① میزان الاعتدال ۲/۵۸۱

② زاد المعاد ۱/۷۵

③ زاد المعاد ۱/۷۵

④ حاشیہ جامع ترمذی

وبلال لم يكن خلق بعد، وأبو بكر كان صبيا

اور بلال رضی اللہ عنہ تو اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے۔ [1]

اب ان روایات پر چند عقلی دلائل پر بھی غور فرمائیں۔

○ ابو طالب ایک ٹانگ سے بچپن ہی سے معذور تھے۔ [2]

اس لئے اتنے لمبے سفر کرنے سے جو تقریباً ایک ماہ کا تھا معذور تھے جس کی وجہ سے وہ اپنی گزر بسر کے لئے گھر پر عطر وغیرہ بنا کر فروخت کر دیا کرتے تھے، کم آمدنی کی وجہ سے ان کے گھر میں معاشی تنگی تھی اس لئے ان کے اہل وعیال پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھا سکتے تھے، اسی تنگ دستی کی وجہ سے عباس رضی اللہ عنہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اولاد کو اپنی کفالت میں لے لیا تھا۔

○ روایت میں ہے کہ مقام تیما پر پہنچے اور کسی جگہ لکھا ہے کہ بصریٰ پہنچے۔

○ کیا کم سن بچوں کو پڑاو پر بھوکا پیاسا اکیلا چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر بحیرا راہب کی فرمائش پر ایک قریشی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت میں لانے کے لئے گود میں اٹھا لایا، کیا بارہ سال کے بچہ کو گود میں اٹھا کر لایا جاتا ہے، اگر ایسا تھا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سارے سفر میں قریش کی گودیوں میں سفر کرتے رہے ہوں گے، ان قریشیوں کے نام کیا تھے۔

○ بحیرا راہب نے آپ کو نبوت ملنے سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قبول کر لیا تھا اور آپ پر ایمان لے آیا تھا اس طرح تو پہلا مرد جو مسلمان ہوا وہ بحیرا راہب ہوا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور دیگر سابقین اولین تو نہ ہوئے یا یہ کہا جائے کہ بوڑھوں میں پہلے بحیرا راہب ایمان لایا مگر مقام حیرت تو یہ ہے کہ اس واقعہ کے بعد بحیرا راہب کا کوئی اتہ پتہ معلوم نہیں ہوتا کیا وہ صرف آپ کی نبوت کی علامات بتانے کے لئے تخلیق کیا گیا تھا۔

○ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کوئی بھی مخلوق اپنے خالق کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتی چاہے وہ نبی ہی کیوں نہ ہو اللہ کی یہ مخلوقات مشرک نہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ... [3]

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سر بسجود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں؟ سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اور جسے اللہ ذلیل و خوار کر دے اسے پھر کوئی عزت دینے والا نہیں ہے۔

---

[1] میزان الاعتدال ۲/۵۸۱

[2] المعارف ۱/۵۸۳

[3] الحج ۱۸

کیا قرآن مجید کی بات کو چھوڑ کر یہ روایت تسلیم کی جائے۔

○ جب درخت کی ٹہنیاں سایہ کرنے کے لئے آپ ﷺ پر جھک رہی تھیں اور راہ میں شجر و حجر آپ ﷺ کو سجدہ کر رہے تھے تو کیا یہ واقعات سارے اہل قافلہ نے دیکھے تھے، قافلے میں کون کون شامل تھا یا صرف راوی روایت کو اپنی تخلیق سے بیشتر ہی نظر آ گئے تھے، اگر سب اہل قافلہ نے یہ واقعات اپنے سامنے ہوتے دیکھے تھے تو آپ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ان میں کتنے لوگ ایمان سے بہرہ مند ہوئے، قافلہ کے اور لوگ تو کیا ایمان لاتے خود ابو طالب جس کے سامنے بحیرا راہب اس کے بھتیجے کی نبوت کی واضح علامات بیان کر کے ان کا مرتبہ بیان کر رہا ہے کیا وہ مرتے دم تک رسول اللہ ﷺ کے اصرار کے باوجود مسلمان ہوا، کیا رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب اور قریشیوں کو جو اس قافلہ کے ساتھ تھے پچھلے واقعات کا حوالہ دے کر اپنی نبوت کا یقین نہیں دلایا کہ تم تو بچپن سے ہی میری نبوت کی علامات اور معجزے دیکھتے آئے ہو پھر کیا وجہ ہے کہ تم لوگ میری رسالت کو تسلیم نہیں کرتے، کیا قافلہ میں شریک سارے قریش بھی ان واقعات کو فراموش کر بیٹھے تھے، کیا وجہ ہے جو اس واقعہ کے بعد بحیرا راہب کا تذکرہ کہیں نہیں ملتا تو یہ واقعات راویوں کو کس نے بیان کیے۔

○ جامع ترمذی کی روایت سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہودیوں سے آپ کو کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ یہودی تو یہ سمجھتے کہ رسول موعود بنی اسرائیل میں سے ہوگا اور وہ کافروں پر فتح و نصرت کے لئے بڑی بے تابی سے منتظر تھے اور جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت بنی اسماعیل میں ہوگئی اس وقت تک ان کا یہ اعتقاد برقرار رہا، رہا عیسائیوں کا مسئلہ تو اس روایت کے مطابق آپ ﷺ کو خود، قافلہ میں شریک قریش کے لوگوں کو آپ کی نبوت کا معلوم ہو چکا تھا اور روم میں بیٹھے ہوئے ارباب اختیار تک کو بھی یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آپ نبی ہونے والے ہیں، اور ان کو علم غیب سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ آپ عرب میں پیدا ہونے کے بعد اس وقت بصریٰ میں موجود ہیں اس لئے سات رومی عیسائی آپ کی تلاش میں بصری میں آئے تھے، مگر یہ بات بھی صحیح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ صلح حدیبیہ کے بعد جب آپ ﷺ نے شاہ مصر مقوقس، شاہ روم قیصر اور شاہ حبش نجاشی کو اسلام قبول کرنے کے خطوط لکھے، ان بادشاہوں اور نجران کی طرف سے جو وفود آئے تھے انہوں نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ یہ تو ہم جانتے تھے کہ ایک نبی آنے والا ہے لیکن ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ وہ عرب کی سرزمین سے ہوگا، اس طرح تو یہ باتیں غلط ہوئیں کہ عیسائیوں کو رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کا علم تھا۔

○ روایت وضع کرنے والے کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ اس وقت شام میں عیسائیوں کی حکومت تھی یہودی تو وہاں غلامانہ زندگی گزار رہے تھے اور رسول موعود کے بے چینی کے ساتھ منتظر تھے جس کی بعثت کی پیشین گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں اور دعائیں مانگا کرتے تھے کہ وہ رسول جلدی سے آئے تو کفار کا غلبہ مٹے اور پھر ان کے عروج کا دور شروع ہو، ان کا یہ اعتقاد اس وقت تک رہا جب تک رسول اللہ ﷺ کی بعثت نہ ہوئی، اگر یہودی بچپن ہی میں آپ کو پہچان لیتے تو اپنے اعتقاد و یقین کے مطابق آپ ﷺ کو اپنی فتح و نصرت کا دیوتا سمجھ لیتے اور قتل کرنے کے بجائے نہایت خدمت گزاری کرتے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ [1]

ترجمہ: اور اب جو ایک کتاب اللہ کی طرف سے ان کے پاس آئی ہے، اس کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ ہے؟ باوجودیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، باوجودیکہ اس کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب چیز آ گئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا پس ایسے کافروں پر اللہ کی پھٹکار و لعنت ہو۔

○ اس طرح اگر دیکھا جائے تو آپ ﷺ کو عیسائیوں سے خطرہ ہوسکتا تھا یہودیوں سے نہیں جیسا کہ روایت میں ہے کہ روم سے سات آدمی آپ کی تلاش میں آئے، مگر بحیرا راہب کے کہنے پر اپنے مقصد سے باز رہے۔

○ کیا وہ انتہائی خطرہ آپ ﷺ کی جوانی کے بعد جب آپ نے تجارت کا شغل اپنایا جس میں آپ متعدد بار شام ویمن میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر گئے تھے، ٹل گیا تھا یا یہودیوں اور عیسائیوں کو نبوت کی نشانیاں بھول گئی تھیں۔

○ اصل میں اس ضعیف روایت کو کسی نہ کسی طرح سچا ثابت کرنے کے لئے مصنفین نے اپنی دیانت وصداقت کو خیرباد کہہ کر بدنیتی سے اس واقعہ کے آخری جز کو بالکل ہی بدل دیا جس سے اس روایت کا غلط ثابت ہونا ظاہر ہوتا ہے، ورنہ آخر میں اصل بیان تو یہ ہے کہ ابوطالب نے آپ کو بلال اور سیدنا ابوبکر کے ساتھ واپس کر دیا، اور بعض روایات میں ہے کہ سیدنا ابوبکر نے بلال کے ساتھ واپس کر دیا، بعض روایت میں ہے کہ غلام کے ہمراہ واپس بھیج دیا، کیا سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جو آپ ﷺ سے سوا دو سال چھوٹے تھے سالار قافلہ تھے اور بلال رضی اللہ عنہ تو پیدا ہی نہ ہوئے تھے، اور اگر کسی غلام کے ساتھ واپس کیا تھا تو ابوطالب کو اپنے بھتیجے سے یہ کیسی محبت تھی کہ اتنے بڑے خطرے کے باوجود جس میں بھتیجا قتل تک ہوسکتا تھا غلام کے ساتھ واپس بھیج دیا۔

جنگ فجار

۵۸۰ء تا ۵۹۰ء

پہلی جنگ: جو بنوکنانہ اور بنو ہوزان کے درمیان ہوئی جنہیں قیس عیلان بھی کہا جاتا ہے۔

دوسری جنگ: جو فجار قریش اور بنوکنانہ کے درمیان ہوئی۔

تیسری جنگ: جو فجار بنوکنانہ اور بنونصر بن معاویہ کے درمیان ہوئی۔

چوتھی جنگ: عرب میں قبل از اسلام تک جنگ وجدل کا سلسلہ جاری تھا معمولی باتوں پر جنگ شروع ہوجاتی اور ختم ہونے کا نام نہ لیتی، لیکن چوتھی حرب فجار سب سے زیادہ خطرناک اور مشہور جنگ تھی، یہ حرب ماہ الحرام شوال بیس عام الفیل میں قریش اور قیس عیلان جن میں قبیلہ ثقیف اور ہوزان بھی شامل تھے کے درمیان ہوئی۔ [2]

---

[1] البقرة ۸۹

[2] ابن اسحاق، ابن سعد، بلاذری اور تفسیرطبری

اس سے بیشتر تین مرتبہ جنگ فجار ماہ حرام میں برپا ہو چکی تھیں، کیونکہ یہ جنگ بھی ماہ الحرام بر پا ہوئی تھی اور ماہ حرام میں جنگ کرنا فجور ہے جس کی بنا پر قریش نے کہا قد فجرنا ہم نے فجور کا ارتکاب کیا ہے اس لئے اس جنگ کو قریش نے جنگ فجار کا نام دیا، اس جنگ کا سبب یہ ہوا کہ عروہ الرحال نامی سردار جو بنی ہوزان میں سے تھا نے حیرا کے فرمار وا نعمان بن منذر کے تجارتی قافلہ کو اپنی امان میں عکاظ کے میلے میں جو ماہ ذی الحجہ میں منعقد ہوتا تھا جانے کے لئے راہ گزر عطا کر دی تھی اور قافلہ نے اورات نامی کنویں کے قریب پڑاؤ ڈال دیا تھا، بنی کنانہ کے ایک سردار براص بن قیس نے کہا کیا تو کنانہ کے مقابلہ میں بھی اس کو امان دے رہا ہے، عروہ الرحال نامی سردار نے کہاہاں اور تمام دنیا کے مقابلہ میں بھی، یہ بات کنانی سردار براص بن قیس کے لئے ناقابل برداشت تھی، اس نے غصہ میں آپے سے باہر ہو کر نجد کے بالائی علاقہ میں تمین کے مقام پر عروہ بن عتبہ کو جو حیرا کے فرمار وا نعمان بن منذر کا مال تجارت لے کر عکاظ کے بازار میں آیا تھا قتل کر دیا اور پھر خیبر بھاگ گیا اور وہیں چھپا رہا، خیبر میں وہ بشیر بن ابی خازم اسدی شاعر سے ملا اور اسے واقعہ کی اطلاع دی اور اسے کہا کہ وہ جا کر عبد اللہ بن جدعان، ہشام بن مغیرہ، حرب بن امیہ، نوفل بن معاویہ دیلی اور بلعاء بن قیس کو اس واقعہ کی خبر دے دے، اس نے عکاظ کے میلہ میں جو سب سے بڑا تجارتی میلہ تھا پہنچ کر اس واقعہ کی خبر سب تک پہنچا دی، خون خرابہ کے خطرے کے پیش نظر یہ لوگ پناہ لینے کے لئے فوراً بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے، قبیلہ قیس کو اس واقعہ کی خبر شام کو ہوئی، ابو براجو قبیلہ ہوزان کا سردار تھا نے کہا کہ قریش نے دھوکہ دیا چنانچہ یہ لوگ بھی بدلہ لینے کے لئے فوراً قریش کے پیچھے روانہ ہو گئے مگر ان کے پہنچتے تک قریش بیت اللہ میں داخل ہو چکے تھے، یہ دیکھ کر اورم بن شعیب جو قبیلہ بنو عامر سے تھا قریش کو بابلند آواز پکار کر کہا کہ اب تو تم بیت اللہ میں پناہ لے چکے ہو مگر اب ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال انہی عکاظ کے میلے کے دنوں میں ہو گا اور ہم تم پر چڑھائی کرنے میں کوئی کمی نہیں کریں گے، یہ کوئی معمولی واقعہ نہ تھا چنانچہ اس واقعہ کی وجہ سے اس سال عکاظ کا میلہ بھی منعقد نہ ہو سکا، اعلان جنگ کے بعد قریش نے بھی کنانہ کا ساتھ دینا مناسب سمجھ کر جنگ کی تیاری شروع کر دی، فریقین پورے ایک سال تک جنگی تیاریوں میں مصروف رہے، جب وقت جنگ آ گیا تو سرداران قریش عبد اللہ بن جدعان، ہشام بن مغیرہ، حرب بن امیہ، سعید بن عاص، عتبہ بن ربیعہ، عاص بن وائل، معمر بن حبیب جمحی، عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار سب اپنی اپنی کمان میں لڑنے والے افراد جمع کر کے آ گئے مگر ان کی کوئی متفقہ کمان نہ تھی، ایک روایت میں ہے کہ ان کی کمان حرب بن امیہ کے ہاتھ میں تھی، ایک روایت ہے کہ عبد اللہ بن جدعان کے ہاتھ میں کمان تھی، دوسری طرف اپنی اپنی قوم کے سردار ابو براء عامر بن مالک بن جعفر، سبیع، ربیعہ بن معاویہ نضری، درید بن صمہ، مسعود بن معتب، ابو عروہ بن مسعود، عوف بن ابی حارثہ، عباس بن رعل سلمی اپنے جنگجوؤں کو لے کر قیس بن عیلان کے ساتھ نکلے، روایت ہے کہ ان سب کی مشترکہ کمان ابو براء کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اسی کے ہاتھ میں جنگ کا علم تھا اور اس نے جنگ کی صف بندی کی، چونکہ قریش اس جنگ میں حق بجانب تھے قبیلہ کی عزت و ناموس اور ننگ و عار کا معاملہ تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی جب ان کی عمر مبارک بیس برس تھی اور آپ جنگ کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اپنے چچاؤں کے ہمراہ اس جنگ میں پہلی مرتبہ حصہ لیا آپ ﷺ کا دامن جاہلیت کی لڑائیوں سے پاک وصاف تھا اس سے قبل آپ کو کسی جنگ کا تجربہ نہ تھا مگر دور نبوت کے غزوات میں آپ سے جو عظیم قائدانہ صلاحیتیں ظاہر ہوئیں وہ سراسر خداداد تھیں آپ ﷺ پیشہ ور سپہ سالار نہیں بلکہ پیدائشی سپہ سالار تھے، یہ جنگ شوال ۲۰ عام الفیل کو ہوئی تھی،

فَلَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعَ عَشْرَةَ سَنَةً أَوْ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً

ایک روایت ہے جب حرب فجار واقع ہوئی آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم چودہ پندرہ سال کے تھے۔ (۱)

هَاجَتْ حَرْبُ الْفِجَارِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنُ عِشْرِينَ سَنَةً

ایک روایت ہے جب جنگ فجار برپا ہوئی آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس وقت بیس سال کے تھے۔ (۲)

مگر کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا یعنی خود جنگ نہیں کی،اور صرف اپنے چچاؤں کو تیر نکال نکال کر دیتے رہے،جب جنگ شروع ہوئی تو ابتدا میں قبیلہ قیس اور کنانہ کو قبیلہ ہوزان اور ان کے رفقاء کے مقابلے میں شکست ہوئی مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور گھمسان کا رن جاری رکھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دن کے آخر میں قیس کے مقابلہ میں قریش اور کنانہ کو شکست فاش ہوئی اور قریش وکنانہ کے افراد کو بے دردی سے قتل کیا گیا،اپنی قوم کو بے دردی سے قتل ہوتا دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ جو اس وقت تیس سال سے بھی کم عمر نوجوان تھے انہوں نے صلح کا نعرہ لگایا،اور اس شرط پر صلح ہوگئی کہ قریش قبیلہ قیس کے مقتولین کا خون بہا ادا کریں اور قریش کے مقتولین کا خون بہا ادا نہیں کیا جائے گا چنانچہ جنگ کا خاتمہ ہوا اور فریقین واپس اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف لوٹ گئے،اور بالآخر یہ جنگ شوال میں صلح پر ختم ہوئی،

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الْفِجَارَ فَقَالَ: قَدْ حَضَرْتُهُ مَعَ عُمُومَتِي وَرَمَيْتُ فِيهِ بِأَسْهُمٍ وَمَا أُحِبُّ أَنِّي لَمْ أَكُنْ فَعَلْتُ

رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا میں اپنے چچاؤں کے ہمراہ اس جنگ میں شریک تھا اور کچھ تیر بھی پھینکے تھے مگر میری دلی خواہش یہی تھی کہ ایسا نہ کروں۔ (۳)

حلف الفضول (پاکیزہ لوگوں کا حلف)

عرب میں ان معمولی معمولی باتوں پر طویل جنگوں نے سینکڑوں گھرانے تباہ وبرباد کر دیئے تھے،جس کی وجہ سے قتل وسفاکی اور حق تلفی عربوں کے موروثی اخلاق بن گئے تھے،جنگ فجار میں تو بہت سے لوگ لقمہ اجل بن گئے،،ایک واقعہ کے باعث بعض سلیم الطبع اور صلح جو حضرات میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی،

كان سببه أنرجُلًا مِنْ زُبَيْدٍ قَدِمَ مَكَّةَ بِبِضَاعَةٍ فَاشْتَرَاهَا مِنْهُ الْعَاصُ بْنُ وَائِلٍ فَحَبَسَ عَنْهُ حَقَّهُ،فَاسْتَعْدَى عَلَيْهِ الزُّبَيْدِيُّ الْأَحْلَافَ عَبْدَ الدَّارِ وَمَخْزُومًا وجمحاً وَسَهْمًا وَعَدِيَّ بْنَ كَعْبٍ فَأَبَوْا أَنْ يُعِينُوا عَلَى الْعَاصِ بْنِ وَائِلٍ وَزَبَرُوهُ - أَيِ انْتَهَرُوهُ،فَلَمَّا رَأَى الزُّبَيْدِيُّ الشَّرَّ أَوْفَى عَلَى أَبِي قُبَيْسٍ عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقُرَيْشٌ فِي أَنْدِيَتِهِمْ حَوْلَ الْكَعْبَةِ فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: يَا آلَ فِهْرٍ لِمَظْلُومٍ بِضَاعَتُهُ بِبَطْنِ مَكَّةَ، فَقَامَ فِي ذَلِكَ الزُّبَيْرُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَقَالَ: مَا لِهَذَا

---

(۱) ابن ہشام ۱۸۴/۱

(۲) ابن ہشام ۱۸۶/۱،ابن سعد ۱۰۲/۱، الروض الانف ۱۴۹/۲

(۳) ابن سعد ۱۰۲/۱

مُتْرَكٌ فَاجْتَمَعَتْ هَاشِمٌ وَزُهْرَةُ وَتَيْمُ بْنُ مُرَّةَ فِي دَارِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ فَصَنَعَ لَهُمْ طَعَامًا

واقعہ یہ پیش آیا کہ عرب کے لوگ یمن سے تجارتی مراسم رکھتے تھے وہاں کے شہر زبید سے ایک شخص اپنا مال فروخت کرنے مکہ آیا اس کا سارا مال عاص بن وائل نے جو مکہ کا ایک صاحب حیثیت اور بااقتدار رئیس تھا نے خرید لیا مگر اپنے اقتدار کے زعم میں اس زبیدی کو رقم دینے سے انکار کر دیا، زبیدی نے قریش کے قبائل بنوعبدالدار، بنومخزوم، بنوجمح، بنوسہم اور بنوعدی بن کعب سے جو ایک دوسرے کے حلیف تھے عاص بن وائل سے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے مدد مانگی مگر انہوں نے عاص بن وائل کے خلاف اس زبیدی کو جھڑک کر اس کی مدد کرنے سے انکار کر دیا، جب زبیدی وہاں سے مایوس ہو گیا تو صبح کے وقت جس وقت قریش بیت اللہ میں اپنی محفلیں لگائے بیٹھے تھے، وہ مکہ کے قریبی پہاڑ ابوقبیس پر چڑھ گیا اور بلند آواز سے آل فہر کو پکار کر اپنے مظلوم اور ستم رسیدہ ہونے کے بارے میں پرسوز انداز سے کچھ شعر کہے، بلاشبہ جنگ وقتل، سفاکی، ظلم وستم اور حق تلفی عربوں کے موروثی اخلاق بن چکے تھے جس کی بنا پر وہ درندوں جیسی زندگی گزار رہے تھے، اگرچہ وہ اپنے افعال واعمال میں ہرگز متمدن نہیں تھے، مگر ان کی شرست، جبلت اور فطرت میں ان کے علاوہ کچھ اور پسندیدہ جواہر کمالات بھی چھپے ہوئے تھے مگر بے محل صرف ہو رہے تھے، اس لئے ایک مظلوم کی پکار سن کر فوراً تڑپ اٹھے، اس زبیدی کے پرسوز کلام نے رسول اللہ ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کا دل گرما دیا انہوں نے کہا یہ معاملہ اس طرح نہیں چھوڑا جا سکتا یہ ذیقعدہ (حرمت والا مہینہ) ۲۰ عام الفیل تھا، زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے حلیف قبائل بنوہاشم، زہرہ اور تیم بن مرہ کو اس طرح کی ظلم کے خلاف غیرت دلائی، چنانچہ تینوں قریشی قبائل، عبداللہ بن جدعان جس کی کنیت ابوزہیر تھی اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا چچازاد بھائی تھا قبیلہ تیم سے تعلق رکھتا تھا جو بڑا فیاض، بھوکوں کو کھانا کھلانے والا، بڑا مہمان نواز غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے والا تھا (صہیب رومی کو انہوں نے ہی خرید کر آزاد کر دیا تھا) کے گھر جمع ہوئے، عبداللہ بن جدعان نے ان کے لئے بڑی پرتکلف دعوت کا اہتمام کیا، کھانے سے فراغت کے بعد سب نے کھڑے ہو کر بیک زبان یہ معاہدہ کیا۔

أَلَّا يُقِيمَ بِبَطْنِ مَكَّةَ ظَالِمٌ أَمْرٌ عَلَيْهِ تَعَاقَدُوا وَتَوَاثَقُوا

اس روز کے بعد مکے میں کسی کا ظلم برداشت نہیں کیا جائے گا اور ہر مظلوم کی دادرسی اور ظالم کو سزا دی جائے گی۔ [1]

فَتَعَاقَدُوا وَتَعَاهَدُوا بِاللّٰهِ الْقَائِلِ: لَنَكُونَنَّ مَعَ الْمَظْلُومِ حَتَّى يُؤَدَّى إِلَيْهِ حَقُّهُ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً. وَفِي التَّآسِي فِي الْمَعَاش

سب نے اللہ تعالیٰ کو بیچ میں ڈال کر ان لفظوں میں عہد کیا جب تک دریا صوف کے بھگونے کی شان باقی ہے ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے، یہاں تک کہ اس کا حق ادا کیا جائے اور معاش میں ہم (اس کی) خبرگیری وغم خواری بھی کریں گے۔ [2]

وَتَعَاهَدُوا بِاللّٰهِ لَيَكُونَنّ يَدًا وَاحِدَةً مَعَ الْمَظْلُومِ عَلَى الظّالِمِ حَتّى يُؤَدّى إلَيْهِ حَقّهُ مَا بَلّ بَحْرٌ صُوفَةً وَمَا رَسَا حِرَاءُ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ۲/۳۵۶

[2] ابن سعد ۱/۱۰۳

انہوں نے اللہ کو بیچ میں رکھ کر معاہدہ کیا کہ جب تک دریا صوف میں بھگونے کی شان باقی ہے ہم سب مظلوم کی مدد کے لئے ظالم کے خلاف ایک ہاتھ کی طرح متحد رہیں گے اور جب تک ظالم سے مظلوم کا حق نہیں لیں گے چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ (۱)

اجتمعوا فاحتلفوا لا يدعوا أحدا يظلم بمكة أحدا إلا نصروا المظلوم على الظالم وأخذوا له بحقه

ہم شہر کے کسی باشندے یا باہر سے آنے والے پر کوئی ظلم نہ ہونے دیں گے اور ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد کریں گے اور اس کا حق دلا کر رہیں گے۔ (۲)

اس جیسا پاکیزہ ومقدس معاہدہ عربوں میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا جو مکہ کے ہمسائے اور باہر سے آنے والوں کے لئے ان کی سلامتی کی ضمانت بن گیا۔قریش نے تین اشخاص الفضیل بن حرث، الفضیل بن وداعہ اور مفضل بن فضالہ کے ناموں پر جو جرہم اور قطورا قبیلہ تھے اس معاہدے کا نام حلف الفضول رکھا۔ کچھ راویوں نے ان کے یہ نام بتلائے ہیں الفضل بن شراعہ، الفضل بن بضاعہ، الفضل بن قضاعہ۔ رسول اللہ ﷺ بھی اس معاہدے میں شریک تھے، امن بسیط اور لوگوں سے ہمدردی وتعاون کی قدر ومنزلت شروع سے ہی آپ ﷺ کو منظور تھی اس لئے فرمایا کرتے تھے

مَا أُحِبّ أَنّ لِي بِهِ حُمْرَ النّعَمِ وَلَوْ دُعِيت إلَيْهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْت

اس معاہدہ کے مقابلے میں اگر مجھے سرخ اونٹ (جو بہت قیمتی ہوتے تھے) بھی دے دیئے جاتے تو میں اسے ہرگز نہ تبدیل کرتا اور آج بھی کوئی مجھے اس طرح کے معاہدے کی دعوت دے تو میں حاضر ہوں۔ (۳)

پھر سب مل کر عاص بن وائل کے پاس گئے اور اس سے زبیدی کی واجب ادا رقم لے کر زبیدی کو ادا کر دی۔

عَنْ عَائِشَةَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، ابْنُ جُدْعَانَ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ يَصِلُ الرَّحِمَ، وَيُطْعِمُ الْمِسْكِينَ، فَهَلْ ذَاكَ نَافِعُهُ؟قَالَ: لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! عبداللہ بن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں ناتے جوڑتا تھا (یعنی ناتے والوں کے ساتھ سلوک کرتا تھا) اور مسکینوں کو کھانا کھلاتا تھا کیا یہ کام اس کو (روز قیامت) فائدہ دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کچھ فائدہ نہیں دیں گے، اس نے تو ایک دن بھی نہیں کہا کہ اے میرے رب! قیامت کے روز میرے گناہ معاف کر دینا۔ (۴)

جب رسول اللہ ﷺ چونتیس سال کے ہوئے تو حلف الفضول کی سعی کرنے والے زبیر بن عبدالمطلب فوت ہو گئے، جنگ وقتل، سفاکی، ظلم وستم عربوں کے اخلاق بن چکے تھے اور وہ درندوں جیسی زندگی گزار رہے تھے، اگرچہ وہ اپنے افعال واعمال میں ہرگز متمدن نہیں تھے مگر ان

(۱) الروض الانف ۲/۴۷

(۲) المحبر ۱۶۷

(۳) الرروض الانف ۲/۴۹، ابن ہشام ۱/۱۳۴، البداية والنهاية ۲/۳۵۷

(۴) صحیح مسلم کتاب الایمان بَابُ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ مِنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ لَا يَنْفَعُهُ عَمَلٌ ۵۱۸، مسند احمد ۲۴۶۲۱، صحیح ابن حبان ۳۳۱

کی شرشت، جبلت اور فطرت میں ان کے علاوہ کچھ اور پسندیدہ جواہر کمالات بھی چھپے ہوئے تھے مگر بے محل صرف ہو رہے تھے، اس لئے ایک مظلوم کی پکار سن کر فوراً تڑپ اٹھے، انسان اپنے اعمال و افعال تو بدل سکتا ہے مگر اپنی شرست نہیں بدل سکتا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں ایمان لا کر عمل صالح کی تلقین فرمائی تو یہی عرب جو اپنے اعمال میں درندے بنے ہوئے تھے مگر شرست میں بھلائی چھپی ہوئی تھی ایمان لانے کے بعد اعمال صالح اختیار کر لئے اور رب کے دین کو ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیلانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے اور اپنے گرد وہر بڑی حکومت کو اپنی ضرب سے پاش پاش کر دیا۔

سراپا اقدس

اللہ نے بچپن سے موت تک ہر طرف سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی، آپ کی عادات و خصائل عام بچوں سے بالکل مختلف تھے، آپ مردانہ حسن اور جوانمردی کا بہترین نمونہ تھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب، انس رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، براء رضی اللہ عنہ بن عازب، جابر رضی اللہ عنہ بن سمرہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ رضی اللہ عنہ بن بسر، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر کے بیٹے ہند رضی اللہ عنہ بن ہالہ آپ ﷺ کا سراپا مبارک مجموعی طور پر اس طرح روایت کرتے ہیں۔

فَهُوَ الَّذِي فِي بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ

سرخ و سفید رنگ، سر بڑا مگر معتدل، سر پر بال بہت سیاہ جو نہ تو بالکل سیدھے تھے اور نہ گھنگھریالے بس درمیانی تھے، سر کے بال کبھی آدھے کان تک، کبھی کان کی لو تک اور کبھی اس سے بھی نیچے تک لمبے ہوتے، پیشانی مبارک چوڑی و کشادہ، بھوئیں بارک اور ملی ہوئی مگر دونوں بھوؤں میں معمولی سا فاصلہ چھوڑ کر جو بڑے غور سے دیکھنے سے نظر آتا، آنکھیں بڑی بڑی اور سیاہ تھیں سفیدی کی جگہ خوب سفید اور سیاہی کی جگہ خوب سیاہ۔

أَكْحَلُ العَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ

سرمہ لگائے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا کہ آپ نے سرمہ لگایا ہوا ہے، پلکیں گھنی اور لمبی، بینی مبارک کھڑی لانبی اور ستواں، رخسار ہائے مبارک چوڑے جن میں ابھار تھا نہ بلندی، دہانہ معتدل حد تک کشادہ جو فصیح البیان ہونے کی علامت ہے، دندان مبارک مضبوط اور ان کے درمیان ریخیں تھیں، ریش مبارک گھنی اور سیاہ، آخر عمر تک سر اور داڑھی میں چند بال ہی سفید ہوئے تھے اور اس وقت نمایاں ہوتے جب آپ نے تیل نہ لگایا ہوتا، شانہ ہائے مبارک چوڑے پر گوشت اور گداز، سینہ مبارک چوڑا، بطن مبارک نرم، ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے موٹے اور گداز، انگشت مبارک موٹی مگر نہ چھوٹی اور نہ سخت، ہاتھوں کی کلائیاں لمبی، پائے مبارک موٹے، قدم مبارک کا انگوٹھا درمیانی انگلی سے بڑا، جسم مبارک کی ہڈیاں چوڑی اور پر گوشت تھیں، جسم مبارک ڈھیلانہ تھا بلکہ تنا رہتا، قد مبارک نہ لانبا تھا اور نہ چھوٹا مگر لمبائی کے قریب تھا، کسی مجمع میں ہوتے تو نمایاں نظر آتے، بازوں اور پنڈلیوں پر ہلکے ہلکے بال، باقی جسم بالوں سے صاف تھا۔

ضَخْمَ الكَرَادِيسِ طَوِيلَ الْمَسْرُبَةِ

اور سینے پر بالوں کی ایک لکیر سی ناف تک جاتی تھی،

آپ کے چہرے سے شخصیت کا غیر معمولی پن نمایاں تھا جن لوگوں کو آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے واسطہ پڑتا وہ آپ کی غیر معمولی سحر انگیز شخصیت سے متاثر ہو جاتا اور ان کے ذہنوں میں یہ بات راسخ ہو جاتی کہ آپ کوئی غیر معمولی شخصیت ہیں جو ان کے درمیان پیدا ہوئے ہیں۔

إِذَا مَشَى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ

قدم جما کر اس طرح چلتے جیسے گہرائی میں اتر رہے ہوں یا چڑھائی پر چڑھ رہے ہوں۔[1]

آپ نے نہ کبھی ورزشیں کیں اور نہ ہی پہلوانی مگر جسمانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قریش کے ایک طاقتور پہلوان رکانہ کو (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) جسے کوئی نہیں پچھاڑ سکا تھا آپ سے کشتی لڑی، آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے چند لمحوں میں بے بس کر کے پچھاڑ دیا، وہ اسے محض ایک اتفاق سمجھا اس لئے دوبارہ مقابلے پر اتر آیا آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے دوبارہ بھی پچھاڑ دیا تو وہ بڑی حیرت سے کہنے لگا اے محمد! تعجب ہے تم مجھے پچھاڑ دیتے ہو۔عبداللہ بن جدعان بڑا مہمان نواز شخص تھا اس نے دعوت کی جس میں آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ابوجہل (جو تقریباً آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ہم عمر تھا) بھی تھا، کسی بات پر ابوجہل آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے الجھ پڑا، آپ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم بڑے تحمل مزاج اور لڑائی جھگڑے سے دور رہتے تھے مگر جب وہ الجھ ہی پڑا تو آپ نے اسے اٹھا کر نیچے پٹک دیا جس سے اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا اس زخم کا نشان تمام عمر اس کے گھٹنے پر رہا، چنانچہ جنگ بدر میں جب یہ غالی دشمن اسلام جہنم رسید ہوا تو

وَقَدْ قَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا بَلَغَنِي أُنْظُرُوا، إنْ خَفِيَ عَلَيْكُمْ فِي الْقَتْلَى، إلَى أَثَرِ جُرْحٍ فِي رُكْبَتِهِ، فَإِنِّي ازْدَحَمْتُ يَوْمًا أَنَا وَهُوَ عَلَى مَأْدُبَةٍ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُدْعَانَ، وَنَحْنُ غُلَامَانِ، وَكُنْتُ أَشَفَّ مِنْهُ بِيَسِيرٍ، فَدَفَعْتُهُ فَوَقَعَ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، فَجُحِشَ فِي إحْدَاهُمَا جَحْشًا لَمْ يَزَلْ أَثَرُهُ بِهِ،قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْعُودٍ: فَوَجَدْتُهُ

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اگر تمہیں اس کا پتہ نہ چلے تو اس کو اس طرح پہچاننا کہ اس کے گھٹنے پر ایک زخم کا نشان ہے کیونکہ عبداللہ بن جدعان کے گھر پر میری ابوجہل سے لڑکپن میں لڑائی ہوئی تھی اور میں نے اس کو اٹھا کر نیچے پٹک دیا جس سے اس کا گھٹنا زخمی ہو گیا اس زخم کا نشان تمام عمر اس کے گھٹنے پر رہا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اسی نشان کے ساتھ میں نے اس کو پہچانا۔[2]

امین وصادق تاجر

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّم اب بیس پچیس سال کے ہو چکے تھے، اب آپ نے سنجیدگی سے قریش کے دوسرے لوگوں کی طرح تجارت کے بارے میں سوچنا شروع کیا مگر گھر میں ابتدائی سرمایہ ہی نہ تھا تجارت کیسے شروع ہوتی، حالت یہ تھی کہ خود بھوکے پیاسے رہ کر اپنی محنت مزدوری سے کچھ بچا کر راہ اللہ ضرورت مندوں میں بانٹ دیا کرتے تھے، مگر اللہ ہی مُسَبِّبُ الْأَسْبَابُ ہے جس طرح اس نے بچپن میں آپ کو کسی کے زیر احسان نہیں رکھا تھا اسی طرح اس رب نے تجارت کا ذریعہ بھی مہیا کر دیا، آپ کی سچائی، امانت و دیانت داری، سلیقہ شعاری، معاملہ

---

[1] صحیح بخاری، صحیح مسلم ، سنن نسائی ، جامع ترمذی ابواب المناقب ۳۶۳۷ ،مسنداحمد ۹۴۴، سنن الکبری للبیھقی ،مستدرک حاکم ۴۱۹۴،سنن الدارقطنی وغیرہ

[2] ابن ہشام ۶۳۵/۱ ،الروض الانف ۹۸/۵،عیون الاثر ۳۰۴/۱، البدایة والنهاية ۳۵۱/۳،السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۴۴۱/۲

فہمی، سنجیدگی ودانشمندی، حلم ووقار، عہد کی پابندی، ایثار وقربانی، عالی حوصلگی اور حسن خلقی کا پورا مکہ ہی گواہ تھا، جس کی وجہ سے لوگ آپ ﷺ کا غیر معمولی احترام کرتے اور آپ کو الامین والصادق کے خطاب سے پکارتے، اہل عرب جو کسی وجہ سے خود مال تجارت لے کر نہیں جاتے تھے تو ان کی کوشش ہوتی کہ کوئی کھرا، زیرک، معاملہ فہم آدمی ان کا مال لے کر جائے اور راس مال سے جو منافع حاصل ہو اس میں سے اسے کچھ حصہ دے دیا جائے، کئی لوگوں نے آپ ﷺ کو یہ کام سونپا اور آپ ﷺ نے بھی خوشی خوشی لوگوں کے ساتھ شرکت فرمائی، آپ ﷺ تجارتی معاملات میں بڑے کھرے اور سچے تھے، آپ ﷺ دولت حاصل کرنے کے لالچ میں کسی سے دھوکا دہی یا چالبازی اختیار نہ فرماتے اور نہ ہی لین دین پر کوئی جھگڑا ہی کھڑا کرتے، بلکہ سیدھے سادھے انداز میں معاملہ طے فرماتے اور اپنا مال فروخت کرنے کے لئے قسمیں نہ کھاتے، اگر مال میں کوئی نقص واقع ہوتا تو اس نقص کو خریدار کے سامنے عیاں فرماتے، چنانچہ ایک شخص جس کے نام میں اختلاف ہے کوئی انہیں قیس بن السائب بن عویمر مخزومی کہتا ہے۔ (۱) کوئی سائب بن عبداللہ مخزومی لکھتا ہے۔ (۲)

عَنِ السَّائِبِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلُوا يُثْنُونَ عَلَيَّ وَيَذْكُرُونِي،فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَعْلَمُكُمْ يَعْنِي بِهِ،قُلْتُ: صَدَقْتَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي: كُنْتَ شَرِيكِي فَنِعْمَ الشَّرِيكُ، كُنْتَ لَا تُدَارِي، وَلَا تُمَارِي

اور کوئی سائب بن ابی السائب سمجھتا ہے سے مروی ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا مجھے دیکھ کر حاضرین مجلس میری تعریف کرنے لگے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تم لوگوں سے زیادہ انہیں جانتا ہوں، آپ ﷺ کی یہ بات سن کر میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ نے سچ فرمایا آپ میرے ساتھ تجارت میں شریک تھے، آپ نے ہمیشہ صاف ستھرا معاملہ کیا کسی کو دھوکا یا فریب نہیں دیا اور نہ ہی کسی سے لین دین پر جھگڑا کیا۔ (۳)

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الْحَمْسَاءِ، قَالَ: بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَيْعٍ قَبْلَ أَنْ يُبْعَثَ وَبَقِيَتْ لَهُ بَقِيَّةٌ فَوَعَدْتُهُ أَنْ آتِيَهُ بِهَا فِي مَكَانِهِ،فَنَسِيتُ، ثُمَّ ذَكَرْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ، فَجِئْتُ فَإِذَا هُوَ فِي مَكَانِهِ،فَقَالَ:يَا فَتًى، لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ، أَنَا هَاهُنَا مُنْذُ ثَلَاثٍ أَنْتَظِرُكَ

ایک اور روایت ہے عبداللہ بن ابی الحمساء نے زمانہ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ سے مال کی خرید وفروخت کا معاملہ طے کیا کچھ معاملہ تو طے ہو گیا مگر کچھ باقی رہ گیا، اس نے رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ میں اسی جگہ پر دوبارہ آپ سے آ کر ملوں گا اور باقی معاملہ بھی طے کر لوں گا، یہ کہہ کر وہ چلے گئے اور دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو کر اپنا وعدہ بھول گئے، تین دن گزر جانے کے بعد اسے اپنا وعدہ یاد آیا تو بھاگا ہوا اسی جگہ چلا آیا جہاں ملنے کا وعدہ تھا حسب وعدہ مطلوبہ جگہ پر اس نے رسول اللہ ﷺ کو موجود پایا، اسے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے جوان! تم نے مجھے بڑی تکلیف پہنچائی، میں تین دن سے یہاں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ (۴)

(۱) استیعاب ۱۲۸۸/۳

(۲) مسند احمد ۱۵۵۰۲

(۳) سنن ابوداود کتاب الْأَدَبِ بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الْمِرَاءِ ۴۸۳۶

(۴) سنن ابوداود کتاب الْأَدَبِ بَابٌ فِي الْعِدَةِ ۴۹۹۶

اہل قریش اور ارد گرد کے لوگ بچپن سے آپ ﷺ کے اخلاق وکردار کے ہر پہلو کو دیکھ رہے تھے، جس میں انہیں کوئی ہلکا سا بھی دھبہ نظر نہیں آرہا تھا مگر محض اپنی ہٹ دھرمی اور جاہلیت کی بنا پر دین اسلام قبول کرنے سے انکار کر رہے تھے اس لیے باری تعالیٰ نے انہیں آپ ﷺ کے اخلاق وکردار کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ①

ترجمہ: بلاشبہ میں تم میں اس سے پہلے ایک عمر گزار چکا ہوں۔

مکہ مکرمہ میں قریش کی ایک حسین وجمیل مالدار معزز بیوہ خاتون خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں جو ۵۵۶ء کو خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی کے گھر میں فاطمہ بنت زائد بن اصم کے بطن سے پیدا ہوئیں، ان کے والد اپنے قبیلہ میں ایک نہایت اعلیٰ حیثیت کے حامل تھے، ہر شخص ان کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا، ان کا پیشہ قریش کی طرح تجارت ہی تھا، ان کے گھر میں مال ودولت کی کوئی کمی نہ تھی،

وَأَنَّ خُوَيْلِدًا كَانَ قَدْ هَلَكَ قَبْلَ الْفِجَارِ

خویلد جنگ فجار سے قبل انتقال کر گئے تھے۔ ②

جبکہ ایک روایت میں ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد حرب الفجار میں کام آئے،

وَكَانَ الْفِجَارُ بَعْدَ الْفِيلِ بعشرين سنة

اور حرب الفجار عام الفیل سے بیس (۲۰) سال بعد کا واقعہ ہے۔ ③

قال ابن سعد: كانت ذكرت لورقة ابن عمها، فلم يقدر

جب خدیجہ رضی اللہ عنہا بالغ ہوئیں تو ابن سعد کے مطابق باپ نے اپنی پاکیزہ اخلاق بیٹی کی صفات جمیلہ کا لحاظ رکھتے ہوئے سب سے پہلے شادی کے لیے آپ کے ایک چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کو منتخب کیا لیکن پھر نامعلوم وجوہ کی بنا پر یہ بیل پروان نہ چڑھ سکی۔ ④

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ :تَزَوَّجَتْ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدِ بْنِ أَسَدٍ قَبْلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رجلين :الْأَوَّلُ مِنْهُمَا : عَتِيقُ بْنُ عَايِذِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ مَخْزُومٍ

زہری کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ سے پہلے ان کا پہلا نکاح عتیق بن عائذ بن عبداللہ مخزومی سے کر دیا گیا۔ ⑤

جن سے ایک لڑکی ہندہ بنت عتیق تولد ہوئی اسی بنا پر خدیجہ رضی اللہ عنہا ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھیں مگر یہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہہ گئے،

① یونس ۱۶

② الروض الانف ۲/۱۵۵

③ ابن سعد ۱/۱۰۳

④ الإصابة في تمييز الصحابة ۸/۱۰۰

⑤ عیون الاثر ۱/۶۴

ثُمَّ خَلَفَ عَلَيْهَا بَعْدَ عَتِيقٍ أَبُو هَالَةَ هِنْدُ بْنُ زُرَارَةَ بْنِ نَبَّاشِ بْنِ حَبِيبِ بْنِ صُرَدِ بْنِ سَلَامَةَ بْنِ جَرْوَةَ بْنِ أُسِيدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ تَمِيمٍ

عتیق بن عائذ کی وفات کے بعد ان کا دوسرا نکاح ابو ھالہ مالک بن نباش بن زرارۃ تمیمی سے کر دیا گیا۔ (١)

جن سے دو بیٹے ہالہ بن ابی ہالہ اور طاہر اور ایک بیٹی ہندہ بنت ابی ہالہ پیدا ہوئے مگر مزاج میں ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے طلاق حاصل کر لی اس کے بعد انہوں نے شادی کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا، یہ تینوں بچے ایمان کی دولت سے فیضیاب ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے طاہر کو ایک ربع یمن کا حاکم مقرر فرمایا تھا اور یہ رسول اللہ ﷺ کے وصال تک اسی عہدے پر فائز تھے، آپ ﷺ کے وصال کے بعد جب ارتداد کا فتنہ کھڑا ہوا تو خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرمان پر انہوں نے قبائل عک و اشعرئین پر لشکر کشی کر کے اس فتنہ کو دبا دیا،

وَكَانَ هِنْدُ بْنُ أَبِي هَالَةَ فَصِيحًا بَلِيغًا وَصَّافًا، وَصَفَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَحْسَنَ وَأَتْقَنَ

دوسرا بیٹا ھند رسول اللہ ﷺ کے پروردہ تھے اور فصاحت و بلاغت میں مسلمہ تھے اور وصاف النبی علیہ السلام کے نام سے مشہور تھے، اور رسول اللہ ﷺ کے حلیہ مبارک کی صحیح تصویر کشی کیا کرتے تھے۔ (٢)

وكان يقول: أنا أكرم الناس أبا وأمّا وأخا وأختا: أبي :رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وأمي: خديجة، وأختي: فاطمة، وأخي :القاسم

آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں باپ، ماں، بھائی اور بہن کے لحاظ سے سب سے زیادہ عزت والا ہوں کیونکہ میرے والد رسول اللہ ﷺ ہیں اور میری ماں خدیجہ رضی اللہ عنہا ہے اور میری بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا ہے اور میرا بھائی قاسم رضی اللہ عنہ ہے۔ (٣)

قتل هند بن أبي هالة مَعَ عَلِيِّ بن أَبِي طَالِبٍ يوم الجمل

جنگ جمل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ (٤)

هُوَ الَّذِي مات بالبصرة فِي الطاعون، فَخَرَجُوا بِهِ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ لِشَغْلِ النَّاسِ بِمَوْتَاهُمْ، فَصَاحَتِ امرأة وا هند ابن هِنْدَاهُ وَابْنَ رَبِيبِ رَسُولِ اللَّهِ! فَازْدَحَمَ النَّاسُ عَلَى جِنَازَتِهِ، وَتَرَكُوا مَوْتَاهُمْ

ایک روایت میں ہے وہ بصرہ میں طاعون سے فوت ہوئے، ان کے جنازہ میں اژدھام کثیر تھا اور لوگ اپنے جنازوں کو چھوڑ کر ان کے جنازہ میں شرکت کرنے کے لیے اس وجہ سے آئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ربیب تھے۔ (٥)

ان کا ایک بھائی العوام تھا اور اس کا بیٹا زبیر رضی اللہ عنہ بن العوام اور ان کے فرزند سائب بن العوام تھے (یعنی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے) جن کو اللہ نے

(١) المعجم الكبير للطبراني ١٠٨٦، مجمع الزوائد ١٠/٥، عيون الأثر ١/٦٥

(٢) الاستيعاب في معرفة الأصحاب ٤/١٥٤٥

(٣) المعارف ١/١٣٣

(٤) الاستيعاب في معرفة الأصحاب ٤/١٥٤٤، الإصابة في تمييز الصحابة ٦/٤٣٧

(٥) الاستيعاب في معرفة الأصحاب ٤/١٥٤٥، الإصابة في تمييز الصحابة ٦/٤٣٧

عشرہ مبشرہ کا درجہ عنایت فرمایا اور دو بہنیں ہالہ بنت خویلد اور رقیہ تھیں، ہالہ بنت خویلد ایمان کی دولت سے بہرہ مند ہوئیں، ان کے فرزند ابو العاص بن ربیع تھا جو رسول اللہ ﷺ کی سب سے بڑی بیٹی زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے رسول اللہ ﷺ کے پہلے داماد بنے، رقیہ اور ان کی بیٹی امیمہ بنت عبد بھی صحابیہ بنیں، ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس والد کا چھوڑا ہوا کافی مال موجود تھا، معاشی ضروریات کے لئے والد کی طرح انہوں نے بھی تجارت شروع کر دی، خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اللہ نے بہت سوجھ بوجھ عطا فرمائی تھی وہ مکہ مکرمہ سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر قابل اعتماد اور محنتی لوگوں کو اپنا مال تجارت مضاربت کے اصول پر حوالے کر کے شام و یمن کی طرف روانہ کرتیں تھیں، جو یہ مال وہاں فروخت کرتے اور وہاں سے مال لیکر واپس مکہ مکرمہ میں لے آتے، اس طرح جو منافع حاصل ہوتا اس میں سے طے شدہ معاوضہ کی رقم اس شخص کو ادا فرما دیتیں، اس طرح انہوں نے اپنی فہم و فراست کو بروے کار لا کر اپنی تجارت کو خوب پھیلایا اور مکہ مکرمہ کی ایک مالدار خاتون بن گئیں، یہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح اپنا مال تجارت جو تمام قریش کے مال تجارت کے برابر ہوتا تھا دے کر لوگوں کو تجارت کے لئے بھیجا کرتیں اور مضاربت کے اصول پر ایک حصہ طے کر لیتی تھیں، خدیجہ رضی اللہ عنہا رشتے میں آپ ﷺ کی چچیری بہن تھیں اور حسب نسب کے اعتبار سے اعلیٰ اور اپنے کردار واطوار سے مکہ مکرمہ میں طاہرہ اور سیدہ قریش کے لقب سے ملقب تھیں،

قال الزّبير بن بكّار: كانت تدعى قبل البعثة الطاهرة

زبیر بن بکار کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل انہیں طاہرہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔[1]

اب یہ ناممکن تھا کہ ایسے اوصاف و خوبیوں والے رشتہ دار اور الصادق والامین نوجوان محمد رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ دیتیں اور ان کی خوبیوں سے فائدہ نہ اٹھاتیں۔

○ چنانچہ پہلی روایت یہ ہے۔

كَانَتْ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدِ بِنْ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بِنِ قُصَيٍّ امْرَأَةً تَاجِرَةً، ذَاتَ شَرَفٍ وَمَالٍ، تَسْتَأْجِرُ الرِّجَالَ فِي مَالِهَا، وَتُضَارِبُهُمْ إِيَّاهُ بِشَيْءٍ تَجْعَلُهُ لَهُمْ مِنْهُ، وَكَانَتْ قُرَيْشٌ قَوْمًا تُجَّارًا، فَلَمَّا بَلَغَهَا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَلَغَهَا مِنْ صِدْقِ حَدِيثِهِ، وَعِظَمِ أَمَانَتِهِ، وَكَرَمِ أَخْلَاقِهِ، بَعَثَتْ إِلَيْهِ، فَعَرَضَتْ عَلَيْهِ أَنْ يَخْرُجَ فِي مَالِهَا إِلَى الشَّامِ تَاجِرًا، وَتُعْطِيهِ أَفْضَلَ مَا كَانَتْ تُعْطِي غَيْرَهُ مِنَ التُّجَّارِ، مَعَ غُلَامٍ لَهَا يُقَالُ لَهُ مَيْسَرَةُ

قریش کی ایک مالدار خاتون خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی کو آپ کی امانت دیانت و صداقت کی شہرت پہنچی، جو لوگوں کو تجارت کے لئے سرمایہ فراہم کرتی تھیں لیکن بڑے کاروبار کے لئے معتمد نہیں ملتا تھا، جب ان کے کانوں تک آپ کی دیانت کی اطلاع ملی تو انہوں نے ایک قاصد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا اور پیغام بھیجا کہ میں کثیر سرمایہ لگا کر مال تجارت شام روانہ کرنا چاہتی ہوں اور مجھے قریش میں آپ کے سوا کسی پر اعتماد نہیں ہے اگر آپ گوارا فرمائیں تو اس مال کو لے کر شام تشریف لے جائیں اور اس سے جتنا منافع مناسب سمجھیں لے لیں، نبی کریم ﷺ نے اظہار رضامندی فرمایا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر شام روانہ ہوئے، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے

[1] الإصابة في تمييز الصحابة ۸/۹۹، فقه السيرة النبوية ۱/۱۱۴

اس سفر میں اپنے معتبر اور تجربہ کار غلام میسرہ کو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہمراہ کر دیا۔ (۱)

○ دوسری روایت نفیسہ بنت منیہ جو یعلی بن منیہ کی بہن تھیں سے مروی ہے۔

قَالَتْ: لَمَّا بَلَغَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسًا وَعِشْرِينَ سَنَةً قَالَ لَهُ أَبُو طَالِبٍ: أَنَا رَجُلٌ لا مَالَ لِي وَقَدِ اشْتَدَّ الزَّمَانُ عَلَيْنَا. وَهَذِهِ عِيرُ قَوْمِكَ وَقَدْ حَضَرَ خُرُوجُهَا إِلَى الشَّامِ وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ تَبْعَثُ رِجَالا مِنْ قَوْمِكَ فِي عِيرَاتِهَا. فَلَوْ جِئْتَهَا فَعَرَضْتَ نَفْسَكَ عَلَيْهَا لأَسْرَعَتْ إِلَيْكَ. وَبَلَغَ خَدِيجَةَ مَا كَانَ مِنْ مُحَاوَرَةِ عَمِّهِ لَهُ. فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ فِي ذَلِكَ وَقَالَتْ لَهُ: أَنَا أُعْطِيكَ ضِعْفَ مَا أُعْطِي رَجُلا مِنْ قَوْمِكَ

کہتی ہیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب پچیس سال کے ہو گئے تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہا بھتیجے میں مالدار آدمی نہیں ہوں، ہم برے حالات سے دوچار ہیں اور یہ تمہاری قوم کے قافلوں کا شام کی طرف چلنے کا وقت قریب آ گیا ہے، اس میں خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد اپنے تجارتی قافلوں میں تمہاری قوم کے لوگوں کو بھیجا کرتی ہے اگر تم ان کے پاس جاؤ اور اپنے آپ کو ان پر پیش کرو تو وہ تمہیں دوسروں پر ترجیح دیں گی (کیونکہ انہیں تمہاری پاکیزہ سیرت کا حال معلوم ہے) یہ گفتگو جو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے چچا کے درمیان ہوئی تھی، خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس بارے میں پیغام بھیجا اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پیغام بھیجا کہ میں آپ کی قوم کو جتنا دیتی ہوں (اگر آپ اس تجارتی سفر کے لئے رضامند ہو جائیں تو) آپ کی خدمت میں اس کا دوگنا پیش کروں گی۔ (۲)

○ تیسری روایت عبد اللہ بن عقیل سے مروی ہے۔

قَالَ أَبُو طَالِبٍ: يَا ابْنَ أَخِي قَدْ بَلَغَنِي أَنَّ خَدِيجَةَ اسْتَأْجَرَتْ فُلانًا بِبَكْرَيْنِ وَلَسْنَا نَرْضَى لَكَ بِمِثْلِ مَا أَعْطَتْهُ. فَهَلْ لَكَ أَنْ تُكَلِّمَهَا؟ قَالَ: مَا أَحْبَبْتَ! فَخَرَجَ إِلَيْهَا فَقَالَ: هَلْ لَكِ يَا خَدِيجَةُ أَنْ تَسْتَأْجِرِي مُحَمَّدًا؟ فَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّكِ اسْتَأْجَرْتِ فُلانًا بِبَكْرَيْنِ. وَلَسْنَا نَرْضَى لِمُحَمَّدٍ دُونَ أَرْبَعِ بِكَارٍ. قَالَ: فَقَالَتْ خَدِيجَةُ: لَوْ سَأَلْتَ ذَاكَ لِبَعِيدٍ بَغِيضٍ فَعَلْنَا. فَكَيْفَ وَقَدْ سَأَلْتَ لِحَبِيبٍ قَرِيبٍ؟

ابو طالب نے کہا اے میرے بھتیجے! مجھے یہ خبر ملی ہے کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فلاں شخص کو دو بکروں (جوان اونٹ) کے بدلے اپنا اجیر مقرر کیا ہے، جو معاوضہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس کو دیا ہے ہم اس معاوضہ پر تیرے لئے تو راضی نہیں مگر کیا تو اس سے گفتگو کرنے پر راضی ہے؟ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا جیسا آپ چاہئیں، یہ سن کر ابو طالب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے کہا اے خدیجہ رضی اللہ عنہا! کیا تم پسند کرو گی کہ اپنی تجارت کے لئے کسی اور کی خدمات حاصل کرنے کے بجائے محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے معاملہ کر لو ہم کو خبر ملی ہے کہ تو نے فلاں شخص کو دو بکروں (جوان اونٹ) کے معاوضہ پر اپنا اجیر مقرر کیا ہے لیکن محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے لئے تو چار بکروں (جوان اونٹ) سے کم پر راضی نہ ہوں گے، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا اگر کسی دور کے ناپسندیدہ آدمی کے لئے بھی فرماتے تو میں مان لیتی، چہ جائے کہ آپ تو ایسے شخص کے لئے کہہ رہے ہیں جو قریبی

(۱) ابن اسحاق ۱/۸۱، تاریخ طبری ۲/۲۸۰، البداية والنهاية ۲/۳۵۸

(۲) ابن سعد ۱/۱۰۵، ۱/۱۰۴، اسواق الاعرب فی الجاهلية والسلام ۱/۱۳۳

عزیز ہے۔ [۱]

بہر حال خدیجہ رضی اللہ عنہا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ طے پا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت کے لئے شام لے گئے، (میسرہ غلام کے بارے میں نیچے بات کی گئی ہے) نیکی، سچائی اور دیانت داری میں بڑی خیر و برکت ہوتی ہے، چنانچہ اللہ کے فضل و کرم، آپ کی معاملہ فہمی، محنت اور ذہانت و قابلیت کی بدولت پہلے سفر میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب منافع کمایا، اس طرح متعدد مرتبہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامان تجارت لے کر شام و فلسطین گئے،

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :اسْتَأْجَرَتْ خَدِيجَةُ رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفْرَتَيْنِ إِلَى جُرَشَ كُلُّ سَفْرَةٍ بِقَلُوصٍ

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ یمن کے ایک مشہور مقام جرش روانہ کیا۔ [۲]

اور بحرین جاتے رہے اور ہر دفعہ کسی سے کوئی دغا فریب کئے بغیر دوگنا منافع حاصل کر کے لاتے اور پورا پورا حساب پیش کر دیتے، اور خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اس منافع میں جتنا دینے کا وعدہ فرمایا تھا اس سے دوگنا ادا کر دیتیں، مگر آپ اس سرمائے کو بھی جمع کرنے کے بجائے ضرورت مندوں میں بانٹ دیتے اور رب کا شکر ادا کرتے۔

شام کا ایک سفر اور نسطورا راہب کی داستان

۵۹۵ ء

اب ذرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور سفر شام کا واقعہ بھی ملاحظہ فرمائیں جو پہلے واقعہ کے تیرہ سال بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان ہو کر تجارت کا پیشہ اختیار فرمایا اور اس سلسلہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر متعدد بار شام گئے، مدارج نبوت، تاریخ مسلمانان عالم ۱۲۳/۲ پر لکھا ہے کہ ایک بار بصریٰ بھی گئے لیکن اب وہاں ایک نیا ولی جس کا نام نسطورا تھا گدی نشین تھا۔

وَخَرَجَ مَعَهُ غُلَامُهَا مَيْسَرَةُ، حَتَّى قَدِمَا الشَّامَ، فَنَزَلَ رَسُولُ اللَّهِ ص فِي ظِلِّ شَجَرَةٍ قَرِيبًا مِنْ صَوْمَعَةِ رَاهِبٍ مِنَ الرُّهْبَانِ، فَأَطْلَعَ الرَّاهِبُ رَأْسَهُ إِلَى مَيْسَرَةَ فَقَالَ : مَنْ هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي نَزَلَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ؟ فَقَالَ لَهُ مَيْسَرَةُ: هَذَا رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ، مِنْ أَهْلِ الْحَرَمِ، فَقَالَ لَهُ الرَّاهِبُ : مَا نَزَلَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ قَطُّ الا نبی، ثم باع رسول اللّٰہ ص سِلْعَتَهُ الَّتِي خَرَجَ بِهَا، وَاشْتَرَى مَا أَرَادَ أَنْ يَشْتَرِيَ

اس سفر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کا غلام میسرہ بھی آپ کے ساتھ تھا قاطع مسافت کرتے ہوئے جب قافلہ شام کے قریب پہنچا تو ایک منزل پر قیام کیا، یہاں ایک (نسطورا نامی) راہب مقیم تھا اور اس نے ایک عبادت خانہ تعمیر کیا تھا اس صومعے کے قریب ایک درخت تھا جب قافلہ

[۱] ابن سعد ۱۰۵/۱

[۲] مستدرک حاکم ۴۸۳۴

والوں نے یہاں پڑاؤ ڈالا تو اس وقت وہ راہب کھڑکی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے سواری سے اتر کر اس درخت کے نیچے قیام کیا، اس وقت میسرہ نبی کریم ﷺ کے پاس کھڑا تھا، راہب نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر میسرہ سے دریافت کیا کہ یہ صاحب جنہوں نے درخت کے نیچے قیام کیا ہے کون ہیں؟ میسرہ نے کہا اہل حرم قریش کی ایک معزز شخصیت ہیں، راہب نے میسرہ سے کہا اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں اترا پھر آپ ﷺ نے سامان تجارت فروخت کیا جس کو وہ لیکر نکلے تھے اور جو خرید نا تھا وہ بھی خریدا۔[1]

ابن سعد میں کچھ مزید بھی لکھا ہے۔

فَخَرَجَ مَعَ غُلامِهَا مَيْسَرَةَ حَتَّى قَدِمَا بُصْرَى مِنَ الشَّامِ. فَنَزَلا فِي سُوقِ بُصْرَى فِي ظِلِّ شَجَرَةٍ قَرِيبًا مِنْ صَوْمَعَةِ رَاهِبٍ مِنَ الرُّهْبَانِ يُقَالُ لَهُ نُسْطُورُ. فَاطَّلَعَ الرَّاهِبُ إِلَى مَيْسَرَةَ .وَكَانَ يَعْرِفُهُ قَبْلَ ذَلِكَ. فَقَالَ: يَا مَيْسَرَةُ مَنْ هَذَا الَّذِي نَزَلَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ؟ فَقَالَ مَيْسَرَةُ: رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ أَهْلِ الْحَرَمِ. فَقَالَ لَهُ الرَّاهِبُ: مَا نَزَلَ تَحْتَ هَذِهِ الشَّجَرَةِ قَطُّ إِلا نَبِيٌّ. ثُمَّ قَالَ: فِي عَيْنَيْهِ حُمْرَةٌ؟ قَالَ مَيْسَرَةُ: نَعَمْ لا تُفَارِقُهُ. قَالَ الرَّاهِبُ: هُوَ هُوَ آخِرُ الأَنْبِيَاءِ. يَا لَيْتَ أَنِّي أُدْرِكُهُ حِينَ يُؤْمَرُ بِالْخُرُوجِ! ثُمَّ حَضَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُوقَ بُصْرَى فَبَاعَ سِلْعَتَهُ الَّتِي خَرَجَ بِهَا وَاشْتَرَى غَيْرَهَا. فَكَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَجُلٍ اخْتِلافٌ فِي شَيْءٍ. [فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ: احْلِفْ بِاللاتِ وَالْعُزَّى. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ: مَا حَلَفْتُ بِهِمَا قَطُّ وَإِنِّي لأَمُرُّ فَأُعْرِضُ عَنْهُمَا. قَالَ الرَّجُلُ: الْقَوْلُ قَوْلُكَ. ثُمَّ قَالَ لِمَيْسَرَةَ. وَخَلا بِهِ: يَا مَيْسَرَةُ هَذَا وَاللَّهِ نَبِيٌّ! وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ لَهُوَ تَجِدُهُ أَحْبَارُنَا فِي كُتُبِهِمْ مَنْعُوتًا. فَوَعَى ذَلِكَ مَيْسَرَةُ. ثُمَّ انْصَرَفَ أَهْلُ الْعِيرِ جَمِيعًا. وَكَانَ مَيْسَرَةُ يَرَى رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِذَا كَانَتِ الْهَاجِرَةُ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ يَرَى مَلَكَيْنِ يُظِلانِهِ مِنَ الشَّمْسِ وَهُوَ عَلَى بَعِيرِهِ. قَالُوا: كَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَلْقَى عَلَى رَسُولِهِ الْمَحَبَّةَ مِنْ مَيْسَرَةَ. فَكَانَ كَأَنَّهُ عَبْدٌ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

آخر رسول اللہ ﷺ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کے ساتھ روانہ ہوئے اور آپ کے جتنے چچا تھے سب نے اہل قافلہ کو آپ کے متعلق وصیت کی، چلتے چلتے رسول اللہ ﷺ اور میسرہ ملک شام کے شہر بصریٰ میں پہنچے اور وہاں صومعے کے نزدیک ایک درخت کے سائے میں پڑاؤ ڈالا، نسطورا راہب نے یہ دیکھ کر کہا اس درخت کے نیچے سوائے پیغمبر کے اور کوئی نہیں اترا، نسطورا نے میسرہ سے پوچھا یہ صاحب جو اس درخت کے نیچے اترے ہیں کون ہیں؟ میسرہ نے کہا یہ اہل حرم قریش کے ایک صاحب عزت شخص ہیں، پھر نسطورا نے میسرہ سے پوچھا کیا ان کی آنکھوں میں سرخی رہتی ہے، میسرہ نے کہا ہاں اور یہ سرخی کبھی اس سے جدا نہیں ہوتی، نسطورا نے کہا وہ پیغمبر ہے اور سب میں آخری پیغمبر ہے، رسول اللہ ﷺ نے تجارتی مال واسباب کو فروخت کر لیا تو ایک شخص سے بات بڑھ گئی جس نے آپ ﷺ سے لات وعزیٰ کی قسم اٹھانے کو کہا آپ ﷺ نے فرمایا میں نے کبھی ان دونوں کی قسم نہیں کھائی اور میں تو گزرتے وقت ان سے منہ موڑ لیا کرتا ہوں، اس شخص نے کہا بات وہی ہے جو آپ نے فرمائی اور پھر میسرہ سے کہا اے میسرہ اللہ کی قسم یہ تو وہی پیغمبر ہے جس کی صفت ہمارے علماء کتابوں میں

[1] ابن اسحاق ۱/۸۱، تاریخ طبری ۲/۲۸۰، البدایة والنهایة ۲/۳۵۸، الروض الانف ۲/۱۵۲

مذکور پاتے ہیں تو یقیناً یہ آخری زمانہ کا پیغمبر ہے تم کبھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا، میسرہ کا یہ حال تھا کہ جب دوپہر ہوتی اور گرمی بڑھتی تو وہ دیکھتا کہ دو فرشتے رسول اللہ ﷺ پر دھوپ سے سایہ کر رہے ہیں، یہ سب کچھ اس کے دل نشین ہوگیا اور اللہ نے اس کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی ایسی محبت ڈال دی کہ گویا وہ آپ ﷺ کا غلام بن گیا۔ (۱)

شرف المصطفیٰ کے مصنف ابوسعد نے اس کے بعد یہ اضافہ کیا ہے،

فأقبل عليه يقبله ويقول: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ النبي الأمي الذي بشر بك عيسى ابن مريم عليه السلام، فإنه قال: لا ينزل بعدي تحت هذه الشجرة إلّا النبي الأمي الهاشمي العربي المكي المدني صاحب الحوض والشفاعة، صاحب لواء الحمد پھر نسطور آپ کے پاس آیا آپ کا سر اور آپ کے قدم چومے اور کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول وہ نبی امی ہیں جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی، اور کہا تھا میرے بعد اس درخت کے نیچے نبی کے سوا کوئی نہیں ٹھہرے گا جوان پڑھ ہاشمی عربی مکی مدنی صاحب حوض اور شفاعت اور صاحب لواء (جھنڈا) ہوں گے۔ (۲)

فَلَمَّا رَجَعُوا فَكَانُوا بِمَرِّ الظَّهْرَانِ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ انْطَلِقْ إِلَى خَدِيجَةَ فَاسْبِقْنِي فَأَخْبِرْهَا بِمَا صَنَعَ اللَّهُ لَهَا عَلَى وَجْهِكَ. فَإِنَّهَا تَعْرِفُ ذَلِكَ لَكَ، فَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَدِمَ مَكَّةَ فِي سَاعَةِ الظَّهِيرَةِ وَخَدِيجَةُ فِي عُلِّيَّةٍ لَهَا مَعَهَا نِسَاءٌ فِيهِنَّ نَفِيسَةُ بِنْتُ مُنْيَةَ، فَرَأَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ دَخَلَ وَهُوَ رَاكِبٌ عَلَى بَعِيرِهِ وَمَلَكَانِ يُظِلَّانِ عَلَيْهِ،فَأَرَتْهُ نِسَاءَهَا فَعَجِبْنَ لِذَلِكَ، وَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَبَّرَهَا بِمَا رَبِحُوا فِي وَجْهِهِمْ. فَسُرَّتْ بِذَلِكَ، فَلَمَّا دَخَلَ مَيْسَرَةُ عَلَيْهَا أَخْبَرَتْهُ بِمَا رَأَتْ، فَقَالَ مَيْسَرَةُ: قَدْ رَأَيْتُ هَذَا مُنْذُ خَرَجْنَا مِنَ الشَّامِ، وَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ الرَّاهِبِ نُسْطُورٍ وَمَا قَالَ الآخَرُ الَّذِي خَالَفَهُ فِي الْبَيْعِ. وَرَبِحَتْ فِي تِلْكَ الْمَرَّةِ ضِعْفَ مَا كَانَتْ تَرْبَحُ

پس جب واپس لوٹے تو مقام مرالظہران میں پہنچ کر میسرہ نے عرض کیا اے محمد رسول اللہ ﷺ! آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس چل دیجئے اور آپ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو نفع پہنچایا ہے اس کی اطلاع دیجئے، خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کا یہ حق یاد رکھیں گی، رسول اللہ ﷺ اس رائے کے مطابق پہلے روانہ ہوگئے یہاں تک کہ ظہر کے وقت مکہ پہنچے، خدیجہ رضی اللہ عنہا اس وقت اپنے بالاخانے میں اپنی سہیلی نفیسہ بنت منیہ کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں، دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اونٹ پر تشریف لا رہے ہیں اور دو فرشتے ادھر ادھر سے سایہ کئے ہوئے ہیں ، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا تو وہ تعجب کرنے لگیں (کیا دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں سہلیوں کے ساتھ چل قدمی کرتے ہوئے حالات حاضرہ پر تبصرہ فرما رہی تھیں) رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور منافع کا حال بیان کیا تو خدیجہ رضی اللہ عنہا خوش ہوئیں، پھر جب میسرہ ،خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو انہوں نے اسے بتایا کہ میں نے یہ منظر دیکھا ہے، میسرہ نے کہا میں تو شام سے ہی یہی دیکھتا چلا آرہا ہوں، اس کے

(۱) ابن سعد ۱/۱۲۴

(۲) شرف المصطفیٰ ۱/۴۰۹

بعد اس نے وہ باتیں بھی سنائیں جو نسطور سے اس نے سنی تھیں اور وہ واقعہ بھی بیان کیا جو شام کے ایک تاجر کے ساتھ مال کی قیمت پر اختلاف کے سلسلے میں پیش آیا تھا اور پہلی مرتبہ سے دوگنا منافع ہوا۔[۱]

ابوسعید نیشاپوری کی کتاب شرف المصطفی کے حوالے سے حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں کہ بحیرا سے آپ کی ملاقات دوبارہ ہوئی اور اس موقعہ پر اس نے آپ کا سر اور آپ کے قدم چومے اور کہا

أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ النبي الأمي الذي بشر بك عيسى ابن مريم عليه السلام

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں وہ نبی امی جن کی بشارت عیسیٰ ابن مریم نے دی تھی۔[۲]

اسی بنا پر ابن مندہ اور ابونعیم نے بحیرا کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تجرید الصحابہ میں لکھا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا۔

قال ابن إسحق: وَكَانَتْ خَدِيجَةُ قَدْ ذَكَرَتْ لِوَرَقَةَ بْنِ نَوْفَلِ بن أسد بن عبد العزيز وكان ابن عمها وكان نصراني قَدْ تَتَبَّعَ الْكتب، وَعَلِمَ مِنْ عِلْمِ النَّاسِ مَا ذَكَرَ لَهَا غُلَامُهَا مَيْسَرَةُ مِنْ قَوْلِ الرَّاهِبِ وَمَا كَانَ يَرَى مِنْهُ إِذَا كَانَ الْمَلَكَانِ يُظِلَانِهِ،فَقَالَ وَرَقَةُ: لَئِنْ كَانَ هَذَا حَقًّا يَا خَدِيجَةُ إِنَّ مُحَمَّدًا لَنَبِيُّ هَذِهِ الْأُمَّةِ قَدْ عَرَفْتُ أَنَّهُ كَائِنٌ بِهَذِهِ الْأُمَّةِ نَبِيٌّ يُنْتَظَرُ هَذَا زَمَانُهُ

ابن اسحٰق کہتے ہیں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیز جو نصرانی ہو چکے تھے جو کچھ لوگوں سے سنا تھا جو کچھ غلام میسرہ نے بیان کیا تھا اور راہب نے جو کچھ کہا تھا اور فرشتوں کا آپ پر سایہ کرنے کے بارے میں جو دیکھا تھا ذکر کیا ورقہ نے کہا اے خدیجہ رضی اللہ عنہا! اگر یہ واقعات سچے اور صحیح ہیں تو پھر یقیناً محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہیں، اور میں خوب جانتا ہوں کہ اس امت میں ایک نبی آنے والے ہیں جن کا ہم کو انتظار ہے اور اس کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔[۳]

اس واقعہ کی اسناد: سند کے لحاظ سے یہ پہلے واقعہ بحیرا راہب والے قصہ سے بھی گیا گزرا ہے، یہ روایت ابن اسحاق میں بغیر سند کے ہے، ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر میں اس کی سند یوں ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین واقدی سے، واقدی موسیٰ بن شیبہ سے، موسیٰ بن شیبہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب سے، عمیرہ بنت کعب ام سعد بنت کعب سے، ام سعد بنت کعب یعلی بن منیہ صحابی کی بہن نفیسہ بنت منیہ سے جو صحابیہ تھیں سے روایت کرتے ہیں، اب ان راویوں پر نظر دوڑائیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ واقدی کی نسبت کہتے ہیں واقدی کذاب ہے، احادیث کو تبدیل کرتا رہتا ہے، زہری کے بھانجے کی روایت معمر کی جانب منسوب کر دیتا ہے، امام ابوحاتم رازی کہتے ہیں یہ متروک ہے، امام ابوحاتم رازی اور نسائی کا قول ہے کہ احادیث وضع کیا کرتا تھا، امام دارقطنی رحمہ اللہ کہتے ہیں ضعیف ہے، آیات بینات صفحہ ۲۱۷ پر ہے کہ واقدی ان بزرگوار مصنفوں

---

[۱] ابن سعد ۱/۱۲۴

[۲] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۱/۴۷۶، شرف مصطفیٰ ۱/۴۰۹

[۳] عیون الاثر ۱/۶۵، ابن ہشام ۱/۱۹۰

میں ہیں کہ ان کی کتابیں نہ صرف ضعیف روایتوں بلکہ موضوع اور غلط اور جھوٹی خبروں سے بھری پڑی ہیں اور ان کے غیر معتبر ہونے پر اکثر محققین اور علماء کا اتفاق ہے۔ امام احمد بن حنبل موسیٰ بن شیبہ کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں منکر ہیں، اور عمیرہ بنت کعب اور ام سعد کا حال معلوم نہیں۔

عقلی دلائل: اب اس واقعہ کے کچھ عقلی دلائل غور فرمائیں، اہل عرب کے قافلے عمومارات کو سفر کیا کرتے تھے اور سورج نکلنے سے قبل ہی اپنی منزل پر پڑاؤ کر لیتے تھے پھر رات کو چاند کی سہانی روشنی میں سائے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے، اور اگر سفر دن کو کرتے تو بھی صبح سویرے پڑاؤ سے کوچ کرتے اور مغرب سے قبل اپنی منزل پر پہنچ جاتے، اگر ایسا تھا تو قافلہ بصریٰ میں بحیرا راہب، یا نسطورا راہب کی خانقاہ پر مغرب کے وقت ہی پہنچا ہوگا تب بھی بادلوں کو یا فرشتوں کو سایہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، پھر ان دونوں بحیرا اور نسطورا راہبوں نے سایہ کیسے دیکھ لیا، کیا اہل قافلہ کو نظر نہیں آتا تھا کہ وہ محسوس کرتے کہ اس تپتی دھوپ میں صرف ابو طالب کے بھتیجے محمد ﷺ پر ہی سایہ کیوں ہے؟ کیا انہوں نے بحیرا راہب کو بتایا کہ ہاں آپ سچ کہتے ہیں ہم بھی راستے میں ایسا ہی کچھ نظارہ دیکھتے آئے ہیں؟ فرشتے غیر نبی کو نظر نہیں آتے، جبرائیل علیہ السلام کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی کو اس کے رسولوں تک پہنچانا ہے، رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہونے کا عام دستور یہ تھا کہ جبرائیل علیہ السلام ایک صحابی کی شکل میں آپ کے سامنے آتے یا پس پردہ ان کی آواز سنائی دیتی تھی، تقریباً دس سال مکہ میں اور تیرہ سال مدینہ میں کوئی بھی صحابی جو رسول اللہ ﷺ کے بعد انتہائی برگزیدہ بندے تھے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے کسی فرشتے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، مگر حیرت کا مقام ہے کہ میسرہ غلام جو کافر تھا شام کے لمبے سفر میں فرشتوں کو اپنی نامعلوم کون سی آنکھوں سے دیکھتا رہا جبکہ اہل قافلہ کو کچھ بھی نظر نہیں آیا، اس روایت کو اگر تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی نبوت سے اٹھائیس سال قبل ہی معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کو نبوت ملنے والی ہے، میسرہ غلام کو بھی علم ہو چکا تھا کہ آپ نبی بننے والے ہیں، میسرہ کی زبانی خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ بیٹھی متعدد خواتین کو بھی آپ کی نبوت کی اطلاع مل چکی تھی، پھر تو قریش کے جس قافلے کے ساتھ آپ شام گئے تھے وہ بھی اور ان کی توسط سے اہل مکہ بھی اس بات سے بے خبر نہ رہے ہوں گے کہ فرشتے آپ پر سایہ کر رہے ہیں کیونکہ جب میسرہ، خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دوسری خواتین سایہ کرتے ان فرشتوں کو دیکھ رہی تھیں تو خود آپ ﷺ نے بھی فرشتوں کو سایہ کرتے دیکھا ہوگا اور دوسرے اہل قافلہ سے یہ منظر کیسے مخفی رہ سکتا ہے؟ پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ان کی سہیلیوں نے یہ کیسے پہچانا اور یقین کر لیا کہ وہ فرشتے تھے، کیا انہوں نے پہلے فرشتوں کو دیکھا ہوا تھا؟ کیا وہ جنات نہیں ہو سکتے تھے؟ اور کیا انہوں نے جنات کو بھی دیکھا ہوا تھا؟ حالانکہ انسان جنات کو بھی نہیں دیکھ سکتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا

... اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ... ﴿۲۷﴾ [1]

ترجمہ: وہ اور اس کا گروہ تمہیں ایسی جگہ سے دیکھتا ہے جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

پھر کیا سب سہیلیاں یہ عجیب و غریب تماشہ دیکھ کر خاموش رہیں اور اپنے گھروں کو واپس جا کر کسی اور سے اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا، اور کیا رسول اللہ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد ان کی کوئی سہیلی اس واقعہ کو یاد کر کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائی، اتنے عجیب واقعات کو دیکھ کر کیا میسرہ

[1] الاعراف ۲۷

غلام بھی ایمان لایا جس کو نسطور راہب نے آپ ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑنے کی نصیحت کی تھی، آخر اس سفر شام کے بعد وہ کہاں گم ہو گیا، رسول اللہ ﷺ پر جب غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبرائے ہوئے گھر لوٹے تو اس وقت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو تسلی وتشفی دینے کے لئے آپ کے اخلاق کریمہ صداقت، دیانت، امانت شرافت و پاکیزگی، غریبوں وغلاموں سے ہمدردی وغیرہ کا تو ذکر فرمایا

قَالَتْ خَدِيجَةُ: كَلَّا أَبْشِرْ فَوَاللهِ لاَ يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا فَوَاللهِ إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَصْدُقُ الحَدِيثَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ

ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ اپنے اوپر لیتے ہیں، محتاجوں کے لئے کماتے ہیں، مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔[1]

مگر کیا کوئی ایسی روایت دکھائی جا سکتی ہے کہ انہوں نے فرشتوں کو آپ پر سایہ کرتے اور میسرہ نے نسطورا راہب کی توسط سے آپ کی نبوت کی جو اطلاع دی تھی اس کا ذکر کیا ہو، ہاں بھائیو! ملک الموت روح قبض کرتے وقت نظر آتے ہیں اور منکر نکیر فرشتے بھی قبر میں ضرور نظر آئیں گے، اور آخرت میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں صف باندھے کھڑے بھی نظر آئیں گے، اور اگر ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کو یہ سب معلوم تھا تو پھر وہ آپ ﷺ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس جو نصرانی عالم تھے کیوں لے کر گئیں تھیں، چاروں انجیل کی کتابوں یا تورات کی کتاب میں دیکھ کر کوئی ایسے درخت کی نشانی بتا سکتا ہے کہ بصریٰ کی خانقاہ کے اس مخصوص درخت کے نیچے صرف نبی ہی قیام کر سکتا تھا اور کوئی نہیں اور نسطورا راہب کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے آرام کے بعد کوئی اور اس درخت کے نیچے آرام نہیں کر سکتا تھا اس کی کیا وجہ ہے پھر تو وہ درخت اب بھی بصریٰ میں موجود ہو گا اور لوگ اس کی زیارت بھی کرتے ہوں گے، بھائیو! یہ ساری روایت ہی صریح طور پر قرآن مجید کے خلاف ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٨٦﴾[2]

ترجمہ: تم اس بات کے ہرگز امیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی، یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی سے (تم پر نازل ہوئی ہے) پس تم کافروں کے مددگار نہ بنو۔

۔۔۔مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا۔۔۔ ﴿٥٢﴾[3]

ترجمہ: تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے مگر اس روح کو ہم نے ایک روشنی بنا دیا جس سے ہم راہ دکھاتے ہیں اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں۔

کیا ان آیات مبارکہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نبوت کے عظیم منصب پر سرفراز ہونے سے قبل آپ اس بات سے قطعی طور پر لاعلم تھے کہ آپ

---

[1] صحیح بخاری كِتَابُ تَفْسِيرِ القُرْآنِ باب سُورَةُ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۴۹۵۳

[2] القصص ۸۶

[3] الشوریٰ ۵۲

کو نبی بنایا جانے والا ہے، حالانکہ اگر پہلے سفر شام میں جب آپ کی عمر بارہ برس کی تھی میں ہی آپ کو اپنی نبوت کا علم ہو چکا ہوتا اور دوسرے سفر شام میں جب آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عمر پچیس برس کی تھی مزید تصدیق ہو گئی ہوتی تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یقیناً اپنے او پر کتاب کے نزول کے امیدوار ہوتے ، پھر پہلی وحی کے وقت آپ پر وہ کیفیت ہرگز طاری نہ ہوتی جو طاری ہوئی تھی کیونکہ یہ عین توقع کے مطابق ہی ہوتا، اور پھر اگر قریش مکہ اٹھائیس سال قبل سے آپ کے نبی ہونے کے بارے میں جانتے ہوتے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اعلان نبوت ان کی توقعات کے برخلاف نہ ہوتا اور اس پر ان کا ردعمل بھی اس سے بہت مختلف ہوتا جو بالکل ایک خلاف توقع معاملہ پیش آنے سے ہوا۔

خدیجہ الکبریٰ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا سے نکاح

ام المومنین خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا (آپ کا نسب قصی پر آ کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مل جاتا ہے) آپ کی چچیری بہن ہونے کے ناطے آپ کے فضائل وخصال حمیدہ سے پہلے ہی شناسا تھیں، اب انداز تجارت وراست بازی، حسن اخلاق اور وجاہت کو دیکھ کر خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کے دل میں آپ کی قدر ومنزلت اور بھی بڑھ گئی (میسرہ غلام کا تو کچھ اتا پتہ ہی نہیں کہ اس کا والد کون تھا یہ کہاں سے آیا تھا اور پھر اچانک کہاں چلا گیا، قریش کے تمام لونڈیوں اور غلاموں کا حال مل جاتا ہے مگر ان میں میسرہ کا ذکر اس موضوع روایت کے سوا اور کہیں نہیں، اس لئے یہ کہنا کہ اس نے شام سے واپس آ کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حسن اخلاق ومعاملات کے بارے میں خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کو بتلایا تھا محض جھوٹ ہے کیا اہل مکہ آپ کو پہلے نہیں جانتا تھا، کیا الصادق والامین کا لقب اس سے بیشتر آپ کو نہیں مل چکا تھا، کیا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس سے بیشتر کئی لوگوں کے ساتھ تجارت نہیں کر چکے تھے، اور لوگوں کو آپ کی دیانت وامانت، راستبازی اور معاملہ فہمی کا حال معلوم نہیں تھا، خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا جو بہت زیرک خاتون تھیں انہوں نے ان تجارتی ملاقات کے دوران آپ کے کردار کا گہرے تدبر سے مطالعہ کیا اور آپ کو ایک کامل کردار کا شخص پایا۔

○ عرب میں عورتیں اپنی شادی بیاہ کے بارے میں خود آزادی سے گفتگو کر سکتی تھیں اس لئے خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا نے ایک قاصد کے ذریعہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہلایا۔

يا بن عم، انى قد رغبت فيك لقرابتك وسطتك فِي قَوْمِكَ، وَأَمَانَتِكَ وَحُسْنِ خُلُقِكَ وَصِدْقِ حَدِيثِكَ ثُمَّ عَرَضَتْ عَلَيْهِ نَفْسَهَا، وَكَانَتْ خَدِيجَةُ يَوْمَئِذٍ أَوْسَطَ نِسَاءِ قُرَيْشٍ نَسَبًا، وَأَعْظَمَهُنَّ شَرَفًا، وَأَكْثَرَهُنَّ مَالًا، كُلُّ قَوْمِهَا كَانَ حَرِيصًا عَلَى ذَلِكَ مِنْهَا

اے میرے ابن عم! میں تمہاری قرابت، شرافت، نسب، امانت، حسن اخلاق اور راست بازی کی وجہ سے تمہاری گرویدہ ہوں میں تمہارے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں، خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا اس زمانے میں قریش میں سب سے زیادہ نجیب شریف اور دولت مند خاتون تھیں، ان کی تمام قوم ان وجوہ سے ان سے شادی کرنے کی متمنی تھی۔[1]

○ اپنی بہن یا اپنی کنیز یا سہیلی نفیسہ بنت منیہ کے توسط سے نکاح کی درخواست۔

---

[1] ابن اسحاق ۱/۸۲، تاریخ طبری ۲/۲۸۰، الروض الانف ۲/۱۵۳، عیون الاثر ۱/۶۳، البداية النهاية ۲/۳۵۸، السيرة النبوية لابن كثير ۱/۲۶۳

فَأَرْسَلَتْنِي دَسِيسًا إِلَى مُحَمَّدٍ بَعْدَ أَنْ رَجَعَ فِي عِيرِهَا مِنَ الشَّامِ. فَقُلْتُ: يَا مُحَمَّدُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزَوَّجَ؟ فَقَالَ: مَا بِيَدِي مَا أَتَزَوَّجُ بِهِ،قُلْتُ:فَإِنْ كُفِيتَ ذَلِكَ وَدُعِيتَ إِلَى الْجَمَالِ وَالْمَالِ وَالشَّرَفِ وَالْكَفَاءَةِ أَلا تُجِيبُ؟ قَالَ: فَمَنْ هِيَ؟قُلْتُ: خَدِيجَةُ،قَالَ: وَكَيْفَ لِي بِذَلِكَ؟ قَالَتْ قُلْتُ: عَلَيَّ، قَالَ: فَأَنَا أَفْعَلُ ، فَذَهَبْتُ فَأَخْبَرْتُهَا. فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ أَنِ ائْتِ لِسَاعَةِ كَذَا وَكَذَا وَأَرْسَلَتْ إِلَى عَمِّهَا عَمْرِو بْنِ أَسَدٍ لِيُزَوِّجَهَا فَحَضَرَ وَدَخَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُمُومَتِهِ. فَزَوَّجَهُ أَحَدُهُمْ

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے تجارتی قافلے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب شام سے واپس آئے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا نے چپکے سے مجھے ان کے پاس بھیجااور میں نے کہااے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو نکاح کرنے میں کیا چیز مانع ہے؟(نفیسہ نے حسب ہدایت آپ سے گفتگو کرتے ہوئے نکاح کی ترغیب تو دی مگر کسی کانام نہیں بتایا) جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے پاس وہ سامان نہیں ہے جس سے نکاح کرسکوں، میں نے عرض کیااگر آپ کو مصارف سے بے نیاز کر دیا جائے اور آپ کی خدمت میں مال و دولت، حسن و جمال،عزت و شرافت اور ضروریات کی کفالت کی پیش کش کی جائے تو کیا آپ اسے قبول فرمائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایاایسی کون خاتون ہیں ؟میں نے عرض کیاوہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں فرمایاوہ میرے لئے (یعنی میں ان کے ساتھ کیسے نکاح کرسکتاہوں) کیسے (یعنی میں ان کے ساتھ کیسے نکاح کرسکتاہوں) میں نے عرض کیایہ میرا ذمہ ہے،فرمایا پھر مجھے شادی کرنے میں انکار نہیں، میں نے جاکر خدیجہ رضی اللہ عنہا کو خبر کی توانہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ فلاں وقت نکاح کے لئے تشریف لے آئیں،بات طے ہونے کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو کہلا بھیجا کہ وہ وقت مقررہ پر تشریف لاکر ان کا عقد کرادیں چنانچہ وہ وقت مقررہ پر تشریف لے آئے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے چچا عبد مناف (ابو طالب) اور دیگر روسائے بنو ہاشم و قبیلہ مضر اور اپنے دوستوں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،عمار بن یاسر وغیرہ کے جلو میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر درب الحجر تشریف لے گئے۔[1] آپ کے ایک چچانے (آپ کا ولی بن کر) خدیجہ رضی اللہ عنہا سے عقد کر دیا اور اکابر قریش اس کے گواہ بنے۔

ابو طالب کا خطبہ نکاح:

وذكر أبو الحسين بن فارس وغيره أن أبا طالب خطب يومئذ فقال: الحمد لله الذي جعلنا من ذرية إبراهيم، وزرع إسمعيل، وضئضيء معدّ: أي معدنه، وعنصر مضر: أي أصله، وجعلنا حضنة بيته: أي المتكفلين بشأنه، وسوّاس حرمه: أي القائمين بخدمته، وجعله لنا بيتا محجوجا، وحرما آمنا، وجعلنا حكام الناس. ثم إن ابن أخي هذا محمد بن عبد الله لا يوزن به رجل إلا رجح به شرفا ونبلا وفضلا وعقلا،وإن كان في المال قلّ، فإن المال ظل زائل، وأمر حائل، وعارية مسترجعة،وَلَهُ فِي خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَغْبَةٌ وَلَهَا فِيهِ مِثْلُ ذَلِكَ،وقيل قائل ذلك ورقة بن نوفل: أي فإنه بعد أن خطب أبو طالب بما تقدم خطب ورقة، فقال الحمد لله الذي جعلنا كما ذكرت، وفضلنا على ما عددت ،فنحن سادة العرب وقادتها وأنتم أهل ذلك كله لا ينكر العرب

---

[1] ابن سعد ۱/۱۰۴،عیون الاثر ۱/۶۳

فضلكم ولا يردّ أحد من الناس فخركم وشرفكم ورغبتنا في الاتصال بحبلكم وشرفكم فاشهدوا عليّ معاشر قريش إني قد زوّجت خديجة بنت خويلد من محمد بن عبد الله

ابوالحسین بن فارس وغیرہ کہتے ہیں ابوطالب نے اس وقت یہ خطبہ نکاح پڑھا سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی ذریت اسماعیل کی نسل، معد کی اصل اور مضر کے عنصر سے پیدا فرمایا اور ہمارے لیے ایسا گھر مقرر کیا جس کو قصد کر کے لوگ دور دراز سے آتے ہیں اور اس کی چار دیواری کو امن والا بنایا اور ہم کو اپنے گھر کا امین اور محافظ مقرر کیا پھر ہم کو اور لوگوں پر حاکم بنایا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہیں کہ قریش کا کوئی نوجوان بھی شرف و رفعت اور عقل و فضیلت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تولا جائے تو آپ ہی بھائی رہیں گے اگرچہ آپ مال کے لحاظ سے کم ہیں لیکن مال ایک زائل ہونے والا سایہ ہے اور ایک عاریت ہے جو واپس کی جانے والی ہے یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کے نکاح کی طرف مائل ہیں اور اسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ سے نکاح کی طرف مائل ہے، ابوطالب کے خطبہ نکاح کے بعد خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل اٹھے اور بحیثیت ولی یوں گویا ہوئے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہمیں ایسا ہی بنایا ہے جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا اور ہمیں ایسی ہی فضیلتیں عطا فرمائیں جیسی کہ آپ نے شمار کیں ہم عرب کے سردار اور راہ نما ہیں اور آپ بھی، کوئی قبیلہ اور کوئی شخص آپ کے فضائل اور فخر و شرف کا انکار نہیں کرسکتا اور ہمیں آپ کی شرافت و نجابت اور قومیت سے تعلق پیدا کرنے کی رغبت ہوئی ہے، پس اے قبائل قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبد اللہ سے کر دیا ہے۔ [1]

فقال أبو طالب: قد أحببت أن يشركك عمها فقال عمها: اشهدوا عليّ معاشر قريش إني قد أنكحت محمد بن عبد الله خديجة بنت خويلد

جب ورقہ بن نوفل خاموش ہوئے تو ابوطالب کہنے لگے کہ بہتر ہوگا کہ آپ کے حقیقی چچا (عمرو بن اسد) بھی اس کی توثیق کر دیں، اس پر عمرو بن اسد کھڑے ہوئے اور کہا اے قریش! گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد کو نکاح محمد بن عبد اللہ کے ساتھ نکاح میں دے دیا ہے۔ [2]

اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چھ اونٹ یا بیس اونٹوں کے حق المہر پر نکاح فرمالیا،

وَأَصْدَقَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِشْرِينَ بَكْرَةً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حق المہر بیس اونٹ باندھا۔ [3]

وَأَصْدَقَهَا اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أُوقِيَّةً

ایک روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساڑھے بارہ اوقیہ حق المہر باندھا۔ [4]

[1] السيرة الحلبية ۱/۲۰۱
[2] السيرة الحلبية ۱/۲۰۱، تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس ۱/۲۶۴
[3] ابن ہشام ۱/۱۹۰، الروض الانف ۲/۱۵۶
[4] البداية النهاية ۴/۱۰۳

الأوقيّة منه أربعين درهما

ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے (اس طرح حق مہر پانچ سو طلائی درہم ہوا)۔ ①

هَذَا الْبِضْعُ لا يُقْرَعُ أَنْفُهُ

عمرو بن اسد نے اس موقع پر کہا یہ وہ نکاح ہے کہ اس کی ناک نہیں ٹکرائی جاسکتی یعنی اس پر کسی قسم کی نکتہ چینی و حرف گیری ممکن نہیں۔ ②

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم نشیں، دوست اور بہت بے تکلف تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کا حال مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے۔

یہ ابتدائے اسلام میں ہی ایمان لائے اور قریش کے ہاتھوں بڑی تکلیفیں اٹھائیں، مشرکین کبھی انہیں آگ سے جلاتے اور کبھی پانی میں ڈبو دیتے،

كَانَ عَمَّارُ بْنُ يَاسِرٍ يُعَذَّبُ حَتَّى لا يَدْرِي مَا يَقُولُ

عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ پر اتنا عذاب کیا جاتا تھا کہ وہ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ وہ (بدحواسی میں) کیا کہہ رہے ہیں۔ ③

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي مَنْ رَأَى عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ مُتَجَرِّدًا فِي سَرَاوِيلَ قَالَ: فَنَظَرْتُ إِلَى ظَهْرِهِ فِيهِ حَبَطٌ كَثِيرٌ فَقُلْتُ: مَا هَذَا؟قَالَ: هَذَا مِمَّا كَانَتْ تُعَذِّبُنِي بِهِ قُرَيْشٌ فِي رَمْضَاءِ مَكَّةَ

محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا جس نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو برہنہ تن صرف پاجامہ پہنے ہوئے دیکھا تھا انہوں نے کہا کہ میں نے ان کی پیٹھ کو دیکھا تو اس میں بہت نیل کے نشانات اور برتیں تھیں، میں نے کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا قریش مکہ دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں جو مجھے عذاب دیتے تھے یہ اس کے نشانات ہیں۔ ④

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ قَالَ: أَحْرَقَ الْمُشْرِكُونَ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ بِالنَّارِ قَالَ: [فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُرُّ بِهِ وَيُمِرُّ يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ فَيَقُولُ: يَا نَارُ كُونِي بَرْداً وَسَلاماً عَلَى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلَى إِبْرَاهِيمَ

عمرو بن میمون سے مروی ہے مشرکین عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو آگ سے جلاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے تو اپنا ہاتھ مبارک ان کے سر پر پھیرتے اور فرماتے اے آگ تو عمار پر سلامتی والی ہو جا جیسا کہ تو ابراہیم علیہ السلام پر ہو گئی تھی۔ ⑤

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تیسرا نکاح تھا۔

أَوَّلُ امْرَأَةٍ تَزَوَّجَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قُصَيٍّ تَزَوَّجَهَا فِي

① تاریخ ابن خلدون ۱/۳۲۵

② ابن سعد ۱/۱۰۵

③ ابن سعد ۳/۱۸۸

④ ابن سعد ۳/۱۸۸

⑤ ابن سعد ۳/۱۸۸

الجَاهِلِيَّةِ

رسول اللہ ﷺ نے ایام جاہلیت میں سب سے پہلا نکاح خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبد العزی بن قصی سے فرمایا،

وهو ابْنُ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ سَنَةً. وَخَدِيجَةُ يَوْمَئِذٍ بِنْتُ أَرْبَعِينَ سَنَةً ، وُلِدَتْ قَبْلَ الْفِيلِ بِخَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً

مشہور روایت کے مطابق سیرت نگار لکھتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے جب یہ نکاح کیا تو آپ اس وقت پچیس سال کے تھے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تھی، واقعہ اصحاب فیل سے پندرہ سال پہلے پیدا ہو چکی تھیں۔ [۱]

لیکن کچھ روایات میں آپ ﷺ کی عمر ۲۱،۲۹، ۳۰ اور ۳۷ سال اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۵، ۲۸،۳۰، ۳۵، ۴۰ اور ۴۵ سال تک بیان کی گئی ہیں۔

مگر ۳۵ یا چالیس سال کی عمر شاید تیسری یا چوتھی صدی ہجری میں وضع کی گئی ہے تا کہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے فرزند قاسم کے علاوہ صرف ایک بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا تولد ہوئی تھیں اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کی کوئی اور بیٹی نہیں ہوئی حالانکہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے دو بیٹے قاسم (انہی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابو قاسم تھی) اور عہد اسلام میں عبد اللہ جنہیں طیب اور طاہر بھی کہا جاتا ہے سب سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قاسم انتقال فرما گئے،

جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ قال: مات القاسم وهو ابن سنتين

محمد بن جبیر بن مطعم کہتے ہیں قاسم دو سال کے تھے کہ انتقال کر گئے۔ [۲]

اور پھر جب عبد اللہ نے وفات پائی تو اس موقع پر عاص بن وائل السہمی نے کہا تھا

قَدِ انْقَطَعَ وَلَدُهُ فَهُوَ أَبْتَرُ

ان کی تو اولاد منقطع ہو گئی لہذا اب یہ ابتر ہیں۔ [۳]

اگر ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس سال تسلیم کی جائے تو اس عمر کے بعد چھ بچے پیدا کرنا مشکل ہی ہے،

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَتْ خَدِيجَةُ يَوْمَ تَزَوَّجَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةَ ثَمَانٍ وَعِشْرِينَ سَنَةً

عبد اللہ بن عباس سے مروی ہے جب رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ سے شادی کی تو اس وقت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۲۸ برس کی تھیں۔ [۴]

ابن حزم اور بہت سے تفسیر نگار اس روایت کو درست تسلیم کرتے ہیں اور سلیمان منصور پوری نے بھی اپنی سیرت میں اسی کو تسلیم کیا ہے۔

ایک ضعیف روایت: نکاح کے بارے میں واقدی کی ایک ضعیف روایت جو کئی طریق سے مروی ہے

---

[۱] ابن سعد ۱۰۵/۱، تاریخ طبری ۲۸۰/۲

[۲] ابن سعد ۱۰۶/۱

[۳] ابن سعد ۱۰۶/۱

[۴] ابن سعد ۱۳/۸

أَنَّ خَدِيجَةَ سَقَتْ أَبَاهَا الْخَمْرَ حَتَّى ثَمِلَ وَنَحَرَتْ بَقَرَةً وَخَلَّقَتْهُ بِخَلُوقٍ. وَأَلْبَسَتْهُ حُلَّةً حِبَرَةً ،فلما صحا قال:مَا هَذَا الْعَقِيرُ؟ وَمَا هَذَا الْعَبِيرُ؟ وَمَا هَذَا الْحَبِيرُ؟ قَالَتْ: زَوَّجْتَنِي مُحَمَّدًا قَالَ: مَا فَعَلْتُ! أَنَا أَفْعَلُ هَذَا وَقَدْ خَطَبَكِ أَكَابِرُ قُرَيْشٍ فَلِمَ أَفْعَلُ؟

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن اپنے والد کو بلایا اور انہیں شراب پلادی جس کے نشہ میں وہ مخمور ہو گئے پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ایک گائے ذبح کرائی اور والد کو خوشبوؤں سے معطر کیا اور انہیں ایک مخطط (دھاری دار) چادر اوڑھادی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قاصد بھیج کر آپ کو چچاؤں سمیت تشریف آوری کا پیغام کہلا بھیجا، چنانچہ وہ حضرات وقت مقررہ پر تشریف لے آئے اور انہوں نے دونوں کا عقد کر دیا، جب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد ہوش میں آئے تو انہوں نے کہا یہ کیسی خوشبو ہے، یہ ذبیحہ کیسا ہے اور یہ دھاری دار لباس (یمنی چادر) کیسا ہے، اس پر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ نے میرا عقد محمد بن عبد اللہ سے کر دیا ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے تو نہیں کیا بھلا میں یہ کیسے کر سکتا تھا جبکہ روساء قریش تک کے کئی رشتے آئے مگر میں نے رد کر دیئے۔

قال الواقدي: وهذا غلط، والثبت عندنا المحفوظ من حديث محمد ابن عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُسْلِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ وَمِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي الزِّنَادِ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ وَمِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي حَبِيبَةَ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ الْحُصَيْنِ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ أَبَاهَا خُوَيْلِدَ بْنَ أَسَدٍ مَاتَ قَبْلَ الْفِجَارِ. وَأَنَّ عَمَّهَا عَمْرَو بْنَ أَسَدٍ زَوَّجَهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

واقدی کہتے ہیں کہ یہ روایت سراسر غلط ہے، اس روایت کی تردید میں تین روایات ہیں، ایک روایت محمد بن عبد اللہ بن مسلم نے اپنے والد محمد بن جبیر بن مطعم سے ہے، دوسری روایت ابن ابی الزناد نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے والد سے اور انہوں نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ سے روایت کی ہے، تیسری روایت ابن حبیبہ سے ہے جسے انہوں نے داود بن حصین سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خدیجہ الکبریٰ کا نکاح ان کے چچا عمرو بن اسد نے کیا تھا اور ان کے والد خویلد بن اسد جنگ فجار سے بھی پہلے فوت ہو چکے تھے۔[1]

وَقَدْ قِيلَ: إِنَّ أَخَاهَا عَمْرَو بْنَ خُوَيْلِدٍ هُوَ الَّذِي أَنْكَحَهَا مِنْهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے کیا تھا۔[2]

وتزوج صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَدِيجَةَ بعد ذلك بشهرين وخمسة وعشرين يومًا

بہر حال سفر شام سے دو ماہ پچیس روز بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کر لی۔[3]

---

[1] ابن سعد ١/١٠٦، تاریخ طبری ٢/٢٨٢

[2] عیون الاثر ١/٦٤

[3] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية ١/٣٧٧

دعوت ولیمہ

رسول اللہ ﷺ نے اس موقعہ پر دعوت ولیمہ فرمائی جس میں ایک یا دو اونٹنیاں ذبح کرائیں اور لوگوں کو کھانا کھلایا یہ آپ ﷺ کی پہلی شادی تھی، آپ ﷺ اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا میں عمر کے فرق کے باوجود پوری موافقت اور ہم آہنگی رہی اور آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک مثالی شوہر ثابت ہوئے، آپ ﷺ ہمیشہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے احترام وعقیدت مندی کا محور رہے،

فَوَلَدَتْ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَدَهُ كُلَّهُمْ إِلَّا إِبْرَاهِيمَ الْقَاسِمَ، وَبِهْ كَانَ يُكَنَّى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالطَّاهِرَ ، وَالطَّيِّبَ، وَزَيْنَبَ، وَرُقَيَّةَ، وَأُمَّ كُلْثُومٍ، وَفَاطِمَةَ، عَلَيْهِمْ السَّلَامُ

ابراہیم کے علاوہ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے باقی سب اولاد خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے مکہ مکرمہ میں ہی پیدا ہوئیں، اللہ نے ان کے بطن سے پہلا بیٹا قاسم پیدا فرمایا اسی وجہ سے آپ کی کنیت ابو قاسم تھی، پھر زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا ام کلثوم رضی اللہ عنہا، اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ایک اور بیٹا عبداللہ پیدا ہوئے۔ [1]

فَوَلَدَتْ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَاسِمَ وَبِهِ كَانَ يُكَنَّى وَالطَّاهِرَ وَزَيْنَبَ، وَرُقَيَّةَ وَأُمَّ كُلْثُومٍ، وَفَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

اور رسول اللہ ﷺ کے ہاں ایک بیٹا قاسم جنہیں طاہر بھی کہا جاتا ہے اور چار بیٹیاں زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ پیدا ہوئیں۔ [2]

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :كَانَ أَوَّلُ مَنْ وُلِدَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ قَبْلَ النُّبُوَّةِ الْقَاسِمُ. وَبِهِ كَانَ يُكَنَّى ثُمَّ وُلِدَ لَهُ زَيْنَبُ. ثُمَّ رُقَيَّةُ. ثُمَّ فَاطِمَةُ. ثُمَّ أُمُّ كُلْثُومٍ ثُمَّ وُلِدَ لَهُ فِي الإِسْلَامِ عَبْدُ اللَّهِ فَسُمِّيَ الطَّيِّبَ. وَالطَّاهِرَ وَأُمُّهُمْ جَمِيعًا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ قُصَيٍّ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کے پہلے صاحبزادے قاسم تھے جو نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ انہیں کے نام پر کنیت بھی کرتے تھے، بعد میں آپ ﷺ کی نسل میں زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، پھر رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں پھر ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں، عہد اسلام میں یعنی بعثت کے بعد آپ کی نسل سے عبداللہ پیدا ہوئے جن کا طیب وطاہر لقب پڑا، ان تمام نبی زادوں اور نبی زادیوں کی والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزی بن قصی تھیں۔ [3]

طاہر وطیب دو الگ بچے نہ تھے بلکہ عبداللہ بن محمد ﷺ کے القاب تھے۔ [4]

---

[1] ابن ہشام ۱/۱۹۱

[2] السنن الکبری للبیہقی ۷/۱۱۱

[3] ابن سعد ۱/۱۰۶

[4] زادالمعاد ۱/۱۰۱، عیون الآثر ۲/۳۵۷، الروض الانف ۲/۱۶۰

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: وَلَدَتْ خَدِيجَةُ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ وَأَرْبَعَ نِسْوَةٍ: الْقَاسِمَ، وَعَبْدَ اللَّهِ، وَفَاطِمَةَ، وَزَيْنَبَ، وَرُقَيَّةَ، وَأُمَّ كُلْثُومٍ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر دو لڑکوں اور چار بیٹیوں کو جنم دیا قاسم اور عبداللہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا۔ ⑴

زَيْنَبُ؛ أكبر بناته، تزوجها أبو العاصى ،وكان لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: رُقَيَّةُ، تزوجها عثمان بن عفان،وكان له صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أيضا: فَاطِمَةُ رضوان الله عليها، وتزوجها أمير المؤمنين على بن أبى طالب كرم الله وجهه،وكان لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أم كلثوم، وهى أصغر بناته، كانت مملكة بعتبة بن أبى لهب فلم يدخل بها فطلقها، فتزوجها عثمان بن عفان

ایک اور روایت ہے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں چار لڑکیاں پیدا ہوئیں جن میں زینب رضی اللہ عنہا سب سے بڑی تھیں اور ان کا نکاح ابو العاص رضی اللہ عنہ سے ہوا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رقیہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں ان کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے ہوا، پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں جن کا نکاح امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ بن ابو طالب سے ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ام کلثوم رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں جو تمام لڑکیوں میں چھوٹی تھیں ان کا نکاح ابو لہب کے بیٹے سے ہو چکا تھا مگر ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی پھر ان کا نکاح سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان سے ہوا۔ ⑵

أنها ولدت قبل البعثة بعشر سنين

ایک روایت ہے بعثت نبوت سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس برس کی ہوئی تو زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ ⑶

قال أبو عمر: كان رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ محبًا فِيهَا

ابو عمر کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بڑی محبت کیا کرتے تھے۔ ⑷

إلى فاطمةلأنها ولدت سنة إحدى وأربعين من مولد أبيهاصَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ایک روایت ہے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت اس وقت ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اکتالیس سال (اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھپن سال) کی تھی۔ ⑸

اگر کوئی کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک ہی حقیقی بیٹی فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا تھیں اور باقی ان کی ربائب تھیں تو یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ تمام

⑴ مسند احمد ۴۸۳۹ ،مستدرک حاکم ۳/۱۸۲

⑵ جوامع السيرة ۱/۳۱

⑶ اصابة فی تمیزاصحابة ۸/۴۶۱

⑷ الاستيعاب في معرفة الأصحاب ۴/۱۸۵۴،تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس ۱/۲۷۳

⑸ شرح الزرقانی علی المو اہب ۱/۴۷۱

معتبر روایات اور اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے دو سے زیادہ بیٹیوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ... ۵۹ [۱]

ترجمہ: اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔

آپ ﷺ کی چار حقیقی بیٹیوں زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بلاشبہ آپ ﷺ کے ربائب میں چار بیٹیاں تھیں، چار ہجری کے بعد ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ان کے پہلے خاوند سے تین بیٹیاں درہ، زینب اور ام کلثوم۔ اور چھ ہجری میں ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ان کے پہلے خاوند کی بیٹی حبیبہ، آپ ﷺ کے ربائب میں آگئیں، آپ ﷺ کے دونوں بیٹے قاسم اور عبد اللہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے،

وماتت زَيْنَب ورُقَيَّةُ وأمّ كلثوم بنات النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ في حياته

اور زینب رضی اللہ عنہا، رقیہ رضی اللہ عنہا، ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی آپ ﷺ ہی کی زندگی میں فوت ہو گئیں تھیں۔ [۲]

فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد وفات پا گئیں۔ اور ربائب درہ، زینب، ام کلثوم اور حبیبہ وصال نبی کے بعد تک زندہ رہیں، ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جو سب سے پہلے بغیر کسی تردد کے آپ پر ایمان لائیں، شادی سے قبل آپ ﷺ کے گھر تنگدستی و مفلسی تھی، آپ ﷺ اپنی محنت کی کمائی میں سے زیادہ سے زیادہ یتیموں، مسکینوں، بیواؤں، اسیروں، حاجت مندوں وغیرہ پر خرچ کر دیا کرتے تھے مگر وہ بہت تھوڑے پیمانے پر تھا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے اوصاف پوری طرح ظاہر نہ ہوئے تھے مگر شادی کے بعد مفلسی کا یہ دور گزر گیا اور اللہ نے آپ ﷺ کو خوشحالی کا دور عطا فرمایا، ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا شادی سے قبل دوسرے لوگوں کے ذریعہ تجارت کرتی تھیں جن کی اخلاقی حالت مشکوک ہی ہوتی تھی اور ان سے راستبازی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ ان کے مال کو پوری لگن، دیانت اور خیر خواہی کے جذبہ سے فروخت کریں گے، اس لئے انہیں اپنے مال کا جتنا منافع ملنا چاہیے تھا وہ حاصل نہ ہوتا تھا مگر اب ان کی تجارت ایک صادق وامین، معاملہ فہم اور راستباز شخص کے ہاتھ میں آ گئی جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوہر بھی تھے اور فطری طور پر لوگوں کے خیر خواہ اور ہمدرد بھی تھے، چنانچہ آپ ﷺ کی راستبازی، معاملہ فہمی، دیانت داری اور لگن سے ان کی تجارت کو چار چاند لگ گئے، شادی سے بیشتر آپ اخلاقی لحاظ سے قریش اور اردگرد کے لوگوں سے سر بلند تو تھے ہی مگر شادی کے بعد مادی لحاظ سے بھی آپ کا مرتبہ سب سے بلند ہو گیا اور آپ ﷺ قریش کے بڑے لوگوں میں شمار ہونے لگے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ۸ [۳]

ترجمہ: اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار کر دیا۔

---

[۱] الاحزاب ۵۹

[۲] جمهرة أنساب العرب لابن حزم ۱۷/۱

[۳] الضحیٰ ۸

اب جب اللہ نے آپ کو فراغت بخشی تو آپ ﷺ نے اپنے دروازے معاشرے کے ضرورت مند لوگوں کے لئے مکمل طور پر کھول دیئے جس سے آپ ﷺ کے مخفی اوصاف کھل کر لوگوں کے سامنے آ گئے، لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی امانت و دیانت کا سکہ جم گیا، لوگوں کا آپ ﷺ پر اتنا اعتماد قائم ہو گیا کہ آنکھیں بند کر کے اپنی قیمتی امانتیں آپ کے پاس رکھوانے لگے اور یہ سلسلہ ہر طرح کے نامساعد حالات میں ہجرت نبوی تک جاری رہا، امانت و دیانت کا یہ سلسلہ صرف چند لوگوں ہی تک محدود نہ تھا، آپ ﷺ کے بلند اخلاق اور پاکیزہ گفتگو کی وجہ سے لوگ آپ کے گرویدہ ہو جاتے اور ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ ہوتے، جیسا کہ زید بن حارثہ کا واقعہ اس کی شہادت دیتا ہے، زید رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حارثہ بن شرجیل تھا جو قبیلہ کلب سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کی والدہ کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ تھا جن کا تعلق قبیلہ طے کی شاخ بنی معن سے تھا، جب زید رضی اللہ عنہ آٹھ سال کے ہوئے تو ان کی والدہ انہیں اپنے میکے میں لے کر گئیں، قافلوں پر لوٹ مار، قتل و غارت عام سی بات تھی، راستے میں قبیلہ بنی قین بن جسر کے غارت گروں نے ان کے پڑاؤ پر صبح کے وقت دھاوا بول دیا، قافلہ کے چند لوگ مقابلہ نہ کر سکے اور میدان بنی قین بن جسر کے لوگوں کے ہاتھ رہا، انہوں نے لوٹ مار میں جو مال ہاتھ لگا وہ تو لے ہی گئے ساتھ میں کئی لوگوں کو بھی پکڑ کر لے گئے جن میں زید رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنو فزارہ نے قبیلہ طے پر چھاپہ مارا اور منجملہ دوسرے مال و اسباب اور آدمیوں کے زید رضی اللہ عنہ کو بھی اغوا کر کے لگئے اور ان لوگوں نے عکاظ کے میلے میں ان قیدیوں کی نیلامی لگا دی، میلے میں تمام قریش اور دوسرے قبائل موجود ہوتے تھے، وہاں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بھی تھے انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو خرید لیا،

فَدَخلَتْ عَمَّتُهُ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ فَقَالَ: اخْتَارِي أَيَّ هَؤُلَاءِ الْغِلْمَانِ شِئْتِ فَهُوَ لَكِ، فَاخْتَارَتْ زَيْدًا فَأَخَذَتْهُ

جب خدیجہ رضی اللہ عنہا ان سے ملنے کے لئے گئیں تو انہوں نے کہا پھوپھی جان! آپ کو ان غلاموں میں سے جو غلام پسند ہو لے لیجئے، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے زید رضی اللہ عنہ کو پسند کیا اور لے لیا، بچپن میں ماں باپ نے ان کی جو تربیت کی تھی سو کی تھی، جب یہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو خود بہترین عادت و اطوار کی مالدار خاتون تھیں انہوں نے اس بچے کی بھی اچھی تربیت کی، اس واقعہ کے سات سال بعد جب ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی رسول اللہ ﷺ سے ہوئی اس وقت زید رضی اللہ عنہ کی عمر پندرہ سال کی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے اچھے اطوار دیکھ کر انہیں خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مانگ لیا، یہ بھی کہا جاتا ہے خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو ہدیۃً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا، زید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی خدمت کرتے کچھ عرصہ اور گزر گیا۔

ثُمَّ قَدِمَ أَبُوهُ حَارِثَةُ لِمَوْجِدَتِهِ عَلَيْهِ وَجَزَعِهِ وَكَانَ أَبُوهُ حَارِثَةُ قَدْ جَزِعَ عَلَيْهِ جَزَعًا شَدِيدًا، وَبَكَى عَلَيْهِ حِينَ فَقَدَهُ فَقَالَ:

سات آٹھ سال کے اس تمام عرصہ میں ان کے والدین اپنے بیٹے کی تلاش میں سرگرداں رہے، ابو حارثہ اپنے یوسف گم گشتہ کے لیے سخت رنج والم میں مبتلا رہا اور اس کے غم میں نوحہ پڑھتا تو دوست تو دوست دشمن بھی رو دیتے تھے، اس نے یہ نوحہ کہا

بَكَيْتُ عَلَى زَيْدٍ وَلَمْ أَدْرِ مَا فَعَلْ	أَحَيٌّ فَيُرْجَى أَمْ أَتَى دونه الْأَجَل
میں زید کے لیے رویا پیٹا لیکن معلوم نہیں وہ کہاں گیا	نہ معلوم وہ زندہ ہے کہ امید کا دیا روشن رکھوں یا اس نے جام اجل پی لیا

فو الله ما أَدْرِي وَإِنِّي لَسَائِلٌ | أَغَالَكَ بَعْدِي السَّهلُ أَمْ غَالَكَ الجَبَلُ
بخدا میں بار بار پوچھتا ہوں پھر بھی نہیں جانتا | کہ تو نرم زمین کی پہنائیوں میں غرق ہو گیا یا تجھے پہاڑ نگل گیا

وَيَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ لَكَ الدَّهْرُ أَوْبَةٌ | فَحَسْبِي مِنْ الدُّنْيَا رُجُوعُكَ لِي بَجَلْ
کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری واپسی کبھی ممکن ہے | (تجھے کیا معلوم کہ) تیری واپسی سے میری دنیا آباد ہو جائے گی

تُذَكِّرُنِيهِ الشَّمسُ عِنْدَ طُلُوعِهَا | وَتَعْرِضُ ذِكْرَاهُ إِذَا غَرْبُهَا أَفَلْ
طلوع شمس مجھے اس کی یاد دلاتا ہے | اور غروب آفتاب پھر اس کی یاد تازہ کر دیتا ہے

وَإِنْ هَبَّتْ الْأَرْوَاحُ هَيَّجْنَ ذِكْرَهُ | فَيَا طُولَ مَا حُزْنِي عَلَيْهِ وَمَا وَجَلْ
باد بہاری کے جھونکے اس کے فراق کی آگ بھڑکا دیتے ہیں | آہ میں کتنے رنج و الم میں مبتلا ہوں

سَأُعْمِلُ نَصَّ الْعِيسِ فِي الْأَرْضِ جَاهِدًا | وَلَا أَسْأَمُ التَّطْوَافَ أَوْ تَسْأَمُ الْإِبِلْ
اے فرزند! میں تیری تلاش میں دنیا کا کونہ کونہ چھان ماروں گا اس جستجو سے عمر بھر نہ تھکوں گا یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے

حَيَاتِي أَوْ تَأْتِي عَلَيَّ مَنِيَّتِي | فَكُلُّ امْرِئٍ فَانٍ وَإِنْ غَرَّهُ الْأَمَلُ
یا مجھ پر موت وارد ہو جائے | ہر انسان فانی ہے اگرچہ سراب امید نے اسے دھوکا دے رکھا ہے [1]

وأوصى به عمرا وقيسا كليهما | وأوصى يزيدا ثم من بعده جبل
میں قیس اور عمر کو وصیت کرتا ہوں | پھر یزید (سوتیلا بھائی) کو اور اس کے بعد جبل (جبلہ) (سوتیلا بھائی) کو کہ وہ
زید کی تلاش جاری رکھیں۔[2]

فاتفق أن قوما من كلب حجوا فرأوا زيد بن حارثة فعرفهم وعرفوه، فقال لهم: أبلغوا أهلي هذه الأبيات، فإنّي أعلم أنهم قد جزعوا عليّ، وهي:

اسی زمانے میں ایک سال بنو کلب کے چند آدمی حج کے لیے مکہ مکرمہ آئے، بنو قضاعہ اور ان لوگوں کی قرابت داری تھی، ایک دن وہ حارثہ بن شراحیل کا وہ نوحہ جو اس نے اپنے بیٹے کے فراق میں کہا تھا بڑی پرسوز آواز میں پڑھ رہے تھے کہ زید رضی اللہ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا ٹھٹک کر کھڑے ہو گئے، بنو کلب کے لوگوں کی نظر بھی ان پر پڑی تو انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو فوراً پہچان لیا کہ حارثہ کا گم گشتہ فرزند یہی ہے، چنانچہ زید سے ان کا نام اور دوسرے حالات دریافت کیے تو ان کا اندازہ درست ثابت ہوا، اب انہوں نے زید رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کی داستان غم سنائی اور انہیں اپنے ساتھ چلنے کو کہا لیکن زید رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اس مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں ماں باپ، عزیز و اقارب سب کی محبت ان کے سامنے ہیچ تھی، زید رضی اللہ عنہ نے بنو کلب کے حاجیوں سے کہا میرے بزرگو اور بھائیو! براہ کرم میرے غمزدہ خاندان کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا

---

[1] ابن ہشام ۱/۲۴۷

[2] تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس ۲/۷۳، هاية الإيجاز في سيرة ساكن الحجاز ۱/۴۸۰، ابن ہشام ۱/۲۴۸

أَلْكنى إلى قومي وَإِنْ كنت نَائِيًا — فَإِنّي قطين الْبَيْتِ عِنْدَ الْمَشَاعِرِ

گومیں ان سے دور ہوں لیکن اپنی قوم سے محبت کرتا ہوں — میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں

فَكُفّوا مِنْ الْوَجْدِ الّذِي قَدْ شَجَاكُمْ — وَلَا تُعْمِلُوا فِي الْأَرْضِ نَصّ الْأَبَاعِرِ

اس غم کو بھول جاؤ جس نے تمہیں رنجور کر رکھا ہے — اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو

فَإِنّي بِحَمْدِ اللهِ فِي خَيْرِ أُسْرَةٍ — كِرَامِ مَعَدّ كَابِرًا بَعْدَ كَابِرِ

اللہ کا شکر ہے کہ میں بنی معد کے ایک معزز خاندان میں ہوں — جو پشت ہاپشت سے ذی عزت ہے

فانطلق الكلبيون فأعلموا أباه ، فخرج حارثة وكعب ابنا شراحيل لفدائه

اہل کلب کے لوگ حج کے بعد واپس اپنے علاقہ میں گئے تو زید رضی اللہ عنہ کے والد کو زید کا پیغام پہنچایا، چنانچہ حارثہ بن شراحیل اور کعب بن شراحیل زید رضی اللہ عنہ کا فدیہ دینے کے لیے روانہ ہوئے۔[1]

وقدما مكة فسألا عن النبى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقيل هو فى المسجدفدخلا عليه

چنانچہ ان کے والد اور چچا دونوں مکہ مکرمہ آئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھا تو انہیں بتایا گیا کہ وہ مسجد میں ہیں، وہ مسجد میں حاضر خدمت ہوئے۔[2] فقالا :يَاا بْنَ عَبْدِ الْمُطّلِبِ بن هاشم، يَا بْنَ سَيّدِ قَوْمِهِ أَنْتُمْ أهل حرم الله وجيرانه، وَتَفُكّونَ الْعَانِيَ وَتُطْعِمُونَ الأسير، جِئْنَاك فِي ابْنِنَا عَبْدِك، فامنن عليه وأحسن إلَيْنَا فِي فِدَائِهِ.

چنانچہ ان کے والد اور چچا دونوں مکہ مکرمہ آئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پوچھا اور حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا اے ابن عبد المطلب بن ہاشم! اے قوم کے سردار! آپ اہل حرم ہیں بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور اسیروں کو کھانا کھلاتے ہیں،

وَتُطْعِمُونَ الْجَائِعَ

ایک روایت میں ہے حجاج کرام کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ہم اپنے بیٹے کے لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں جو آپ کا غلام ہے ہم پر احسان فرمائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی فدیہ چاہیں وہ ادا کرنے کو تیار ہیں مگر ان کا بچہ ان کے حوالے کر دیں،

فَقَالَ :من هُوَ؟ قالوا : زيد بن حارثة ،فقال رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فهلا غير ذلك؟ قالوا : ما هو؟قال :أَدْعُوهُ وَأُخَيّرُهُ فَإِنْ اخْتَارَكم فهو لكم، وَإِنْ اخْتَارَنِي فَوَاَللهِ مَا أَنَا بِالّذِي أَخْتَارُ عَلَى مَنْ اخْتَارَنِي أَحَدًاقالا : قد زدتنا على النصف وأحسنت، فدعاه فقال :هل تعرف هؤلاء؟ قال : نعم،قال : من هذا؟قال : أبي وهذا عمى

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارا لخت جگر کون ہے؟ انہوں نے کہا وہ زید بن حارثہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں اس سے بہتر بات

---

[1] امتاع الاسماع ۶/۳۰۳

[2] تاریخ الخمیس ۲/۷۳

کہوں؟انہوں نے کہاوہ کیابات ہے؟رسول اللہ ﷺ نے فرمایامیں اس معاملہ کو بچے کی مرضی پر چھوڑتاہوں،میں اسے بلاتاہوں اگر وہ آپ لوگوں کے ہمراہ جاناچاہئے گاتو میں بغیر فدیہ لئے تمہارے حوالے کردوں گالیکن اگر وہ میرے ساتھ رہناپسند کرے گاتو میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ جومیرے ساتھ رہناچاہے میں اسے خواہ مخواہ خود سے دور کردوں،زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا کو یہ تجویز بہت پسند آئی کیونکہ انہیں یہ وثوق کامل تھا کہ بچہ یقیناًاپنے باپ اور چچا کو دیکھ کر ان کے ساتھ جاناپسند کرے گااور ساتھ میں فدیہ کی رقم بھی بچ رہی تھی،چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو بلایااور ان سے دریافت فرمایایہ دوآدمی جوتمہارے سامنے بیٹھے ہیں کیاتم انہیں پہچانتے ہو؟زید رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ اور چچا کو پہچان کر جواب دیاجی ہاں، آپ ﷺ نے دریافت کیایہ دونوں کون ہیں؟یہ میرے والدمحترم ہیں اور یہ میرے چچاجان ہیں۔

فَقَالَ هَذَا أَبِي حَارِثَةُ بْنُ شَرَاحِيلَ وَهَذَا عَمِّي: كَعْبُ بْنُ شَرَاحِيلَ

ایک روایت میں ہے زید رضی اللہ عنہ نے کہایہ میرے والدحارثہ بن شراحیل ہیں اور یہ میرے چچاکعب بن شراحیل ہیں۔[1]

قال :فأنا من قد علمت ورأيت صحبتى لك فاخترنى أو اخترهما قال زيد: ما أنا بالذى اختار عليك أحدا، أنت منى مكان الأب والعم! فَقَالَ لَهُ أَبُوهُ يَا زَيْدُ أَتَخْتَارُ الْعُبُودِيَّةَ عَلَى الْحُرِّيَّةِ وَ عَلَى أَبِيك وَأُمّك وَبَلَدِك وَقَوْمِك؟ فقال ابن الكريم .قال: نعم، قد رأيت من هذا الرجل شيئا ما أنا بالذى أختار عليه أحدا أبدا فلما رأى ذلك رَسُولُ اللّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أخرجه إلى الحجر فقال :يا من حضر، اشهدوا أن زيدا ابنى يرثنى وأرثه، فلما رأى ذلك أبوه وعمه طابت نفوسهما، فانصرفوافدعى: زيد بن محمد

رسول اللہ ﷺ نے فرمایاتم انہیں اچھی طرح جانتے اور مجھے بھی جانتے ہوتم فیصلہ کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہو کہ ان کے ساتھ اپنے گھر جاناپسند کرتے ہو یامیرے ساتھ رہناچاہو گے،اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کو نبوت کامنصب نہیں ملاتھامگر اس مختصر عرصہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت کرتے ہوئے آپ ﷺ کے عادات واطوار اور پاکیزہ گفتگو سے بہت متاثر ہوچکاتھااس لئے بغیر کسی تامل کے جواب دیامیں آپ کو چھوڑ کر کسی کے پاس نہیں جاناچاہتا،زید رضی اللہ عنہ کے باپ اور چچا کے لئے یہ انہونی بات تھی کہ ان کابیٹامحمد ﷺ کی غلامی میں رہناچاہتاہے،اس لئے بڑی حیرت سے زید رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے اے زید رضی اللہ عنہ! کیا تو اپنی آزادی کوان کی غلامی پر ترجیح دیتاہے اور اپنے ماں،باپ،قبیلہ ،کنبہ کو چھوڑ کر غیروں کے پاس رہناچاہتاہے،زید رضی اللہ عنہ نے بڑی متانت سے عرض کیااے میرے باپ!ہاں میں نے محمد ﷺ کے جوبہترین اوصاف دیکھے ہیں ان کاتجربہ کرلینے کے بعد میں پوری دنیامیں سے کسی کو بھی کبھی ان پر ترجیح نہیں دے سکتا،جب رسول اللہ ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کایہ محبت بھراانداز دیکھاتوبہت خوش ہوئے اور ان بزرگوں کی موجودگی میں ہی زید رضی اللہ عنہ کوآزاد کر دیاپھر جلدی سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کاہاتھ پکڑ کر حرم میں تشریف لے گئے اور وہاں پر بیٹھے قریش کے سامنے اعلان کر دیاکہ آج سے زید رضی اللہ عنہ میرے بیٹے ہیں،یہ مجھ سے وراثت پائے گااور میں اس سے،یہ اعلان سن کر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بزرگ شاداں وفرحاں واپس

---

[1] الروض الانف ۲۹۰/۲

چلے گئے،اس دن سے زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ گھر کے ایک فرد بن گئے اور زید رضی اللہ عنہ بن محمد پکارے جانے لگے۔ (۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح ام ایمن سے کر دیا تھا،جن کے بطن سے ان کا بیٹا اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے،آپ صلی اللہ علیہ وسلم زید رضی اللہ عنہ کو بہت پسند کرتے تھے،جب انہیں کسی کام سے روانہ کرتے تو ان کے لئے دعا کرتے اور جب وہ واپس آجاتے تو خوشی کا اظہار فرماتے،اس لئے صحابہ کرام انہیں حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے فرزند کو فرزند حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے،جب قرآن مجید میں یہ حکم نازل ہوا۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔۔۔ ﴿۴۰﴾ (۲)

ترجمہ:لوگو!محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں،مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَاۗىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۔۔۔ ﴿۵﴾ (۳)

ترجمہ:منہ بولے بیٹوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے،اور اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔

اس کے بعد لوگ انہیں زید بن حارثہ کہنے لگے،زید بن حارثہ ایک لاکھ سے زائد صحابہ میں صرف ایک ہی خوش قسمت ہیں جن کا اسم گرامی ناموس اکبر کی زبان سے ادا ہو کر قرآن مجید کے صفحات میں جگہ حاصل کر سکا ان کے علاوہ کسی دوسرے صحابی کا نام قرآن مجید میں مذکور نہیں۔

۔۔۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۔۔۔ (۴)

ترجمہ:پھر جب زید اس سے حاجت پوری کر چکا تو ہم نے تجھ سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی گناہ نہ ہو جب کہ وہ ان سے حاجت پوری کر لیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رویہ اپنے غلاموں کے ساتھ اس قدر مثالی تھا کہ آزادی کا موقع ملنے کے باوجود غلام آزاد ہونا پسند نہیں کرتے تھے ،زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بعد دوسری مثال ثوبان بن لجد کی ہے جن کی کنیت ابو عبداللہ تھی،انہیں ابوعبدالکریم اور عبدالرحمٰن بھی کہا جاتا ہے،یہ السراۃ کے باشندے تھے جو کہ مکہ اور یمن کے مابین ایک مقام ہے،بعض مورخین کا خیال ہے کہ ان کا تعلق بنو حمیر سے تھا،عہد جاہلیت میں انہیں قیدی بنالیا گیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خرید کر آزاد کر دیا اور انہیں اختیار دیا کہ وہ اگر اپنی قوم میں واپس جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں،ثوبان نے آزادی کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا پسند کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) خاتم النبيين صلى الله عليه وآله وسلم ۲۸۹/۱، تاريخ الاسلام ۱۳۸/۱،الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم والثلاثة الخلفاء ۱۷۱/۱

(۲) الاحزاب ۴۰

(۳) الاحزاب ۵

(۴) الاحزاب ۳۷

کی خدمت کرتے رہے اور سفر وحضر میں کبھی آپ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں یہ فتح مصر میں شریک رہے، اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۵۴ ہجری میں حمص میں وفات پائی،

ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ حمص میں ان کا قائم کردہ دار الصدقہ (محتاج خانہ) تھا۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی کفالت میں

رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک تقریباً ۳۵ سال کی ہو چکی تھی،

أَنَّ قُرَيْشًا أَصَابَتْهُمْ أَزْمَةٌ شَدِيدَةٌ، وَكَانَ أَبُو طَالِبٍ ذَا عِيَالٍ كَثِيرٍفَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ عَمِّهِ، وَكَانَ مِنْ أَيْسَرِ بَنِي هَاشِمٍ، يَا عَبَّاسُ: إِنَّ أَخَاكَ أَبَا طَالِبٍ كَثِيرُ الْعِيَالِ، وَقَدْ أَصَابَ النَّاسَ مَا تَرَى مِنْ هَذِهِ الْأَزْمَةِ، فَانْطَلِقْ بِنَا إِلَيْهِ، فَلْنُخَفِّفْ عَنْهُ مِنْ عِيَالِهِ، آخُذُ مِنْ بَنِيهِ رَجُلًا، وَتَأْخُذُ أَنْتَ رَجُلًا، فَنَكِلُهُمَا عَنْهُ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ: نَعَمْ. فَانْطَلَقَا حَتَّى أَتَيَا أَبَا طَالِبٍ، فَقَالَا لَهُ: إِنَّا نُرِيدُ أَنْ نُخَفِّفَ عَنْكَ مِنْ عِيَالِكَ حَتَّى يَنْكَشِفَ عَنِ النَّاسِ مَا هُمْ فِيهِ، فَقَالَ لَهُمَا أَبُو طَالِبٍ: إِذَا تَرَكْتُمَا لِي عَقِيلًا فَاصْنَعَا مَا شِئْتُمَافَأَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلِيًّا، فَضَمَّهُ إِلَيْهِ، وَأَخَذَ الْعَبَّاسُ جَعْفَرًا فَضَمَّهُ إِلَيْهِ

اس وقت مکہ معظمہ اور اس کے ارد گرد شدید قحط پھیلا ہوا تھا اور قریش سخت تنگی میں گرفتار تھے اور ابو طالب کثیر العیال شخص تھے، ان حالات میں آپ ﷺ نے خیال فرمایا کہ ان کے چچا ابو طالب جو ایک عیال دار آدمی ہیں اور ان کی مالی حالت بھی بہتر نہیں لہٰذا ان کی مدد کرنی چاہیے، یہ سوچ کر آپ ﷺ اپنے دوسرے چچا عباس رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب جو ایک مالدار آدمی تھے کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اے چچا! جیسا کہ آپ جانتے ہیں آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں اور ان کی مالی پوزیشن پہلے ہی اچھی نہیں ہے اس پر قحط نے ان کی حالت اور بھی پتلی کر دی ہے، ان کی کوئی اعانت اور امداد کرنی چاہیے جس سے ان کا بوجھ کچھ ہلکا ہو، آپ میرے ہمراہ چلیں ان کی بعض اولاد کے آپ کفیل ہو جائیں اور بعض اولاد کا میں کفیل ہو جاتا ہوں، آپ ﷺ کی تجویز سن کر عباس رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے اور چچا بھتیجے دونوں مل کر ابو طالب کے پاس گئے اور کہا ہم تمہارے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ تمہارے عیال کا بار تم پر سے ہلکا کریں یہاں تک کہ تنگی کا زمانہ جاتا رہے، ابو طالب نے راضی ہو کر کہا عقیل کو میرے لئے چھوڑ دو اور باقی بچوں میں سے جس کو جو اپنی کفالت میں لینا چاہے لے لے، چنانچہ عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے جعفر رضی اللہ عنہ کو جو تقریباً چودہ پندرہ سال کے تھے اور آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جو تقریباً چار پانچ سال کے تھے اور سب سے چھوٹے تھے اپنی کفالت میں لے لیا۔[2]

جنہیں آپ ﷺ اور خدیجہ الکبریٰ رقیہ رضی اللہ عنہا نے اولاد ہی کی طرح پالا پوسا۔ مگر صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ تقریباً دس سال کے تھے اور سیدنا علیٰ رضی اللہ عنہ چند ماہ کے تھے، اگر اس وقت جعفر رضی اللہ عنہ چودہ پندرہ سال کے جوان تھے تو پھر انہیں کفالت کی ضرورت ہی نہ تھی۔

---

[1] کتاب المعارف ۶۴، الاستیعاب ۱/۲۱۸

[2] ابن ہشام ۱/۲۴۵، عیون الآثر ۲/۲۸۷

تعمیر خانہ کعبہ کی تجدید

۶۰۵ ء

بیت اللہ کی تعمیر ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام نے پتھروں کو محض ایک دوسرے کے اوپر جما کر کی تھی ان پتھروں کو جوڑنے کے لئے کوئی گارا مٹی استعمال نہیں کیا گیا تھا اور نہ ہی دیواروں پر پلستر کیا گیا تھا، پھر تعمیر ہوئے بھی کافی زمانہ بیت چکا تھا اور اب تک اس کی تجدید تو نہیں ہوئی تھی، بنی جرہم اور عمالقہ کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کردہ عمارت کعبہ منہدم ہوگئی تو پھر بنو جرہم نے اسے از سر نو تعمیر کیا مگر جب وہ بھی منہدم ہوگئی تو عمالقہ نے اسے بنایا۔[1]

اور قصیٰ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ قریش میں قصی پہلا آدمی ہے جسے کعبہ شریف تعمیر کرنے کی سعادت حاصل ہوئی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً ایک سو تیس سال قبل اس کی حکومت قائم ہوئی تھی۔[2]

مگر مشہور روایات کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر کے بعد قریش کی تعمیر ثابت ہے لیکن کسی صحیح روایت سے عمالقہ، جرہم اور قصی کی تعمیر ثابت نہیں ہوتی، یہ مجرد خبر ہے جس کی کوئی معقول دلیل موجود نہیں ہے اور اگر ان تعمیرات کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو کسی مورخ نے کعبہ کی بلندی میں کمی یا اضافہ کا ذکر نہیں کیا، چنانچہ ان وجوہات کی بنا پر قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کا فیصلہ کیا۔

○ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ بیت اللہ شہر کے نشیبی علاقہ میں واقع ہونے کی وجہ سے بارش کا پانی سیلاب بن کر حرم میں داخل ہو جاتا اور عہد کہنہ کی اس یادگار عمارت کو نقصان پہنچتا، پھر کعبہ کی دیواریں بھی قد آدم کے برابر اونچی تھیں اور اس کے ارد گرد کوئی حصار یا چار دیواری بھی نہیں تھی جو پانی کے لئے رکاوٹ بنتی، بالائی حصہ میں خزاعہ نے پہلا بند تعمیر کر کے سیلاب کی روک تھام کی کوشش تو کی مگر وہ کارگر ثابت نہ ہوئی ،بند بھی سیلاب کی نذر ہو گیا اور قبیلہ بنو بکر کی فارہ نامی ایک عورت جاں بحق ہوگئی اسی وجہ سے وہ سیلاب فارہ کے نام سے مشہور ہوا، اس واقعہ کے بعد عند مذ بنت خزاعہ نے کعبہ کی حفاظت کے لئے ایک پشتہ تعمیر کر دیا مگر سیلاب کے باعث قریب تھا کہ دیواریں گر جاتیں۔

○ امتداد زمانہ اور مرور ادوار کے باعث بیت اللہ کی دیواریں بے حد بوسیدہ ہو کر آثار قدیمہ کی تصویر پیش کر رہی تھیں اور زبان حال سے اپنی خستہ حالی کی فریاد کناں تھے۔

○ اسی زمانہ میں بیت اللہ کا خزانہ جس میں سونے کا ہرن، بیش بہا قیمتی جواہرات اور موتی تھے چوری ہو گیا،

وكان الذي وجد عنده الكنز دويكا مَوْلًى لِبَنِي مُلَيْحِ بْنِ خُزَاعَةَ، فَقَطَعَتْ قُرَيْشٌ يَدَهُ من بينهم، وكان ممن اتهم في ذلك عَامِرُ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ، وَأَبُو هَارِبِ بْنُ عُزَيْزٍ، وَأَبُو لَهَبِ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، وهم الذين تزعم قريش أنهم وضعوا كنز الكعبة حين أخذوه عند دويك مولى بني مليح، ويقال: هم وضعوه عنده وذكروا أن قريشا حين استيقنوا بأن ذلك كان عند الحارث بن عامر ابن نوفل بن عبد مناف، ألا يدخل مكة عشر سنين، بما استحل

[1] اعلام الاعلام ۴۲

[2] تاریخ القویم ۳/۱۲۹

من حرمة الكعبة

مسروقہ مال بنی ملیح کے ایک آزاد کردہ غلام دویک نے چرالیا تھایا چوروں نے مال لے کر دویک کے پاس رکھوادیا تھااور اسی کے گھر سے برآمد ہوا جس کی وجہ سے قریش نے اس کا ہاتھ کاٹ دیا، اس تہمت میں حارث بن عامر بن نوفل اور ابو اھاب بن عزیز اور ابولہب بن عبد المطلب شامل تھے اگرچہ بعد کی تحقیق و تفشیش میں اصل مجرم حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف ثابت ہوا جسے سزا کے طور پر دس سال کے لئے شہر بدر کر دیا گیا۔ [1]

○ أَجْمَرَتِ امْرَأَةٌ الْكَعْبَةَ فَطَارَتْ شَرَارَةٌ مِنْ مِجْمَرِهَا فِي ثِيَابِ الْكَعْبَةِ فَاحْتَرَقَتْ

امام زہری رحمہ اللہ سے روایت ہے ایک عورت بیت اللہ کو باخور (جو ایک خوشبو ہے) کی دھونی دے رہی تھی کہ ایک شرارہ اڑ کر بیت اللہ کے غلاف پر جا پڑا جس سے آگ بھڑک اٹھی، غلاف کعبہ جل کر خاکستر ہوگیا اور بیت اللہ کی دیواریں بھی جھلس گئیں۔ [2]

وَلما بلغ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خمْسا وَثَلَاثِينَ أَجمعت قُرَيْش لبنيان الْكَعْبَة

جب رسول اللہ ﷺ کی عمر ۳۵ برس کی تھی تو قریش کا کعبہ کی تعمیر پر اتفاق ہو،

اجاءَ سَيْلٌ فِي الجَاهِلِيَّةِ فكَسَا مَا بَيْنَ الجَبَلَيْنِ

اس سال خوب بارشیں ہوئیں جس کے نتیجے میں پانی سیلابی انداز میں بیت اللہ کی طرف چلا آیا۔ [3]

جس کی وجہ سے بیت اللہ کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے اور شدید خطرہ پیدا ہوگیا کہ کسی وقت پتھر اپنی خستگی کی وجہ سے زمین بوس نہ ہو جائیں۔

اب قریش کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ بیت اللہ کو گرا کر اس کی تعمیر نو کریں، مگر تعمیر نو کا سوچتے ہوئے ڈرتے بھی تھے کیونکہ ابرہہ اور اس کے لشکر کا (جو اس مقدس گھر کو منہدم کرنے کے لئے بڑے کروفر سے آیا تھا) حال اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکے تھے، اس کے علاوہ بیت اللہ صرف قریش ہی کے لئے مقدس نہیں تھا کہ جب اور جیسے چاہتے کر گزرتے بلکہ پورے قبائل عرب کا مقدس مقام تھا اور اپنی مرکزیت اور اپنے تقدس کی وجہ سے پورے ملک کی معاشی و تمدنی زندگی کا سہارا بنا ہوا تھا، اور حرام مہینوں میں جب امن ہوتا تو حج اور عمرے کی غرض سے سارا ملک ان کی طرف کھنچ کر چلا آتا تھا جس کی بدولت عربوں میں وحدت کا ایک رشتہ قائم ہو جاتا تھا، اس لئے سب نے مشترکہ طور پر ابرہہ کا مقابلہ کیا تھا، اس لئے تمام قبائل عرب اس سنجیدہ مسئلے کے حل کے لئے دار الندوہ میں جمع ہوئے اور کافی غور وفکر اور مشاورت سے بیت اللہ کی تعمیر نو کے کار خیر کی انجام دہی پر کمر بستہ ہوگئے اور ساتھ ہی یہ بھی طے پایا کہ بیت اللہ کی چھت بھی بنائی جائے گی،

فَقَالَ لَهُمُ الْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ: يَا قَوْمِ، لَا تُدْخِلُوا فِي عِمَارَةَ بَيْتِ رَبِّكُمْ إِلَّا مِنْ طَيِّبِ أَمْوَالِكُمْ، وَلَا تُدْخِلُوا فِيهِ مَالًا

[1] تاريخ طبری ۲/۲۸۶، الكامل فی التاریخ ۱/۶۴۴

[2] فتح الباری ۳/۴۴۱،عمدة القاری ۹/۲۱۷

[3] عمدة القاري ۹/۲۱۷

مِنْ رِبًا، وَلَا مَالًا مِنْ مَيْسِرٍ، وَلَا مَهْرَ بَغِيٍّ، وَجَنِّبُوهُ الْخَبِيثَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا. فَفَعَلُوا

اس موقعہ پر آپ کے والد عبداللہ کے ماموں ابو وہب بن عمرو بن عائذ مخزومی نے اور ایک روایت کے مطابق ولید بن مغیرہ کھڑا ہوا اور کعبہ کا ایک پتھر باہر نکال کر دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا اور کھڑے ہو کر قریش کو مخاطب کیا اے قریش کے لوگو! اس گھر کی تعمیر میں اپنی حلال کمائی لگاؤ، اس میں زنا کاری کی کمائی، سود کی کمائی، یا کسی شخص پر ظلم کر کے حاصل کی ہوئی کمائی داخل نہ ہونے پائے، بیشک اللہ پاکیزہ چیزوں کو قبول فرماتا ہے لہٰذا اس میں حلال کمائی لگاؤ۔

فَقَالَ: يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، لَا تُدْخِلُوا فِي بِنَائِهَا مِنْ كَسْبِكُمْ إِلَّا طَيِّبًا، لَا يَدْخُلُ فِيهَا مَهْرُ بَغِيٍّ، وَلَا بَيْعُ رِبًا، وَلَا مُظْلَمَةُ أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ

ایک اور روایت یوں ہے اے گروہ قریش! اس گھر کی تعمیر میں کوئی ایسا مال نہ لگاؤ جو تم نے غصب کر کے، یا قطع رحمی کر کے، یا کسی ذمہ کو جو تمہارے اور کسی دوسرے انسان کے درمیان ہو توڑ کر حاصل کیا، بلکہ صرف مال حلال سے ہی اس کی تعمیر کی جائے۔[1]

چنانچہ یہ بھی طے پایا کہ ہر قبیلہ اس کی تعمیر نو میں سودی بیوپار، لوٹ مار، حق تلفی وظلم وستم اور لونڈیوں کی کمائی کی رقم (زنا کاری) لگانے کی بجائے صرف رزق حلال ہی خرچ کرے گا، یہ طے کر کے تعمیر کے لئے مختلف قبائل کو علاقے تقسیم کر دیئے گئے۔

پھر تائید غیبی سے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے جس سے قریش کی ہمت اور بھی بڑھ گئی۔

○ ہوا یہ کہ بیت اللہ کے خزانے پر ایک اژدھے نے پانچ سو سال سے ڈیرہ ڈال رکھا تھا جس کے خوف و دہشت سے کسی کو عمارت مسمار کرنے کی جرات نہیں ہو سکتی تھی،

إِنْ كَانَ لَكَ فِي هَدْمِهَا رِضًا فَأَتِمَّهُ وَاشْغَلْ عَنَّا هَذَا الثُّعْبَانَ. فَأَقْبَلَ طَائِرٌ مِنْ جَوِّ السَّمَاءِ كَهَيْئَةِ الْعُقَابِ فَقَالَت قُرَيْش: إِنَّا لَنَرْجُو أَن يكون الله تَعَالَى، رَضِيَ مَا أردنَا

ایک دن حسب معمول وہ دیوار پر بیٹھا تھا کہ ایک پرندے نے جھپٹا مار کر اسے اپنے پنجوں میں دبوچ لیا اور اڑ گیا، اس واقعہ سے قریش نے یہ فال نکالی کہ ہمارے پروگرام سے رب کعبہ راضی ہے اور اس کی مشیت اسی میں ہے کہ ہم یہ کام کر گزریں۔[2]

ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر

ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی جو تعمیر فرمائی اس کی پیمائش کچھ اس طرح تھی۔

مشرقی دیوار جس میں دروازہ ہے، حجرِ اسود سے رکن یمانی تک ۵۳ فٹ، ۴ انچ

مغربی دیوار رکن یمانی سے رکن عراقی تک	۵۱ فٹ، ۸ انچ
رکن شامی سے رکن عراقی کی سمت والی دیوار	۳۶ فٹ، ۱۰ انچ

---

[1] سيرة ابن اسحاق ۱/۱۰۴، ابن ہشام ۱/۱۹۴، الروض الانف ۲/۱۷۰، أعلام النبوة للماوردى ۱/۲۱۳

[2] عمدة القارى ۹/۲۱۷، اخبار مكه ۱۶۲

رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان والی دیوار ۳۳فٹ، ۴ انچ

کعبہ کی بلندی ۱۳فٹ، ۶ انچ

اور دیواروں کی چوڑائی تقریباً تین فٹ تھی اور کوئی چھت یا دروازہ نہیں تھا۔

قریش کی تعمیر

قریش اور قبائل عرب کی مشاورت میں تعمیر بیت اللہ کے حصص کی تقسیم اس طرح کی گئی کوئی قبیلہ تعمیر بیت اللہ کے شرف سے محروم نہ رہے اور تمام قبائل برابری کے درجہ میں پوری لگن اور تندہی سے ایک عظیم الشان کام سے عہدہ برآ ہو سکیں اور حسد، عداوت یا مسابقت کے امکانات بھی باقی نہ رہیں،

ثُمَّ إِنَّ قُرَيْشًا جَزَّأَتْ الْكَعْبَةَ

چنانچہ تعمیر بیت اللہ کے لئے مختلف قبائل میں حصص کو یوں تقسیم کیا گیا۔

فَكَانَ شِقُّ الْبَابِ لِبَنِي عَبْدِ مَنَافٍ وَزُهْرَةَ

حجر اسود سے رکن یمانی تک دروازے تک کا حصہ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ بنائیں۔

وَكَانَ مَا بَيْنَ الرُّكْنِ الْأَسْوَدِ وَالرُّكْنِ الْيَمَانِي لِبَنِي مَخْزُومٍ، وَقَبَائِلُ مِنْ قُرَيْشٍ انْضَمُّوا إِلَيْهِمْ

حجر اسود سے رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنو مخزوم اور بنو تمیم اور قریش کے دیگر قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔

وَكَانَ ظَهْرُ الْكَعْبَةِ لِبَنِي جُمَحٍ وَسَهْمٍ ، ابْنَيْ عَمْرِو بْنِ هُصَيْصِ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ

رکن یمانی اور رکن عراقی کا درمیانی حصہ بنو جمح اور بنو سہم کو ملا۔

وَكَانَ شِقُّ الْحَجَرِ لِبَنِي عَبْدِ الدَّارِ بْنِ قُصَيٍّ، وَلِبَنِي أَسَدِ بْنِ الْعُزَّى بْنِ قُصَيٍّ، وَلِبَنِي عَدِيِّ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ، وَهُوَ الْحَطِيمُ

حطیم کی جانب والی دیوار بنو عبد الدار بن قصی، بنو اسد بن عبد العزیٰ اور بنو عدی بن کعب کے حصہ میں آئی۔ [1]

فَتَشَاغَلَتْ قُرَيْشٌ فِي هَدْمِ الْكَعْبَةِ، فَهَابُوا هَدْمَهَا، فَقَالَ لَهُمُ الْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ: أَتُرِيدُونَ بِهَدْمِهَا الْإِصْلَاحَ أَمِ الْإِسَاءَةَ؟ قَالُوا بَلْ نُرِيدُ الْإِصْلَاحَ. قَالَ: فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُهْلِكُ الْمُصْلِحِينَ. قَالُوا: مَنِ الَّذِي يَعْلُوهَا فَيَهْدِمُهَا؟ قَالَ الْوَلِيدُ بْنُ الْمُغِيرَةِ: أَنَا أَعْلُوهَا فَأَهْدِمُهَا. فَارْتَقَى الْوَلِيدُ عَلَى جَدْرِ الْبَيْتِ وَمَعَهُ الْفَأْسُ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ إِنَّا لَا نُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ. ثُمَّ هَدَمَ، فَلَمَّا رَأَتْ قُرَيْشٌ مَا هَدَمَ مِنْهَا، وَلَمْ يَأْتِهِمْ مَا يَخَافُونَ مِنَ الْعَذَابِ، هَدَمُوا مَعَهُ اللَّهمّ إِنَّا لَا نُرِيدُ إِلَّا الْخَيْرَ

بیت اللہ کی عظمت رعب و دبدبہ اور دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر و خوف رکھتے ہوئے جب بیت اللہ کو منہدم کرنے کا وقت آیا تو کسی میں ہمت نہیں

---

[1] ابن ہشام ۱/۱۹۵، الروض الانف ۲/۱۷۱، سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد ۲/۱۷۰، تاريخ الخميس في أحوال أنفس النفيس ۱/۱۱۴

تھی کہ وہ بیت اللہ کو گرانے کے لئے دیوار پر کدال چلائے، آخر ہمت باندھ کر ولید بن مغیرہ خانہ کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر کھڑا ہوا اللہ سے دعا کی، اے اللہ ہم صرف خیر اور بھلائی کی نیت رکھتے ہیں، معاذ اللہ ہماری نیت بری نہیں، ہم تیرے مقدس گھر کو ویران کرنے کی ناپاک جسارت ہر گز نہیں کر رہے بلکہ اس کی آباد کاری تحفظ اور استحکام چاہتے ہیں اور پھر حجر اسود اور رکن یمانی کی طرف سے دیوار گرانی شروع کر دی مگر کوئی اور شخص یہ ہمت نہ کر سکا اور سب کہنے لگے کہ آج رات کا انتظار کرو کہ کہیں ولید بن مغیرہ پر کسی قسم کا کوئی آسمانی عذاب تو نازل نہیں ہو جاتا اگر ولید پر کوئی آفت نازل ہوئی تو ہم کچھ نہیں کرائیں گے بلکہ ولید کے گرائے ہوئے حصے کو اسی طرح اصل کے مطابق بنا دیں گے بصورت دیگر اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کام سے راضی ہے، سب کی ساری رات بے چینی میں گزری کہ دیکھیں ولید بن مغیرہ کے ساتھ کیا ہوتا ہے، دوسری صبح ہوئی تو سب نے دیکھا کہ ولید بن مغیرہ اپنا پھاءلہ لے کر صحیح سالم بیت اللہ میں داخل ہوا تو لوگوں کی ہمت بندھ گئی کہ ہمارے اس عمل سے اللہ راضی ہے چنانچہ سب قبائل دل وجاں سے تقسیم شدہ حصص کے مطابق دیواروں کے پتھر اتارنے لگ گئے،

حَتَّى إِذَا انْتَهَى الْهَدْمُ بِهِمْ إِلَى الْأَسَاسِ، أَسَاسِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، أَفْضَوْا إِلَى حِجَارَةٍ خُضْرٍ كَالْأَسْنِمَةِ آخِذٌ بَعْضُهَا بَعْضًا فَحَدَّثَنِي بَعْضُ مَنْ يَرْوِي الْحَدِيثَ: أَنَّ رَجُلًا مِنْ قُرَيْشٍ، مِمَّنْ كَانَ يَهْدِمُهَا، أَدْخَلَ عَتَلَةً بَيْنَ حَجَرَيْنِ مِنْهَا لِيُقْلِعَ بِهَا أَحَدَهُمَا، فَلَمَّا تَحَرَّكَ الْحَجَرُ تَنَقَّضَتْ مَكَّةُ بِأَسْرِهَا، فَانْتَهَوْا عَنْ ذَلِكَ الْأَسَاسِ

وقت کے ساتھ ساتھ پتھر ہٹاتے ہٹاتے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادیں نمودار ہو گئیں، جو کہ سبز رنگ کے پتھروں پر مشتمل تھیں اور وہ پتھر دندانوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ پیوست تھے، ابن ہشام کہتے ہیں مجھ سے یہ بیان کرنے والوں میں سے کسی نے بتایا ہے کہ ایک قریشی نے جب ان بنیادوں پر اپنا پھاءلہ چلایا تو ایک زوردار دھماکہ ہوا جس سے تمام مکہ لرز اٹھا، انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ سمجھ کر نیچے کھدائی کا کام بند کر دیا اور انہی بنیادوں پر تعمیر کا کام شروع کر دیا۔[1]

حسن اتفاق سے انہی دنوں ایک رومی تاجر یا قیصر شاہ روم کا مال بردار جہاز ایک گرجے کی تعمیر کے لئے لوہا، عمارتی لکڑی اور سنگ مرمر لے کر جا رہا تھا کہ طوفان کی وجہ سے شعیبیہ (حجاز کی قدیم بندرگاہ) کی بندرگاہ سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا قریش نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور ولید بن مغیرہ کو ایک وفد کے ہمراہ لکڑی حاصل کرنے کے لئے جدہ بھیج دیا۔[2]

ثُمَّ إِنَّ سَفِينَةً لِلرُّومِ أَقْبَلَتْ، حَتَّى إِذَا كَانَتْ بِالشُّعَيْبَةِ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ سَاحِلُ مَكَّةَ قَبْلَ جُدَّةَ، فَانْكَسَرَتْ فَسَمِعَتْ بِهَا قُرَيْشٌ، فَرَكِبُوا إِلَيْهَا وَأَخَذُوا خَشَبَهَا وَرُومِيًّا كَانَ فِيهَا يُقَالُ لَهُ بَاقُومُ نَجَّارًا بَنَّاءً، فَلَمَّا قَدِمُوا بِهِ مَكَّةَ قَالُوا: لَوْ بَنَيْنَا بَيْتَ رَبِّنَا. فَاجْتَمَعُوا لِذَلِكَ وَنَقَلُوا الْحِجَارَةَ مِنَ الضَّوَاحِي

ولید بن مغیرہ نے ٹوٹے ہوئے جہاز کے تختے بیت اللہ کی چھت کے لئے حاصل کر لئے، ولید بن مغیرہ کو وہاں ایک رومی معمار باقوم بھی ملا جو اپنے فن میں بڑا ماہر تھا، ولید بن مغیرہ نے باقوم کو مکہ معظمہ آنے اور بیت اللہ تعمیر کرنے کی پیش کش کی چنانچہ وہ ان کی درخواست پر مکہ معظمہ چلا آیا،

---

[1] ابن ہشام ۱۹۶/۱

[2] اخبارمکة ۱۵۸

ولید بن مغیرہ کی آمد سے قبل قریش نے پتھروں کی تراش خراش کر کے ذخیرہ کر رکھا تھا اور جدت و مضبوطی کے ساتھ تعمیر کرنے کے لئے پوری طرح مستعد تھے، ساتھ ہی اللہ کے حکم سے مضبوط اور عمدہ قسم کی لکڑی بھی دستیاب ہو گئی تھی سب کچھ تیار تھا چنانچہ جیسے ہی باقوم رومی معمار مکہ پہنچا پہلے سے موجود بنیادوں پر ہر قبیلہ نے علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کر کے ازسر نو تعمیر شروع کر دی۔ [1]

جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: لَمَّا بُنِيَتِ الكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَبَّاسٌ يَنْقُلاَنِ الحِجَارَةَ، فَقَالَ العَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اجْعَلْ إِزَارَكَ عَلَى رَقَبَتِكَ، فَخَرَّ إِلَى الأَرْضِ، وَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: أَرِنِي إِزَارِي فَشَدَّهُ عَلَيْهِ

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (زمانہ جاہلیت میں) جب کعبہ کی تعمیر ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس رضی اللہ عنہ بھی پتھر اٹھا کر لا رہے تھے (پتھر اٹھاتے اٹھاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کندھا مبارک بھی پتھروں کی رگڑ سے چھل گیا تھا) یہ دیکھ کر عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اپنا تہبند اتار کر کاندھے پر ڈال لو (تاکہ پتھر اٹھانے میں سہولت ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا مگر آپ کی چادر کھلنے کی دیر تھی کہ آپ بیہوش ہو کر گر زمین پر گر پڑے اور آنکھیں آسمان کی طرف لگ گئیں (چچا عباس رضی اللہ عنہ نے فوراً آپ کی ستر پوشی کی، جب آپ ہوش میں آئے تو) آپ کہنے لگے مجھے میرا تہبند دے دو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مضبوط باندھ لیا۔ [2] قریش نے تعمیری فنڈ کے لئے حلال مال کی کڑی شرط عائد کی تھی،

فَلَمَّا جَمَعُوا مَا أَخْرَجُوا مِنَ النَّفَقَةِ قَلَّتِ النَّفَقَةُ عَنْ أَنْ تَبْلُغَ لَهُمْ عِمَارَةَ الْبَيْتِ كُلِّهِ، فَتَشَاوَرُوا فِي ذَلِكَ، فَأَجْمَعَ رَأْيُهُمْ عَلَى أَنْ يَقْصُرُوا عَنِ الْقَوَاعِدِ، وَيَحْجُرُوا مَا يَقْدِرُونَ عَلَيْهِ مِنْ بِنَاءِ الْبَيْتِ، وَيَتْرُكُوا بَقِيَّتَهُ فِي الْحِجْرِ، عَلَيْهِ جِدَارٌ مُدَارٍ يَطُوفُ النَّاسُ مِنْ وَرَائِهِ، فَفَعَلُوا ذَلِكَ چنانچہ جمع شدہ فنڈ تعمیری ضروریات کے لئے ناکافی ثابت ہوا چنانچہ قریش نے تعمیری خدوخال اپنی صوابدید کے مطابق وضع کیے انہیں آثار ابراہیمی کا بقا مقصود تھا اور نہ ہی اس معاملہ میں مشیت ایزدی کے طلب گار تھے اس لئے سرداروں کی کابینہ نے فعل الحال کچھ حصہ چھوڑ کر دیواریں کھڑی کرنے اور چھوڑے ہوئے حصہ کو بعد میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا مگر وہ ایسا نہ کر سکے اور جو جگہ چھوڑی تھی نشان دہی کے لئے اس کے گرد چھوٹی سی خمدار دیوار بنادی، اس حصہ کا نام حطیم یا حجر اسماعیل ہے۔ [3]

اس طرح کعبہ مستطیل شکل کے بجائے تقریباً مربع شکل کا بن گیا، باقوم نے کعبہ کی تعمیر میں اپنے فن کا خوب مظاہرہ دکھایا جب دیواریں چھت تک بلند ہو گئیں تو اس نے دریافت کیا کہ چھت قبہ نما بنائی جائے یا ہموار؟ قریش نے کہا اللہ کے گھر کی چھت ہموار بنائے۔ [4] باقوم نے ان حاصل شدہ تختوں سے بیت اللہ کے اوپر مضبوط اور عمدہ لکڑی کی چھت بنادی جس کو سہارا دینے کے لئے دو قطاروں میں چھ ستون کھڑے

---

[1] اخبار مکۃ ۱۵۷

[2] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ فَضْلِ مَكَّةَ وَبُنْيَانِهَا ۱۵۸۲

[3] اخبار مکہ بناء قریش ۱۶۳

[4] تاریخ القویم ۳/۴۰۱

کئے، اوپر چھت پر چڑھنے کے لئے رکن عراقی کی جانب لکڑی کا زینہ اور چھت سے برساتی پانی گرنے کے لئے لکڑی کا پرنالہ بھی بنایا جس کا پانی حطیم میں گرنے لگا۔

تنصیب حجر اسود

تمام قبائل بیت اللہ کی تعمیر کے مقدس کام کو پوری یک جہتی، بحسن خوبی اور تیز رفتاری سے سرانجام دیتے رہے، اس طرح بیت اللہ کی عمارت سب قبائل کے اشتراک سے بہت جلد کھڑی ہوگئی مگر جب حجر اسود کی تنصیب کا وقت آیا تو قریش شدید اختلاف کا شکار ہو گئے اور بڑا تنازع کھڑا ہو گیا کہ حجر اسود کو اپنی جگہ کون نصب کرے گا سب قبائل اس شرف وعزاز کو اپنے طور پر حاصل کرنا چاہتے تھے اور تمام قبائل جو ریوڑ کو پانی پلانے، گھوڑوں کے دوڑانے اور اس طرح کی معمولی باتوں پر برسوں پر محیط جنگ شروع کر دیتے تھے اپنے ارادے سے ہٹنے کو بالکل تیار نہ تھے، یہ نزاع اس قدر بڑھا کہ جنگ کی شکل اختیار کر گیا ہر قبیلے نے تلواریں سونت لیں اور کٹ مرنے کو تیار ہو گئے، عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تو کسی برتن میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا،

فَقَرَّبَتْ بَنُو عَبْدِ الدَّارِ جَفْنَةً مَمْلُوءَةً دَمًا، ثُمَّ تَعَاقَدُوا هُمْ وَبَنُو عَدِيٍّ عَلَى الْمَوْتِ، وَأَدْخَلُوا أَيْدِيَهُمْ فِي ذَلِكَ الدَّمِ فِي تِلْكَ الْجَفْنَةِ، فَسُمُّوا: لَعَقَةَ الدَّمِ، فَمَكَثَتْ قُرَيْشٌ عَلَى ذَلِكَ أَرْبَعَ لَيَالٍ أَوْ خَمْسًاثُمَّ إِنَّهُمُ اجْتَمَعُوا فِي الْمَسْجِدِ، فَتَشَاوَرُوا وَتَنَاصَفُوا فآخر الْأَمر إِن أَبَا أُمَيَّة بن الْمُغيرَة بن عبد الله بن عمرَان بن مَخْزُوم كَانَ عامئذ أسن قُرَيْش كلهم، فَقَالَ: يَا معشر قُرَيْش إجعلوا بَيْنكُم فِيمَا تختلفون فِيهِ أول من يدْخل من بَاب هَذَا الْمَسْجِد يقْضِي بَيْنكُم فِيهِ ،فَكَانَ أَوَّلَ دَاخِلٍ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَأَوْهُ قَالُوا: هَذَا الْأَمِينُ رَضِينَا، هَذَا مُحَمَّدٌ.

اس موقعہ پر بنی عبد الدار اور بنی عدی نے برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر حلف اٹھایا کہ ہم سب جان تو دے سکتے ہیں مگر حجر اسود کسی دوسرے کو نصب نہیں کرنے دیں گے، یہ امکانی ہولناک جنگ کا بننے والا تنازع چار پانچ دن تک حل طلب رہا مگر کوئی تصفیہ نہ ہو سکا، آخر حالات کی سنگینی اور موقع کی نزاکت کے پیش نظر اس گتھی کو سلجھانے کے لئے قریش حرم میں جمع ہوئے، اور قریش کے ایک معمر اور سن رسیدہ شخص ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے قبائل کے سامنے ایک تجویز پیش کی کہ اس مسئلہ پر کسی کو حکم بنا دیں وہ جیسا فیصلہ کرے اس پر سب کاربند ہو جائیں، مشورہ معقول تھا جو تسلیم کر لیا گیا اب مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ اتنے بڑے اور اہم کام کے لئے حکم کسے بنایا جائے، جب ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو یہ فیصلہ طے پایا کہ جو کوئی شخص صبح سب سے پہلے داخل ہو اسے حکم تسلیم کر لیا جائے، اس تجویز کو اتفاق رائے سے پذیرائی بخشی گئی چنانچہ دوسرے روز معززین قریش موقع پر جمع ہو گئے، اللہ کے رسول ﷺ روزانہ ہی صبح صبح بیت اللہ میں تشریف لے آتے تھے، اللہ نے ان سے ہی یہ اہم کام لینا تھا چنانچہ اس دن بھی آپ ﷺ پہلے بیت اللہ میں داخل ہوئے، قریش مکہ کو آپ ﷺ کے بارے میں خوب علم تھا کہ آپ کی طبیعت میں کسی قسم کے طمع ولالچ، جذبہ حب وجاہ اور شہرت طلبی موجود نہیں، آپ لہو ولعب اور تضییع اوقات سے دور رہتے ہیں، جھوٹ وفریب، عیاری ومکاری، بدعہدی اور اسی قبیل کے کسی بھی کام کو پسند نہیں کرتے، اس لئے آپ ﷺ کو دیکھ کر لوگوں کے چہرے مسرت وانبساط سے پھول

کی طرح کھل اٹھے اور تمام قبائل یکساں طور پر با آواز بلند پکار اٹھے بے شک یہ امین ہیں، ہم اس کے فیصلے پر رضامند ہیں، یہ محمد ہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کا عادلانہ فیصلہ:

آپ کی شان رحمت للعالمین یہ کب گوارا کرسکتی تھی کہ وہ اس شرف سے تنہا بہرہ اندوز ہوں، اللہ نے آپ ﷺ کو بڑی معاملہ فہمی اور زیرکی عطا فرمائی تھی آپ نے بے مثال دانشوری اور حسن تدبر سے ایسا طرز عمل اختیار فرمایا جس سے تمام قبائل کی دلی آرزو بھی پوری ہوگئی اور قتل وقتال اور خوں ریزی کا عذاب بھی ٹل گیا،

فَأَمَرَ بِالرُّكْنِ فَوُضِعَ فِي ثَوْبٍ، ثُمَّ أَمَرَ سَيِّدَ كُلِّ قَبِيلَةٍ فَأَعْطَاهُ نَاحِيَةَ الثَّوْبِ، ثُمَّ ارْتَقَى وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَرْفَعُوهُ إِلَيْهِ، فَرَفَعُوهُ إِلَيْهِ، وَكَانَ هُوَ الَّذِي وَضَعَهُ فَطَلَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: هَذَا الْأَمِينُ، قَدْ رَضِينَا بِهِ

آپ (ﷺ) نے تمام دعویٰ دار قبائل کا ایک ایک سردار منتخب کیا پھر آپ نے زمین پر اپنی چادر پھیلادی اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اٹھا کر اس پر رکھ دیا، پھر قبائل کے ان منتخب سرداروں سے فرمایا کہ وہ سب اس چادر کو پکڑ کر اٹھائیں اور دیوار پر لگانے کی مطلوبہ جگہ پر لے آئیں اس بات کو سب نے پسند کیا اور سب نے مل کر چادر اٹھائی اور دیوار کی طرف چل پڑے جب حجر اسود اپنی مطلوبہ جگہ پر پہنچ گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسے اٹھا کر اسکی جگہ پر نصب فرمادیا اس طرح رسول اللہ ﷺ کی فہم وفراست اور حسن تدبیر سے ہونے والی ایک خونخوار جنگ کا خاتمہ کر دیا، آپ کی عظمت وجلالت کا سکہ بھی تمام قبائل کے دلوں پر بیٹھ گیا اور آپ نے نبی مقرر ہونے سے پانچ سال پہلے ہی قریش و دیگر قبائل سے سیادت کی شہادت حاصل کرلی، اور وہ لوگ آپ کو الامین کے مبارک لقب سے پکارنے لگے ہم اسی پر راضی ہیں۔ [2]

وَكَانُوا قَدْ أَخْرَجُوا مَا كَانَ فِي الْبَيْتِ مِنْ حِلْيَةٍ وَمَالٍ وَقَرْنَيِ الْكَبْشِ، وَجَعَلُوهُ عِنْدَ أَبِي طَلْحَةَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى بْنِ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِ الدَّارِ بْنِ قُصَيٍّ، وَأَخْرَجُوا هُبَلَ، وَكَانَ عَلَى الْجُبِّ الَّذِي فِيهِ نَصَبَهُ عَمْرُو بْنُ لُحَيٍّ هُنَالِكَ، وَنَصَبَ عِنْدَ الْمَقَامِ، حَتَّى فَرَغُوا مِنْ بِنَاءِ الْبَيْتِ، فَرَدُّوا ذَلِكَ الْمَالَ فِي الْجُبِّ،

قریش نے تعمیر کے وقت کعبہ میں معلق زیورات، قیمتی سامان، اسماعیل علیہ السلام کے دنبہ کے سینگ جو مغربی دیوار میں آویزاں تھے اور جن پر لوگ خوشبو لگایا کرتے تھے اور کعبہ کا خزانہ یہ تمام اشیاء ابی طلحہ بن عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قصیٰ کے گھر پر محفوظ کر دی تھیں، ہبل کا بت جو خزانہ کعبہ کے کنوئیں پر نصب تھا اسے نکال کر مقام ابراہیم کے قریب نصب کیا، تعمیر سے فارغ ہو کر یہ تمام چیزیں اپنی اپنی جگہ لوٹادی گئیں۔ [3]

جب قریش تعمیر کعبہ سے فارغ ہو گئے تو زبیر بن عبدالمطلب نے یہ اشعار کہے جس میں انہوں نے اس بڑے سانپ کا بھی ذکر کیا جس سے

---

[1] ابن ہشام ۱۹۷/۱، الروض الانف ۱۸۳/۲، عیون الاثر ۶۶/۱، تاریخ طبری ۲۹۰/۲

[2] فتح الباری ۱۴۶/۷، اخبار مکۃ ۱۵۷

[3] اخبارمکہ ۱۶۶

قریش ڈرتے تھے۔

عَجِبْتُ لِمَا تَصَوَّبَتْ الْعُقَابُ إِلَى الثُّعْبَانِ وَهِيَ لَهَا اضْطِرَابُ

جب عقاب سانپ کی طرف اتر آیا تو مجھے اس سے تعجب ہوا کیونکہ عقاب تو سانپ سے ڈرتا ہے

وَقَدْ كَانَتْ يَكُونُ لَهَا كَشِيشٌ وَأَحْيَانًا يَكُونُ لَهَا وِثَابُ

اور اس سانپ کی کھال سے کبھی تو ایک خاص قسم کی آواز نکلا کرتی تھی اور کبھی وہ حملہ ہی کر دیا کرتا تھا

إِذَا قُمْنَا إِلَى التَّأْسِيسِ شَدَّتْ تُهَيِّبُنَا الْبِنَاءَ وَقَدْ تُهَابُ

جب کعبے کی تعمیر نو کے لیے ہم اٹھتے تو سانپ ہمیں ڈرانے کے لیے اس عمارت پر سے حملہ کرتا اور خود بھی ڈرتا تھا

فَلَمَّا أَنْ خَشِينَا الرِّجْزَ جَاءَتْ عُقَابٌ تَتْلَئِبُّ لَهَا انْصِبَابُ

جب ہم اس کی طرف سے تکلیف و نقصان سے ڈر گئے تو ایک عقاب آیا جو خاص اسی مقصد کے لیے نازل ہوا تھا

فَضَمَّتْهَا إِلَيْهَا ثُمَّ خَلَّتْ لَنَا الْبُنْيَانَ لَيْسَ لَهُ حِجَابُ

اس (عقاب) نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا پھر اس سے ہمارے لیے کعبے کی عمارت خالی ہوگئی اور اب کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی

فَقُمْنَا حَاشِدِينَ إِلَى بِنَاءٍ لَنَا مِنْهُ الْقَوَاعِدُ وَالتُّرَابُ

ہم سب کے متفقہ طور پر جلد تعمیر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اس کی بنیادوں اور مٹی کا کام ہمارے ہی ذمے تھا

غَدَاةَ نَرْفَعُ التَّأْسِيسَ مِنْهُ وَلَيْسَ عَلَى مُسَوِّينَا ثِيَابُ

اس دن جبکہ ہم کعبے کی بنیاد اونچی کر رہے تھے اور ہم میں سے کام کرنے والوں کے جسم پر کپڑے بھی نہ تھے

أَعَزَّ بِهِ الْمَلِيكُ بَنِي لُؤَيٍّ فَلَيْسَ لِأَصْلِهِ مِنْهُمْ ذَهَابُ

اللہ تعالیٰ نے اس (مقدس کام) کی وجہ سے بنی لوی کو اعزاز بخشا کہ یہ اعزاز کبھی ختم نہیں ہوسکتا

وَقَدْ حَشَدَتْ هُنَاكَ بَنُو عَدِيٍّ وَمُرَّةُ قَدْ تَقَدَّمَهَا كِلَابُ

اس جگہ بنی عدی بھی جمع تھے جو کام میں سرگرم عمل تھے اور بنی مرہ بھی لیکن کلاب تو سب سے پیش پیش تھے

فَبَوَّأَنَا الْمَلِيكُ بِذَاكَ عِزًّا وَعِنْدَ اللهِ يُلْتَمَسُ الثَّوَابُ

اس مقدس کام کی وجہ سے اللہ بادشاہ نے ہمیں عزت سے سرفراز فرمایا اور اجر و ثواب بھی اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کیا جاتا ہے۔[1]

تعمیر قریش کی خاص باتیں

- ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں دیواریں نو ذراع (۱۳ فٹ چھ انچ یعنی چار میٹر ۱۱ سنٹی میٹر) اونچی تھیں مگر قریش نے مزید نو ذراع کا اضافہ کر دیا جس سے کل بلندی ۱۸ ذراع (۲۷ فٹ یعنی نو میٹر ۲۸ سنٹی میٹر ہوگئیں۔

[1] ابن ہشام ۱/۱۹۸

○ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو مستطیل شکل میں تعمیر کیا تھا قریش نے حطیم کا حصہ چھ ذراع اور ایک بالشت چھوڑ کر تقریباً مربع شکل کا تعمیر کیا۔

○ ابراہیم علیہ السلام نے بغیر تراشیدہ پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر فرمائی تھی مگر قریش نے سب سے پہلے تراشیدہ اور بنائے ہوئے پتھروں سے بیت اللہ کی تعمیر کی۔

○ ابراہیم علیہ السلام نے دروازہ زمین کے برابر رکھا تھا مگر قریش نے اپنی بڑائی، تکبر اور نخوت کی وجہ اسے قد آدم اونچا کر دیا تاکہ قریش کی مرضی ومنشا اور اجازت کے بغیر کوئی شخص بیت اللہ کے اندر داخل نہ ہو سکے۔[1]

○ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ میں کوئی دروازہ نہیں لگایا تھا مگر قریش نے بیت اللہ کا مضبوط دروازہ بنوا کر تالہ چابی کا انتظام کیا۔

○ ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں چاروں کونوں میں رکن تھے جن کا استلام کیا جاتا تھا لیکن قریش نے دو رکن کم کر دیئے جس کے باعث صرف حجراسود اور رکن یمانی کا استلام باقی رہ گیا۔

○ تعمیر ابراہیمی میں چھت نہیں تھی مگر قریش نے لکڑی کی مضبوط اور عمدہ چھت بنوا ڈالی۔

○ جب ابراہیم علیہ السلام نے چھت ہی نہیں بنائی تھی تو پرنالہ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے لیکن جب قریش نے چھت بنائی تو چھت کے پانی کی نکاسی کے لئے لکڑی کا پرنالہ بھی بنایا جس سے چھت کا پانی حطیم میں گرنے لگا بعد میں مختلف سلاطین نے اسے متعدد بار سونے، چاندی یا چاندی پر سونے کا ملمع کر کے تبدیل کیا۔

○ ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ کو بغیر چھت کے بنایا تھا اس لئے چھت کو سہارا دینے کے لئے ستون بھی نہیں تھے مگر قریش نے چھت بنائی اور اس کو سہارا دینے کے لئے تین تین ستونوں کی دو قطاروں میں چھ ستون بنائے۔

○ چھت پر چڑھنے کے لئے بیت اللہ کے اندر رکن عراقی کی جانب لکڑی کا زینہ بھی بنایا۔

○ ابراہیم علیہ السلام نے دیواروں کی چنائی پتھروں سے کی تھیں مگر قریش نے دیواروں کی چنائی پتھر اور لکڑی کی مشترکہ ردوں سے کی یعنی ایک ردہ پتھر کا اور ایک ردہ لکڑی کا بنایا، اس طرح ردوں کی مجموعی تعداد اکتیس تھی جس میں سولہ ردے پتھر کے اور پندرہ ردے لکڑی کے تھے۔

○ قریش نے ایک انتہائی قبیح جدت یہ بھی کی کہ کعبہ کے اندرونی دیواروں پر، چھت کے اندر اور ستونوں پر ملائکہ عظام کی تصویریں اور خوبصورتی کے لئے بیل بوٹے بنائے۔ ابراہیم علیہ السلام کا بت بنا کر اس کے ہاتھ میں تیر تھما دیئے، ان کے علاوہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم کے بت بھی بنائے، جن سے کعبہ کی تطہیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمائی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ فَضْلِ مَكَّةَ وَبُنْيَانِهَا ۱۵۸۴ ،صحیح مسلم کتاب الحج بَابُ جَدْرِ الْكَعْبَةِ وَبَابِهَا ۳۲۴۹،سنن ابن ماجه کتاب المناسک بَابُ فَضْلِ الطَّوَافِ ۲۹۵۶

رسول اللہ ﷺ کا قریش کی تعمیر پر اظہار ناپسندیدگی

قریش کی تعمیر کے وقت اگرچہ آپ ﷺ اپنی فہم وفراست میں کافی شہرت کے مالک تھے مگر قریش نے دارلندوہ میں جمع ہوکر تعمیری منصوبہ قبائلی سرداروں کی کابینہ میں منظور کیا تھا جس سے روگردانی اور انحراف ناممکنات میں سے تھا، وہ نہ تو کسی کی تنقید گوارہ کرتے تھے اور نہ ہی ان کے منظور شدہ پروگرام میں تبدیلی کی جرات کرسکتا تھا، قریش نے بیت اللہ کے تعمیری خدوخال (بلندی، چھت، دروازے وغیرہ) اپنی صوابدید کے مطابق وضع کئے تھے، چنانچہ اس واقعہ کے پانچ سال بعد جب رسول اکرم محمد ﷺ خلعت نبوت سے نوازے گئے تو آپ ﷺ کے حساس دل میں ابراہیمی بنیادوں میں تبدیلی اور قریش کی من چاہی جدت کانٹے کی طرح کھٹکنے لگی، جس کا اظہار وہ گاہے گاہے اپنی چہیتی بیوی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلاَ أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَأَمَرْتُ بِالْبَيْتِ، فَهُدِمَ، فَأَدْخَلْتُ فِيهِ مَا أُخْرِجَ مِنْهُ، وَأَلْزَقْتُهُ بِالأَرْضِ، وَجَعَلْتُ لَهُ بَابَيْنِ، بَابًا شَرْقِيًّا، وَبَابًا غَرْبِيًّا، فَبَلَغْتُ بِهِ أَسَاسَ إِبْرَاهِيمَ، لَأَنْفَقْتُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ فِي سَبِيلِ اللهِ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول االلہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو گرانے کا حکم دے دیتا تا کہ (نئی تعمیر میں) اس حصہ کو بھی بیت اللہ میں داخل کردوں جو اس سے باہر رہ گیا ہے اور اس کی کرسی زمین کے برابر کردوں اور اس کے دو دروازے بنادوں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور کعبہ کا خزانہ اللہ کی راہ میں خرچ کردیتا۔ [1]

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَلَمْ تَرَيْ أَنَّ قَوْمَكِ حِينَ بَنَوْا الْكَعْبَةَ اقْتَصَرُوا عَنْ قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَفَلَا تَرُدُّهَا عَلَى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْلَا حِدْثَانُ قَوْمِكِ بِالْكُفْرِ لَفَعَلْتُ

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تو دیکھتی نہیں کہ جب تیری قوم نے بیت اللہ تعمیر کیا تو اسے قواعد ابراہیمی سے گھٹادیا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر کیوں نہیں پھیر دیتے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تیری قوم کا ایمان تازہ اور زمانہ کفر قریب نہ ہوتا تو میں ایسا کرگزرتا۔ [2]

لیکن نامساعد حالات، مذہبی، ملکی، سیاسی اور اقتصادی امور کی طرف توجہ آپ کی اس خواہش کی تکمیل میں حائل رہی اور ابراہیمی بنیادوں کی تبدیلی کا درد دل میں لئے بیت اللہ کو اپنی ہیئت کذابہ پر چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے بعد میں زبیر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خواہش کو پورا کردیا تھا۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الحج بَابُ فَضْلِ مَكَّةَ وَبُنْيَانِهَا ۱۵۸۵، صحیح مسلم کتاب الحج باب نقض الكعبة وبنائها ۳۲۴۳، ۳۲۴۴

[2] صحیح مسلم کتاب الحج بَابُ نَقْضِ الْكَعْبَةِ وَبِنَائِهَا ۳۲۴۵، ۳۲۴۲

[3] صحیح مسلم کتاب الحج بَابُ نَقْضِ الْكَعْبَةِ وَبِنَائِهَا ۳۲۴۵